تحریکِ پاکستان اور نیشنلسٹ علماء

چوہدری حبیب احمد

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

Presented Online By:
اعلیٰ حضرت نیٹ ورک
Alahazrat Network
www.FazleHaq.com

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

تحریکِ پاکستان

اور نیشنلسٹ علماء

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں
اقبال

چودھری حبیب احمد

WWW.NAFSEISLAM.COM

البیان
چوک انارکلی ، لاہور

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

بار اوّل : فروری ۱۹۷۷ء
طابع : اشرف پریس لاہور
ناشر : محمد حنیف رامے
البیان چوک انارکلی لاہور

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

معرکۂ دین و وطن ‘

احکام ترے حق ہیں، مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پاژند!

(اقبالؒ)

نفسِ اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

Nafse-Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

اس مردِ جلیل کے نام

جو فطرتِ پاکستان کے طور پر حقیقت
سے عالمِ انسانیت کو متعارف کرے

اور

ان کے علوم و معارف کو برقرار رکھتے ہوئے ان میں شامل
جو نقص رہ گئے ہیں انسان کو نسل در نسل کے حدود و قیود
اور رنگ و نسل کے تعصبات کے بند حصوں سے آزاد
دیکھنے کے لیے سب اہالیانِ کے اخلاق و معاشرت انسانیت
دریافت علماء کے ہاتھ ہیں نے مطابق حیات قرآن
حکیم و سنت رسول کو جس انسان کے تمام علوم و فلسفہ
سے کر علیم و حکمت تو انسان کے اندر پیش کرے
انسانی دنیا کو ممکن اور قطرہ اور حاشیہ مکمل کرے
جس کی حیات اور ثبات اور اللہ کی محبت و معرفت سے
پیدا ہو نیا سلسلہ تہذیب کا اور انسانی زندگی کی
ذات، وحدتِ قانون اور وحدتِ مخلوق کی حقیقت کو
تسلیم کر کے ایک وحدت کر دیا جائے تاکہ انسانیت
(عالمیت) کی حدود و قیود انسانی میں دیکھی جا سکے
کو سائنس سے لے کر

آدم کو ثبات کی طلب ہے
دستورِ حیات کی طلب ہے
(اقبالؒ)

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(طبع اوّل)

ہماری اُبھرتی ہوئی نئی نسل نے تحریک پاکستان کی مدو جزر کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ اس تحریک کی کامیابی نے ہماری عظیم الشان مملکت کو جنم دیا۔ اور اب یہ مملکت اپنے ارتقائی مراحل سے گذر رہی ہے۔ وہ وقت قریب ہے جبکہ یہی نسل قومی زندگی کی زمام کار اپنے ہاتھوں میں لے گی اور اسے یقیناً معلوم نہیں کہ ہم نے اپنی خدا داد مملکت کے لیے یہ جنگ کیوں لڑی؟ تحریک پاکستان کا منشا و مقصود کیا تھا؟ متحدہ ہندوستان سے ہماری علیحدگی کی وجہ جواز کیا تھی اور اس مملکت کے حصول و قیام کے بعد ہم یہاں کس قسم کا نظام عمل کرنا چاہتے تھے؟ ان حالات میں اگر ہم نئی نسل کو انتہائی وضاحت سے یہ نہیں بتائیں گے کہ یہ معرکۂ دین و وطن کیوں پیش آیا اس وقت تک ان کے ذہنوں میں یہ مختلف سوالات برابر ابھرتے رہیں گے اور یہ ذہنی کش مکش انہیں مسلسل طلسم پیچ و تاب بنائے رکھے گی۔

یہ صورت حال انتہائی اضطراب انگیز اور پریشان کن ہے کہ ہماری قوم کے کارفرماؤں اور دانشوروں نے آج تک نئی نسل کو ان واقعات و حقائق سے متعارف کرانے کی ادنیٰ سعی و کاوش نہیں فرمائی۔ وہ نہ تو ہماری اس عظیم الشان اور انقلاب آفریں جد و جہد کی کوئی حقیقت کشا تاریخ مرتب کر سکے اور نہ نئی نسلوں کے قلوب و اذہان کو ان ارفع و اعلیٰ مقاصد کی روشنی

عطا کر سکے جن کی خاطر ایشیا کی سرزمین میں یہ انقلاب عظیم برپا کیا گیا اور اس کی بدولت عصر حاضر کی یہ عظیم ترین اسلامی مملکت نقشۂ عالم میں ابھر کر منظر عام پر آگئی۔ سوچیے کہ اپنی تاریخ کے ان جیتے جاگتے حقائق کی نقاب کشائی کیے بغیر ہم اپنی آئندہ نسلوں کے قلب و نگاہ کو کیوں کر وہ ذوق و شوق، فہم و بصیرت اور جذبۂ تحقیق و تجسس عطا کر سکتے ہیں جو ان کی عقابی روح کو بیدار کر کے اُسے بال کشائی کی اُمنگوں اور عزائم سے مالا مال کر سکے۔

ایک طرف یہ عالم ہے اور دوسری جانب یہ کیفیت کہ شیخ مکتب باس کشادہ دل سے بے نصیب ہے جو نونہالان ملت کے بڑھتے ہوئے پیچ و تاب کو سکون و اطمینان کا سرمایہ عطا کر سکے۔ اسے خود اس سے ادنیٰ دلچسپی نہیں کہ نئی نسل کے شاہین بچوں کے سینوں میں کیا کیا طوفان اُٹھ رہے ہیں اور انھیں کیوں کر ساحلوں کی پابندی میں حقیقی منزل کی جانب رواں دواں آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ ان نونہالان ملت کی اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہوگی کہ انھیں اس عظیم سالار انقلاب کے بارے میں کوئی قابل ذکر معلومات حاصل نہیں جو ہماری اس آزاد مملکت کے حصول و قیام کے لیے برطانوی ملوکیت اور نیشنل کانگریس کی منظم قوتوں سے مردانہ وار نبرد آزما رہا۔ اس نے انتہائی ناساعد حالات میں ہماری قومی آزادی اور استقلال کی شمع خون جگر سے روشن کی اور اسے مخالفت کی تند و تیز یورش طوفان کے ہر حملے سے بچاتا اپنے قافلہ سمیت منزل آخر تک پہنچ گیا۔ اُسے بیگانوں سے زیادہ اپنوں کی مخالفت کے تند و تیز وار سہنے پڑے۔ وہ تمام ملت کو ہندو سامراج کے بڑھتے ہوئے اندیشوں سے نجات دلانے کے لیے تاریخ کی ایک عظیم جنگ لڑ رہا تھا۔ اس کا اصل مقابلہ واردھا آشرم کے مہاتماؤں اور آنند بھون کے مہرہ بازوں سے تھا اور ان سیاسی شعبدہ بازوں نے بڑی عیاری سے خود ہمارے گھر کے جبہ و دستار

میں لیٹے ہوئے مذہبی پیشوا ـــــ امام الہند اور شیخ الہند ـــــ اس کے مقابل متحدہ الجیش بنا کر لا کھڑے کیے گئے تھے۔ کیا آج ہماری نئی نسل یہ تصور بھی کر سکتی ہے کہ مسلمانوں کے لیے جس جداگانہ مملکت کے حصول و قیام کی جنگ لڑی جا رہی تھی اُس کی سب سے زیادہ مخالفت خود مسلمانوں اور ان کے مذہبی اجارہ داروں کی طرف سے ہوئی ہو؟ لیکن اس تلخ اور المناک حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ایسا ہوا۔ اور روزِ روشن میں ہوا۔ اور یہ دو چار روز کی بات نہیں تھی بلکہ سالہا سال تک ملت اسلامیہ کی آزادی و استقلال اور عظمت رفتہ کی باز آفرینی کے لیے قائد اعظم انتہائی بے سرو سامانی کے عالم میں جو تاریخی معرکہ سرانجام دیتے رہے اس کی مخالفت میں ہماری اپنی ہی ملت کے امام و شیوخ لنگر لنگوٹے کس کر میدان میں ڈٹے کھڑے تھے اور اس مخالفت سے ان کا مقصد وا روحا اشرم اور آنند بھون کے آقایان ولی نعمت کی خوشنودی اور آخیر باد حاصل کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

لیکن آج کس بارگاہ میں یہ گلہ کریں کہ اس داستان غم کا کوئی باب بھی صحیح ترتیب پا کر اب تک قوم کے سامنے نہیں آیا۔ خود ملت پاک کے محسن جلیل اور قائد اعظم کے کوئی شایان شان سوانح حیات مرتب نہیں ہو سکے اور نتیجۃً قوم نہ صرف اپنے اس بیش بہا تاریخی سرمایے سے محروم ہوتی جا رہی ہے بلکہ اس سلسلہ بہادری کی بہت سی قیمتی کڑیاں زمانہ کی دستبرد کا شکار ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ چنانچہ آج ہر صاحب احساس میں یہ اضطراب انگیز سوال اُبھر رہے ہیں کہ اپنی اس خود فراموشی، غفلت اور ناعاقبت اندیشی کے باعث یہ سارا قیمتی سرمایہ کھو بیٹھیں گے؟ کیا ہماری موجودہ بے حسی ہمیشہ کے لیے یہ گوارا کر لے گی کہ ہماری آئندہ نسلیں تحریک پاکستان کے ماله وما علیہ کے بارے میں تاریکیوں کا شکار ہو کر رہ جائیں اور ان کی اس لاعلمی اور راز خود رفتگی کے نتیجے

میں وہ مقصود و منتہیٰ ہی نگاہوں سے اوجھل ہو کر رہ جائے جس کی خاطر ہم نے ایک دنیا سے لڑائی مول لی تھی؟

یاد رکھیے کہ اس مملکت عزیز کے حصول میں ہماری تاریخی کامیابی ہماری سعد بختی اور خوش نصیبی کا جیتا جاگتا مظہر تھی۔ لیکن اپنے اس فاتحانہ سفر کے نشانوں سے آنکھیں بند کر کے ہمارے کارفرماؤں نے گذشتہ اٹھارہ برس میں جس ناقابل برداشت بے اعتنائی کا ثبوت دیا ہے، اُسے نہ تو تاریخ کے مورخ معاف کریں گے اور نہ خدا کا قانون اور آئندہ نسلیں۔ ابھی وقت ہے کہ جن لوگوں نے ہماری کارفرمائی کی باگیں سنبھال رکھی ہیں وہ اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور نہ صرف اس تاریخی ریکارڈ کو محفوظ کرنے میں کوشاں ہوں بلکہ اسے صحیح ترتیب دے کر واقعات و حقائق کی یہ روشنی منظم طور پر آئندہ نسلوں کی راہ میں پھیلا دی جائے۔

اس کتاب میں تحریک پاکستان اور اس کے خلاف منفیانہ اور تخریبی سازشوں کی جو نقاب کشائی کی گئی ہے۔ وہ ایک فرد واحد کی ذاتی سعی و کاوش کا سرمایہ ہے۔ ایک ہیچمدان فرد کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ اس مقصد کے لیے ہر قسم کا ضروری مواد حاصل کر سکے ہماری یہ قلمی پیش کش وقت کی پکار کے جواب میں ایک انفرادی سی کوشش ہے۔ ہم نے ایک مدت اس شدت انتظار میں بسر کی کہ ہماری قومی قیادت و سیادت کے دعویدار خود اس اہم کام کو اپنے ہاتھوں میں لیں اور اپنے سرکاری ذرائع اور وسائل سے کام لیتے ہوئے تحریک پاکستان اور قائد اعظمؒ کی گرانمایہ شخصیت کے بارے میں پورا قابل اعتماد ریکارڈ یکجا کر کے اپنی نگرانی میں اس کی ترتیب و تدوین اور شیرازہ بندی سے عہدہ برآ ہوں۔ لیکن ہماری اس شدت انتظار کو بالآخر مایوسی سے دوچار ہونا پڑا اور ہم نے اپنی امکانی کوششوں اور صلاحیتوں کے مطابق اس کام کا بیڑا اُٹھا لیا۔

یہ پیش کش انہی انفرادی کوششوں کا ایک مختصر سا سرمایہ ہے۔ اس سے قبل ہم نے "جماعت اسلامی کا رُخِ کردار" کے نام سے قوم کے سامنے اپنی سعی و کاوش کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ اور اس میں علی رؤس الاشہاد اس حقیقت سے نقاب اُٹھایا تھا کہ ہمارے ہاں "اقامتِ دین" کے بلند بانگ نعروں میں نام نہاد "صالحین" کا جو مہذب طائفہ اسلام کے نام پر ملت کو مبتلائے فریب کیے ہوئے ہے۔ اس کا پس منظر کیا ہے؟ انھوں نے تحریک پاکستان کو ناکام بنانے کے لیے کیسے کیسے مقدس حربے اختیار کیے تھے اور ان کے آئندہ عزائم کیا ہیں؟ ہم خوش ہیں کہ تحریک پاکستان کے شیدائیوں اور مملکت پاکستان کے مخلص ترین فدائیوں نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہماری اس غریبانہ پیش کش کی دل کھول کر داد دی۔ ہمارے لیے سب سے بڑھ کر وجہ مسرت یہ حقیقت ہے کہ اس کتاب کے ذریعے ہم نے اسلام کے مقدس پردوں میں لپٹی ہوئی جس میکیاوُلی سیاست کو بے نقاب کیا تھا اس کے پُرفریب خدوخال اور کروڑوں پاکستانیوں سے ڈھکے چھپے نہیں رہے۔ اب ربع صدی کے اس نیم مذہبی اور نیم سیاسی فریب کا پردہ پوری طرح چاک ہوگیا ہے اور اب خود اس سومنات کے سالہاسال کے پجاری اس اعتراف حقیقت اور اعلان پر مجبور ہو رہے ہیں کہ وہ سالوں تک اسلام کے نام پر ایک سراسر سیاسی ڈھونگ کی مدح و ستائش کے ڈھنڈورچی بنے رہے۔

تحریک پاکستان کے مخالفین میں ایک اور خطرناک گروہ نیشنلسٹ علماء کا تھا۔ اس گروہ میں مولانا ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی جیسے امام الہند اور شیخ الہند شامل تھے۔ مسلمانوں کے ایک طبقہ میں انھیں بڑے تقدس اور احترام کا درجہ بھی حاصل تھا لیکن ہماری تاریخ کی یہ سب سے دلخراش اور جگر پاش داستان ہے کہ تحریک پاکستان کو ناکام

بنانے میں ملّت اسلامیہ کے خلاف جو مذموم کھیل انھوں نے کھیلا اور جو ناروا ڈرامے انھوں نے اسٹیج کیے، ملّت کے بدترین دشمنوں سے بھی اس کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اقبالؒ نے اسی داستانِ غم کی بنا پر خون کے آنسو روتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ؎

چنیں دورِ آسماں کم دیدہ باشد ۔۔۔ کہ جبریلِ امیں را دل خراشد
چہ خوش دیرے بنا کردند اینجا ۔۔۔ پرستد مومن و کافر تراشد

ہماری زیرِ نظر علمی پیش کش اسی تعمیرِ دیر اور اس کی مومنانہ "پرستش" کی غم انگیز تفصیل ہے۔۔ ان مقدسین نے غیروں کے اشارے پر "متحدہ قومیت" کے نام پر ایک نیا "سومنات" تعمیر کیا اور تحریکِ پاکستان کے خلاف اس بت کی پرستش عینِ اسلام قرار دی۔ ہم نے یہ ضرب المثل تو سنی تھی کہ شیطان اپنی تائید میں انجیلِ مقدس سے حوالے تلاش کرتا ہے لیکن یہ کسی مسلمان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ہماری اُمّت کے یہ وطن پرست مذہبی پیشوا "وطنیت کے سومنات" کی حمایت میں قرآن اور اسوۂ رسالت سے وہ وہ مضحکہ خیز دلائل منظرِ عام پر لائیں گے کہ ایک دنیا موجِ حیرت میں کھو جائے گی۔ تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ علامہ اقبالؒ اور مولانا حسین احمد مدنی کے مابین بھی معرکہ دین و وطن رونما ہوا اور اقبالؒ کو کہنا پڑا کہ ؎

شیخِ ملّت با حدیثِ دلنشیں
بر مرادِ او کند تفسیرِ دیں

آج شاید کوئی بھی یہ باور کرنے کو تیار نہ ہو گا کہ تیس برس قبل ہمارے چوٹی کے مذہبی پیشوا اس قسم کے کھیل بھی کھیلتے رہے۔۔ اور یہ سب کچھ واردھا آشرم کے مہاتماؤں اور آنند بھون کے پنڈتوں کی [illegible] فوج کا ہراول دستہ بن کر سرانجام دیا گیا۔

واقعات و حقائق کی یہ دلدوز و جگر سوز تفصیل کتنی ہی غیر پسندیدہ کیوں

نہ ہو، بہرحال ہماری "تاریخ آزادی و استقلال" کا ایک عبرت انگیز باب ہے اور جب تک یہ کڑی سامنے نہ آئے تحریک پاکستان کا سلسلۂ حقائق اپنے حقیقی انداز میں تاریخ کے طالب علموں کے سامنے نہیں آسکتا ہمیں اس مقصد کے لیے، اخبار و جرائد کے ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کرنی پڑی۔ ہزاروں صفحات پر مشتمل تاریخی مواد کا تجزیہ کرنا پڑا اور کئی سال کی اس جہد مسلسل اور سعیٔ پیہم سے ہم اس قابل ہوئے کہ اپنوں کے ہاتھوں جو کچھ ہم پر گذری اس کا یہ قابل اعتماد سلسلہ نکھر کر طالبانِ تحقیق و تجسس کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔

ہمیں احساس و اعتراف ہے کہ تحریک پاکستان اور اس کے قافلہ سالار کی معرکہ آرائیوں کی وہ تاریخ مرتب کرنا جو ہماری اس فتح عظیم کے شایان شان ہو، ایک فرد واحد کا کام نہیں بلکہ یہ اہم کام ہماری حکومت اور زعمائے ملت کی مشترک ذمہ داری ہے۔ اس مقصد کے لیے جس قدر ضروری مواد اور اہم دستاویزی ریکارڈ درکار ہے اُسے جمع کرنا اور پوری تحقیق و تجسس سے اُسے قابل اعتماد سطح پر شیرازہ بندی میں لانا انفرادی طور پر ممکن نہیں۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے ہمارے کارپردازان مملکت کو احساس فرض سے کام لینا پڑے گا اور انتہائی قابل اعتماد ذرائع اور پوری تفصیل سے اس دور کی تاریخ مرتب کرنی ہوگی جو تحریک پاکستان کی معرکہ آرائیوں اور ان کے پس منظر پر مشتمل ہے۔

زیر نظر کتاب کی ترتیب یوں ہے کہ مؤلف کی تحریر کے لیے جلی قلم جن کے اقتباسات پیش کیے گیے ہیں ان کے لیے درمیانہ۔ جو حوالے مؤلف اور دوسرے حضرات نے دیے ہیں اُن کے لیے باریک قلم استعمال کیا گیا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ حوالہ جاتی کتاب (REFRANCE BOOK) ہے جو تقریباً ایک ہزار پچاس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے مقصود و مطلوب تحریک پاکستان

[illegible] نے باؤنڈری کمیشن کے متعلق کیا [illegible]
[illegible] اس وجہ سے اس وقت ہمارا یہی اندازہ تھا۔

کے اسی ایک گوشہ کو نمایاں و واضح کرنا ہے۔ ہم ان تمام بزرگوں، دوستوں کے شکرگزار ہیں جنھوں نے فراہمی مواد میں ہماری حوصلہ افزائی اور مدد کی۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک طبقہ ہماری اس محنت و کاوش کو داستانِ پارینہ اور پرانے فسانے قرار دے کر اس اہم تقاضا کی ضرورت و اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے عقیدت و ارادت کی بنا پر ان بزرگوں کی تصویریں اپنے صنم کدۂ دل میں سجا رکھی ہیں جن کا خمیر علم گروغیرا اور جن کی صلاحیتیں گاندھی کی آرزوؤں کے لیے وقف ہو چکی تھیں لیکن ہر حق پسند زبانِ حقیقت سے پکار اُٹھے گا کہ ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا گیا ہے۔

ہماری اس کاوش سے اگر جوانانِ ملت کے ذہن و دماغ میں پیش کردہ حقیقت راسخ ہو گئی تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے ایک ملی فریضہ سرانجام دیا ہے۔

آئندہ ہمارا ارادہ "نظریۂ پاکستان" کے عنوان سے تصنیف پیش کرنے کا ہے۔ دراصل زیادہ تر اسی آرزو کی تکمیل کے لیے پہلی دونوں کتابیں نذرِ قارئین کی گئی ہیں۔ خدا اس کام کی تکمیل کے لیے توفیق و ہمت عطا فرمائے۔

چودھری حبیب احمد
یکم مئی ۱۹۶۵ء

ترتیب

پیش لفظ
تصورِ پاکستان ، ۱۰
سرِ عظیم وحدت علامہ اقبالؒ ، ۱۰
علامہ اقبالؒ کا خطبہ الہ آباد و مسلم لیگ
۱۹۳۰ء ، ۱۵
اقبالؒ کا ایک خط ، ۲۱
آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن
جون ۱۹۳۷ء ، ۲۲
پاکستان ، ۲۳
مسٹر این۔ سی دت ، ۲۴
لالہ لاجپت رائے کا خط بنام
مسٹر سی۔ آر۔ داس ، ۲۵
اعتراف حقیقت۔ بھائی پرمانند
کا بیان ، ۲۷
ایم۔ این۔ رائے ، ۲۸
ایک ڈرامہ ، ۲۹
مسٹر ستیہ مورتی ، ۲۹
مسٹر ایم۔ این۔ رائے اور متحدہ قومیت ۳۰
اعتراف ، ۳۱
مسٹر ایمری ، ۳۲
تقریر وائسرائے ، ۳۲
پیارے پنڈت جواہر لعل نہرو ، ۳۳
چودہ نکات ، ۳۷
بنام جواہر لعل از رگھو نندن سرن ۳۹
میرے عزیز جناح ، ۴۰
پنڈت نہرو بنام جناح ، ۴۴
پیارے جواہر لعل ، ۴۵
میرے عزیز جناح ، ۴۷
پیارے جواہر ، ۵۲
میرے عزیز جناح ، ۵۳
جواہر لعل بنام سید محمود
۲ فروری ۱۹۳۲ء ، ۵۶
میرے عزیز جواہر
تخلیق انسان بنام جواہر
۲۸ نومبر ۱۹۳۶ء ، ۵۷ تا ۵۸
اقبال بنام جناح ۲۱ جون ۱۹۳۷ء ، ۵۹

ب

انڈیا ایکٹ، ۶۰
آمریت اور واحد چارہ کار، ۶۱
خطبۂ صدارت الٰہ آباد - ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء
کے مزید اقتباسات، ۶۲
مسلمان اور اس کا مذہب، ۶۳
علیحدگی سندھ، ۶۶
صوبوں کی نئی تقسیم، ۶۹
ہندوستان کا بری اور بحری تحفظ، ۷۰
گول میز کانفرنس، ۷۵
تقسیم ہند کے تخیل پر برہمی، ۷۸
مسلمان کمیونزم کی آغوش میں، ۷۹
مسلم کانفرنس لاہور، ۸۲
خطبۂ صدارت ۱۹۳۲ء کے اقتباسات، ۸۳
دوسری گول میز کانفرنس
۱۹۳۲ء، ۸۴
اکثریت اور اقلیت کی جنگ، ۸۵
ہفت شعر اور مختصر جھلو، ۸۶
قومیت کا اصول کیا ہے۔ پنڈت
جواہر لعل نہرو کی الزام تراشی
کا جواب، ۸۷
کانگریس کی روش [illegible]، ۸۸
اقبالؒ کا پیام یکم جنوری ۱۹۳۸ء، ۹۰

آہ اقبالؒ، ۹۳
یادِ اقبالؒ، ۹۴
قائدِ اعظمؒ، ۹۴
انگریز اور مہاتما گاندھی، ۹۶
اجلاس لاہور ۱۹۴۰ء، ۹۷
قراردادِ لاہور، ۱۰۰
خطبۂ صدارت، ۱۰۱
پاکستان، ۱۱۸
بچوں کا کھیل ہے، ۱۲۲
لاہور میں مسلمانوں میں ناراضگی
مسٹر جناح کی آمد پر مظاہرے
کیے جائیں ۱۰، ۱۲۳
مسلم طلبہ اور پاکستان
کانفرنس کی تیاریاں، ۱۲۵
نظم عنوان سٹوڈنٹس فیڈریشن
پاکستان کانفرنس، ۱۲۶
خطبۂ استقبالیہ پاکستان کانفرنس، ۱۲۷
اسلام اور قومیت پرستی، ۱۲۷
شبہ اکھنڈ قوم، ۱۲۸
ہندو مسلم اتحاد، ۱۲۹
جماعتی قوت، ۱۵۷
قوت، ۱۸۸

پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن، ۱۵۹
ایک مرکز، ۱۶۰
سٹڈی سرکلز، ۱۶۱
پیام، شاندار مستقبل، ۱۶۲
زیورات قائداعظم ۴
مسلم یونیورسٹی، ۱۶۵
سٹوڈنٹس یونین دہلی، ۱۶۵
کانپور کا اجلاس، ۱۶۶
مسلم یونیورسٹی اور فرقہ واریت ۱۹۳۹ء، ۱۶۷
وفاق مسلم طلبا پنجاب، ۱۶۸
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، ۱۶۸
پنجاب پراونشل مسلم لیگ، ۱۶۹
دہلی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، ۱۷۰
آل انڈیا مسلم لیگ کونسل، ۱۷۰
سٹوڈنٹس یونین مسلم یونیورسٹی
۲ نومبر ۱۹۴۲ء، ۱۷۱
اجلاس عام پشاور، ۱۷۲
ڈان، ۱۷۳
اسلامیہ کالج پشاور، ۱۷۲
حیدرآباد دکن، ۱۷۳
پیام عید، ۱۷۳
شاہی دربار بلوچستان میں تقریر، ۱۷۳
ولیکا ٹیکسٹائل مل کے افتتاح
کے موقع پر، ۱۷۴
تعلیم، ۱۷۴
جاگیردار، ۱۷۵
ذخیرہ اندوز، ۱۷۵
اسلامیہ کالج لاہور، ۱۷۵
اجلاس اردو پارک دہلی ۱۷۶
مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس
کراچی ۱۹۴۳ء، ۱۷۷
تصور پاکستان سے مراد
۸ مارچ ۱۹۴۴ء، ۱۷۸
نظریۂ قومیت، ۱۷۹
ایڈورڈز کالج پشاور، ۱۸۰
مہاتما گاندھی اور متحدہ
قومیت، ۱۸۲
تمام مذاہب سچے ہیں، ۱۸۳
تمام مذاہب کی مساوات، ۱۸۴
ایک ہی شاہراہ رحمت کی
شاخیں، ۱۸۵
یکساں احترام، ۱۸۵
زہر، ۱۸۶
میں جانتا ہوں، ۱۸۷

بے غرض طالب علم ، ۱۸۷
قرآن پڑھو ، ۱۸۷
الفاظ کی زنجیر ، ۱۸۸
میں مایوس ہو جاتا ، ۱۸۸
حق کسی الہامی کتاب کا
اجارہ نہیں ، ۱۸۸
نجاتِ دل کی پاکیزگی ، ۱۸۹
سیاست اور مذہب ، ۱۹۰
قرآن کی روح پر عمل ، ۱۹۰
خوابوں کی دنیا ، ۱۹۱
قومیت کی روح ، ۱۹۱
ایک ہی ماں ایک ہی خون ، ۱۹۲
خدا ہمیں عقل و فہم دے ، ۱۹۲
ایک قوم ، ۱۹۲
جداگانہ قومیں ، ۱۹۳
میری روح بغاوت کرتی ہے ، ۱۹۴
اصلی ہندو ، ۱۹۴
علی گڑھ اور بنارس ، ۱۹۵
تقسیم ایک گناہ ، ۱۹۶
مذہبی عقیدہ ، ۱۹۶
مذہب میں مساوات ، ۱۹۶
پاکستان ، ۱۹۷

بنی آدم کا خادم ، ۲۰۰
ایک ماہر طبیب ، ۲۰۰
جواہر لعل نہرو ، ۲۰۱
سیاسی وارث ، ۲۰۳
ابوالکلام کے تضادات ، ۲۱۰
دورِ اسلال ، ۲۱۱
دورِ متحدہ قومیت ، ۲۱۲
اجلاس رام گڑھ ، ۲۱۳
اس سے قبل روح کی
عظمت و رفعت کا معیار ، ۲۱۴
دورِ اولیٰ میں مولانا ، ۲۱۵
خطبۂ صدارت ، ۲۱۵
دورِ اسلال ، ۲۱۶
انڈیا ونس فریڈم ص۲۳۷ ، ۲۲۱
اس مرصع غزل کا آخری شعر ، ۲۲۵
مولانا کہیں فرماتے تھے ، ۲۲۶
تحریر فرماتے ہیں ، ۲۲۷
آبِ کوثر سے جو سیلاب
گنگا پہنچا ، ۲۲۸
یہ مسلمانوں سے توقع و امید
رکھتے ہیں ، ۲۲۹
دورِ اسلال ، ۲۲۹

ازالہ فرمائیے ، ۲۳۱
سراب آسا تفسیر ، ۲۳۲
فراہم و مہیا کر دیا ، ۲۳۶
کچھ اہمیت نہیں رکھتا ، ۲۳۷
مکتوب ۲۲ حضرت طالوت کے نام ، ۲۴۴
کانگریس کے قیام کا مقصد کیا تھا؟ ، ۲۵۹
کانگریس کا پہلا اجلاس ، ۲۶۰
کانگریس کا دوسرا اجلاس ، ۲۶۰
کانگریس کے انگریز صدر ، ۲۶۰
برطانیہ کی کانگریس نوازی ، ۲۶۱
لارڈ منٹو کی سوانح حیات ، ۲۶۲
۱۹۱۰ء تک کانگریس کی حالت ، ۲۶۲
وفاداری تخت برطانیہ ، ۲۶۳
پہلا ایجی ٹیشن ، ۲۶۳
طالوت صاحب کا خط علامہ اقبال کے نام ، ۲۶۴
علامہ اقبال کا خط حضرت طالوت کے نام ، ۲۶۶
علامہ اقبال کا دوسرا خط ، ۲۶۷
علامہ اقبال کا تردیدی بیان ، ۲۶۸
محمد اقبال ، ۲۷۰
اقبال با اقبال ، ۲۷۲
بھولی بھالی ذہنیت ، ۲۷۴
کس قدر تأسف کرتے ہیں ، ۲۷۶
تجزیہ ، ۲۷۷
مولوی حسین احمد مدنی مرحوم کے ارشادات ، ۲۷۷
یہ مطلع تھا مقطع ملاحظہ فرمائیے ، ۲۸۲
لغوی بحث ، ۲۸۳
باب دوم ، ۲۸۷
متحدہ قومیت کا مفہوم ،
عنصر اول ، ۲۸۸
عنصر دوم ، ۲۸۹
مسٹر کے ایم منشی ، ۲۸۹
سودیشی نمائش پٹنہ ، ۲۹۰
عنصر سوم ، ۲۹۲
عنصر چہارم ، ۲۹۳
عنصر پنجم ، ۲۹۳
مسلم و غیر مسلم کے تعلقات ، ۳۰۷
تعلقات کی دوسری قسم ، ۳۱۱
قومیت پرستی سے پہلے ، ۳۱۳
باب سوم ، متحدہ قومیت ، ۳۱۵

بنانے میں ملّت اسلامیہ کے خلاف جو مذموم کھیل انھوں نے کھیلا اور جو نا روا ڈرامے انھوں نے اسٹیج کیے، ملّت کے بدترین دشمنوں سے بھی اس کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اقبالؒ نے اسی داستان غم کی بنا پر خون کے آنسو روتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ؎

چنیں دورِ آسماں کم دیدہ باشد — کہ جبریلِ امیں را دل خراشد
چہ خوش دَیرے بنا کردند اینجا — پرستد مومن و کافر تراشد

ہماری زیر نظر علمی پیش کش اسی تعمیرِ دَیر اور اس کی "مومنانہ پرستش" کی غم انگیز تفصیل ہے۔ ان مقدسین نے غیروں کے اشارے پر "متحدہ قومیت" کے نام پر ایک نیا "سومنات" تعمیر کیا اور تحریک پاکستان کے خلاف اس بت کی پرستش عین اسلام قرار دی۔ ہم نے یہ ضرب المثل تو سُنی تھی کہ شیطان اپنی تائید میں انجیل مقدس سے حوالے تلاش کرتا ہے لیکن یہ کسی مسلمان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ہماری اُمّت کے یہ وطن پرست مذہبی "پیشوا" "وطنیت کے سومنات" کی حمایت میں قرآن اور اسوۂ رسالت سے وہ وہ مضحکہ خیز دلائل منظر عام پر لائیں گے کہ ایک دنیا موجِ حیرت میں کھو جائے گی۔ تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ علامہ اقبالؒ اور مولانا حسین احمد مدنی کے مابین بھی معرکہ دین و وطن رونما ہوا اور اقبالؒ کو کہنا پڑا کہ ؎

شیخِ ملّت با حدیثِ دل نشیں
بر مُرادِ او کُند تفسیرِ دیں

آج شاید کوئی بھی یہ باور کرنے کو تیار نہ ہو کہ پچیس تیس برس قبل ہمارے چوٹی کے مذہبی پیشوا اس قسم کے کھیل بھی کھیلتے رہے، اور یہ سب کچھ واردھا آشرم کے مہاتماؤں اور آنند بھون کے پنڈتوں کی خوشنودی کے لیے۔ قوم کا ہر اوّل دستہ بن کر سر انجام دیا گیا۔

واقعات و حقائق کی یہ دلدوز و جگر سوز تفصیل کتنی ہی غیر پسندیدہ کیوں

نہ ہو، بہرحال ہماری تاریخ آزادی و استقلال کا ایک عبرت انگیز باب ہے اور جب تک یہ کڑی سامنے نہ آئے تحریک پاکستان کا سلسلۂ حقائق اپنے حقیقی انداز میں تاریخ کے طالب علموں کے سامنے نہیں آ سکتا۔ ہمیں اس مقصد کے لیے، اخبار و جرائد کے ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کرنی پڑی۔ ہزاروں صفحات پر مشتمل تاریخی مواد کا تجزیہ کرنا پڑا اور کئی سال کی اس جہدِ مسلسل اور سعیٔ پیہم سے ہم اس قابل ہوئے کہ اپنوں کے ہاتھوں جو کچھ ہم پر گذری اس کا یہ قابل اعتماد سلسلہ نکھر کر طالبانِ تحقیق و تجسس کی نگاہ کے سامنے آ جائے۔

ہمیں احساس و اعتراف ہے کہ تحریک پاکستان اور اس کے قافلہ سالار کی معرکہ آرائیوں کی وہ تاریخ مرتب کرنا، جو ہماری اس فتح عظیم کے شایانِ شان ہو، ایک فرد واحد کا کام نہیں بلکہ یہ اہم کام ہماری حکومت اور علمائے ملت کی مشترک ذمہ داری ہے۔ اس مقصد کے لیے جس قدر ضروری مواد اور اہم دستاویزی ریکارڈ درکار ہے اُسے جمع کرنا اور پوری تحقیق و تجسس سے اُسے قابل اعتماد سطح پر شیرازہ بندی میں لانا انفرادی طور پر ممکن نہیں۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے ہمارے کارفرمایانِ مملکت کو احساس فرض سے کام لینا پڑے گا اور انتہائی قابل اعتماد ذرائع اور پوری تفصیل سے اس دور کی تاریخ مرتب کرنی ہوگی جو تحریک پاکستان کی معرکہ آرائیوں اور ان کے پس منظر پر مشتمل ہے۔

زیرِ نظر کتاب کی ترتیب یوں ہے کہ مؤلف کی تحریر کے لیے جلی قلم بن کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں ان کے لیے درمیانہ۔ جو حوالے مؤلف اور دوسرے حضرات نے دیئے ہیں اُن کے لیے باریک قلم استعمال کیا گیا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ حوالہ جاتی کتاب (REFRANCE BOOK) ہے جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے مقصود و مطلوب تحریک پاکستان

[illegible]

کے اسی ایک گوشہ کو نمایاں و واضح کرنا ہے۔ ہم ان تمام بزرگوں، دوستوں کے شکر گزار ہیں جنھوں نے فراہمی مواد میں ہماری حوصلہ افزائی اور مدد کی۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک طبقہ ہماری اس محنت و کاوش کو داستانِ پارینہ اور پرانے فسانے قرار دے کر اس اہم تقاضا کی ضرورت و اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرے گا یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے عقیدت و ارادت کی بنا پر ان بزرگوں کی تصویریں اپنے صنم کدۂ دل میں سجا رکھی ہیں۔ جن کا خمیر علم گروغیرا اور جن کی صلاحیتیں گاندھی کی آرزوؤں کے لیے وقف ہو چکی تھیں لیکن ہر حق پسند زبانِ حقیقت سے پکار اٹھے گا کہ ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا گیا ہے۔

ہماری اس کاوش سے اگر جوانانِ قمت کے ذہن و دماغ میں پیش کردہ حقیقت راسخ ہو گئی تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے ایک ملی فریضہ سرانجام دیا ہے۔

آئندہ ہمارا ارادہ "نظریۂ پاکستان" کے عنوان سے تصنیف پیش کرنے کا ہے۔ در اصل زیادہ تر اسی آرزو کی تکمیل کے لیے پہلی دونوں کتابیں نذرِ قارئین کی گئی ہیں۔ خدا اس کام کی تکمیل کے لیے توفیق و ہمت عطا فرمائے۔

چودھری حبیب احمد
یکم مئی ۱۹۷۵ء

ترتیب

پیش لفظ
تحریکِ پاکستان، ۱
مکتوبات علامہ اقبالؒ، ۱۰
علامہ اقبالؒ کا خطبہ الٰہ آباد مسلم لیگ
۱۹۳۰ء، ۱۵
اقبالؒ کا ایک خط، ۲۱
[illegible] مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن
جون ۱۹۳۸ء، ۲۲
پاکستان، ۲۳
مسٹر این۔ سی۔ وت، ۲۴
لالہ لاجپت رائے کا خط بنام
مسٹر سی۔ آر۔ داس، ۲۵
اعترافِ حقیقت۔ بھائی پرمانند
کا بیان، ۲۷
ایم۔ این۔ رائے، ۲۸
ایک ڈرامہ، ۲۹
مسٹر شیو مورتی، ۲۹
مسٹر ایم۔ این۔ رائے اور متحدہ قومیت، ۳۰
اعترافات، ۳۱
مسٹر امری، ۳۲
تقریر وائسرائے، ۳۲
پیامِ پنڈت جواہر لعل نہرو، ۳۳
چیدہ نکات، ۳۷
بنام جواہر لعل از رگھو نندن سرن ۳۹
میرے عزیز جناح، ۴۰
پنڈت نہرو بنام جناح، ۴۴
پیارے جواہر لعل، ۴۵
میرے عزیز جناح، ۴۷
پیارے جواہر، ۵۲
میرے عزیز جناح، ۵۳
جواہر لعل بنام سید محمود
۲ فروری ۱۹۴۰ء، ۵۶
میرے عزیز جواہر،
خلیق الزمان بنام جواہر
۲۸ نومبر ۱۹۳۶ء، ۵۷ تا ۵۹
اقبال بنام جناح ۲۰ جون ۱۹۳۷ء، ۵۹

WWW.NAFSEISLAM.COM

ب

انڈیا ایکٹ، ۶۰
آخری اور واحد چارہ کار، ۶۱
خطبہ صدارت الٰہ آباد۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء
کے مزید اقتباسات، ۶۲
مسلمان اور اس کا مذہب، ۶۳
علیحدگی سندھ، ۶۶
صوبوں کی نئی تقسیم، ۶۹
ہندوستان کا بری اور بحری تحفظ، ۷۰
گول میز کانفرنس، ۷۵
تقسیم ہند کے تخیل پر پربی، ۷۷
مسلمان کمیونزم کی آغوش میں، ۷۹
مسلم کانفرنس لاہور، ۸۲
خطبۂ صدارت کے اقتباسات، ۸۳
دوسری گول میز کانفرنس
۱۹۳۱ء، ۸۴
اکثریت اور اقلیت کی جنگ، ۸۵
سخت خو اور رحمت جہان، ۸۶
قومیت کا اصول کیا ہے۔ پنڈت
جواہر لعل نہرو کی الزام تراشی
کا جواب، ۸۷
کانگریس کی روش پر گفتہ چینی، ۸۸
اقبال کا پیام یکم جنوری ۱۹۳۸ء، ۹۰
آہ اقبالؒ، ۹۳
یاد اقبالؒ، ۹۴
قائد اعظمؒ، ۹۵
انگریز اور مہاتما گاندھی، ۹۶
اجلاس لاہور ۱۹۴۰ء، ۹۷
قرار داد لاہور، ۱۰۰
خطبۂ صدارت، ۱۰۱
پاکستان، ۱۱۸
بچوں کا کھیل ہے، ۱۲۲
لاہور میں مسلمانوں میں نا راضگی
مسٹر جناح کی آمد پر مظاہرے
کیے جائیں، ۱۲۳
مسلم طلبہ اور پاکستان
کانفرنس کی تیاریاں، ۱۲۵
نظم عنوان ستو دوش فیڈریشن
پاکستان کانفرنس، ۱۳۲
خطبہ استقبالیہ پاکستان کانفرنس، ۱۴۲
اسلام اور قومیت پرستی، ۱۴۶
یہ خدا کا نام قوم، ۱۴۸
ہندو مسلم اتحاد، ۱۴۸
جناح کی قوت، ۱۵۷
قوت، ۱۵۸

پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن، ۱۵۹

ایک مرکز، ۱۶۰

سندھی سرکلز، ۱۶۱

پر شاندار مستقبل، ۱۶۲

زیورات قائداعظمؒ

مسلم یونیورسٹی، ۱۶۵

سٹوڈنٹس یونین دہلی، ۱۶۵

کانپور کا اجلاس، ۱۶۶

مسلم یونیورسٹی ۵ فروری ۱۹۳۸ء، ۱۶۷

وفاق مسلم طلبا پنجاب، ۱۶۸

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، ۱۶۸

پنجاب پراونشل مسلم لیگ، ۱۶۹

دہلی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، ۱۷۰

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل، ۱۷۰

سٹوڈنٹس یونین مسلم یونیورسٹی
۲ نومبر ۱۹۴۲ء، ۱۷۱

اجلاس عام پشاور، ۱۷۲

ڈان، ۱۷۳

اسلامیہ کالج پشاور، ۱۷۲

حیدرآباد دکن، ۱۷۳

پیغام عید، ۱۷۳

شاہی دربار بلوچستان میں تقریر، ۱۷۳

ویلنگٹن مل کے افتتاح
کے موقع پر، ۱۷۴

تعلیم، ۱۷۴

جاگیردار، ۱۷۵

ذخیرہ اندوز، ۱۷۵

اسلامیہ کالج لاہور، ۱۷۵

اجلاس اردو پارک دہلی، ۱۷۶

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس
کراچی ۱۹۴۳ء، ۱۷۷

تصور پاکستان سے مراد
۸ مارچ ۱۹۴۴ء، ۱۷۸

نظریۂ قومیت، ۱۷۹

ایڈورڈز کالج پشاور، ۱۸۰

مہاتما گاندھی اور متحدہ
قومیت، ۱۸۲

تمام مذاہب سچے ہیں، ۱۸۳

تمام مذاہب کی مساوات، ۱۸۴

ایک ہی تناور درخت کی
شاخیں، ۱۸۵

یکساں احترام، ۱۸۵

زہر، ۱۸۶

میں جانتا ہوں، ۱۸۷

سیاست اور طالب علم ، ۱۸۷
قرآن پڑھو ، ۱۸۷
الفاظ کی زنجیر ، ۱۸۸
میں مایوس ہو جاتا ، ۱۸۸
حق کسی الہامی کتاب کا
اجارہ نہیں ، ۱۸۹
نجاتِ دل کی پاکیزگی ، ۱۸۹
سیاست اور مذہب ، ۱۹۰
قرآن کی روح پر عمل ، ۱۹۰
خوابوں کی دنیا ، ۱۹۱
قومیت کی روح ، ۱۹۱
ایک ہی ماں ایک ہی خون ، ۱۹۲
خدا ہمیں عقل و فہم دے ، ۱۹۲
ایک قوم ، ۱۹۲
جداگونہ فرقے ، ۱۹۳
میری روح بغاوت کرتی ہے ، ۱۹۳
اصلی ہندو ، ۱۹۴
علی گڑھ اور بنارس ، ۱۹۵
تقسیم ایک گناہ ، ۱۹۶
مذہبی عقیدہ ، ۱۹۶
مذہب میں مساوات ، ۱۹۶
پاکستان ، ۱۹۷
بنی آدم کا خادم ، ۲۰۰
ایک ماہر طبیب ، ۲۰۰
جواہر لعل نہرو ، ۲۰۱
سیاسی وارث ، ۲۰۳
ابوالکلام کے تضادات ، ۲۱۰
دورِ استدلال ، ۲۱۱
دورِ متحدہ قومیت ، ۲۱۲
اجلاس رام گڑھ ، ۲۱۳
اس سے تعمیل روح کی
عظمت و رفعت کا معیار ، ۲۱۴
دورِ آخر میں مولانا ، ۲۱۵
خطبۂ صدارت ، ۲۱۵
دورِ استدلال ، ۲۱۶
انڈیا ونس فریڈم ص ۲۲۴ ، ۲۲۱
اس مرصع غزل کا آخری شعر ، ۲۲۵
مولانا کبھی فرماتے تھے ، ۲۲۶
تحریر فرماتے ہیں ، ۲۲۷
آبِ کوثر سے جو سیلاب
گنگا پہنچا ، ۲۲۸
یہ مسلمانوں سے توقع وابستہ
رکھتے ہیں ، ۲۲۹
دورِ استدلال ، ۲۲۹

اندازہ فرمائیے ، ۲۳۱
سراب آسا تفسیر، ۲۳۲
فراہم وحیا کر دیا، ۲۳۶
کچھ اہمیت نہیں رکھتا، ۲۳۷
مکتوب ۳۴ حضرت طالوت کے نام ، ۲۴۴
کانگریس کے قیام کا مقصد کیا تھا؟ ، ۲۵۹
کانگریس کا پہلا اجلاس، ۲۶۰
کانگریس کا دوسرا اجلاس، ۲۶۰
کانگریس کے انگریز صدر، ۲۶۰
برطانیہ کی کانگریس نوازی، ۲۶۱
لارڈ منٹو کی سوانح حیات، ۲۶۲
۱۹۰۶ء تک کانگریس کی حالت ۲۶۲
وفاداری تخت برطانیہ، ۲۶۳
پہلا ایجی ٹیشن، ۲۶۳
طالوت صاحب کا خط علامہ اقبال کے نام، ۲۶۳
علامہ اقبال کا خط حضرت طالوت کے نام، ۲۶۴
علامہ اقبال کا دوسرا خط، ۲۶۷
علامہ اقبال کا تردیدی بیان، ۲۶۹
محمد اقبال، ۲۷۰
اقبال یا اقبال، ۲۷۲
بھولا جانی ڈرسائی، ۲۷۲
کس قدر تاسف سے لکھتے ہیں، ۲۷۶
تجزیہ، ۲۷۷
مولوی حسین احمد مدنی مرحوم کے ارشادات، ۲۷۷
یہ مطلع تھا مقطع ملاحظہ فرمائیے، ۲۷۸
لغوی بحث، ۲۸۲
باب دوم، ۲۸۷
متحدہ قومیت کا مفہوم،
عنصر اوّل، ۲۸۸
عنصر دوم، ۲۸۹
مسٹر کے ایم منشی، ۲۸۹
سودیشی نمائش پٹنہ، ۲۹۰
عنصر سوم، ۲۹۲
عنصر چہارم، ۲۹۳
عنصر پنجم، ۲۹۳
مسلم و غیر مسلم کے تعلقات، ۳۰۷
تعلقات کی دوسری قسم، ۳۱۱
قومیت پرستی سے پہلے، ۳۱۳
باب پنجم، متحدہ قومیت، ۳۱۵

وطنیت کی جہنم ، ۳۳۱
آخری گذارشش ، ۳۳۵
خلاصۂ بحث ، ۳۳۶
دعوتِ فوجی ، ۳۳۸
تشریحِ مزید ، ۳۳۹
سیاستِ علماء ، ۳۴۳
رفعِ التباس ، ۳۴۷
ملتِ اسلامیہ ہندیہ کی نشاۃِ ثانیہ اور علماء سُو ، ۳۴۸
ابوالکلام آزاد ، ۳۵۵
متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی صاحب ، ۳۵۶
طرزِ استدلال ، ۳۶۰
حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ، ۳۶۲
مکالمۃ الصدرین ، ۳۶۴
مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا خط بنام حضرت علامہ عثمانی ، ۳۶۶
مولانا حفظ الرحمٰن کی تقریر کا خلاصہ ، ۳۶۹
علامہ عثمانی کا جواب ، ۳۷۰
گفتگو کا محور ، ۳۷۲
علامہ عثمانیؒ نے بحث کا رخ متعین کیا ، ۳۷۳
جمعیۃ العلماء اور مسلم لیگ کے طاہرہ کے جدا جدا نتائج ، ۳۷۴
حضرت علامہ کا مسکت و حقیقت افروز جواب اور وفدِ جمعیۃ العلماء کی لاجوابی ، ۳۷۵
علی گڑھ کالج پر الزام ، ۳۷۸
علماء کی مشکلات کا حل علامہ عثمانیؒ کی طرف سے ، ۳۷۹
انگریزی خواں طلباء کی شکایت کرنے سے پہلے دارالعلوم دیوبند کی اصلاح کیجئے ، ۳۸۰
فرقِ عمل ، ۳۸۱
مولانا مدنی کا پاکستان کے خلاف استدلال اور علامہ عثمانیؒ کی طرف سے اس کا مسکت جواب ، ۳۸۲
اس دوران میں مولانا احمد سعید کا ایک سوال اور اس کا جواب ، ۳۸۳
تحریکِ پاکستان کانگریس اور حکومت دونوں کے نظریوں کے خلاف ہے ، ۳۸۴

پاکستان کے قیام پر مولانا مدنی کا ایک استقلال اور اساس کا جواب ، ۳۸۵
جمعیۃ العلماء کی وفاقی طرز حکومت کی تائید کا خیال اختیاری جمود پر مبنی ہے ، ۳۸۵
موجودہ الیکشن میں علامہ عثمانی کی حمایت لیگ کی کیا وجہ ہے ۳۸۶
علامہ عثمانی سے حکومت کی درخواست ، ۳۸۹
مولانا حسین احمد اور آزاد ، ۳۹۰
کیا نیشنلسٹ مسلمان سوچیں گے؟ از کوہ پیما ، ۳۹۱
نہرو رپورٹ ، ۳۹۴
مجلس احرار کا قیام ، ۳۹۶
امرتسر کے ضمنی انتخابات ، ۳۹۸
کانگریس کی طرف سے احرار کی زندگی پر حملہ ، ۳۹۸
جمعیۃ العلماء کا اجلاس لاہور اور چودھری صاحب کا انتقال ، ۳۹۹
لیگ یونینسٹ اور احرار کی نئی کروٹ ، ۴۰۱
مجلس تحفظ کانفرنس ، ۴۰۲
پنجاب اسمبلی کے حالیہ انتخابات ، ۴۰۲
لاہور کارپوریشن کے میئر کا انتخاب ، ۴۰۳
گذشتہ اسمبلی کے انتخابات ، ۴۰۵
موجودہ انتخابات ، ۴۰۶
ہوشیارپور میونسپلٹی کا صدر ، ۴۰۸
جالندھر میونسپلٹی کا صدر ، ۴۰۹
ہوشیارپور میونسپلٹی کا سیکرٹری ، ۴۱۰
الہ آباد کا ایگزیکٹو آفیسر ، ۴۱۰
امرتسر کا ایگزیکٹو آفیسر ، ۴۱۰
پنجاب یونیورسٹی اور سندھ یونیورسٹی ، ۴۱۱
مرکز میں مصالحات ، ۴۱۲
پنجاب کے سکھ ، ۴۱۵
اچھوت اور مومن ، ۴۱۷
دستور ساز اسمبلی کے انتخابات ، ۴۱۸
احرار سے ، ۴۱۹
جمعیۃ العلماء سے ، ۴۲۵
لیگ کا عمل اقدام ، ۴۳۰
خان عبدالغفار کی خدمت اقدس میں مکتوب مفتوح ، ۴۳۲
حضرت مولانا داؤد غزنوی سابق صدر صوبہ کانگریس کی بصیرت

افروز بیان ، ۴۳۳
تضمین بر اشعار علامہ اقبالؒ ، ۴۳۴
جمعیت العلماء اسلام ۴۳۶
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا
بیان ، ۴۳۷
طلبا کو نصیحت ، ۴۴۰
غیر مسلموں کے اعتراضات ، ۴۴۰
آل انڈیا مسلم کانفرنس کے صدر کا خط ، ۴۵۱
جناب صدر کے ارشادات ، ۴۵۴
اعتراف حقیقت ، ۴۶۱
میرے عزیز جواہر لعل ، ۴۶۱
اداریہ ۲۴ نومبر ۱۹۴۶ء
نوائے وقت ، ۴۶۴
اداریہ نوائے وقت ۲۰ اپریل
۱۹۴۷ء ، ۴۶۸
کیا توہین رسولؐ کی آزادی
قائم کرنے کے لیے ستیہ گرہ
کریں گے ، ۴۷۲
کیا مولانا کی خدمت اسلام کا
طریقہ یہی ہے ، ۴۷۲
متحدہ قومیت کے نظریہ کا پہلا
پھل ، ۴۷۳
بلا شرط معاہدہ اور کیبنٹ کے
معنی ہیں گاندھویت ہے ، ۴۷۴
آگے ہے کل کیا ہوگا ، ۴۷۴
ابو الکلام آزاد ، ۴۷۵
یوم خاموشی ، ۴۸۰
راشٹرپتی ابو الکلام آزاد اور
ملک خضر حیات ، ۴۸۴
گاندھی سے مولانا ، ۴۸۸
مولانا حسین احمد مدنی کے
ارشادات ، ۴۸۹
صدر آپ ہے ، ۴۹۲
رئیس الاحرار حبیب الرحمن
لدھیانوی اور ہندوستان
کی جنگ ، ۴۹۳
ظہیر الدین صدیقی صاحب ، ۴۹۴
شورش کاشمیری ، ۴۹۴
اپنی خود نوشت ، ۴۹۵
عطاء اللہ شاہ بخاری ، ۴۹۶
مولانا آزاد کا مشورہ ، ۴۹۶
پنجاب کے ہندو کانگریسی ، ۴۹۷
پنڈت نہرو کے نام ، ۵۰۰
مسٹر جناح کی لاہور میں آمد ، ۵۰۱

جیب جناح ملاقات ، ۵۰۲
دہلی میں جیب جناح ملاقات ، ۵۰۴
سلیم پور ہاؤس لکھنؤ میں کانگریس
لیگ لیڈروں کا مشورہ ، ۵۰۴
یوپی کا الیکشن ، ۵۰۵
لیگ کانگریس کا اختلاف ، ۵۰۶
مسلم لیگ کا اعرابی ادب ، ۵۰۷
مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ ، ۵۰۸
نوائے وقت ، ۵۰۹
وہ دن دور نہیں جب اسلام
تمام دنیا کو آغوش رحمت
میں لے لے گا۔
مولانا شبیر احمد عثمانی کی پشاور
میں تقریر ، ۵۰۹
مولانا آزاد اب تو صرف مسلمانوں
کو ختم کریں گے۔
فاعتبروا یا اولی الابصار
نوائے وقت ۳۰ مئی ۱۹۴۶ء ، ۵۱۰
اتفاق مبارک ہو مومنوں کے
لیے۔
نوائے وقت ۱۷ جون ۱۹۴۶ء ، ۵۱۰
مورانی اسلام ، ۵۱۰

پاکستان کا بنیادی پتھر ، ۵۶۷
جیب گاندھی خط وکتابت ، ۵۶۸
پاکستان کے خلاف تجویز کی
منظوری ، ۵۷۱
آصف صاحب کا مشورہ ، ۵۷۱
س مولانا حبیب الرحمٰن کی
رائے ، ۵۷۵
آصف صاحب کی رائے ، ۵۷۵
گاندھی جی سے ملاقات ، ۵۷۶
ڈاکٹر گوپی چند کا سلوک ۵۷۸
مولانا عبدالغنی ڈار ممبر آل انڈیا
کانگریس کمیٹی کی تلاش ، ۵۸۰
مولانا عبدالغنی ڈار کے خطوط ، ۵۸۰
لدھیانہ ، ۵۸۲
ماں اور باپ کے نام ، ۵۸۳
آٹھ سال بعد ، ۵۸۴
قائداعظم کی حکمت کا اعتراف
سید الاحرار پر کانگریس کے
ڈورے ، ۵۹۹
پاکستان عالم اسلامی کے
خلاف خطرات کی راہ میں سد
سکندری ثابت ہوگا ، ۵۹۹

دورِ قومیت پرستی ، ۶۰۵
آزاد کی بولتی ہوئی سیرت اپنے
الفاظ میں ، ۶۰۵
دور عباسی کے علماء کے متعلق
ارشاد ، ۶۰۶
ایمان افروز اور یقین پرور
جھلکے ، ۶۰۹
دین و سیاست ، ۶۱۰
قائد اعظم کا بیان ایجنسی ۸ر دسمبر
۱۹۳۹ء ، ۶۱۱
الہلال ۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء ، ۶۱۱
الہلال ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۲ء ، ۶۱۳
دورِ نیشنلزم سے پیش تر ، ۶۱۷
غیر اسلامی زندگی کا نتیجہ کیا
ہوتا ہے ، ۶۳۳
قائد اعظم ، ۶۴۵
پس چہ باید کرد ؟ ، ۶۴۸
مولانا عبدالستار خان نیازی ایم۔ ایل
اے کا بیان ، ۶۴۹
دیوبند کے علماء و طلبا ہندو دھرم
سالہ میں۔ مدیر صدق کا
حقیقت افروز بیان ، ۶۵۰

ضلع انبالہ میں **مسلم لیگ**
کی فتح ، ۶۵۱
تردید کا غیر ضروری تکلف ، ۶۵۲
پیٹ کا دھندہ ، ۶۵۳
مولوی صاحب کا اندھا تعصب ، ۶۵۴
لدھیانہ میں ایک مسلم لیگی نوجوان
کا دردناک قتل ، ۶۵۵
بیگم جہاں آرا شاہنواز ، ۶۵۷
پنجاب اسمبلی کے نتائج مکمل
ہو گئے ، ۶۵۸
منافق کون ہے ، ۶۵۸
لیگی غنڈہ گردی کو جرمنی و جاپان
کی طرح کچل دیا جائے گا۔
مولانا حبیب الرحمٰن ، ۶۵۹
مفتی محمد نعیم کے صاحبزادے اور
دس دیگر احراریوں کی
گرفتاری ، ۶۶۲
سر بسجود ، ۶۶۳
کانگریس اور بت پرستی ، ۶۶۵
اسلامیان جالندھر اور مولوی
حبیب احمد صاحب ، ۶۶۶
امرت سر سٹیشن پر احراریوں اور مسلم لیگی

کارکنوں میں تصادم ، ۶۶۷
کوہستان شاہ نواز اور شوکت باقی
انتخابات ، ۶۶۸
مولانا آزاد تمام تر ہندوؤں کے
قبضے میں ہیں۔
حضرت مولانا ابراہیم سیالکوٹی ، ۶۷۱
آزاد صاحب گاندھی پرستی کی
وجہ سے چوک گئے ، ۶۷۱
ترجمان القرآن کے مفسر آزاد
کا وائسرائے کو مشورہ ، ۶۷۲
نیشنلسٹ مسلمانوں کی بے
وقعتی ، ۶۷۴
مسلم مجلس کی کس مپرسی ، ۶۷۶
مسئلہ اسلام اور قومیت پر مولانا حسین
احمد کے بیان کا جواب
روزنامہ احسان ۹ مارچ
۱۹۳۸ء ۔ ۶۶۸
سانحۂ انقلاب ، ۷۰۵
فتویٰ مودودی ، ۷۰۶
۱۹۴۶ء کا تاریخی الیکشن مولانا
ظفر احمد کا بیان ، ۷۱۰
مذکورہ بالا بیان کی تائید ، ۷۱۲

جمعیت علماء اسلام ، ۷۱۳
سہارنپور کا عظیم الشان جلسہ ، ۷۱۴
مخالفین کی کوشش ، ۷۱۷
طوفانی دورے ، ۷۲۰
مجددی تلوار ، ۷۲۱
مولانا کی صدارت ، ۷۲۵
یوپی کی درگت ، ۷۲۶
پردہ اٹھنے کے بعد ، ۷۳۴
انگریز کی نامسلمانی سے فریاد ، ۷۳۹
ہفت روزہ فاران جولائی
۱۹۶۱ء ، ۷۳۸
حدیث کا غلط انطباق ، ۷۴۴
مولانا ماہر القادری تحریر
فرماتے ہیں ، ۷۴۵
بیان لالہ ہردیال ، ۷۶۱
مظلوم پاکستان سے التفات ، ۷۶۲
اکھنڈ ہندوستان کانفرنس ۷۶۳
ایک دلچسپ دلیل ، ۷۶۶
مسٹر جناح کا تدبر ، خلوص اور
کیریکٹر ۷۹
جامعہ ملیہ دہلی کے پرنسپل ڈاکٹر
ذاکر حسین خان صاحب ، ۷۷۱

لیگ کونسل کا اجلاس ، ۷۷۲
ایک ماہر تعلقات کو سیاسی دلدل
میں پھانسنے کی کوشش ، ۷۷۳
رسوائے ہند واردھا سکیم ، ۷۷۶
گاندھی کی چالاکی ، ۷۷۷
واردھا تعلیمی سکیم ، ۷۷۹
گاندھی جی کا بیان ، ۷۸۱
واردھا تعلیمی اسکیم کے نتائج ، ۷۸۱
روزنامہ انقلاب ۱۱ فروری ، ۷۸۴
قائد اعظم ، ۷۸۶
جمعیت العلماء ، ۷۸۹
تجویز ، ۸۱۰
تجویز بابت مدارس عربیہ کا
نصاب ، ۸۱۳
چند اگانہ انتخابات ، ۸۱۷
سر ریجینال گرنفس ، ۸۱۸
سید خلیق احمد منگلوری
مرحوم ، ۸۱۹
ایڈورڈ تھامسن ، ۸۲۰
پروفیسر کوپ لینڈ ، ۸۲۲
سردار سردول اللہ کو کیشر ، ۸۲۳
نوائے وقت بجواب رسول بلٹری گرث
۱۶ اپریل ۱۹۳۵ء ، ۸۲۶
تیشمنٹ مسلمانوں کی تصویر
دیکھیے ، ۸۲۸
پھر وہی ماس کانٹیکٹ ، ۸۲۹
ترشتان میں امداد کی تقدیر
انگریزی ، ۸۳۱
مسلم طلبا امرار کے گھروں میں ، ۸۳۲
ایک ورق گم گشتہ ، ۸۳۳
ترانۂ پاکستان ، ۸۳۵
مذہب کے نام پر منافقت ، ۸۳۷
راجہ مہندر پرتاپ ، ۸۴۱
غازی جمال الحسینی ، ۸۴۲
ولی عہد شہزادہ امیر سیف
الاسلام ، ۸۴۳
ڈاکٹر حسین البابا خا ، ۸۴۵
الاہرام ، ۸۴۷
المصری ۸۴۸
قاہرہ ریڈیو ، ۸۴۹
وزیر اعظم مصر ، ۸۵۰
مصطفےٰ نحاس پاشا ، ۸۵۳
حضرت مفتی اعظم الحاج سید امین
الحسینی ، ۸۵۴

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

ل

حسن جیکل پاشا لیڈر لبرل
پارٹی ، ۸۵۵
ڈاکٹر عبدالوہاب عزام پاشا ، ۸۵۶
حاجی رشید بی لیڈر راشٹریہ
جمعیت وفد ، ۸۵۶
پروفیسر داتا مرحوم ، ۸۵۶
برنارڈ شا ، ۸۵۷
ڈاکٹر حسین خالدی ، ۸۵۷
الدر نشاشیبی ، ۸۵۸
فارس الخوری ، ۸۵۹
سید بی لطہ ، ۸۵۹
شیخ نشاشیبی ، ۸۷۰
گاندھی جی کے اعترافات ، ۸۷۰
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی ، ۸۶۹
غیر مسلم اقلیتیں ، ۸۷۷
جمعیۃ العلماء اور اسلامی ہند ۸۸۱
مولانا حسین احمد ، ۸۸۲
ہندوؤں کے آنسو پوچھنے کا ، ۸۸۲
روزنامہ انقلاب ۵ مارچ
۱۹۳۹ء ۔ اقتباسات ، ۸۸۲
آزاد ہندوستان میں آزاد
اسلام ، ۸۸۵

مسٹر جناح کی براڈکاسٹ
کی تقریر ، ۸۸۵
گاندھی جی کی فتوی بازی ، ۸۸۶
اسلامی کلچر کے محافظ ، ۸۸۶
ہندوؤں کے خیالات ، ۸۹۰
عصمت بی بی از بیچارگی ، ۸۹۰
بنگال کے سید حبیب الرحمٰن ، ۹۸۱
سر تیج بہادر سپرو کا بیان
ایک مسلسل مطابقت ، ۸۹۲
مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ، ۸۹۳
سر چھوٹو رام ، ۸۹۶
۱۱ مارچ ۱۹۴۱ء ، ۸۹۶
ستمبر ۱۹۴۰ء ، ۸۹۶
میلہ بسنت کی تقریب ، ۸۹۷
انقلاب مورخہ ۸ [illegible] ، ۸۹۷
مجلس عاملہ کا اجلاس ، ۸۹۷
اینٹی پاکستان کانفرنس ، ۸۹۸
تقریر سر سکندر حیات ۷ مارچ
پنجاب اسمبلی ۱۹۴۱ء ، ۸۹۸
پاکستان سے مفہوم ، ۸۹۹
بھائی پرمانند ، ۸۹۶
بروقت ویز لطف ، ۸۹۹

مسٹر اینے ، ۹۰۰
متحدہ قومیت ، ۹۰۰
اعتراف ، ۹۰۱
اہل کانگریس کے نزدیک کانگریس ، ۹۰۲
ہندو لیڈر ذہنیت ، ۹۰۳
ایک مشورہ ، ۹۰۴
حماقت ، ۹۰۴
مسٹر منشی سابق منسٹر کانگریس گورنمنٹ بمبئی ، ۹۰۵
چہ خوش ، ۹۰۵
ڈاکٹر سنہا صاحب ، ۹۰۶
جیتی رہو ! ۹۰۸
دریدہ دہن اخبار ، ۹۱۱
مولانا محمد شعیب صاحب ، ۹۱۴
خان محمد علی کا بیان ، ۹۱۵
خان برادران ، ۹۱۷
نیو سٹیٹسمین ، ۹۱۷
وزیر اعظم سرحد ، ۹۱۹
خان عبدالقیوم خان ، ۹۲۰
سردار عبدالرب نشتر ، ۹۲۱
نوائے وقت ، ۹۲۲
وطن سمجھتا ہے ، ۹۲۳
انجام کے ہندو ، ۹۲۶
مسلم نیشنل گارڈز ، ۹۲۷
سرکردہ مسلم لیگی ورکر ، ۹۲۷
حضرت پیر جالندھری ، ۹۲۸
علما کے تمام مسلمان پاکستان کے حامی ہیں ، ۹۲۹
پاکستان کی حمایت میں ، ۹۲۹
مسلم طلبا دسوہہ کا انتخابی دورہ ، ۹۳۰
داؤد خیل لیگ کی سرگرمیاں ، ۹۳۰
نیشنلسٹ مسلمانوں کو پانچ فیصدی ووٹ ملے ، ۹۳۱
مسلمان جشن فتح منائیں ، ۹۳۲
مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ ہے ، ۹۳۴
مرکزی انتخابات میں لیگ کی فتح ، ۹۳۷
علامہ علاؤالدین صدیقی کا دورہ ہوشیارپور ، ۹۳۸
بجنور میں چودھری خلیق الزماں کی تقریر ، ۹۳۸

سے پاکستان بن گیا تو اسلامی ہند بغاوت کردے گا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کا انتباہ، ۹۳۶
قائد اعظم لاہور پہنچ گئے، رہنمایان پنجاب، قائد اعظم کا جائزہ تحریک، ۹۴۰
آپ تعدیلی پروگرام کو وقت آگیا، ۹۴۱
جواہر لال نہرو، ۹۴۳
مسٹر جناح نے مسلمانوں کو بیدار کردیا، ۹۴۴
تاج محل ہوٹل بمبئی میں عصرانہ، ۹۵۲
محمد علی جناح، ۹۶۱
قائد اعظم غیروں کی نظر میں، ۹۶۳
مسز سروجنی نائیڈو، ۹۶۴
ڈاکٹر اے بیڈ کلارک، ۹۶۴
مسٹر بیورلی نکلس، ۹۶۸
مسٹر مانٹیگو سابق وزیر ہند، ۹۶۹
وہ جو موت سے بھی مر نہ سکے، ۹۷۲
قائد اعظم کا لقب، ۹۷۶
خدا کی راہ میں جیتے رہے، ۹۸۰
شورش کاشمیری، ابوالکلام، نوائے وقت کی نظر میں، ۹۸۱
شیخ حسام الدین کی گاندھی ٹوپی، ۹۸۲
زمیندار کا کوہ پیما، ۹۸۳
اسے اسلام کے پرچم لہرا، ۹۸۵
تحریک پاکستان اور طلبا، ۹۸۶
دو سوداگر، ۹۹۰
دوسرے پوسٹر کا اقتباس، ۹۹۲
ہمارا پاکستان، ۹۹۳
رسول اکرم محمد صلعم کی نظر کرم، ۹۹۵
حضرت شیخ مجدد کا نعرۂ حق، ۹۹۶
حضرت شیخ الہند کا آخری پیغام، ۹۹۶
مسلم لیگ کا تاریخی فیصلہ، ۹۹۷
ہمارے صوبوں کی معدنیات، ۱۰۰۰
جمہور مسلمانوں کا مطالبہ، ۱۰۰۲
ملی خودکشی کے معنی، ۱۰۰۳
پاکستان کا نظام حکومت، ۱۰۰۳
مسلم لیگ کی درخشاں کامیابی، ۱۰۰۵
ہمارا قومی نعرہ، ۱۰۰۵
یونینسٹ پارٹی کے مسلم ارکان سے خطاب، ۱۰۰۶
آل انڈیا جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کلکتہ، ۱۰۰۸
ملت اسلامیہ کا انفراد و استقلال، ۱۰۰۸

عالمگیر خلافت اسلامی۔ نبوت محمدی کا نصب العین ، ۱۰۰۹

ــ پاکستان واحد راہ آزادی و استخلاص ہے ، ۱۰۱۰

ــ آل انڈیا مسلم لیگ اور مسٹر محمد علی جناح ، ۱۰۱۰

۶ ــ مسلم لیگ مسلم ہند کی نمائندہ جماعت ۱۰۱۱

انتخابات اسمبلی و کونسل میں مسلم لیگ کی تائید کرنا فرض ہے ۱۰۱۲

ــ مسلم قوم کی مستقل ہستی لیگ نے منوائی ، ۱۰۱۳

اپنا قلم اپنا چہرہ ، ۱۰۱۴

مراسلات سیاسیہ ۱۰۱۵

جانشین شیخ الہند حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے نام اور ان کے مدلل جوابات ۱۰۲۷

حرف آخر ۱۰۳۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظریۂ پاکستان

ملک کے مختلف گوشوں اور جانثارانِ تحریکِ پاکستان کے حلقوں سے یہ آواز ابھر رہی ہے کہ تحریکِ پاکستان کی تاریخ کو اس انداز و اسلوب سے مرتب کیا جائے کہ ہماری آئندہ نسلیں صحیح طور پر جان سکیں کہ کون کون سے عوامل و عناصر اور سلامیانِ ہند میں کون کون سی جماعتیں اور گروہ تھے جنھوں نے اس ملی احیا کی تحریک کی سرتوڑ مخالفت کی اور وہ نیک طینت اور پاکباز جانثار و جاں سپار و سرفروش کون تھے جو قائدِاعظمؒ کی قیادت میں آزادی اور استقلال کی راہوں میں سرگرمِ گفتار تھے۔ وہ کون تھے جن کے جگر سوز اقدامات کے حساس فرزند آج بھی دلفگار اور سوز و غم میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہ سعادت کن لوگوں کے حصہ میں آئی کہ اس حیات بخش تحریک میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے فرمانوں کی روشنی میں منزلِ مقصود کی تلاش میں مخالفتوں کی تاریکیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے قائد و رہنما کی بسر و چشم اطاعت کرتے رہے۔

- "تاریخ کیا ہے؟ ایک عجیب و دلچسپ دھارا ہے۔ یہ مخالفت و موافقت اور حمایت و مخاصمت کے کردار کے تمام پہلوؤں کو نکھار اور ابھار کر سامنے لاتی ہے۔ اگر کسی قوم کے پاس اس کی صحیح تاریخ موجود ہو تو وہ قوم اپنے ماضی کے تجربات کے آئینہ میں اپنے حال کو درخشندہ اور مستقبل کو تابندہ بنا سکتی ہے۔ لیکن اگر تاریخ غلط ہے تو وہ نا عاقبت اندیشوں کی ایسی اندوہناک تاریکیوں میں گھری رہتی ہے جن سے اس کا نکلنا

محال ہو جاتا ہے۔ ملت پاکستانیہ کی اُبھرنے والی نسلیں یقیناً یہ حق رکھتی ہیں کہ وہ اپنے
بزرگوں سے تقاضا کریں کہ تحریک پاکستان کے صحیح اور مستند تاریخی واقعات اور
ٹھوس حقائق کو اُن کے لیے محفوظ کیا جائے یہ کام حکومتی سطح پر ایک اعلیٰ پیمانے
پر کرنے کا ہے اور بزرگوں، بوڑھوں اور تحریک پاکستان کے کارکنوں کا بھی یہ
ملی فرض ہے جہاں تک ہو سکے اپنے وسائل و ذرائع اور خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار
لا کر ایسا مواد جمع کر دیں جس سے مورخ کو مسلمانان ہند کے ایک عظیم کارنامے کی تاریخ
لکھنے میں آسانی ہو سکے۔ ہم نے بھی اُس بڑھیا کی مثل جو حضرت کی ایک آٹی لے کر
یوسف کی خریدار بن کر آئی تھی اس خیال سے کہ اظہار و تمنا تو کیا جا سکے یہ کوشش
اس احساس و جذبہ کے تحت کی ہے کہ ہمیں غافل و فرض ناشناس نہ سمجھا جائے
چونکہ بصد خلوص ہم بھی اس کارواں میں شریک تھے اس لیے یہ ملی فریضہ سر انجام
دے رہے ہیں۔

ہماری تمنا و آرزو ہے کہ وہ قلوب جن کی نیک آرزوئیں اور دلی دعائیں
صرف اور صرف ملت کی سربلندی و سرفرازی اور استقلال و استحکام پاکستان کے
لیے ہیں اور وہ اس چمنستان اقبال و جناح کو پھولتا، پھلتا اور سرسبز و شاداب دیکھنا
چاہتے ہیں اُن کے سوز و ساز اور آہ نیم شبی کے صدقے ہم اپنی استطاعت و بساط
کے مطابق وہ نقوش و خطوط بھی سامنے لائیں جن پر چل کر ہمیں عزت و عظمت اور
شوکت و حشمت حاصل ہو سکتی ہے اور ہم کاروان انسانیت کے رہبر و رہنما بن سکتے
ہیں۔ نیز ساتھ ہی ساتھ ان قوتوں کے خد و خال بھی نمایاں اور واضح کر دیں جو ہر
اداؤں، عشوہ طرازیوں اور اسلام کے مقدس زریں نقاب اوڑھ کر ملت عزیز
نشاۃ ثانیہ کی مخالفت میں پیش پیش تھیں۔ کاروانِ ملت جب اپنے عظیم رہنما
قائد اعظمؒ کی محبوبانہ اداؤں اور دلنواز صداؤں سے سرمست و مسحور ہو کر اپنی
منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہدایت و رشد کی جن مسندوں، عماموں اور قباؤں
نے تحریک کی مخالفت کی ہمیں معلوم ہے اُن کے نام و کام کے تذکرہ سے کچھ

برگزیدہ گروہ اور شخصیتیں ناراض و برہم ہوں گی۔ انھیں جان لینا چاہیے کہ تاریخ نے نہ تو کسی کو آج تک معاف کیا ہے نہ فراموش۔ قائداعظمؒ کی عقابی نگاہوں نے زریں نقابوں میں مضمران فتنوں کو جس طرح بھانپا اور ان کے رفیقوں اور رہنماؤں نے اُن کے علمی تقدس واحترام کے وارنش کو جس حسن و خوبی اور ایمانی فراست کی آگ سے دور کیا۔ تاریخ پاکستان صدیوں تک اُن کے کارناموں پر مسرت و انبساط اور جوش و عشق کے جذبہ سے سرشار ہو کر وجد کرتی رہے گی جہاں اُبھرنے والی نسل کے لیے قائداعظمؒ جیسی انقلاب آفریں شخصیت کی زندگی کے مختلف گوشے شادابیٔ قلب و نظر کا ساماں بنیں گے اور پولیٹیکل کردار کی عظمت کے ساتھ اُن کی ذات کا وہ تابناک پہلو بھی پوری درخشندگی کے ساتھ اُن کی نگاہوں کے سامنے آئے گا وہاں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی فکر و بصیرت، علمی و فکری مہر آرائی کے ساتھ ساتھ اس امام انقلاب کی جرأت و فراست کے حالات و واقعات بھی ہوں گے جو مغربی تہذیب کا دلدادہ ہونے کے باوجود پیغمبرانہ فہم و فراست کا شاہکار تھا۔ جہاں اقبالؒ نے فکری جمود اور ذہنی شکست کے ظلمت کدہ میں فکر تازہ کی مشعلیں روشن کیں، اور قوم کو بتایا کہ افکار تازہ ہی سے جہانِ تازہ کی نمود ہوتی ہے وہاں جناحؒ نے اپنی قوتِ عمل سے قوم کی مردہ رگوں میں زندگی کا خون دوڑا کر اقبالؒ کی بتائی ہوئی منزلِ حیات کو حاصل کرنے کیلئے آمادہ و تیار کیا اور نوجوانانِ ملت کو جوش و ولولہ اور ذوقِ یقین کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کیا۔

یوں تو قوموں کی تاریخ مسلسل اور پیہم انقلابات کی ایک داستانِ دراز ہوتی ہے لیکن ایک انقلابی کی عظمت کا ممتاز اور مؤثر ترین پہلو یہی ہوتا ہے کہ اُس نے قوم کے تصورات و خیالات میں کس قدر تبدیلی پیدا کر کے زندگی، روشنی اور توانائی عطا کی۔ تحریکِ پاکستان کی تاریخ کو اگر ایک جملے میں سمویا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اقبالؒ کے شعوری انقلاب کو قائداعظمؒ نے جامۂ عمل پہنا کر مسلمانانِ ہند کی زندگی کا رُخ بدل دیا اور وہ لوگ جنھوں نے زعمائے ملت کے خلاف اپنی آستینوں

میں بغض وعناد اور جوش انتقام کے سانپ اور بچھو چھپا رکھے تھے وہ خاسر و ناکام ہوگئے۔ ان عناصر نے تا مدّتِ ملّت سے دشمنانِ دین سے بڑھ چڑھ کر کھلی جنگ کی اور تحریکِ پاکستان کو اپنی فتنہ انگیز اور گھناؤنی مخالفت کے زہریلے تیروں سے لہولہان کیا لیکن قائدِ اعظم سفینۂ ملّت کو انگریز و ہندو کے اٹھائے ہوئے مخالفت کے طوفانوں سے بچا کر ساحلِ مراد تک لے آیا اور پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ وہ ٹھوس تاریخی حقائق جن سے مسلم لیگی قیادت کو دو چار ہونا پڑا تحریکِ پاکستان کی یہی تاریخ ہے جسے حضورِ ملّت پیش کرتا ہے۔

یوں تو ہر دور میں ملّتِ اسلامیہ کو سرفراز و باوقار دیکھنے کے لیے ملّت کے جلیل القدر فرزندوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور زندگی کی عظمتوں اور رفعتوں سے داد تحسین و تبریک حاصل کی لیکن سامراجی خوف و ہراس کی جس بھیانک فضا اور ہندوستان کے مخصوص ماحول اور تاریک دور میں سرسیّد نے فرزندانِ اسلام کی رہبری و خدمت کا بیڑہ اٹھایا اور بلا خوفِ لومۃ لائم حق گوئی و بے باکی سے کام لے کر مفادِ مسلم کی ترجمانی کی۔ ایک باشعور مسلمان آن کے تدبر و فراست اور مسلم دوستی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انھوں نے اسی زمانہ میں رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند سرکاری ملازمت کے باوجود سپردِ قلم کیا۔ اس کی اشاعت سے حکمرانوں میں جو غم و غصہ پیدا ہوا اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس وقت کے فارن سیکرٹری مسٹر سیسل بیڈن نے ایک دھواں دھار تقریر میں سرسیّد کی اس مشہور تصنیف کو باغیانہ مضمون قرار دیا اور مطالبہ کیا کہ مصنف کو کڑی سزا دی جائے لیکن ہمارے اس عظیم المرتبت زعیمِ قوم نے حکمرانوں کی دھمکیوں کو پرِ کاہ کے برابر وقعت نہ دی۔

اس مسیحائے قوم نے اپنی نصف صدی تک جہد و کاوش، عزم و ہمت اور فہم و فراست سے کام لے کر مسلمانانِ ہند کو ایک نئی زندگی عطا کی۔ اس کی جگر کاویوں جاں گدازیوں اور شب بیداریوں ہی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں سوز و تڑپ، تمنا

آرزو اور جہدِ مسلسل اور کاوشِ پیہم کا جذبہ و شوق پیدا ہوا۔ ملتِ اسلامیہ کا یہ فرزندِ عظیم مشکلات و موانعات کے پہاڑوں کو روندنے کا عزم و ایثار اپنے اندر رکھتا تھا یہی ناخدا تھا جس نے سفینۂ ملت کو طوفانوں سے بچا کر ساحلِ مراد کی طرف اس کا رخ موڑا اور منزلِ حیات کی نشاندہی بھی کی۔ ہمارے ہاں آزادی کی جو رونقیں اور استقلال کے جو ثبات نظر آ رہے ہیں یہ وہ ملت تھا جس کے سہانے خوابوں کی یہ درخشندہ تعبیریں ہیں۔ یہی صاحب عزم رفتار مرد تھا جس نے تعلیمات کی نورپاشیوں سے تیرہ و تار فضاؤں کو منور کیا۔ انتہائی وجدان و تحریر جس کی قوت سے اسی کے پروگرام کو لے کر آگے بڑھے۔ سرسید ہی تھا جس کی بانگِ رحیل نے ہمیں ازسرِ نو ذوقِ سفر سے مالا مال کر کے جادہ پیمائی کے قابل بنایا اور سرسید ہی تو ہے جس نے ہندوستان میں سب سے پہلے دو قومی نظریہ پیش کیا۔ مولانا صلاح الدین احمد کے الفاظ میں :-

"درحقیقت سرسید کے روپ میں قوم کو ایک ایسا مسیحا مل گیا تھا جو چشم زدن میں اس کے لیے وہ کام کر دیتا تھا جو برسوں میں ثروت و حکمت کے سہارے کہیں ہو سکتا تھا۔ کبھی طبیبوں کے حملوں کی روک تھام کی جا رہی ہے کبھی ایلچیوں کے دماغ سے اوہام کے جالے صاف کیے جا رہے ہیں کہیں گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں علاوں اور رسالوں کی (دارالعلوم علی گڑھ) میں گرانی کی جا رہی ہے کہیں نئے تصورات کی تحصیل اور پرانے خیالات کے تحفظ کے لیے سات سمندروں کے سفر کیے جا رہے ہیں کہیں ملک کی مجالسِ قانون ساز میں قومی مفاد کے لیے تگ و دو کی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ خطباتِ احمدیہ، تہذیب الاخلاق اور تفسیر القرآن کے ذریعے زبان کی رنگینی اور اخلاق کی بلندی کا سامان بھی فراہم ہو رہا ہے۔ غرضیکہ ترقی و تربیت کا ایک معرکہ عظیم ہے جس کے مختلف محاذوں پر بیک وقت یورش جاری ہے اور وہ فاتح ہیں اور بوڑھا سپہ سالار ایک ہاتھ میں ڈور ہیں اور دوسرے میں شمشیرِ عمل لیے ہر مورچے پر برق برق پہنچتا اور شادمانی سے گزرتا ہے۔"

سرسید خوب سمجھتے تھے کہ زندہ قومیں وقتی شکستوں اور ہنگامی نقصانوں سے قطعاً اثر پذیر نہیں ہوتیں یہ نقصانات ان کے لیے مہمیز کا کام دیتے ہیں۔ ان سے ان کے ایمان میں اور بھی پختگی آجاتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے سرسید کی شیفتگی اور عشق و محبت کے سبب وہ ملت اسلامیہ کے جاں نثار اور فدائی تھے اور مسلمانوں کی خدمت کو وظیفۂ حیات قرار دے چکے تھے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فدا دارم، دل بریاں ز عشق مصطفےٰ دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم
ز جبریل امیں قرآں بہ پیغامے نمی خواہم
ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ سرسید وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے ہندوستان میں دو قومی نظریہ کا تصور پیش کیا۔ اب ہم ان کی تحریر سے اپنی تائید و حمایت میں ثبوت ہدیۂ قارئین کرتے ہیں:-

"اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں دل سے کسی کام میں شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔" ([illegible])

نوٹ: سرسید نے یہ الفاظ ۱۸۶۷ء میں بنارس کے کمشنر مسٹر شیکسپیئر کے سوال کے جواب میں کہے تھے۔ (مرتب)

۱۸۸۳ء میں جب وائسرائے کی کونسل میں بلدیاتی حکومت کے متعلق مسودہ پیش ہوا تو آپ نے اس بات پر اصرار کیا کہ مسلمانوں کی نامزدگی علیحدہ کی جائے۔ اس موقع پر آپ نے جو تقریر کی وہ مسلم نظریہ سیاست کے ارتقا کی ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے کہا:-

"انتخاب کے ذریعہ نمائندگی کے طریقہ کار کا واحد مطلب آبادی کی اکثریت کے افراد اور یکساں عقیدہ کے پیروؤں پر مشتمل ہو۔ بے شک دیانت داری سے طریق کار احسن ترین ہے"

ایک جمہوری نظام ایسے ملک میں جہاں ذات کے امتیاز کو اب بھی فروغ ہے۔ جہاں مختلف نسلوں میں کوئی یک جہتی نہیں۔ جہاں مذہبی امتیازات کی شدت ہے۔ جہاں جدید تعلیم نے تمام لوگوں میں مساوی ترقی نہیں کی مجھے کامل یقین ہے کہ ایسے ملک میں اگر مختلف مفادات سے متعلق لوگوں کو ملا کر نظم و نسق میں محض عام انتخابات کے ذریعہ نمائندگی دینے کی کوشش کی گئی تو اس سے کوئی معاشی فلاح و بہبود تو نہ ہوگی البتہ نقصان ضرور پہنچے گا جس کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا جب تک ہند کی سیاسی و معاشی زندگی میں نسل و عقیدہ کے فرق اور ذات کے امتیازات کو اہمیت حاصل ہے اور یہ عناصر نظم و نسق اور ملکی فلاح سے متعلق مسائل پر اثر انداز ہوتے ہیں عام انتخابات کے طریقہ کو اختیار کرنا قرین مصلحت نہ ہوگا۔ اکثریت کامل طور پر اقلیت کے مفادات پر حاوی ہو جائے گی اور ان پڑھ عوام ایسے اقدامات کے لیے جن سے نسل و عقیدہ کا فرق شدت اختیار کرے حکومت کو ذمہ دار گردانیں گے۔

اسی زمانے میں ۱۸۸۵ء میں نیشنل کانگریس قائم ہوئی۔ ابتدا میں کانگریس کی پالیسی حکومت سے وفاداری اور تعاون پر مبنی تھی۔ چنانچہ اُس نے حکومت پر زور دیا کہ سرکاری نظم و نسق میں ہندوستانیوں کو عام امتحان کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نمائندگی دی جائے۔ سید احمد نے کانگریس کی اس تجویز کی مخالفت کی کیونکہ آپ کی رائے میں یہ تجویز مسلمانوں کے لیے جو تعلیمی لحاظ سے ہندوؤں کے مقابلہ میں پسماندہ تھے نقصان دہ تھی۔ آپ نے کہا اس قسم کی تجاویز ایسے ممالک میں قابل عمل ہو سکتی ہیں جہاں ایک قوم آباد ہو لیکن ہند میں جہاں دو قومیں ہندو اور مسلمان آباد ہیں اس قسم کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کا مطلب ہندوؤں کو مسلمانوں پر مسلط کرنا ہے جو مسلمانوں کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا ان حالات میں مسلمانوں کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ وہ پہلے اپنے حالات کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں تعلیم حاصل کریں۔ تجارت سنبھالیں اور دریں اثنا انگریزوں سے دوستانہ تعلقات استوار کریں اور

اس کے بعد وہ حکومت کے نظم و نسق میں حصہ مانگنے کے اہل ہوں گے، اس لیے انہیں ہرگز ہندوؤں کے ایسے مطالبات کی تائید نہیں کرنی چاہیے کیونکہ نیشنل کانگریس جو اس قسم کے مطالبات کرتی ہے وہ ہرگز ہند کی تمام اقوام بالخصوص مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں آپ نے بدرالدین طیب جی کو جو انہی دنوں کانگریس کے اجلاس کی صدارت کر رہے تھے یہ نکتہ سمجھانے کی غرض سے لکھا۔

"غدر کیا تھا؟ ہندوؤں نے شروع کیا، مسلمان ساتھ چلے تھے، وہ پکڑے گئے۔ ہندو ترنگانہ کر جیسے تھے ویسے ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کے تمام خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔"

("ہمارا پاکستان" از ایس۔ ایم۔ اے فیروز ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی صفحہ ۳)

"۱۹۲۸ء میں کانگریس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں نہرو رپورٹ میں قائداعظم کی ترمیموں کو بری طرح مسترد کیا گیا تو قائداعظم نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ آئندہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے راستے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں۔ لندن کی گول میز کانفرنسوں نے اس سیاسی پیش گوئی کو حقیقت کی شکل دے دی اور کانگریس کی ہندو ذہنیت کے متعلق قائداعظم کے شکوک یقین میں تبدیل ہو گئے چنانچہ ان کانفرنسوں کی ناکامی کے بعد قائداعظم نے فرمایا۔

"۱۹۲۴ء سے ان کانفرنسوں تک ہندو مسلم اتحاد کی بہت کوششیں کی گئیں لیکن ان کانفرنسوں کے نتائج میرے لیے میری زندگی کا شاید سب سے بڑا صدمہ ہیں کیونکہ ہندو لیڈروں کی متعصبانہ ذہنیت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اب اتحاد کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔" ("ہمارا پاکستان" صفحہ ۳۰، از ایس فیروز)

"سرسید نے مسلمانوں کو انگریز کے استبداد اور ہندو کی ریشہ کاریوں سے بچا لیا۔ ان بکھرے ہوئے تنکوں کو اکٹھا کرنے کے لیے اس دور میں ہمہ تن مصروف رہے جب ہندو انگریزوں کے ساتھ مل کر اپنی ہزار سالہ غلامی کا انتقام لینے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔" کاؤنٹ [illegible] انڈیا کے مصنف کے الفاظ میں۔

اُس وقت کوئی آفت ایسی برپا نہیں ہوئی جس کے متعلق یہ نہ کہا گیا ہو کہ اسے مسلمانوں نے برپا کیا تھا، خواہ اسے رام دین اور رام داس نے ہی برپا کیوں نہ کیا ہو۔ کوئی بلا آسمانوں سے ایسی نہیں آئی جس نے سب سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ تاکا ہو، کوئی کانٹوں والا درخت اُس زمانے میں نہیں اُگا جس کی نسبت یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے بویا ہے۔ کوئی آتشیں بگولا نہیں اُٹھا جس کے بارے میں یہ مشہور نہ کیا گیا ہو کہ اسے مسلمانوں نے اُٹھایا ہے۔"

یہی تھے اس قوم کے ناکردہ گناہ جس کی پاداش میں ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی کتاب (دی انڈین مسلمانز) میں تجویز کر دیا کہ مستقبل کے ہندوستان میں مسلمانوں کا مقام لکڑہاروں اور سقّاؤں سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔"

"اس عالمگیر خلفشار کے زمانے میں سرسید نے ملی خدمت کا بیڑا اُٹھایا۔ وہ آسمانِ ملت کے اُن چمکتے ستاروں کو جو اس کی قوم کو زندگی کی روشنی بخش کر معزز اور دوسری قوموں کی نگاہوں میں باعزت بنا سکتے ہوں رکھنا چاہتا تھا۔"

"وہ قوم کے لیے یہ کچھ کر رہا تھا اور قوم کے علمائے کرام اور مقتدایانِ عظام اس پر کفر کے فتوے لگانے کے جہادِ عظیم میں مصروف تھے اور سادہ لوح نے ملحد، لامذہب، کرسٹان، نیچری، دہریہ، دجال، مرتد اور کافر ثابت کرنے میں صرف فرما رہے تھے۔ اس میں ہر فرقے کے مولوی صاحبان شامل تھے حتیٰ کہ جب خوب ہی ہر جگہ کے ساتھ مولویوں کی مہروں اور دستخطوں سے سرسید کی تکفیر پر اجماع ہو گیا تو پھر یہ حضرات یہاں سے بھاگے بھاگے مکہ معظمہ پہنچے تاکہ حرمین شریفین کی مہروں سے فتوے کی تصدیق کر کے اور زیادہ ثبت کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے بھی فرما دیا کہ:۔

"یہ شخص یا تو ملحد ہے یا شرع سے کفر کی طرف مائل ہو گیا ہے یا زندیق ہے کہ کوئی دین نہیں رکھتا۔ اگر اس نے گرفتاری سے پہلے توبہ کر لی اور ان گمراہیوں سے رجوع کی اور توبہ کی علامتیں ظاہر ہیں۔ بے علاج ہو تو یہ شخص قتل کیا جائے۔ دین کی حفاظت کے لیے اس کا قتل واجب ہے۔"

سرسید قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر، کوچہ کوچہ، قوم کا درد دل میں لیے اس

کی زندگی اور فلاح و بہبود کے لیے دیوانہ وار پھرتا تھا اور یہ جامیان شیخ مبین اور مفتیان دین متین کفر کے فتووں کا انبار اٹھائے اس کے پیچھے لگے رہتے اور لوگوں کو تلقین کرتے پھرتے کہ اگر نجات چاہتے ہو تو اس شخص کی کسی بات نہ سننا!" (اقتباس از "پاکستان کس نے بنایا" صفحہ ۲)

پاکستان کے اس معماروں کے خلاف یہاں سے لے کر تمام مسلم لیگ کے علما کرام نے کفر و الحاد اور بے دینی کے فتوے لگائے تھے۔ اندازہ فرمایئے اگر اس وقت تمام مسلمان ان بزرگوں کے فتووں کا اثر قبول کر لیتے تو ہم خطا کار اور گنہگار قسم کے مسلمان تو ایک طرف اس مقدس طائفہ کی اولاد کا بھی کیا حشر ہوتا۔ یہ سب چوہدری غلام محمد، میاں طفیل محمد، نعیم صدیقی، حسین احمد، عطاء اللہ اور مظہر علی، لالہ گوردھاری، جواہر لعل و فضل مسیح ہوتے۔ (مؤلف)

حکیم الامت علامہ اقبالؒ

ہم تحریک پاکستان کے پس منظر کو قارئین کے ذہن نشین کرانے کے لیے مسلمانوں کے ان عظیم رہنماؤں کے افکار و آرا کو سامنے لا رہے ہیں جو تحریک پاکستان میں معماروں کی حیثیت رکھتے ہیں یہاں پر ہمارا یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ تحریک پاکستان چند ہنگاموں اور دل و دماغ سے اٹھی ہوئی جذباتی لہروں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اسی کش مکش میں ہمارے مفکرین و قائدین کی زندگی گزری ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ۱۹۱۰ء کے آغاز سرما میں اسٹریچی ہال ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں ایک لیکچر دیا تھا یہ اصل انگریزی زبان میں تھا۔ حضرت مولانا ظفر علی خانؒ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور مئی ۱۹۱۱ء میں برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں یہ ترجمہ ایک جلسے میں پڑھ کر سنایا گیا۔ یہ جلسہ محض اسی لیکچر کو سنانے کے لیے منعقد کیا گیا تھا اقبالؒ اس جلسے میں شریک تھے۔ اس مضمون کا عنوان "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" مضمون کا اندازہ خود نام سے ہو سکتا ہے۔ علامہ ادب و فلسفے کے علاوہ عمرانیات

نہایت بالغ نظر عالم اور ماہر تھے۔ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب و علل پر ان کی گہری نظر تھی۔ اس مضمون میں اسلام پر مجلسی و معاشی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علامہؒ نے حکمت ایمانی اور مصلحت عمرانی کا اطلاق ایک دوسرے سے تعلق کی روشنی میں خوب دقتِ نظر سے کیا ہے۔ اس کا اصل متن جناب مولوی ابراہیم علی چشتی صاحب نے پاکستان ٹائمز میں شائع فرما کر ملت پر احسان عظیم کیا ہے۔ یہ لیکچر نہایت طویل ہے اس موقعہ پر ہم سارا تذکرہ قارئین کرنے سے معذور ہیں۔ صرف وہ حصہ جو ہماری زیر نظر کتاب سے متعلق ہے وہ اس لیے سامنے لا رہے ہیں۔ تاکہ ثابت کیا جا سکے کہ علامہؒ نے سنہ ۱۹۳۰ء میں الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے خطبۂ صدارت میں جس حقیقت کا اعلان کیا تھا۔ کہ مسلمان ہندوستان میں ایک جداگانہ قوم ہے۔ اس لیے اس کی مملکت بھی الگ اور آزاد ہونی چاہیے۔ دو قومی نظریہ کے متعلق سنہ ۱۹۱۰ء میں ہی اظہار خیال فرمایا تھا۔ اس خیال سے کہ حکیم الامتؒ کے اس فرمان کو تحریک پاکستان کا پس منظر سمجھانے کے لیے عام کیا جائے۔ چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ لیکچر کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔ مولانا ظفر علی خانؒ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:۔

"انسانی تاریخ کے پارینہ اوراق گردانتے وقت جب ہماری نظر ارتقا کی الم انگیز سلسلوں پر سے گزرتی ہوئی ان کے رزمیہ بین السطور پر پڑتی ہے تو کسی خواب کے گریز پا نظاروں کی طرح ہم گزری ہوئی قوموں اور سلطنتوں اور تمدنوں کے نقشوں کو پے در پے نیست سے ہست اور ہست سے نیست ہوتا دیکھتے ہیں۔ سب سے زیادہ حیرت افزا اور حوصلہ فرسا منظر اور کوئی نہیں ہو سکتا جتنا کہ ان قوتوں کی نظروں میں نہ افزودگی و تنعت ہے نہ اقوام کی منزلت۔ اس کے برعکس تو وہ بیزار اپنا عمل کیے جا رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کی منزل مقصود بہت ہی دور ہے جیسے تقاضائے انسانی کے آغاز و انجام سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں۔۔۔۔۔۔ آدمی زادہ طرفہ معجون است۔

باوجود حالات گردوپیش کی نامساعدت کے اس کی تکمیل پر عقل کی آئینہ پردازی ہے
اسے اپنی ہستی کا کامل تر جلوہ دکھاتی ہے اور ان ذرائع کی دریافت پر آمادہ
کرتی ہے جو اس تصویر خیالی میں جس کے خط و خال اس کی شان اکملیت کو
چھپائے ہوئے ہیں جان ڈال سکیں۔ دوسرے حیوانات کے مقابلے میں انسان
بہت ہی کمزور و ناتواں ہے۔ اپنے بچاؤ کے لیے وہ قدرتی حربوں سے مسلح نہیں
کیا گیا۔ وہ بصارت تیز سے محروم ہے۔ اس کی قوت شامہ اور طاقت گریہ بہت
کم ہے لیکن پھر بھی زندگی کی آزادیوں اور ہمسایوں کی جستجو میں اس نے اپنی ان
تھک سرگرمیوں کو ہمیشہ سے وقف کیے رکھا ہے تاکہ قوانین قدرت کی کنہ طرز
عمل سے واقف ہو کر وہ رفتہ رفتہ ان اسباب پر حاوی ہو جائے جو اس کے
ارتقاء پر مؤثر ہیں۔"

لیکچر کا یہ حصہ ہم نے اس لیے پیش کیا ہے کہ نظر بینا دیکھ سکے کہ مسلمانوں کا یہ مفکر عظیم
مسلمانوں کو راز حیات سمجھانے اور قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا
اصول و طریقہ بتانے کے لیے کس قدر مضطرب و بے تاب ہے۔ (خوقت)

آگے بڑھیے:۔

"علم الحیات کے انکشافات جدیدہ نے اس حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا ہے
کہ کامیاب حیوانی جماعتوں کا حال ہمیشہ استقبال کے تابع ہوتا ہے مجموعی حیثیت سے
اگر نوع پر نظر ڈالی جائے تو اس کے وہ افراد جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اس کے
موجودہ افراد کے مقابلہ میں شاید زیادہ بدیہی الوجود ہیں۔ موجودہ افراد کی فوری
اغراض ان غیر محدود ناشہود افراد کی اغراض کے تابع بلکہ ان پر نثار کر دی جاتی
ہیں جو نسلاً بعد نسل بتدریج ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور علم الحیات کی اس حیرت انگیز
حقیقت کو وہ شخص بجا طور پر نظر انداز نہیں کر سکتا جس کے پیش نظر سیاسی یا تمدنی
اصلاح ہے۔"

میں اپنی قوم کی موجودہ عمرانی حرکت پر اسی پہلو سے نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔ اگر خود

سے دیکھا جائے تو اقوام کے لیے سب سے زیادہ مہتم بالشان عقدہ، عقدہ یہ ہے۔ خواہ اس کی قومیت تمدنی قرار دی جائے خواہ اقتصادی خواہ سیاسی، کہ قومی ہستی کا سلسلہ بلا انقطاع کس طرح قائم رکھا جائے کیونکہ یا معدوم ہو جانے کے خیال سے قومیں بھی ویسی ہی خائف ہیں جیسے افراد۔ کسی قوم کی مختلف عقلی یا غیر عقلی قابلیتوں اور استعدادوں کے محاسن کا اندازہ ہمیشہ اسی غایت الغایات سے کرنا چاہیے۔ ہم کو لازم ہے کہ اپنے محاسن کو جانچیں اور پرکھیں اور اگر ضرورت آ پڑے تو نئے محاسن پیدا کریں۔ اس لیے بقول نطشے کے کسی قوم کی بقا کا دارومدار محاسن کی مسلسل و غیر مختتم تولید پر ہوتا ہے۔ کائنات یقیناً جناب باری کی حکمت بالغہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے مگر اس کا مفہوم سراسر انسانی ہے لیکن اس کا تبصرہ کے آغاز سے پہلے ہی چند تمہیدی امور پر بحث کرنا چاہتا ہوں، اس لیے کہ یہ بحث میرے نزدیک جماعت مسلمین کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ امور جن پر میں ترتیب وار نظر ڈالوں گا (۱) جماعت المسلمین کی ہیئت ترکیبی (۲) اسلامی تمدن کی یک رنگی (۳) اس ہیئت کا نمونہ جو مسلمانوں کی ہستی کے تسلسل کے لیے لازمی ہے۔ اوّل۔ مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری قوم کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے نہ اشتراک وطن نہ اشتراک اغراض اقتصادی۔ بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی اس لیے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں وہ بھی ہم سب کے لیے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تہذیبی تصور پر ہے جس کی تجسیمی شکل وہ جماعت اشخاص ہے جس میں بڑھتے اور پھیلتے رہنے کی

قابلیت طبعاً موجود ہے۔"

"اسلام کی زندگی کا انحصار کسی خاص قوم کے خصائل مخصوصہ اور شمائل مختصہ پر نہیں ہے۔ غرض اسلام زمان و مکان کی قیود سے مبرا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قوم عرب نے جس کے بطن سے اسلام پیدا ہوا اس کی پولیٹیکل نشوونما میں بہت بڑا حصہ لیا لیکن اسلامی علوم و فنون اور فلسفہ و حکمت کے اصول تحریر کے روشنۃ کا کام اور وہ کام ہے جو نفس ناطقہ انسانی کے اعلیٰ زندگی کے کاموں سے متعلق ہے۔ زیادہ تر غیر عرب اقوام ہی نے انجام دیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسلام کا ظہور قوم عرب کی زندگی کی تاریخ میں بجز ان علمی کی ایک آنی و عارضی جھلک ہونے کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ گو یہ درست ہے کہ عربی چمک تھی یا شرارہ کا ایک تتمہ تھا لیکن اسلام کی دائمی توانائیوں کا ہوالہ تو عرب نہ تھا بلکہ عجم تھا۔"

"پس چونکہ اسلام کا جوہر اپنی بلا کسی آمیزش کے خاص طور پر ذہنی یا تخیلی ہے لہٰذا کیونکر ممکن تھا کہ وہ قومیت کو بھی کسی خارجی یا حسی اصول مثلاً وطن پر مبنی قرار دینا جائز تصور کرے۔"

"قومیت کا مغربی تصور جس پر زمانہ حال میں بہت کچھ حاشیے چڑھائے گئے ہیں اپنی آغوش میں اپنی تباہی کے جراثیم کو خود ہی پرورش کر رہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ قومیت کے جدید تصور نے چھوٹے چھوٹے پولیٹیکل حلقے قائم کر کے اور ان میں رقابت کے اس یکے اقوام منظر کو پھیلا کر (جس تمدن جدید کی شاخ میں بو قلمونی پیدا کر دیا ہے) دنیا کو تھوڑا بہت فائدہ ضرور پہنچایا ہے لیکن بڑی خرابی اس تصور میں یہ ہے کہ اس میں غلو اور افراط کا شاخسانہ نکل آتا ہے۔ اسی نے بین الاقوامی نیتوں کی نسبت غلط فہمی پھیلا رکھی ہے۔ اسی نے پولیٹیکل سازشوں اور منصوبہ بازیوں کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اسی نے فنون لطیفہ علوم و ادبیہ کو خاص قوموں کی خصوصیات کی میراث قرار دے کر تمام انسانی عنصر کو اس میں سے نکال دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وطن پرستی کا خیال جو قومیت کے تصور سے پیدا ہوتا ہے ایک طرح سے مادی شے کا تابع ہے جو

سراسر اصول اسلام کے خلاف ہے اس لیے کہ اسلام تو دنیا میں ہر طرح کے شرک خفی و جلی کا قلع قمع کرنے کے لیے نمودار ہوا تھا!"

مسلمان قوم کی ماہیت و نوعیت کے بارے میں حکیم الامتؒ کے یہ زریں اقوال اور ۱۹۱۰ء میں ہندوستان کی سرزمین میں کھڑے ہو کر ان کا یہ فرمان کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں ان کی اسلام شناسی اور قرآنی بصیرت کا کتنا بیّن ثبوت ہے۔ ناظرین کرام دیکھا آپ نے کہ دوررس نگاہ کے حامل عاشق رسولؐ اقبالؒ نے اسلام اور مسلمان قوم کی کتنی صحیح تعریف پیش کی ہے۔ اور قومیت پرستی کو جو وطن کے بطن سے جنم لیتی ہے، سالارِ کاروانِ انسانیت حضورِ اقدسؐ کے لائے ہوئے اسلام کی روشنی میں انسانیت کے لیے کتنا مہلک و ضرر رساں قرار دیا۔ علامہؒ کے اس لیکچر کا ترجمہ جو اس دور میں مومن کی گم شدہ پونجی بن چکا ہے اس کا یہ طویل اقتباس صرف اس لیے دیا ہے کہ ہمارے قارئین ان کے ۱۹۱۰ء کے خیالات و آراء سے یہ اخذ فرما سکیں کہ یہی نظریۂ حیات تھا جس کو علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے خطبۂ صدارت میں زیادہ وضاحت سے سامنے رکھا اور وہ یوم اول سے اپنے آخری سانس تک اسی پیغام کو دہراتا چلا گیا۔ اور جب اس مردِ خبیر و بصیر نے دیکھا کہ فضا ساز گار ہے تو الٰہ آباد مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت ہونی چاہیے جس میں وہ اپنے نظریۂ حیات (اسلام) کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

علامہ اقبالؒ کا خطبہ الٰہ آباد مسلم لیگ ۱۹۳۰ء

چند اقتباسات

"مسلم مملکت کا یہ مطالبہ ہندوستان اور اسلام دونوں کے لیے منفعت بخش ہوگا۔ ہندوستان کو اس سے اس حقیقی امن اور سلامتی کی ضمانت مل جائے گی جو قوتوں کے توازن کا فطری نتیجہ ہوگی اور اسلام کو اس سے ایسا موقعہ میسر آ جائے گا

جس سے یہ اس نقشے کو مٹا سکے جو (عرب ملوکیت) نے اس پر زبردستی لگا رکھا ہے اور اس قابل ہو سکے کہ یہ اپنے قوانین، تعلیم اور ثقافت کو پھر سے زندگی اور حرکت عطا کر سکے اور انہیں عصر حاضر کی رُوح کے قریب آنے کے قابل بنا سکے۔

مرد روشن ضمیر نے فرمایا:-

"آپ حضرات نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لیے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اپنے اس عقیدہ میں مایوسی کا کوئی شائبہ نہیں پاتا کہ اسلام ایک زندہ اور پائندہ قوت ہے جو نگاہ انسانی کو جغرافیائی حدود و قیود کے تفنس سے آزاد کر کے اس کی نظری وسعتوں میں اڑان بال کشائی دے گا۔ جس کا عقیدہ ہے کہ مذہب انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک اہم ترین طاقت کا حامل ہے۔ اور جس کا محکم یقین ہے کہ اسلام خود تقدیر الٰہی ہے۔ زمانہ کی تقدیریں اس کے ہاتھ میں رہیں گی اور اس کی تقدیر کسی کے ہاتھ میں نہ ہو گی۔ ایسا شخص مجبور ہے کہ تمام مسائل کو اپنے خاص زاویہ نگاہ سے دیکھے۔ یہ ہرگز خیال نہ فرمایئے کہ جس مسئلہ کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ خالص نظری مسئلہ ہے۔ نہیں یہ تو ایک زندہ اور عملی مسئلہ ہے جو خود نفس اسلام پر بحیثیت ایک نظام حیات و عمل کے اثر انداز ہو گا۔ اس مسئلہ کے صحیح اور مناسب حل پر ہی اس امر کا انحصار ہے کہ آپ حضرات ہندوستان میں ایک ممتاز تمدن کے علمبرداروں کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں؟"

اس کے بعد ہندوستان کی مختلف قوموں اور ہندؤوں اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و اتفاق کا ذکر کرتے ہوئے کہا:-

"لیکن اس تلخ حقیقت کے بیان کرنے سے صدمہ ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے ملک کی اندرونی یکجہتی کے لیے اس قسم کے اصول دریافت کرنے میں جتنی کوششیں کیں وہ اب تک بالکل ناکام رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ کوششیں کیوں ناکام رہی ہیں؟ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی نیتوں کو شبہ کی نگاہ

سے دیکھا جاتا ہے، دوسرے دلوں میں یہ آرزوئیں چھپی ہوتی ہیں کہ کسی نہ کسی
طرح فریقِ مقابل پر تغلب و تسلط حاصل کر لیا جائے یا اس کی یہ وجہ ہے
کہ باہمی اشتراکِ عمل کے بلند مقاصد تباہ ہوتے ہیں تو ہوں لیکن وہ
احتکاری اجارہ داری ہاتھ سے نہ جانے پائے جو اتفاقاتِ زمانہ سے
ایک فریق کے قبضہ میں آ چکی ہے۔ حالت یہ ہے کہ دماغ میں ’’انا النوع‘‘ خبط
قومی کا سودا سما رہا ہے لیکن ان جذبات کو قومیت پرستی کے مقدس
پردے میں چھپایا جاتا ہے۔ بلند آہنگ دعاوی کو دیکھو تو حب الوطنی کی
وسعتِ قلبی کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ لیکن دل کی گہرائیوں میں اُتر کر جاؤ تو
رنگ و زبان، ذات اور قبیلہ کی وہی پرانی تنگ نظری جلوہ فرما ہے۔ اس!
اور اس کا یہ بھی باعث ہو سکتا ہے کہ اس حقیقت کے تسلیم کرنے کو جی
نہیں چاہتا کہ اس ملک میں ہر ایک جماعت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ
اپنی تمدنی روایات کے مطابق آزادانہ طور پر اپنی اجتماعی نشوونما کر سکے۔‘‘

پھر اپنے اصل موضوع کی طرف آ کر بتایا کہ ہندوستان میں ملتِ اسلامیہ کا سب سے پہلا نصب العین حیات کیا ہونا چاہیے۔

فرماتے ہیں:۔

’’یہ مطالبہ مسلمانوں کی اس دلی خواہش پر مبنی ہے کہ انہیں بھی کہیں اپنی نشوونما کا موقع ملے۔ اس لیے کہ اس قسم کے مواقع کا حاصل ہونا اس وحدتِ قومی کے نظامِ حکومت میں قریب قریب ناممکن ہے جس کا نقشہ ہندو اربابِ سیاست اپنے ذہن میں لیے بیٹھے ہیں اور جس کا مقصد وحید یہ ہے کہ تمام ملک میں مستقل طور پر انہیں کا غلبہ اور تسلط ہو۔‘‘

اس کے بعد اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ یہ مطالبہ کسی جذبۂ تغلب و استیلا پر مبنی نہیں بلکہ دنیا میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی آرزو پر مبنی ہے جو مسلمان کے لیے ایمان کی حیثیت لیے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ

"حقیقت یہ ہے کہ اسلام خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی واسطہ کا ہی نام نہیں ہے یہ ایک نظام حکومت ہے جس کی ہیئت ترکیبی میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ ہر عمل خیر کو اپنے اندر جذب کر لے اس نظام کا تعین اُس وقت ہو چکا تھا جبکہ دنیا میں کسی روسو کے دماغ میں ایسے نظام کا خیال تک بھی نہ آیا تھا۔ اس نظام کی بنیاد ایک ایسے اخلاقی نصب العین پر رکھی گئی ہے۔ جس کی رُو سے انسان جمادات اور نباتات کی طرح بالکل مخلوق نہیں سمجھا جاتا کہ اس کو بھی اس خطے سے منسوب کر دیا اور کبھی اُس سے بلکہ وہ ایک ایسی رُوحانی ہستی سمجھا جاتا ہے جس کی صحیح قدر و قیمت اُس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ایک خاص معاشرتی نظام کی مشینری میں اپنی جگہ پر فٹ ہو۔ وہ اس مشینری کا ایک فعال رکن ہوتا ہے اور اسے ٹھیک انداز میں چلانے کے لیے اس پر حقوق و فرائض کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔"

اس نصب العین کو ایسے واضح اور درخشندہ الفاظ میں سامنے لانے کے بعد راستے کے خطرناک مراحل کی طرف بھی اشارہ کر دیا تاکہ کارِ شوق رو بہ منزل ہو تو زادِ سفر اور سامانِ حفاظت کو بھی ساتھ رکھے فرمایا

"ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں پر جو نازک وقت آج آ پڑا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے اندر وحدتِ افکار و عمل پیدا کر کے مکمل طور پر منظم ہو جائیں ان کی یہ تنظیم ملت اسلامیہ اور ہندوستان دونوں کے حق میں مفید ہوگی۔ ہندوستان کی سیاسی غلامی ایشیا بھر کے لا متناہی مصائب کا سرچشمہ بن رہی ہے۔ اور اس وقت بھی یہی کیفیت ہے اس غلامی نے مشرق کی رُوح کو کچل ڈالا ہے۔ اور اس سرزمین کو اظہار خودی کی اس مسرت سے یکسر محروم کر دیا ہے جس کی برکت سے یہ کبھی ایک عظیم الشان اور درخشندہ کلچر کی تخلیق کا موجب بنی تھی ہم

سرزمین (یعنی ہندوستان) کے ساتھ ہمارا جینا اور مرنا وابستہ ہو چکا ہے۔ اس کی طرف سے ہم پر ایک اہم فریضہ عائد ہوتا ہے علاوہ بریں ہم پر ایشیا کی طرف سے اور علی الخصوص مسلم ایشیا کی طرف سے بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ تنہا ایک ملک میں سات کروڑ فرزندانِ توحید کی جماعت کوئی معمولی چیز نہیں۔ تمام مسلم ایشیا کے ممالک مجموعی طور پر بھی اسلام کے لیے اتنی گراں بہا متاع نہیں جتنی اکیلی ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ۔ اس لیے ہمیں ہندوستان کے مسئلہ کو صرف اس زاویۂ نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں اسلام کا کیا حشر ہوگا بلکہ اپنی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس نقطۂ خیال سے بھی کہ ہماری موت و حیات کا عالمِ اسلامی پر کیا اثر ہوگا۔ ہندوستان اور ایشیا کی طرف سے جو فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ ان سے ہم کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے جب تک ہمارا نصب العین متعین نہ ہو اور اس کے حصول کے لیے ہم سب منظم طور پر عزم نہ کر لیں۔ ہندوستان کے دیگر سیاسی گروہوں میں ہماری مستقل ہستی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم منظم ہوں، متحد ہوں، ہم آہنگ ہوں۔ ہمارا بکھرا ہوا شیرازہ ان تمام سیاسی مسائل پر جن کے ساتھ ہماری قسمت کی موت اور زندگی وابستہ ہے بہت بری طرح اثر انداز ہو چکا ہے۔ میں فرقہ وارانہ مسائل کے سمجھوتہ کی طرف سے ناامید نہیں ہوں لیکن مجھے کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ مستقبل قریب میں ہندوستان میں شاید ایسے خطرناک حالات پیدا ہو جائیں گے کہ مسلمانوں کو اپنا جداگانہ محاذ قائم کر کے ان کا مقابلہ کرنا پڑے اور ایسے خطرناک حالات میں آزادانہ عمل وہی قومیں اختیار کر سکتی ہیں۔ جو حصولِ مقاصد کے لیے متحد ہوں اور اپنے تمام عزائم کو ایک متحد نصب العین پر مرکوز کیے ہوں؟

صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ راستہ کی مشکلات کی طرف ہی اشارہ کر دیا بلکہ اس نبض شناس دوراں نے یہ بھی بتا دیا کہ قوم میں کس کس چیز کی کمی ہے فرمایا:۔

"میں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ دورِ حاضرہ میں مسلمان دو مصیبتوں میں مبتلا ہیں۔ پہلی مصیبت قحط الرجال کی ہے۔ سر میلکم ہیلی اور لارڈ ارون کی یہ تشخیص بالکل صحیح تھی کہ مسلم قوم میں رہنماؤں کا فقدان ہے۔ جیسا کہ انھوں نے علی گڑھ یونیورسٹی کے طالب علموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ لیڈروں سے میری مراد ایسے حضرات ہیں جنھیں مبداء فیض کی کرم گستری یا مشاہدات و تجربات کی بنا پر ایک طرف اسلام کی روح اور اس کے منتہائے نگاہ کے متعلق بصیرتِ تامہ حاصل ہو اور دوسری طرف عصرِ حاضرہ کے تاریخی شواہد بھی ان کی نگاہوں کے سامنے بے نقاب ہوں۔ ایسے لوگ درحقیقت وہ زندہ قوتیں ہوتے ہیں جو قوم کے عروقِ مُردہ میں تحریکِ زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ وہ خدا کی دین ہوتے ہیں جسے چاہے دے۔ جب فرمائش بنوائے نہیں جا سکتے

دوسری مصیبت جو مسلمانوں کو تباہ کر رہی ہے کہ ان کے دل سے احساسِ اجتماعیت فنا ہو رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ افراد اور چھوٹے چھوٹے فرقے الگ الگ راستوں پر گامزن ہو رہے ہیں اور ان کا کوئی کام قوم کے اجتماعی افکار و اعمال کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا۔ جو کچھ میدانِ سیاست میں وہ کچھ کر رہے ہیں۔ جو صدیوں تک مذہب کے دائرے میں کرتے رہے ہیں لیکن فرقہ بندی کے فروعی جھگڑے ہماری اجتماعیت کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے۔ ان جھگڑوں سے کم از کم یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اصل اصول (مذہب) جو ہماری اجتماعیت کا نقطۂ ماسکہ ہے اس سے ہمیں گہری دلچسپی ہے پھر یہ اصول اپنے اندر اتنی وسعت رکھتا ہے کہ

کوئی گروہ یا فرقہ اس حد تک سرکش نہیں ہو سکتا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے کٹ جائے۔ لیکن سیاست کے دائرے میں انتشار اور بالخصوص ایسے مواقع پر انتشار جب کہ قوم کی زندگی کا انحصار ہی اتحادِ عمل پر ہو قوم کو فنا کرکے رکھ دیتا ہے۔"

یہ ایک نئی آواز تھی جو ہندوستان کی فضا میں تلملا اٹھی ہوئی۔ یہ ایک انوکھا نصب العین تھا جو ہندی مسلمانوں کے سامنے رکھا گیا۔ ہنگامہ آرائی کے اس دور میں اس پر کون کان دھرتا۔ کسی نے فلاسفر کا "ناممکن العمل نظریہ" بتایا تو کسی نے اسے شاعر کا تخیل کہا اور یوں صدائے جرس کارواں خود کارواں کے شور و غوغا میں گم ہو کر رہ گئی۔

لیکن اسی نصب العین کو ۱۹۴۰ء میں ایک مردِ ہوشمند (جناحؒ) نے اس مردِ خاموش کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر ایک لاکھ کے مجمع میں دہرایا جو آج ایک زندہ حقیقت بن کر دنیا کے سامنے پاکستان کی شکل میں موجود ہے۔

اقبال کا ایک خط

حضرت علامہ اقبالؒ کا ایک خط جو آپ نے ۱۹۳۷ء میں قائدِ اعظمؒ کو لکھا اس سے یہ امر بخوبی نمایاں اور واضح ہوتا ہے کہ وہ پاکستان کو کیسی اسلامی مملکت بنانا چاہتے تھے اور کیسا اسلامی نظام پاکستان میں دیکھنے کی تمنا و آرزو رکھتے تھے اور ان کی نگاہ زمانے کے تقاضوں کو کیسے بھانپ رہی تھی۔

آپ لکھتے ہیں:۔

"سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا علاج کیا ہے۔ لیگ کا مستقبل اس سوال کے حل پر موقوف ہے۔ اگر لیگ نے اس باب میں یہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ عوام اس سے اسی طرح بے تعلق رہیں گے جس طرح اس وقت بے تعلق رہے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی آئین کے پاس اس مسئلہ کا

حل موجود ہے۔ اس آئین کو دورِ حاضر کے تصورات کی روشنی میں مزید نشوونما (DEVELOPMENT) دی جا سکتی ہے۔ اسلامی آئین کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے ہر فرد کو کم از کم سامانِ پرورش (SUBSISTENCE) ضرور مل جاتا ہے۔ ہندوؤں کے پاس اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں۔ اگر ہندوؤں نے اشتراکی جمہوریت (SOCIAL DEMOCRACY) کو اپنے ہاں قبول کر لیا تو ہندومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن اسلام کے لیے اشتراکی جمہوریت کو ایسے مناسب انداز سے قبول کر لینا جس سے یہ اس کے اصولوں سے ٹکرائے نہیں، اسلام میں کسی تبدیلی کے حرارت نہیں ہو گا بلکہ اس سے مفہوم یہ ہو گا کہ ہم اسلام کو پھر سے اس منزہ صورت میں اختیار کر رہے ہیں، جیسا وہ شروع میں تھا۔

اب ہم یہاں قائداعظمؒ کے اس خطاب سے اقتباس جو آپ نے فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو جون ۱۹۴۵ء میں فرمایا۔ آپ کے سامنے لا رہے ہیں جس سے قائداعظمؒ کی اسلام شناسی واضح ہو جائے گی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی پتہ چل جائے گا۔ کہ مملکت پاکستان میں قائداعظمؒ کونسا نظامِ حیات نافذ کرنا چاہتے تھے اور پاکستان کے حصول کی تگ و تاز میں کیوں مصروف تھے

فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن جون ۱۹۴۵ء

"پاکستان سے مطلب یہی نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہم نے صرف اپنی آزادی حاصل ہی نہیں کرنی۔ ہم نے اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔"

پاکستان

ملت کے جس دردمند اور زیرک و فہیم فرزند نے حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی تمنا و آرزو کو لفظ "پاکستان" کا جامہ پہنایا وہ موضع موہراں ضلع ہوشیارپور کے چودھری رحمت علی مرحوم تھے۔ چودھری صاحب مرحوم و مغفور اپنے ایک پمفلٹ[1] میں رقم طراز ہیں کہ سب سے پہلی بار پاکستان کا تصور میرے ذہن میں ۱۹۳۲ء میں آیا اور میں نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے لندن میں "پاکستان نیشنل موومنٹ" کے نام سے ایک جماعت تشکیل کی، اور ۱۹۳۳ء میں اسی تنظیم کے تحت ایک جلسہ عام کیا۔ مسلمانانِ ہند کی حاصل کردہ اس تصوراتی مملکت کو چودھری صاحب مرحوم کا دیا ہوا یہ نام آسمانِ عظمت و خدمت پر روشن ستارے کی طرح جگمگاتا رہے گا۔ چودھری صاحب نے پاکستان کی اسکیم کے لیے اپنی طرف سے ایک خاکہ بھی پیش کیا تھا۔ آپ نے پڑھے لکھے مسلمانوں کو اس مملکت کے حصول کی تڑپ و آرزو پیدا کر کے آمادہ و تیار کرنے کے لیے اپنے انداز و اسلوب سے ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ جہاں ان کی پُر اثر آواز برطانوی ایوانوں اور قصرِ اقتدار میں گونجی وہاں ان کی اس دردمندانہ نوا سے مسلمانوں کے انگریزی خواں طبقہ میں بیداری و ہشیاری کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ آپ کا خلوص و وفا سے اس منزلِ حیات کو دیا ہوا نام "پاکستان" حضرت قائد اعظمؒ کی قیادت میں مسلمانانِ ہند نے اپنایا اور

---

[1] ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگی امیدوار راؤ خورشید خان کو کامیاب بنانے کے لیے الیکشن مہم میں جو اس وقت رہوں رہتا، کو کامیاب بنانے کے لیے الیکشن میں جو اس وقت راقم کے ساتھ رہتا اور چودھری صاحب کے بزرگوں اور عزیزوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ (مرتب) [2] چودھری رحمت علی صاحب مرحوم کے جس پمفلٹ کا ذکر ہم نے حوالہ دیا ہے اس کا نام "ہندی قت آف اسلام، پنڈی مینس (MENACE) آف... " ہے جو چودھری رحمت علی صاحب نے ایڈیشن ۱۹۴۳ء مطابق ۱۹۴۳ء میں شائع ہوا۔ (مرتب)

ہندوستان کی تاریک فضا میں ان ایمان پرور نعروں "آنکھ کا گزر، دل کا منظر پاکستان" "جہاں سے پیارا۔ آنکھ کا تارا پاکستان" "بٹ کے رہے گا ہندوستان بٹ کے رہیں گے پاکستان"۔ یہ اعزاز در حقیقت مرحوم ہی کے لیے تھی۔ کہ اس تصوراتی مملکت کو ان کا تجویز کردہ نام "پاکستان" دیا جائے۔ چودھری صاحب مرحوم کے مرقد پر خدائے رحیم و کریم رحمت کی بارش برسائے اور اس درد مند مسلمان کی لحد کو جس کا دل ملت کی سرفرازی و سربلندی کے لیے بیقرار و مضطرب رہتا تھا۔ نورِ خداوندی سے منور کر دے۔ ایسے لوگ جو مردہ قوموں کی رگوں میں زندگی کا خون دوڑا دیں مرتے نہیں۔ ان کی موت میں ہزاروں زندگیاں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ پاکستان جب تک صفحۂ زمین پر قائم رہے گا چودھری صاحب کا نام بھی زندہ رہے گا۔

اب ہم ان ہندو لیڈروں کے خیالات پیش کرتے ہیں۔ جنھوں نے سیاست ہند کی گتھیوں کا حل یہی سمجھا اور اس حقیقت کا برملا اظہار بھی کیا کہ ہندو اور مسلمان ایک قوم نہیں ہیں۔ بلکہ دو قومیں ہیں۔ ان حقیقت پسند ہندوؤں نے ہندی مسائل سیاست کا حل یہ قرار دیا کہ ہمیں کھلے دل سے یہ اعتراف کر لینا چاہیے۔ کہ مسلمان ہندوؤں سے ایک الگ قوم ہیں۔

مسٹر این۔ سی۔ دت

مسٹر این۔ سی۔ دت (سابق رکن آل انڈیا کانگرس کمیٹی) کا ایک بیان یکم فروری ۱۹۴۲ء کے "مدینہ" (ایک کانگریسی اخبار) میں شائع ہوا۔ فرماتے ہیں:

"ان حالات میں میرا خیال ہے۔ کہ ہندو مسلم قضیہ کا حل یہی ہو گا کہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کو دو قومیں سمجھ لیا جائے۔ اور پھر دو قوموں کی حیثیت سے ان کے ساتھ متحدہ قومیت کا خیال ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دل سے نکال دیا جائے۔ مسٹر جناح نے حال ہی میں گاندھی جی کو جواب دیتے ہوئے متحدہ

قومیت کے تصور کو سراب کے لفظ سے تعبیر کر کے جس خیال کا اظہار کیا ہے وہ میرے خیال میں اب نہیں تو کل حقیقت ہو کر رہے گا۔

بہر حال اگر یہ چیز بھی جلد طے ہو جائے تو کچھ برا نہیں ہو گا۔ مسلمانوں کے کرد اور سرحد کی طرح اگر ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں میں محض حیثیت فرقے نہیں بلکہ حیثیت دو قوموں کے سمجھوتہ ہو جائے اور مسلم اکثریت کے علاقوں میں ہندو اکثریت کے علاقے مداخلت نہ کریں اور ہندو اکثریت کے علاقوں میں مسلمان مداخلت نہ کریں تب بھی ہندوستان کا اجتماع خطرہ میں رہ سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں پاکستان کے خیال کو ٹھکرانا نہیں چاہیئے البتہ اس میں مناسب ترمیم و اصلاح کر کے اسے اپنے حسب حال بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

لالہ لاجپت رائے کا خط

بنام

مسٹر سی۔ آر۔ داس

ایک اور چیز جو کچھ عرصہ سے میرے لیے بے حد وجہ اضطراب ہو رہی ہے وہ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس پر دعوت غور و خوض دوں گذشتہ چھ ماہ میں میں نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ اسلامی تاریخ اور اسلامی قوانین کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس سے جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ چیز (یعنی ہندو مسلم اتحاد) ایک امر محال اور ناقابل عمل شے ہے۔ وہ مسلمان راہنما جو عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہیں، اگر ان کے خلوص نیت کو تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی میرے خیال میں ان کا مذہب اس چیز (ہندو مسلم اتحاد) کے راستے

میں ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوگا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے کلکتہ میں اپنی اس گفتگو کا جو اس باب میں حکیم اجمل خان صاحب اور ڈاکٹر کچلو سے ہوئی تھی آپ سے تذکرہ کیا تھا۔ ہندوستان میں حکیم صاحب سے زیادہ سمجھا ہوا کوئی مسلمان نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حکیم صاحب یا کوئی دوسرا مسلمان راہ نما قرآن کی تعلیم کے احکامات پر خطِ تنسیخ کھینچ سکتا ہے۔ خدا کرے کہ اسلامی قوانین کے مطالعہ کے بعد جس نتیجہ پر میں پہنچا ہوں وہ غلط ہو کیونکہ میرے دل کی کھٹک کو دور کرنے کے لیے اس سے زیادہ عمدہ بات کوئی نہ ہوگی لیکن میرا خیال صحیح ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم (ہندو اور مسلمان) انگریز کے مقابلہ کے لیے تو متحد ہو سکتے ہیں لیکن برطانوی طرزِ حکومت کے مطابق ہندوستان میں نظامِ حکومت قائم کرنے کے لیے ایسا اتحاد ناممکن نظر آتا ہے اس کا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہوگا کہ ہم ہندوستان میں جمہوری طرزِ حکومت قائم نہیں کر سکتے تو پھر اس کا علاج کیا ہے؟

میں ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں سے خائف نہیں ہوں لیکن ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں اور ان کے ساتھ افغانستان وسط ایشیا عرب۔ عراق اور ترکی کے مسلح لشکروں کی تاب ہم نہ لا سکیں گے۔ میں تہہ دل سے ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت کا قائل ہوں اس کے لیے میں مسلمان راہ نماؤں پر اعتماد کرنے کو بھی تیار ہوں لیکن قرآن وحدیث کے احکام کو ہم کیا کریں گے؟ مسلمان راہ نما ان پر تو خطِ تنسیخ نہیں کھینچ سکتے۔ تو پھر کیا ہماری یہ تباہی تقدیر مبرم ہے؟ امید ہے کہ ایسا نہ ہوگا اور آپ کا ذہنِ رسا اور قلبِ بصیر اس مشکل کا کوئی حل تجویز کر سکے گا۔"

(اخبار مرشد ۳ فروری ۱۹۴۰ء)

اندازہ فرمایئے ناظرین کرام کہ یہ ہندو کتاب وسنت کے مطالعہ سے

تو انھوں نے لامحالہ تراجم کے ذریعہ کیا ہوگا، کس نتیجے پر پہنچا ہے اور ہمارے دورِ الہلال کے مایۂ ناز ابوالکلام آزاد اب متحدہ قومیت کے سرشار ہو کر

شیخ تمت یا حدیث دلنشیں بر مراد او کنند تفسیر دین

کی تصویر بن جاتے ہیں ہم آگے چل کر بتائیں گے کہ متحدہ قومیت کے جواز کے لیے ان کی تحقیق انیق ان کے دورِ الہلال سے کس قدر برعکس اور متضاد ہے۔ اس بات پر حیرت ہے۔ کہ لالہ لاجپت رائے کو چند ماہ کے مطالعہ سے اسلامی تعلیم سے متعلق جو باتیں نظر آ گئیں وہ ہمارے اجارہ دارانِ علوم دینی کو ساری عمر کے مزعومہ تدبر و تفحص کے باوجود نہ آ سکیں اور اگر متحدہ قومیت کے قائل ہونے سے قبل کچھ بصیرت قرآنی تھی بھی تو وہ ہندو میں تند رہ رہین ہو گئی۔ اصل میں فرق یہ ہے کہ لالہ جی نے ان چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مُلّا جی انھیں مہاتما گاندھی جی کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ اس عالم میں دونوں کا ایک نتیجے پر پہنچنا محال ہے۔

اعترافِ حقیقت

بھائی پرمانند کا بیان

"خالصۃً مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو مسٹر جناح نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ سنٹرل اسمبلی کے مسلمان ممبر ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ اُن کے رویہ کو اگر دیکھا جائے تو اس بات کے لیے کسی اور ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ مسٹر جناح واقعی ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے [illegible] کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا مہاتما گاندھی نے کہا تھا [illegible] مسٹر جناح کہتے ہیں اگر وہی مسلمانوں کے [illegible] تو کانگریس [illegible] گیا وہ تمام [illegible] گیا۔ لیکن خود

کانگریس شروع ہی سے مسلم لیگ کے ساتھ تمام معاملات اسی بنا پر طے کرتی رہی ہے کہ مسلم لیگ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں مہاتما گاندھی نے تحریک خلافت کے رہنماؤں کے ساتھ ملاپ پیدا کیا۔ لیکن وہ تحریک ختم ہو چکی۔ اس لیے اب پھر مسلم لیگ اسی طرح بہ حیثیت نمائندہ جملہ مسلمانان ہند شہرت پکڑ گئی ہے۔ جس طرح کہ خود کانگریس تمام ہندوستانیوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی ہے۔

مسلم لیگ کی پالیسی کو مد نظر رکھتے ہوئے میں مہاتما گاندھی اور اُن کے رفقائے کار کو صرف ایک چیز کہتا ہوں اور وہ یہ کہ وہ یا تو کانگریس کی تحریک کو تحریک خلافت کی طرح ختم کر دیں اور ہندو مہا سبھا میں شامل ہو جائیں یا اس حقیقت کا کھلم کھلا اقرار کریں کہ کانگریس واقعی ہندوؤں کی ایک جماعت ہے اس کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔"

(ہندوستان ٹائمز ۱۵ فروری ۱۹۴۰ء)

ایم۔ این رائے

"ہم ہندوستانی قومیت کی تقسیم کی اسکیم کے خلاف مسلمانوں کے افکار کی شیرازہ بندی کو خوش آمدید کہتے ہیں لیکن ہم کانگریس لیڈروں کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایسی کانفرنسوں یا مظاہروں کی قوت یا وزن کے اندازہ کرنے میں حد سے نہ بڑھا کریں جتنی رپورٹیں موصول ہوئی ہیں ان سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ آزاد مسلم کانفرنس کامیاب ضرور رہی لیکن یہ ایک ہلاکت انگیز تحریک ہوگی اگر یہ کوشش کی گئی کہ اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے۔ اور اسے خواہ مخواہ مسلم لیگ کے مد مقابل جماعت سمجھ لیا جائے۔ مسلم لیگ کی قوت اور اس کے ہم خیال طبقہ کی تعداد

کو گھٹانے کی کوشش سے کچھ فائدہ نہیں۔ مسلم لیگ آج اس ملک میں مسلمانوں کی بڑی نمائندہ جماعت ہے۔ پاکستان ریزولیشن یا آزاد کانفرنس اس حقیقت کو کبھی بدل نہیں سکتے۔"

(ٹائمز آف انڈیا۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۰ء)

ایک ڈرامہ

"یہ آزاد مسلم کانفرنس کے نام پر ایک ڈرامہ کھیلا گیا تھا جس کے کردار خان بہادر اللہ بخش، عبدالرحمٰن سرحادی۔ مولانا حفظ الرحمٰن۔ مولانا حبیب الرحمٰن۔ حافظ محمد ابراہیم۔ مختار امین کھوتو۔ عبداللہ القاضی بنگال۔ مفتی کفایت اللہ۔ مفتی محمد نعیم لدھیانوی۔ مسٹر شمس الدین نوری وغیرہ تھے۔ اس کانفرنس کا ذرا تفصیل سے ذکر آئندہ کسی مقام پر آئے گا یہاں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جس حقیقت کا اعتراف ہندو برملا کر رہا ہے۔ نیشنلسٹ علماء قرآن و سنت کے نام پر کس کس طرح اور کن کن تاویلوں اور حیلوں سے اس کا چہرہ مسخ کر رہے ہیں۔ یہ آزاد مسلم کانفرنس (اواخر اپریل میں) دہلی کے مرکزی مقام پر ہوئی تھی چار روز تک جاری رہی۔ اس کے فیصلوں پر ہندو مہاسبھا کے صدر جناب ساورکر کی طرف سے تبریک و تہنیت کا تار موصول ہوا تھا۔"

(ہندوستان ٹائمز ۲۸ مئی ۱۹۴۰ء)

مسٹر ستیہ مورتی

"ملک میں مخلوط حکومتوں کی تشکیل ناممکن ہے، اس لیے کہ کانگریس مسلم لیگ کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت کس طرح قائم کر سکتی ہے جس لیگ کا نصب العین ... میں اسلامی حکومت کا احیاء ہو۔"

(ہندوستان ٹائمز مورخہ ۹ جون [illegible])

مسٹر ایم۔ این رائے

اور

متحدہ قومیت

مسٹر ایم۔ این رائے نے اپنے ایک لیکچر میں فرمایا:۔

"گو ہم سیاسی مصالح کی خاطر ہم ہندوستان کی تحریک کو ایک قومی تحریک اور ہندوستان کو ایک "قوم" کہہ دیتے ہیں لیکن ایک سائنس دان اور ایک مورخ کی حیثیت سے ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ بجز اس کے جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے ہندوستان کو ایک وحدت کہا جا سکے اور وہ بھی اس لیے نہیں کہ اہل ہند میں یہ وحدت کا رشتہ کسی اندرونی یک جہتی کی بناء پر قائم ہے بلکہ اس لیے کہ ایک خارجی قوت نے (خواہ مخواہ) اس رشتہ کو ہم پر مسلط کر رکھا ہے (اس صورت کے علاوہ) ہندوستان کو کبھی ایک قوم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تاریخ کو کئی مصالح کی خاطر توڑا مروڑا جاتا ہے، انہی مصالح میں سے ایک متحدہ قومیت ہے۔۔۔۔۔ ہندوستان میں چھوٹی بڑی کئی ایک سلطنتیں رہی ہیں لیکن اس کا ثابت کرنا بہت مشکل ہوگا کہ تمام کا تمام ہندوستان یا اس کا بیشتر حصہ کبھی بھی ایک قومیت بن کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ قدیم ہندوستان کی سلطنتیں تو اس کی موجودہ حدود سے بھی باہر تک پھیلی ہوئی تھیں اور اس کے برعکس خود ہندوستان کے بعض حصے ان سلطنتوں کی حدود سے باہر ہوا کرتے تھے۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر "قومیت پرستی" کا جذبہ کہ سارے ہندوستان کو ایک وحدت تسلیم کر لیا جائے۔ صرف سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ کلچر کے اعتبار سے بھی یا یہ کوشش کہ ہندوستان کی مختلف قوموں کو ان کی نسلی، ثقافتی اور دیگر اختلافات کے باوجود ایک قوم بنا دیا جائے۔ بڑی ہراساں کن باتیں

ہیں۔ یہ وہ مسائل نہیں جنہیں محض فرقہ پرستی کا لیبل لگا کر طعنہ زنی اور دشنام طرازی سے حل کر لیا جائے؟

اعتراف

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے گورو کل یونیورسٹی کے کانووکیشن ایڈریس کے دوران میں کہا:-

"ہمیں بحیثیت قوم اپنے آپ سے اچھی طرح آگاہ ہونا چاہیے۔ یہ بالکل درست ہوگا اگر کہا جائے کہ کسی قوم کی وحدت کے معنی یہ نہیں کہ وہ قوم اپنے کل اور اس کل کے تمام اجزا سے اچھی طرح واقف ہو لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہماری اکثریت کو ہندوستان کے متعلق کچھ علم ہی نہیں اور نہ ہی اس علم کے اکتساب کی تمنا ہی ہے۔ ہم اپنے سیاسی پراپیگنڈہ کے لیے متحدہ قومیت کا زور زور سے ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں اور اس سے یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی متحدہ قومیت پیدا ہوگئی اور یوں اپنے آپ کو سیاست کی اس افسانوی دنیا میں رکھ چھوڑتے ہیں جو خود ہمارے ذہن کی پیداوار ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں خود اپنے ملک میں بھی تمام نوع انسانی کے ساتھ بہت کم دلچسپی ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق باتیں کرتے رہنا ہمارا شعار ہو گیا ہے۔ ہم نظری مسائل کی فضاؤں میں اڑتے رہتے ہیں اور تصورات کی ہواؤں میں خاک چھانتے پھرتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں کرتے کہ اپنی معاشرتی حدود سے نکل کر اپنی ہمسایہ قوم (یعنی مسلمانوں) کے قریب جائیں اور خود معلوم کریں کہ ان کے خیالات و احساسات کیا ہیں اور ان کا اسلوب زندگی کیسا ہے؟"

(ہندی پنڈت، ۴ اپریل ۱۹۳۶ء)

انگریز اس معاملہ میں کیا رائے رکھتے تھے:-

مسٹر ایمری

مسٹر ایمری نے لنڈن میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"مسلمانوں کے خطرات کو مٹانے کے لیے نئی صورت پیدا کرنی پڑے گی۔ یعنی صوبجات کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں اور نئے سرے سے صوبجات کی تقسیم کی جائے اور حتی الوسع صوبجات کو مرکز سے آزاد رکھا جائے۔"

(اسٹیٹسمین ۲۲ر نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۹)

تقریر وائسرائے

۱۶ر دسمبر ۱۹۴۲ء کو کلکتہ میں "ایسوسی ایٹڈ چیمبرز آف کامرس" کے سالانہ اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے اسی حقیقت کا اعتراف کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ

"ہندوستان کے حالات موجودہ صورت کا پس منظر اور عناصر ترکیبی ممالک متحدہ سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ سراسر حماقت ہوگی۔ اگر ہندوستان کے آئینی مسائل کو حل کرنے میں یہاں کی بڑی بڑی جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کے زاویۂ نگاہ۔ ان کی تہذیب و ثقافت۔ ان کی قومی روایات اور ان کے مزاجوں کے اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے خاص حالات کے مطابق نئی صورت پیدا نہ کی جائے۔" (اسٹیٹسمین ۱۸ر نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۹)

ہندو بھی اقرار کرتا ہے اور انگریز بھی مانتا ہے کہ مسلمانوں کے مطالبات حقیقت پر مبنی ہیں۔ لیکن اگر آج آسمان کے نیچے کسی کو اس حقیقت سے انکار ہے تو وہ خدا کے فضل سے نیشلسٹ مسلمان ہے۔

بوٹا بوٹا، پتہ پتہ حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اب ہم کچھ پرانے خطوط جنھیں پنڈت جواہر لعل نہرو نے انگریزی

حصہ اوّل و دوم (دو کتابوں) میں شائع کیا ہے اور عبدالمجید الحریری ایم اے ایل ایل بی نے اُردو میں ترجمہ کیا ہے اور جو قیام پاکستان کے بعد ہندوستان میں چھپا ہے۔ دراصل یہ انہی خطوط کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً پنڈت نہرو نے دوسرے لوگوں کو لکھے یا دوسرے لوگوں نے نہرو کو لکھے۔ ہم وہ خطوط جو متعلقہ موضوع سے مناسبت رکھتے ہیں نذرِ قارئین کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:-

۲۰۹-۱ از ایم۔ اے جناح
بیٹنگس روڈ، ۱۷ مارچ ۱۹۳۶ء

پیارے پنڈت جواہر لعل نہرو

"آپ کا خط مورخہ ۸ مارچ ۱۹۳۶ء موصول ہوا۔ آپ کے پہلے خط مورخہ ۱۸ جنوری سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دینے کی غرض سے نزاعی نقطہ جاننا چاہتے ہیں جب میں نے اس خط کے جواب میں آپ کو یہ لکھا کہ یہ مسئلے خط و کتابت سے حل نہیں ہو سکتے اور نہ ان پر پریس میں بحث و مباحثہ مرغوب و مناسب ہو گا تب آپ نے اپنے جواب ۴ فروری میں ایک فہرست اُن شکایتوں کی مرتب فرما کر مجھے بھیجی جو میری مزعومہ تنقید کانگریس اور میری اُن تقریروں پر مبنی بیان کی جاتی ہیں جو مشکل ہی سے کوئی تعلق اُس سوال سے رکھتی ہیں جو ہمارے فوری غور و فکر کا محتاج ہے۔ آپ ان ہی باتوں پر برابر اصرار کرتے رہے اور اب بھی آپ کی یہی رائے ہے کہ ان معاملات پر، جو اگرچہ موضوع پیش نظر سے کوئی تعلق نہیں رکھتے مزید غور و فکر کر لیا جائے۔ مگر جیسا کہ میں اپنے پچھلے خط میں بیان کر چکا ہوں میں ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

جس سوال سے ہماری گفت و شنید کا آغاز ہوا تھا وہ جہاں تک

میرا علم ہے، مسلمانوں کے مذہب، کلچر، زبان، مخصوص شخصی قوانین اور قومی زندگی اور ملک کی حکومت اور نظم و نسق میں اُن کے سیاسی حقوق سے متعلق اُن کے جملہ مفادات اور حقوق کے تحفظ کا تھا۔ متعدد اور مختلف تجویزیں ایسی پیش کی گئی ہیں جو ایک طرف مسلمانوں کو مطمئن کر دیں گی اور دوسری طرف اکثریتی فرقے میں احساسِ تحفظ و اعتماد پیدا کر دیں گی۔ آپ کا اپنے زیرِ جواب خط میں یہ فرمانا میرے لیے موجبِ حیرت ہوا۔ "مگر وہ معاملات کیا ہیں جو موضوعِ زیرِ بحث سے تعلق رکھتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ میں کند ذہن ہوں یا مسئلے کی پیچیدگیوں سے پورے طور پر آشنا نہ ہوں۔ اگر ایسا ہے تو میں مستحق ہوں کہ مجھے آگاہ کیا جائے۔ اگر آپ مجھے اپنا حال کا کوئی بیان ایسا بتا دیں جو پریس میں آ چکا ہو یا کوئی ایسی تقریر جو مجھے مسائل کے سمجھنے میں مدد دے تو میں شکر گزار ہوں گا۔"

شاید آپ چودہ نکتے سن چکے ہیں۔

ثانیاً، جیسا کہ آپ کہتے ہیں "اس سے قطع نظر ان چند گذشتہ سالوں میں بہت سی باتیں ایسی ہو چکی ہیں جن سے صورتِ حال بدل گئی ہے" ہاں مجھے آپ سے اتفاق ہے اور متعدد اور مختلف تجویزیں اخباروں میں حال ہی میں آئی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ بارہویں فروری کا "اسٹیٹسمین" اٹھا کر دیکھیں گے تو آپ کی نظر ایک مقالے پر پڑے گی جو زیرِ عنوان "مسلمانوں کی آنکھوں سے" اُس میں شائع ہوا ہے (آپ کی سہولت کے لیے نقل ملفوف ہے) ثالثاً وہ مقالہ بھی ملاحظہ فرمائیے جو پہلی مارچ ۱۹۳۸ء کے نیو ٹائمز میں شائع ہوا ہے اور جس میں آپ کے اُس اعلانِ رائے پر بحث کی گئی ہے جو آپ نے حال میں میرا خیال ہے کہ ہری پورہ اجلاسِ کانگریس میں کیا، اس اعلانِ رائے میں

ذیل کے فقرے آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔
"میں نے اس نام نہاد فرقہ وارانہ مسئلے کو دوربین لگا کر بغور دیکھا مگر جہاں کچھ موجود ہی نہ ہو وہاں کسی کو کیا نظر آئے گا؟" یہ مقالہ ٹیوٹائمز کے پہلی مارچ ۱۹۳۶ء کے شمارے میں شائع ہوا اور اس میں متعدد تجویزیں پیش کی گئی ہیں (سہولت مراجعہ کے خیال سے نقل ملفوف ہے) علاوہ بریں آپ کی نظر سے مسٹر آنے کی وہ صحافتی ملاقات بھی گذری ہوگی جس میں انھوں نے چند ایسے نقطوں کا ذکر کر کے جن کا مسلم لیگ کی طرف سے مطالبہ ہو چکا ہے، کانگریس کو ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا ہے۔

اب اس قدر آپ پر اس امر کے واضح کر دینے کو کافی ہے کہ اب تک جو متعدد اور مختلف تجویزیں پیش کی جا چکی ہیں یا جن تجویزوں کے آئندہ پیش کیے جانے کا گمان غالب یا توقع ہے، ایسی تمام تجویزوں کا تحلیل و تجزیہ کرنا پڑے گا اور بالآخر میری رائے میں ہر سچے قوم پرور کا یہ فرض ہوگا، خواہ وہ کسی جماعت یا فرقے سے تعلق رکھتا ہو کہ وہ اس کو اپنا کار منصبی قرار دے اور صورت حال کا جائزہ دے کر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک معاہدہ کرا دے اور ایک قرار واقعی متحدہ محاذ وجود میں لے آئے۔ اور اس سوال سے قطع نظر کر کے کہ ہم کس جماعت یا فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، ہم دونوں کو یکساں طور پر یہی محور فکر و نظر اور یہی فرض ہونا چاہیے۔ لیکن اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں یہ تمام تجویزیں یکجا کر کے ایک سائل کی حیثیت سے مرتب کر کے آپ کی خدمت میں اس غرض سے پیش کروں کہ آپ اور آپ کے دوسرے رفقائے کار ان پر غور فرمائیں، تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اور نہ مجھ سے یہ ہو سکے گا۔ کہ یہ تمام تجویزیں ایک آپ کو اس غرض سے بھیجوں کہ آپ متعدد اور مختلف تنازعاتی نقطوں پر آپ

سے مزید خط و کتابت کروں۔ لیکن اگر آپ کو اب بھی اس پر اصرار ہے کہ جیسا آپ کے خط کے ان جملوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرا ذہن و دماغ، اس سے پیشتر کہ وہ مؤثر طور پر کام کر سکے یا کوئی اقدام کر سکے، صفائی اور وضاحت چاہتا ہے۔ ابہام یا حقیقی تنقیح طلب امور سے پہلو بچانا تشفی بخش نتائج تک نہیں لے جا سکتا۔ یہ بات واقعی مجھے کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ میرے بار بار درخواست کرنے پر بھی مجھے یہ نہیں بتایا جاتا کہ وہ کون سے تنقیح طلب امور ہیں جن پر غور و فکر کرنا ہے۔ اس کو یہ مشکل صورت حال کا کوئی صحیح بیان یا اس کی کوئی معقول تعبیر کہا جا سکتا ہے تو اس صورت میں میں درخواست کروں گا کہ آپ کانگریس کو آمادہ کریں کہ وہ اس مسئلے پر مجھ سے رسمی خط و کتابت کرے اور تب میں اس معاملے کو آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے سامنے رکھوں گا۔ اور یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ نے خود ہی کہا ہے۔ کہ چونکہ میں کانگریس کا صدر نہیں ہوں مجھے صدر کی نمائندہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ ہاں اگر میں اس معاملے میں کوئی خدمت بجا لا سکتا ہوں تو میری خدمات کانگریس کے رہین اشارہ ہیں اور میں بڑی خوشی کے ساتھ آپ سے بلکراں معاملات پر گفتگو کروں گا۔ جہاں تک میرا آپ سے ملنے اور ان معاملات پر آپ سے گفتگو کرنے کا تعلق ہے مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ مجھے اس میں خوشی اور مسرت ہوگی۔

آپ کا مخلص

ایم۔ اے جناح

(محمد زبیر کے خطوط حصہ دوم صفحہ ۹۴ تا ۷۲)

جب مسلم لیگ نے نہرو رپورٹ اس بنا پر مسترد کی کہ کنونشن نے ان منصفانہ اور مناسب تجاویز ترمیمات کو نہ مانا۔ تو قائداعظم نے اپنی طرف سے

چودہ نکاتی پروگرام پیش کیا اور برملا اعلان کیا کہ ہندوستان کے آئین کی کوئی سکیم بھی مسلمانوں کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک مندرجہ ذیل اساسی نکات پر عمل درآمد نہ ہوگا اور اس آئین میں ان کے حقوق اور مفادات کا تحفظ نہ ہوگا۔

چودہ نکات

۱۔ جدید آئین فیڈرل ہو اور فاضل اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں۔

۲۔ تمام صوبوں کو مساوی طور پر خود مختاری حاصل ہو۔

۳۔ مجالس قانون ساز اور دیگر منتخب اداروں کو ایسے واضح اصولوں پر تشکیل کیا جائے۔ جن میں کسی صوبے کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیے بغیر یا اس کی مساوی سطح پر لائے بغیر تمام صوبوں کی اقلیتوں کی تسلی بخش اور موثر نمائندگی ہو۔

۴۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی نیابت ایک ثلث سے کم نہیں ہوگی

۵۔ فرقہ وارانہ نمائندگی جداگانہ طریق انتخاب کے ذریعہ جس طرح کہ اب ہے اسی طرح جاری رہے گی۔ اگر کوئی فرقہ کسی وقت جداگانہ طریق انتخاب کو مخلوط طریق انتخاب کے حق میں ترک کرنا چاہیے۔ تو وہ کر سکے گا۔

۶۔ اگر کسی وقت ملکی تقسیم کی جدید حد بندیوں کی ضرورت پیش آئی تو یہ عمل کسی حالت میں پنجاب، بنگال اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں مسلمانوں کی اکثریت پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

۷۔ مکمل مذہبی آزادی یعنی تمام جماعتوں کو اپنے عقائد، طریق عبادت، رسومات، رابطہ و ضبط، تعلیم و تبلیغ وغیرہ میں مکمل آزادی حاصل ہوگی

۸۔ کوئی بل یا ریزولیشن یا اس کا کوئی حصہ کسی مجلس قانون ساز یا کسی منتخبہ ادارہ میں پاس نہیں کیا جائے گا اگر کسی قوم کے تین چوتھائی ممبران اس کی اس بنا پر مخالفت کریں کہ یہ بل یا ریزولیشن یا اس کا کوئی حصہ اس قوم کے مفاد کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا یا بصورت دیگر ایسے معاملات کو سلجھانے کے لیے کوئی اور حل کا راستہ ذریعہ نکالا جائے۔

۹۔ سندھ کو بمبئی پریذیڈنسی سے علیحدہ کر دیا جائے۔

۱۰۔ دوسرے صوبوں کی طرح بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں اصلاحات جاری کی جائیں۔

۱۱۔ آئین میں ایسی گنجائش کا اہتمام کیا جائے جس سے عام معیار کے ساتھ سرکاری ملازمتوں اور دیگر خود مختار اداروں میں قابلیت کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو مستحق حصہ ملے۔

۱۲۔ آئین میں مسلمانوں کی تہذیب۔ تمدن۔ زبان۔ تعلیم۔ مذہب پرسنل لا اور اوقاف کا تحفظ ہو اور سرکاری اور دوسرے خود مختار اداروں کی تعلیمی امداد میں مناسب حصہ ملے۔

۱۳۔ مرکزی اور صوبوں کی وزارتیں اس وقت تک قائم نہ کی جائیں۔ جب تک کہ ان میں کم از کم ایک ثلث وزیر مسلمان نہ ہوں۔

۱۴۔ مرکزی مجلس قانون ساز انڈین فیڈریشن کی جملہ ریاستوں کی رضامندی کے بغیر آئین ہند میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی۔"

ان چودہ نکات سے قارئین یہ اندازہ فرما سکیں گے کہ اس وقت تک قائد اعظم صرف اس حد اور اس انداز میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے لڑ رہے تھے، ویسے بھی ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک کا زمانہ مسلمانوں کے ضعف و انتشار کا زمانہ تھا۔ ہم اس قسم کے تاریخی واقعات پیش کر کے دل و دماغ میں

تحریکِ پاکستان کے اسباب و علل کے وُہ نقوش و خطوط اُبھارتے اور نمایاں کرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ چودہ نکات اس لیے سامنے لائے گیے ہیں کہ جناح کے پچھلے خط کا مقصد و مدعا واضح ہو جائے۔ اب یہ خط بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

۲۷۸۔ از رگھو نندن سرن
دہلی۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۹ء

بنام جواہر لعل

ایک اقتباس

"میں یہ عرض کر دینا بھول گیا تھا کہ مسٹر جناح سے میں نے دو اہم باتوں کا بہ صراحت ذکر کر دیا تھا۔ اوّل یہ کہ مسلم لیگ کانگرس کے مطالبۂ آزادی کی تائید کرے؛ دُوسرے یہ کہ وُہ دعوی کرنا چھوڑ دیں کہ یہاں دو قومیں بستی ہیں۔ ایک ہندو اور دُوسری مسلمان۔ میرے اس مطالبے کا انھوں نے کوئی خاص جواب نہیں دیا۔ مگر جیسی کہ اُن کی عادت ہے۔ انھوں نے نہ تو اس سے کوئی اختلاف ظاہر کیا اور نہ رد کیا۔ اس کے برعکس گفتگو جاری رہی اور مطالب اور طرزِ ادا دونوں کے لحاظ سے دوستانہ اور خوشگوار تر ہوتی گئی۔ کاش کوئی اس بات کو باور کر سکتا کہ انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے معاملے کو اس طریقے سے میرے سامنے رکھا اس کے پیشِ نظر ان کے ساتھ کسی فیصلے تک پہنچ جانے میں کوئی دشواری پیش نہ آنی چاہیے۔ لیگ کے دُوسرے سربرآوردہ ممبروں کے مقابلے میں مسٹر جناح کو ہر اعتبار سے فوقیت دینے میں مجھے قطعاً کوئی پس و پیش نہیں۔ اُن سے باتیں کرتے وقت میں نے محسوس کیا کہ میں کسی مخصوص قابلیت کے آدمی سے باتیں کر رہا ہوں۔ اُن کے متعلق جو شخصی اور یقینی رائے میں نے قائم کی وہ یہ ہے کہ اگر اُن کو کسی طرح اپنا ہمنوا

بنا لیا جائے تو وہ ایک ایسے شخص ہیں۔ کہ اُن پر اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ جو شخص یہ خط لیے جا رہا ہے وہ آپ کے جواب کا انتظار کرے گا اگر آپ مسٹر جناح کو کوئی اطلاع بھیجنی چاہئیں تو اس شخص کے ہاتھوں مجھے بھیج دیں۔ میں اس کا انتظام کروں گا۔ کہ وہ فوراً اُن کو مل جائے۔"

احترامات کے ساتھ

نندان

از کچھ پرانے خطوط حصہ دوم صفحہ ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۰

مرتبہ از جواہر لعل

مترجم عبدالمجید الحریری ایم۔ اے۔ ایل ایل بی

اب پنڈت جواہر لعل نہرو کا خط قائد اعظمؒ کے نام دیکھئے

نجی۔ بنام ایم۔ اے جناح

لکھنؤ۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء

میرے عزیز جناح

"نندان نے مجھے آپ سے اپنی کل کی ملاقات اور گفتگو کا حال لکھا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ایک غلط فہمی ہو گئی، جس کے سبب آپ نے یہ سمجھا کہ میں دہلی میں مکرر آپ سے اتصال پیدا کروں گا۔ اور دوسری میں یہ سمجھا کہ آپ مجھے ٹیلیفون کریں گے حقیقت میں میں آپ سے دوبارہ ملنے کا منتظر رہا اور آپ کے پیغام کا انتظار کرتا رہا۔ یہ سچ ہے کہ میری یہ ملنے کی خواہش اور انتظار دائسرائے سے گفت و شنید کے سلسلہ میں تھی ہماری پچھلی گفتگو اگرچہ خاصی طویل تھی۔ مگر وہ عام قسم کی تھی میں ایک اور موقع چاہتا تھا کہ موضوع بحث پر کچھ اور قریب سے ایک غائر نظر ڈالی جائے میں خوشی کے ساتھ آپ سے دوبارہ ملوں گا۔ اگر میرے پاس وقت ہوتا

تو میں اسی وقت اس غرض سے دہلی چلا آتا مگر مجھے اندیشہ ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے دشوار ہوگا۔ اس لیے کہ کل مجھے دہلی جانا ہے اور چند گھنٹے وہاں ٹھہر کر کانگریس کی مجلس عاملہ کی نشست میں شرکت کے لیے واردھا جانا ہے۔ آپ بھی غالباً اگلے چند دنوں میں نہایت مصروف رہیں گے۔ وائسرائے کے بیان کے بعد غالباً صورت حال بڑی تیزی کے ساتھ بدلے گی۔ اس حالت میں مستقبل کے لیے منصوبے بنانا آسان نہیں ہے۔ مگر واردھا کی نشست کے بعد میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ آپ سے دہلی یا بمبئی میں جہاں آپ کو سہولت ہو ملاقات کروں اگر آپ جلد ہی بمبئی جانے والے ہوں تو واردھا سے میں بھی وہیں آ جاؤں گا یا پھر میں دہلی میں آ سکتا ہوں۔

مجھے آپ سے پورا اتفاق ہے کہ یہ ایک المیہ ہے کہ ہندو مسلم سوال اب تک دوستانہ طریقے پر طے نہیں پا سکا۔ اس بات کو سوچ کر میں سخت اذیت محسوس کر رہا ہوں اور خود اپنے آپ سے یہ محسوس کر کے شرمندہ ہوں کہ اس مسئلے کے حل کرنے کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر خدمت مجھ سے بن نہیں آئی۔ مجھے آپ سے اس بات کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ اگرچہ معمولی حالات میں میری یہ حالت نہیں ہو جایا کرتی مگر اس معاملے میں مجھے خود اپنے اوپر اعتماد باقی نہیں رہ گیا ہے۔ لیکن گذشتہ دو تین سالوں نے مجھ پر ایک قوی اثر ڈالا ہے۔ میرا اپنا دماغ ایک دوسری سطح پر حرکت کر رہا ہے اور میری دلچسپیاں بیشتر دوسری سمتوں میں ہیں اور اس لیے اگرچہ میں نے اس مسئلے پر بہت غور و فکر کیا ہے اور اس کی بیشتر پیچیدگیوں اور پہلوؤں کو سمجھتا ہوں، پھر بھی کچھ ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے میں ان مسائل سے معنوی طور پر اجنبی اور بیگانہ ہوں۔ میرے پس و پیش کی وجہ

بھی یہی ہے۔

مگر یہ باتیں مجھے اس امر کی انتہائی سعی و کوشش کرنے سے نہیں روکتیں کہ اس مسئلے کا کوئی حل ڈھونڈ نکالنے میں ہاتھ بٹاؤں اور میں یقیناً ایسا کروں گا۔ آپ کی نیک نیتی اور لیگ میں آپ کی بلند حیثیت کے ساتھ کوئی حل ڈھونڈ نکالنا اتنا دشوار نہ ہونا چاہیے، جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ میں پوری سنجیدگی کے ساتھ آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ مجلس عاملہ کے تمام ممبر کوئی حل ڈھونڈ نکالنے کے سخت آرزومند ہیں۔ میرے لیے یہ امر سخت حیرت و افسوس کا موجب ہے کہ ہم لوگ اس کوشش میں اب تک ناکام رہے ہیں۔ اس لیے کہ جو معاملات واقع میں متنازعہ فیہ ہیں وہ بہر صورت بہ آسانی قابل تصفیہ ہونے چاہئیں اور حقیقت میں ہیں بھی ایسے ہی۔

اس لیے میں واردھا کی نشست کے بعد آپ سے جہاں تک جلد ممکن ہوگا ملنے کی کوشش کروں گا۔ کیا آپ ازراہ کرم مجھے اپنے پروگرام سے مطلع کریں گے۔ جب ہم مل پائیں گے۔ تب میں خوشی کے ساتھ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کروں گا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ آگے چل کر لیگ نمائندوں کا کانگریس کے نمائندوں سے ملنا بہتر ہوگا۔ اس وقت جیسا کہ آپ خود بھی یقیناً محسوس کرتے ہوں گے۔ میرے دماغ میں وہ تغیرات گونج رہے ہیں۔ جو تیزی کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ اگلے چند ہفتوں میں یہ تقلبات ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیں گے۔ وائسرائے کا بیان ہم سب کے لیے ایک شہنشاہانہ چیلنج یا دعوت مبارزت ہونے کے اعتبار سے حیرت انگیز نکلا۔ جہاں تک میں دیکھ رہا ہوں۔ کانگریس کے لیے اس کے سوا اور کوئی راہ کھلی نہیں رہ گئی ہے کہ وہ وائسرائے کی تمام تجویزیں مسترد کر دے اور اس کے نتائج و عواقب ہمارے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی لازمی طور پر

دُور رس ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کا اور آپ کے دُوسرے رفقائے مسلم لیگ کا فیصلہ کیا ہوگا مگر میں اخلاص کے ساتھ یقین رکھتا ہوں کہ آپ بھی وائسرائے کے بیان سے اپنی شدید بیزاری کا اعلان کردیں گے۔ اور جو خطوطِ عمل انھوں نے تجویز کیے ہیں اُن پر اُن کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کردیں گے۔ میرا یہ شدید احساس ہے کہ برطانوی حکومت نے ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ہم سب کے وقار اور خودداری کی اہانت کی ہے۔ اس حکومت نے فرض کرلیا ہے کہ ہم سب اُس کے نظامِ حکومت کے طفیلی ہیں اور وہ جب چاہے اور جہاں چاہے احکامات صادر فرما سکتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ لکھنؤ کا روزنامہ نیشنل ہیرلڈ بھی دیکھا کرتے ہیں یا نہیں۔ میرا لکھا ہوا ایک مضمون اس میں آج صبح شائع ہوا ہے اور دُوسرا کل صبح شائع ہوگا۔ ان دونوں مضامین میں وائسرائے کے بیان پر میرے تاثرات صاف الفاظ میں ظاہر کردیے گئے ہیں یہ دونوں مضمون آپ کو بھیج رہا ہوں۔

میں کل یعنی جمعرات ۱۹ اکتوبر کو آپ کو ٹیلیفون کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرا آئندہ پروگرام یہ ہے۔

۲۰ اکتوبر کو الٰہ آباد اور ۲۰ اکتوبر کے بعد وار دھا میں رہوں گا کیا میں عرض کرسکتا ہوں کہ دہلی میں آپ سے مل کر مجھے کس قدر مسرت ہوئی؟

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

ایم اے جناح اسکوائر، نئی دہلی

پھر پرانے خطوط حصہ دوم

صفحہ ۲۴۹ تا ۲۵۱

پنڈت نہرو کا خط جناح کے نام :-

۲۸۹ بنام ایم ۔ اے جناح

الٰہ آباد ۔ ۹ دسمبر ۱۹۳۹ء

میرے پیارے جناح

"دو دن ہوئے میں نے آپ کو ایک خط بھیجا تھا اور اطلاع دی تھی کہ میں جلد ہی بمبئی جانے والا ہوں ۔ اور امید رکھتا ہوں کہ وہاں آپ سے ملوں گا کل صبح میں نے اخباروں میں آپ کا وہ بیان پڑھا جس میں آپ نے قوم کو اس بنا پر یوم نجات وشکرانہ منانے کا مطالبہ کیا ہے کہ بالآخر کانگریسی حکومتیں ختم ہو گئیں اور انھوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ۔ میں نے اس بیان کو بہت غور سے پڑھا اور کئی بار پڑھا اور پورے چوبیس گھنٹے اس معاملے پر غور کرتا رہا ۔ اس خط میں واقعات کے اثرات یا نتائج کے بارے میں بحث میں پڑنا میرا کام نہیں ہے ۔ ان چیزوں سے متعلق میرے آدرش و افکار جو مجھے امید ہے کہ پوری سنجیدگی ، متانت اور حق و صداقت کی ایک طلب کے ساتھ قائم کیے گئے ہیں ، آپ پر روشن ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں ، میں نے مزید روشنی ڈالنے کی کوشش کی مگر وہ روشنی مجھے نہیں ملی ۔

کل سے جس چیز نے میرے قلب کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے ۔ وہ یہ احساس ہے کہ زندگی نیز سیاست کے اقدار و مقاصد کے شعور میں میرے آپ کے درمیان بڑا شدید اختلاف ہے ۔ آپ سے گفتگو کے بعد میں نے امید کی تھی کہ یہ اختلاف اتنا شدید نہ ہوگا ۔ مگر اب تو یہ خلیج جو میرے آپ کے درمیان حائل ہے ہمیشہ سے زیادہ وسیع تر معلوم ہوتی ہے ۔ ان حالات میں میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ جو مسائل ہمارے سامنے ہیں ، ان پر میرا آپ کا باہم غور و فکر کرنا کیا مفید نتیجہ پیدا کر سکتا ہے ایسی

گفت و شنید کے بار آور ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی مشترک بنیاد اور کوئی مشترک مطمح نظر اور مقصد موجود ہو۔ میرا خیال ہے کہ آپ کی طرف سے نیز خود میری طرف سے مجھ پر یہ فرض عائد ہے کہ یہ دشواری میں آپ کے سامنے رکھ دوں۔

آپ نے دہلی میں مجھے ایک خط دکھایا تھا جو آپ کو کسی نے بجنور سے لکھا تھا۔ میں نے جب اس معاملے کی چھان بین کی تو مجھے بتایا گیا کہ واقعات جس طرح آپ سے بیان کیے گئے ہیں۔ صحیح نہیں ہیں اور سرتا سر گمراہ کن ہیں۔ اگر آپ ان واقعات کی تفصیل جاننا چاہیں تو میں وہ بجنور سے آپ کے لیے منگا سکتا ہوں۔ اس غرض کے لیے میں چاہوں گا کہ آپ اس خط کی ایک نقل مجھے بھیج دیں۔ جو آپ نے دہلی میں مجھے دکھایا تھا۔“

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

ایم۔ اے جناح اسکوائر

کچھ پرانے خطوط حصہ دوم صفحہ ۲۶۷ تا ۲۶۸

قائد اعظمؒ پنڈت نہرو کے خط کے جواب میں یہ خط تحریر فرماتے ہیں:۔

۲۹-۱ از ایم۔ اے جناح

بمبئی۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۹ء

پیارے جواہر لعل

مجھے آپ کا خط مورخہ ۱۹ دسمبر ملا۔ چونکہ اخباروں میں آپ کی پیہم نقل و حرکت کی خبریں چھپ رہی تھیں۔ میں یہ نہیں طے کر پا رہا تھا کہ میں آپ کے خط کا جواب کس پتے پر بھیجوں۔ سب سے آخر میں یہ اعلان نظر سے گزرا کہ آپ چودہ کو بمبئی پہنچ رہے ہیں۔ اس لیے یہ خط میں آپ کے بمبئی

کے پتے پر بھیج رہا ہوں۔ میں اس بات میں آپ سے بالکل متفق ہوں کہ کسی گفت و شنید کے بار آور ہونے کے لیے ضروری ہے کہ گفت و شنید کرنے والوں کے درمیان گفت و شنید کے لیے کوئی مشترک بنیاد اور کوئی مشترک مطمح نظر اور مقصد وجود ہو۔ ٹھیک اسی خیال سے میں نے گذشتہ اکتوبر میں اپنی دہلی کی گفتگو میں مسٹر گاندھی پر نیز آپ پر واضح کر دیا تھا۔ کہ اولاً جب تک کانگریس مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہندوستان کی مستند با اختیار اور نمائندہ جماعت تسلیم نہیں کر لیتی ہندو مسلم تصفیے سے متعلق گفتگو کا جاری رکھنا ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے اسی بات کو بنیاد گفتگو قرار دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تک کہ مسئلہ اقلیت سے متعلق ہم باہم کسی سمجھوتے تک نہیں پہنچ جاتے۔ تب تک ہم کانگریس کی طرف سے اس اعلان کے مطالبے کی تائید نہیں کر سکتے جس کا خاکہ مجلس عاملہ کی اس قرارداد میں دیا گیا ہے جس کی توثیق ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے کی۔ قطع نظر اس سے کہ مطلوبہ اعلان اپنی نوعیت میں مبہم غیر واضح اور ناقابل عمل ہے۔ مسلم لیگ بھی وائسرائے کے اعلان سے مطمئن نہیں ہوئی۔ اگر خوش قسمتی سے ہم لوگ ہندو مسلم سوال کا کوئی تصفیہ باہم کر لیں تو اس وقت ہم اس پوزیشن میں ہوں گے کہ ایک ایسا متفقہ ضابطہ ترتیب دیں جس کی بنیاد پر ہم شاہ برطانیہ کی حکومت سے ایک ایسے اعلان کا مطالبہ کریں جو ہم سب کو مطمئن کر دے۔

دہلی والی ملاقات میں نہ تو میری پہلی تجویز مسٹر گاندھی یا آپ کے نزدیک قابل قبول ٹھہری اور نہ دوسری۔ مگر آپ نے ازراہ کرم یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ مجھ سے دوبارہ ملنا پسند کریں گے۔ جس کے جواب میں میں نے کہا کہ مجھے ہمیشہ آپ سے ملنے میں مسرت ہوگی۔ میں نے آپ کے خط مورخہ

یکم دسمبر کے جواب میں جس میں آپ نے مجھ سے بمبئی میں ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی آپ کو مطلع کیا تھا کہ میں دسمبر کے تیسرے ہفتے تک بمبئی میں رہوں گا اور مجھے آپ سے مل کر مسرت ہوگی۔ اب میں صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ اگر آپ معاملے پر مزید غور و فکر کرنا پسند کریں

تو میں حاضر ہوں۔

آپ نے حادثہ بجنور کا جو ذکر کیا ہے سو اس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ سے اس بات میں اتفاق کریں گے کہ اس سے پیشتر کہ کسی نتیجے تک پہنچا جا سکے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس حادثے کی پوری پوری عدالتی تحقیق و تفتیش ہو جائے، مگر کسی ایک منفرد حادثے پر غور و فکر کرنا شغل ہی سے ہمارے اوقات کا کوئی معقول مصرف ہوگا اس لیے کہ میری رائے میں دستور پر جس طریقے سے عمل کیا جا رہا ہے اس پورے طریقۂ عمل کی اور کانگریسی حکومت کے خلاف ہمارے الزامات کی ایک شاہی کمیشن کے ذریعے پوری پوری جانچ ہو جانی ضروری ہے۔"

آپ کا مخلص

ایم۔ اے جناح

اب پنڈت نہرو قائداعظم کو لکھتے ہیں:۔

۲۹۱۔ پنڈت جواہر لعل نہرو

بنام ایم۔ اے جناح

بمبئی۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۳۹ء

میرے عزیز جناح

"آپ کے خط مورخہ ۱۳ دسمبر کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میرے یہاں پہنچنے پر آج دوپہر سے پہلے میرے حوالے کیا گیا۔ میں نے اپنا آخری خط

آپ کو الہ آباد سے آپ کا وہ بیان پڑھ لینے اور اس پر پوری طرح غور و فکر کر لینے کے بعد بھیجا تھا جس میں آپ نے مسلمانوں کی طرف سے یوم نجات شکر منانے کا ذکر کیا ہے۔ اس بیان سے مجھے سخت اذیت پہنچی تھی اس لیے کہ اس نے مجھے محسوس کرا دیا کہ پبلک مسائل پر غور و فکر کرنے کے انداز میں جو خلیج میرے آپ کے درمیان حائل ہے وہ بہت وسیع ہے اس بنیادی اختلاف کی وجہ سے میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آپ سے گفت و شنید کے لیے اب میرے آپ کے درمیان مشترک زمین کونسی باقی رہ گئی ہے اور میں نے اپنی دشواری آپ کے سامنے رکھ دی تھی۔ یہ دشواری اب بھی باقی ہے۔

اپنے خط میں آپ نے دو اور ایسی ابتدائی شرطوں پر زور دیا ہے۔ جن کے بغیر گفت و شنید یا غور و فکر کے لیے کوئی مشترک زمین پیدا نہیں ہو سکتی۔ پہلی شرط یہ ہے کہ کانگریس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہندوستان کی مستند، با اختیار اور نمائندہ تنظیم تسلیم کرے اور اس سے ایسا ہی برتاؤ کرے۔

کانگریس نے مسلم لیگ کو ہمیشہ مسلمانوں کی ایک بہت اہم اور با اثر تنظیم سمجھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس بات کے آرزو مند رہے ہیں کہ اگر ہمارے درمیان کچھ اختلافات پائے جاتے ہوں تو انھیں طے کر ڈالیں مگر جو کچھ آپ تجویز فرما رہے ہیں وہ غالباً اس سے کچھ زیادہ ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے مسلمان جو مسلم لیگ میں نہیں ہیں ہم انھیں ٹھکرا دیں یا ان سے قطع تعلق کر لیں جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کانگریس میں بھی ہے جو ہمارے قریب ترین رفقائے کار رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ کچھ اور مسلم تنظیمیں بھی ہیں، جیسے جمعیت العلماء آل انڈیا شیعہ کانفرنس، مجلس احرار اور آل انڈیا مومن کانفرنس وغیرہ

تنظیمیں، اُن تجارتی انجمنوں اور کسانوں کی انجمنوں کے علاوہ ہیں جن میں بہت سے مسلمان بھی شامل ہیں۔ ان میں بہت سی تنظیموں اور بہت سے اشخاص نے عموماً وہی سیاسی پلیٹ فارم اختیار کر رکھا ہے جو کانگریس کے اندر ہمارا ہے۔ ان انجمنوں، تنظیموں اور اشخاص سے نہ تو ہمارا قطع تعلق کر لینا ممکن ہے، اور نہ ہم ان کو کسی طریقے سے ٹھکرا سکتے ہیں۔

آپ نے بہت سے موقعوں پر صحیح فرمایا کہ کانگریس ہندوستان میں ہر شخص کی نمائندگی نہیں کرتی یقیناً وہ ہر شخص کی نمائندگی نہیں کرتی۔ یہ اُن لوگوں کی نمائندگی نہیں کرتی جو اس سے اختلافات رکھتے ہیں خواہ وہ ہندو ہوں خواہ مسلمان آخری تجزیے کی رُو سے کانگریس اپنے ممبروں اور اپنے ہمدردوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہی حال مسلم لیگ اور دوسری تنظیموں کا ہے یہ بھی اپنے ممبروں اور اپنے ہمدردوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ مگر یہاں ایک اہم فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کانگریس کی رکنیت تو اس کے دستورِ اساسی کی رُو سے ہر اس شخص کے لیے کھلی ہوئی ہے جو اس کے مقصد و طریق کار کو تسلیم کرتا ہے۔ مگر مسلم لیگ کی رکنیت کا دروازہ صرف مسلمانوں کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے دستوری طور پر کانگریس ایک قومی بنیاد رکھتی ہے اور وہ اس بنیاد سے اسی وقت تک دست بردار ہو سکتی ہے۔ جب وہ اپنا وجود ہی ختم کر دے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہندو مہا سبھا میں بہت سے ہندو ہیں جو اس خیال کے مخالف ہیں کہ کانگریس ہندوؤں کی نمائندگی بحیثیت اُن کے ہندو ہونے کے کر سکتی ہے۔ پھر سکھ اور کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کا مطالبہ یہ ہے کہ جب فرقہ وارانہ معاملات پر غور و فکر کیا جائے تب اُن کی باتیں بھی سُنی جانی چاہئیں۔

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم تمام دوسرے مسلم اداروں یا اشخاص کو علیحدہ کر کے تنہا مسلم لیگ ہی کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ ادارہ تسلیم کر لیں تو ہمیں خدشہ ہے کہ ہم آپ کا یہ مطالبہ قطعاً تسلیم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر ہم کانگریس کے لیے کوئی ایسا دعویٰ کریں تو باوجود اس ادارے کی انتہائی وسعت کے واقعات ہمارے اس دعویٰ کی تائید نہ کریں۔ مگر میں یہ عرض کرنے کی جسارت ضرور کروں گا کہ جب دو ادارے باہم گفت و شنید اور ایسے مسائل پر غور و فکر کرتے ہیں جن سے دونوں دلچسپی رکھتے ہیں تب اس قسم کے سوالات پیدا نہیں ہوتے۔

آپ کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر کانگریس نے برطانوی حکومت سے کسی اعلان کا مطالبہ کیا تو مسلم لیگ اس مطالبے کی تائید نہیں کر سکتی یہ جان کر مجھے افسوس ہوا۔ اس لیے کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ فرقہ وارانہ سوالات سے قطع نظر ہم خالص سیاسی بنیادوں پر باہم کلیۃً مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ کانگریس کا مطالبہ بنیادی اور لازمی طور پر اعلان مقاصد جنگ کا مطالبہ ہے اور زیادہ خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی آزادی اور ہندوستانیوں کے اس حق کے اعلان کا مطالبہ ہے کہ وہ اپنا دستور اساسی بغیر کسی بیرونی مداخلت کے خود ترتیب دے سکتے ہیں اگر مسلم لیگ اس سے اتفاق نہیں کرتی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے سیاسی مقاصد سر تا سر مختلف ہیں۔ کانگریس کا یہ مطالبہ کوئی نیا مطالبہ نہیں ہے یہ کانگریس کی پہلی دفعہ میں داخل اور ہماری تمام پالیسی گزشتہ کئی سالوں سے اسی پر مبنی رہی ہے۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کانگریس اس کو ترک کیونکر کر سکتی ہے یا اس میں کوئی تبدیلی بھی کیوں کر کر سکتی ہے ذاتی طور پر میں کسی تبدیلی کی کوشش کا کلیۃً مخالف ہوں گا۔ مگر یہ کوئی

ذاتی معاملہ نہیں ہے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ایک قرارداد ہے جس کی تائید ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں جلسوں میں کی گئی اور مجھے اس قرارداد کے نظرانداز کر دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں بالکل بے بس ہوں اس طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی نقطۂ نظر سے ہمارے درمیان کوئی مشترک زمین بحث و فکر نہیں ہے اور ہمارے مقاصد مختلف ہیں یہ اختلاف بجائے خود باہم گفت و شنید اور غور و فکر کو قطعاً بے نتیجہ بنا دیتا ہے۔ اور جس چیز نے مجھے آپ کو اپنا پچھلا خط لکھنے پر آمادہ کیا وہ بھی باقی ہے۔ یعنی آپ کی تجویز کے مطابق مسلمانوں کا ایک ایسے معاملات ماننا۔ یہ بات بڑے اہم اور دور رس مسائل پیدا کرتی ہے جن کی تفصیل میں مجھے اس وقت پڑنے کی ضرورت نہیں مگر جو ہم سب کو حتماً قبول کیے بغیر رہیں گی فرقہ وارانہ مسئلے کو اس انداز سے چھیڑنا اور اسے حل کرنے کی کوشش کرنا ان دونوں باتوں میں تطبیق نہیں کی جا سکتی۔

اس لیے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس مرحلے پر موجودہ حالات کے ماتحت اس پس منظر کے ساتھ ہمارا ایک دوسرے سے ملنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہ کرے گا۔ بہر حال آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم فرقہ وارانہ یا دوسرے مسائل پر کانگریس اور لیگ کے درمیان آزادی اور صفائی کے ساتھ بحث اور غور و فکر کے لیے ہمیشہ تیار رہیں۔ آپ نے حادثہ بجنور سے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کو میں نے بغور پڑھا ہے ہماری بدقسمتی رہی ہے کہ الزامات ایک طرز طریقے پر لگائے جاتے ہیں، مگر نہ تو کبھی ان کی ماتحتی ہوتی ہے اور نہ ان کو تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ آپ اس بات کو مانیں گے کہ ایسا نہیں کرنا بہت آسان ہے اور بغیر ابھی تحقیق کے ان پر اعتماد رکھنا بہت نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

آپ کا مخلص، جواہر لعل نہرو
۶ اپریل ۱۹۳۸ء

بنام مسٹر جناح، سلور لائسنس

مجموعۂ خطوط حصہ دوم صفحہ

پنڈت جواہر لعل نہرو کے اس طویل مراسلہ کے جواب میں قائداعظم لکھتے ہیں:۔

۲۹۲-ازایم۔اے جناح
۱۵ دسمبر ۱۹۳۹ء بمبئی

پیارے جواہر

آپ کا چودھویں دسمبر کا خط ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے دوسرے مسئلے سے متعلق میری پوزیشن صحیح طور پر نہیں سمجھی۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر کانگریس برطانوی حکومت سے کسی اعلان کا مطالبہ کرے گی تو مسلم لیگ اس کے مطالبے کی تائید نہ کر سکے گی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کانگریس نے اس قسم کے کسی اعلان کا مطالبہ کیا جس کا چرچا مجلس عاملہ کی اس قرارداد میں دے دیا گیا ہے جس کی توثیق دسویں اکتوبر ۱۹۳۹ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے کر دی ہے تو اس صورت میں ان اسباب کی بنا پر جو میں اپنے خط میں بیان کر چکا ہوں۔ ہم اس مطالبے کی تائید نہیں کر سکتے۔

اب اگر کانگریس کی اس قرارداد کی کسی طریقے پر ترمیم نہیں کی جا سکتی اور جیسا کہ آپ لکھتے ہیں۔ ذاتی طور پر آپ ہر اس کوشش کے قطعاً مخالف ہوں گے جو اس ترمیم و تغیر کے لیے کی جائے گی اور پھر جیسا کہ آپ نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ مسلم لیگ کو یہ مسلمانان ہندوستان کا مستند، با اختیار اور نمائندہ ادارہ تسلیم کرنے پر قطعاً آمادہ نہیں ہیں تو پھر ان حالات میں کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ آپ مجھ سے کیا کرنے کی توقع یا خواہش رکھتے ہیں؟

آپ کا مخلص:۔ جناح

(بحوالہ پرانے خطوط حصہ دوم۔ صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۵)

اب پنڈت جواہر لعل نہرو ۱۶ ردسمبر ۱۹۳۹ء کو قائداعظمؒ کے خط کے
جواب میں لکھتے ہیں :-

۲۹۳ - بنام جناح

میرے عزیز جناح

"آپ کے خط مورخہ ۱۵ ردسمبر کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جس فرق کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے۔ میں اُسے محسوس کرتا ہوں یقیناً مسلم لیگ برطانوی حکومت کی طرف سے کیے جانے والے کسی اعلان کے خیال کی مخالفت نہیں کر سکتی۔ سوال صرف اُس اعلان کی نوعیت اور مضمون کا ہو سکتا ہے۔ کانگریس نے جس چیز کا مطالبہ کیا تھا وہ یہ تھی کہ جنگ کے مقاصد کا اعلان کر دیا جائے اور ہندوستان کی آزادی اور ہندوستانیوں کا یہ حق کہ وہ اپنا دستور اساسی خود ترتیب دے سکتے ہیں، تسلیم کر لیا جائے یہ ایک ایسا حق ہے جو لازماً آزادی کی حقیقت سے جدا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ سب وہ بنیادی اُصول ہیں جو ہمارے مقصد آزادی کے منطقی نتائج ہیں اور چونکہ مسلم لیگ بھی اسی مقصد کا اعلان کر چکی ہے اس لیے ان اُصولوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیئے۔ ان اُصولوں پر عمل کرنے میں بلاشبہ بہت سے اہم معاملات پر غور کرنا پڑے گا۔ مگر جہاں تک بنیادی مطالبات کا تعلق ہے وہ جنگ کی نوعیت کی حقیقت اور درج ہیں۔ ان مطالبات سے دست بردار ہو جانا یا اُن میں اہم تبدیلیاں کر دینا خود اپنے مطالبہ آزادی کے مقصد کو لاحاصل یا کمزور کر دینا ہے۔ جنگ کے بارے میں بھی کانگریس گذشتہ کئی سالوں میں اپنی پالیسی کا کئی بار اعلان کر چکی ہے۔ موجودہ اعلان اس پالیسی کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ اس پالیسی کی تشکیل میں شخصی طور

پھر میں نے بھی تھوڑا بہت حصہ لیا ہے اور میں نے اس کو اہمیت دی ہے۔ آپ اس بات کو پورے طور پر محسوس کریں گے کہ اس کے پسندیدہ ہونے کا سوال تو ایک طرف رہا۔ ایسی قدیم اور بنیادی پالیسیوں کا بدلنا ہی بہت دشوار ہے۔

یہ پالیسیاں اپنی رُوح اور حقیقت کے اعتبار سے سیاسی ہیں اور میں تو یہاں تک عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ ہندوستان کی آزادی کے مطالبے پر یہی اور صرف یہی پالیسیاں مُرتب ہو سکتی ہیں۔ تفصیلات پر غور و فکر اور بحث کی جا سکتی ہے، اُن پر عمل کرنے کی صورتیں باہم تعاون سے متعین کی جانی چاہئیں، اور خصوصیت کے ساتھ مختلف جماعتوں اور اقلیتوں کے مفادات پر احتیاط کے ساتھ غور کرنا اور انھیں محفوظ کر دینا چاہئے۔ مگر اس اعلان کی بنیاد ہی کو معرضِ بحث میں لے آنا تو یہ ثابت کرتا ہے کہ سیاسی نظریوں اور پالیسیوں میں بڑا شدید اختلاف ہے اس بات کا بجائے خود ہندو مسلم مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی وجہ سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے سیاسی مقاصد میں قدرِ مشترک برائے نام رہ گئی ہے۔

کیا میں اس بات کو مکرر کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک میں جانتا ہوں ہماری طرف سے کوئی شخص بھی مسلم لیگ کے مستند ہونے، اس کے اقتدار اس کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا اور نہ اسے گھٹا کر دکھاتا ہے اسی سبب سے ہم مسلم لیگ کے ساتھ معاملات پر غور و فکر کرنے اور اُن مسائل کے ایک اطمینان بخش حل تک پہنچنے کے آرزو مند رہے ہیں۔ جو ہمارے سامنے ہیں۔ بد قسمتی سے ہم اُن مسائل پر غور و فکر کے مناسب طریقے تک کبھی پہنچ بھی نہیں پاتے۔ اس لیے کہ بہت سے مختلف قسم کے عوائق اور رکاوٹیں شرائط نامِ کی شکل میں ہماری راہ میں حائل ہو ہو جایا کرتی ہیں۔

یہ شرائط ماتیں جیسا کہ میں نے آپ کو بتانے کی جرأت کی ہے۔ بڑی دُور رس اہمیت رکھتی ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان شرطوں کو ہر ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی اجازت کیوں دی جائے، یا وہ ہمیں ان مسائل پر غور و فکر کرنے سے کیوں روکیں ان عوائق کو راہ سے دُور کر کے خود موضوع بحث سے براہِ راست تعلق پیدا کر لینا دشوار نہ ہونا چاہیئے۔ مگر جو نکہ رکاوٹیں موجود اور جاری و ساری ہیں اور ان میں برابر اضافہ ہو رہا ہے میں خود کو یہ سمجھنے پر مجبور پا رہا ہوں کہ اصل دشواری سیاسی نظریوں اور مقاصد کا اختلاف ہے

اس زمانے میں ۲۲ دسمبر کو ایک کل ہند مظاہرہ کرنے کے فیصلے نے ایک ایسی نفسیاتی رکاوٹ کا اضافہ کر دیا جو مسائل زیر بحث پر باہم مل جل کر بحث کرنے سے اور ان کو طے کرنے سے ہمیں روک دیتی ہے۔ مجھے اس بات کا نہایت افسوس ہے اور میں نے یہ خواہش کی ہے کہ آپ اس رکاوٹ کو جو بغض و عداوت کی طرف لے جا رہی ہے اور جو صرف اسی طرف لے جا سکتی ہے دُور کرنے کی کوئی راہ پیدا کریں۔ میں اب بھی اُمید رکھتا ہوں کہ شاید آپ ایسا کر سکیں۔

میں اس بات کا ضرور یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ میں اپنی طرف سے سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ ایسا اُٹھا رکھنا نہیں چاہتا جو باہم مفاہمت اور تصفیے کی جانب رہبری کر سکتا ہو۔ مگر جس طرح میں آپ سے یہ نہیں چاہتا اسی طرح آپ مجھ سے بھی یہ نہ چاہیں گے کہ کسی چیز کی طلب و جستجو میں میں فکر و نیت کی دیانت و راست بازی ترک کر دوں۔ اس طریقے سے کوئی کارآمد چیز ہاتھ نہیں آ سکتی۔ میں گہرے سیاسی عقیدے رکھتا ہوں اور سالہا سال سے میں انہی عقیدوں کے مطابق محنت و مشقت کرتا رہتا ہوں۔ میں ان عقیدے کبھی نہیں چھوڑ سکتا اور اس وقت تک دوسری یہ خیال

دل میں نہیں لا سکتا جب کہ دُنیا ایک ہیبت ناک بحران کی کشمکش میں مبتلا ہے؟

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

(از کچھ پرانے خطوط صفحہ ۲۰۵ تا ۲۰۷)

یہ ایک خط پنڈت جواہر لعل نہرو ایک نیشلسٹ مسلمان سید محمود صاحب کو لکھتے ہیں یہ بھی ملاحظہ فرمایئے :-

از الٰہ آباد

بنام سید محمود

۲ فروری ۱۹۴۱ء

خط کا اقتباس

"جناح اکثی لگایا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب تک اُن کی شرطیں مان نہ لی جائیں کوئی سیاسی قدم آگے کو نہ اُٹھے۔ بحالتِ موجودہ اس کے معنی ترقی کے حق میں حکم ممانعت و نامنظوری کے ہیں۔ سچ تو اصل یہ ہو گی کہ وہ کہہ دیں کہ میں پاکستان کو اور اس کے ساتھ کی اور چیزوں میں سے کسی چیز کو نہ چھوڑوں گا نہ اس سے کم پر میں راضی ہوں گا۔ مگر اس بات پر میں بالکل آمادہ ہوں کہ بیرونی اور اجنبی قوت و اقتدار کو ملک بدر کرنے میں دوسروں سے اشتراکِ عمل کروں۔ اس کے بعد اگر ضرورت ہوئی تو اپنے حقوق کے لیے لڑوں گا۔ یہ بالکل بدیہی ہے کہ وہ موجودہ حالات کو بدستور باقی رکھنا چاہتے ہیں اور اس صورت سے اُن کی پوزیشن ناقابل دفاع ہو جاتی ہے۔ خوش قسمتی سے دُنیا بدل رہی ہے اور ایک معنی میں ہمارے دشوار ترین مسائل بھی حوادث کے تصادم سے خود ہی حل ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ثقافتی زاویہ سے مسئلہ پر غور کرنا درست ہے مگر یہ بہت

دیر طلب ہے اور حوادث ہیں کہ بڑی سرعت کے ساتھ ہمارے پاس سے گزرتے جا رہے ہیں اور اپنی جلو میں عظیم تغیرات برروئے کار لا رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بہت دن نہ گزرنے پائیں گے کہ یہ تغیرات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ میں نہیں جانتا کہ تمہارے لیے کانگریس کی مجلس عاملہ کے ایک رکن کی حیثیت سے جناح اور مسلم لیگ کے ساتھ ان خطوط پر جن کی تم تصریح کرتے ہو کسی سمجھوتے یا مفاہمت کی تجویز پیش کرنا کہاں تک درست ہوگا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ اس تجویز سے انتشار اور غلط فہمی پیدا ہوگی۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم مولانا آزاد سے مشورہ کر لو؟ وہ کل یہاں آرہے ہیں اور تین چار دن ٹھہریں گے اگر تم پسند کرو تو میں تمہارا ٹائپ کیا ہوا مسودہ ان کو دے دوں گا۔"

تمہارا مخلص از محبت
جواہر لعل

(از کچھ پرانے خطوط حصہ دوم صفحہ ۳۶۶ تا ۳۶۷)

ایک اقتباس
جواہر لعل کے نام

میرے عزیز جواہر

"لیگ کے ممبروں کے قابل اعتراض اور سرکشانہ طرز عمل اور لیگ کے طریق نشرو اشاعت سے متعلق مجھے یقین ہے کہ جو کچھ تم سے کہا گیا ہے وہ واقعات پر مبنی ہوگا۔ اور صحیح ہوگا، مگر یہ تصویر کا ایک رخ ہے وہ گندی زبان اور گالیاں جو کانگریسی مسلمان، احرار اور جمعیت علماء والے روزانہ استعمال کر رہے ہیں۔ اور وہ بے بنیاد پروپیگنڈا جو لیگ کے خلاف جاری ہے وہ بھی دوسرے فریق کے لیے وجہ عزت و افتخار

نہیں ہو سکتا۔ ایک مثال کے طور پر تمہیں بتاؤں کہ مولانا عطاء اللہ بخاری نے اپنی ایک تقریر میں لیگ کے مندوبین کو متعفن لاشوں کے لقب سے یاد فرمایا یعنی سڑی ہوئی بدبودار لاشیں۔ اسی طرح کانگریس کے ایک ترجمان "ہندوستانی" کا مسلم لیگیوں کو "بھانڈ" اور "مداری" بتانا غیر ذمّے دار صحافت کی انتہا تھی۔ لاہور کی ایک مسجد میں مسلم لیگ کے ایک ہمدرد پر احراریوں کا حملہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ تشدد کا رجحان کانگریس کے ان مؤیدین میں بھی پایا جاتا ہے، جو ایک طرف تو یہ اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ وہ کسی جداگانہ سیاسی تنظیم پر ایمان نہیں رکھتے اور دوسری طرف شائد مسلمانوں میں ایک جداگانہ گروہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کی جو آرزو پائی جاتی ہے وہ اس تلخی اور ناگواری سے تیز تر ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کبھی نہ کبھی جب باہم ایک دوسرے کے زاویۂ نظر کو غلط سمجھنے کا یہ گہرا دھندلکا دور ہو جائے گا۔ تب تنگ مزاجی اور غیر ذمّے داری کی یہ شدت بھی کم ہو جائے گی علاوہ ازیں ہم سیاسی اور مذہبی تنظیموں کے ذمّہ دار ارکان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ اپنے سرکش عناصر کو سمجھا بجھا کر اور صحیح رہنمائی کر کے قابو میں رکھیں۔"

تمہارا مخلص:۔ خلیق

خلیق الزماں۔ لکھنؤ ۲۸ نومبر ۱۹۳۷ء

چودھری خلیق الزماں یو۔پی سے ایک سربرآوردہ کانگریسی تھے بعد کو وہ مسلم لیگ میں شریک ہو گئے۔ تقسیم کے بعد ہی وہ پاکستان چلے گئے۔

کچھ پرانے خطوط حصہ دوم صفحہ ۳۱ و ۳۲

مرتبہ جواہر لعل۔ مترجمہ عبدالمجید الحریری ایم۔اے۔ ایل۔ایل۔بی

شائع کردہ مکتبہ جامعہ نئی دہلی لمیٹڈ

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا جا چکا ہے ان خطوط کو پیش کرنے کا مقصد و مدعا اور غرض و غایت یہ تھی کہ ہمارے قارئین یہ اندازہ فرما سکیں کہ مہاتما گاندھی کا منتخب شدہ جواہر لعل نہرو ہندو مفادات کے تحفظ کے لیے حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے انتخاب کردہ جناحؒ کو متحدہ قومیت کے جال میں پھانسنے کی کس کس انداز و طرق سے کوششیں کر رہا ہے اور مسلمانانِ ہند کا مردِ ہوشمند (جناحؒ) ملی مفادات کے تحفظ و حصول کے لیے کس خداداد بصیرت و فراست سے ہندو چالوں کو ناکام و نا کامیاب بنائے چلے جا رہا ہے۔ نیز ان خطوط سے آپ پر یہ بھی روشن اور واضح ہو گیا ہے۔ کہ وہ کون کون سے عوامل و عناصر تھے اور کاروانِ ملت گروہ کو نسے خطرات درپیش اور کن کن خدشات کا سامنا تھا جن سے مسلمانانِ ہند کو حفظ و امن اور سلامتی کی راہوں پر عزت و توقیر سے لے آنے کے لیے علامہؒ نے جناحؒ کو سالارِ کارواں بنایا تھا۔

نازک اور فیصلہ کن وقت میں جب حالات بڑی تیزی سے بدل رہے تھے۔ غلامی کے بندھن کٹ رہے تھے۔ انگریز رختِ سفر باندھ رہا تھا۔ ہندو اکثریت اپنے سامراجی مقاصد کے ساتھ میدان میں نمودار ہو چکی تھی مسلمان اقلیت پر ظلم و ستم ڈھائے اور عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا تھا۔ مردِ خبیر و علیم اقبالؒ جناحؒ کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ اب ہم وہ نوازش نامہ پیش کر رہے ہیں جو حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے قائدِ اعظمؒ کو مسلمانوں سے مشاورت کر کے تحریر فرمایا۔

لاہور ۲۱۔ جون ۱۹۳۷ء

(صیغۂ راز)

مائی ڈیر جناح

نوازش نامہ مل موصول ہوا اس کے لیے ممنون سپاس ہوں۔ آپ کی ہدایات

معروفیت سے آگاہی رکھنے کے باوجود آپ کو اکثر خط لکھتے رہنے کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ اس وقت مسلمانوں کو اس طوفانِ بلا میں جو شمال مغربی ہندوستان اور شاید ملک کے گوشے گوشے سے اٹھنے والا ہے صرف آپ کی ذاتِ گرامی ہی سے رہنمائی کی توقع ہے۔

میں سمجھتا ہوں ہم فی الحقیقت خانہ جنگی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ فوج اور پولیس موجود ہو تو یہ خانہ جنگی چشم زدن میں عالمگیر ہو جائے۔ گذشتہ چند ماہ سے ہندو مسلم فسادات کا ایک سلسلہ قائم ہو چکا ہے۔ صرف شمال مغربی ہندوستان کے اندر اس تین ماہ میں کم از کم تین فرقہ وارانہ فسادات رونما ہو چکے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے توہینِ رسولؐ کی کم از کم چار وارداتیں پیش آ چکی ہیں۔ توہینِ رسول اللہؐ کی ان چاروں وارداتوں میں مجرم کو گرفتار کر دیا گیا

سندھ میں قرآن کریم کے نذرِ آتش کرنے کے واقعات بھی پیش آئے صورت حال کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان حالات کے اسباب نہ مذہبی ہیں نہ معاشی بلکہ خالص سیاسی ہیں۔"

WWW.NAFSEISLAM.COM

انڈیا ایکٹ

ہندوؤں کے لیے انگریزوں کی طرف سے ایک تحفہ ہے۔

"مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں بھی ہندوؤں اور سکھوں کا مقصد مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری کر دینا ہے۔ آئین کی کیفیت کچھ ایسی ہے کہ اپنی اکثریت کے صوبوں میں بھی مسلمانوں کا دارومدار تمام تر غیر مسلموں پر ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم وزارت نہ صرف کوئی مناسب کارروائی نہیں کر سکتی بلکہ وزارت کو خود مسلمانوں سے ناانصافی برتنی پڑتی ہے تاکہ وہ لوگ جن کی امداد پر وزارت قائم ہے خوش رہ سکیں اور ظاہر کیا جا سکے کہ وزارت قطعی طور پر غیر متعصب ہے لہٰذا یہ عالم آشکار حقیقت ہے کہ

مسلمانوں کو اس آئین کو رد کرنے کے خاص وجوہ موجود ہیں۔ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ دستورِ جدید ہندوؤں ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ ان صوبوں میں جہاں ہندو آبادی کی اکثریت ہے، حکومت میں ہندوؤں کو قطعی اکثریت حاصل ہے اور وہ مسلمانوں کو بالکل نظرانداز کر سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کو ہندوؤں کا دستِ نگر رکھا گیا ہے۔ مجھے اس امر میں قطعاً ذرہ برابر شک و شبہ نظر نہیں آتا کہ موجودہ دستورِ ہندی مسلمانوں کے لیے زہرِ قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ مزید برآں یہ دستور تو اس معاشی تنگدستی کا جو شدید ترین ہوتی چلی جا رہی ہے کوئی حل پیش نہیں کرتا فرقہ وارانہ فیصلہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی ہستی کو تسلیم کرتا ہے لیکن کسی قوم کی سیاسی ہستی کا اعتراف جو اس کی معاشی پس ماندگی کا کوئی حل نہ تجویز کرتا ہو اور کر سکے اس کے لیے بے سود ہے۔"

آخری اور واحد چارۂ کار

اقبالؒ قائدِ اعظمؒ کے سامنے پیش کرتے ہیں:۔

"کانگریس کے صدر نے تو بغیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی حیثیت سے ہی انکار کر دیا ہے۔ ہندوؤں کی دوسری جماعت یعنی ہندو مہاسبھا نے جسے میں ہندو عوام کا حقیقی نمائندہ سمجھتا ہوں بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت کا وجود ہندوستان میں ناقابلِ قبول ہے۔

ہندوستان میں قیامِ امن اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے غلبہ و تسلط سے بچانے کی واحد ترکیب اس طریقہ پر جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے یعنی مسلم صوبوں کے ایک جداگانہ وفاق میں اصلاحات کا نفاذ ہے۔ شمال

مغربی ہندوستان اور بنگال کے مسلمانوں کو ہندا ور بیرونِ ہند کی دیگر اقوام کی طرح حقِ خود اختیاری سے کیونکر محروم کیا جا سکتا ہے۔ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال کے مسلمانوں کو فی الحال مسلم اقلیت کے صوبوں کا بہترین مفاد اس وقت اس طریق سے وابستہ ہے لیگ کا آئندہ اجلاس کسی مسلم اقلیت کے صوبہ میں منعقد کرنے کے بجائے پنجاب میں منعقد کرنا بہتر ہوگا۔ پنجاب میں آل انڈیا مسلم لیگ سے دلچسپی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور لیگ کے آئندہ اجلاس کا لاہور میں انعقاد پنجابی مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے لیے از حد مفید ہوگا۔"

خطبۂ صدارت الٰہ آباد۔ ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء

کے

مزید اقتباسات

آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ جنھیں پڑھ کر آپ محسوس کریں گے۔ کہ حکیم الامت شجرِ ملت کو زہریلی ہواؤں سے بچانے کے لیے اپنا جگر خون کر رہا ہے آپ اس مردِ بصیر کو ہدیۂ تبریک و تحسین پیش کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ و تیار پائیں گے۔ جب آپ دیکھیں گے کہ وہ روحانی ساحر کے متحدہ قومیت کے بچھائے ہوئے فریب آمیز جال کے طلسماتی تاروں کے تار و پود بکھیرنے کے لیے کس ہوش و جوش سے مصروفِ کار ہے۔ اس مردِ خود شناس و خدا شناس کی چشمِ بصیرت مکر و دجل، کذب و ریا اور کانگریس کی دسیسہ کاریوں اور فریب انگیزیوں کی تمام چالوں کو بھانپ کر مسلمانانِ ہند کو ان سے ہشیار و خبردار کرنے کے لیے اشاروں ہی اشاروں میں راز ہائے درون بھا رہی ہے۔ یہ حکیم دانا، یہ بکائے ملت، یہ دانائے راز اپنے جذبِ دروں سے۔ اپنے نظریات و خیالات

احساسات وتصورات سے توانائی وہمت بخش رہا ہے اور ہندوستان میں اسلام کی سربلندی وسرفرازی کے کس قدر مضطرب وبیقرار ہے اور مسلمان کو اس کی حقیقت سے آشنا کر رہا ہے اور یہ مشرق ومغرب دونوں سے باخبر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

مسلمان اور اس کا مذہب

"جس دینی تحریک کا آغاز لوتھر اور روسو کی ذات سے ہوا اس نے مسیحی دنیا کی وحدت کو توڑ کر اسے ایک غیر مربوط اور منتشر کثرت میں تبدیل کر دیا جس سے اہل مغرب کی نگاہیں تمام دنیا کی تنگ حدود میں الجھ گئیں جس کا اظہار بالآخر ان سیاسی نظامات کی شکل میں ہوا جو خصوصاً جذبۂ قومیت کے ماتحت پرورش پائے یعنی جن کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ سیاسی اتحاد واتفاق کا وجود صرف عقیدۂ وطنیت کے ماتحت ممکن ہے اس سے اہل مغرب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مذہب کا معاملہ ہر فرد کی اپنی ذات تک محدود ہے۔ اسے دنیوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں لیکن اسلام کے نزدیک ذات انسانی بجائے خود ایک وحدت ہے وہ مادہ وروح کی کسی ناقابل تحلیل ثنویت کا قائل نہیں۔ مذہب اسلام کی رو سے خدا اور کائنات، کلیسا اور ریاست اور روح اور مادہ ایک ہی کل کے مختلف اجزا ہیں۔ انسان کسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں۔ جس کو ایک روحانی دنیا کی خاطر جو کسی جگہ واقع ہے، ترک کر دینا چاہیے۔ اسلام کے نزدیک مادہ روح کی اس شکل کا نام ہے جس کا اظہار قید مکانی وزمانی میں ہوتا ہے۔

بہر حال دنیائے اسلام میں لوتھر کا ظہور ممکن نہیں۔ اس لیے اسلام میں کلیسا کا کوئی ایسا نظام موجود نہیں جو ازمنۂ متوسطہ کے مسیحی نظام سے مشابہ ہو اور جس کے توڑنے کی ضرورت پیش آئے۔ دنیائے اسلام کے پیش نظر ایک ایسا عالمگیر نظام سیاست ہے جس کی اساس وحی پر ہے۔ اسلام

ایک زندہ قوت ہے جو ذہن انسانی کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کر سکتی ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست دونوں کی زندگی میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام کی تقدیر خود اس کے ہاتھ میں ہے اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔"

"آپ یہ خیال نہ فرمایئے کہ جس مسئلہ کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ محض نظری حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک زندہ اور عملی سوال ہے جس سے بطور ایک دستور حیات اور نظام عمل کے اسلام کی ساری کائنات متاثر ہو سکتی ہے۔ صرف یہی ایک مسئلہ ہے جس کے صحیح حل پر اس امر کا دارومدار ہے کہ ہم لوگ آگے چل کر ہندوستان میں ایک ممتاز اور نمایاں تہذیب کے حامل بن سکیں گے۔"

"اسلام پر ابتلاء و آزمائش کا کبھی ایسا سخت وقت نہیں آیا جیسا کہ آج اسے درپیش ہے۔ ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بنیادی اصولوں کی ترمیم و تاویل کرے یا ان کو یک قلم منسوخ کر دے لیکن اس قسم کا قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس کے نتائج و عواقب کیا ہوں گے۔"

"سوال یہ ہے کہ آج جو مسئلہ ہمارے پیش نظر ہے اس کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ کیا واقعی مذہب ایک نجی معاملہ ہے؟ اور آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا وہی حشر ہو جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تخیل کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کے بجائے ان قومی نظامات کو اختیار کر لیں جن میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا؟ ہندوستان میں یہ سوال اور بھی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ باعتبار آبادی ہم لوگ اقلیت میں ہیں لیکن یہ دعویٰ کہ مذہبی وارد

محض انفرادی اور ذاتی واردات ہیں اہلِ مغرب کی زبان سے تو تعجب خیز معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یورپ کے نزدیک مسیحیت کا تصور یہی تھا کہ وہ ایک مشرب رہبانیت ہے لیکن آنحضرتؐ کی واردات مذہب کی حیثیت جیسا کہ قرآن پاک میں اُن کا اظہار ہوا ہے اس سے قطعاً مختلف ہے۔ یہ محض ایسی نوع کی واردات نہیں جن کا تعلق صرف صاحب واردات کے اندرونِ ذات سے ہو اور اس سے باہر اس کے گرد و پیش کی معاشرت پر ان کا کوئی اثر نہ پڑے برعکس اس کے یہ وہ انفرادی واردات ہیں جن سے بڑے بڑے اجتماعی نظامات کی تخلیق ہوتی ہے اور جن کے اوّلین نتیجے سے ایک ایسے نظام سیاست کی تاسیس ہوئی جس کے اندر قانونی تصورات مضمر تھے اور جن کی اہمیت کو محض اس لیے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی بنیاد وحی و الہام پر ہے۔"

"لہٰذا اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے الگ نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کا ترک کرنا بھی لازم آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی ایسے نظام سیاست پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہو گا جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر مبنی ہو جو اسلام کے اصولِ اتحاد کے منافی ہو۔"

"جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ مجھے یہ اعلان کرنے میں مطلق تامل نہیں کہ اگر فرقہ وارانہ امور کے ایک مستقل اور پائیدار تصفیے کے اس بنیادی اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانانِ ہندوستان کو اپنی روایات و تمدن کے ماتحت اس ملک میں آزادانہ نشو و نما کا حق حاصل ہے تو وہ اپنے وطن کی آزادی کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔"

"یہ اصول کہ ہر فرد اور جماعت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ اپنے عقائد

کے مطابق آزادانہ ترقی کرے کسی تنگ تفرقہ داری پر مبنی نہیں۔ فرقہ داری کی بھی بہت سی صورتیں ہیں وہ فرقہ داری جو دوسری قوموں سے نفرت اور ان کی بدخواہی کی تعلیم دے اس کے ذلیل اور دنی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ میں دوسری قوموں کے رسوم و قوانین اور ان کے معاشرتی اور مذہبی ادارات کی دل سے عزت کرتا ہوں بلکہ بحیثیت مسلمان میرا فرض ہے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو احکام قرآنی کے حسب اقتضاء میں ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کروں۔ بایں ہمہ مجھے اس جماعت سے دلی محبت ہے جو میرے اوضاع و اطوار اور میری زندگی کا سرچشمہ ہے اور جس نے اپنے دامن اور اپنے ادب، اپنی حکمت اور اپنے تمدن سے بہرہ مند کرکے مجھے وہ کچھ عطا کیا جس سے میری موجودہ زندگی کی تشکیل ہوئی یہ اس کی برکت ہے کہ میرے ماضی نے از سر نو زندہ ہو کر مجھ میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ وہ اب بھی میری ذات میں سرگرم کار ہے۔"

نہرو رپورٹ کے واضعین تک نے فرقہ داری کے اس پہلو کا اعتراف کیا ہے۔

علیحدگی سندھ

علیحدگی سندھ پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:۔

"یہ کہنا کہ قومیت کے وسیع نقطۂ نگاہ کے ماتحت کسی فرقہ وارانہ صوبہ کا قیام مناسب نہیں بالکل ایسا ہے جیسے یہ دعوٰے کرنا کہ بین الاقوامی نصب العین کا تقاضا ہے کہ علیحدہ علیحدہ قوموں کا وجود قائم نہ رہے۔ ان دونوں بیانات میں ایک حد تک صداقت موجود ہے لیکن بین الاقوامی نصب العین کے گرم سے گرم حامیوں کو بھی اس امر کا

اعتراف کرنا پڑے گا کہ قوموں کی پوری پوری آزادی کے بغیر کسی بین الاقوامی ریاست کا وجود قائم کرنا مشکل ہے۔ اس طرح مکمل تمدنی آزادی کے بغیر (اور یاد رکھیے کہ اپنی ارفع اور اعلیٰ صورت میں فرقہ واری سوائے تمدن کے اور کچھ نہیں) ایک ہم آہنگ اور متوازن قوم کو پیدا کرنا ناممکن ہے۔"

"مغربی ممالک کی طرح ہندوستان کی حالت یہ نہیں کہ اس میں ایک ہی قوم آباد ہو ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل و زبان مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے اعمال و افعال میں وہ احساس پیدا نہیں ہو سکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے۔ پس یہ امر کسی طرح مناسب نہیں کہ مختلف قوموں کے وجود کا خیال کیے بغیر ہندوستان میں ایک اسلامی ہندوستان قائم کیا جائے بالکل حق بجانب ہے میری رائے میں مختلف قوموں کو فنا کیے بغیر ان سے ایک متوافق اور ہم آہنگ قوم تیار کی جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنے ان ممکنات کو جو ان کے اندر مضمر ہیں عمل میں لا سکیں۔"

"ذاتی طور پر میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے۔ خواہ اس کے باہر مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنی پڑے گی۔ قسمت بنگالہ یا اس قسم کے دوسرے اضلاع کو الگ کر دینے سے جن میں ہندو آبادی کا غلبہ ہے اس کی وسعت اور انتظامی مشکلات میں بھی اور کمی ہو جائے گی پھر ان اضلاع کی علیحدگی سے مسلم اقلیتوں کے حقوق کہیں زیادہ محفوظ ہو جائیں گے اس تجویز کو سن کر نہ انگریزوں کو پریشان ہونا چاہیے نہ ہندوؤں کو۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم

چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔ اس طرح نہ صرف ہندوستان کا مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ خود اس سے مسلمانوں کے احساسات ذمہ داری قوی ہو جائیں گے اور ان کا جذبہ حب الوطنی بڑھ جائے گا۔"

"اگر شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کو موقع دیا گیا کہ وہ ہندوستان کے جسدِ سیاسی کے اندر رہ کر اپنے نشوونما ارتقا میں آزادانہ قدم اٹھا سکیں تو وہ تمام بیرونی حملوں کے خلاف ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے۔

پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۶ فیصدی ہے لیکن ہندوستان کی پوری فوج میں ہمارا حصہ ۵۴ فی صد ہے اور اگر عساکر ہند کی کل تعداد میں سے ان ۱۹ ہزار گورکھوں کو جو نیپال کی آزاد ریاست سے بھرتی کیے جاتے ہیں نکال دیا جاتا ہے تو مسلمانوں کی تعداد ۶۲ فی صدی ہو جائے گی۔ اس سے آپ ان تمام صلاحیتوں کا بہ آسانی اندازہ کر سکتے ہیں جو شمال مغربی ہندوستان کی مسلم آبادی میں موجود ہیں اور جن کی بدولت وہ تمام ہندوستان کو غیر ملکی چیرہ دستیوں سے محفوظ و مصئون رکھ سکتی ہیں۔"

"ہندوؤں کے دل میں اس قسم کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے کہ آزاد اسلامی ریاستوں کے قیام سے ایک طرح کی مذہبی حکومت قائم ہو جائے گی اسلام کوئی کلیسائی نظام نہیں بلکہ ایک ریاست ہے جس کا اظہار روسو سے بھی کہیں پیشتر ایک ایسے وجود میں ہوا جو عقد اجتماعی کا پابند ہے۔ ریاست اسلامی کا انحصار ایک اخلاقی نصب العین پر ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان شجر و حجر کی طرح کسی خاص زمین سے وابستہ نہیں۔

بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی ترکیب میں حصہ لیتا ہے اور اس کے ایک زندہ جزو کی حیثیت سے چند فرائض و حقوق کا مالک ہے۔ اسلامی ریاست کی نوعیت کا اندازہ ٹائمز آف انڈیا کے اس اقتباس سے کیا جا سکتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ قدیم ہندوستان میں ریاست کا فرض یہ تھا کہ سود کے متعلق قوانین بنائے اسلام میں سود لینا حرام ہے۔ میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح اور بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازن قوت اور اس کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا۔"

صوبوں کی نئی تقسیم

"ہندوستان کے لسانی اور عقائد و معاشرت کے بے شمار اختلافات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مستقل حکومت قائم کرنے کی یہی صورت ہے کہ یہاں ایسی آزاد ریاستیں قائم کر دی جائیں جو زبان، نسل، تاریخ، مذہب اور اقتصادی مفاد کے اشتراک پر مبنی ہوں۔ سائمن رپورٹ کے اندر فیڈریشن کا جو تصور قائم کیا گیا ہے اس کے ماتحت بھی ضروری ہے کہ مرکزی مجلس وضع قانون کا انتخاب عوام کے ذریعہ عمل میں نہ آئے بلکہ وہ فیڈرل ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ سائمن رپورٹ کی رو سے تقریباً ان ہی اصولوں کی بنا پر جن کا اظہار میں نے کیا ہے۔ صوبوں کی تقسیم بھی از سر نو ہونی چاہئے یہ بھی عرض کروں گا کہ صوبوں کی جدید تقسیم سے ذیل کی دو شرطوں کا پورا ہو جانا ضروری ہے۔

اولاً: یہ تقسیم نئے دستور کے اجراء سے پہلے مکمل ہو جانی چاہئے۔

ثانیاً: اس کی نوعیت ایسی ہو کہ اس سے فرقہ وارانہ مسائل ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔

اگر صوبوں کی تقسیم کسی صحیح اصول کی بنا پر ہوگی تو اس سے مخلوط اور جداگانہ انتخاب کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے گا۔ میری رائے میں اس سارے جھگڑے کی بنیاد صوبوں کی موجودہ تقسیم پر ہے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ جداگانہ انتخاب کا اصول قومیت کے منافی ہے۔ ان کے نزدیک لفظ قومیت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے تمام باشندے باہم اس طرح خلط ملط ہو جائیں گے کہ ان کے اندر کسی مخصوص ملت کا انفرادی وجود باقی نہ رہے لیکن ہم اس کے آرزو مند نہیں۔ ہندوستان میں مختلف اقوام اور مختلف مذاہب موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اگر مسلمانوں کی معاشی پستی، ان کی بے حد مقروضیت (بالخصوص پنجاب میں) اور بعض صوبوں میں ان کی ناکافی اکثریتوں کا خیال کیا جائے گا کہ مسلمان جداگانہ انتخاب کے لیے کیوں مضطرب ہیں۔ ہندوستان ایسے ملک میں اور خاص طور سے ان حالات میں جو اس وقت یہاں درپیش ہیں اس امر کی توقع رکھنا کہ علاقہ وارانہ انتخابات سے ہر ملت کے مفاد کی پوری پوری نمائندگی ہو سکے گی ناممکن ہے، سوائے اس کے تمام اقلیتوں پر ہندوؤں کا غلبہ قائم ہو جائے لیکن اگر صوبوں کی تقسیم کسی ایسے اصول کے ماتحت عمل میں آ جائے کہ ہر صوبے کے اندر تقریباً ایک ہی طرح کی قومیں بستی ہوں اور ان کی نسل۔ ان کی زبان ان کا مذہب اور ان کی تہذیب و تمدن ایک ہو تو مسلمانوں کو مخلوط انتخاب پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

ہندوستان کا بری اور بحری تحفظ

"جان سائمن کمیشن رپورٹ میں کئی ایسی باتیں لکھی تھیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین غلط فہمی، ناگواری اور تلخی کا سبب بن سکتی تھیں لیکن

کمیشن کی رپورٹ اور اس کے مزعومات پر عالمانہ نظر ڈالنے کے بعد علامہ اقبالؒ نے بڑے پتے کی بات کہی۔

"ایک عجیب بات یہ ہے کہ سائمن رپورٹ میں ہندوستان کی بری سرحدوں کو تو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے لیکن اس کے بحری تحفظ کے متعلق صرف سرسری اشارات کیے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان پر ہمیشہ خشکی کے راستے سے حملے ہوتے رہے ہیں لیکن یہ امر بھی مسلّم ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حاکم اس کے غیر محفوظ سواحل کی وجہ سے اس پر قابض ہوئے تھے۔ ایک آزاد اور خود مختار ہندوستان کے لیے از بس ضروری ہے کہ وہ خشکی کی بجائے اپنی بحری سرحدوں کی زیادہ حفاظت کرے۔"

"مجھے یقین ہے کہ اگر فیڈرل ریاست وجود میں آئے گی تو مسلم فیڈرل ریاستیں ہندوستان کے تحفظ کی خاطر ایک غیر جانب دار ہندوستانی فوج کے قیام کے لیے جو خشکی اور سمندر دونوں پر متعین ہو ہر قسم کی مدد دینے پر آمادہ ہوں گی۔ مغلوں کے زمانے میں اس قسم کے غیر جانب دار عساکر واقعۃً موجود تھے بلکہ اکبر کے زمانے میں تو ان تمام سرحدی افواج کے افسر ہندو ہی تھے۔"

WWW.NAFSEISLAM.COM

"میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر فیڈرل نظام حکومت میں ایک غیر جانب دارانہ ہندوستانی لشکر قائم ہو تو اس سے مسلمانوں کے جذبات حب الوطنی اور زیادہ قوی ہو جائیں گے اور اس بدگمانی کا بھی ازالہ ہو جائے گا کہ اگر باہر سے حملہ ہوا تو مسلمانانِ ہندوستان اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ مل جائیں گے۔"

"میں نے مختصراً اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ ہندوستان کے اہم مسئلوں کے متعلق ہم مسلمانوں کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ ہمارا سب سے بڑا مطالبہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسائل کے مستقل تصفیے کے لیے

برطانوی ہندوستان میں صوبوں کی تقسیم از سر نو ہو جائے۔ لیکن اگر مسلمانوں کا مطالبہ مسترد کر دیا گیا تو پھر میں نہایت شد و مد کے ساتھ ان مطالبات کی تائید کروں گا جن کا اعلان آل انڈیا مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ میں بار بار کیا گیا ہے۔"

مسلمانانِ ہندوستان کسی ایسی آئینی تبدیلی کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں جس کے تحت وہ بنگال اور پنجاب میں جداگانہ انتخاب کے ذریعے اپنی اکثریت حاصل نہ کر سکیں یا مرکزی مجلس میں انہیں ۳۳ فیصد نشستیں نہ مل جائیں۔ اب تک مسلمانوں کے سیاسی رہنما دو گڑھوں میں گر چکے ہیں۔ پہلا گڑھا لکھنؤ کا مسترد شدہ میثاق ہے جسے قومیت ہند کے غلط تصور پر مرتب کیا گیا ہے اور جس کے ماتحت مسلمان ان تمام مواقع سے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ اس ملک میں کوئی سیاسی طاقت پیدا کر سکیں۔"

"دوسرا گڑھا پنجاب کی نام نہاد دیہاتی آبادی کی خاطر اسلامی اتحاد و اتفاق کی وہ ناعاقبت اندیشانہ قربانی ہے جس کا اظہار ایک ایسی تجویز میں ہوا ہے جس سے پنجاب کے مسلمان اقلیت میں رہ جاتے ہیں لیکن مسلم لیگ کا فرض ہے کہ وہ میثاق اور تجویز دونوں کی مذمت کرے" آگے چل کر:۔

"مسلمانانِ ہندوستان کو کسی ایسی تبدیلی سے بھی اتفاق نہیں ہوگا جس کے ماتحت سندھ کو بھی ایک علیحدہ صوبہ نہ کر دیا جائے یا شمال مغربی سرحدی صوبے کا سیاسی درجہ وہی نہ ہو جائے جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کا ہے۔ احاطہ بمبئی اور سندھ میں کوئی چیز بھی تو مشترک نہیں۔ ارکان کمیشن کو بھی اعتراف ہے کہ اہل سندھ کی رہن سہن اور ان کا تمدن عراق اور عرب سے مشابہ ہے، نہ کہ ہندوستان سے

مشہور اسلامی جغرافیہ دان مسعودی نے آج سے بہت پہلے عرب اور سندھ کی ایک باہمی مشابہت کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ سندھ وہ ملک ہے جو مملکت اسلامی سے قریب تر ہے، سب سے پہلے اموی خلیفہ کا قول تھا کہ مصر کی پشت افریقہ کی جانب ہے اور منہ عرب کی جانب، مناسب ردو بدل کے ساتھ یہی کچھ سندھ کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔ سندھ کی پشت ہندوستان کی طرف ہے اور منہ مشرق وسطیٰ کی جانب۔"

"علاوہ ازیں اگر سندھ کے زراعتی مسائل کا جن سے حکومت بمبئی کو مطلق ہمدردی نہیں اور اس کی بے شمار تجارتی صلاحیتوں کا لحاظ رکھ لیا جائے (اس لیے کہ کراچی بڑھتے بڑھتے ایک روز تمام ہندوستان کا دوسرا دارالسلطنت بن جائے گا) تو صاف نظر آتا ہے کہ اس کو احاطہ بمبئی سے ملحق رکھنا مصلحت اندیشی سے کس قدر دور ہے؟ بے شک اس وقت بمبئی کا رویہ دوستانہ ہے لیکن ممکن ہے کہ کل ہی وہ اس کا حریف بن جائے۔

کہا جاتا ہے کہ اس راہ میں کچھ مالی مشکلات حائل ہیں ابھی تک اس کے متعلق کوئی مستند بیان میری نظر سے نہیں گزرا لیکن فرض کیجئے کہ اس قسم کی مشکلات موجود ہیں۔ اس کے یہ معنی تو نہیں کہ حکومت ہند اس امید افزا صوبے کو اپنی آزادانہ ترقی کی جدوجہد میں عارضی طور پر مدد نہ دے۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ سو یہ امر نہایت افسوس ناک ہے کہ ارکان کمیشن نے عملاً اس امر سے انکار کر دیا ہے کہ اس صوبے کے باشندوں کو بھی اصلاحات کا حق حاصل ہے۔ ان کی سفارشات سب کمیٹی سے بھی کم ہیں۔ اور وہ جس کونسل کی تجویز پیش کرتے ہیں وہ چیف کمشنر کی مطلق العنانی ہے مشن پاسداری کا کام دے گی۔

"پٹھان کا یہ پیدائشی حق کہ وہ سگرٹ روشن کرسکیں محض اس لیے سلب کرلیا گیا کہ وہ ایک بارود خانے میں رہتے ہیں۔ ارکان کمیشن کی یہ دلیل کسی قدر لطیف کیوں نہ ہو اس سے کسی جماعت کا اطمینان نہیں ہوسکتا۔"

"سیاسی اصلاحات کی مثال روشنی کی سی ہے نہ کہ آگ کی اور ہمارا فرض ہے کہ ہم تمام انسانوں کو یہ روشنی پہنچائیں خواہ وہ بارود خانے میں رہتے ہوں یا کوئلے کی کان میں۔ پٹھان ایک بہادر اور ذہین قوم ہے وہ اپنے مفاد کے لیے ہر قسم کی تکلیف برداشت کرسکتے ہیں وہ ہر ایسی کوشش کی شدت سے مزاحمت کریں گے جو ان کی آزادانہ ترقی کے حق سے روک دے ان لوگوں کو مطمئن رکھنا ہندوستان اور انگلستان دونوں کے لیے مفید ہے گذشتہ ایام میں اس بدقسمت صوبہ میں جو المناک واقعات پیش آچکے ہیں۔ وہ محض اس امتیازی اور غیر ہمدردانہ سلوک کا نتیجہ ہیں جو ہندوستان میں اصول حکومت خود اختیاری کے نفاذ سے کر اب تک اس سے رکھا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ برطانوی مدبرین یہ حالات کا اندازہ کرنے میں غلطی نہیں کریں گے۔ اور وہ اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا نہیں رکھیں گے کہ اس صوبہ میں جو کچھ پیش آرہا ہے خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔"

"حکومت ہند نے اپنی پہلی یادداشت میں صوبہ سرحد کے لیے جن اصلاحات کی سفارش کی ہے وہ ناکافی ہیں بے شک اُن کا دائرہ کمیشن کی سفارشات سے وسیع ہے کیونکہ اس میں ایک طرح کی منتخب کونسل اور نیم منتخب کابینہ کی تجویز کی گئی ہے لیکن حکومت ہند نے بھی اس صوبے کو وہ سیاسی درجہ نہیں دیا جو دوسرے صوبوں کو حاصل ہے۔ حالانکہ پٹھان اس بات سے کہیں زیادہ اہل ہیں کہ ہندوستان کے دوسرے باشندوں کی نسبت جمہوری روایات میں حصہ لیں۔"

گول میز کانفرنس

سنہ ۱۹۳۰ء کانگریس کی سول نافرمانیوں سے ڈر کر حکومت برطانیہ نے لندن میں ایک گول میز کانفرنس منعقد کی جس کے اجلاس پیہم ہو رہے تھے۔ اس کانفرنس کے داعی اور صدر مسٹر ریمزے میکڈانلڈ تھے جو ہمیشہ سے ہندو پرست تھے مولانا محمد علیؒ نے ان کا نام ہی ریمزے میکڈانلڈ کی بجائے "رامجی مکندا مل" رکھ چھوڑا تھا۔ یہ وزیر اعظم صاحب پارلیمنٹ کے تازہ اجلاس میں بہ واضح الفاظ مسلمانوں سے جداگانہ انتخاب تک چھیننے پر تیار ہو گئے تھے۔ کیونکہ یہ مغربی جمہوریت کے منافی تھے۔ اقبال نے سمجھ لیا تھا کہ ہوا کا رخ کدھر ہے۔

فرماتے ہیں:۔

"ذاتی طور پر مجھے اس کانفرنس سے کوئی امید وابستہ نہیں البتہ یہ ضرور تصور کیا جاتا ہے کہ فرقہ وارانہ زرگاہ میں اور ایک بدلی ہوئی فضا میں کہیں زیادہ ہوشمندی سے کام لیا جائے گا لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ واقعات بالکل اس کے برعکس ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسائل پر جو بحث لندن میں ہوئی ہے اس سے مسلمانوں اور ہندوؤں کا تمدنی اختلاف اور بھی زیادہ واضح ہو گیا ہے۔ بایں ہمہ وزیر اعظم انگلستان کو اس امر سے انکار ہے کہ ہندوستان میں یہ مسئلہ بین الاقوامی ہے۔ انھوں نے کہا ہے: "یہ ایک ناگوار بات ہوگی کہ میری حکومت پارلیمنٹ کے سامنے جداگانہ انتخاب کی تجاویز پیش کرے اس لیے کہ مخلوط انتخابات انگریزی جذبات جمہوریت سے زیادہ قریب ہیں۔"

انھوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ ایک ایسے ملک میں جہاں متعدد

قوموں آباد ہیں برطانوی جمہوریت کی صورت قائم نہیں ہو سکتی۔ ہونا تو یہ چاہیئے، کہ اس مسئلے کو جغرافیائی اصول پر حل کیا جائے۔ جداگانہ انتخابات کو قائم رکھنا اس کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ مجھے یہ امید نہیں کہ اقلیتوں کی سب کمیٹی کسی صحیح نتیجے پر پہنچے گی۔ آخر سارا مسئلہ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ انگریز کے بالغ نظر نمائندے اس مسئلے کو محض سطحی نظروں سے نہیں دیکھیں گے۔ جیسا کہ اب ہندوستان کے اکثر ارباب سیاست نے کیا ہے۔ بلکہ ان کی نگاہیں اس معاملہ کی تہ تک پہنچ جائیں گی اور وہ محسوس کریں گے کہ ہندوستان کے اندر امن و سکون کے قیام کا طریق کیا ہے؟"

"ہر وہ دستور جو اس تصور پر مبنی ہوگا کہ ہندوستان میں ایک ہی قوم بستی ہے۔ یا جس کا مقصد یہ ہو کہ یہاں ان اصولوں کا نفاذ کیا جائے جو برطانیہ کے جذبات جمہوریت پسندی کا نتیجہ ہیں اس کا مطلب صرف اسی قدر ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کو نادانستہ طور پر خانہ جنگی کے لیے تیار کیا جائے۔ جہاں تک میری سمجھ کام کرتی ہے اس وقت تک امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس امر کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ کہ ہندوستان کی ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کیے بغیر جدید اصولوں پر آزادی کے ساتھ ترقی کرے۔"

مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ ہمارے مسلمان مندوبین کو اس مسئلے کے صحیح حل کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہے۔ جس کو ہم نے ہندوستان کا بین الاقوامی مسئلہ کہا ہے۔ ان کا یہ اصرار بالکل بجا ہے کہ مرکزی حکومت میں ذمہ داری کا مسئلہ طے کرنے سے پہلے فرقہ وارانہ تنازعات کا تصفیہ ہو جانا ضروری ہے۔ کسی مسلمان سیاسی راہنما کو اس طعن آمیز لفظ یعنی "فرقہ واری" کا مطلق خیال نہیں کرنا چاہیئے جسے ہندو محض پروپیگنڈے

کی خاطر استعمال کرتے ہیں تاکہ بقول وزیر اعظم روا انگلستان کے جذبات جمہوریت پسندی سے فائدہ اٹھا سکیں۔"

"اور اگر انگریز ہندوستان میں ایک ایسی صورتِ حالات فرض کریں جو واقعتہً موجود نہیں۔ اس وقت بڑے بڑے مفاد خطرے میں پڑے ہیں لیکن ہماری تعداد سات کروڑ ہے اور ہم ہندوستان کے دوسرے باشندوں کی نسبت کہیں زیادہ یک رنگ قوم ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں کوئی قوم بستی ہے تو وہ صرف مسلمان ہی ہے۔ اگرچہ ہندو عمرانیات میں ہم سے آگے ہیں لیکن اب بھی ان کو وہ یک رنگی حاصل نہیں ہوئی جو ایک قوم بننے کے لیے ناگزیر ہے اور جو اسلام نے از خود آپ کو عطا کی ہے۔ بے شک ہندو اس امر کے لیے مضطرب ہیں کہ وہ ایک قوم بن جائیں مگر قوموں کی ترکیب گویا ایک نئی زندگی میں قدم رکھنا ہے اور جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام نظامِ معاشرت کو یکسر بدل دیں ایسے ہی مسلمان رہنماؤں اور اربابِ سیاست کو اس لطیف مگر مغالطہ انگیز دلیل سے متاثر نہیں ہونا چاہیے کہ ترکی، ایران اور دوسرے اسلامی ممالک قوم پسندی کے اصولوں پر گامزن ہیں۔ مسلمانانِ ہندوستان کی حالت اس سے مختلف ہے۔ ان ممالک کی ساری آبادی تقریباً مسلمانوں کی ہے اور جو اقلیتیں باقی رہ جاتی ہیں ان کا تعلق باصطلاحِ قرآنی اہلِ کتاب سے ہے۔ مسلمان اور اہلِ کتاب کے درمیان کوئی معاشرتی دیوار حائل نہیں۔ اگر کوئی یہودی عیسائی یا زردشتی (یعنی پارسی) کسی مسلمان کا کھانا چھوئے تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ شریعتِ اسلامی کی رو سے ان میں باہم مناکحت جائز ہے۔ حقیقت میں یہ وہ اولین قدم تھا جو اسلام نے وحدتِ نوعِ انسان کی خاطر اٹھایا۔ اس نے ان لوگوں کو جن کا سیاسی مسلک معین تقریباً ایک ساتھ تھا باہم مل جانے کی دعوت دی۔ قرآن پاک

کا ارشاد ہے۔ یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم (الخ) (یعنی ترجمہ) الگ بات ہے کہ مسلمان اور عیسائی اقوام کی باہمی جنگ و جدال اور پھر مغرب کی چیرہ دستیوں نے اس امر کا موقع نہیں دیا کہ دُنیائے اسلام اس آیت کے لاانتہا معنوں کو عمل میں لاتی بہرحال آج بلادِ اسلامیہ میں یہ مقصد اسلامی قومیت کی شکل میں پورا ہو رہا ہے۔"

تقسیمِ ہند کے تخیّل پر برہمی

جواہر لعل نے بھی اقبالؔ کے ان تصورات پر خالص ہندوانہ انداز میں نکتہ چینی کی اور ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ اپنی مشہور کتاب "تلاش ہند" (DISCOVERY OF INDIA) میں جو انھوں نے جیل کی تنہائیوں میں کامل اطمینان اور یکسوئی کی حالت میں تمام معاندانہ، رقیبانہ و حریفانہ جذبات کش مکش سے خالی الذہن ہو کر تحریر فرمائی تھی لکھا:-

"اب سے چند سال پہلے تقسیم ہند کی آواز بلند ہوئی تو اس کے بہت سے اصلی اور ضمنی اسباب تھے۔ فریقین کی بہت سی غلطیاں اور حماقتیں تھیں اور سب سے بڑھ کر حکومت برطانیہ کی تفریقی پالیسی تھی لیکن ان سب کی تہ میں یہ نفسیاتی کیفیت تھی جو علاوہ اور تاریخی اسباب کے اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے متوسط طبقے کی نشو و نما بہت دیر میں ہوئی۔ آج ہمارے ملک میں جو اندرونی کش مکش نظر آتی ہے وہ صرف قومی تحریک اور غیر ملکی حکومت ہی میں نہیں بلکہ جاگیری نظام اور جدید تصورات و ادارات میں بھی ہے۔"

"یہ کش مکش مجموعی طور پر پوری قوم میں نظر آتی ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں

اور دوسری بڑی بڑی جماعتوں کے اندر بھی، قومی تحریک جس کی نمائندگی
نیشنل کانگریس کرتی ہے۔ یقیناً جدید تصورات اور روایات کی نشوونما
کے تاریخی عمل کی علمبردار ہے۔ اگرچہ وہ ان تصورات کو بعض قدیم اصولوں
سے ہم آہنگ کرنا چاہتی ہے اس وجہ سے اس میں ہر قسم کے لوگ جو آپس میں
شدید اختلافات رکھتے ہیں جمع ہو گئے ہیں۔ ہندوؤں میں ایک تنگ اور
بے لوچ سماجی نظام نے ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالی اور دوسری جماعتوں
کو بھی بڑھنے نہ دیا۔ مگر اب خود اس سماجی نظام کی جڑیں کھوکھلی ہو گئی ہیں اور اس میں
وہ طاقت نہیں رہی۔ بہر حال اس نظام میں اتنی قوت نہیں کہ وہ قومی تحریک میں
جو وسیع معنی میں ہر قسم کی سیاسی اور سماجی سرگرمیوں پر حاوی ہے روڑا
اٹکا سکے۔ اب قومی تحریک میں اتنا زور پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ہر قسم کی رکاوٹوں
کے باوجود آگے بڑھتی رہی ہے۔ مسلمانوں میں جاگیرداری عناصر بدستور
طاقتور ہیں اور عام طور پر انہیں عوام سے اپنی قیادت کے منوانے میں کامیابی
ہوتی رہتی ہے۔ ہندو متوسط طبقہ اور مسلمان متوسط طبقے کی نشوونما میں
ایک نسل سے زیادہ کا فرق رہا ہے اور یہ فرق اب تک سیاست، معیشت
اور دوسرے شعبوں میں نمایاں ہے۔ اس پسماندگی نے مسلمانوں میں خوف
کی نفسیاتی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

"پاکستان یعنی ہندوستان کی تقسیم کرنے کی تجویز خواہ وہ جذباتی
حیثیت سے کتنی ہی کشش کیوں نہ رکھتی ہو اس پسماندگی کا علاج نہیں ہے
بلکہ یہ اندیشہ ہے کہ اس جاگیردار طبقے کو اور تقویت پہنچے گی اور مسلمانوں کی
معاشی ترقی میں تاخیر ہوگی"

مسلمان کمیونزم کی آغوش میں

آپ نے دیکھا یہاں پنڈت جواہر لعل نہرو فریب مسلمان کو کمیونزم کا خوشنما

کھلونا دے کر اس کے دل بہلاوے کا سامان پیدا کرکے اس کی انفرادیت کو متحدہ قومیت کے سمندر میں گم کرنا چاہتا ہے۔۔ اور کانگریس (یعنی ہندو) کے مفاد کے لیے تحریک پاکستان کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں یہ کہہ کر شکوک شبہات پیدا کرنا چاہتا ہے کہ "پاکستان" بھی ان کی اس مفلوک الحالی اور مفلسی وغربت کا علاج نہیں لیکن حکیم الامتؒ اس معاشی مسئلہ کو کس زاویہ اور رُخ سے دیکھتے ہیں اور مسلمانوں کی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے معاشی ترقی کے لیے کیا سوچتے ہیں؛ ور انھیں قومی تحریک (کانگریس کی خالص ہندوانہ جد وجہد) سے الگ کرکے انھیں اپنی منزلِ حیات کی طرف کس طرح لے جانا چاہتے ہیں اور پنڈت جی کے اس جال فریب کو کس طرح تار تار کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے:-

"آئندہ گول میز کانفرنس میں اگر برطانیہ نے دونوں قوموں کے اختلافات سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی تو آخرکار یہ بات دونوں ملکوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی۔ اگر برطانیہ نے اپنے کسی مادی مفاد کے پیش نظر ہندو کو سیاسی اختیارات سونپ دیے اور انھیں برسرِ اقتدار رکھے تو ہندوستان کے مسلمان اس بات پر مجبور ہوں گے کہ سوراجیہ یا اینگلو سوراجیہ نظام حکومت کے خلاف وہی حربہ استعمال کریں جو گاندھی نے برطانوی حکومت کے خلاف کیا تھا۔ مزید برآں اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایشیا کے تمام مسلمان روسی کمیونزم کے آغوش میں چلے جائیں اور اس طرح مشرق میں ان کے تفوق و اقتدار کو صدمہ پہنچے گا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ روسی لوگ فطرتاً لا مذہب نہیں ہیں، بلکہ میری رائے میں وہاں کے مرد اور عورتوں میں مذہبی میلان بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ روس کے مزاج کی موجودہ منفی حالت غیر معینہ عرصہ تک نہیں رہے گی، یہ اس لیے کہ کسی سوسائٹی کا انتظام دہریت کی بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا۔ حالات کے اپنے معمول پر آجانے کے بعد جونہی روسیوں کو

ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع ملے گا۔ انھیں یقینی طور پر اپنے نظام کے لیے کسی مثبت بنیاد کی تلاش کرنی ہوگی۔

اگر بالشوزم میں خدا کی ہستی کا اقرار شامل کر دیا جائے تو بالشوزم اسلام کے بہت ہی قریب آجاتا ہے۔ اس لیے میں متعجب نہیں ہوں گا کہ اگر کسی زمانہ میں اسلام روس پر چھا جائے یا روس اسلام پر۔ اس چیز کا انحصار زیادہ تر اس حیثیت پر ہوگا جو نئے آئین میں ہندوستان کے مسلمانوں کی ہوگی"۔

ذرا آگے چل کر ہندوؤں کے متعلق اپنے خیالات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"میرا مطلب یہ نہیں کہ ہندوؤں کے خلاف مجھے تعصب ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں ان قربانیوں اور ہمت کا جس کا انھوں نے پچھلے چند سالوں میں اظہار کیا ہے دل سے مداح ہوں۔ انھوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں ممتاز شخصیتیں پیدا کی ہیں اور وہ بہت تیزی سے معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے راستہ پر گامزن ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہندو ہم پر حکومت کریں بشرطیکہ ان میں حکومت کرنے کی اہلیت اور شعور ہو۔ میں نے مختصر طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کا نظریہ پیش کر دیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں ہندو مسلم مسئلہ کے متعلق مایوس ہوں۔

مجھے تو امید ہے کہ گول میز کانفرنس میں ہندو مسلم مسئلہ کا کوئی نہ کوئی حل ضرور مل جائے گا جس سے نہ صرف ہندو اور مسلمان بلکہ انگریز بھی مطمئن ہو جائیں گے۔ ہمیں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے حالات کا روشن [illegible] بہترین نتائج کی خواہش معقول نتائج کی توقع اور بدترین نتائج کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

میں یہ سمجھ سکتا ہوں کہ بعض لوگ یہ ضرور کہیں گے کہ اس قسم کی آئیڈیا رکھنا تو بہت اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن نہ ختم ہونے والے جھگڑے اور فسادات، عدم تعاون اور سول نافرمانی، برطانوی حکومت کا تشدد بنگال کے انتہا پسندوں کی دہشت پسندی اور کانپور کے ہندو مسلم بلوؤں کے پیش نظر اس قسم کی امیدیں غلط معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمہوریت کے ساتھ جھگڑے اور فساد لازم و ملزوم ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ جمہوریت کامل سیاسی سکون کی ضامن ہے تو دنیا کی تاریخ سے وہ بالکل ناواقف ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جمہوریت میں ایسی تمام خواہشات و شکایات کو پھر ابھرنے کا موقع ملتا ہے جنہیں شخصی حکومت کے دور میں دبا دیا گیا ہو یا پورا نہ کیا گیا ہو۔ جمہوریت ایسی آرزوؤں اور تمناؤں کی موجد ہوتی ہے جو بسا اوقات ناقابل عمل ہوتی ہیں۔ یہ اختیار کا آسرا نہیں لیتی، بلکہ تقریروں، اخباروں اور پارلیمنٹ میں بحث و تمحیص سے قوت حاصل کرتی ہے اور بتدریج لوگوں کو کسی مسئلہ کے ایسے حل کو قبول کرنے پر تیار کر لیتی ہے جو معیاری تو نہیں کہا جا سکتا لیکن حالات کے پیش نظر قابل عمل ہوتا ہے۔"

مسلم کانفرنس لاہور

۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء میں مسلم کانفرنس کا لاہور میں اجلاس ہوا صدارت کے فرائض حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے سرانجام دئیے۔ خطبہ صدارت جو آپ نے ارشاد فرمایا مفہوم و معنی کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ نے سب سے زیادہ زور جس بات پر دیا وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان اور اسلام

کے مابین کس طرح کا رشتہ اور تعلق ہے!

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ تحریکِ پاکستان کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے یہ از بسکہ ضروری ہے کہ جس شخص نے مسلمانانِ ہند کو تصورِ پاکستان دیا اُس مردِ قلندرؒ کے خیالات و نظریات، جذبات و احساسات اور میلانات و رجحانات کو جس قدر بھی ہو سکے عامۃ المسلمین خصوصًا اپنی اُبھرتی ہوئی نوخیز نسل کے سامنے رکھا جائے۔ تاکہ حقیقی معنوں میں وہ پاکستان کی رُوح اور نظریۂ پاکستان کی گہرائی و اہمیت کو سمجھ سکے اور یہ ستاروں پر کمند ڈالنے والے نوجوانانِ ملت اپنے جذبہ و عمل سے پاکستانی معاشرہ کو وہ حقیقی معاشرہ بنا سکیں جس کو دیکھنے کی آرزو میں اقبالؒ و جناحؒ کے سینہ میں موجزن تھیں اور آج بھی بہی خواہانِ ملت اسی اُمید کے سہارے مصروفِ عمل ہیں اور اس گلستانِ ملت کو اپنے نونہالوں کے ذوق و شوق اور جہد و عمل کے بھرپور جذبوں کے ساتھ سرسبز و شاداب دیکھنے کے متمنی و آرزو مند ہیں۔ ہاں! جن کی آہِ سحر اور دُعا کے نیم شبی میں یہی آرزو یہی تڑپ اور یہی تمنا، یہی حسرت مچل رہی ہے۔

پاکستان کی آئندہ نسلوں پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ آپ کے انفرادی تشخص اور ملی بقا کے لیے تحریکِ پاکستان کے رہنماؤں نے کس قدر ذہنی کاوشوں اور خُداداد مومنانہ فراستوں، صلاحیتوں اور سیاسی بصیرتوں سے کام لیا ہے۔ ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ جس قدر ہو سکے تحریکِ پاکستان کا مواد فراہم کر دیا جائے۔

خُطبۂ صدارت کے اقتباسات

ملاحظہ فرمائیے:۔

"مسلمانان کی تمام انسان کی رُوحانی زندگی میں واقع ہوئی ہے۔ میرا

عقیدہ ہے کہ اسلام ذاتی رائے کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک سوسائٹی ہے یا پھر سوک چرچ (Civic Church) ہے۔ (ان) سیاسیات سے میری دلچسپی بھی دراصل اسی وجہ سے ہے۔ آج کل ہندوستان کے اندر سیاسی تصورات جو شکل اختیار کر رہے ہیں، وہ آگے چل کر اسلام کی ابتدائی ساخت اور فطرت پر غالباً اثر انداز ہوں گے۔ میں یورپ کی وطنیت کا مخالف ہوں اس لیے نہیں کہ اسے اگر ہندوستان میں نشوونما پانے کا موقع ملے تو مسلمانوں کو مادی فوائد کم ہوں گے، میری مخالفت تو اس بنا پر ہے کہ میں اس کے علاوہ مادیت پرستی کے بیج دیکھتا ہوں، جو میرے نزدیک انسانیت کے لیے ایک عظیم ترین خطرہ ہے۔ حب الوطنی بالکل طبعی صفت ہے اور انسان کی اخلاقی زندگی میں اس کے لیے تھوڑی جگہ ہے، لیکن اصل اہمیت اس کے ایمان، اس کی تہذیب اور اس کی روایات کو حاصل ہے اور میری نظر میں یہی اقدار اس قابل ہیں کہ انسان ان کے لیے زندہ رہے اور انہی کے لیے مرے، نہ زمین کے اس ٹکڑے کے لیے ہے جس سے اس کی روح کو کچھ عارضی ربط پیدا ہو گیا ہے۔"

ان چند سطروں میں اقبال نے جو کچھ وطن، مذہب اور فرد کے باہمی ربط و تعلق کے بارے میں کہا ہے، وہ درحقیقت ان کی شاعری کا، ان کے جملہ افکار و خیالات کا عطر اور ب لباب ہے، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں، یہ بات اس طرح کہی جا سکتی ہے کہ اقبال کے یہ خیالات اسلام کی صحیح ترجمانی ہیں۔

دوسری گول میز کانفرنس ۱۹۳۱ء

ارشاد فرماتے ہیں:۔

"پھر کیا ہمیں کانگریس کی موجودہ جدوجہد میں شرکت نہیں کرنی چاہیے؟ میں بغیر کسی تامل کے کہتا ہوں ہرگز نہیں۔" اس تحریک کے بنیادی محرکات کا

بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ میرے نزدیک اس تحریک کی بنا نفرت اور غصّہ پر ہے، کانگریسی لیڈر تمام ہندوستان کے واحد نمائندہ ہونے کے مدعی ہیں، لیکن آخری گول میز کانفرنس نے ثابت کر دیا کہ صورت حال بالکل برعکس ہے۔ قدرتی طور پر یہ احساس ان کے لیے خوش آئند نہیں، وہ جانتے ہیں کہ برطانوی حکومت اب فرقہ وارانہ سمجھوتہ کی اہمیت کو سمجھتی ہے وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اقلیتوں کے مابین معاہدہ ہو چکا ہے اور برطانوی حکومت اپنا ہنگامی فیصلہ نافذ کرنے پر تیار ہے۔ اگر ہندوستان کی مختلف جماعتیں کسی فیصلہ پر یک جا نہ ہو سکیں کانگریس لیڈروں کو ڈر ہے کہ برطانوی حکومت اپنا فیصلہ کرتے وقت کہیں اقلیتوں کے مطالبات نہ مان لے اور اسی لیے انھوں نے موجودہ تحریک کو جاری کر دیا ہے تاکہ ایک بے بنیاد مطالبہ کر توڑ دیں اور اس طرح اس معاہدہ کو ناکام کر دیں جو شاید آئندہ دستور میں جگہ پائے اور حکومت کو مجبور کر سکیں کہ وہ اقلیتوں کا معاملہ کانگریس کے ساتھ طے کرے، کانگریس نے جس قرارداد کی بنا پر موجودہ جدوجہد شروع کی ہے اس میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ کہ چونکہ حکومت نے مسٹر گاندھی کو ملک کا واحد نمائندہ تسلیم نہیں کیا اس لیے کانگریس نے جدوجہد جاری کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، پھر کوئی اقلیت ایسی تحریک میں کیسے شامل ہو سکتی ہے جو جس قدر حکومت کے خلاف ہے اتنی اس کے خلاف بھی ہے!"

یہ بالکل وہی دلیل ہے جو آخر میں قائد اعظمؒ کی زبان پر تھی اقبالؒ نے ۱۹۳۲ء میں جو کچھ کہا، قائد اعظمؒ نے اس کا اعادہ ۱۹۴۲ء میں کیا۔

اکثریت اور اقلیت کی جنگ

تحریک آزادی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان کی موجودہ تحریک کو مغرب کے خلاف بغاوت کہنا

پھلا دیا جاتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ مغرب کے خلاف بغاوت نہیں ہے کیونکہ ہندوستانی مغربی اداروں کا ہی اپنے ملک کے لیے مطالبہ کرتے ہیں یہ ایک الگ سوال ہے کہ کاشت کاروں کے ملک کو جو موجودہ جمہوریتوں کی نقالی سے محض نابلد ہو انتخابات پارٹی لیڈر اور پارلیمان کی خالی شان و شوکت راس آئیں گے یا نہیں ؟ تعلیم یافتہ شہری حصہ جمہوریت کا طلب گار ہے اقلیتیں جو اپنے تمدنی وجود کا احساس رکھتی ہیں اور جن کی بقا خطرہ میں ہے تحفظات چاہتی ہیں، جسے اکثریت تسلیم نہیں کرتی ۔ اکثریت قومیت میں یقین رکھنے کا دعویٰ کرتی ہے جسے اگر مغربی حالات سے دیکھا جائے تو نظری طور پر صحیح ہے، لیکن اگر ہندوستان کے حالات سے دیکھا جائے تو عملی طور پر غلط ہے، پس موجودہ جدوجہد انگلستان اور ہندوستان کے مابین نہیں ہے بلکہ اکثریت اور اقلیتوں کے درمیان ہے ۔ اقلیتیں مغربی جمہوریت کو قبول نہیں کر سکتیں، جب تک کہ اس میں ہندوستان کے حالات کے مطابق ترمیم نہ کی جائے !!

سخت بنو اور سختی جھیلو

واشگاف اور برہنہ الفاظ میں فرماتے ہیں :۔

" خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنا نصب العین متعین کر کے خود اپنی حالت کو نہیں بدلتی ۔ کامیابی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان کو خود اپنی تخلیقی زندگی کی آزادی میں یقین ہو ۔ یہی یقین تو ہے جو قوم کی نظر اپنے مقصد سے ہٹنے نہیں دیتا اور تذبذب سے نجات دلاتا ہے، جو سبق ہمیں پرانے تجربہ سے ملا ہے وہ بھولنا نہیں چاہیئے ۔ کسی طرف سے کسی قسم کی توقع نہ رکھو ۔ خود اپنے اوپر نظر جماؤ ۔ اپنی خاک کو انسانیت کی چنگی جھنجھوڑ کر تم اپنا دور بنا

میں کامیاب ہونا چاہتے ہو مسولینی کا قول تھا۔ "جو قوت رکھتا ہے، دولت رکھتا ہے" میں کہوں گا جو قوت مجسم ہے، اسے سب کچھ میسر ہے۔ سخت جو اور سختی جھیلو، انفرادی اور اجتماعی زندگی کا یہی راز ہے۔ ہمارے نصب العین کا تعین ہو چکا ہے۔ ہمیں آئندہ دستور میں اسلام کے لیے ایک ایسی جگہ متعین کرنی ہے جو آگے چل کر اس ملک میں اس کے مقاصد کی تکمیل میں مددگار ثابت ہو، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مقصد کی روشنی میں جماعت کی ترقی پذیر صلاحیتوں کو بیدار کیا جائے اور اس کی خوابیدہ قوتوں کو جھنجھوڑا جائے۔ شعلہ حیات مستعار نہیں لیا جاتا اسے خود اپنی روح کے مندر میں فروزاں کیا جاتا ہے۔ اس کے حصول کے لیے پیہم مستعدی کی ضرورت ہے اور ایک مستقل پروگرام کی۔"

قومیت کا اصول کیا ہے

پنڈت جواہر لعل نہرو

کی

الزام تراشی کا جواب

WWW.NAFSEISLAM.COM

فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کے خلاف پنڈت جواہر لعل نہرو کا دوسرا الزام یہ ہے کہ ان میں چند لوگ قطعی طور پر اصول قومیت کے منکر ہیں۔ اگر قومیت سے مراد [illegible] مختلف مذہبی جماعتوں کو سیاسی معنوں میں ملا جلا کر ایک [illegible] جائے تو پھر میں خود بھی نظریہ قومیت کے انکار کا مجرم ہوں۔ میرے [illegible] ہندوستان کے خصوصی حالات کے پیش نظر ان معنوں میں

یہاں ایک قوم کی تشکیل ناممکن ہی نہیں بلکہ نامناسب بھی ہے اور پھر ان معنوں میں تو قومیت کے سب سے بڑے مخالف مسٹر گاندھی ہیں جنھوں نے اچھوتوں کی دوسری جماعتوں کے ساتھ مدغم ہونے کے خلاف جہاد کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مشن بنایا ہوا ہے اور جو نہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ انھیں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کا ایک حصہ سمجھا جائے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، مسٹر گاندھی کا اچھوتوں سے پیغام یہ ہے کہ "ہندو دھرم کو مت چھوڑو، ہندو مت میں رہو لیکن ہندو بننے کی کوشش نہ کرو"۔ لیکن ایک ایسے شخص کو جو اصول قومیت کا ان معنوں میں مخالف ہو کہ مختلف مذہبی جماعتیں اپنی انفرادیت نہ کھو بیٹھیں لازمی طور پر قومیت کا دشمن نہیں کہا جا سکتا۔ یہ اس لیے کہ ہندوستان میں مختلف جماعتوں کے کئی مفاد بدیہی طور پر مشترک ہیں اور جہاں تک ان مشترک مفادات کا تعلق ہے، مختلف جماعتوں میں کسی نہ کسی سمجھوتہ کا امکان ضرور ہے بلکہ میرا تو یہ یقین ہے، کہ اس قسم کا سمجھوتہ لازمی طور پر ہو کر رہے گا۔ موجودہ حالات ملک کی سیاسی ترقی کی راہ میں ایک لازمی منزل ہیں، ہمیں ایک متحدہ ہندوستان کی بنیاد ٹھوس حقائق پر رکھنی ہوگی، یعنی یہ کہ اس ملک میں ایک سے زیادہ قومیں آباد ہیں۔ جتنی جلدی بھی ملک کے سیاستدان واحد قومیت کے خیال کو جس کا مطلب مختلف جماعتوں کو حیاتیاتی طور سے مدغم کرنے کے سوا کچھ اور نہیں، ترک کر دیں ہم سب کے لیے اسی قدر اچھا ہے"!

کانگریس کی روش پر نکتہ چینی

۱۹ جون ۱۹۳۲ء کو کانگریس کی روش پر نکتہ چینی کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:-

"کانگریس کا دعویٰ ہے کہ وہ ہندوستان کی تمام مذہبی جماعتوں کی یکساں طور پر نمائندگی کرتی ہے اور چونکہ فرقہ وارانہ فیصلہ کے متعلق ہندوستان میں اختلافات رائے ہے اس لیے نہ وہ اسے تسلیم ہی کرتی ہے اور نہ اسے منظور کرتی ہے۔ لیکن فرقہ وارانہ فیصلہ کے متعلق کانگریس کا تبصرہ انکار ہی کے برابر ہے، حالانکہ اپنے دعویٰ کے مطابق کانگریس کو اس فیصلہ کے متعلق کسی قسم کی رائے کا اظہار نہ کرنا چاہیے تھا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے جان بوجھ کر اس حقیقت کو نظرانداز کر دیا ہے۔ اگرچہ اس فیصلہ کو قرطاس ابیض میں شامل کر دیا گیا ہے لیکن اس کی حیثیت بالکل مختلف ہے۔ قرطاس ابیض کے دوسرے حصے صرف تجاویز ہیں لیکن فرقہ وارانہ فیصلہ ایک طے شدہ امر کی حیثیت رکھتا ہے جو برطانوی وزیر اعظم نے ان ہی لوگوں کی درخواست پر دیا تھا جو آج اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اپنی قرار داد میں کانگریس نے اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کو چھپانے کی کوشش کی ہے لیکن اس فعل نے ان چالوں کو اس طرح بے نقاب کر دیا ہے کہ کوئی مسلمان دھوکے میں نہیں آ سکتا۔ اس نازک موقع پر میں مسلمانان ہند کو مشورہ دوں گا کہ گو فرقہ وارانہ فیصلہ میں ان کے تمام مطالبات کو پورا نہیں کیا گیا وہ پامردی کے ساتھ اس کی حمایت کریں۔ ایک با اصول قوم کی حیثیت سے وہ صرف یہی راہ اختیار کر سکتے ہیں۔"

اقبال کے ان افکار و خیالات کی شدید مخالفت کانگریس بطور بالعموم اور قوم پرست مسلمانوں کی طرف سے ہوئی لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ ان کی رائے کتنی صحیح تھی۔ مسلمان اگر اس رائے کو نہ مانتے تو تباہ ہو گئے ہوتے۔ اپنی قومی انفرادیت سے محروم ہو گئے ہوتے اور متحدہ قومیت کے طلسم کدہ میں کھو کر دین حق سے منحرف ہو جاتے۔

اقبالؒ کا پیام

یکم جنوری ۱۹۳۸ء آل انڈیا ریڈیو لاہور سے ایک پیغام میں فرماتے ہیں:-

"دورِ حاضر کو علوم عقلیہ اور سائنس کی عدیم المثال ترقی پر بڑا فخر ہے اور یہ فخر یقیناً حق بجانب ہے، آج زمان و مکاں کی پہنائیاں سمٹ رہی ہیں اور انسان نے فطرت کے اسرار کی نقاب کشائی اور تسخیر میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے لیکن اس تمام ترقی کے باوجود ملوکیت کے جبر و استبداد نے جمہوریت، اشتراکیت، فسطائیت اور نہ جانے کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں، ان نقابوں کی آڑ میں دُنیا بھر میں قدر حریت اور شرفِ انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہو رہی ہے، کہ تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ جن نام نہاد مدبروں کو انسانوں کی قیادت اور حکومت سپرد کی گئی ہے، وہ خون ریزی، سفاکی اور زیردست آزاری کے دیوتا ثابت ہوئے۔ جن حاکموں کا یہ فرض تھا کہ اخلاق انسانی کے نوامیس عالیہ کی حفاظت کریں، انسان کو انسان پر ظلم کرنے سے روکیں، اور انسانیت کی ذہنی اور عملی سطح کو بلند کریں، انھوں نے ملوکیت اور استعمار کے جوش میں لاکھوں اور کروڑوں مظلوم بندگانِ خدا کو ہلاک و پامال کر ڈالا صرف اس لیے کہ ان کے اپنے مخصوص گروہ کی ہوا و ہوس کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ انھوں نے کمزور قوموں پر تسلط حاصل کرنے کے بعد ان کے اخلاق ان کے مذہب، ان کی معاشرتی روایات، ان کے ادب اور ان کے اموال پر دست تطاول دراز کیا، پھر ان میں تفرقہ ڈال کر ان بدبختوں کو خون ریزی اور برادر کشی میں مصروف کر دیا، تاکہ وہ غلامی کی افیون سے مدہوش و غافل رہیں اور استعمار

کی جونک چپ چاپ ان کا لہو پیتی رہے۔ جو سال گزر چکا ہے اس کو دیکھو اور نوروز کی خوشیوں کے درمیان دنیا کے واقعات پر نظر ڈالو۔ تو معلوم ہوگا کہ اس دنیا کے ہر گوشہ میں چاہے وہ فلسطین ہو یا حبش، ہسپانیہ ہو یا چین، ایک قیامت برپا ہے۔ بے دردی سے تمدنِ انسانی کے عظیم الشان آثار کو معدوم کیا جا رہا ہے اور جو حکومتیں فی الحال آگ اور خون کے اس تماشے میں عملاً شریک نہیں ہیں وہ اقتصادی میدان میں کمزوروں کے خون کا آخری قطرہ چوس رہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ہی میں یوم حشر آن پہنچا ہے۔ ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا ہے اور کسی دوسرے کے لیے محبت اور ہمدردی کی آواز سنائی نہیں دیتی۔

تمام دنیا کے ارباب فکر مبہوت ہیں کہ تہذیب و تمدن کے اس عروج اور انسان کے اس کمال کا انجام یہی ہونا تھا کہ انسان ایک دوسرے کے جان و مال کے دشمن بن کر کرۂ ارض پر زندگی کا قیام ناممکن بنا دیں؟

دراصل انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے اور جب تک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کر دیں گی یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہے گی۔ کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ ہسپانیہ کے باشندے ایک نسل، ایک مذہب اور ایک قوم رکھنے کے باوجود محض اقتصادی مسائل کے اختلاف پر ایک دوسرے کا گلا گھونٹ رہے ہیں اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے تمدن کا نام و نشان مٹا رہے ہیں۔ اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ قومی وحدت بھی ہرگز قائم و دائم نہیں۔ وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے اور وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے جو نسل و زبان و رنگ سے بالاتر ہے۔ جب تک اس نام نہاد

جمہوریت، اس ناپاک قوم پرستی اور اس ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو مٹایا نہ جائے گا جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے الخلق عیال اللہ کے اصول کا قائل نہ ہوگا۔ جب تک جغرافیائی وطن پرستی، اور رنگ و نسل کے اعتبارات کو نہ مٹایا جائے گا اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح و سعادت کی زندگی بسر نہ کر سکے گا اور اخوت، حریت اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندۂ معنی نہ ہوں گے"

ہم نے حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے احساسات و تصورات اور خیالات و نظریات نظریۂ پاکستان کے متعلق قارئین کے سامنے رکھ دیے ہیں کہ راہ تاریک اور حوصلہ شکن حالات میں فرقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی مسلم قوم کو یہ کہتے ہوئے منزل کی طرف

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

بڑھنے کے لیے ذوق و شوق اور جوش و عمل کے زیوروں سے آراستہ و پیراستہ کیا جا رہا ہے اور سالار ملت (قائداعظمؒ) کو اپنے حکیمانہ مشورے کس حسن کارانہ انداز اور مدبرانہ وقار سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس مرد قلندرؒ کی دردمندانہ نواؤں اور خلوص آمیز صداؤں سے مسلمانان ہند کی فکری اور قلبی دنیا میں ایک انقلاب بپا ہو رہا ہے۔ گلستان ملت کے گوشے گوشے میں زندگی کی نمود ہو رہی ہے۔ ہر کلی خوابیدہ انگڑائیاں لے کر بیدار ہو رہی ہے اور ہر دیدۂ بینا پکار پکار کر کہتا ہے ؎

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

اس دانائے راز کے حیات آور پیغام نے ملت کو حیات تازہ عطا

گردی سطح بین نگاہوں کے نزدیک تو تصورِ پاکستان ایک شاعر کے تخیل سے زیادہ نہ تھا لیکن جن کی نظریں سطح سے نیچے اُتر کر گہرائی تک پہنچتی ہیں وہ محسوس کرنے لگے کہ ملتِ خوابِ غفلت سے کروٹ بدل رہی ہے۔ اب جو اپنے کانوں پر غفلتوں کے لحاف لپیٹ کر سوئے ہوئے تھے بیدار ہونا شروع ہو گئے ہیں اور مایوسیوں اور نا اُمیدیوں کو جھٹک کر پورے اعتماد و یقین کے ساتھ منزلِ حیات کی طرف بڑھنا شروع کر دیا ہے۔ اب اقبالؒ کا نورِ بصیرت عام ہو رہا ہے۔ اب جلوۂ خورشید سے شب گریزاں اور نغماتِ اتحاد و تنظیم سے جہانِ ملت معمور ہو رہا ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ مسلمانانِ ہند کو درسِ بیداری اور پیغامِ حیات دے کر ۲۱ راپریل ۱۹۳۸ء کو ہمیں داغِ مفارقت دے گئے اور اب یہ مردِ قلندرؒ عالمگیری مسجد کے سایہ میں خوابِ شیریں کے مزے لے رہا ہے۔ علامہؒ کا ایسے حالات میں جدا ہو جانا جبکہ وہ ایک عظیم مقصد کے لیے مسلمان کو بیدار کر رہے تھے ایک المیہ تھا۔ ان کے آتش ناک نغموں نے کشمیر سے راس کماری تک مسلمانوں کے دلوں میں ایک نئی لگن لگا دی تھی۔ یوں تو ان کی وفات پر ہر حساس دل میں اک طوفانِ بلا خیز بپا تھا۔ مولانا ظفر علی خانؒ نے اس احساسِ غم و زیاں کو اپنے اشعار میں یوں سمویا ہے۔ مولانا اس میدان میں منفرد شخصیت کے مالک ہیں اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اظہارِ غم میں ان کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ اشعار ملاحظہ فرمایئے ؎

آہ! اقبالؒ

[illegible] اقبالؒ کا مرنا | اسلام کے سر پر ہے قیامت کا گزرنا
[illegible] بھی ہے مصروفِ ماتم | اس غم میں سیہ پوش ہیں بغداد و سمرنا

تھا اُس کے تخیل کا فسوں جس نے سکھایا — سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کو اُبھرنا
ہر روز دیا اُس نے مسلمان کو یہی درس — ہرگز نہ کسی سے، بجز اللہ کے ڈرنا
ملت کو نئی زندگی اقبالؒ نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

(کلکتہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء)

یہ ناانصافی ہوگی اگر جناب اسد ملتانی جنھوں نے عمر بھر حضرت اقبالؒ کے رنگ میں شعر کہنے کی کوششیں کیں ان کے وہ اشعار جو انھوں نے "یادِ اقبالؒ" کے عنوان سے کہے اس مقام پر نذرِ قارئین نہ کیے جائیں۔ ملاحظہ فرمائیے:-

یادِ اقبالؒ

نہیں اُٹھا کوئی پُردرد صدا تیرے بعد — ہو گیا قافلہ محروم درا تیرے بعد
جس کی فریاد سے سینوں میں خلل پڑ جائے — نہیں ایسا کوئی آشفتہ سرا تیرے بعد
غلطی پر جو کوئی ٹوکنے والا نہ رہا — کھو گئے بے بسی میں علماء تیرے بعد
ان کے پردوں سے گلہ رکھتی ہے جاب کس کی نظر — مطمئن پھرتے ہیں ارباب ریا تیرے بعد
یہ بھی ہے تیری نواؤں کا اثر جس کے سبب — قبلہ رو رہبر فرزانہ ہوا تیرے بعد
یہ صداقت کا کرشمہ ہے کہ تیرا پیغام — جذب و تاثیر میں کچھ اور بڑھا تیرے بعد
تیرے ہوتے جسے کہہ دیتے تھے شاعر کا خیال
قوم کا قبلۂ مقصود بنا تیرے بعد

قائدِ اعظمؒ

اقبالؒ کے پیغامِ حیات آور جسے کسی زمانہ میں محض شاعر کا خیال کہا جاتا تھا اب حکیم الامتؒ اپنا فرض پورا کر چکے تو ملت کا رہبر فرزانہ جناحؒ

اسے لے کر آگے بڑھتا ہے۔ قدم قدم پر مخالفت و مزاحمت کے پہاڑ ہیں لیکن یہ پیکرِ استقامت۔ یہ مردِ راہ بین حوادث و موانع سے گھبرانے کی بجائے منزلِ مقصود کی طرف قدم اُٹھائے چلا جاتا ہے اور مسلمانوں کے حق و عدل پر مبنی مطالبہ کو پوری جرأت و بے باکی اور تدبر و فراست سے ہندو اور انگریز کے سامنے رکھتا ہے اور دلائل و براہین سے متحدہ قومیت کے طلسم و فریب کا دامن چاک کر دیتا ہے۔ یہ یقین و اعتماد کی دولت سے مالا مال جسے قدرت کی طرف سے فہم و فراست اور عقل و بصیرت کا وافر حصہ ملا تھا۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں لاہور کے تاریخی اجلاس میں فرزندانِ توحید کے بے پایاں سمندر میں یہ اعلان کرتا ہے کہ ہم نے آخری اور حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ ہندوستان کے جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریتی آبادی ہے۔ ہم ان کو ملا کر اپنی حکومت قائم کریں گے اور اس خطۂ زمین میں ہم اپنی تہذیب و تمدن کے مطابق اپنا معاشرہ۔ اپنے دین کے اُصولوں کی روشنی میں ترتیب دیں گے۔ ہم اپنی منزل پر پہنچنے اور اپنے نصب العین کے حصول کے لیے مسلسل جدّ و جہد کریں گے۔ اور اس مقصد کے لیے ہم اپنی جانیں تک قربان کر دیں گے۔ آپ نے زندہ دلانِ لاہور کے ایثار و خلوص کو دیکھ کر فرمایا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے دلوں میں ذوقِ سفر کی اُمنگیں اور ولولے انگڑائیاں لے رہے ہیں اور آپ نے ایک مضبوط قوم کی طرح یہ عزم و عہد کر لیا ہے کہ ہماری پیشقدمیاں صحنِ زمین پر اُس وقت رُکیں گی۔ جب ہم منزلِ مراد کو پالیں گے۔ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قائدِ اعظمؒ نے مسلمانانِ ہند کو یک جہتی۔ یک رنگی و ہم آہنگی اور یک نظری کا بھولا ہوا سبق یاد دلا کر ان میں ایک مقصد۔ ایک منزل۔ ایک نصب العین کے حصول کے لیے آرزو و طلب کو پیدا کر کے اُن کے جذبۂ خودی کو اُبھار

اور نکھار کر جنھیں محض ایک فرقہ وارانہ اقلیت کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ باعظمت و باوقار قوم بنا دیا۔ اس سالارِ کارواں نے راہ کے خطرات سے رہروانِ منزل کو شناسا کیا۔ اس کی عقابی نگاہوں نے مکر و فریب کے زریں نقابوں میں مضمر فتنوں کو بھانپا اور عزم و استقلال سے ملتِ اسلامیہ کی منزلِ حیات کی طرف صحیح رہبری و رہنمائی کی۔ وارودھا کے ساحری نے حصولِ پاکستان کے سارے امکانات کو سبوتاژ کرنے کے لیے ہر قسم کے مکر و فن سے کام لیا۔ اپنی بساطِ سیاست کے ہر قسم کے مہروں کو آگے بڑھایا لیکن قائداعظمؒ جو اپنی ملتِ عزیز کے وہ سہانے خواب جو اقبالؒ نے دیکھے تھے ان کو محسوس و مشہود حقائق کی صورت میں ابھرتے دیکھ رہے تھے اس بوڑھے قائدؒ نے کانگریس کی پُر فریب اداؤں اور عشوہ طرازیوں سے فرزندانِ ملت کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ اپنے آپ کو ایک مضبوط سلکِ تنظیم میں منسلک و یک جا اور ہم آہنگ کر لو۔ اب ہم قرارداد لاہور ۱۹۴۰ء کا وہ تاریخی خطبہ جو قائداعظمؒ نے ارشاد فرمایا پیش کرنے سے قبل قائداعظمؒ کا وہ بیان جو مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۴۰ء کو ہندوستان ٹائمز میں اور وہ بیان بھی جو ۸ دسمبر ۱۹۳۹ء کو قانون ساز اسمبلی کے بارے میں بمبئی میں دیا پیش کرتے ہیں:۔

انگریز اور مہاتما گاندھی

"انگریز چاہتے ہیں کہ ہم ہندوستان پر حکومت کریں اور مہاتما گاندھی چاہتے ہیں کہ ہم ہندوستان پر حکومت کریں لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم نہ انگریز کو اپنے اوپر حکومت کرنے دیں گے نہ ہندو کو خواہ یہ الگ الگ ہوں یا دونوں متحد ہو کر ایسا کرنا چاہیں۔"

(ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲۳ ۔ ۲ ۔ ۴۰)

قائداعظمؒ نے ۸؍دسمبر ۱۹۳۹ء کو قانون ساز اسمبلی کے بارے میں بمبئی میں جو بیان دیا:-

"مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ کیا ہی اچھا ہو اگر مہاتما گاندھی اپنے خیالات کی فضول نمائش چھوڑ دیں، ایسے خیالات جو روز بروز اور ہفتہ بہ ہفتہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور جن میں اگر کسی چیز کو ثبات ہے تو وہ ان کا باہمی تضاد و تخالف ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اپنی تمام توجہ صرف ایک ہی مسئلہ پر مرکوز کر دیں، یعنی ہندوستان کے مسئلہ کے سلجھانے میں کیونکہ تمام کانگریسی لیڈروں میں سے وہی ایک ہیں جو بوجوہ احسن ہندو قوم کی نمائندگی کر سکتے ہیں اور ہندوؤں کی طرف سے سمجھوتہ کر سکتے ہیں اور یہاں دو بڑی جماعتوں میں یکجہتی اور اتفاق پیدا کر سکتے ہیں اور جب یہ ہو گیا تو دوسری باتیں خود بخود صاف ہو جائیں گی مجھے اس امر کا اعادہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ مسلمانوں کی طرف سے میں اس باعزت سمجھوتہ کے حصول کے لیے اپنی تمام طاقت و ہمت کے ساتھ مدد کرنے میں تیار ہوں۔"

WWW.NAFSEISLAM.COM

اجلاس لاہور ۱۹۴۰ء

۱۹۳۰ء میں جو نظریہ حکیم الامت نے پیش کیا، اس کو ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں قائداعظمؒ نے بدیں الفاظ مہر تصدیق ثبت کی:-

The only Course open to us all is to allow the major Nations separate homelands by dividing India into autonomous National States.

اور اس کو آل انڈیا مسلم لیگ نے یہ شکل دی:-

"قرار پایا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی پختہ رائے یہ ہے کہ اس ملک میں دستور بندی کی کوئی تجویز جو حسب ذیل بنیادی اصول پر وضع کی جائے گی۔ کسی صورت میں قابل عمل یا مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

اصول یہ ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے متصل واقع ہونے والے قطعات کو الگ الگ خطے قرار دے کر حد بندی مناسب رد و بست کے ساتھ اس طریق سے کر دی جائے۔ کہ وہ رقبے جن میں مسلمان باعتبار تعداد آبادی کی اکثریت رکھتے ہیں۔ آزاد ریاستیں قائم کر سکیں مثلاً وہ منطقے جو ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق میں واقع ہیں اس مقصد کے لیے الگ کر دیے جائیں اور ان منطقوں کی داخلی اجزا اپنی اپنی جگہ خود مختار اور باسیادت سمجھے جائیں۔"

پھر اس کی مزید تشریح یوں فرمائی:-

WWW.NAFSEISLAM.COM

Geographically Contiguous units should be demarcated into regions which should be so constituted with such territorial re-adjustments as may be necessary, that the areas in which the Muslims are numerically in a majority as in the N. W. and Eastern Zones of India should be grouped to constitute independent states in which the constituent units shall be autonomous and sovereign. Steps should be taken as soon as the circumstances may permit immediately after the termination of war to frame a proper Scheme for the partition of India in consultation with the All India Muslim League.

اشعار ملاحظہ ہوں :-

جینا کی صدا آ رہی ہے گاندھی کی کتھا اور
بطحا کی فضا اور ہے وردھا کی ہوا اور
اُس کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں دل اور زباں ایک
اس کی یہ علامت کہ کہا اور کیا اور
کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ملت ہے وطن سے
حالانکہ ہے فرمودۂ شاہؐ دو سرا اور

(مولانا ظفر علی خان ۱۹۴۰ء)

حکیم امت ؒ کا نظریہ اب عرف عام میں پاکستان کے نام سے مشہور ہوگیا اور جب ۱۹۴۱ء میں لیگ کا سالانہ اجلاس مدراس میں منعقد ہوا تو پاکستان کے نظریہ کو بنیادی قانون کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔ لیگ نے اب اپنا نصب العین ان الفاظ میں متعین کیا :-

"مکمل آزاد ریاستوں کا استقرار جو اس طرح متعین کی جائیں گی کہ شمال مغرب اور شمال مشرق کے وہ علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے مسلمانوں کے قومی نظمیں ہوں گے۔ ان کی حکومت میں کسی غیر کا عمل دخل نہ ہوگا۔"

پاکستان کا نظریہ اب آہستہ آہستہ خاور جہاں تاب کی درخشندہ شعاعوں کی طرح مطلع سیاست ہند پر چھاتے جا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ظلمت تاکیاں چپکے چپکے دبے پاؤں پیچھے کو سرکتی جا رہی تھیں۔

قرارداد لاہور

اس "دیدہ بینا" نے ملی کشمکش کے حیات بخش احساسات دعزائم اور تعمیر ملت کے جذبہ و عشق سے سرشار ہو کر مسلمانان ہند کو جو منتشر ذرّوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے ایک محکم چٹان میں تبدیل کرنے کے لیے لیگ کے ہلالی پرچم تلے پیغام حیات دیا۔ اللہ نے اس نحیف و نزار رہبر فرزانہ کے جسم میں وہ بجلیاں پنہاں کر رکھی تھیں۔ جو اسے اس کبر سنی کے عالم میں جواں ہمتی کے ساتھ اپنے کیف عزائم میں سرمست منزل مقصود کی طرف بڑھنے کے لیے بے تاب و مضطرب بنائے ہوئے تھیں۔ مبداء فیض کی کرم گستری سے قافلۂ ملت جناحؒ کی بے باکانہ قیادت میں سوئے منزل رواں دواں ہو چکا تھا اور ہجوم مشکلات کے باوجود یہ منازل پر منازل قطع کرتا جا رہا تھا۔ یہ بوڑھا جرنیل اپنے ہم قدموں کو وہ حرفِ راز جو حکیم الامتؒ نے اس مرد کار کو سمجھایا تھا اس راز حیات کے نقطے سمجھانے کے لیے۔ ان کی تقدیریں بدلنے کے لیے۔ ان میں خوب و ناخوب کی تمیز پیدا کرنے کے لیے اور اپنے گھر میں آبرومندانہ زندگی بسر کرنے کی کیفیتوں اور مسرتوں سے آشنا و خبردار کرنے کے لیے اور عزت و وقار سے اپنے دین۔ اپنے نظام حیات کے مطابق نیا جہان تعمیر پیدا کرنے کے گُر آزبر کر رہا تھا۔ اُس کے دلنوازی کے سلیقے اب ملت کو ایک منزل، ایک مقصد کے حصول کے لیے۔ جہد و کاوش سعی و عمل کرنے کا عادی بنا کر اس تصور حیات کو جس کو ایک زمانہ میں شاعر کا خواب پریشان کہہ کر اس کا مذاق اُڑایا گیا تھا مقصود حیات بنا کر اور قوم کا نصب العین قرار دے کر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں حصول پاکستان کے عزم بلند کا اعلان کیا تاکہ دنیا

کروڑ مسلمانوں کی قوم ایک علیحدہ مملکت میں اپنی تمدنی اور معاشرتی صلاحیتوں کو اسلامی خطوط کی روشنی میں ابھار اور نکھار سکے یہی تصوراتی مملکت ہے۔ جسے مسلم لیگ نے اسلام کے نام پر حاصل کیا۔

خُطبۂ صدارت

"قائد اعظم نے اپنے خطبۂ صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کی گذشتہ جد و جہد کا محاسبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہم آج پورے پندرہ ماہ کے بعد اپنے اجلاس میں شریک ہو رہے ہیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا گذشتہ اجلاس دسمبر ۱۹۳۸ء میں پٹنہ میں منعقد ہوا تھا۔ اس دوران میں بہت سے واقعات رونما ہو چکے ہیں سب سے پہلے میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ پٹنہ کے اجلاس کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کن کن چیزوں پر اپنی توجہ مرکوز کرتی رہی۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ سب سے ضروری کام جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے وہ مسلم لیگ کی تنظیم ہے۔ گو یہ کام ابھی تک مکمل نہیں ہوا تاہم پندرہ ماہ میں ہم نے کافی ترقی کر لی ہے اور مقام مسرت ہے کہ ہم تمام صوبوں میں لیگ کی شاخیں قائم کر چکے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسمبلی کے ہر ضمنی انتخاب میں ہمیں زبردست مخالفین سے مقابلہ کرنا پڑا۔ میں مسلمانوں کو ہدیۂ تہنیت پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اس آزمائش میں قابل قدر استقلال اور جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ کسی ضمنی انتخاب میں ہمارے مخالفین کو لیگ کے امیدوار کے مقابلہ میں کامیابی نہیں ہوئی یو۔ پی کونسل کے گذشتہ انتخاب میں مسلم لیگ نے سو فیصدی کامیابی حاصل کی ہے۔ میں اس وقت آپ کو ان تفصیلات میں لے جانا نہیں چاہتا جو لیگ کی تنظیمی مہم سے تعلق رکھتی ہیں۔ صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ لیگ روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ پٹنہ کے اجلاس

میں ہم نے خواتین کی ایک کمیٹی بنائی تھی یہ چیز ہمارے لیے ایک خاص اہمیت رکھتی ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ہمیں اس چیز کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنی خواتین کو ایسے مواقع بہم پہنچائیں کہ وہ ہمارے ساتھ زندگی اور موت کی اس کشمکش میں حصّہ لے سکیں۔ خواتین گھر کی چار دیواری میں پردہ میں رہتے ہوئے بھی کافی کام کر سکتی ہیں۔ ہم نے یہ کمیٹی اسی نقطۂ نظر کے ماتحت بنائی تھی کہ وہ لیگ کے تنظیمی کاموں میں شریک ہو سکیں۔ اس مرکزی کمیٹی کے ذمّہ سب سے پہلا کام یہ تھا کہ وہ صوبائی اور ڈسٹرکٹ لیگ کی تنظیم کرے۔ دوسرا کام یہ تھا کہ یہ کمیٹی زیادہ سے زیادہ تعداد میں خواتین کو لیگ کا ممبر بنائے۔ تیسرا کام جو اس کمیٹی کے سپرد تھا وہ یہ تھا کہ ملک بھر کی خواتین میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کے لیے نہایت وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈا کیا جائے۔"

"یاد رکھیے کہ اگر ہماری خواتین میں خاطر خواہ بیداری پیدا ہو جائے تو ہماری آئندہ نسلوں کو مشکلات سے دوچار ہونا نہ پڑے گا۔ چوتھی مہم یہ تھی کہ خواتین کو ایسے مسائل سے روشناس کرایا جائے جو مسلم سوسائٹی کی ترقی سے متعلق ہیں۔ مسرّت کا مقام ہے کہ مرکزی کمیٹی نے اس کام کو نہایت تندہی اور گرمجوشی سے شروع کیا اور اب تک قابل قدر مفید خدمات انجام دے چکی ہے۔ اور جب ہم کمیٹی کے کارناموں کی رپورٹ پر نظر ڈالتے ہیں تو بلاشبہ ہمیں ان کی خدمات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ جنوری ۱۹۳۹ء سے لے کر اعلان جنگ کے وقت تک ہمیں لاتعداد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ناگپور میں ہمیں ودیا مندر کا مقابلہ کرنا پڑا پھر ملک بھر میں واردھا سکیم کے خلاف جنگ کیا۔ کانگریسی حکومتوں میں مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ علاوہ ازیں ہمیں ہر جگہ پر ...

بہاولنگر وغیرہ ریاستوں میں مسلمانوں کے ساتھ قابلِ اعتراض برتاؤ کے خلاف ہمیں اٹھنا پڑا۔ پھر ہمیں اس اہم مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا جو راجکوٹ جیسی مختصر ریاست میں رونما ہوا۔ اس طرح آل انڈیا مسلم لیگ کو جنوری ۱۹۳۹ء سے لے کر اعلانِ جنگ تک لاتعداد اہم مسائل سے دوچار ہونا پڑتا رہا۔ اعلانِ جنگ سے سب سے بڑا خطرہ مسلمانانِ ہند کے لیے تھا کہ کہیں مرکزی حکومت میں فیڈرل سکیم کا نفاذ نہ کر دیا جائے۔ ہمیں ان تمام چالوں کا علم ہے جو اس وقت کھیلی جا رہی تھیں لیکن مسلم لیگ ہر طرف سے اس کی مدافعت میں مصروف تھی۔

"ہمیں تو دراحساس تھا کہ ہم گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی مہلک فیڈرل سکیم کو کبھی قبول نہ کریں گے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اس اسکیم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ہم نے برٹش گورنمنٹ کو کافی حد تک ترغیب دی ہے اور برٹش گورنمنٹ کو اس حقیقت کا احساس دلانے کے لیے مسلم لیگ نے قابلِ قدر کام کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ انگریز نہایت ضدی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ محتاط بھی۔ بلاشبہ وہ چالاک لوگ ہیں لیکن تیز فہم نہیں ہیں۔ جب جنگ کا اعلان ہو چکا۔ تو بالآخر قدرتی طور پر جناب وائسرائے کو مسلم لیگ کی امداد کی ضرورت پڑی۔ جناب وائسرائے کو عین اسی وقت اس کا احساس ہوا کہ مسلم لیگ ایک طاقت ہے۔"

"یاد رہے کہ اعلانِ جنگ سے پہلے وائسرائے نے مجھے کبھی یاد نہیں کیا تھا۔ وہ صرف مہاتما گاندھی کو یاد فرماتے رہتے تھے۔ میں کافی مدت تک اسمبلی میں ایک اہم پارٹی کا لیڈر رہ چکا ہوں بلکہ اسمبلی میں موجودہ مسلم لیگ پارٹی کی نیابت سے بھی کہیں زیادہ میں نے اس پارٹی کی نمائندگی کی ہے۔ مگر جناب وائسرائے نے اس سے پہلے مجھے کبھی یاد نہ

کیا تھا۔ چنانچہ اس دفعہ جب مہاتما گاندھی کے ساتھ مجھے بھی ملاقات کا دعوت نامہ ملا تو میں دل میں سخت حیران ہوا کہ یہ مرتبہ مجھے اچانک کیسے حاصل ہو گیا؟ لیکن میں نے اس سوال کا جواب تلاش کر لیا اس سوال کا جواب "آل انڈیا مسلم لیگ" تھا جس کا میں صدر ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کانگریس اعلیٰ کمان کو اس سے نہایت مہلک صدمہ پہنچا کیونکہ یہ واقعہ ان کی آل انڈیا نمائندگی کے لیے ایک چیلنج تھا۔

چنانچہ مہاتما گاندھی اور کانگریسی اعلیٰ کمان کے طرزِ عمل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہے۔ کیونکہ وہ ابھی تک اس صدمہ سے صحت یاب نہیں ہو سکے۔ آپ اپنی تنظیم کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں۔ میں اس موضوع پر اور کچھ نہیں کہوں گا۔"

قائداعظمؒ نے مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"آئندہ آئین میں ہماری پوزیشن کیا ہوگی؟ کہا جاتا ہے کہ جس وقت حالات اجازت دیں گے یا کم از کم لڑائی ختم ہونے کے فوراً بعد ۱۹۳۵ء کے آئین کو بنیادی طور پر جانچا جائے گا اور ہالآخر ہمیشہ کے لیے اس سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔ ہم اس کے قائل نہیں کہ برٹش گورنمنٹ کو اعلانات شائع کرنے کے لیے کہا جائے یہ اعلانات حقیقتاً کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ آپ برٹش گورنمنٹ سے اعلانات کا مطالبہ کر کے انھیں اس ملک سے باہر نکال سکیں۔ بہرحال کانگریس نے وائسرائے سے اعلان کا مطالبہ کیا وائسرائے نے جواب دے دیا کہ میں اعلان کر چکا ہوں، کانگریس نے کہا یہ اعلان نہیں ہم کو اور قسم کا اعلان چاہتے ہیں آپ ابھی فوراً اس بات کا اعلان

کریں کہ ہندوستان آزاد ہے اور ہندوستانیوں کو ایک کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی بنانے کا حق حاصل ہے جو عام بالغانہ حق رائے دہندگی یا اگر ممکن ہو تو اس سے کم حق رائے دہندگی کے اصول پر منتخب کی جائے۔"

"یہ اسمبلی بلاشبہ اقلیتوں کے حقوق کا مکمل تحفظ کرے گی"۔ مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ اگر اقلیتوں کو اس سے تسلی نہ ہوئی تو وہ اس بات کے لیے رضامند ہیں کہ یہ مسئلہ ایک اعلیٰ قسم کی غیر جانبدارانہ عدالت کے سامنے رکھا جائے تاکہ وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے۔ یہ ایک غیر عملی تجویز ہے اور علاوہ ازیں تاریخی اور آئینی نقطۂ نظر سے یہ کتنی لغویت ہے کہ ایک حکمران طاقت کو یہ کہا جائے کہ وہ کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کی حمایت میں برطرف ہو جائے۔ اس کو بھی چھوڑیئے فرض کیجیے کہ ہم اس حق رائے دہندگی سے رضامندی کا اظہار نہ کریں جس کی بنا پر مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہو یا فرض کیجیے کہ ہم مسلمانوں کے مستقل نمائندے جو کہ بحیثیت کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے غیر مسلم ممبران سے اتفاق نہ کریں تو پھر کیا ہو گا؟ کہا جاتا ہے کہ ہمیں صرف ان معاملات کے بارے میں جو اقلیتوں کے تحفظات سے تعلق رکھتے ہیں باقی کسی معاملے میں تو اختلاف رائے کا حق حاصل نہیں ہو گا جس کو یہ اسمبلی اس ضمن پر اختتام لیتے ایک قومی آئین مرتب کر کے منظور کرے گی ہمیں صرف یہ حق دیا جاتا ہے کہ ہم اقلیتوں کے حقوق و تحفظات کے معاملے کے سوا کسی اور مقام پر اختلاف رائے سے کام نہ لے سکیں ہمیں یہ حق دیا جاتا ہے کہ ہم جداگانہ انتخاب سے اپنے نمائندے بھیج سکیں گے یہ تجویز اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ جو نئی سکیم معرض عمل میں آئے گی انگریزوں کا تسلط ختم ہو جائے گا۔ اگر یہ منشا نہیں تو یہ ایک بے معنی چیز ہے۔ مسٹر گاندھی بلاشبہ یہی کہتے ہیں کہ یہ آئین فیصلہ کر دے گا کہ آیا انگریز یہاں سے چلے جائیں گے یا نہیں۔ اگر وہ چلے گئے تو کس حد تک ان کا اقتدار ختم ہو جائے گا۔

دوسرے لفظوں میں ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ "پہلے یہ اعلان کر دیجئے کہ ہم آزاد ہیں اس کے بعد میں یہ فیصلہ کروں گا کہ اس کے عوض

میں آپ کو کیا پیش کروں "؟ کیا مسٹر گاندھی اس قسم کی باتیں کرتے وقت حقیقتاً کامل آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن انگریز جائیں یا نہ جائیں یہ چیز واضح ہے کہ بڑی حد تک قوت عوام کے ہاتھ میں ہوگی اب فرض کیجئے کہ اگر اس اثنا میں کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی کی اکثریت اور مسلمانوں میں اختلاف رائے ہو جائے تو ثالثی عدالت کا تقرر کون کرے گا؟ یہ! فرض کیجئے کہ ایک متفقہ عدالت کا تقرر عمل میں آچکا ہے اور عدالتی فیصلہ دیا جا چکا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس کے بعد اس امر کی کون نگہداشت کرے گا کہ جو عمل ہوگا۔ عدالتی فیصلہ کی جملہ دفعات کے عین مطابق ہوگا؟ اس چیز کی دیکھ بھال کون کرے گا کہ عملی طور پر فیصلہ کا احترام کیا گیا ہے؟ کیونکہ ہمیں تو یہ بتایا جاتا ہے کہ اس وقت انگریزوں کا اقتدار مکمل طور پر ختم ہو چکا ہوگا اس عدالتی فیصلہ کی پشت پر کونسا جواز ہوگا۔ جو اس کو معرض عمل میں دیکھ سکے گا؟"

"ہمیں بالآخر اسی نتیجے پر پہنچنا پڑے گا۔ یہ کام ہندو اکثریت انجام دے گی۔ کیا یہ کام انگریزوں کی سنگینوں کے بل بوتے پر کیا جائے گا یا گاندھی جی کے اہنسا کی مدد سے کیا؟ آئندہ ہم ان پر کسی قسم کا اعتماد رکھ سکتے ہیں؟ حضرات! کیا آپ اس چیز کو تصور کر سکتے ہیں کہ اس نوعیت کا معاشرتی مسئلہ۔ جس پر آئندہ آئین کی بنا ہو اور جو دو کروڑ مسلمانوں پر اثر انداز ہوتا ہو عدالتی فیصلہ کے ذریعے طے ہو سکتا ہے؟ لیکن ابھی تک کانگریس کی تجویز یہی ہے"۔ جہاں تک ہمارے اندرونی معاملات کا تعلق ہے۔ ہم نے اس پر کافی غور و فکر کیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہمارے پاس لاتعداد اسکیمیں ہیں جو بڑے بڑے ماہرین آئین اور دیگر اصحاب نے جو

ہندوستانی آئینی معاملات میں گہری دلچسپی لیتے رہے ہیں اور ہم نے ایک سب کمیٹی صرف اسی کام کے لیے مقرر کر رکھی ہے جو ان سکیموں کی تفصیلات پر جو ابھی تک موصول ہوتی رہی ہیں غور و خوض کر رہی ہے"۔

"ایک چیز واضح ہے وہ یہ کہ اس بات کو شروع سے غلطی سے فرض کر لیا گیا ہے کہ مسلمان اقلیت ہیں اور یہ لفظ سننے کی کچھ عادت سی پڑ گئی تھی بعض اوقات قائم شدہ رجحانات سے استخلاص بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ مسلمان اقلیت نہیں ہیں مسلمان ہر اعتبار سے ایک مستقل قوم ہیں"۔

"ہندوستان میں مسئلہ کی نوعیت فرقہ وارانہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے اور اسی نقطہ نظر سے اس کا تصفیہ ہو سکتا ہے۔ جب تک اس اساسی اور بنیادی حقیقت کا احساس نہ کیا جائے گا خواہ کسی آئین کو بھی معرض عمل میں لایا جائے۔ تباہ کن نتائج پیدا کرے گا اور نہ صرف مسلمانوں کے لیے بربادی اور استہلاک کا موجب ثابت ہوگا۔ بلکہ ہندوؤں اور انگریزوں کے لیے بھی، اگر برٹش گورنمنٹ حقیقتاً خلوص کے ساتھ اس ضمنی برِ اعظم کے باشندوں کی خوشی اور امن پسندی کی متمنی ہے تو اس کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان کو خود مختار ریاستوں میں تقسیم کر کے ان دو اہم قوموں کو علیحدہ ہو جانے دے یہ ریاستیں کسی اعتبار سے ایک دوسری سے متصادم نہیں ہوں گی بلکہ اس کے برعکس، ایک قوم کا دوسری قوم پر سیاسی، اقتدار اور معاشرتی طور پر تسلط کرنے کا عزم فنا اور قدرتی جذبہ رقابت فنا ہو جائے گا۔ ان دونوں کے درمیان بین الاقوامی معاہدوں کے ذریعہ دوستانہ مراسم بڑھیں گے اور دونوں قومیں اپنے ہمسایوں کے ساتھ کامل امن پسندی سے رہیں گی اس کے علاوہ یہ چیز دوستانہ طور پر اقلیتوں کے مسئلہ کو بالفعل طے کر دے گی اور ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں ان کے متعلق باہمی

پیدا کرنے میں بہت مفید ثابت ہوگی اور یہ ایک ایسا طریقہ ہوگا جس کے ذریعہ مسلمان اور دیگر اقلیتوں کے حقوق اور تحفظات کا نہایت موثر اور تسلی بخش انتظام ہو سکے گا۔"

"اس بات کا اندازہ لگانا نہایت مشکل ہے کہ ہمارے ہندو بھائی اسلام اور ہندومت کی اصلی ماہیت کو کیوں نہیں سمجھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مذہب نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف دو معاشرتی نظام ہیں اور متحدہ قومیت ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان میں ایک قوم کا غلط تصور حد اعتدال سے نکل گیا ہے اور آج ہماری بہت سی مشکلات کا باعث بن رہا ہے۔ اور اگر ہم نے بروقت اپنے رجحانات کی اصلاح نہ کرلی تو یہ چیز ہندوستان کی بربادی پر منتج ہوگی۔ ہندو اور مسلمان الگ الگ فلسفۂ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، دونوں کی معاشرت جدا جدا ہے اور دونوں کا ادب ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ان میں باہمی شادیاں نہیں ہوتیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا بھی نہیں کھاتے۔ حقیقتاً وہ دو الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر قائم ہیں۔ یہ حقیقت بین واضح ہے کہ ہندو اور مسلمان دو مختلف تاریخوں سے وجدان حاصل کرتے ہیں۔ ان کا رزمیہ الگ ہے۔ ان کے مشاہیر الگ ہیں اور وہ ایک دوسرے سے مختلف تاریخی سرمایہ رکھتے ہیں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ان کی فتح اور شکست مختلف حیثیتیں رکھتی ہیں۔"

"دو ایسی قوموں کو ایک نظام سلطنت میں جمع کر دینا جہاں ایک عددی اقلیت میں ہو اور دوسری اکثریت میں یہ عمل محض باہمی مناقشت کو بڑھائے گا، اور بالآخر اس نظام کی بربادی کا باعث ہوگا جو ایسے ملک کی حکومت کے لیے وضع کیا جائے گا۔"

۲۲ مارچ کی سہ پہر کو قائد اعظمؒ نے اپنے خطبۂ صدارت میں، اور اس کے بعد ۲۳ مارچ کے کھلے اجلاس میں مندرجہ ذیل قرارداد کے ذریعہ اس حقیقتِ ثانیہ کا اعلان کر دیا کہ مسلمانانِ ہند کا نصب العین یہ ہے کہ وہ ان علاقوں میں جہاں ان کی اکثریت ہے۔ اپنی آزاد و جداگانہ حکومت قائم کریں گے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس نے نہایت غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی کہ کوئی دستوری منصوبہ اس وقت تک اس ملک میں قابلِ عمل اور مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگا جب تک کہ وہ مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں پر نہ مرتب کیا جائے:۔

"جغرافیائی اعتبار سے ملی ہوئی وحدتوں کی حد بندی منطقوں کی شکل میں کر دی جائے اور ان کو اراضی کی ضروری کمی بیشی کے ساتھ اس طرح تشکیل دیا جائے کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے جیسا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں میں ہے ان کو یک جا کر کے مسلمانوں کی آزاد قومی وطن کی حیثیت سے آزاد مملکتیں قائم کر دی جائیں جن کو تشکیل دینے والی وحدتیں خود مختار اور با اقتدار ہوں۔"

"ان وحدتوں اور منطقوں کے دستور میں اقلیتوں کے مذہبی، تمدنی، معاشرتی، سیاسی، انتظامی اور دیگر مفادات اور حقوق کے تحفظ کے لیے ان کے مشورے سے مناسب مؤثر اور واجبی تحفظات کا خاص بندوبست کر دیا جائے اور ہندوستان کے دوسرے حصوں کے دستور میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے اور دوسری اقلیتوں کے مذہبی، تمدنی، معاشرتی، سیاسی، انتظامی اور دیگر مفادات اور حقوق کے تحفظ کے لیے ان کے مشورہ سے مناسب، مؤثر اور واجبی تحفظات کا خاص بندوبست کر دیا جائے۔"

"وديگر يہ کہ يہ جلسہ مجلس عاملہ کو مجاز کرتا ہے کہ وہ ان بنيادی اصولوں کے مطابق ايک دستور کا خاکہ مرتب کرے جس کے تحت آخر ميں متعلقہ منطقے کے تمام اختيارات مثلاً دفاع، امور خارجہ، رسل و رسائل، محصول اور ديگر ضروری امور اپنے ہاتھ ميں لے ليں۔"

بيا تا گل بيفشانيم و مے در ساغر اندازيم
فلک را سقف بشگافيم و طرح نو در اندازيم

يہ تھی لاہور کی وہ تاريخی قرارداد جس نے مسلمانانِ ہند کو آوارہ تصورات سے نکال کر ان کے سامنے نئی زندگی کا دروازہ کھول ديا۔ ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء سے ہندوستان کی سياسی تاريخ ميں ايک انقلاب آفريں باب کا آغاز ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی جداگانہ حکومت کا نصب العين يقيناً ايک نئی زندگی کی تمہيد ہے۔ اس تجويز کی مخالفت اگر کہيں سے ہو سکتی تھی۔ تو اقليت کے صوبوں کی طرف سے ہو سکتی تھی۔ ليکن ان صوبوں کے مسلمان نمائندوں نے نہايت وسيع القلبی سے اس قرارداد کی تائيد کی اور اس حقيقت ثانيہ کو اقطاع عالم پر واضح کر ديا کہ مسلمان اپنے انفرادی مصالح کو ملتِ اسلاميہ کی کلی بہبودی پر قربان کرنے کے ليے بسر و چشم حاضر ہيں۔ ليگ کے اس عديم النظير اجتماع کی سب سے بڑی خصوصيت يہ تھی کہ ہندو دماغ کے منصوبے باندھنے والوں کے ساتھ ساتھ چند ايک صادقوں اور جعفروں کو بھی شکست فاش ہوئی جو اس عظيم الشان تقريب کی کاميابی ميں اپنے طرۂ امتياز کی خميدگی کا کھٹکا محسوس کر رہے تھے۔ ليکن اس مردِ مخلص کے محکم يقين کے سامنے ان کے دام تزوير کی گرہيں تارِ عنکبوت بن کر رہ گئيں اور لاہور کے اس اجتماع نے دنيا پر واضح کر ديا کہ ليگ ميں اب اتنی قوت ہے کہ کسی فرد يا گروہ کا وقتی اقتدار

لیگ کی ترقی میں حائل نہیں ہو سکتا۔

اسلامیانِ ہند کا یہ جلسہ آج قوم میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑانے والا تھا۔ سرزمین لاہور کا ذرہ ذرہ اپنے محبوب قائداعظم محمد علی جناح کے استقبال کے لیے ہمہ تن چشم بن رہا تھا اور بے قراری کے ساتھ ۲۰ مارچ کی سعید گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ گھر گھر، کوچے کوچے اس مردِ مجاہد کے استقبال اور جلوس کی تیاریاں ہو رہی تھیں آنے والی سعید اور مبارک گھڑی کا تصور نگاہوں میں چمک اور دلوں میں مسرت آفریں تموّج پیدا کر رہا تھا۔ جو جذبے انگڑائیاں لے رہے تھے یہ تمنّیں آنکھیں ملتی ہوئی بیدار ہو رہی تھیں اور ہر دھڑکنے والا دل یہ محسوس کر رہا تھا کہ ولولۂ شوق کی یہ گرمجوشیاں اور کیفِ عزائم کی یہ سرمستیاں اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ خدا کا یہ مخلص بندہ محمد علی جناح دس کروڑ فرزندانِ توحید کی نگاہوں کا مرکز بن چکا ہے اور اس وقت اس کی ذات میں ساری ملتِ اسلامیہ سموئی ہوئی ہے۔

زندہ دلانِ لاہور کا یہ کاروان شوق پوری سرگرمی اور جذب و انہماک سے اپنے امیرِ ملت کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ جگہ جگہ گلی کوچوں اور شاہراہوں پر جھنڈیاں لگ رہی تھیں۔ خوبصورت دروازے بن رہے تھے لیکن یکایک "قائداعظم کے جلوس کے عین دو روز قبل ۱۹ مارچ کو ایک طوفانِ بلاخیز" اٹھا کہ شہر کی ساری خوشیاں خس و خاشاک کی طرح اپنے ساتھ بہا کر لے گیا اور یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ لاہور میں خاکساروں پر گولی چل گئی۔ شہر میں کرفیو آرڈر نافذ ہو گیا اور اس طرح یہ ہنستا ہوا شہر چشم زدن میں قبرستان کا سا منظر پیش کرنے لگا۔ باشندگانِ شہر کے وہ دل جو ایک دن پہلے آرزوؤں اور ولولوں کے نشیمن بنے ہوئے تھے ایک مافوق طاقت کے جورِ اقتدار

میں جکڑ کر رہ گیے اور دیکھتے ہی دیکھتے رنج و غم کا کاشانہ بن گیے اور دیواروں پر منتشر قطعات اور طغرے۔ بکھری ہوئی جھنڈیاں اور نیم تیار شدہ استقبال کے دروازے ایک روز قبل کے جانفزا تصورات کی مرثیہ خوانی کرنے لگے۔ گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ اور شہر کا ہر متنفس پریشاں اور متوحش نظر آنے لگا کہ اب کیا ہوگا۔

لاہور کے اس قیامت خیز سانحہ نے اسلامیان پنجاب کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑکا دی اور دشمنانِ لیگ تھوں کی اس ہولی کو بھی اپنی مصلحت کوشیوں کا آلۂ کار بنانے میں مصروف تھے اور لیگ کے اس اجلاس کو ناکام بنانے کے لیے خاکساروں کو ابھار رہے تھے کہ جناح اس سانحۂ الم انگیز کو محض ٹال کر چلا جائے گا۔ لیکن لیگ کے اس اجلاس کی اہمیت صرف اس لیے نہیں تھی کہ اس میں مسلمانانِ ہند کے سامنے ایک ملی نصب العین رکھا گیا۔ لاہور کا یہ اجلاس فی الحقیقت اس حسن تدبر اور معاملہ فہمی کا بھی آئینہ دار ہے۔ جس کو کام میں لاکر قائد اعظم نے اس واقعۂ ہائلہ کے نتائج و عواقب کو سنبھال لیا۔ شروع میں انھیں یہ مشورہ دیا گیا کہ بہتری اسی میں ہے کہ اجلاس ملتوی کر دیا جائے اس مدبر اور استقلال کے پیکر نے یہ سب کچھ سنا اور دیکھا۔ حقیقتاً یہ اس کی اولالعزمی کا امتحان تھا۔ اس کے پائے ثبات کی زبردست آزمائش تھی۔ لیگ کے مخالفین اپنی چالوں میں مصروف تھے لیکن ادھر عزم و ہمت کے اس مجسمہ کے چشمے کے سیاہ ریشمی دھاگے کی ایک جنبش پر دس کروڑ مسلمانوں کی قسمت کا انحصار تھا۔ وہ اپنے مقام کو سمجھتا تھا وہ اپنے منصب سے اور اس کی ذمہ داری سے کما حقہ واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نازک وقت میں اگر پائے استقلال لغزش کھا گیا تو مسلمانانِ ہند کا آبگینۂ حیات اس کے ہاتھ سے گر کر چکنا چور ہو جائے گا۔ چنانچہ اس رہبر فرزانہ نے ۲۰ مارچ کو یہ اعلان

کردیا کہ معینہ پروگرام کے مطابق لیگ کا اجلاس ہوگا لیکن اس قیامت خیز سانحہ کے پیش نظر جلوس نہیں نکالا جائے گا۔

یہ تھی وہ فضا جس میں لیگ کا اجلاس شروع ہوا۔ ہر طرف پریشانیوں کا ہجوم تھا چہروں پر افسردگی اور پژمردگی چھائی ہوئی تھی خاکساروں کو جلسے کی پُرامن کارروائی میں خلل اندازی کے بہانے بھالا جارہا تھا۔ پنڈال میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی ہر طرف سے انصاف انصاف کی آوازیں آرہی تھیں۔ چند منٹوں میں پیکر استقلال اٹھا اور اس نے عوام کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا چشم زدن میں سناٹا چھا گیا اور حاضرین کی نگاہیں اس دُبلے پتلے انسان پر مرتکز ہوگئیں۔ شاید جناح کو اپنی بلندیٔ مرتبت کا صحیح اندازہ بھی اس وقت ہوا ہو کہ اس کی عظمت عوام کے دلوں میں کس قدر گھر کرچکی ہے۔ چنانچہ اس نے پوری خوداعتمادی سے عوام کو یقین دلایا کہ خواہ ہمارے سامنے پنجاب گورنمنٹ ہو یا گورنمنٹ آف انڈیا وزارت پنجاب ہو یا پنجاب کا وزیر اعظم مسلم لیگ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گی جب تک خاکساروں کے ساتھ انصاف نہ کیا جائے گا۔ جلسہ کی کارروائی پُرامن طریق پر اختتام پذیر ہوئی اور اس کے بعد مسئلہ خاکساران میں تحقیق و تفتیش اور معدلت گستری کا ریزولیشن پاس کیا اور شہدائے لاہور کے اعزہ و اقارب سے اظہار ہمدردی کیا گیا۔ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس معاملہ میں جلد از جلد ایک آزاد اور غیر جانبدار تحقیقاتی کمیٹی کا تقرر کرے جو جلد از جلد اپنی رپورٹ پیش کرے۔ علاوہ ازیں ریزولیشن میں حسب ذیل تجاویز اضافات دے گئے کر رپورٹ شائع ہونے کے فوراً بعد مناسب کارروائی عمل لائے۔

اجلاس کے اختتام پر قائداعظم نے ایک دفعہ پھر اس قیامت خیز

سانحہ پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ جس وقت مجھے گولی چلنے کی خبر پہنچی میں سخت پریشان ہوا مجھے یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ جلسہ ملتوی کر دیا جائے مگر چونکہ مجھے عوام پر پورا اعتماد تھا۔ میں نے اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا۔ جب میں لاہور پہنچا تو میں نے اخبارات کے نمائندوں سے ملاقات کے دوران میں کہہ دیا تھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس مسلمانان ہند کی سیاسی تاریخ میں ایک انقلاب آفریں باب کا آغاز کرے گا۔ بلا شبہ لیگ کا یہ اجلاس ہر اعتبار سے کامیاب ثابت ہو چکا ہے اگر یہ واقعہ ناخوشگوار پیش نہ آتا تو ایک عظیم الشان جلوس نکلتا اور مسلمانان لاہور کو اپنے ولولۂ شوق اور گرمجوشی کے اظہار کا موقع مل جاتا ان کے حریف اس اجلاس کو کسی نہ کسی طرح ناکام بنانا چاہتے تھے لیکن بالآخر انہیں نامراد اور خاسر و ناکام ہونا پڑا اور جلسہ پوری کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا میں خوش ہوں کہ جلسہ کی ساری کارروائی پرامن اور خاموش فضا میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ مسلمانوں کے لیے یہ ایک خاص آزمائش کی گھڑی تھی ان کا خون کھول رہا تھا ان کی بیس جانیں تلف ہو گئی تھیں۔ اس وقت تحمل سے کام لینا بہت مشکل تھا۔ لیکن آپ نے دنیا پر یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ مسلمان رنج و الم کے ہجوم میں بھی صبر و استقلال کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ آپ نے دنیا کو بتا دیا ہے کہ آپ اپنا کام لاکھوں کے اجتماع میں بھی بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچا سکتے ہیں۔ کسی قوم کے لیے اس سے بہتر مستند ریکارڈ کیا ہو سکتی ہے۔ لیگ کا سارا وقار مسلمانان پنجاب کے ہاتھ میں تھا۔ میں اسلامیان پنجاب کو تہہ دل سے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے حوصلے میں قوت پیدا کر دی ہے تاکہ میں آپ سب کی خدمت کر سکوں۔"

لاہور کا یہ اجلاس فی الحقیقت مسلمانان ہند کی ملی زندگی کا ایک زریں باب ہے۔ مسلمانان ہند کا یہ عظیم الشان اجتماع خاکساروں پر گولی چلنے کے قیامت خیز سانحہ کی وجہ سے ابتدا میں نہایت افسردہ

اور پژمردہ فضا میں شروع ہوا ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ لوگ محض ایک فرض کفایہ کی ادائیگی کے لیے کشاں کشاں جلسہ گاہ کی جانب آ رہے ہیں پوری کی پوری قوم ایک طاقتور طاقت کے پنجہ استبداد میں جکڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ چہروں پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ دل حزن و ملال کا نشانہ بنے ہوئے تھے لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اس افسردگی اور پژمردگی کے دور دورہ میں جب اس قوم کا رہبر فرزانہ آیا تو اس نے دس کروڑ فرزندان توحید کی رگوں میں خون دوڑا دیا اور اس مرد مخلص کے نعرۂ حق نے نبض ملت میں ایک زندگی بخش تموج پیدا کر دیا بعض اوقات شر سے خیر کا پہلو بھی نکل آتا ہے۔ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو نہ مسلمانوں کے صبر و استقلال کا امتحان ہو سکتا اور نہ ہی قائد اعظم محمد علی جناح کی عظمت قیادت کا صحیح اندازہ ہو سکتا۔ اور نہ ہی لیگ اور خاکسار ایک دوسرے کے قریب ہو سکتے۔ لاہور کے اجلاس میں مسلمانوں کا ضبط و انضباط محمد علی جناح کے حسن تدبر کی درخشندہ مثال ہے۔

لاہور کا یہ اجلاس حقیقتاً مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں ایک انقلاب آفرین باب کا آغاز کرتا ہے۔ مسلمانان ہند گذشتہ نصف صدی سے سیاسی گمراہی میں مبتلا تھے لیکن لاہور کے اس اجلاس نے ان کو صحیح تصور حیات دیا یہ نظریہ مسلمانان ہند کے سامنے سن ۱۹۳۰ء سے موجود تھا حکیم الامت حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اپنے خطبہ صدارت (الٰہ آباد) میں شمالی ہند میں ایک اسلامی حکومت کے قیام کی تجویز کو پیش کیا۔ انھوں نے قوم کے سامنے صرف ایک تصور پیش کر دیا تھا اور انھیں متنبہ کر دیا تھا کہ اگر مسلمان ہندو اکثریت میں مدغم ہو کر رہ گئے تو یہ عمل ان کی ملی اور دینی خصوصیات کے استہلاک پر منتج ہوگا۔ مسلمانان ہندوستان ایک متحدہ قوت کی حیثیت سے صرف اسی وقت زندہ رہ سکتا ہے اور

اسلام کی ثقافتی قوت کی بقا اسی میں ہے کہ ملک کے ایک حصہ میں اس کی مرکزیت قائم ہو جائے اس لیے میری آرزو یہ ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے کیونکہ ہندوستان دنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اس ملک میں اسلام بحیثیت تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کر دیا جائے۔" یہ تھی اس مردِ حق آگاہ کی دلی آرزو جسے ظاہر بین نگاہوں نے ابتدا میں شاعر کے تخیل سے زیادہ وقعت نہ دی تھی۔ عام لوگوں نے فلاسفر کے اس تصور کو ایک ناقابل عمل نظریہ سمجھ کر سرسری نظر سے دیکھا لیکن جناح کی مدبر نگاہوں نے اس پر پورے جذب و انہماک سے غور کیا اور اس تجویز کو ایسے نفسیاتی دور میں قوم کے سامنے رکھا جو اس زندگی بخش نصب العین کے لیے موزوں ترین وقت تھا۔ حکومتِ برطانیہ اس امر کا اعلان کر چکی تھی کہ ۱۹۳۵ء کے آئین کو بنیادی نقطۂ نظر سے جانچا جائے گا۔ فیڈرل سکیم بھی معرضِ التوا میں پڑ چکی تھی۔ چنانچہ نفسیاتی نقطۂ نظر سے یہ بہترین موقعہ تھا کہ مسلم قوم اپنی زندگی کے محبوب ترین نصب العین کا اعلان کر دے اور دنیا پر واضح کر دے کہ مسلمان اور اسلامی حکومت ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جس میں کسی شک و شبہ، کسی وہم و گمان کی گنجائش نہیں۔

قرارداد لاہور مسلمانوں کی تمناؤں اور ان کی زندگی کا نصب العین ہے اور فطرت کے اٹل اصولوں کی طرح ایک محکم اصول ہے۔ جسے دنیا کی کوئی مخالفت جھٹلا نہیں سکتی۔ یہ دس کروڑ مسلمانوں کی ایک متفقہ آواز ہے یہ دس کروڑ اسلامیانِ ہند کا قومی عزم ہے۔ قرارداد لاہور ایک زندہ اور پائندہ قوم کا عزم راسخ ہے۔ یہ اس قوم کا اعلان ہے۔ جو

ہندوستان میں ایک تمدنی قوت کی حیثیت سے زندہ رہنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ قرارداد لاہور ان فرزندانِ توحید کا نعرۂ حق ہے جو اپنے نصب العین کے حصول کے لیے وقت آنے پر جان پر کھیل جائیں گے۔ اور اپنی عزیز ترین متاع قربان کر دیں گے۔

ہندوستان میں آزاد اسلامی حکومت ایک اٹل سیاسی عقیدہ ہے جس کو دنیا کی کوئی قوت متزلزل نہیں کر سکتی کیونکہ شمع ایمان کے جن پروانوں کا یہ عقیدہ ہے انھوں نے گاندھی جی کا آہنسا نہیں پڑھا وہ اللہ کی نصرت پر بھروسہ کر کے سربکف میدان میں آئیں گے اور طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر ایک دفعہ پھر دنیا کو دکھا دیں گے کہ مسلمان حق اور باطل میں صرف اپنے خون سے خطِ امتیاز کھینچا جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ قائداعظم نے سب سے پہلی مرتبہ اس امر کا اعلان کیا کہ اب وہ منزل ہماری آنکھوں کے سامنے آ چکی ہے جس کو پانے کے لیے میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔ یہ برٹش طاغوتی طاقتوں کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ یہ قرارداد محض چند الفاظ کا مجموعہ نہیں۔ اس میں اسلامی تاریخ کی پوری کائنات پنہاں ہے۔ جس کا ایک ایک ذرہ حقیقی آزادی اور استقلال کے لیے دعوتِ عمل دے رہا ہے۔ وہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ع

خونِ حسینؓ باز دہ کوفہ و شام خویش را

حیات قائداعظم

از چودھری سردار محمد خاں عزیز

صفحہ ۲۹۵ تا ۳۰۱

پاکستان

اُٹھو کو خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفسِ سوختہ سے شام و سحر پیدا کریں

"۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے سیشن نے پاکستان کا ریزولیشن پاس کیا پنجاب کے مرحوم وزیرِ اعظم نے کئی مواقع پر "پاکستان" کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کیا جس سے مسلمان "سیخ پا" ہوئے۔ اسلامیہ کالج کے جلسہ تقسیم انعامات میں بھی انھوں نے اس روش کو قائم رکھا۔ مسلمان طلبہ میں پاکستان گروہ کمیرسوس کر رہ گیا۔ پنجاب گورنمنٹ کی "قاہرانہ گرفت" نے لیگ کے تن آسان مجاہدوں کا زہرہ آب کر رکھا رکھا تھا۔ کسی کو ہمت نہ تھی کہ وہ جراٗت رندانہ سے کام لے کر اس "سکوت" کو توڑے۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن مسلمان طلبہ کی تنظیم کی ایک ایسی شکل تھی۔ جو عملی سیاسیات میں نہیں فکری رنگ میں تعلیم اقتصاد اور سیاست میں نوجوانوں کی راہنمائی کی دعویدار تھی کچھ عرصہ سے یہ جماعت "باہمی آویزش اور انتشار و افتراق" کا شکار رہ چکی تھی "صدر فیڈریشن" سابقہ سیکرٹری کو جو دو سال کے پیچھے "تعمیر فیڈریشن" کی مجاہدانہ جدوجہد میں خارج کر چکے تھے "آل پنجاب" کے نام سے ایک جماعت "در جماعت" کا رقیب پیدا ہو چکا تھا۔ مالی حالت کی یہ کیفیت تھی کہ رسید بک اور لیٹر فارم طبع کرائے گئے تو ان کا بل ادا کرنے کی توفیق نہ تھی۔

فیڈریشن کے صدر ایم۔ اے کا آخری امتحان دے چکے تھے وہ میرے مخلص دوست تھے انھوں نے اس بارِ امانت کو اس مجروح و شکستہ صورت میں امتحانِ خلوص کے لیے میرے سپرد کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے دانستہ پہلو تہی کی کوشش کہ میرے کندھے اس بوجھ سے ایسا نہ دب

جائیں کہ میں اپنے احباب کے سامنے واژگوں ہو کر رہ جاؤں۔ انھوں نے اعلان کر دیا تو مجبوراً اس "تحفۂ دوست" کو آئینی رنگ دینے کے لیے میں نے اخبارات میں یہ اعلان بھیجا:-

"سٹوڈنٹس فیڈریشن کا نام اور اس کا کام طلبائے پنجاب کے لیے گزشتہ چند سالوں میں "نشانِ محبت" کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔ ایک ایسا مرحلہ بھی آیا جب اس گھر کے اپنے مکینوں نے بعض وجوہ کی بنا پر دانستہ یا نادانستہ اپنے لگائے ہوئے پودے کو باد مخالف بن کر نقصان بھی پہنچایا لیکن وہ لوگ جو کام کرنا چاہتے ہیں اور لذّتِ کردار انھیں نظر و بحث میں دیر تک نہیں "الجھا سکتی" باہمی اختلافات کے ایسے دھارے پر دیر تک بہنے کو گوارا نہیں کر سکتے جس کا منتہائے نظر تعمیر کی بجائے تخریب ہو۔ اب ہر گزشتہ شکوہ کو نئے اشتباہ کا ساماں بن کر اور ہر لغزش نئی ذہنیاتی کا بم بھرتے ہوئے طلبائے پنجاب کے سامنے ایک ایسے دور کو لے آئی ہے جب انھیں از سرِ نو بلند عزائم کے لیے "قدم" اٹھانا ہوگا۔ نئے سال سے طلبائے پنجاب کی تنظیم کے لیے انفرادی کوششیں جاری ہیں، کئی مختصر جماعتیں بھی سرگرمِ عمل ہیں۔ ایک جماعت غالب نے متفقہ طور پر مجھے مجبور کیا کہ میں "صدارت" کی خدمت کا بارِ گراں "اٹھاتے ہوئے تنظیمِ نو کی طرح ڈالوں"۔ ان ایسکریں میں اس نئی ذمہ داری کے لیے اپنے آپ کو اس لیے موزوں نہیں سمجھتا کہ شاید میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے فرائض کما حقہٗ ادا نہ کر سکوں۔ یہ امر بھی مانع ہے کہ تعمیرِ نو کی اساس اتحاد و محبت کی بجائے افتراق اور بدگمانی کی عام فضا میں رکھنا اصل مقصدِ خدمت کے منافی ہے۔ صدر، سیکرٹری یا اس قسم کے دوسرے الفاظ جب تک خوش کن ہونے کی بجائے ذمہ داریوں کی گٹھڑیوں کا مرقع نظر نہ آئیں صرف دم چھلے بن کر کسی کی عزت افزائی نہیں کر سکتے اور صرف ان الفاظ کے لیے کام کرنا اجتماعی

وفات ہے۔ میں نے اسی بنا پر ان حسن ظن رکھنے والے احباب سے درخواست کی کہ وہ اس معاملہ پر مزید غور کرنے کے لیے پھر ایک اجلاس بلائیں۔

اب اس اعلان کے ذریعہ میں تمام پرانے اور نئے روٹھے ہوئے اور رضامند احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ فیڈریشن کی تنظیم میں تمام سابقہ تاریک پہلوؤں کو فراموش کرکے روشن مستقبل کے متعلق غور و فکر کرنے کے لیے ۲۴ جون بروز جمعہ ساڑھے چھ بجے شام جامع آشرین (۹۱-ایمکلوڈ روڈ) میں تشریف لائیں تاکہ مناسب پروگرام مرتب ہو سکے اور صدر کا باقاعدہ انتخاب ہو سکے ہائی سکولوں کے طلبہ بھی اپنے نمائندے بھیج سکتے ہیں۔ بیرونی طلبہ تحریری طور پر اپنی رائے سے مجھے اطلاع دیں۔"

(۱۵ جون ۱۹۴۰ء ۔ روزنامہ احسان لاہور)

"میں جان بوجھ کر اس اجلاس میں شامل نہ ہوا تاکہ میری عدم موجودگی میں آزادانہ فیصلہ ہو سکے۔۔ اور اگر واقعی "جماعت" متفقہ طور پر اس مرکزی مرحلہ پر میری قیادت کو ضروری سمجھے تو میں اللہ کے بھروسے پر قدم اٹھاؤں ورنہ "پرسں" کی صدارت میرے لیے ذریعۂ انقباض تھی۔ فیصلہ یہی ہوا کہ ایسے وقت میں یہ کام میرے سپرد ہوا اور میں سارے نظام کو از سر نو درست کرکے فیڈریشن میں جان ڈالوں۔ یہ کام آسان نہ تھا۔ اکثر وہ لوگ جو بعد میں ہمارے ساتھی بن گئے اس مرحلہ پر ہم سے تمسخر کرتے اور کئی بلند مکانوں کے مکین نگاہ و غلط انداز ڈال کر کہہ دیتے "یہ بچوں کا کھیل ہے"۔ میں نے توکلت علی اللہ کہہ کر جون ۱۹۴۰ء کے آخری ہفتہ میں چارج لیا اور سب سے پہلے "فیڈریشن کا نیا پروگرام" کے عنوان سے اخبارات میں یہ اعلان بھیجا۔۔

دعوتِ اتحاد:- ۲۴ جون ۱۹۴۰ء کے اجلاس میں میری عدم موجودگی میں مجھے صدر منتخب کیا گیا۔ میں اس نئی ذمہ داری سے اس وقت

تک مفید و برآ ہونے کی کوشش کروں گا جب تک کہ مجھے کوئی ذمہ دار اور دردِ دل رکھنے والا نوجوان نہ مل جائے، جو پنجاب کے مسلمان طالب علموں میں تنظیم و اتحاد کے ساتھ ساتھ ولولۂ کار پیدا کر دے اور میں یہ کام اس کے سپرد کر دوں۔ میرے پیش نظر سب سے پہلے کام یہ ہے کہ پوری کی پوری جدوجہد سے فیڈریشن کو واحد نمائندہ جماعت کی صورت میں یکسر مکمل بنا دیا جائے، بیرون لاہور اور پنجاب کے کئی احباب نے اپنے مفید مشوروں سے میری بصیرت میں اضافہ کیا ہے۔ میں ان سب دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور بہ حیثیت صدر تمام ایسے فیصلے کالعدم قرار دیتا ہوں، جن سے کسی بھی کام کرنے والے دوست کی حوصلہ شکنی ہوتی ہو۔"

محمد رفیق ۹۵ تا ۹۵

از داعی الی الحق

ذرا آگے چل کر

• تعطیلات کے بعد پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا احساس اور فرض شناس عنصر میدانِ عمل میں آ گیا یعنی لا کالج گورنمنٹ کالج، دیال سنگھ کالج اور ایف سی کالج کے طلبہ میں تبلیغ و اشاعت کے لیے اپنے نمائندے بھیجے۔ دن رات ایک کر کے کئی طوفانی دورے کیے۔ مخلص ساتھیوں نے دیوانہ وار ساتھ دیا لیکن وہ لوگ جو فیڈریشن کے نظام کی کمزوری پر پلے بیٹھے تھے، وہ ہر جگہ اپنی نمائش کے لیے مواقع تلاش کرتے تھے۔ مجھ پر پلے [illegible] عمل انسانوں کی طرح ان کا ہتھیار بھی صرف طعن و تشنیع تھا اور میں نے اپنے مخلص ساتھیوں کو مردانِ عمل بنا چکا تھا، اس لیے ان کی

[illegible] محمد صاحب [illegible] صاحب کا قلمی نام ہے جو دوبارہ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن [illegible] تھے اور حضرت قائد اعظمؒ ان کی صدارت میں منعقد ہونے والی پاکستان کانفرنس میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے تھے۔

(مؤلف)

چمک شیشے کی طرح مجھ کر رہ گئی!"
(انجم زندگی صفحہ ۶۰)

یہ بچوں کا کھیل ہے

"میں نے ۱۵ر جون ۱۹۴۲ء سے ۳۰ر جون تک اپنے پر مجھ ذمہ درست کیے جو طلبہ اور نمازی میرے غمگسار تھے اور جو احباب مجھے قریب سے دیکھنے سمجھنے اور اس ذمہ داری کا احساس کرنے میں میرے دکھ کے ساتھی بنے وہ ابتداً بہت کم لوگ تھے۔ ان میں چوہدری نصر اللہ خاں ایڈووکیٹ (مرحوم) کو نہیں بھول سکتا جو خاموش نگاہوں اور درد بھرے دل کے ساتھ اس "بچوں کے کھیل" کو قومی معرکہ بنانے میں میرے دست راست بن گئے۔ مرحوم جنرل سیکرٹری تھے۔ میرے درس کے طلبہ اور رفقاء میں سے حافظ نذیر احمد، حبیب چوہدری، ڈاکٹر محمد شریف، عبدالستار اور کچھ دوسرے رفقاء ابتدائی کام کے لیے آگے بڑھے۔ اشفاق احمد، محمد صادق، سید محمد اصغر اور کچھ دوسرے سینئر طلبہ بھی آملے افسوس ہے کہ مجھے سب نام زبانی یاد نہیں اگر کچھ عزیز احباب اس مضمون کو پڑھیں تو اس تحریک کے سب نام یا زیادہ سے زیادہ نام ریکارڈ پر آنے ضروری ہیں۔"

ہفت روزہ "وفاق" ۱۰ دسمبر ۱۹۶۹ء
صفحہ ۱۰ "تحریک پاکستان اور طلبہ"
از عبدالحمید مرزا ایڈووکیٹ

یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:-

"میں نے حافظ نذیر احمد کو جو بھیرے میں مقیم تھے لاہور بلالیا کانفرنس کے لیے مجلس استقبالیہ کی تشکیل ہوئی اور نہایت منظم طریق پر پراپیگنڈا شروع کر دیا ہر روز ایک اعلان اخبارات میں بھیجا جاتا گورنمنٹ نے ہماری نگرانی شروع کر دی، برادران وطن چوکنے ہو گئے۔

مرحوم وزیر اعظم سے میں نے ایک وفد لے کر خود ملاقات کی۔ انھوں نے پندرہ منٹ وقت دیا، لیکن جب گفتگو شروع ہوئی تو ڈیڑھ گھنٹہ پندرہ منٹ میں گزر گیا۔"

آگے چل کر:

"مسلمان خیمے والے نے سامان اور خیمے دینے سے انکار کر دیا۔ شمشو ہر گیارہ سو میں آگ لگا دی جائے گی، سیاہ جھنڈیاں، ہندو دولت مندوں نے تیار کر لیں۔ اسلامیہ کالج کا گراؤنڈ دینے میں ابتداءً انکار کر دیا گیا۔ مسٹر عبدالقادر صدر انجمن نے خود لکھ کر یہ سیاسی جلسہ اسلامیہ کالج میں انجمن حمایت اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ کمزور ساتھی دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ میرے پاس آئے۔ میں نے قطعی جواب دے دیا کہ کچھ ہی ہو اب کانفرنس ہو کر رہے گی۔ سرکاری افسروں کے صاحبزادوں اور ... دوستوں کے اسپار طلبہ نے خود ڈیفنس کمیٹی کے اجلاس سے خلاف ایک محاذ قائم کر دیا لیکن خدا کا سایہ سر پر ہو تو مشکلات زیادہ ہمت کا باعث بن جاتی ہیں۔"

(تعمیر زندگی صفحہ ۱۰۶ از راجی بی الحق)

لاہور میں مسلمانوں میں ناراضگی

مسٹر جناح کی آمد پر مظاہرے کیے جائیں

"اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ کا ایک طبقہ یکم مارچ کو لاہور میں ایک پاکستان کانفرنس کرنے لگا ہے اور مسٹر جناح اس کی صدارت کے لیے آرہے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اسلامیہ کالج کے حکام نے اس کانفرنس کے لیے کالج گراؤنڈ استعمال کی اجازت دے دی ہے۔ اس کے برعکس کہا جاتا

ہے کہ نوزائیدہ احرار کانفرنس والوں نے بھی درخواست دی ہوئی ہے کہ انھیں کانفرنس اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن انھیں اجازت ملتی نظر نہیں آتی۔ لاہور کے مسلمانوں کا ایک طبقہ اس بات کے خلاف بتایا جاتا ہے کہ اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں پاکستان ایسی شر انگیز کانفرنس کے لیے استعمال کرنے کی اجازت دی جائے اور اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ کانفرنس کے موقعہ پر مظاہرے کر کے اپنی ناراضگی کا اظہار کریں گے۔"

(روزنامہ ملاپ ۱۴ فروری ۱۹۴۱ء)

اس قسم کے کئی بیانات اور اشتہارات شائع ہوئے میں نے اپنے مجاہد دوستوں کو مزید محنت اور استقلال سے کام کرنے پر آمادہ کیا اور چند دنوں میں میدان صاف ہو گیا۔ "مسلم پریس" اور نوجوانوں کے عمل نے مخالفوں کا منہ بند کر دیا اس سلسلہ میں میں نے کئی مضامین لکھے۔ انداز عمل کو سمجھنے کے لیے ایک اعلان دیکھئے۔

"ہم حیران ہیں کہ برادران وطن کو کیوں مسلم اتحاد اور یکانگت ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ برادران وطن کان کھول کر سن لیں مسلمان قوم اب ان کی آلہ کار نہیں بن سکتی، ہمارے اپنے اختلافات کیسے ہی ہوں لیکن جب بھی قوت کے اتحاد اور اجتماعی قوت کے مظاہرے کا وقت ہو گا مسلمان خصوصاً طلبہ تمام ذاتی اختلافات کے باوجود مخالف قوتوں کے مقابلہ میں یک جان اور یک قالب ہیں۔

ایسے نامہربان دوستوں کی اطلاع کے لیے ہم اعلان کرتے ہیں کہ خدا کے فضل سے تمام اختلافات اور ہماری ہماورانہ مسابقت میں مصالحانہ کشمکش یک جہتی اور یک نگاہی کا بہترین نمونہ بن چکی ہے اسلامیہ کالج کے طلبہ، مشائخ اور حامیۃ المسلمین سب متفقہ طور پر پاکستان سیشن کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ہمارے اختلافات اگر ہوں تو وہ ہم خود گھر بیٹھ کر طے کر

لیں گے غیور مسلمانوں کو غیر مسلموں کی وکالت کی ضرورت نہیں آپ اپنے گھر کی خبر لیں اور مزید تصدیق کی ضرورت ہو تو اس عظیم الشان مظاہرہ کو دیکھیں جو یکم مارچ کو آپ کی آنکھیں چندھیا دینے کے لیے کافی ہوگا قائداعظم یکم مارچ صبح ۸ بجے فرنٹیئر میل سے لاہور پہنچ رہے ہیں یقین ہے کہ مسلمان غیور نوجوان طلبہ ایسا شاندار استقبال کریں گے جو اپنی نظیر آپ ہوگا۔"

منجانب طلبہ اسلامیہ کالج

زمیندار ۲۳۔ فروری ۱۹۴۱ء

(انجم زندگی صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵)

مسلم طلبہ اور پاکستان

کانفرنس کی تیاریاں

"پنجاب کے مسلمان طلبہ مسلمانوں کے آئندہ سیاسی نصب العین کے متعلق ایک کانفرنس کر رہے ہیں آج اس سلسلہ میں طلبہ کا ایک وفد دہلی میں قائداعظم سے ملاقات کر رہا ہے اور ان سے تاریخوں کا فیصلہ کر رہا ہے کہ کن تاریخوں میں یہ کانفرنس منعقد کی جائے غالباً مارچ کے پہلے عشرہ میں کانفرنس منعقد کی جائے گی۔ طلبہ نے اس سلسلہ میں نہایت ہی سرگرمی سے کام کیا ہے۔ روپیہ وغیرہ جمع ہو چکا ہے۔ ابتدائی انتظام سب مکمل ہیں ان طلبہ کی ہمت قابل داد ہے کہ انہوں نے اپنے آنے والے زمانہ کے متعلق حال ہی میں سوچنا شروع کر دیا ہے۔ مستقبل ان ہی کا ہے اور ہمارے مستقبل کی دولت یہی نوجوان ہیں ہم مسلم طلبہ کو تہہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے قوم کے مستقبل کے متعلق اپنے فرض کا احساس کیا کچھ کر کے دکھایا ہم ہر دردمند ملت سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان نونہالان قوم کی ہمت افزائی

میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے گا۔ ہماری دعا ہے کہ کانفرنس کامیاب ہو اور جو ہمارے آج کے بچے کل کے باپ اس طرح نہیں گزر زمانہ دیکھے!!

ایک نظم

عنوان

سٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان کانفرنس

جزاک اللہ یہ جذبہ غلامانِ محمدؐ کا
لبوں پر حق۔ دلوں میں پاس اعلانِ محمدؐ کا

یہ طفلی۔ یہ معصومی یہ پاسِ ملت بیضا
جہاں میں فخر ہے یہ پاس داماں محمدؐ کا

ضعیفی فخر کرتی ہے، جوانی ناز کرتی ہے
اٹھا اس شان سے دستہ جوانانِ محمدؐ کا

مشام روح کو تازہ کرے گا بوئے الفت سے
ترو تازہ یہ گلدستہ گلستانِ محمدؐ کا

پُر و کر رشتۂ وحدت میں پھر موتی اخوت کے
دکھائے گا یہ جلوہ دہر کو شانِ محمدؐ کا

کرے گا آبیاری گلشنِ اسلام و ملت کی
نگہبان اس زمیں پر ہے خیابانِ محمدؐ کا

وہ مسلم تنگ آئے ہیں جو اہل جور کے ہاتھوں
کرے گا ان پہ سایہ پھر سے دامانِ محمدؐ کا

وہ اہلِ حق جنھوں نے ظلم کی کڑیاں اٹھائی ہیں
انھیں پہنچائے گا پیغام اعوانِ محمدؐ کا

جنھیں غیروں نے سمجھا بے سروساماں زمانے میں
سنائے گا انھیں مژدہ یہ سامانِ محمدؐ کا

امیروں کو جھکائے گا خدا کے کعبے کے آگے
کرے گا بول بالا پھر غریبانِ محمدؐ کا

کہاں اے محمدؐ کے فدائی! تجھ کو مژدہ ہو!
زمانہ منتظر ہے پھر فدایانِ محمدؐ کا

یہ فرزندانِ ملت آج یہ کہتے ہوئے اٹھے
دبائے حق کو کوئی کیوں حق شناسانِ محمدؐ کا

پہلوانانِ دنیا لاکھ مرحب اور عنتر ہوں
کریں گے سامنا کب تک جوانانِ محمدؐ کا

روزنامہ احسان ۲ جنوری ۱۹۴۱ء۔ ٹائیٹل پورا صفحہ

تحریم زندگی صفحہ ۱، ۲ تا ۳، ۷

"اس قسم کے مقالات و مضامین بے شمار شائع ہوئے اور خدا خدا کرکے وہ دن آپہنچا جب ہمیں اپنی محنت کا ثمرہ مل گیا۔ اس کانفرنس کا پروگرام یہ تھا جو اخبارات میں شائع ہوا:-

یکم مارچ کو صبح ۸ بجے قائداعظم محمد علی جناح لاہور ریلوے سٹیشن پر پہنچیں گے۔ پاکستان کانفرنس کے سیشن کا مفصل پروگرام یہ ہے
یکم مارچ۔ صبح ۹ بجے قائداعظم اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں پرچم لہرائیں گے
مضامین سب کمیٹی کا اجلاس ۲½ بجے سے ۴½ بجے تک۔ پہلا کھلا اجلاس ۸ بجے سے ۱۱ بجے رات تک۔ تلاوت قرآن مجید۔ ترانہ ملی
خطبۂ استقبالیہ — خطبۂ صدارت
از عبدالحمید مرزا صدر ریسپشن — از قائداعظم صدر مسلم لیگ

"اعلان کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح یکم مارچ کو لاہور پہنچے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ایسا شاندار استقبال کبھی کسی لیڈر کا نہیں ہوا اور پیشہ پریس نے اخبارات میں یوں بیان دیا:-

"آج مسٹر محمد علی جناح فرنٹیئر ایکسپریس سے لاہور پہنچے۔ گاڑی لیٹ تھی اس لیے بے پناہ ہجوم کو جو ان کے استقبال کے لیے اسٹیشن کے اندر اور باہر موجود تھا بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا۔ اسٹیشن پر ہزاروں مسلمان نوجوان جھنڈے لیے موجود تھے۔ میاں عبدالحی وزیر تعلیم بھی اسٹیشن پر تھے۔ ہجوم کا اندازہ دس ہزار کے قریب ہوگا۔ گاڑی جونہی پلیٹ فارم پر پہنچی سارا اسٹیشن اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اسٹیشن سے مسٹر جناح اسلامیہ کالج کے میدان میں پہنچے جہاں انھوں نے مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا اور تقریر میں فرمایا:-

"میں تہِ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے عزت بخشی اور اس محبت اور جوش سے میرا استقبال کیا کہ مجھے سٹیشن سے باہر نکلنے کا راستہ بھی نہ ملا

سکا۔ مجھ سے اتنا پیار اور اتنا خلوص ہوا کہ مجھے حقیقی دروازہ سے نکلنا پڑا۔ سب پیار و محبت سہی لیکن تنظیم بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں کو تنظیم کی خاص ضرورت ہے۔ آپ نے مجھے یہ عزت بخشی ہے کہ میں لاہور میں مسلم لیگ کا جھنڈا بلند کروں مسلم لیگ نے تین سال میں آپ کو ایک پلیٹ فارم دیا ہے اور صرف ایک پلیٹ فارم ہی نہیں بلکہ ایک پروگرام دیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ہمارا مقصد لاہور ریزولیشن کو جسے عرف عام میں پاکستان کہتے ہیں حاصل کرنا ہے۔ مسلمانوں میں پاکستان کے لیے سب سے زیادہ جذبہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں سب سے زیادہ فائدہ پنجاب کے مسلمان کو ہی پہنچے گا۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے کام میں روڑے اٹکانے والے بھی موجود ہیں لیکن پاکستان کو اب کوئی انسان روک نہیں سکتا۔ مسلم لیگ کے جھنڈے نے مسلمانانِ ہند کا نام ساری دنیا میں بلند کر دیا ہے۔ آج سے تین سال پہلے مسلمانانِ ہند کو ہندوستان میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی لیکن آج مسٹر ایمری بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ۔۔

ساری تقریریں بڑی پُرجوش اور سچے اخلاص اور زندگی کا نمونہ تھیں اور وہ لوگ جنھوں نے اس کانفرنس میں شمولیت کی ان کا بیان ہے کہ اتنا مجمع اور اتنا عمدہ انتظام اسلامیہ کالج کی ساری تاریخ میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ میں کانفرنس کو دیکھ کر سجدہ شکرانہ میں گر گیا اور میری روح شاداں تھی کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت نے مجھے اس قابل کر دیا کہ میں پنجاب میں پاکستان کے لیے ایک نیا دور پیدا کرنے کا محرک بن سکوں۔

کانفرنس کی روئداد اور تقاریر کے چند اقتباسات جو اخبارات میں شائع ہوئے
"یکم مارچ کو پاکستان کانفرنس کا پہلا اجلاس قائداعظم کی صدارت میں ۹ بجے شروع ہوا پنڈال میں ۸۰ ہزار کا مجمع تھا۔

ا— خواتین بھی تھیں کے لیے الگ انتظام تھا۔ خاصی تعداد میں موجود تھیں۔
اسٹیج پر بیٹھے ہوئے معززین میں سے خان بہادر سعداللہ، نواب زادہ
لیاقت علی خان، چودھری خلیق الزماں، سر عبدالقادر، مس جناح، لیڈی
ہارون، ملک برکت علی، میاں بشیر احمد اور کئی دوسرے معززین موجود تھے
پنڈال میں لاؤڈ سپیکروں کا اعلیٰ انتظام تھا۔

اجلاس تلاوت قرآن عزیز سے شروع ہوا اس کے بعد نواب سعداللہ
کے صاحبزادوں نے ایک نظم بعنوان "اے رہبر مسلم! آزاد رہو مسلم" نہایت
خوش الحانی سے پڑھی۔ اس کے بعد میرزا عبدالحمید صدر پنجاب م۔س۔ف نے
خطبۂ استقبالیہ پڑھا جو حاضرین نے بہت پسند کیا۔ یہ خطبہ کل شائع ہو چکا ہے
اس کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح صدر منتخب نے یہ مختصر تقریر کی:۔

"میں تہہ دل سے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ارکان کا شکریہ ادا کرتا
ہوں کہ انہوں نے مجھے اس کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی۔ جب آپ کا
دعوت نامہ مجھے ملا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے اور آپ کے مابین ایک گہرا
رشتۂ اخوت ہے اس لیے میں نے دلی شکریے کے ساتھ آپ کی اس دعوت
کو قبول کر لیا۔ مجھے آپ کی دعوت سے صاف طور پر یہ حقیقت نظر آ گئی کہ
آپ اس کانفرنس سے پنجاب کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز کر رہے
ہیں۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ مسلم لیگ کی قرارداد لاہور بھی اسی شہر میں
۲۲ مارچ کو منظور ہوئی تھی اور آج آپ کی کانفرنس بھی یکم مارچ کو منعقد
ہو رہی ہے۔ میں آپ سے کہوں گا "مارچ آن" یعنی بڑھے چلو۔

میں نے کافی غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ آج اپنے خیالات
آپ کے سامنے رکھوں۔ آپ کی مضامین کمیٹی نے سب سے پہلا اور اہم
ریزولیشن مرتب کر لیا ہے۔ یہ ریزولیشن آپ کے سامنے پیش ہو رہا ہے
اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس قرارداد پر آزادانہ فیصلہ دیں۔ میں سمجھتا

شبہ ہو کہ اگر میں نے اس پر کوئی تقریر کی تو ممکن ہے میرے خیالات آپ کے فیصلہ پر اثر انداز ہوں، یہ بات مجھے پسند نہیں ہے۔ میرے خیالات سب کو معلوم ہیں اور میں بارہا ان کا اظہار کر چکا ہوں۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں یہ رسم ہے کہ اس ملک کے مقتدر رہنما ان یونیورسٹیوں کی مجالس میں جاتے ہیں اور بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے ہیں، لیکن طلبہ کے خیالات پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کرتے آج مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا مسلمان طلبہ کو سیاست میں عملی طور پر حصہ لینا چاہئیے؟ میں کہتا ہوں کہ پاکستان پر غور و فکر کرنا ان کا فرض ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ طلبہ عملی سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ طلبہ اس سوال پر غور کریں جس کا تعلق اس ملک سے ہے۔ اس نیا سے ہے، اتقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ میں کل صبح اپنا دل کھول کر آپ کے سامنے رکھ دوں گا اور یہ یقین رکھئیے کہ میں نے آپ کو بہت کچھ بتانا ہے۔"

"اس کے بعد مسٹر عبدالستار خان نیازی ایم۔اے نے پاکستان ریزولیشن پیش کرتے ہوئے پُر جوش تقریر کی۔ مرزا عبدالحمید نے ریزولیشن کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا نام ہے یہ ہمارے تمام امور پر حاوی ہے اس لیے ہمیں چاہئیے کہ اسلام کے قانون کے مطابق اپنا پروگرام تیار کریں۔"

مسٹر جناح کی اختتامی تقریر کے بعد ریزولیشن متفقہ طور پر پاس ہوا۔"

(اورینٹ پریس ۲ مارچ ۱۹۴۲ء)

۲۔۔۔ اسلامیہ کالج کی طالبات نے مسلم گرلز سٹوڈنٹس فیڈریشن کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا تو اس کے جواب میں مسٹر جناح نے جو تقریر کی اس کے بعض حصے یہ ہیں: "مسلمانوں نے متواتر تیس سال ہندو مسلم سمجھوتہ کے

بے کوشش کی لیکن یہ کوشش ناکام رہی اور اس ناکامی میں قدرت کا ہاتھ کارفرما تھا قدرت نہیں چاہتی تھی کہ ان دو قوموں میں جن میں کوئی چیز مشترک نہیں کوئی غیر فطری سمجھوتہ ہو اگر اس قسم کا کوئی سمجھوتہ ہوتا تو اس کا لازمی انجام ایک عبرت ناک تباہی ہوتا۔"

"بعض لوگ پاکستان کے لفظ سے عوام کو ڈراتے ہیں، حالانکہ ہر دیانتدار آدمی جانتا ہے کہ پاکستان سے ہماری کیا مراد ہے۔ یہ لوگ پاکستان کی سے عوام کو غلط فہمیاں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مجھے اس قسم کی شرارتوں سے خائف نہیں کیا جا سکتا۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ہر قیمت پر پاکستان کو حاصل کر کے رہوں گا۔ وہ مسلمان جو ابھی تک متذبذب ہیں اور جن کی حیثیت متزلزل ہے انہیں فوراً دو ٹوک فیصلہ کرنا چاہیے کہ انہیں کیا طرز عمل اختیار کرنا ہے۔ انہیں فوراً کسی نہ کسی طرف ہو جانا چاہیے۔ ہندوستان کبھی ایک ملک نہ تھا یہاں کبھی ایک قوم آباد نہیں رہی صرف جغرافیائی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ ثقافتی اعتبار سے اور سیاسی اعتبار سے بھی ہندوستان کبھی ایک ملک نہیں تھا۔ مغلوں نے یہاں طاقت کے زور سے حکومت کی ان کے بعد انگریز آئے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ انھوں نے اپنی حکومت تلوار اور مشین گن کے زور سے قائم رکھی ہے۔ آج انگریز یہ کہتا ہے کہ میں رضامندی سے حکومت سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اب یہ حکومت کس کے سپرد ہو؟ کیا ہندو اور مسلمان مشترکہ حکومت کریں؟ مسلمانوں نے پچیس سال تک سمجھوتے کی کوشش جاری رکھی۔ مگر یہ کوشش ناکام رہی اور اس کی ذمہ داری ہندو ذہنیت پر عائد ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ ہندو راج کے خواب دیکھتی رہی۔ قدرت یہی چاہتی ہے کہ اس قسم کا کوئی غیر فطری سمجھوتہ نہ ہو کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ تباہی ہوتا ہے۔ ہندو راج کا مقصد

مسلم تمدّن کی رُوح کچلنا ہے۔ ہندو کے ارادوں کا ثبوت اڑھائی سالہ کانگریسی عہدِ وزارت میں مل چکا ہے۔ اب چارۂ کار کیا ہے؟ ہندوستان کی مشترکہ حکومت ناممکن ہے میرے نزدیک ہمارے مسئلہ کا واحد حل تقسیم ہند ہے۔ مسلمان کو اُسی کے قومی وطن میں رہنے دو اُسے اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرنے دو۔ تم اپنے وطن میں حکومت کرو اس کے بعد ہم دوستانہ طریق پر ایک دوسرے سے تعاون کر سکتے ہیں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی چیز بھی بالاشتراک نہیں، نہ مذہب نہ تہذیب نہ فلسفہ۔ یہ دو مختلف قومیں ہیں اور ان کے مابین بنیادی اختلافات اتنے شدید ہیں کہ انہیں ایک قوم کہنا شدید غلطی ہے۔ دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کو کسی طرح ایک نہیں کہا جا سکتا اور ہندو قوم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ مغربی جمہوریت کے اصولوں کی بنا پر ملک میں اکثریت حاصل کر کے مسلمان قوم کے لیے قانون مرتب کرے۔ پاکستان کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ مسلسل جدوجہد کرو اور اس کے لیے دن رات کام کرو، اس وقت تک آرام نہ کرو، جب تک پاکستان قائم نہیں ہو جاتا اور اگر ضرورت پڑے تو پاکستان کے لیے مر جاؤ۔ ــــ قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے اپنی صدارتی تقریر میں جن الفاظ کے ساتھ ہمارے کام کا ذکر کیا وہ قابلِ غور ہے:۔

Ladies and Gentelmen,

In the first instance let me again thank you for the honour that you have done to me in asking me to preside over your deliberationi in this conference of the Punjab Muslim Students, Federation. As I said, I felt that it was a call from the kindred spirit and I was only too good to respond to that call. Next I have also watched your

organisation of this conference and your deliberations and let me most heartily congratulate you for the way in which you have organised this conference. (cheers) I also wish to convey, not only to the young men here, but to a large body of Muslims of Lahore and those who have come from different parts, that I really appreciate and feel happy that the Muslims in the Punjab are now awake, (cheers) and that there is a small band of young men who have tried very hard to organise this conference of the Punjab Muslim students, Federation. But, I think, those who have worked for it, those who have laboured for it, must have the fullest satisfactions that their labours have born the fruits and they are fully rewarded for their work. (cheers)

مسلم نوجوانوں کا ترانہ

آج یہ ہم اعلان کریں گے
حاصل پاکستان کریں گے
قائد اعظم گر فرمادیں
حق پہ جاں قرباں کریں گے

"روزنامہ احسان" نے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا:۔

"لاہور میں پاکستان کانفرنس کس قدر کامیاب رہی؟ جہاں تک اس سوال کا تعلق مسلمانوں سے ہے، ہمیں کہنے دیجئے کہ یہ کانفرنس مسلم لیگ کے گذشتہ آل انڈیا اجلاس سے بدرجہا بہتر اور موثر رہی اس کا اثر مسلمان بچے بچے پر ہوا اور جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے اس کانفرنس کی کامیابی نہایت ہی قابل اطمینان بلکہ قابل فخر ہے، یہ ہمارے نوجوانوں کا ہماری قوم پر احسان ہے کہ ان کی کوششوں سے اب تمام غلط فہمیاں قریب قریب دور ہو چکی ہیں جو غیر مسلم حلقوں میں موجود تھیں، اب بقول قائداعظم کسی ایماندار انسان کو تو ان اعتراضات کی جرأت نہیں رہی جو غلط فہمیوں کی بنا پر بلا سوچے سمجھے کیے جا رہے تھے البتہ کوئی شرارت کرے تو اسے خدا ہی سمجھا سکتا ہے جو اخبارات کل تک پاکستان کا نام لے کر ایسا بدکتے تھے کہ انھیں پرچانا مشکل تھا آج یہ کہتے نظر آتے ہیں: "مسلمانوں کے علاقوں میں ان کی آزاد حکومت ہو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔" (زیر بحث ۲۶ مارچ ۱۹۴۰ء)

(تحریکِ زندگی صفحہ ۷۳ تا ۸۱ - از راجا الحق)

"میں نے ہندوستان کے تمام قائدین کو زوردار خطوط لکھے قائداعظم کو صاف صاف لکھا کہ پنجاب میں غریب طلبہ اور تمام سرمایہ دار طاقتوں کی آویزش ہے، اب آپ کے خلوص کا امتحان ہے، وہ بڑے ہوشیار سیاستدان ہیں، انھوں نے ہماری حوصلہ افزائی مبہم الفاظ میں کی۔ وہ پنجاب کی فضا سے مطمئن نہ تھے ہماری رفتار کو گہری نگاہ عمل سے دیکھ رہے تھے انھوں نے سر سکندر کی پاس خاطر میں یہ خط لکھا:۔

(خط اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

Mount Pleasant Road,
Malabar Hill, Bombay,
20th January, 1941.

Dear Sir,

I am in receipt of your letter of the 15th instant and thank you for it.

I fully realise the importance of your conference but I am very sorry to say that I cannot possibly commit myself to participate in the conference which you are going to hold on the 15th and 16th of February in Lahore.

I would, however, advise you not to call it by the name of Pakistan conference, you can call it as you propose to do under the auspices of the provincial Muslim students, Federation, and then you will be at liberty to pass a resolution supporting the Lahore Resolution, of the all India Muslim league, popularly known as "Pakistan". I would further advise you to go ahead and hold the conference and if I can manage to attend it I will try and do so. I cannot explain to you the various commitments that I have already made. It is not that I do not consider the great importance of your province which is destined to play a very important part in moulding the future destiny of the Musalmans of this country; but there is no need to despair, we must have patience and move on determinately and steadily.

I am coming to Delhi, most probably, on or about the 10th of February, and if you and your co-organisers of the conference can conveniently come down to Delhi I will be very glad to see you all.

Your faithfully,
M. A. Jinnah

Abdull Hamid Mirza Esq.

جناب یوسف سلیم چشتی

اسی دوران میں جناب یوسف سلیم چشتی پرنسپل اشاعت اسلام کالج لاہور نے طلبا کی حوصلہ افزائی کے لیے کہا:-

"مخالفین کہتے ہیں کہ پاکستان ناممکن ہے ——— نوجوانوں کو میری نصیحت ہے، کہ وہ ان باتوں سے متاثر نہ ہوں، اپنے اندر یک نگاہی پیدا کریں پھر یہ چیز ناممکن نہیں رہے گی، تاریخ عالم شاہد ہے کہ اس صفت نے بارہا ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے ——— یک نگاہی وہ صفت ہے جو مُردوں کو زندہ کر سکتی ہے ——— ؎

مُردہ از یک نگاہی زندہ شو بگذر از بے مرکزی پائندہ شو

مسلمان نوجوانوں کو اس حقیقت سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ رہنا چاہیے۔ دس کروڑ اسلامیانِ ہند کا مستقبل صرف ان ہی کی جد و جہد پر منحصر ہے پہلے وہ اپنی خودی کا عرفان حاصل کریں، اس کے بعد آتشِ عشق میں بے خطر کود پڑیں انشاء اللہ وہ آگ ان کے لیے اور آئندہ نسلوں کے لیے گلزارِ ابراہیم بن جائے گی۔"

(یوسف سلیم چشتی ۱۰ جنوری ۱۹۴۱ء)

میں سمجھ گیا کہ قائد موصوف کو پنجاب کے لیگ لیڈروں کی عافیت کوشی کی وجہ سے کسی جرأت مندانہ اقدام کی امید نہیں ——— ہم کام کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ساری مخالف فضا کو ہمارے لیے یکسر بدل دیا ——— بے شمار مضامین، اعلانات، پوسٹر شائع ہوئے، میں ان دنوں رات کو ایک یا دو بجے سوتا اکثر مضامین اور اعلانات خود لکھتا عوام کے نفسیات کے مطابق ہر بات کا جائزہ لے کر اگلا قدم اٹھاتا سردیوں کے موسم میں ایک کمبل اوڑھے رات دن اسلامیہ کالج اور دفتر میں کام کرتا رہتا۔ ساتھی کہتے کہ یہ پھر

نہ ہو جائے۔ کام کے انداز کو سمجھنے کے لیے چند اقتباسات بطور نمونہ ضروری ہیں وہ ملاحظہ ہوں:-

۱۔ "پاکستان کے اعلان کو کم و بیش ایک سال کا عرصہ ہوا۔ اس قلیل ترین مہلت میں تمام اینٹی پاکستان عناصر متحد و منظم ہو گئے۔ انھوں نے اس حقیقت حقہ کے خلاف سرگرم کوششیں کیں۔ جلسے کیے جلوس نکالے کانفرنسیں منعقد کیں غرضیکہ ہر طرح سے مخالفت کی۔ اس کے برعکس پاکستان کے حامیوں نے بھی کچھ نہ کچھ کام کیا لیکن بے ربط و بے ضبط۔ مسلم اقلیت والے صوبوں میں پاکستان کے متعلق جلسے ہوئے کانفرنسیں ہوئیں پنجاب ابھی تک خواب خرگوش میں محو ہے۔ حالانکہ اسی صوبے سے "مرحوم" اقبال نے یہ تجویز پیش کی تھی اور مسلم لیگ نے اسے سرکاری رنگ دیا تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس "جمود" کو توڑنے کا سہرا طلبہ کے سر ہو۔ ہمارے عافیت کوش بزرگ دعاؤں اور مجاہد کارکن عملاً ہمارے ساتھ ہیں۔ معزز لیڈروں سے خط و کتابت جاری ہے۔ سکیم تیار ہے اور امید ہے کہ ہم عنقریب پروگرام اور تاریخوں کا اعلان شائع کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ اس سلسلہ میں تمام مسلم طلبہ کا فرض ہے کہ وہ فیڈریشن کے رکن بن کر مسلم دوستی کا ثبوت دیں۔ پ۔ م۔ س فیڈریشن کی لائل پور ڈسٹرکٹ برانچ "مسلم سٹوڈنٹس ایجوکیشنل کانفرنس" منعقد کر رہی ہے۔ خط و کتابت کے مراحل طے ہو چکے ہیں تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں وغیرہ وغیرہ۔" ۲۰ جنوری ۱۹۴۱ء

۲۔ — لاہور کی سرزمین کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ اس سے "اقبال" نے سب سے پہلے ۱۹۳۰ء میں الہ آباد کے خطبہ صدارت میں "مسلم انڈیا" سے اسلامیان ہند کو روشناس کرایا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں قائد اعظم نے پاکستان کی سکیم منظور کر کے جہان نو کے نقش اول کی طرح ڈال دی۔ اب ہمارا فرض ہے کہ منزل کو قریب تر لانے کے لیے بزرگوں کی رہنمائی کریں تاکہ علامہ مرحوم

کی یہ آرزو پوری ہو سکے

جوانوں کو پیروں کا استاد کر!

پاکستان کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان طلبہ بزرگوں کے اتحاد سے ملت کے تعمیر پاکستان کی بنیاد رکھ سکیں کیونکہ یہی طبقہ مستقبل میں ملک و ملت کی عنان تقدیر کا پاسبان ہوگا۔ اب آپ کے لیے صرف دو کام ہیں:۔

ا۔ تمام مسلم طلبہ جو جہاں ہو جائیں اور وہ جہاں جہاں بھی ہیں۔ اپنے حلقہ اثر میں اس کانفرنس کے لیے نمائندے منتخب کریں۔ ڈیلیگیٹ ٹکٹ منگوائیں اور لاہور آنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ب۔ لاہور کے تمام کالجوں کے غیور مسلم طلبہ اس مقصد جلیل کے شایان شان استقبالیہ کمیٹی بنائیں۔ ممبروں کی تعداد بڑھانے میں مستعدی سے کام لیں۔ مجلس استقبالیہ کے ٹکٹ تیار ہیں۔ استقبالیہ کمیٹی کی ممبری کا چندہ صرف ایک روپیہ ہوگا۔ مرکزی دفتر سے ہر قسم کی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔" ۱۵ جنوری ۱۹۴۱ء

مختلف وفود کی تشکیل ہوئی۔ لاہور، امرتسر، شیخوپورہ، سیالکوٹ، راولپنڈی وغیرہ کا دورہ کیا گیا۔ اس دورہ کے متعلق زور دار مضامین شائع ہوئے اور اطراف پنجاب و بیرون پنجاب سے ہمیں حوصلہ افزا خطوط موصول ہوئے مجھے ایک بار پھر تجربہ ہوا کہ عزم کامل اور خدا کا بھروسہ ہی دنیا میں کامیاب عمل کا اصل ہتھیار ہے۔

چند خطوط ملاحظہ کیجئے:۔

ا۔ "ہم پاکستان کانفرنس کے انعقاد کے لیے بے تاب تھے اس اعلان کو پڑھ کر یوں لگا کہ میرے جسم میں ایک پاؤ خون بڑھ گیا ہے۔"

(۱۸ جنوری ۱۹۴۱ء سیکرٹری مجلس پاکستان گمایہ)

ب۔۔۔ "میرا دل اور دماغ آپکے ساتھ ہے۔ میں کانفرنس میں شمولیت کی کوشش کروں گا۔ میری دُعا ہے کہ اللہ آپ کو کامیاب کرے اور مسلمان نوجوان ہندوستان کے مستقبل کی تعمیر کے معمار ہوں۔"

(فضل الحق وزیر اعظم بنگال۔ ۲ جنوری ۱۹۴۱ء)

ج۔۔۔ "اس جرأت آمیز اقدام پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ پنجاب کے مسلم طلبہ کی یہ جماعت زندہ اور متحرک ہے میں ضرور کانفرنس میں شامل ہوں گا۔"

(محمد نعمان وائس پریذیڈنٹ آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن)

د۔۔۔ "مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ آپ لوگ لاہور میں ایجوکیشنل کانفرنس کر رہے ہیں اور لاہور میں پاکستان کانفرنس ۔۔۔۔۔ میں ہر دو جگہ حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی ہو۔"

(سر عبداللہ ہارون کراچی۔ ایم ایل اے (سنٹرل))

ہ۔۔۔ "اس پُر آشوب زمانہ میں جبکہ دشمنانِ قوم و وطن اپنی تمام قوتوں سے پاکستان جیسی نظری تقسیم کے خلاف باطل، راتی اور دنیا رضائی سے طوفان بدتمیزی بپا کیے ہوئے ہیں، جہیں مجوزہ پاکستان کانفرنس کے انعقاد کی خبر سُن کر اور نوجوانانِ اسلام کا عزم بالجزم دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی۔"

(سردار اورنگ زیب خان (موجودہ وزیر اعظم صوبہ سرحد)

و۔۔۔ "اس فرض سے جناب مسلم لیگ بھی غافل تھی۔ مقام شکر ہے کہ نوجوانان قوم نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے پاکستان کے عین مرکز میں کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا۔" (مولانا عبدالحامد بدایونی ۔ چودھری خلیق الزمان)

پہلے لائل پور میں تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ۱۳۔ فروری ۱۹۴۱ء کے اخبارات میں یہ پروگرام شائع ہوا۔

"پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی تعلیمی کانفرنس ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہال

میں سر سیٹھ عبداللہ ہارون صدر سندھ پراونشل مسلم لیگ و ایم۔ ایل۔ اے (سنٹرل) منعقد ہوگی۔ ۱۵ فروری ایک بج کر ۴۵ منٹ پر صدر منتخب لاڑکانہ پہنچ رہے ہیں۔

۱۵ فروری ۱۹۴۱ء

۷½ بجے شام پہلا اجلاس

تلاوت قرآن عزیز۔ ارشاد اللہ تبسم
ترانۂ ملی۔ شیخ مقبول احمد
پیغامات۔ سیکرٹری
خطبۂ استقبالیہ۔ صدر مجلس استقبالیہ
نظم۔ خلیق قریشی
تقریر۔ حاجی رشید لطیف ایم۔ ایل۔ اے
ریزولیشن نمبر۔ اقبال احمد
تقریر۔ خان بہادر مولوی غلام محی الدین ایم۔ ایل۔ اے
تقریر۔ محمد نعمان زبیری علیگ
خطبۂ صدارت۔ سر عبداللہ ہارون

۱۶ فروری ۱۹۴۱ء

تلاوت قرآن عزیز
تقریر۔ عبدالحمید کمل پریذیڈنٹ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن
ریزولیشن۔ عبدالستار نیازی ایم۔ اے
موید۔ زیڈ اے ملک بی۔ اے
تقریر۔ ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب سیکرٹری اسلامیہ کالج لاہور
تقریر۔ مولانا علم الدین سالک ایم۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج
تقریر۔ سر شاہنواز صدر پنجاب مسلم لیگ
شکریہ۔ سیکرٹری

سر عبداللہ ہارون لاڑکانہ پہنچے تو اسٹیشن پر ان کا شاندار استقبال ہوا۔ ٹریبیون اور سول میں یونائیٹڈ پریس نے بیان بھیجا اور رپورٹ شائع کی۔ یہ کانفرنس بڑی کامیاب رہی۔ اورینٹ پریس کے نمائندے نے اخبارات میں مفصل کارروائی بھیجی۔ اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:-

"د۔ م۔ پ فیڈریشن کا اجلاس لاڑکانہ میں منعقد ہوا۔ یہ اجلاس بڑا کامیاب رہا۔ صدر محترم نے اپنے خطبہ میں کہا:-

"اے عزیز طلبہ! آپ یاد رکھیں کہ یہ آپ کی تعلیم تب ہی گوارا کی جا سکتی

ہے جبکہ آپ کالج میں اپنے تئیں اس ضروری سامان سے لیس کرلینے کے لیے جائیں جس سے آپ نہ صرف اپنی اور اپنے والدین کی مدد حفاظت اور خدمت کے قابل ہو جائیں بلکہ اپنی قوم کے تمام لوگوں کی مدد حفاظت اور خدمت کرسکیں۔ آپ کا منتہائے مقصود عیش و آرام کی ایک ناکارہ زندگی نہیں بلکہ تکالیف سے پُر ایک ایسی جدوجہد کی زندگی ہونا چاہیئے جس سے آپ اپنی قوم کو باقی دنیا کی نظروں میں باوقار اور سربلند کرسکیں آپ اس مقصد کو بڑی آسانی سے پورا کرسکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ آپ عہد کریں کہ دفتروں میں کلرک نہ بنیں گے اور نہ نئے ایوان تعمیر کرنا آپ کا مقصد ہوگا بلکہ آپ اسلام کے ایسے سپاہی ہوں گے جو اپنی قوم کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے زندہ رہیں گے اور قوم ہی کے لیے مریں گے۔"

دوسرے اجلاس میں مرزا عبدالحمید بیگ صدر م۔ س۔ فیڈریشن نے جامع اور بسیط تقریر میں عامۃ المسلمین سے اپیل کی کہ وہ قرآن عزیز کو اپنی زندگی کا خضرِ راہ بنائیں۔ آپ نے پاکستان سکیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کا تصور ہمارے ذہن میں وہ نہیں۔ جو دوسری قومیں لے رہی ہیں۔ ہم مسلم قوم کے لیے ایک زندہ مرکز چاہتے ہیں جو اس کے حصول نصب العین کے لیے ہادی نشان بن سکے۔ اس پاکستان میں خدا کی مخلوق پر ظلم و جبر نہ ہوگا بلکہ وہ بھائیوں کی طرح رہ سکیں گے آخر میں آپ نے قرارداد بھی پیش کی۔ (زمیندار ۱۹ فروری ۱۹۴۳ء)

(از قوم زندگی)

اب آپ وہ خطبہ استقبالیہ پاکستان کانفرنس جو جناب عبدالحمید مرزا صدر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے دیا جو کہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:-

(خطبہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

خطبۂ استقبالیہ پاکستان کانفرنس

"قائدِ اعظم، بزرگانِ ملت، بھائیو اور بہنو!

"میں اراکین مجلس استقبالیہ اور تمام مسلمانانِ لاہور کی طرف سے آپ حضرات کو خلوصِ قلب سے خوش آمدید کہتا ہوں جنھوں نے فیڈریشن کی دعوت پر اس "تاریخی شہر" میں تشریف لانے کی تکلیف گوارا کی اور اس طرح نوجوانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تمام ارکان تہ دل سے آپ کے شکر گزار ہیں۔

"تاریخی شہر:۔ حضرات! نوجوانوں کا یہ اجلاس ایسے شہر میں منعقد ہو رہا ہے جو عرصہ دراز تک مسلمانانِ ہند کی عظمت کا آئینہ دار رہا ہے اگر ایک طرف اس کی آغوش میں سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان نورالدین جہانگیرؒ جیسے بادشاہ خوابِ شیریں کے مزے لے رہے ہیں تو دوسری طرف اسی سرزمین میں حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت میاں میرؒ جیسے روحانی بادشاہ بھی آرام فرما ہیں۔ ایک طرف مسجد وزیر خان، شاہی مسجد اور قلعہ کی عمارات مسلمانوں کی گذشتہ عظمت کی یاد دلا رہی ہیں تو دوسری طرف چراغ دودہ عبدالصمدؒ شرف النساء کا مقبرہ مسلمانوں کے سیاسی زوال پر آنسو بہا رہا ہے۔

مردِ قلندر:۔ اسی شہر میں مسجد عالمگیری کے سائے میں وہ مرد قلندرؒ بھی میٹھی نیند سو رہا ہے، جو ساری عمر ملت کے غم میں مصروفِ فغاں رہا۔ جس کی نوائے صبحگاہی نے ہزارہا مسلمانوں کا جگر خون کر دیا جس نے صدہا مسلمانوں کو عشق کی لذت سے آشنا کیا جس کی بشری بصیرت نے ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کا اہتمام کر دیا۔

اسلامی قومیت:۔ حضرات! دورِ حاضر میں جیسا کہ اربابِ علم سے

مخفی نہیں، تمام مغربی اقوام میکیاولی کے پیش کردہ نظریہ وطنیت پر عامل ہیں جس کی رُو سے آدمی، وطن پرستی کے بغیر، درندہ بن جاتا ہے آدمیت فنا ہو جاتی ہے، صرف قومیں باقی رہ جاتی ہیں اور ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا بن جاتا ہے ؎

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

اس کے برخلاف اسلام جو قانونِ فطرت ہے، عالمگیر مساوات کا پیغام دیتا ہے۔ آدمیت کا احترام کرنا سکھاتا ہے۔ اس نے نسل، وطن، رنگ، زبان قوم اور قبیلے کے بتوں کی پاش پاش کر دیا اور تمام امتیازات کو جو ان امور کی بنا پر پیدا ہو سکتے ہیں مٹا دیا۔ اس تخریب کے بعد اس نے عقلی بنیادوں پر قومیت کی تعمیر کی جو شخص قرآن مجید کو دستورِ حیات تسلیم کرے، وہ ایک قوم کا فرد ہے اور جو انکار کرے وہ دوسری قوم کا فرد ہے۔ اس طرح اس نے دنیا کے لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا مومن اور کافر۔ پس تمام مسلمان خواہ وہ کسی ملک، کسی وطن، کسی رنگ اور کسی قبیلہ سے کیوں تعلق نہ رکھتے ہوں، ایک قوم ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں "انما المومنون اخوۃ"۔ ایدریں صورت، صاف صاف ظاہر ہے کہ مغربی نظریۂ قومیت جس کی رُو سے قوم کی بنیاد وطن ہے اسلامی نظریۂ قومیت کی ضد ہے جس کی رُو سے قوم کی بنیاد مذہب ہے اور اس لیے یہ نظریہ کسی مسلمان کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

کلمۂ توحید:۔ اس توحید کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں کم از کم دو قومیں آباد ہیں، ایک مسلمان جن کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے اور دوسری شق میں وہ تمام افراد داخل ہیں جو وطن کو قومیت قرار دیتے ہیں۔

ہندو اکثریت:۔ کانگریس نے وطنی نظریۂ قومیت کو اس لیے قبول کیا کہ اوّلاً ہندوؤں کو اس نظریہ کے تسلیم کرنے میں کوئی مذہبی دشواری پیش نہیں آسکتی، ان کا مذہب صرف نجات اُخروی کا ضامن ہے موجودہ زندگی اور اس کے لواحق سے کوئی غرض نہیں رکھتا۔ میکیاولی کا نظریۂ ہندوؤں کے معاشرتی نظام سے متصادم نہیں ہوتا کیونکہ ہندو دھرم نے انھیں کوئی ایسی چیز دی ہی نہیں۔

ثانیاً اس نظریہ کی رُو سے کہ ایک ملک میں جس قدر باشندے ہیں بربنائے اشتراکِ وطن، سب ایک قوم ہیں، ایک وحدانی طرز کی حکومت قائم ہوسکتی ہے جس میں اصولِ جمہوریت کی رُو سے، حکومت دراصل اکثریت کے ہاتھ میں ہوگی اور چونکہ ہندو کھلی ہوئی اکثریت میں ہیں، اس لیے حکومت بہرحال انہی کی ہوگی، خواہ حکمران پارٹی سناتنی ہو یا آریہ سماجی، سرمایہ دار ہو یا کاشت کار، گاندھوی ہو یا نہروائی، کانگریسی ہو یا مہاسبھائی اور اس طرح ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو آئینی اقلیت کا درجہ دے کر دائمی غلامی میں مبتلا کرکے محمود غزنوی تک کے زمانے کا انتقام لیا جا سکتا ہے۔

حکومت برطانیہ:۔ اب رہی حکومت برطانیہ وہ بھی ایک ملک اور ایک قوم کے نظریہ کی حامی اس لیے ہے کہ وطنیت کا عقیدہ لوگوں کو مذہب سے بیگانہ بنا دیتا ہے۔ وہ خدا کی بجائے وطن کو معبود قرار دیتے ہیں اور انگریز کی سب سے بڑی خواہش یہی تو ہے کہ مسلمان اپنے مذہب سے بیگانہ ہو جائے۔ اسی لیے اس کی سیاست نے اس مردم خیز خطہ میں وطنی نبوت کا انتظام کر دیا۔ تاکہ مسلمانوں کو مدینہ منورہ جانے کی ضرورت باقی نہ رہے اور عالمگیر

اخوت اسلامی کا احساس فنا ہو جائے اور اس طرح ان کی ہمدردیاں ہندوستان کے حدود اربعہ میں محدود ہو جائیں، اور جب مذہب کا جوش سرد پڑ جائے تو جہاد آسانی منسوخ کرایا جا سکتا ہے۔

علاوہ بریں وحدانی طرز حکومت کی رو سے ہندوستان میں صرف دو طاقتیں مسلم ہوں گی ایک انگریز دوسری ہندو، اور یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے مفاد کو مد نظر رکھ کر معاہدات کر سکیں گے اور اقلیتوں کو یا نظر انداز کر دیا جائے گا یا بھینٹ چڑھا دیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ دو تین سال ہوئے پنڈت جواہر لعل نہرو نے ایک بیان میں لکھا تھا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں، ایک انگریز دوسری کانگرس (ہندو) ہندوستان اور مسلمان! اس نظریہ وطنیت کا دوسرا نتیجہ ہے۔ کہ وطن کو مذہب پر مقدم رکھا جائے۔ چنانچہ کانگرس اور ہندوؤں کا مسلک یہ ہے کہ وطن کو مذہب پر مقدم رکھنا چاہیے، اسلام بقول علامہ اقبال خود تقدیر ہے، لہٰذا اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا مذہب ایک مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اس لیے وہ اول بھی مسلمان ہے اور آخر بھی مسلمان ہے اور چونکہ اس کی ساری زندگی مذہب کے تحت ہے اس لیے اس کی سیاست، اس کے مذہب سے جدا نہیں ہو سکتی، مذہبی اصول کی طرح وہ اپنی سیاست کے اصول بھی قرآن مجید ہی سے حاصل کرتا ہے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اسے دنیا کے تمام سیاسی مفکرین کی دریوزہ گری سے بے نیاز اور مستغنی کر سکتی ہے۔

وزیر ہند کا مشورہ:۔ مسٹر ایمری وزیر ہند نے جو پچھلے دنوں ہندوستانیوں کو یہ تلقین کی تھی کہ ہندوستان کو مقدم رکھیں، اس کی تہ میں یہی راز مضمر ہے کہ مسلمان بھی وطن کو مذہب پر مقدم رکھنے کا

اسلامی نظریہ قبول کریں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علامہ اقبالؒ کی بروقت رہنمائی نے اب انھیں اس قدر بصیرت عطا کر دی ہے کہ اب نہ وہ ساحروں کے طلسم میں گرفتار ہو سکتے ہیں نہ ساحر مندوں کے افسوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ گمراہ کن نظریۂ قومیت و وطنیت اس غیر اسلامی نظریۂ قومیت و وطنیت کا تیسرا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ مذہب انسان کا نجی معاملہ ہے اس لیے وہ اس کی سیاسی معاشرتی اور اقتصادی زندگی پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اسلام جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں محض ایک اخلاقی نصب العین ہی نہیں ہے بلکہ مکمل دستورِ حیات ہے وہ بنی آدم کو صرف عقائد مذہبی کی ہی تلقین نہیں کرتا بلکہ نظام معاشرت بھی عطا کرتا ہے اس لیے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے ہمہ گیر اقتدار سے آزاد نہیں ہو سکتا اور کوئی مسلمان اپنی زندگی کو دو یا اس سے زیادہ طبقات میں منقسم نہیں کر سکتا یعنی یہ کہ ایک طبقہ مذہب کے زیر اثر ہو اور دیگر طبقات کسی دوسرے دستورالعمل کے ماتحت، اسلام نے انسانی زندگی کو ایک ناقابل تقسیم وحدت قرار دیا ہے پس کانگرسی مسلمانوں کا یہ قول کہ مذہب اور اخلاق کو اسلام کے تحت اور سیاست اور معیشت کو وطنیت کے تحت رکھا جائے سراسر غیر اسلامی اور گمراہ کن ہے، بلکہ یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اصحاب اسلام کی حقیقت ہی سے ناواقف ہیں۔

اسلام اور قومیت پرستی:- اسلام کسی قسم کی ثنویت کو برداشت نہیں کر سکتا اور چونکہ وہ ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا دوسرا نام ہے اس لیے ہر وہ نظام جو غیر اسلامی ہے۔ لازمی طور پر اس کے نظام سے متصادم ہوگا اور ایک مسلمان کے لیے ناممکن ہے کہ وہ ان دونوں کو بیک وقت قبول کر سکے اسے ایک کو اختیار اور دوسرے کو ترک کرنا پڑے گا۔

جس طرح یہ ناممکن ہے کہ ایک نازی جماعت کا فرد، بیک وقت نازی بھی اور اشتراکی بھی یا جمہوریت نواز بھی ہو اور فاشسٹی بھی، اسی طرح یہ بات بھی ناممکن ہے بلکہ ناقابل تصور ہے کہ ایک مسلمان مسلمان بھی ہو اور اشتراکی بھی مسلمان بھی ہو اور قوم پرست بھی۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے یہ غلطی خوردہ بھائی جس قدر جلد اس منطقی تضاد سے دامن چھڑا سکیں اسی قدر بہتر ہے جس طرح ایک انسان بیک وقت دو متضاد سمتوں میں جانے والی گاڑیوں پر سوار نہیں ہو سکتا اسی طرح ایک مسلمان بھی بیک وقت مسلمان اور قوم پرست نہیں ہو سکتا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ جب ایک مسلمان اپنے مذہب کی رو سے مامور ہے کہ:-

۱- قومیت کی بنیاد، مذہب کو قرار دے؛ کہ وطن یا نسل یا رنگ یا زبان کو۔

۲- پہلے بھی مسلمان ہو، درمیان بھی مسلمان ہو اور آخر میں بھی مسلمان ہو۔

۳- مذہب کو وطن پر مقدم رکھے اور اگر اس کا وطن اس کے مذہب سے متصادم ہو تو وہ اس وطن کو پائے حقارت سے ٹھکرا دے اور ارض اللہ واسعۃ کو مدنظر رکھ کر کسی دوسرے خطہ کو اپنا وطن بنائے۔

۴- مذہب کو محض چند عقائد یا رسوم کا مجموعہ یا انسان کا ایک نجی معاملہ نہ سمجھے، بلکہ اپنی زندگی کا سرچشمہ یقین کرے۔

۵- مذہب اور سیاست، دین اور دنیا، روح اور مادہ میں کوئی تفریق نہ کرے۔ مسلمان دنیا کی کسی دوسری قوم کے ساتھ مل کر متحدہ قومیت نہیں بنا سکتا اور نہ قرآن مجید کے علاوہ اور کسی نظام فکر، ضابطہ اخلاق، یا طریق حیات کو قبول کر سکتا ہے۔

جُداگانہ قوم:۔ لہٰذا ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان ایک جُداگانہ قوم ہیں جن کا کلچر معیشت، معاشرت اور نظریہ حیات سب کچھ اس قدر اختلاف کی دُوسری قوموں سے مختلف اور جُداگانہ ہیں اس لیے ان کی ثقافتی اور اخلاقی نشوونما صرف اس صُورت میں ممکن ہے کہ انھیں سیاسی اور اقتصادی آزادی کے علاوہ کلچرل یا تمدنی (ثقافتی آزادی) بھی حاصل ہو، جہاں وہ قرآن مجید کے قرآنی نظام کو نافذ کر سکیں۔

کانگریسی کریڈ۔ کانگریسی نظام اور کانگریسی حکومت یہ تینوں چونکہ غیر اسلامی ہیں اس لیے ان کی انفرادی اور ملّی ہستی کے لیے ویسی ہی تباہ کُن ہیں جیسی برطانوی حکومت۔

ہندو مسلم اتحاد:۔ حضرات! مسلمان رہنماؤں نے اپنی روایتی فراخدلی کے زیرِ اثر ہندوؤں سے اشتراکِ عمل اور اتحاد کرکے بھی دیکھ لیا مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا۔ مسلمانوں نے کانگریس میں شامل ہو کر اس ملک کے لیے جو ایثار کیا اس کا صلہ انھیں شُدھی اور سنگٹھن کی تحریک اور نہرو رپورٹ کی شکل میں دیا گیا اس رپورٹ کے مقصد کو واضح کرنے کے لیے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جنّت آشیانی کا یہ مختصر تبصرہ بہت کافی ہے۔

خلقت خدا کی، ملک انگریز کا، حکم ہندو مہا سبھا بہادر کا۔

مردِ خود آگاہ:۔ حضرات یہ حالات تھے جب اللہ تعالیٰ نے ایک مردِ آگاہ کو چشمِ بصیرت اور حقیقی معرفت عطا کر دی اور وہ ہند میں عزّتِ ملّت کا نگہبان بن گیا۔ اس نے ان تمام خطرات کا جائزہ لے کر مسلمانانِ ہند کے لیے ۱۹۴۰ء میں "نسخہ کیمیا" تجویز کر دیا جس میں ان کے ہر درد کا علاج موجود ہے۔ جو ان کی کامیابی کا ضامن ہے جس سے ان کو دُنیا میں دوبارہ عزّت حاصل ہو سکتی ہے۔

"The units of Indian Society" Iqbal stated in his memorable presidential address, "are not territorial as in European countries. India is a continent of human groups, belonging to different races, speaking different languages. Their behaviour is not at all determined be a common race consciousness. Even the Hindus do not form a homogeneous group. The principal of European democracy cannot be applied to India without recognising the fact of communal groups. The Muslim demand for the creation of a Muslim India within India is, therefore perfectly justified. I would like to see the Punjab, N. W. F. P., Sindh and Baluchistan amalgamated into a single state, Self Government within the British Empire or without the British Empire the formation of a consolidated N. W. India Muslim State appears to me to be the final destiny of the Muslim at least of the N. W. India."

حضرات!

یہ ہے وہ نظریہ جسے حکیم الامت نے ۱۹۳۰ء میں پیش کیا تھا اور بالآخر ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں قائد اعظم محمد علی جناح نے بدیں الفاظ اس پر مہر توثیق ثبت کر دی۔

جناب شیخ انور علی قریشی انور غازی آبادی جو اب ہجرت کے بعد ۱۹ ایچ چیمبرلین روڈ لاہور میں قیام رکھتے ہیں ان کی وہ نظم جو انھوں نے ۱۹۴۲ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان کانفرنس لاہور اور ۱۹۴۳ء میں جالندھر کانفرنس میں پڑھی ملاحظہ فرمائیں:-

نظم

(۱)

کل مشورے ہوئے یہ شیدوں کی انجمن میں
چھوڑو نہ جان باقی اسلامیوں کے تن میں

یہ خار سے کھٹکتے ہیں ہند کے چمن میں
بس آگ سی لگی ہے سُن کر یہ تن بدن میں
ہم نے کہا شری جی کیا سوچتے ہو من میں
یہ چاند وُہ نہیں ہے آجائے جو گہن میں

(۲)

بادِ خزاں کے جھونکے گو بار بار آئیں
سَو بار آزمایا سَو بار آزمائیں
قوت کو صرف کردیں زور اپنا سب لگائیں
اسلام کا چمن تر سہتا ہے سب ہوائیں
اس کو خزاں نہیں ہے مہکے گا یہ چمن میں
یہ چاند وُہ نہیں ہے آجائے جو گہن میں

(۳)

اے آسماں جفا جُو اپنا نکال ارماں
تجھ کو قسم ستم کی خالی کر اپنا پیکاں
اور یاد رکھ کہ آخر ہو گا تو ہی پریشاں
اسلام کا مٹانا ہرگز نہیں ہے آساں
چمکے گا یہ تو اُور تاروں کی انجمن میں
یہ چاند وُہ نہیں ہے آجائے گہن میں

پاکستان :- سکیم الاقتث کے نظریہ کو عرف عام میں "پاکستان" کہا جاتا ہے اور اب مسلم لیگ نے بھی سہولت کی غرض سے اسی لفظ کو سرکاری حیثیت دے دی ہے۔ فی الجملہ پاکستان سکیم کا مقصد یہ ہے کہ جب مسلمان

ایک جداگانہ قوم ہیں تو وہ اس ملک میں حکومت کا اسی قدر حق رکھتے ہیں جس قدر ہندو اور چونکہ (CONSTITUENT ASSEMBLY) میں وہ ہمیشہ اقلیت میں رہیں گے۔ اسی لیے دراصل جمہوری حکومت میں ہندو راج ہوگا پس انصاف کا تقاضا یہ ہے اور مسلمانوں کی زندگی کی صورت بھی یہی ہے کہ اس براعظم کے جن جن علاقوں میں وہ اکثریت میں ہیں وہاں ان کی حکومت ہو اور جہاں جہاں ہندو اکثریت میں ہیں وہ حکمرانی کریں۔

یہ نظریہ جس قدر عادلانہ اور فراخدلانہ ہے ہندو سیاست کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی لیکن برادرانِ وطن چونکہ ہندوستان کو ایک دیوی سمجھتے ہیں اس لیے لفظ تقسیم (PARTITION) کو قطع اعضاء (VIVISECTION) سے تعبیر کرتے ہیں اور اُن کے انداز فغاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آج مسلمان کسی جاندار کو ذبح کرنا چاہتے ہیں، کاش انھیں معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان محض تودۂ خاک ہے نہ کہ دیوی یا ماتا یا معبود اور اگر اس ملک کو کاندھوی اصطلاح میں ذی روح سمجھ لیا جائے تو بھی اسلام کی راہ میں اس کی تقسیم ناجائز نہیں ہے اس حقیقت کو پھر سمجھ لیجئے کہ اسلام ایک زندہ قوت کا نام ہے اور وہ صاحبِ قوت ہے جس کی زلزلہ ساماں اور انقلاب آفرینیوں نے اقوام عالم میں ہیجان پیدا کر دیا، وہ قوم جو مسلمان کے نام سے ہندوستان میں آباد ہے، اُس نے بھی اپنی حفاظت کے لیے اس قوت کو سمجھنے اور ایک ہی نشان کو مرکز قرار دے کر خلافت ربانی کا اہل بننے کی تیاری کا اعلان کر دیا ہے۔ مسلمان نسل، رنگ، قومیت اور وطنیت کی کشمکش سے نکلنا چاہتا ہے، وہ اپنی فطرت یعنی اسلام کو اپنی زندگی کا اصلی اصول قرار دینے کے لیے بے تاب ہے، ایسا مسلمان کبھی بھی خطرناک نہیں ہو سکتا جیسا

اقوام کے لیے ہوّا نہیں بن سکتا، وہ انصاف اور عدل کے ساتھ ہر قوم کی
قوم کے جائز حقوق کا حامی اور ہمسایوں کے لیے سراپا رحمت ہوگا،
اس لیے برادرانِ وطن کو ٹھنڈے دل سے غور کرکے "مسلمان" کے اس
فطری حق کے حصول میں مدد کرنی چاہیے تاکہ دنیا میں امن و سلامتی کا دور
دورہ ہو خطرہ ہوں کے آنسو پونچھے جائیں۔ میں پاکستان کے مشہور نظریوں
کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا اس کا تعلق عملی سیاسیات سے ہے
اور مشوڈ مس کانفرنس کا مقصد اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنا نہیں
بلکہ مسلم طلبہ کو متحد کرکے سچا مسلمان بننے کی جماعتی شاہراہ پر ڈالنا ہے،
اصولی طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم مسلمان اور صرف مسلمان ہیں
ہمارا جینا، مرنا اور ہمارا ہر قدم اس لیے اٹھتا ہے کہ بحیثیت مسلمان
اس مقصدِ اعلیٰ کو حاصل کریں جس کے لیے اسلام کو عرش سے فرش پر
اترنے کی زحمت دی گئی جس کے لیے مسلم قوم کو پردۂ خفا سے منصۂ ظہور
میں لایا گیا جس کے لیے "جہاد و قتال" کا فریضہ عائد کیا گیا جس کی جدّوجہد
کی صلاحیتیں پیدا کرنے کی خاطر روزوں کی مشقتیں فرض کی گئیں جس کے
ساتھ ساتھ اصلاحِ نفس اور رجوع الی اللہ کا ضمیمہ اس لیے لگایا
گیا کہ وہ ان صلاحیتوں میں روحانی رنگینیاں اور ربانی کیفیتیں شامل
کرسکیں۔

خلافتِ ربانی:۔ اللہ تعالیٰ نے اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً
جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ کہہ کر ہمیشہ کے لیے فیصلہ کردیا کہ حکومت
صرف اللہ کے لیے ہے، انسانیت کے لیے صرف نیابت ہے حکومت نہیں،
انسانیت اگر حکومت کا دعویٰ کرے تو یہ بغاوت ہوگی حاکم فقط اللہ ہے
انسان فقط خلیفۂ حاکم اور نائب حاکم ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے   حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

حکومت ربانی کا نام اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ اگر مجازی یا ظلی طور پر بھی انسانیت کے لیے حکومت کا حق مان لیا جائے تو وہ ایسی حکومت ہونی چاہیے۔ جو حکومت ربی کا نمونہ ہو اس کا دستور، دستورِ حق ہو اور اس کا مرکز مرکزِ حق لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم یہی ہے کہ خدا کی تمام مخلوق اللہ کے حکم کے مطابق صرف اسی کے سامنے سر جھکائے، نظامِ ملت اللہ کے قانون کے سانچے میں ڈھلا ہو، خدا کے احکام کی بجا آوری تمام بنی نوع انسان کی بہبودی اور خدمتِ خلق کا عالمگیر نظامِ حکومت اسلام کا آخری نصب العین ہے اسی کو امر اللہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہی امر اللہ کا سارا نچوڑ اور مطمحِ نظر و مرکز ہے، یہی چیز ہے جو کچھ سے قرآن میں پھیلی ہوئی ہے لا الٰہ الا اللہ اپنی گہرائیوں میں اسی حقیقت کو لیے ہوئے ہے اسی امر اللہ کو عملی صورت دینے کے لیے محمد الرسول اللہ مبعوث ہوئے اور اسی کی تکمیل کے لیے اُمتِ اسلامی کی تخلیق ہوئی آج مسلمان طالب علم پھر اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے بے تاب ہیں ان کے دل میں ایک آنے والے انقلاب کی خوابیدہ آرزوئیں کروٹیں لے رہی ہیں۔ زندگی نام ہے آرزو کا! آرزو جس قدر زندہ ہو زندگی اتنی ہی تابندہ ہوتی ہے آج ہم اس تابندگی کے نظارہ کے لیے بے تاب ہیں؎

خلوت کی گھڑی گزری جلوت کی گھڑی آئی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر

حضرات! چونکہ اس پاکستان سکیم کی رُو سے ہندو راج کے منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں اس لیے ہندوؤں کی طرف سے اس کی مخالفت یقینی ہے اور قدرتی لیکن ہمیں افسوس ہے اُن مسلمانوں پر جو ہندوؤں کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنی رسوائی کا سامان مہیا کر رہے ہے۔ مثال کے طور پر جب گذشتہ کرسمس میں قائد اعظم

بمبئی، کراچی اور احمد آباد میں اپنی تقاریر میں یہ اعلان کیا کہ مسلمان اس ملک میں ایسی حکومت کے لیے کوشاں ہیں، جہاں وہ اسلامی قانون نافذ کر سکیں تو قومیت پرست مسلمانوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی اور اس اعلان کے جواب میں ان بزرگوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ مسلمانوں کے لیے بہت کچھ سامانِ عبرت رکھتا ہے!

بنگال کے مولوی سید حبیب الرحمن صاحب گوہر افشانی فرماتے ہیں: "ہندوستان میں کسی اکثریت یا اقلیت کی حکومت نہ ہوگی بلکہ اس کی زمامِ حکومت ایسے ہندو اور مسلمان محبانِ وطن کے ہاتھوں میں ہوگی جو صرف مسلمانوں ہی کا اعتماد رکھتے ہوں گے بلکہ انہیں ہندو اور دوسری جماعتوں کا بھی اعتماد حاصل ہوگا..... مسٹر جناح اور ان کے ہم خیال سخت مغالطہ میں ہوں گے۔ اگر وہ یہ سمجھیں کہ کانگرس مجلس احرار، بنگال پرجا پارٹی، جمعیۃ العلماء یا جمعیۃ المومن مسٹر جناح سے کسی طرح بھی مسلمانوں کے کم خیر خواہ ہیں۔

غرض وقت کا تقاضا ہے کہ تمام قومیت پرست مسلمان لیڈر جنہیں ہندوستانی مسلمانوں کی راہنمائی کا فطری حق حاصل ہے آگے بڑھیں اور ہندوؤں کے ساتھ ایک ایسا سیاسی معاہدہ کریں جس سے مسٹر جناح اور ان کے ہمنواؤں کی یا تو اصلاح ہو جائے یا خاتمہ ہو جائے"!

ہندوستان ٹائمز ۱۲ ۱/۴ ؁

حضرات! دیکھا آپ نے ان قوم پرست مسلمانوں کو مسٹر جناح کی طرف سے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ کہیں مسٹر جناح اور ان کے ہمنوا ہندوستان کے کسی گوشہ میں ایسی حکومت نہ قائم کر دیں جس میں شریعت اسلامیہ کے قوانین نافذ ہو سکیں، اس لیے یہ مسلمان کفار سے رشتۂ مودت استوار کر رہے ہیں تاکہ ہندوؤں کی مدد سے

مسلمانوں کا خاتمہ کیا جا سکے ؎

الاماں از روحِ جعفر الاماں

الاماں از جعفران الاماں

اللہ اللہ! کیا رنگ انقلاب ہے کہ وہ لوگ جن کی عمریں قرآن و حدیث کی تفسیریں لکھنے میں صرف ہوئیں آج کفار کے ساتھ مل کر غیر اسلامی طرز کی حکومت کے قیام میں ساعی ہیں اور مغربی تمدن کا پجاری سر زمین سومنات کا باشندہ عربی زبان سے بے بہرہ اور جبہ و عمامہ سے بیگانہ "ولایت پاس" ایک بیرسٹر آج اس بت کدہ میں اقبال کے خواب کی تعبیر کے لیے کوشاں ہے اور اسلامی حکومت کے قیام کا علمبردار ہے

ع پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

حضرات! معترضین کا اس جلیل القدر مجاہد ملت کو یہ کہنا کہ پاکستان سکیم اسلام کے خلاف ہے درحقیقت قانونِ حق سے بے خبر اور عمل میں بے پرواہ ہونے کی دلیل ہے۔ کیا یہ اعلان کرنا کہ اسلامی حکومت کا قیام اسلام کے خلاف ہے بدیہی طور پر ظاہر نہیں کرتا کہ ایسے لوگوں کا ایمان اللہ کے قانون کی پابندی نہیں بلکہ غیروں کی مجاز سے اسلام کی تشریح کرنا ہے۔ ورنہ پیامِ حق تو پکار پکار کر کہہ رہا ہے اِن الحکم الا للہ یاد رکھو! حکومت کا حق صرف اللہ کو ہے اور مومن حق جب اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو وہ کسی انسان کا غلام نہیں رہ سکتا، اس کے تمام اغلال اور سلاسل جو بالا دست انسانوں نے زیر دست انسانوں کی گردن میں مختلف نام دے کر ڈال رکھے ہیں، ایک ایک کر کے اتر جاتے ہیں اور وہ بندۂ خدا ایک کھلی فضا میں طمانیت کا سانس لیتا ہے اور سر اونچا کر کے محسوس کرتا ہے کہ ؎

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام   نے غلام او را نہ او کس را غلام

رسم و راہ دین و آئینش ز حق
زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق

حضرات! مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا یہ اجلاس مسلم طلبہ کی جماعتی حیات میں ویسا ہی شہ نشان (LAND MARK) ہے جیسا کہ لاہور کا اجلاس مسلم لیگ عظیم الشان شہ نشان تھا۔ ضرورت ہے کہ اس شہ نشان کو حوصلوں کی بلندیوں، اور پہاڑیوں کی بلندیوں سے ایک مدت تک نظر آتا رہے گا۔ بلند تر کرنے کے اسباب پیدا کیے جائیں ضرورت ہے کہ ہمارا ہر نوجوان بھائی اور ہر نوجوان بہن اس نشان کو دیکھ کر اپنی راہ تلاش کرے۔ مجھے کہنے دیجیے کہ ہم اسلام کی گودیوں میں پلے ہوئے وہ نوجوان ہیں جن کی تقدیر فرش نشینی نہیں ہمارا اصل مقام عرش ہے ہماری تقدیر کرسی نشینی نہیں ہم اس لیے تعلیم حاصل نہیں کرتے کہ بنگلہ اور کوٹھی میں مقیم ہو کر مانگی ہوئی کرسی پر مطمئن ہو جائیں بلکہ ہمارا دل خدا کا گھر اور ہمارا منتہا وصالِ حق ہے ۔

خدا کا گھر نہ رکھا دل کو بنگلوں میں مکین ہو کر
بھلایا عرش کو اس قوم نے کرسی نشین ہو کر

بھائیو! آؤ مدنی آقا کی محبت سے سرشار ہو کر وہ ایمان پیدا کریں جس کی بجلیاں بادلوں میں کپکپی پیدا کر دیں۔ ذوقِ یقین اعضا کو مستعد، ارادوں کو بلند اور حوصلوں کو کوہ شکن بنا دے۔ ہمارے بوڑھے جرنیل کے ایمان نے ہندوستان کے مستقبل کو حیرت انگیز جھلک دی ہے اس نے دنیا بھر کی گالیاں سن کر اپنوں اور بیگانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آنے والی نسل کے لیے وہ شاہراہ پیدا کر دی ہے جس پر چل کر منزل تک پہنچنا اب ہمارا کام ہے۔

دوستو! اس منزل تک پہنچنے کے لیے ایمان اور یقین پیدا کرو!

ایمان کیا ہے یہ ایک نسبتی اور اضافی چیز ہے ایمان کی ابتدا اور انتہا نہیں ایمان ازلی اور ابدی خاصیت ہے۔ ایمان ایک بحر بیکراں اور پہنائے بے پایاں ہے اس منزل کے مسافر کے لیے آسمان کی رفعت اور سمندر کی وسعت کچھ نہیں، بڑے سے بڑا عزم اور بلند سے بلند حوصلہ جو مردِ مومن اپنے لیے تجویز کرتا ہے اسلام کے تخلیقِ تضاد و تحدید کے سمندر میں ایک تل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مردِ مومن کے سامنے پہاڑ پانی کی طرح بہہ جاتے ہیں، سمندر اچھل کر خشک ہو جاتے ہیں، گہرائیاں اور خندقیں لاشوں سے پاٹ دی جاتی ہیں، ہاتھیوں کی قطاریں گاجر مولی کی طرح کٹ جاتی ہیں بظاہر بیکس اور بے بس انسان اس خطرناک ہتھیار (ایمان) سے مسلح ہو کر خدا کی خدائی اور زمین و آسمان کی ملکوت کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اور پھر حیران ہوتا ہے کہ ابھی اور بلندیاں باقی ہیں۔

جماعتی قوت! اے میرے رفیقانِ کار! میں مانتا ہوں مسلمان طالب علم اس وقت تک جماعتی قوت سے ناآشنا رہا خود مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن اپنوں اور بیگانوں کی جفاکاریوں کی وجہ سے ایک قوت کی حیثیت میں کچھ نہ کر سکی لیکن اس غالب خدا نے اپنی غائبانہ مدد سے میری کمزور آواز کو قوت دی میرے بہادر اور نشۂ عشق سے سرشار ساتھیوں نے دن رات ایک کر کے اپنا آرام برباد کر کے دیوانوں کی طرح بے چین رہ کر مجھے رسوائی سے بچا لیا اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت پنجاب کے مسلم طلبا میں ایک مقناطیسی روح کام کر رہی ہے۔ میں اس سال تعلیمی دور کے آخری کنارے پر ہوں میرے اکثر پرجوش ساتھی جنھیں میں محبت سے ریوالے کہہ کر خوش ہوتا ہوں۔ تعلیمی دور ختم کر رہے ہیں لیکن جاتے ہوئے ہماری خواہش ہے کہ مسلمان

طلبہ اور مسلمان طالبات کے لیے ایک نیا ولولہ، نیا ذوق یقین، نیا ایمان دیں۔ اس دورِ ظلمت میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا از سرِ نو غلام بنانے کے لیے، وقت کے تقاضے پورا کرنا لیکن عمل کے لحاظ سے نیا اسلام پیدا کریں۔ پھر عقابی روح منزل کی بلندیوں تک خود بھی پہنچے اور ہماری جگہ لینے والے بھائیوں کے لیے بھی راستہ صاف ہو جائے۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

بھائیو اور بہنو! تمہارے سامنے ایک وسیع اور فراخ نصب العین ہے اس کی منزل حدِ افق سے ہزاروں میل دور ہے۔ اگر تھوڑا اور خوشی خوشی نیا سا ان سفر باندھ کر چلو جب تک مسافر میں ذوقِ عمل نہ رہے منزلیں کب طے ہو سکتی ہیں، پہاڑ کب پانی کی طرح بہہ سکتے ہیں، ایمان کا نور دلوں میں جلا اور حوصلوں میں تموج کب پیدا کر سکتا ہے۔ شجاع اور غیور مومن کا شیوۂ عاشقی یہ ہے کہ عشق کی منزل کا سراغ نہ ملے اور وصل کی تڑپ بدستور باقی رہے، وہ منزل کی تڑپ میں تڑپ تڑپ کر مرے اور اس کے رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے کے لیے ایک جہان انگیز اجتماع سامنے ہو۔ عشق کے بھڑکے دہکتے ہوئے انگاروں کی سوز میں پروانوں کے پر جلیں، دل اچھل اچھل کر حلق کو آئیں کشتگانِ محبت کی قطاریں بکھری ہوئی ہوں لیکن مومنِ حق کی زبان سے آہ بھی نکلے تو صرف یہ لا الٰہ الا اللہ! وہ اگر مرے تو ایک پوری قوم کو زندہ کر کے مرے۔ اس کی موت کے اندر حیات کا کھلا راز موجود ہو!

غربت:- میں جانتا ہوں تم مسلمان طالب علم غریب ہو، تمہارے امرا اور بزرگ اس طرح تمہاری حوصلہ افزائی نہیں کرتے جیسے برادرانِ وطن کر رہے ہیں، یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری مشکلات بہت بڑی ہیں،

لیکن مجھے یقین ہے کہ تمہارا عزم کامل ابھی تک کمزور نہیں ہوا۔ تم میں مدتی آقا کی غلامی نے حوصلہ کی شکست پیدا نہیں ہونے دی۔ تمہارا جسم کمزور ہے۔ مگر اس کے رگ و ریشہ میں خدا پر یقین کی فولاد موجود ہے اس میں ایمان کی ریت کے سنگ ریزے موجود ہیں۔ رسول کریمؐ کی محبت کا نیا خون ہے۔ فتح و ظفر کی چلبلاہٹ کی نئی اُٹھان ہے۔ آؤ حرکت اور عمل کا نیا دور شروع کر دیں۔ ہماری تمام انگڑائیاں اور لمبی لمبی جمائیاں ہرن ہو جائیں۔ ہم جھٹ اپنے آپ کو ایک نئے اور حیات انگیز ماحول میں دیکھیں۔ نیا آسمان۔ نئی زمین اور پاکستان کا نیا تخیل ہمارے سامنے موجود ہے۔ بدلا ہوا قائداعظم ایک نئے جنون کے ساتھ اپنی زندگی کا پیغام عظیم دے رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ کی رُوح آج خوش ہے کہ جوانوں کو پیروں کا اُستاد کر ـــــ کا سماں پیدا ہو رہا ہے۔ ہمیں اس نئے ماحول میں نیا عزم اور نیا حوصلہ پیدا کرنا ہے نئے ولولے نئی لگن اور اس کی نرالی چمک پیدا کرنی ہے۔ ہم پھر اُٹھیں گے اور دُنیا کو پھر حیران کر دیں گے، اب وقت آ گیا ہے کہ گلستانِ اندلس کی بہار قرطبہ کی سنگین محرابوں پر چلنے والی نہریں، الزہرا کا عظیم الشان محل مراکش کی وادیاں، قاہرہ کے مینار، دجلہ و فرات کی لہریں، گنگا و جمنا کے کنارے بحیرۂ روم کی موجیں۔ لال قلعہ کی عظمت، تاج محل کی سطوت، سندھ کے بیابان، مہاراشٹر کے کوہستان اور عرب کے ریگستان زبانِ حال سے از سرِ نو اسلام کی عظمت کی یاد تازہ کر دیں۔

پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن:۔ مجھے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے متعلق بھی کچھ کہنا ہے طالب علموں کی یہ تنظیم اصولی طور پر وہ جائز کی سیاست سے جو انگریز اور ہندو کے ارتقائی دور کی مرہونِ منت ہے بالکل الگ اور خالص تعلیمی اور اسلامی حدود تک محدود ہے۔

لیکن ہمارے بزرگوں کے جمود و تعطل نے ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ کہ کانگریس کی ستیہ گرہی خوغا آرائی کے مقابلہ میں ہم اپنے نظام کو مستحکم کریں، ہم کماحقہ طور پر آگے بڑھیں، دلفریب ناموں اور نمائشی انقلابی نعروں کے جال سے ملت اسلامیہ کے نونہالوں کو ان کے نصب العین سے آگاہ کرتے ہوئے بچائیں۔ علامہ اقبالؒ کی تعلیمات کو عام کرتے ہوئے ان نقب لگانے والوں کا پردہ چاک کر دیں جو اس تجدد وقت کا نام لے کر مسلمان کو بتان آذری کا پرستار بنانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

ایک مرکز:۔ میں یہاں یہ اعلان کر دینا نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ پنجاب میں مسلمان طالب علموں کی صرف ایک مرکزی جماعت ہے اور اس کا نام دی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ہے اس کا تعلق آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ساتھ ہے یہی وہ واحد نظام ہے جس کے ساتھ سارے ہندوستان کے مسلم طلبہ وابستہ ہیں۔ اس کے سوا جو طرح بھی ڈالی گئی یا ڈالی جائے گی وہ اعتزال اور تفریق کے سوا کچھ نہیں۔ میں حیران ہوں کہ ایسی راہیں نکالنے والے احباب کا ہمدمی ٹولی۔ سوشلزم اور آزادی کے اس تخیل کو چھوڑ کر جو انہیں مادر وطن کے چرنوں میں زمین بوس کر رہا تھا جیسے یک لخت اقبالؒ کی تعلیمات کے دلدادہ ہو گئے وہی اقبالؒ جس نے اس دیش بھگتی کے مہاتماؤں کو تار و پود بکھیرا جس نے بڑے بڑے علاموں۔ دھوتیوں اور حریت کے نمائشی نعروں سے متاثر نہ ہوتے ہوئے لا الٰہ الا اللہ کی ضرب کاری سے طلسم باطل کو توڑا۔ میں مسلمان طالب علموں کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان طالب علموں کا دائرہ عمل صرف یہ ہے کہ وہ تعلیمی حیثیت میں اسلامی کلچر کو خود سمجھیں اور اپنے مستقبل کے لیے قرآن عزیز کو لائحہ عمل قرار دیں۔ پروفیسروں اور تعلیمی اداروں کے افسران کو نصاب تعلیم کے تبدیل کرنے اور باقی تعلیمی ضرورتوں

کے لیے منظم کام کرنا طلبہ کا کام نہیں ، یہ اُن کا اپنا کام ہے۔ طلبہ ان کے پروگرام کو نافذ کر سکتے ہیں ، ایسے اساتذہ یقیناً ہمارے لیے کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کر سکتے جو خود ان گتھیوں کو نہ سلجھا سکیں بلکہ ہمارے مشوروں کے محتاج ہوں پھر وہ پروفیسر جو غیر اسلامی کالجوں میں اسلامی نام رکھ کر مسلمانوں کی نمائندگی اور یہ کہہ کر کہ نعوذ باللہ اسلام کے سب سے بڑے علمبردار دورِ حاضر میں گاندھی اور نہرو ہیں۔ نہیں بلکہ گاندھی جو دوسروں کی کا پیغمبر ہے انصاب تعلیم میں کیا اسلامی رنگ پیدا کر سکتے ہیں۔

سٹڈی سرکلز:۔ ایک نہایت ضروری چیز ہے لیکن بے جا بات تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو جو نام کے لحاظ سے نگار خانوں میں سٹڈی سرکل کے نام سے جمع کرنا جہاں قرآن عزیز کے قانونِ عصمت اور دستورِ حیا کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا جائے کہ دورِ حاضرہ میں پردہ اور اسلامی تصورِ زنا گھناؤنے تاریک کی یادگار ہیں اشتراکیت کے اصولِ اباحت کو جائز قرار دیتے ہوئے ایسے سٹڈی سرکل درحقیقت علمبرداران اشتراکیت کا وہ حربہ ہیں جس سے سادہ لوح نوجوانوں کے اخلاق و ایمان پر ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے۔

ہمارے پاس ان اُمور کے قطعی دلائل موجود ہیں کہ اشتراکیت نے جہاں بھی قدم جمائے وہاں یہی طریق اختیار کیا گیا کہ محبوب ناموں اور نظر فریب پروگراموں کی آڑ لے کر اپنے زہریلے جراثیم پھیلائے اور جب وہ پلیگ کی صورت اختیار کر گئے تو اس کے بعد ملتِ اسلامیہ کے گلے پر اس کے اپنے فرزندوں کے ہاتھوں چھری چلائی گئی۔ میں تمام غیور مسلمان پروفیسروں ، اساتذہ اور طلبہ سے اپیل کروں گا کہ وہ کسی نام سے فریب نہ کھائیں قرآن عزیز اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام کو سامنے رکھیں ، اپنی ذمہ داری کو سمجھیں ، ان کے تمام استعمال کے

اگر مسلمان نوجوانوں کے دین و ایمان کو برباد کیا گیا تو اس کی ذمہ داری بہر حال ان پر ہے۔ مسلمان کی نجات قرآن عزیز سے وابستہ ہے۔ ضرورت ہے کہ قرآن عزیز کی تعلیم کے سٹڈی سرکل قائم ہوں۔ مسجدوں، اسلامی درسگاہوں اور اسلامی مراکز میں اسلامی تعلیمات کے لیے ادارے قائم کیے جائیں۔ مسلمان کی نجات صرف قرآن عزیز سے وابستہ ہے۔ مسلمان کا حاکم صرف خدا ہے۔ اور اس کا آخری انسانی سہارا آقائے نامدار سرور کونین فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

مجھے یہ کہنے میں بے انتہا مسرت ہے کہ آج ہم نے ان تمام سنہری زنجیروں کو توڑ دیا ہے۔ ہمارے سامنے ایک روشن مستقبل ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ بکھرے ہوئے موتی ایک سلک میں منسلک ہو جائیں ہمیں اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کے استحکام کے لیے خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کل جب قوم کے بوڑھے سپاہی میدان سے رخصت ہوں تو ہم گلستانِ ملت کے صحیح پاسبان بن سکیں۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ علامہ اقبالؒ کی یہ دعا قبول ہو رہی ہے ؎

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

ہمارا شاندار مستقبل:۔ نوجوان طالب علمو! تم قوم کا سرمایۂ حیات ہو! آؤ خوابِ صبر و سکون اور اطمینان کے اس خیر آباد و ویرانے کو چھوڑ دو۔ دل گرم، نگاہ پاک بجان بے تاب کے ساتھ ساتھ مشرب ناب تمہارا پروگرام حیات بن جائے، تمہارے لیے نیا آسمان اور نئی زمین منتظر ہے تم اس زمین میں چاند اور سورج بن کر چمکو گے اور ان

دیکھے دیکھے ستاروں اور سیپ کی روشنیوں کو جن کا تیل ختم ہو رہا ہے، مات کر دو گے، ہو سکتا ہے کہ لوگ مجھ پر پھبتیں اور میری اس خواب کو مجذوب کی بڑ قرار دیں لیکن وہ نکتہ چیں اور فریب عقل کے دام اسیر کے شش نہیں !

عشق اور جنون کی کتاب میں "ناممکن" کا لفظ نہیں لکھا گیا یہاں کوئی شے مشکل نہیں، کوئی امر محال نہیں، انسانوں نے اپنے جنوں کی ٹے میں آسمانوں پر کمندیں اور ستاروں پر جال ڈالے ہیں۔ مومن حق اس کائنات جہاں میں صرف خدا سے کمتر مخلوق ہے۔ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اس سے برتر مخلوق اس جہان سعی و عمل میں نظر نہیں آتی مومن کے شایان شان نہیں کہ اس برِ اعظم میں جسے ہندوستان کہتے ہیں، اپنی میراث بھول جائے ؎

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

اب صاحب لولاک بننے کی تیاریاں ہیں پاکستان ہماری پہلی منزل ہے قدم اٹھ چکا ہے اس راہ میں لا حزن ولا خوف کا مرکب ہمارا عالم ہے، اب نہ تو مکر و فریب ڈرا سکتے ہیں نہ دھمکیاں پیچھے ہٹا سکتی ہیں، نہ بیوفائیاں اور کج ادائیاں ارادوں کو متزلزل کر سکتی ہیں نہ موت ہمارے اس مقصودِ عظمیٰ کے درمیان حائل ہو سکتی ہے، ہمارے تمام ذاتی مقاصد اس بلند مقصد کے سامنے ہیچ ہیں۔ اگر ہم میں سے ایک کے بعد دوسرے کو موت للکار رہی ہے تو ہماری زبان سے جو آخری الفاظ نکلیں گے وہ یہ ہوں گے:۔

"اے زندہ رہنے والے دوستو! آگے بڑھو، خدا کے لایزال تمہاری کوششوں میں برکت دے اور تمہارے ہاتھ پر فتح ہو" مجھے یقین ہے کہ

صوبہ پنجاب کے طلبہ اور طالبات اسلام کی اس تقدیر کے زندہ نشان بن کر رہیں گے کہ صاحب لولاک ﷺ بننے کے لیے جب بھی وہ میدان عمل میں آئیں گے تو قرآن عزیز کا جھنڈا لہراتے ہوئے جاں بحق ہوں گے، صدہا جان دیں گے۔ تو ان کی جگہ ہزاروں کھڑے ہوتے جائیں گے، قانون حق کے احکام کے جذبات کبھی نہ مریں گے اور آزادئ اسلام کی اُمنگیں کبھی نہ ٹھنڈی ہوں گی اے پاک رُوح محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیرے لائے ہوئے اٹل اور غیر فانی قانون کے عشق میں ہم جان دیں گے۔ تو مرتے وقت بھی یہی الفاظ زبان پر جاری رہیں گے۔

لك حبّی وفؤادی لك حیاتی ووجودی
لك دمی ونفسی لك عقلی ولسانی
لك قلبی وجنانی فانت الحیاة ولا حیاة الا بك

تو میری محبت اور میرا دل تیرے لیے ہے میری زندگی اور میرا وجود تیرے لیے ہے میرا خون اور میری جان تیرے لیے ہے بس تو ہی میری زندگی ہے اور اے نشانِ محبوب! تیرے بغیر میری زندگی کچھ نہیں ہے!!

میں طول کلامی کی معافی چاہتا ہوں۔ ع لذیذ بود حکایت دراز ترگفتم! قائد اعظم اور جملہ محترم مہمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ؎

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلمان کو تلوار کر دے

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین
والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

فرمودات قائدِاعظمؒ

مسلم یونیورسٹی

۶ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں خطاب فرماتے ہوئے قائدِاعظمؒ نے فرمایا:۔

"دو سال ہوئے میں نے شملہ میں کہا کہ ہندوستان کے لیے پارلیمانی جمہوری نظام حکومت غیر موزوں ہے۔ اس پر کانگریسی اخبارات نے میرے خلاف طعن و تشنیع سے کام لیا اور مجھے بتایا گیا کہ تم اسلام کو نقصان پہنچانے کے مجرم ہو کیونکہ وہ جمہوریت کی تلقین کرتا ہے۔ مگر جہاں تک مجھے اسلام کا علم ہے وہ ایسی جمہوریت کی وکالت نہیں کرتا جو غیر مسلم اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے۔ ہم کوئی ایسا نظام حکومت قبول نہیں کر سکتے جس کی رو سے ایک غیر مسلم اکثریت محض تعداد کی بنا پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے۔"

سٹوڈنٹس یونین دہلی

قائدِاعظمؒ نومبر ۱۹۴۰ء میں عربک کالج سٹوڈنٹس یونین دہلی میں خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حضرات! مسلمانوں کو اپنا آلۂ کار بنانے کے لیے کانگریسی لیڈر اخبارات میں اکثر اوقات بیانات شائع کرتے ہیں مگر ان سے ان کو کوئی مدد نہ ملے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مسٹر جناح کو یا مسلم لیگ کے کسی اور نامزد شخص کو حکومتِ ہند کا وزیرِاعظم بنانے کے لیے تیار ہیں۔ مسلمان چاہیں تو تمام اختیارات پر قابض ہو جائیں۔ ہمیں ان کی خواہش نہیں۔ ہم بر طانوی

حکومت کی بجائے مسلم حکومت قبول کرنے کو تیار ہیں۔"

حضرات! آپ ہی بتائیے کہ اس بیان پر کوئی ہوشمند آدمی جس کے دماغ میں عقل و تمیز کا شمّہ بھی ہو یقین کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ مسلمان بالغ ہو گئے ہیں، سیانے ہو گئے ہیں۔ ان میں آج سے تین برس پہلے کی بہ نسبت فرق آگیا ہے۔ کامل فرق، بنیادی فرق، زمین و آسمان کا فرق اور مجھے یقین ہے ایسا ہی یقین جیسا اس وقت اپنے زندہ ہونے کا آج سے پانچ برس بعد یہ فرق اور بھی بڑھ جائے گا۔"

کانپور کا اجلاس

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانپور کے اجلاس ۳۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"کانگریس نوجوانانِ اسلام کو ایک مدت تک یہ کہہ کر دھوکہ دیتی رہی ہے کہ وہ ایک قومی انجمن ہے اور ملک کی آزادی کے لیے لڑ رہی ہے۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ کانگریس ایک قومی ادارہ نہیں ہے۔ وہ ایک فاسستی مجلس منتظمی (فاسسٹ گرینڈ کونسل) ہے اور ایک ایسے آمر کے دستِ قدرت میں ہے جو چار آنے چندہ دینے والا رکن بھی نہیں۔ اب مسلم لیگ نے کانگریس کی فریب کاریوں کا راز افشا کر دیا ہے۔ جب سے مسٹر گاندھی کانگریس میں آگئے ہیں اس میں روحانیت کا ایک ایسا عنصر شامل ہو گیا ہے جو حال ہی پیدا کر رہا ہے۔ مسٹر گاندھی کی آمریت نے یہ حقیقت کھول کر رکھ دی ہے کہ کانگریس محض اور فقط ہندوؤں کا ایک فرقہ وارانہ ادارہ ہے مگر مسٹر گاندھی ہٹ دھرمی سے اس امر پر اصرار کیے جاتے ہیں کہ کانگریس سارے ہندوستان کی زبان ہے نہ کہ وہ صرف ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے اور پھر ان میں سے بھی سب کی نمائندگی نہیں کرتی۔"

مسلم یونیورسٹی

مسلم یونیورسٹی یونین کے اجلاس ۵ فروری ۱۹۳۸ء میں ایک ایمان پرور اور حیات آور پیغام دیتے ہوئے فرمایا:-

"لیگ نے مسلمانوں کو ان کے رجعت پسند عناصر سے رہائی دلوائی ہے اور ایسی رائے کی تخلیق کر دی ہے۔ کہ وہ لوگ جو خود غرضی سے اپنے ذاتی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے تھے قومی غدار ہیں لیگ نے آپ کو مولویوں اور ملاؤں کے ناکارہ عناصر سے بھی رہا کر دیا ہے میں مولوی کی جانب من حیث الجماعت اشارہ نہیں کر رہا ان میں بعض مخلص ہیں اور محبان وطن گروہ کا ایک طبقہ بڑا ہے۔ میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ برطانوی حکومت، کانگریس، رجعت پسند مسلمانوں اور مولوی و ملا ان چاروں سے رہائی پانے کے بعد اب آپ فرقہ وارانہ قید و بند سے چھڑائیں۔ یہ قطعاً ضروری ہے اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم اہل مغرب کی نقالی کریں اور بیہودگیاں اور خرابیاں اختیار کریں ہرگز نہیں۔ میرا مقصد ہے کہ ہماری مستورات ہماری زندگی میں نہ صرف معاشرتی بلکہ سیاسی لحاظ سے بھی حصہ لیں۔"

آگے چل کر:-

"مجھے یقین ہے اور آپ میری تائید کریں گے کہ کانگریس کی حکمت عملی مسلمانوں میں تقسیم و تفریق پیدا کرتا ہے۔ یہ وہی پرانی برطانوی تدبیر ترکیب ہے۔ کانگریس والے اپنے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتے ہیں میری اس بات کو دل میں جگہ دیجئے کہ اگر آپ مسلمانوں کے مابین کامل اتحاد پیدا نہ کریں گے جا ہے اس کی قیمت کتنی بھی اور کیسی ہی کیوں نہ دینی پڑے تو مسلمان تباہ و برباد ہو جائیں گے جیسے اپنا گھر دا ہوا گھر رہتا جائے۔ اگر

آپ کارکنان لیگ کی مدد کریں تو ہم یہ بگڑی خاطر خواہ طور پر بنا سکیں گے۔"

وفاق مسلم طلبا پنجاب

۲ مارچ ۱۹۴۱ء "وفاق مسلم طلبا پنجاب" کے سامنے قرارداد لاہور (پاکستان) کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"میں کوئی مولوی ہوں نہ مولانا، اور نہ مجھے یہ دعا ہے کہ میں علوم دینیات کا فاضل اجل ہوں، لیکن مجھے اپنے عقائد کا تھوڑا بہت علم ضرور ہے اور میں اپنے عقیدے میں راسخ الاعتقاد ضرور ہوں، خدا کے لیے یہ بتا دو کہ قرارداد لاہور کو اسلام دشمنی سے کیا تعلق ہے؟ کیوں آخر یہ اسلام کے منافی ہے؟"

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

۲ نومبر ۱۹۴۱ء مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں تقریر ارشاد فرمائی اور بتایا کہ ہندو لیڈر تصور پاکستان کے خلاف کیا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:۔

خواتین و حضرات! ہندو لیڈر کیا کہتے ہیں؟ میں ایک سابقہ کانگریسی وزیر بمبئی مسٹر منشی کی ایک تقریر سے صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ "مجوزہ پاکستان کے ماتحت ریاست ایک ملکی حکومت نہ ہوگی، اور نہ ایک ایسی مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ ہوگی جس میں تمام فرقوں کے نمائندے موجود ہوں بلکہ ایک دینی حکومت ہوگی جس نے ایک خاص مذہب کے احکام کے مطابق حکومت کرنے کا عہد کیا ہوگا اور اس طرح ان تمام لوگوں کو جو اس دین کے معتقد نہ ہوں حکومت میں حصہ نہ ملے گا۔ چنانچہ مسلمانوں کی دینی حکومت کے ماتحت ایک کروڑ تیرہ لاکھ

ہندوؤں اور سکھوں کو اقلیت کی حیثیت حاصل ہوگی۔ پنجاب میں ان ہندوؤں اور سکھوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا اور پھر سارے ہندوستان میں یہ ایک کروڑ تیرہ لاکھ انسان اجنبی قرار پائیں گے۔"

خواتین و حضرات! آپ ہی بتائیے کہ یہ بیان ہندوؤں اور سکھوں کو اکسانے کی کوشش نہیں کر سکتا؟ ان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ ایک دینی ریاست ہوگی اور تھیاکریسی جس میں آپ کو کوئی اختیار حکومت حاصل نہ ہوگا۔ مسٹر گاندھی غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں غیر مسلموں سے اچھوتوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اچھوت ان کے صرف مذہب اور ان کے فلسفے میں داخل ہے۔ مسلمانوں کے ہاں یہ بات نہیں۔ اسلام ان غیر مسلموں کے حق میں اور اس کی حفاظت میں بہترین طریق رہا ہے۔ انصاف کا، مساوات کا اور رواداری اور تعصب کا، بلکہ فیاضی کا بھی، یہ لوگ ہمارے بھائی ہوں گے اور ریاست کے شہری سمجھے جائیں گے۔" (نعرہ تحسین) (از ارشادات جناح صفحہ ۱۷۳)

پنجاب پراونشل مسلم لیگ

قائداعظمؒ کی اُس تقریر کا ایک اقتباس جو آپ نے پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے اجلاس ۱۸ نومبر ۱۹۴۲ء کو لائل پور میں ارشاد فرمائی:۔

"حضرات! میں بہت خوش ہوں کہ اب پنجاب کے تمام مسلمان مسلم لیگ کے معین و مددگار ہیں۔ مجھے اہل دیہات کی غربت اور افلاس دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے۔ میں نے دوران سفر میں جب ریلوے سٹیشنوں پر پنجاب کے دیہاتی مسلمانوں کے گروہ دیکھے تو مجھے ان کی غربت نے بے حد مشوش کیا۔ میرے خیال میں حکومت پاکستان کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ ان لوگوں کا معیار زندگی بلند کرے اور ان کو لطف حیات سے شاد کام ہونے کے لیے سامان بہم پہنچائے۔"

(از ارشادات جناح صفحہ ۱۸۰)

دہلی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن

قائداعظمؒ کی اُس تقریر کا ایک اقتباس جو آپ نے بمقام دہلی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی پہلی کانفرنس کی رسم افتتاح کے موقع پر ۱۹۴۰ء نومبر کو ارشاد فرمائی :-

"امر واقعہ یہ ہے کہ کانگریس ہندوستان کی حکومت تو چاہتی ہے مگر برطانوی تلواروں کے زیرِ سایہ کانگریس حاکمانہ اختیار کی طلب گار ہے مگر دوسرے فرقوں پر جبر کرنے کے لیے۔ آج کل کانگریس خود برطانوی حکومت کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ اپنے اختیارات اس کے حوالے کر دے۔ کانگریس طرح طرح کے حیلوں سے حکومت کو خوف زدہ کرنا چاہتی ہے اور اس طریق سے مطلب براری کے در پے ہے۔ حکومت اس دھوکہ سے آگاہ ہے۔ ہم بھی باخبر ہیں مگر حکومت کو یہ حوصلہ نہیں کہ مسلمانوں کو کانگریس یا ہندوؤں کے رحم پر چھوڑ دے اگر وہ ایسا کرے گی تو بُری طرح پچھتائے گی۔"

(ارشاداتِ جناح صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳)

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل

قائداعظمؒ کی وہ تقریر جو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ایک اجلاس میں ۲۵ فروری ۱۹۴۰ء کو ارشاد فرمائی۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے :-

"ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کے لیے مسٹر گاندھی نے جو کوششیں ۱۹۲۵ء سے اس وقت تک کی ہیں ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ کبھی تو ان کو روشنی نظر آتی ہے اور کبھی اندھیرا چھا جاتا ہے مگر مسئلہ کی اصلیت کبھی دکھائی نہیں دیتی وہ کہتے ہیں کہ اتحاد مابین ہندو مسلم کے

لیے لیگ کو لازم ہے کہ ہندو مہاسبھا کے ساتھ مذاکرات کرے۔ میں پوچھتا ہوں کہ پھر کانگریس کس کی نمائندہ جماعت ہے؟
کیا مسلمانوں کی بھی؟ میں کانگریس اور مسٹر گاندھی کو کہوں گا کہ وہ اس امر کا کامل احساس کر لیں کہ مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں بلکہ ایک ممتاز قوم۔ اس کے خلاف کانگریس جو کہتی ہے غلط ہے۔ ایک فریب ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو مطیع بنانا ہے تاکہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں مگر ہماری منزل مقصود کچھ اور ہے جس کی نسبت کانگریس کہتی ہے کہ ہم ابھی تک اسے نہیں سمجھے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اب بھی نہیں سمجھے میں عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اب بھی نہیں سمجھے تو قیامت تک نہیں سمجھیں گے۔"

(ارشادات جناح صفحہ ۸۶ و ۸۷)

سٹوڈنٹس یونین مسلم یونیورسٹی

قائداعظمؒ کی تقریر کا ایک اقتباس جو آپ نے سٹوڈنٹس یونین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اجلاس میں ۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو ارشاد فرمائی:۔

"میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مسلم لیگ غیر معمولی ترقی کر کے ایک وسیع ادارہ ہو گئی ہے۔ اب ایک یا دو اشخاص کی مالی امداد سے کام نہیں چل سکتا اسی وجہ سے میں نے یہ اپیل کی تھی۔ خدا کے فضل سے اس کا ہر جانب میں خیر مقدم ہوا۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ آنے چار آنے تک کے منی آرڈر وصول ہوئے ہیں۔ غریب مسلمان بڑے خلوص سے اپنے ذرا ذرا سے عطیے بھیج رہے ہیں اور پُر درد خطوط لکھ رہے ہیں اگر آپ یہ خطوط دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ جذبۂ ایثاری کی کتنی تیز آگ ان کے سینوں میں بھڑک رہی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہم غریب ہیں روپیہ نہیں دے سکتے مگر اپنی جانیں دے دیں گے اور اس کے لیے وہ بالکل تیار ہیں۔ دولت مندوں

سے لاکھوں سے کہیں زیادہ ایسی چھوٹی چھوٹی رقموں نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔"
(از ارشادات جناح صفحہ ۱۲۰)

اجلاس عام پشاور

قائداعظمؒ کی وہ تقریر جو آپ نے ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو اجلاس عام پشاور میں ارشاد فرمائی اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:۔

"ہمارا کوئی دوست نہیں ہے۔ ہمیں نہ انگریز پر بھروسہ ہے نہ ہندو بنئے پر ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔"
(از ارشادات جناح صفحہ ۲۲۷)

ڈان

قائداعظمؒ نے ۲۶ / ۱ / ۴۸ کے "ڈان" میں فرمایا:۔

"میں تو یہ سمجھ ہی نہیں سکا کہ لوگوں کو اس استفسار کی ضرورت کیوں پڑ رہی ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا یا نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسلامی اُصول تو ایسے ہیں جن کی نظیر دُنیا میں کوئی بھی پیش نہیں کر سکتا۔ یہ اُصول آج بھی اُسی طرح کارآمد ہیں جس طرح آج سے تیرہ سو سال پیشتر تھے۔"

اسلامیہ کالج پشاور

قائداعظمؒ نے یہ تقریر ۱۳ جنوری ۱۹۴۸ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں ارشاد فرمائی اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:۔

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک قطعہ ارض حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اُصولوں کو آزما سکیں۔"
(بحوالہ "ڈان" ۱۴ جنوری ۱۹۴۸ء)

حیدرآباد دکن

قائد اعظمؒ نے ۱۱ جولائی ۱۹۴۶ء کو حیدرآباد دکن کے ایک اجتماع سے خطاب کیا اس کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:-

"اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوۂ صبر و رضا پر کاربند رہیں اور اس ارشادِ خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی ایک طاقت یا کئی طاقتوں کا مجموعہ بھی مغلوب نہیں کر سکتا۔"

پیغامِ عید

وہ پیغامِ عید جو قائد اعظمؒ نے ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کو دیا اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:-

"ہمارے وہ بھائی جو ہندوستان میں اقلیت ہیں اطمینان رکھیں کہ ہم نہ اُن کو فراموش کر سکتے ہیں نہ ان کی طرف سے بے پرواہ ہو سکتے ہیں ہماری دلی ہمدردیاں اُن کے ساتھ ہیں۔ ان کی اعانت اور بہتری کے لیے ہم بڑی سے بڑی کوشش کو بھی زیادہ نہیں سمجھیں گے کیوں کہ مجھے اس کا احساس ہے کہ اقلیتی صوبوں میں مسلم اقلیتی صوبے ہی تھے جنہوں نے ہمارے محبوب نصب العین پاکستان کے لیے سب سے پہلے جدوجہد کی اور اس کے لیے جھنڈے کو سربلند کیا۔"

شاہی دربار بلوچستان میں تقریر

قائد اعظمؒ کی وہ تقریر جو آپ نے ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو شاہی دربار بلوچستان میں ارشاد فرمائی اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:-

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اُس اُسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے ہمارے لیے بنایا ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اُصولوں پر رکھیں۔"

ولیکا ٹیکسٹائل مل کے افتتاح کے موقع پر

قائداعظمؒ نے ۲۶ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو افتتاح کے موقع پر جو فرمایا اس کا اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"مجھے اُمید ہے کہ آپ نے اپنے کارخانہ کا پلان تیار کرتے وقت کاریگروں کے لیے مناسب رہائشی مکانات اور دوسری آسائشوں کا خاص طور پر اہتمام کیا ہوگا کیونکہ کوئی صنعت اُس وقت تک حقیقتاً فروغ نہیں پاسکتی جب تک آپ کے مزدور مطمئن نہ ہوں۔"

WWW.…ISLAM.COM

تعلیم

"آپ تعلیم پر پورا دھیان دیں۔ اپنے آپ کو عمل کے لیے تیار کریں۔ یہ آپ کا پہلا فریضہ ہے۔ آپ کی تعلیم کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ آپ دورِ حاضر کی سیاست کا مطالعہ کریں۔ یہ دیکھیں کہ آپ کے گرد دُنیا میں کیا ہو رہا ہے ہماری قوم کے لیے تعلیم زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دُنیا اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے کہ اگر آپ نے اپنے آپ کو تعلیم یافتہ نہ بنایا تو نہ صرف یہ کہ آپ پیچھے رہ جائیں گے۔ بلکہ بالکل ختم ہو جائیں گے۔

تعلیم کی اشاعت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ اس مقصد کی خاطر جتنی بھی مصیبتیں جھیلی جائیں کم ہیں۔"

جاگیردار

"ہمارے عوام میں کروڑوں افراد ایسے ہیں جنھیں پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا کیا تہذیب یہی ہے؟ کیا پاکستان کا مطلب یہی ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ کروڑوں انسانوں کو اس طرح سے لوٹ کھسوٹ کا شکار بنایا گیا ہے کہ انھیں ایک وقت کا کھانا تک میسّر نہیں آتا۔ اگر زمیندار اور جاگیردار عقلمند ہیں تو انھیں اپنے آپ کو بدلے ہوئے حالات کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو خدا اُن کے حال پر رحم کرے۔ بہرحال ہم ان کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔"

ذخیرہ اندوز

"میں اُن لوگوں سے مخاطب ہوں جنھوں نے عوام کے مفاد سے لاپرواہ ہو کر ذخیرہ بازی اور منافع خوری سے ہاتھ رنگے ہیں۔ میں ان سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اپنا یہ غیر فطری پیشہ فوراً ترک کر دیں۔ پاکستان میں ذخیرہ بازوں اور منافع خوروں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ وہ قوم کے جسم کو مہلک مرض بن کر کھاتے چلے جا رہے ہیں۔ ان کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ حکومت کا مقصد یہ ہے کہ مملکت کو فائدہ پہنچائے۔"

اسلامیہ کالج لاہور

اسلامیہ کالج لاہور کے میدان میں ۱۹۴۱ء کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان کانفرنس کے اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظمؒ نے فرمایا

"ہندو قوم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ مغربی جمہوریت کے اصولوں کی بنا پر مرکز میں اکثریت حاصل کر کے مسلمان قوم کے لیے قانون مرتب

کرے، پاکستان کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ مسلسل جدوجہد کرو اور اس کے لیے دن رات کام کرو اس وقت تک آرام نہ کرو، جب تک پاکستان قائم نہیں ہو جاتا اور اگر ضرورت پڑے تو پاکستان کے لیے جان دے دو۔"

جناب عبدالحمید مرزا ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی پرنسپل ایم۔ سی کالج چتو کی جو اس وقت طلبا کی جمعیت کے صوبہ پنجاب کے صدر تھے۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطبہ میں جو انہوں نے کالج کی طرف سے قائداعظمؒ کی خدمت میں عرض کیا تھا:۔

"آج ہم نے غلامی کی زنجیروں کو توڑ دیا ہے۔ ہمارے سامنے ایک روشن مستقبل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ بکھرے ہوئے موتی ایک سلک میں منسلک ہو جائیں اور کل جب قوم کے بوڑھے سپاہی میدان سے رخصت ہوں تو ہم گلستانِ ملت کے صحیح پاسبان بن سکیں تاکہ علامہ اقبالؒ کی یہ دعا قبول ہو جائے ؎

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو مری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

اجلاس اردو پارک دہلی

حضرت قائداعظمؒ ۲۳ مارچ ۱۹۴۳ء میں اردو پارک دہلی منعقدہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حقیقت افروز واقعات سامنے لاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"یہ امر واقعہ ہے کہ آج کل کانگریس کے مسلمان گماشتوں اور حکومت کے مسلمان ایجنٹوں کے ہاتھوں مسلم لیگ میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ لوگ کانگریس کے غلام ہیں اور برطانوی شہنشاہیت کے مددگار۔ ان کو کسی نہ کسی طرح ہندو اخبارات میں اپنے فریب کارانہ خیالات کے اظہار اور بے جا پراپیگنڈہ کا موقع مل جاتا ہے۔ میں ایسے مسلمان کو مسلمان نہیں سمجھتا جو دشمن سے جا ملے اور ہماری پیٹھ پر خنجر مارے۔ میری رائے میں مسلمانوں اور مسلم لیگ میں اختلاف پیدا کرنے اور تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ صرف بیکار ہے۔ بلکہ ایک بیہودہ کھیل کے برابر ہے۔ کیونکہ آپ حضرات نے دنیا کو یہ ثبوت دے دیا ہے، کہ مسلم لیگ اور محض مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندگی کی مجاز ہے۔

حضرات! ہمارے دشمنوں کے مخالفانہ پراپیگنڈا نے ہمارے خلاف یہ تہمت تراشی ہے کہ ہم مسلمان برطانوی شہنشاہیت کے مؤید ہیں۔ یہ سخت جھوٹ ہے۔ یہ ہماری توہین ہے ہمیں ملزم ٹھہرانے والے لوگ اپنے جھوٹ سے خود ہی بخوبی واقف ہیں۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں اس خیال کو دل میں جگہ نہیں دی کہ ہم اس ملک کے اندر کسی غیر ملوکیت کے فرمانبردار رہوں۔"

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کراچی

۱۹۴۳ء میں کراچی مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے اسلام شناس علامہ اقبالؒ کے اس منتخب کردہ قائداعظمؒ نے جنھیں صالح قیادت دین سے بے بہرہ کہتی رہی فرمایا:-

"وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان

جسدِ واحد کی طرح ہیں۔ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے۔ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس اُمت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ بندھن۔ وہ رشتہ۔ وہ چٹان۔ وہ لنگر خدا کی کتاب عظیم قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے۔ ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک اُمت۔

تصورِ پاکستان سے مُراد

۸ مارچ ۱۹۴۴ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں جب آپ سے سوال کیا گیا کہ تصورِ پاکستان سے کیا مراد ہے تو آپ نے جو ارشاد فرمایا وہ تحریک پاکستان کے مخالف مولویوں کے منہ پر اسلام شناس قائدِاعظم کی ایک چپت ہے جسے تاریخ اپنے اوراق کے اندر محفوظ رکھے گی۔ فرماتے ہیں:۔

"پاکستان اُس دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔"

قائدِاعظم کا انداز یہ تھا کہ وہ بات بڑی مختصر کرتے تھے لیکن وہ ہوتی تھی بڑی جامع۔ صاف سیدھی۔ دو ٹوک۔ اس میں نہ کوئی پیچ و خم ہوتا تھا نہ ابہام یا الجھاؤ۔ انھوں نے مذکورہ بالا سوالات کا جواب ایک فقرہ میں دے دیا۔ اور وہ فقرہ ایسا ہے کہ جوں جوں اس پر غور کیجئے نگاہِ بصیرت وجد میں آ جاتی ہے۔ اس سے نہ صرف مطالبہ پاکستان کی بنیاد اور وجہ جواز ہی سامنے آ جاتی ہے بلکہ خود اسلام کا ایک بنیادی اُصول بھی اس طرح اُجاگر ہو جاتا ہے کہ اس سے بہت سے سیاسی

عقدے حل ہو جاتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے، وطن نہیں اور نہ ہی نسل"۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا، وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔

"آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟ اس کی وجہ نہ ہندو کی تنگ نظری نہ انگریز کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔

نظریہ قومیت:۔ غور فرمایا آپ نے قائداعظم نے اس سیدھے سادے اور مختصر سے جملے میں کتنی بڑی حقیقت کو بے نقاب کر دیا! آج اگر ہندوستان میں کوئی ہندو عیسائی ہو جائے تو اس کے مذہبی عقیدہ میں تبدیلی آ جاتی ہے اس کی سیاسی زندگی میں اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ جس طرح پہلے ہندوستانی قوم کا فرد تھا، اسی طرح اس تبدیلی مذہب کے بعد بھی اسی قوم کا فرد رہے گا۔ یا مثلاً انگلستان میں یہودیت کے پیرو بھی بستے ہیں اور عیسائی بھی اگر کوئی یہودی اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائی ہو جاتا ہے۔ تو اس سے اس کی قومیت (NATIONAHITY) پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہ بدستور انگلستانی رہتا ہے لیکن اسلام کی کیفیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں جہاں کوئی شخص اسلام لاتا ہے، وہ ایک جداگانہ قوم (امت مسلمہ) کا فرد بن جاتا ہے۔ اس سے صرف اس کا مذہب ہی نہیں بدلتا، اس کی قومیت بھی بدل جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر اسلام میں، قومیت کا مدار نسل، رنگ، زبان یا وطن کا اشتراک نہیں۔ اس کا مدار دین کا اشتراک ہے۔ جو لوگ دین میں مشترک (مسلمان)

ہیں وہ دُنیا کے کسی خطے میں بستے ہوں۔ کسی نسل سے متعلق ہوں کوئی زبان بولتے ہوں۔ وہ سب ایک قوم کے افراد ہیں۔ اس کے برعکس اگر وہ ایک ہی ملک میں بستے ہوں اور ایک ہی نسل کیا، بلکہ ایک ہی خاندان سے بھی متعلق کیوں نہ ہوں، اگر وہ دین میں مشترک نہیں۔ (دونوں مسلمان نہیں) تو وہ الگ الگ قوموں کے افراد ہیں۔ فارس کا سلمانؓ۔ رُوم کا صہیبؓ۔ حبشہ کا بلالؓ اور عرب کے عمرؓ نسل۔ رنگ۔ زبان۔ وطن کے اختلاف کے باوجود محض دین کے اشتراک کی بنیاد پر ایک قوم کے افراد تھے، لیکن محمدؐ الرسول اللہؐ اور حضورؐ کا حقیقی چچا ابولہب۔ دو الگ الگ قومیں رکھتے تھے۔ یہی وہ اسلام کا اصل الاصول تھا جسے علامہ اقبالؒ نے بہت پہلے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

قائداعظم کا پاکستان
۲۵ دسمبر ۱۹۶۳ء کو وائی ایم سی اے ہال میں جناب علامہ پرویز کی تقریر کا اقتباس

ایڈورڈس کالج پشاور

۱۸ نومبر ۱۹۴۵ء ایڈورڈس کالج پشاور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہم دونوں قوموں میں صرف "مذہب" کا فرق نہیں۔ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے ہمارا دین ہمیں ایک ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری راہنمائی کرتا ہے ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔"

ہم نے حکیم الامتؒ اور حضرت قائداعظمؒ کے فرمودات اور تقاریر سے کافی مواد آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے جس سے ہر بالغ نظر اور فہیم و نیک۔ حساس اور درد دل رکھنے والا مسلمان یہ اندازہ کرے گا کہ اقبال تخصص ملی پر کیوں زور دے رہے تھے اور قائداعظمؒ نے تحریک پاکستان میں جان ڈالنے کے لیے اپنی زندگی کے شب و روز کیوں صرف کیے۔ آگے چل کر آپ پر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ہندو (کانگریس) نے اپنے گماشتوں کے ذریعے اسلام کے مقدس نام پر مسلمانوں کی تحریک ملی کی مخالفت کیوں کرائی اور عامۃ المسلمین کو پاکستانی قیادت سے مایوس و بدظن کرنے کے لیے انھوں نے کس طرح ہر قسم کے رکیک اور ذلیل الزامات لگائے اور سوقیانہ حملے کیے ہماری نوخیز نسلیں اور آنے والا زمانہ اس بات کا شدت سے منتظر ہے کہ ان حقائق و واقعات کو ابھارا اور نکھار کر سامنے لایا جائے۔ جن سے تحریک پاکستان کو دوچار ہونا پڑا اور اسلام کے ان منافقوں اور غداروں کو بھی بے نقاب کر کے ان کے سامنے کھڑا کیا جائے۔ جو گاندھوی فلسفہ کے مؤید و حمایتی بن کر قیام پاکستان کی تحریک کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ ہماری ابھرنے والی نسل یہ چاہتی ہے کہ اس دور کے جعفروں اور صادقوں کو ملی عدالت میں کھڑا کیا جائے۔ ہماری بیداری اور حقیر سی کوشش ممکن ہے۔ نوجوان قوم کو اتنا کچھ نہ دے سکے جتنا معلوماتی ذخیرہ ان کے سامنے ہونا چاہیے لیکن اس

خیال ہے کہ جتنا بھی ہو سکے اُتنا کام ہونا چاہیے۔ اپنے محدود وسائل اور بے بضاعتی کے باوجود بھی ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ایک طرح تو ہے جسے ہم ڈال کر شکست رہروانِ قافلہ کو ہشیار و خبردار کر دیں گے اور جب دردمند اور حساس فرزندانِ توحید غفلتوں کی نیند سے انگڑائی لے کر بیدار اور آمادۂ عمل ہوں گے تو ان کے ولولے اور جذبے اقبالؒ و جناحؒ کی آرزوؤں اور امیدوں کے ان انمول موتیوں کو جیب و دامان میں لیے ہوں گے۔ اب ہم آگے چل کر مہاتما گاندھی اور جواہر لعل جن کی زندگی کا مقصد و مدعا ہندی مسلمان کو اپنے اندر جذب کرنا تھا ان کے خیالات و نظریات آپ کے حضور پیش کر رہے ہیں۔

مہاتما گاندھی اور متحدہ قومیت

متحدہ قومیت اور دو قومی نظریہ کو سمجھنے اور تحریک پاکستان سے متعارف ہونے کے لیے ہندوؤں کے فہیم و زیرک لیڈر مہاتما گاندھی کی اُن تمام چالبازیوں اور فریب کارانہ ہتھکنڈوں کا جاننا انتہائی ضروری ہے جو انھوں نے ہندوستان میں متحدہ قومیت کا جواز پیش کرنے کے لیے استعمال کیے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ گاندھی جی نے نہ صرف اپنے مطالب و مقاصد کو اسلام کے رنگ میں ڈھالنے کے لیے خود کوششیں کی بلکہ ایسے نمائشی کانگریسی مولویوں کی بھی خدمات حاصل کیں جو اقبالؒ و جناحؒ کے نظریہ پاکستان اور مسلمانوں کی انفرادیت اور ملی تشخص کا ابطال مذہبی دلائل سے کر سکیں۔ جب آپ ہندوستان کے مخصوص حالات و واقعات کی گہرائیوں میں ڈوب کر حقیقی معنوں میں سیاسی جائزہ لیں گے۔ تو ایک چیز کو نمایاں اور ظاہر و باہر دیکھیں گے کہ ہندو قیادت اپنی ہزار سالہ غلامی کا انتقام لینے اور مسلمانوں کو اپنے

اندر جذب و مدغم کرنے کے لیے کس قدر مضطرب و بے قرار ہے۔ مہاتما گاندھی ہندومت کی کمزوریوں کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ یہ مذہب وقت کے تقاضوں کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔ اس خیال سے کہ پڑھے لکھے ہندو نوجوان ہندوئیت سے دل برداشتہ ہو کر یا تو اسلام کی گود میں چلے جائیں گے یا مذہب سے مایوس و بیزار ہو کر دہریت کی طرف مائل ہو جائیں گے چنانچہ مہاتما نے اس کا علاج سوچا کہ اسلام کی برتری اور عظمت کو ختم کرنے کے لیے ہندوستان کی فضا میں یہ بات عام کر دی جائے کہ عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں ہیں اس مطلب کے لیے انھوں نے خود بھی کام کیا اور کانگریسی ملاؤں کو بھی استعمال کیا۔ یہ حیلہ کاری گاندھی کے لیے دونوں طرح مفید مطلب تھی اس سے وہ مہلک اثر جس سے پڑھا لکھا ہندو نوجوان ہندو ازم سے مایوس و بددل ہو سکتا تھا وہ بھی کافی حد تک زائل ہو گیا دوسرے مسلمانوں میں ان کے ذریعے وطنیت پرستی کے جراثیم بھی داخل کیے گئے ہم کانگریسی مولویوں کے بارے میں تو آگے چل کر لکھیں گے اس مقام پر صرف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل یہ مہاتما گاندھی ہی کے خیالات تھے جن کو ان نیشلسٹ علما نے اسلامی لباس پہنایا۔ اب اس مقصد کے لیے مہاتما گاندھی نے مسلمان کے ذہن و دماغ کو اپنے انداز میں کس طرح مسموم کرنے کی کوششیں کی۔ ملاحظہ فرمائیے:-

تمام مذاہب سچے ہیں

"طویل مطالعہ اور تجربہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ

۱۔ تمام مذاہب سچے ہیں۔
۲۔ تمام مذاہب میں کچھ نہ کچھ غلطیاں ہیں۔
۳۔ تمام مذاہب مجھے اتنے ہی عزیز ہیں جتنا کہ خود میرا ہندو دھرم۔

بالکل اسی طرح جس طرح ہر انسان کو تمام انسان اتنے ہی عزیز ہونے چاہئیں جتنے کہ خود اس کے اعزہ ہیں تو دوسرے مذہب کا احترام بھی اتنا ہی کرتا ہوں جتنا کہ خود اپنے مذہب کا۔ اس لیے تبدیلی مذہب کا تو کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ بھائی چارے اور سنگت کا تو مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہندو کی بہتر ہندو بننے میں اور مسلمان کی بہتر مسلمان بننے میں اور عیسائی کی بہتر عیسائی بننے میں مدد کرے۔ سرپرستانہ رواداری کا رجحان ایک عالمگیر بھائی چارہ کے منافی ہے۔

"اگر مجھے یہ گمان ہے کہ میرا مذہب کم و بیش سچا ہے اور دوسرے مذاہب بجائے کم و بیش سچے ہونے کے کم و بیش جھوٹے ہیں تب اگر ان مذاہب کے ساتھ میرا کوئی بھائی چارہ قائم بھی ہو تو وہ اس بھائی چارے سے بالکل مختلف ہوگا جس کی ہمیں عالمی بھائی چارے میں ضرورت ہے۔ دوسروں کے لیے ہمیں یہ دعا نہیں مانگنی چاہیئے کہ "اے خدا انھیں بھی وہی روشنی دے جو تو نے ہمیں دی ہے" بلکہ ہماری دعا یہ ہونی چاہیئے کہ "اے خدا انھیں بھی وہی روشنی اور حقیقت کا احساس دے جس کی انھیں ارتقا کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کے لیے ضرورت ہو" صرف اس بات کی دعا مانگو کہ تمہارے احباب بہتر انسان بنیں خواہ ان کے مذہب کی شکل کچھ بھی ہو"

(ساہرستی ۱۹۲۸ء)

آگے چلئے:۔

تمام مذاہب کی مساوات

"چونکہ میں دنیا کے تمام مذاہب کی مساوات میں یقین رکھتا ہوں۔ میں کسی شخص کو صرف اس لیے گندہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس نے ورغت

کی ایک شاخ کو جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا چھوڑ کر اسی درخت کی کسی دوسری شاخ پر اپنا گھونسلا بنا لیا ہے۔ اگر وہ پھر پہلی شاخ پر واپس آ جائے تو وہ اس قابل ہے کہ اس کا خیر مقدم کیا جائے۔"

(پیغام، شمارہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۶ء)

یہ بھی ملاحظہ فرمائیے:-

ایک ہی تناور درخت کی شاخیں

"مذہبی رواداری بلاشبہ میرا عقیدہ رہا ہے۔ مگر اب میں اس سے آگے بڑھ گیا ہوں۔ اب میں رواداری سے بڑھ کر تمام مذاہب کے لیے مساوی احترام کی حد تک پہنچ گیا ہوں۔ تمام مذاہب ایک ہی تناور درخت کی شاخیں ہیں لیکن مجھے صرف مصلحتِ وقت کے لحاظ سے ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اپنی جگہ نہیں بدلنی چاہیے۔ ایسا کرنے سے میں اس شاخ کو کاٹ دوں گا جس پر بیٹھا ہوا ہوں۔ اسی لیے میں تبدیلی مذہب کو بہت زیادہ محسوس کرتا ہوں۔ الا اس صورت میں کہ اندرونی احساس کی بنا پر تبدیلی مذہب رضا و رغبت کے دباؤ کا نتیجہ ہو۔ تبدیل مذہب کے ایسے واقعات بڑی تعداد میں نہیں ہو سکتے اور کبھی جان و مال کے خوف یا دنیوی فائدے کے لیے تو ہو ہی نہیں سکتے۔"

(ہریجن، ۲۶ جنوری ۱۹۳۶ء)

غور فرمائیے:-

یکساں احترام

"ہمارے اندر تمام مذاہب کا یکساں احترام ہونا چاہیے۔ بادشاہ خان

نہ یعنی شدھ ہو کر ہندوستان کا مسلمان پھر ہندوؤں میں شامل ہو جائے۔ (مؤلف)

جب کبھی یہاں آتے ہیں تو ہماری پوجا میں بہت خوشی سے شریک ہوتے ہیں وہ اُس نے کو پسند کرتے ہیں جس میں رامائن گائی جاتی ہے اور بہت غور سے گیتا کو سنتے ہیں مگر ایسا کرنے سے اُن کا اسلامی عقیدہ تو کم نہیں ہو گیا؟ تو میں اُسی طرح احترام کے ساتھ قرآن کی قرأت کو کیوں نہ سنوں"۔

"ونوبا اور پیارے لال نے جیل میں عربی زبان سیکھی اور قرآن پڑھا ان کے ہندو دھرم کو اس مطالعہ سے تقویت حاصل ہوئی۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہندو مسلم اتحاد صرف دلوں کے ایسے ہی بیساختہ ملاپ سے قائم ہوگا، اور کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ راما کے صرف ایک ہزار نام نہیں ہیں اُسی کو ہم خدا، رحیم، رزاق اور بہت سے ایسے دوسرے ناموں سے یاد کرتے ہیں جو ایک سچا عقیدہ رکھنے والے کے دل سے نکلا کرتے ہیں"۔ (ہریجن ۱۵، فروری ۱۹۴۲ء)

اس فریب آمیز گمراہی کو بھی بھانپئیے :-

زہر

"مذہب انسان کو خدا سے اور بنی نوع انسان سے وابستہ کرتا ہے۔ کیا اسلام مسلمانوں کو صرف اسلام ہی سے وابستہ کرتا ہے اور ہندوؤں کا دشمن بناتا ہے؟ کیا پیغمبر کا پیام صرف یہ تھا کہ صرف مسلمانوں ہی کے درمیان صلح رہے اور ہندوؤں اور غیر مسلموں سے جنگ ہو۔

جو لوگ یہ زہر مسلمانوں کے دلوں میں گھول رہے ہیں وہ اسلام کے ساتھ سب سے زیادہ بُرائی کر رہے ہیں"۔ (ہریجن ۲۰ مئی ۱۹۴۰ء)

غور اس پر بھی فرمانا سرکار!۔

مَیں جانتا ہُوں

"بلاشبہ میں اسلام کو الہامی مذاہب میں سے ایک سمجھتا ہوں اس لیے قرآن کو الہامی کتاب سمجھتا ہوں اور محمد ﷺ کو ایک پیغمبر مانتا ہوں۔ لیکن اسی طرح میں ہندو مذہب، عیسائیت اور یہودیوں کو بھی الہامی مانتا ہوں۔"

(ہریجن ۱۳ جولائی ۱۹۴۰ء)

اب ایک بے غرض طالب علم کی سنیئے :-

بے غرض طالب علم

"میں اس بات کا دعویٰ کرتا ہوں کہ میں نے ایک بے غرض طالبعلم کی طرح پیغمبر اسلام کی زندگی اور قرآن کا مطالعہ کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قرآن کی تعلیمات کے اصلی اجزاء عدم تشدد کے موافق ہیں۔"

قرآن پڑھو

"جو لوگ مسائل کو سمجھنا پسند کرتے ہیں وہ قرآن پڑھیں تب انھیں معلوم ہوگا کہ قرآن میں سینکڑوں باتیں ہیں جو ان کے لیے بھی قابل قبول ہیں اور بھگوت گیتا میں ایسی باتیں ہیں جن پر کوئی مسلمان بھی اعتراض نہیں کر سکتا۔ کیا میں کسی مسلمان سے صرف اس لیے نفرت کرنے لگوں کہ قرآن میں بعض آیات ایسی ہیں جن کے صحیح معنی نہیں سمجھ سکا۔"

(مہاتما گاندھی ہندو مسلم اتحاد صفحہ ۲)

۲۲ نومبر ۱۹۴۰ء

لے اصل۔ گاندھی نے نہیں ہم نے دیا ہے۔ (ناقل)

الفاظ کی زنجیر

"ہم خدا کو صرف اس لیے کیوں الزام دیں کہ ہم خود آپس میں اس بنا پر لڑتے ہیں کہ ہم اُسے مختلف واسطوں سے دیکھتے ہیں جیسے قرآن انجیل، تالمود، اوستا یا گیتا۔

سورج تو ہمالیہ پر بھی اُسی طرح چمکتا ہے جس طرح سطح میدانوں پر۔ تو کیا میدانوں کے لوگ برفستانوں کے لوگوں سے اس لیے جھگڑا کریں کہ وہ سورج کی گرمی مختلف طریقوں سے محسوس کرتے ہیں! ہم کیوں کتابوں اور ان کے الفاظ کو اپنے لیے ایسی زنجیر بنا لیں جو بجائے اس کے کہ ہماری نجات اور ہمارے دلوں کے اتحاد کا باعث ہو ہمیں غلام بنا دے۔"

(ینگ انڈیا ۸ ستمبر ۱۹۲۱ء)

میں مایوس ہو جاتا

"میں واقعی اتحاد حاصل کرنے سے مایوس ہو جاتا اگر مقدس قرآن میں کوئی ایسی بات ہوتی جس میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہوتی کہ وہ ہندوؤں کو اپنا خلقی دشمن سمجھیں یا اگر ہندو دھرم میں کوئی ایسی چیز ہوتی جس سے دونوں کے درمیان ایک دوامی دشمنی کی سند حاصل ہوتی۔"

(ینگ انڈیا ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

اندازہ فرمائیے:-

حق کسی الہامی کتاب کا اجارہ نہیں

"قرآن کو الہامی تسلیم کرنے میں مجھے کوئی تامل نہیں ہے، جس طرح مجھے انجیل، ژند اوستا اور گرنتھ صاحب کے متعلق کوئی عذر نہیں۔ الہام

کسی قوم یا قبیلہ کا اجارہ نہیں ہے۔ ۔۔۔ ہندو حلقوں میں قرآن او پیغمبر صاحب کے متعلق احساس احترام پیدا کرنے میں مجھے کبھی ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی لیکن اسلامی حلقوں میں وید اور رشیوں کی تعلیم کے متعلق ویسا ہی احترام پیدا کرنے میں مَیں نے دشواری محسوس کی۔ ۔۔۔ مَیں جسٹس امیر علی کی اس رائے سے بالکل متفق ہوں کہ اسلام ہارون رشید اور ماموں کے زمانہ میں سب سے زیادہ روادار مذاہب میں سے ایک تھا لیکن اس زمانہ کے مذہبی معلّمین کے متعلق رجعت پسندی پیدا ہوئی ان رجعت پسندوں میں بہت سے عالم و فاضل اور با اثر لوگ تھے۔ اور وہ اسلام کے روادار اور وسیع القلب معلّمین پر تقریباً چھا گئے۔ لیکن مجھے کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے اندر کافی خوبیاں ہیں جو اس کو عدم رواداری اور تنگ نظری سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ ۔۔۔ حق کسی ایک الہامی کتاب کا مخصوص اجارہ نہیں ہوتا۔"

(ینگ انڈیا ۴ر مارچ ۱۹۲۶ء)

یہ بھی سنئیے :۔

نجات دل کی پاکیزگی

"یہ امر خارج از گمان ہے کہ کوئی شخص نیک بن جائے گا یا نجات حاصل کرے گا اگر وہ کوئی خاص مذہب اختیار کرے مثلاً ہندو دھرم عیسائیت یا اسلام۔ ۔۔۔ نجات کردار کی پاکیزگی اور دل کی پاکیزگی پر منحصر ہوتی ہے۔ اس لیے مَیں ہندوؤں سے کہتا ہوں کہ جو تمہارا جی چاہے کرو لیکن مجھ جیسے کسی شخص سے جو بہت کافی غور و خوض کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے یہ خواہش نہ کرو کہ وہ کوئی ایسی بات کرے جو وہ نہیں کرتے۔"

(ینگ انڈیا ۳ر مارچ ۱۹۲۶ء)

متحدہ قومیت کے جال کے دلفریب تاروں کو دیکھیے :۔

سیاست اور مذہب

"میری ابھی تک یہ رائے ہے کہ میں سیاست سے مذہب کے جدا ہونے کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ درحقیقت مذہب کو تو ہمارے ہر فعل پر جاری ہونا چاہیے۔ لیکن اس صورت میں مذہب کے معنی فرقہ پرستی کے نہیں ہیں اس کے معنی تو دنیا کی ایک منظم اخلاقی حکومت پر اعتقاد رکھنے کے ہیں۔ یہ عقیدہ صرف اس لیے غیر حقیقی نہیں ہو سکتا کہ وہ نظر نہیں آتا یہ مذہب تو ہندو دھرم، اسلام اور عیسائیت وغیرہ کی حدود سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ وہ ان مذاہب کو منسوخ تو نہیں کرتا مگر وہ ان سب کو ہم آہنگ کرتا ہے، اور ان ہی میں حقانیت پیدا کرتا ہے۔"

(ہریجن - ۱۰ فروری ۱۹۴۰ء)

آگے چلیے :۔

قرآن کی روح پر عمل

"جہاں تک قرآن شریف کا تعلق ہے۔ جنوبی افریقہ میں میرے مسلمان احباب اور موکل وہ لوگ تھے، جنھوں نے مجھے قرآن پڑھنے کی دعوت دی انھوں نے میرے لیے اسلامی لٹریچر مہیا کیا۔ ہندوستان واپس آنے پر یہاں کے دوستوں نے مجھے قرآن کے ترجمے بھیجے۔ بھیجنے والوں میں ایک ڈاکٹر محمد علی اور ایک مسٹر پکتھال ہیں جنھوں نے خود قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ مرحوم حکیم اجمل خاں نے مجھے مولانا شبلی کا ایک ترجمہ دیا تھا۔ کیا میں اب بدل گیا؟ یا زمانہ بدل گیا کہ اب مجھ جیسے غیر مسلم کے لیے قرآن پڑھنا اور اس کے وہ معنی بیان کرنے کی جرأت کرنا جو میں نے سمجھے ہیں، ایک جرم بن گیا؟ بہت سے متقی مسلمانوں نے مجھ

سے بارہا کہا ہے کہ میں بہت سے مسلمانوں سے بہتر مسلمان ہوں اس لیے کہ میں قرآن کی رُوح پر عمل کرتا ہوں اور پیغمبر کے متعلق بہت سے دُوسرے مسلمانوں سے زیادہ واقفیت رکھتا ہوں میں کس کی شہادت تسلیم کروں۔ ان مسلمانوں دوستوں کی یا ان ریسرچ اسکالر صاحب کی میں حیران ہوں"

اجی صاحب وہ جس سے آپ کا مطلب (یعنی متحدہ قومیت اور وطنیت پرستی کا جواز پورا ہوتا ہو) نکلتا ہو۔ (مؤلف)

خوابوں کی دُنیا

"اگر ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں صرف ہندو ہی رہیں تو وہ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ تمام ہندو، مسلمان، پارسی اور عیسائی جنھوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا ہے آپس میں ہم وطن ہیں اور انھیں متحد ہو کر رہنا ہوگا خواہ اپنے مفادات ہی کے لیے ایسا کرنا پڑے دنیا کے کسی حصہ میں ایک قومیت اور مذہب کی یکسانیت لازم وملزوم چیز نہیں ہے اور نہ ہندوستان میں کبھی ایسا ہوا ہے" (ہندو سوراج صفحہ ۶۲-۶۴ نومبر ۱۹۰۹ء)

اب قومیت کی رُوح کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

قومیت کی رُوح

"ہندوستان صرف اس لیے قومی اتحاد سے محروم نہیں ہو سکتا کہ مختلف عقائد کے لوگ اس ملک میں رہتے ہیں۔ ۔ ۔ ملک میں جذب کرنے کی قابلیت ہونی چاہیے۔ ہندوستان ایسا ہی ملک ہے حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں اتنے ہی مختلف عقائد ہیں جس قدر کہ باشندے

ہیں۔ لیکن جو لوگ قومیت کی رُوح کو محسوس کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتے۔" (ہندو سوراج صفحہ ۴۴ ۔ نومبر ۱۹۰۹ء)

خیال فرمائیے:-

ایک ہی ماں ایک ہی خُون

"ایک نیک کام میں مسلمانوں کی مدد کرنا ہندوستان کی خدمت کرنا ہے اس لیے کہ مسلمان اور ہندو ایک ہی خون سے پیدا ہوئے ہیں وہ ایک ہی ماں (بھارت ماتا) کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔"

(ینگ انڈیا ۲۸ جولائی ۱۹۲۱ء)

چلو معاملہ صاف متحدہ قومیت اور وطن پرستی کے لیے اس سے پُرفریب دلیل اور کیا دی جا سکتی ہے؟

خُدا ہمیں عقل و فہم دے

"باوجودیکہ ہم دونوں (ہندو۔ مسلمان) ایک ہی اور وطن کے بچے ہیں، ایک ہی کھانا کھاتے ہیں، لیکن ایک دوسرے کو اب ہم اپنے دلوں میں کوئی جگہ نہیں دیتے۔ ہمیں نہایت عاجزی کے ساتھ دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا ہمیں عقل و فہم عطا کرے۔" (ینگ انڈیا ۱۳ جنوری ۱۹۲۶ء)

ایک قوم

"یہ صاحب اپنے خط کے آخری پیراگراف میں ایک خطرناک اُصول پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان کیوں ایک قوم نہیں ہے؟ مثلاً کیا وہ مغلوں کے زمانہ میں ایک نہ تھا؟ کیا ہندوستان دو قوموں پر مشتمل ہے؟ اگر ہے تو پھر دو قومیں ہی کیوں یہ اُصول کیونکر محدود ہو سکتا ہے؟"

کیا عیسائی تیسری قوم نہیں ہیں؟ پارسی چوتھی قوم نہیں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ کیا مصری مسلمان عیسائیوں سے جدا ایک قوم ہیں؟ پنجاب کے مسلمان وہاں کے سکھوں اور ہندوؤں سے کیونکر مختلف ہیں؟ کیا وہ سب پنجابی نہیں ہیں؟

ایک ہی زمین سے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں اور کون سی چیز ایسی ہے جو انھیں اپنے مذہب کے اتباع سے روکتی ہے؟ کیا انگلستان کے مسلمان انگلستان کے انگریزوں سے مختلف کوئی قوم ہیں؟ یا پھر یہ بات کہ صرف ہندوستان کے مسلمان ہی ایک الگ قوم ہیں؟ باقی کوئی دوسرا فرقہ علیحدہ نہیں ہے؟ کیا ہندوستان کے دو ٹکڑے کیے جائیں گے۔ ایک ہندو، ایک مسلم؟ اور ان مٹھی بھر مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا ہے جو سینکڑوں ایسے گاؤں میں رہتے ہیں۔ جہاں بالادست اکثریت ہندوؤں کی ہے؟ تقسیم کا جو طریقہ خط لکھنے والے صاحب نے پیش کیا ہے۔ وہ تو جنگ و جدل کا طریقہ ہے۔" (ہریجن ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

گاندھی جی لکھتے ہیں:۔

جداگانہ قومیں

"ممکن ہے کہ یہ دعویٰ کہ ہندوستان میں مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں قابلِ بحث ہو۔ لیکن یہ تو میں نے کبھی نہیں سنا کہ دنیا میں اتنی ہی قومیں ہیں جتنے مذہب ہیں اگر ایسا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ جب کوئی شخص اپنا مذہب بدلتا ہے تو اس کی قومیت بھی بدل جاتی ہے۔ مجھے خط لکھنے والے صاحب کا تو یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ انگریز، مصری، امریکی جاپان وغیرہ جداگانہ قومیں نہیں ہیں۔ لیکن مسلمان، پارسی، سکھ، ہندو، عیسائی، یہودی، بدھ سب جداگانہ قومیں ہیں۔ خواہ وہ کہیں پیدا ہوئی ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ان صاحب نے بہت ہی کمزور دلیل

اختیار کی ہے"۔ (ہریجن ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

میری رُوح بغاوت کرتی ہے

"عدم تشدد پر ایمان رکھتے ہوئے مَیں ہندوستان کی تقسیم کی مخالفت تشدد کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ اگر درحقیقت مسلمان تقسیم چاہتے ہیں، تو میں اس (VIVISECTION) چیر پھاڑ سے تو کبھی رضامند نہیں ہو سکتا۔ میں اس کو روکنے کے لیے عدم تشدد کا ہر طریقہ اختیار کروں گا اس لیے کہ تقسیم کے یہ معنی ہیں کہ لاتعداد ہندوؤں اور مسلمانوں کی وہ محنت ضائع جائے جو انھوں نے ایک قوم بن کر رہنے کے لیے کی ہے میری تمام رُوح اس خیال کے مقابلہ میں بغاوت کرتی ہے کہ ہندو دھرم اور اسلام دو مخالف تہذیبوں اور عقیدوں کا نام ہے اس لیے کہ میرا یقین تو یہ ہے کہ قرآن اور گیتا کا خدا دونوں ایک ہی اور ہم سب خواہ ہمارے نام کچھ ہی ہوں ایک ہی خدا کے بچے ہیں۔ میں یقیناً اس خیال کے خلاف بغاوت کروں گا کہ کروڑوں ہندوستانی جو کل تک ہندو تھے اپنا مذہب بدلنے کی وجہ سے اپنی قومیت بھی بدل سکتے ہیں"۔

(ہریجن ۱۳ اپریل ۱۹۴۰ء)

ناظرین غور فرمائیں:۔

اصلی نام ہندو

"عملی زندگی میں ہم دونوں کو (ہندو، مسلمانوں) دو جداگانہ قوموں میں تقسیم کرنا ناممکن ہے۔ ہم دو مختلف قومیں نہیں ہیں ہر مسلمان اگر اپنے خاندان کی تاریخ میں دُور تک پیچھے جائے تو اُسے معلوم ہو گا کہ اس کا اصلی نام ہندو تھا ہے۔ ہر مسلمان دراصل ہندو ہی ہے جس نے

اسلام قبول کر لیا ہے۔ ایسا کرنے سے کوئی جداگانہ قومیت تو پیدا نہیں ہوتی۔"
(ہریجن ۱۹ جون ۱۹۴۷ء)

دیکھتے جائیے:-

علیگڑھ اور بنارس

"کیا آپ (طلبا) اپنی یونیورسٹی (بنارس یونیورسٹی) میں علیگڑھ کے طالب علموں کو شریک ہونے کی ترغیب دے سکتے ہو؟ کیا تم اپنے علیگڑھ کے طلباء کو مانوس کر سکتے ہو؟ میرے خیال میں یہ تمہارا خاص کام ہونا چاہیے۔ تمہاری یونیورسٹی کو یہ خاص خدمت انجام دینی چاہیے... کتنا ہی روپیہ تمہیں مل جائے۔ مگر وہ معجزہ اس سے حاصل نہیں ہو سکتا جو میں چاہتا ہوں۔ یعنی ہندو و مسلمانوں کے دلوں کا اتحاد۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تم خود مسلمانوں کو یہاں آنے کی دعوت دو۔ اگر وہ اس دعوت کو رد کر دیں تو اس سے آزردہ نہ ہو۔ تم ایک بہت عظیم الشان تہذیب کے نمائندے ہو جو بقول لوکمانیہ تلک دس ہزار سال قدیم ہے اور بعض کے قول کے مطابق اس سے بھی زیادہ۔ اس تہذیب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دنیا کو اپنا دوست بنا سکے۔ تمام نما دشمنوں کو بھی اپنا دوست بنا سکے۔ ہماری تہذیب نے دریائے گنگا کی طرح بہت سے چشموں کو باہر سے اپنے اندر شامل کیا ہے۔ اور میری دعا ہے کہ ہندو یونیورسٹی بھی جو ہندو تہذیب اور ہندو کلچر کی نمائندگی کرنے کی کوششیں کر رہی ہے۔ دوسری تہذیبوں کے بہترین عناصر کو دعوت دے اور اپنے میں شامل کرے۔ اور فرقہ وارانہ اتحاد اور ہم آہنگی کا نمونہ بن جائے۔"
(ہریجن یکم فروری ۱۹۴۲ء)

تقسیم ایک گناہ

"میں ہندوستان کی تقسیم کو ایک گناہ سمجھتا ہوں۔ میں نے تو اپنے بیان میں صرف یہ رائے ظاہر کی ہے، کہ اگر میرا ہمسایہ گناہ کا ارتکاب کرنا چاہے تو میں اُسے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتا، لیکن شری راج گوپال آچاری یہ گوارا کرتے ہیں کہ اگر ان کا ہمسایہ گناہ کرے تو وہ اُسے گوارا کریں گے میں کبھی ایسے جُرم میں شریک نہیں ہو سکتا۔" (ہریجن ۲۲ مئی ۱۹۴۷ء)

مہاتما گاندھی جی کا اپنا مذہبی عقیدہ کیا تھا؟ غور فرمائیے:۔

مذہبی عقیدہ

"میں ہندو دھرم کے بارے میں اپنے جذبات کو الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جیسے ان جذبات کو بیان نہیں کر سکتا جو میں اپنی بیوی کے بارے میں رکھتا ہوں۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ میری بیوی میں خامیاں نہیں ہیں لیکن اسی کے ساتھ مجھے ایک ایسے رابطے کا احساس ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہی احساس میں ہندو دھرم کے بارے میں اس کی خامیوں اور کمیوں کے باوجود رکھتا ہوں۔۔۔۔ میں شدت سے مذہبی اصلاح کا حامی ہوں لیکن میرا یہ جوش کبھی اس حد تک نہیں پہنچتا کہ میں ہندو دھرم کے بنیادی ارکان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر دوں۔"

(ینگ انڈیا ۶ اکتوبر ۱۹۲۱ء)

مذہب میں مساوات

"میں نے جو کچھ اسلام کے متعلق لکھا ہے اُس کے ہر لفظ پر قائم ہوں۔ میں نے

کہیں یہ نہیں کہا کہ میں قرآن کے ہر حرف پر یقین رکھتا ہوں یا کسی بھی آسمانی کتاب کے ہر نقطہ کو مانتا ہوں۔ لیکن یہ کام میرا نہیں کہ میں دوسرے مذہبوں کی کتابوں پر نکتہ چینی کروں یا اُن کے نقائص کی نشاندہی کروں لیکن میرا حق ہے اور ہونا چاہیئے کہ جو کچھ حقائق ان مذاہب میں ہوں ان کا اعلان کروں اور اُن پر عمل کروں للذا یہ کام میرا نہیں کہ میں قرآن یا پیغمبر کی زندگی میں کسی ایسی بات پر نکتہ چینی کروں جسے میں نہیں سمجھ سکا ہوں لیکن میں ایسے مواقع کا خیر مقدم کیا کرتا ہوں جب میں ایسی باتوں کی توصیف کر سکوں جن کو میں پیغمبر کی زندگی میں پسند کر سکا یا سمجھ سکا ہوں۔ ایسی باتوں کے متعلق جو میرے لیے دشوار ہوتی ہیں دیندار مسلمانوں کی نظر سے اُن کو دیکھتا ہوں اور میں اُن کو اسلام کے مشہور مفسرین کی تحریروں کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ دوسرے مذاہب کو احترام کی آنکھ کی نظر سے دیکھ کر میں مذاہب کی مساوات کے اصول کو سمجھ سکا ہوں لیکن یہ بھی میرا حق اور فرض ہے کہ ہندو مذہب کے نقائص کی بھی نشاندہی کروں تاکہ اس کو پاک صاف رکھا جائے۔[1]

مذہب اور ہندو دھرم مہاتما گاندھی[1]

پاکستان

"آزادی کے لیے ایک عوامی تحریک کا آپ کیوں کر تصور کر سکتے ہیں۔ جب تک کہ مسلمانوں سے معاملہ طے نہ کر لیں۔ یہ ایک مسلم نامہ نگار کا سوال

لہ چند خطوط دریش لیے گئے ہیں۔ یہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ نے شائع کیے ہیں۔ (مؤلف)

ہے جن کے خطوط سے میرے فائل بھرے پڑے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ میں ایسا ہی خیال کرتا تھا لیکن اس وقت تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کے خیالات تک میری رسائی نہیں۔ میں لیگ کے اخباروں کو پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہ ایک حد تک مجھے مسلمانوں کے خیالات سے واقف کرتے ہیں۔ اُن کی رائے میں بالکل ناقابلِ اعتبار ہوں۔ میری خلافت کے زمانہ کی خدمات بھی ان کی نظر میں بہت مشتبہ ہیں۔ مگر میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ یہ ایک گزر جانے والی صورت حال ہے۔ مجھے تو یقین ہے کہ میں نے کبھی کوئی بُرائی مسلمانوں کے مفاد کے ساتھ یا کسی مسلمان کے ساتھ نہیں کی۔ خدا کا شکر ہے کہ آج بھی متعدد مسلمانوں کے متعلق میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ وہ میرے دوست ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کس طرح اس بے اعتمادی کو رفع کروں۔ میرے نکتہ چین کہتے ہیں کہ ہمیں پاکستان دو۔ میں کہتا ہوں کہ پاکستان دینا میرے اختیار میں کب ہے۔ اگر میں اس مطالبہ کو حق بجانب سمجھتا تو اس کے لیے لیگ کے پہلو بہ پہلو کام کرتا مگر میں ایسا تو نہیں سمجھتا، میں چاہتا ہوں کہ کوئی مجھے یقین دلا سکے کہ یہ مطالبہ حق بجانب ہے۔ کسی شخص نے بھی اس مطالبہ کے مضمرات مجھے نہیں بتائے ہیں۔ پاکستان کے مخالف اخباروں میں جو مضمرات بتائے جاتے ہیں۔ وہ تو بہت ہی خوفناک ہیں لیکن میں مخالفوں کے اعتراضوں کو بھی صحیح تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ بات تو مطالبہ کی حمایت کرنے والے بھی جان سکتے ہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور ان کا مطلب کیا ہے۔ بلاشبہ پاکستان کے حامی چاہتے ہیں کہ دوسروں کی رائے کو بدل دیں اور یہ نہیں چاہتے کہ زبردستی کریں لیکن کیا ایسی کوئی کوششیں کی گئی ہے کہ مخالفوں کو دوستانہ طریقہ سے پاکستان کی حقیقت سمجھائی گئی ہو یا ان کی رائے کو بدلنے کے لیے کوشش کی گئی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ نہ صرف میں بلکہ کانگریس بھی آزاد

ہے کہ اس طرح اس کی رائے بدلنے کی کوششیں کی جائے۔۔۔
انگریزوں میں سوائے اس کے اور کوئی سمجھوتہ ممکن نہیں کہ آن کی دولت ختم ہو جائے اور وہ ہندوستان سے دست بردار ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو مسلم لیگ اور کانگریس دو بڑی منظم جماعتیں ہیں آپس میں سمجھوتہ کرکے ایک ایسی عارضی حکومت قائم کر سکتی ہیں جسے سب قبول کر لیں اور اس کے بعد منتخبہ مجلس دستور ساز بنائی جا سکتی ہے۔ میری موجودہ تحریک کا واحد مقصد تو یہ ہے کہ انگریزی اقتدار ختم۔۔۔ پھر کیوں وہ مسلمان بھی جو پاکستان چاہتے ہیں آزادی کی تحریک میں شریک نہ ہوں اور اس جدوجہد میں حصہ نہ لیں البتہ اگر وہ انگریزوں کی مدد سے اور ان کی سرپرستی میں پاکستان حاصل کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں تو پھر یہ بات دوسری ہے اس معاملہ میں میرا کوئی مقام نہیں۔" (ہریجن ۱۲ جولائی ۱۹۴۲ء)

آگے چلیے:-

"ہر شخص اس اتحاد کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے مگر ہر شخص نہیں جانتا کہ اتحاد سے مراد سیاسی اتحاد نہیں جو زبردستی پیدا کیا جائے بلکہ قلبی اتحاد ہے۔ اتحاد پیدا کرنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ کانگریسی چاہے وہ کسی مذہب کا پیرو ہو، بذات خود ہندو، مسلمان، عیسائی، یہودی زرتشتی وغیرہ، مختصر یہ کہ ہر ہندو اور غیر ہندو کی نمائندگی کرے اسے ہندوستان کے چالیس کروڑ باشندوں میں سے ہر ایک کے ساتھ وحدت کا احساس ہونا چاہیے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر کانگریسی دوسرے مذہب کے لوگوں سے ذاتی طور پر دوستانہ تعلقات پیدا کرے۔ وہ ہر مذہب کا اتنا ہی احترام کرے جتنا اپنے مذہب کا۔"
(رسالہ تعمیری پروگرام صفحہ ۸)

مہاتما جی طریقہ بتلاتے ہیں :-

"جن دنوں میں چھوٹا سا بچہ تھا راجکوٹ میں دو نامور استاد فن کار تھے۔ ان میں سے ایک موسیقی کا ماہر تھا۔ جب وہ اپنا ساز چھیڑتا تھا تو اس کی انگلیاں اس چابکدستی سے تاروں پر دوڑتی تھیں کہ لوگ مست کرکے ہو جاتے تھے۔ اس طرح کے تار ہر انسان کے دل میں ہوتے ہیں اگر ہم یہ جانتے ہیں کہ صحیح تار کو کیونکر چھیڑیں تو ہم مطلوبہ نغمہ پیدا کر سکتے ہیں۔"

یہ بھی سنو کہ :-

بنی آدم کا خادم

"مجھے اسلام یا مسلمانوں کا دشمن نہ سمجھو۔ میں ہمیشہ تمہارا اور بنی آدم کا خادم اور دوست رہا ہوں۔" (ہریجن۔ ۳ جولائی ۱۹۴۷ء)

ایک ماہر طبیب

"کسی کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ میں نے اس مسئلہ (ہندو مسلم اتحاد) سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھولئے ہیں۔ میں تو ایک ماہر طبیب کی طرح جسے اپنی دوا پر بھروسہ ہوتا ہے وقت کا منتظر ہوں۔ اس کا مجھے پورا یقین ہے کہ میری ہی دوا اس بظاہر ناقابل علاج مرض کے لیے اکسیر ہے اور یہ کہ آخرکار دونوں یا ان میں سے ایک فریق میرے ہی علاج کو قبول کرنے پر مجبور ہوگا۔"

(ینگ انڈیا ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

اس مقام پر ہم نے گاندھی کے ان فریب آمیز خیالات اور تحریرات کو پیش کیا ہے جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کے اندر "متحدہ قومیت" اور "وطنیت" کا زہر آلود نظریہ پھیلانے اور اپنے مقاصد و مطالب کی تکمیل کے لیے اسلام کو

اپنے مذموم خیالوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی سعی ناپاک کر رہے ہیں
یہ تو ذرا آگے چل کر بتایا جائے گا کہ وہ مفسران قرآن کون تھے جن کی طرف
گاندھی جی نے اشارہ فرمایا ہے۔ یہاں تو ہمیں صرف پنڈت جواہر لعل نہرو
جنھیں گاندھی جی اپنے جانشین قرار دیتے ہیں ان کے بارے میں
صرف اتنا عرض و واضح کرنا ہے۔ اگر مہاتما اپنے رنگ میں سحر ستان
وار دھا کے طلسم کدے سے دلائل و براہین کے سانپ میدان میں
اس لیے پھینک رہے ہیں کہ مسلمانوں کو مذہب کے زرّیں نقاب میں
چھپ کر فریب دیا جائے تو دوسری طرف پنڈت جی جنھیں مہاتما جی
کی پوری آشیرباد حاصل ہے وہ فریب اور منلوک الحال (لیکن اسلام
کی نعمت سے مالا مال) مسلمان کو روٹی کا جلوہ دکھا کر صراطِ مستقیم سے
بھٹکا کر "متحدہ قومیت" کے لیے ہموار کر رہے ہیں۔ ہم جہاں تک سمجھ سکے
ہیں دونوں کا مدعا و مقصد یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے بدن
سے روحِ محمدؐ نکال کر انھیں اُس دین سے برگشتہ کرے (جس کے متعلق
اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے دین کو مکمل کر دیا اور ہم اسے ہی
انسانوں کے لیے راہ نجات قرار دیتے ہیں) اپنی راہوں پر لایا جائے
اب مہاتما جی کے جانشین پنڈت جواہر لعل نہرو کی کوششیں ملاحظہ
ہوں:۔

جواہر لعل نہرو

"مذہبی نقطۂ نظر کسی قوم کی اخلاقی اور روحانی اور معاشرتی
میں مدد نہیں دیتا۔ ... اس میں حائل ہوتا ہے۔ اخلاق و روحانیت
کو اس دنیا کے معیاروں ... سے جانچا جائے۔ نہ کہ آخرت کے معیار سے
عام طور پر کہ مذہب خدا یا ذات مطلق کی غیر معاشرتی جستجو

بن کر رہ جاتا ہے اور مذہبی آدمی کو سماج کی بھلائی سے کہیں اپنی شخصی نجات کی فکر رہتی ہے۔" (میری کہانی جلد دوم صفحہ ۱۶۹)

غور فرمائیے:-

"ہمارے پیش نظر ایک ایسی سماج ہے جس میں طبقوں کا فرق مٹ جائے۔ معاشی معاملات میں سب کے ساتھ یکساں انصاف برتا جائے اور سب کو یکساں موقع دیا جائے۔ ایک منظم سماج جس کا یہ مقصد ہو کہ بنی نوع انسان بلند تر مادی اور ثقافتی سطح پر پہنچ سکے اور اس میں روحانی صفات یعنی اشتراکِ عمل، بے غرض خدمتِ خلق، حق پسندی اور محبت نشو و نما پا سکیں۔ ہمارا نصب العین یہ ہے کہ اس طرح کا ایک عالمگیر نظام ہو جائے۔ اس راہ میں جو چیز حائل ہو اسے مٹانا پڑے گا اگر ممکن ہو تو نرمی سے ورنہ مجبوراً سختی سے۔ یہ یقینی بات ہے کہ جبر کی ضرورت اکثر پیش آئے گی لیکن اگر قوت کا استعمال کیا جائے تو وہ نفرت اور ظلم کے جذبے کے ساتھ نہ ہونا چاہیئے بلکہ ٹھنڈے دل سے، محض رکاوٹ دور کرنے کے لیے۔"

(میری کہانی حصہ دوم۔ صفحہ ۳۰۰)

کاش پنڈت نہرو نیشنلسٹ مولویوں کے انفرادی نجات والے خود ساختہ اسلام کی بجائے حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے اس تحریکی اسلام کو سمجھتے جو رب العالمین کا عطا کردہ نظامِ حیات ہے اور ہر انسانی بچے کی نشو و نما کی پوری پوری ذمہ داری لیتا ہے اور وسائلِ پیداوار ہر حاجت مند کے لیے یکساں کھلے رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

کس دریں جا سائل و محروم نیست | عبد و مولا حاکم و محکوم نیست
کس نباشد در جہان محتاجِ کس | نکتۂ شرعِ مبین این است و بس

لیکن پنڈت جی کا مقصد تو یہاں مسلمان کو اسلام سے بدظن کرنے۔

اس کے ملی تشخص اور انفرادیت کو ختم کر کے وطن کی چار دیواری میں محصور قومیت کے بت کا پرستار بنانے کا ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں :-

"لیکن اگر عہد حاضر کا تقاضا مساوات ہے تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایک ایسا معاشی نظام قائم کیا جائے جو اس تقاضے سے ہم آہنگ ہو۔ ۔ ۔ ہندوستان کے مسائل پیچیدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن اس پیچیدگی کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم معاشی اور سماجی نظام کو بتوں کا توں قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ ۔ ۔ سیاسی تبدیلیوں کا ہونا ضروری ہے لیکن معاشی تبدیلیاں بھی اتنی ہی اہم ہیں۔ ان تبدیلیوں کا تقاضا یہ ہوگا کہ یہاں ایک ایسی اجتماعیت کو رواج دیا جائے جو جمہور کی نگرانی میں منصوبہ بندی پر مبنی ہو۔"

(تلاش ہند جلد دوم صفحہ ۲۸۲)

ہم نے عرض کیا ہے کہ پنڈت جواہر لعل نہرو مہاتما گاندھی کے صحیح جانشین ہیں۔ اس کے متعلق خود گاندھی جی کی زبان سے سنئے :-

سیاسی وارث

"جواہر لعل میرا سیاسی وارث ہے۔ میری زندگی میں وہ مجھ سے اختلاف رکھتا ہو لیکن میرے بعد وہ میری زبان بولنے لگے گا۔"

(گاندھی جی کا خطبہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی وار دھا ۱۹۴۲ء)

یہ ایک بار پھر سن لیجئے :-

"میری ابھی تک یہ رائے ہے کہ میں سیاست سے مذہب کے جدا ہونے کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ درحقیقت مذہب کو تو ہماری

> ہر فعل پر حاوی ہونا چاہیے۔ لیکن اس صورت میں مذہب کے معنی فرقہ پرستی کے نہیں ہیں۔"
> (ہریجن ۱۰ فروری ۱۹۴۲ء)

اندازہ فرمالیا ناظرین کرام! جو اہر لعل گاندھی جی کے سیاسی وارث ہیں اور مہاتما سیاست اور مذہب کے جُدا ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور مذہب اُن کے نزدیک یہ ہے کہ مسلمانانِ ہندوستان متحدہ قومیت کے سمندر میں غرق ہو کر اپنی انفرادیت کو ختم کر دیں۔

اب ہم تاریخ پاکستان کے اُس افسوسناک باب۔ تاریک ترین دور۔ دلخراش حقیقت اور قابل نفرت ملائی کردار کو سامنے لا رہے ہیں جس سے ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کے دردمندوں کے حساس قلوب حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈوب جائیں گے اور نگہ غیرت و حمیت کا شانہ چشم میں سمٹ آئے گی جب ہماری نوخیز نسل یہ دیکھے گی کہ خشت علما کتاب و سنت کا حسین و دلکش نقاب اوڑھ کر نیشنلزم (وطنیت) اور متحدہ قومیت کے جواز کے لیے اپنے علم و فضل کو گروی کیے ہوئے تھے اور دہریت و الحاد کے جراثیم اسلام کے مقدس نام پر جسد ملت میں داخل کرنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو وقف کیے ہوئے تھے۔

اور ستم یہ ہے کہ اس محرم اسرار۔ مرد بصیر، روشن ضمیر، حکیم الامت علامہ اقبالؒ کو "فرنگ زدگی" کا طعنہ دے کر مسلم مہاشوں پر فخر و ناز کیا جا رہا تھا۔ چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ ہندوستان کے سب سے اعلیٰ دارالعلوم کے سب سے بڑے کلید بردار شیخ الحدیث مسلمانوں ہی کے لیے فریب نگاہ بن کر اسلام کی تشریح و تفسیر گاندھوی مقاصد کے عین مطابق کر رہے تھے۔

اس سے اندوہناک مقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس ہادی برحق ختم الرسل ﷺ نے مکہ کے ابوجہل کو گلے نہیں لگایا اور فارس کا سلمان ؓ اہل بیت میں سے قرار دیا بزعم خویش اس کی مسند پر بیٹھنے والا مسلمانوں اور ہندوؤں کو وطن کی چار دیواری میں محصور کر کے ایک قوم قرار دے رہا ہے۔ وہ حیات انگیز نظریۂ زندگی جو بلال ؓ کے نعرۂ عشق کو اپنے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے آج اسلامیان ہند کی نظروں سے اوجھل کر کے انھیں بنسری اور برہمن کے ناقوس توحید پر سر دھننے کی ترغیب و تحریص دی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کے لیے صف ماتم بچھانے کے لیے اس سے زیادہ غم و اندوہ کا اور کونسا مقام ہو سکتا ہے۔ حیرت ہے کہ اس وقت آسمان کیوں نہ ٹوٹ پڑا، زمین کیوں نہ شق ہو گئی ؎

اے محتسب گر قیامت را بر آری سر ز خاک
سر بر آر و ایں قیامت در میانِ خلق بیں

ہندوستان میں توحیت اسلام کی جڑ کاٹنے کے لیے سب سے پہلا شخص جو مہاتما گاندھی کا ہمنوا و ہمقدم ہوا ہمارے نزدیک وہ ابوالکلام آزاد ہے جس نے دورِ الہلال کے خیالات و نظریات کو یکسر فراموش کر کے ساحر وردھا کے طلسم وافسوں کا شکار ہو کر ہندوستان کے دوسرے مولویوں کو متھرا ورگاندھی کی تحریک کی تائید و حمایت کے لیے آمادہ و رضامند کیا۔ ان لوگوں نے کانگریسی پروپیگنڈا کا وہ طوفان اٹھایا اور مسلم لیگی قیادت و سیادت کے مقام و مرتبہ کو کم کرنے اور سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں سے ان کی عزت و توقیر گھٹانے اور عامۃ المسلمین کو صراط مستقیم سے بھٹکانے کے لیے قرآن عزیز اور حدیث پاک کی وہ وہ تشریحیں اور تاویلیں کیں کہ الامان والحفیظ۔ لیکن وہ پیکران فہم و بصیرت

جنھیں حضورِ رسالتمآب کے خاکِ قدم کا ہر ذرہ اُبھر اُبھر کر رہنمائی و رہبری دے رہا تھا وہ کس طرح ایسے "امام الہند" اور "شیخ الحدیث" کی ہمنوائی میں شریک ہوتے۔ اقبالؒ و جناحؒ نے مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت اور وحدت فی الخیال والعمل پیدا کرنے کے لیے ان کے پُرفریب مقدس پردوں کو چاک کیا اور مسلمانوں کو کافر و مومن کی تمیز بتائی۔ بلکہ استقامت حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اسی احساسِ درد انگیز اور ہجوم غم و فور الم میں جو سیلاب اشک بن کر اُمنڈ آیا تھا نیشنلسٹ علما کے طائفہ کے متعلق فرمایا ؎

باں قوم از تو میخواہم کشائے
فقش بے یقینے، کم سوادے
بسے نادیدنی را دیدہ ام من!
مرا اے کاشکے مادر نہ زادے

متحدہ قومیت کے ملائی تخیل کے خلاف اقبالؒ و جناحؒ اور ان کے ہمنواؤں کی جدوجہد نمائی تو آپ کو ہماری پوری کتاب میں پھیلی ہوئی نظر آئے گی یہاں پر ہم دورا لضلال کے اصولوں اور عقائد و نظریات سے منحرف ابوالکلام کے وہ تضادات پیش کریں گے جن سے ہمارے قارئین آسانی سے یہ اندازہ لگا سکیں گے کہ نیشنلسٹ علما کے اس سرخیل نے آب کوثر سے پھسل کر لب گنگا پہنچنے کو معراجِ زیست قرار دے لیا اور انجام کار اس بھٹکے ہوئے راہی نے اپنی کتاب انڈیا ونس فریڈم صفحہ ۲۲۷ میں کس طرح اسلام سے مایوسی و بے زاری کا کھلا اعلان کرکے دُنیا پر یہ واضح و آشکار کر دیا کہ وہ صحیح معنوں میں اسلامی نظریۂ حیات سے منحرف اور منکر ہو چکے تھے ہم مولانا محی الدین آزاد کی تحریروں سے یہ ثابت کریں گے کہ پہلے ابوالکلام خود بے یقینی کا شکار ہوئے اور پھر بدلی کو پھیلایا اور ان کے توسط سے دیوبندیوں

کی اکثریت کو تحریک پاکستان کے خلاف استعمال کیا۔

جن کو تحریک پاکستان میں حضرت "قائداعظم" کی قیادت میں کام کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے اُس زمانہ میں ان مولویوں کی بے سروپا دلیلوں ۔ بے ہنگم شورشوں اور بعید از حقیقت بیانوں اور سحر آمیز قلمکاریوں کو یکسر مسترد کر کے جو یہ کانگریسی نیتاؤں کے اشارہ و ایما پر لکھا کرتے تھے ۔ بوڑھے جرنیل کا ہر سپاہی "تاسف انگیز لہجہ میں یہ کہہ دیا کرتا تھا ۔

ستون چشم بد دور ہیں آپ دین کے!

یہ تو اُس ہادی برحق کا فیض کرم یا نہ تھا کہ اقبالؒ نے باطل کے ان فریب آمیز تاروں کو ایمانی بصیرت سے بھانپ کر فرزندان ملت کو ان سے آگاہ و خبردار کر دیا اور جمہور اسلام کے قوی ایمان نے انھیں تار عنکبوت سمجھ کر توڑ پھوڑ کے رکھ دیا ۔ اور ملت اسلامیہ کی فضائیں رہیں گی پاکستانؒ کی حیات افروز نواؤں سے معمور ہو گئیں۔

"مفسر قرآنؒ" اور "شیخ الحدیث" کے مریدوں اور ہمنواؤں کی ایک اچھی خاصی تعداد جگہ بہ جگہ ۔ شہر بہ شہر ۔ گاؤں بہ گاؤں ۔ قریہ بقریہ ۔ کو بہ کو "متحدہ قومیت" کا زہر پھیلا رہی تھی اور ان کی ان مذموم حرکات نے مسلمانوں کو اچھا خاصا پریشان کر رکھا تھا کہ عربی سے بے بہرہ اور مغربی لباس کے دلدادہ کی مانیں یا ان عماموں اور جبّوں میں ملبوس ریشں درازوں کی ۔ یہ وہ دَور الحاد و کفر تھا جس میں نہایت دیدہ زیب ۔ خوشنما اور دلکش ۔ جاذب نظر ۔ اور دلربا کانگریسی اسلام کے نقاب اوڑھ کر یہ "نام نہاد اسلام کے علمبردار" جو بظاہر مسلمانوں کی سرفرازی اور سربلندی کے خواہاں معلوم ہوتے تھے ملی تشخص کا حلیہ بگاڑنے کے لیے اور اسلامیوں کی انفرادیت کے

فرق و تمیز کو ہندو ساحر کی فریب کاریوں کے سمندر (متحدہ قومیت) میں فنا کر دینا چاہتے تھے۔ قدم قدم پر مسلمانوں کی حیاتِ نو کی تحریک کی مخالفت پر کمربستہ تھے۔

اس عالمِ حیرانی و پریشانی میں۔ اس تُند و تیز ہوا میں اس مردِ درویش کا جلایا ہوا چراغ فرزندانِ ملّت کے قلوب و اذہان کو ذراتی نُور سے منوّر کر رہا تھا۔ ان کے عزم و ثبات میں اضافہ اور ان کے حوصلوں کو بلند کر رہا تھا۔ اقبالؒ کی تربیت گاہ کے یہ طالبانِ حق شناس یہ قلندرانِ اقبالؒ۔ یہ دیوانے اور فرزانے تھے۔ جنھوں نے تحریکِ پاکستان میں قائداعظمؒ کے ہمقدم و ہم رکاب ہونے کا فخر حاصل کیا اور فکرِ اقبالؒ کی روشنی میں ان کے وارد ھائی دلائل کا منہ توڑ جواب بھی دیتے رہے۔

تاریخِ پاکستان کا یہ ناقابلِ فراموش باب۔ یہ المناک اور عبرت انگیز دور ایسا ہے جسے ہم چاہتے ہیں کہ جس قدر ہو سکے تفصیل کے ساتھ نذرِ قارئین کریں۔ ہمیں ان لوگوں کے جذبات و احساسات کا پُورا پُورا خیال ہے جن کی عقیدت و ارادت کا دامن ان کانگریسی علماءؒ کے ساتھ بندھا ہُوا ہے لیکن اس حقیقت بیانی سے گریز ہم ایک ملّی جرم تصوّر کرتے ہیں۔

یہ ایک کھلی اور واضح حقیقت ہے اور ہمیں یہ خطرہ اور خدشہ ہمیشہ لاحق اور درپیش رہا ہے کہ وہ ملّائی قوتیں جنھوں نے اسلام ہی کے نام پر قیامِ پاکستان کی شدید مخالفت کی تھی وہ پاکستان بن جانے کے بعد اس کے تعمیری منصوبوں میں اسلام ہی کا لبادہ اوڑھ کر رخنہ اندازیاں کرتی رہیں گی۔ ہم واشگاف الفاظ میں کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے تحریکِ پاکستان میں ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے

نام کیا ہے ہمیں یہ ملک دل وجان سے عزیز ہے۔ للذا ہم ان تعاب
پوشوں کو قطعاً اجازت دینے کے لیے تیار نہیں کہ یہاں سوراجی اسلام
(گنگا جمنی اسلام) جس کی بصارت آن ایام میں معدوم اور زائل
ہو چکی تھی جب جمہور اسلام حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے عطا کردہ
نظریۂ پاکستان کی روشنی میں جنابِ پاکستان لڑ رہے تھے اقبالؒ و
جناحؒ کے پاکستان میں اسی طرح اسلام کے نام پر تخریب پسندی کا
مرتکب ہو اور مسلمانوں میں تشتت و انتشار پھیلانے اور پاکستان
کے استقلال و استحکام کو کمزور کرنے کے لیے نعرہ زنی کرے۔ یہ
لوگ پاکستان کا قیام جن کے ماضی کی تکذیب ہے پاکستان کو ہر وقت
اور ہر لحظہ تفریق و انتشار میں مبتلا دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ خاکم بدہن
اس کے وجود کو ناپید کر کے اپنے ابوالآباؤں کی کھی ہوئی
صداقتوں کو ہم گنہگاروں سے منوا سکیں۔
ہمارے نزدیک گویہ فریب خوردہ لوگ ربّ کائنات کی فضاؤں
سے الجھ رہے ہیں اور آج بھی بیٹھے اٹھتے اپنی مجلسوں اور محفلوں
میں گاندھی و نہرو کی تعریف کا دہی حق ادا کرتے ہیں اور اقبالؒ و
جناحؒ پر تبرّہ کہنے سے باز نہیں آتے اور اس دور کے باقیماندہ قومیت
پرست مولوی صاحبان پاکستان میں دمِ عافیت لینے کے بعد بھی اپنا زہر
گھول رہے ہیں لیکن ہم یہ اپنا فریضہ سمجھتے ہیں کہ جہاں تک خدائے
عزّ و جل نے ہمیں ہمت و طاقت دی ہے ہم اپنی اس پاکستانی نسل کو
جو کل پاکستان میں صاحبِ اقتدار و اختیار ہوں گے ان کے مسموم
اثرات سے بچانے اور محفوظ کرنے کے لیے ان تاریخی حقائق کو سامنے
لاتے رہیں گے تاکہ وہ آئینہ میں یہ ان مقدس اور مذہبی شخصیتوں کے کردار
کو دیکھ سکیں۔ انہی جذبات و تاثرات سے مغلوب ہو کر اس دور

میں مولانا ظفر علی خانؒ نے فرمایا تھا ؎

گر کاتنا ہے چرخہ تو دستِ قضا سے کات
یک لخت ترک آذریوں سے رسوم کر
کہہ دے یہ اُن سے بھول گئے کیوں حرم کو آپ
آئیں ابوالکلام جو ورد ھا سے گھوم کر

ابوالکلام کے تضادات

ہم دیانت داری سے سمجھتے ہیں کہ جب تک مولانا آزاد کی فکری تہہ در تہہ غلطیوں اور ذہنی قلابازیوں کو سامنے نہ لایا جائے ہم اس پس منظر کو کہ علمائے دیوبند نے کیوں ہندو کانگریس کا ساتھ دیا آپ کے سامنے پیش نہ کر سکیں گے اور نہ ہی آپ یہ اندازہ فرما سکیں گے کہ ارادت و عقیدت کی وہ زنجیریں جو کسی زمانہ میں انسان کسی کی محبوبانہ اداؤں اور دلفریب نواؤں سے مسحور و متأثر ہو کر از خود اپنے پاؤں میں ڈال لیتا ہے وہ عقیدت و محبت کی مدہوشیوں میں کس طرح انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں۔ آزاد کی دورِ الہلال کی بیباک صداؤں اور حیات آور نواؤں نے خوابیدہ مسلمان کو خوابِ غفلت و مدہوشی سے بیدار کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا لہٰذا اس دور کے حلقۂ عقیدت میں آئے ہوئے لوگوں نے ان کے متحدہ قومیت کے دور میں بھی ان کے اشاروں پر کام کیا۔ ویسے تو کتاب کے ہر باب میں قریباً قریباً آزاد و مدنی کے ہمنواؤں کا ذکر آئے گا۔ کیونکہ جب تک تحریکِ پاکستان کے حامیوں اور مخالفین کا بار بار تذکرہ نہیں ہوگا۔ اس وقت تک ہم تحریکِ پاکستان کی تاریخ کو ترتیب نہیں دے سکیں گے۔

...ن فی الحال ہم مولانا آزاد کی دورِ الہلال کی چند تحریرات اور اس
... برعکس متحدہ قومیت کے زمانہ کے خیالات نذرِ قارئین کر کے اس
...ب کا آغاز کر رہے ہیں۔
ملاحظہ فرمائیے:۔

دورِ الہلال

"اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان اپنے کسی عمل و اعتقاد کے لیے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کا اپنا رہنما بنائے وہ مسلم نہیں، بلکہ شرک فی صفات اللہ کی طرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم اور اس لیے مشرک ہے۔ اسلام اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کے پیروؤں کو اپنے پولیٹیکل پالیسی قائم کرنے کے لیے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے۔ مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹیکل تعلیموں کے آگے جھک کر نیا راستہ پیدا کریں۔ ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں وہ خود دنیا کو اپنی راہ پر چلانے والے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں وہ خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو ساری دنیا ان کے سامنے کھڑی ہو جائے۔ ان کا خود اپنا راستہ موجود ہے۔ راہ کی تلاش میں کیوں اوروں کے۔۔۔ دروازوں پر بھٹکتے پھریں۔ خدا ان کو سربلند کرتا ہے وہ کیوں اپنے سروں کو جھکاتے ہیں؟ وہ خدا کی جماعت ہیں اور خدا کی غیرت اس کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والوں کے سر غیروں کے آگے جھکیں۔" (صفحہ ۱۲ تا ۱۹)

آگے چلیے:۔

"ہم آخر خود مسلمانوں کی سب سے بڑی غلطی سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ انھوں نے اپنے سامنے دو راستے ہی دیکھے یا گورنمنٹ پر اعتماد یا ہندؤوں اور کانگریس کی شرکت"۔

روزنامہ الہلال ۱۲/۱۲ ۱۹

دورِ متحدہ قومیت

"مسلمانوں کو اپنے (حقوق) کے تحفظات کے لیے گورنمنٹ برطانیہ کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ انھیں اپنے برادران وطن کی طرف دیکھنا چاہیے۔۔۔۔۔ ان سے بدگمان نہیں رہنا چاہیے بلکہ جوق در جوق کانگریس میں شریک ہو جانا چاہیے۔ کانگریس کے ہاتھوں میں ان کے حقوق بالکل محفوظ ہیں"۔ (انڈیپنڈنٹ ۱۹ ۲/۳)

اب ایک کانگریسی اخبار مدینہ جو بجنور سے نکلتا تھا اس کا مقالہ افتتاحیہ پیش کیا جاتا ہے یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ بتائیں کہ "مدینہ" بجنور کے ایڈیٹر راست گو ہیں یا مولانا آزاد یا دونوں۔۔۔

اخبار مدینہ اپنی ۸ر فروری سنہ ۱۹۲۰ء کی اشاعت کے مقالہ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:۔

"مولانا ابوالکلام آزاد سے بڑھ کر کانگریس کا حامی و ناصر کون ہوگا لیکن آپ بھی ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک جداگانہ قوم سمجھتے ہیں۔۔۔۔ چنانچہ مولانا نے محترم نے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے راقم الحروف سے فرمایا تھا کہ

"مسلمانوں کو ہر دو دیوار پر نقش کر دینا چاہیے" کہ وہ اپنی ملی انفرادیت کو کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتے۔۔۔۔ پچھلے دنوں مولانا نے اس موضوع پر مدینہ میں ایک سلسلہ مضامین لکھنے کا وعدہ

فرمایا تھا لیکن افسوس ہے کہ موصوف کی معروفیت و علالت کی وجہ سے یہ وعدہ پورا نہ ہو سکا۔ ورنہ ہم اس کے اقتباسات پیش کرکے گاندھی جی کو بتلاتے کہ اس مسئلہ میں انھوں نے اپنے نفس کو کتنا فریب دے رکھا ہے؟

مولانا آزاد کے متعلق مولانا کے مرید مایہ ناز مدینہ کا اعلان تو یہ ہے لیکن سنئے مولانا کا اپنا ارشاد کیا ہے۔ انتخاب صدارت کے بعد لاہور میں ایک تقریر کے دوران مولانا صاحب نے فرمایا:۔

"جناح کا یہ نظریہ کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو جداگانہ اقوام ہیں غلط فہمی پر مبنی ہے۔ میں اس باب میں آن سے متفق نہیں ہوں۔" (اسٹیٹسمین ۱۹ جنوری)

اجلاس رام گڑھ

اس کے خطبہ میں مولانا آزاد نے وہ سب کچھ کہلوایا گیا جس کے کہنے سے وہ برسوں تک پہلوتہی کرتے رہے۔ اس خطبہ میں ارشاد یہ بھی فرمایا کہ میرا مسلک آج بھی وہی ہے جو الہلال کے زمانہ میں تھا۔ فرماتے ہیں:۔

"مجھے معلوم نہیں کہ آپ لوگوں میں سے ایسے کتنے ہیں جن کی نظر سے میری وہ تحریریں گذر چکی ہیں جو آج سے اٹھائیس برس پہلے میں الہلال کے صفحوں پر لکھتا رہا ہوں۔ اگر چند شخص بھی ایسے موجود ہیں تو میں ان سے درخواست کروں گا کہ اپنا حافظہ تازہ کرلیں۔" (خطبہ صدارت صفحہ ۲۸)

دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:۔

"میں اپنے ہم مذہبوں کو یاد دلاؤں گا کہ میں نے ۱۹۱۲ء میں

جس جگہ سے انھیں خطاب کیا تھا آج بھی میں اسی جگہ کھڑا ہوں۔ اس تمام مدت نے حالات کا جو انبار ہمارے سامنے کھڑا کر دیا ہے۔ اُن میں سے کوئی حالت ایسی نہیں جو میرے سامنے سے نہ گذری ہو۔ میری آنکھوں نے دیکھنے اور میرے دماغ نے سوچنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

حالات میرے سامنے سے گذرتے ہی نہیں رہے میں اُن کے اندر کھڑا رہا اور میں نے ایک ایک حالت کا جائزہ لیا۔ میں مجبور ہوں کہ اپنے مشاہدے کو نہ جھٹلاؤں میرے لیے ممکن نہیں کہ اپنے یقین سے لڑوں۔ میں اپنی ضمیر کی آواز کو نہیں دبا سکتا۔ میں اس تمام عرصے میں ان سے کہتا رہا ہوں کہ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کے لیے صرف وہی ایک راہِ عمل ہی ہو سکتی ہے جس کی میں نے ۱۹۱۲ء میں انھیں دعوت دی تھی" (صفحہ ۳۵)

مولانا فرماتے ہیں کہ لوگ اپنا حافظہ تازہ کر لیں۔ حالانکہ ضرورت مخاطبین سے زیادہ مولانا کو ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے پاس الہلال کا کوئی پرچہ نہیں ہے۔ آئیے ہم مولانا کو بتلائیں کہ وہ ۱۹۱۲ء میں کیا کہتے تھے:-

"وقت کی ساری پھیلی ہوئی اندھیاریوں میں، انسانی نظر کا یہی ایک روشن پہلو ہے جو مہاتما گاندھی کی رُوحِ عظیم کو تھکنے نہیں دیتا!" (صفحہ ۲۱)

اس سے قبل روح کی عظمت و رفعت کا معیار

"اولیاء اللہ کا گروہ جس قدر محبتِ الٰہی اور انقطاع ماسوی اللہ میں ترقی کرتا ہے اُتنا ہی اس کے اعمال میں اخلاقِ الٰہی اور نور

ربانی کا ظہور بھی ترقی کرتا ہے اور اُن کی رُوح فیضانِ الٰہی کے نزدیک تر ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ تکمیل مرتبہ انسانیت تک اس کا ارتفاع ہو جاتا ہے اور یہی مرتبۂ مستقیم اور وہی قیم کا آخری مرتبہ ہے۔ ۔۔ ۔۔ یہ وہ قانون ارتقا ہے جسے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔"

(الہلال مورخہ ۹ ہر اگست ۱۹۱۳ء)

دورِ اُولیٰ میں مولانا

"کانگریس کمیٹیاں جو کام کر رہی ہیں ان میں مسلمان بھی ہندوؤں کے برابر کے شریک ہیں لیکن خالص مسلمانوں کے اندر سرگرمی عمل پیدا کرنے کے لیے کانگریس کا نظام کافی نہیں۔ ۔۔ ۔۔ کانگریس کمیٹیاں کسی شہر یا بستی میں پچاس جلسے منعقد کر کے مسلمانوں سے کہیں کہ چرخہ چلاؤ اور ولائتی کپڑا چھوڑ دو تو وہ اثر پیدا نہیں ہوگا۔ جو خلافت کمیٹی جمعہ کے دن مسجد میں ایک وعظ کر کے پیدا کر سکتی ہے۔"

(مضامین ابوالکلام آزاد ۱۹۲۱ء)

خطبہ صدارت ۱۹۲۱ء

"قوم افراد سے مرکب ہے اور افراد کی قومی ہستی کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ ایک جماعتی سلک میں تمام افراد منسلک ہو جائیں، اور تفرقہ و تشتت کی جگہ وحدت و اتحاد پر افراد قوم کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ہم اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور یورپ کے اجتماعی طریقوں کی نقالی کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ خود اسلام نے بھی حیات اجتماعی کے لیے کوئی

نظام ہمیں دیا تھا، اگر دیا تھا اور ہم نے ضائع کر دیا تو یورپ کی دریوزہ گری سے پہلے اسلام کا قرار دادہ جماعتی نظام کیوں نہ قائم کریں۔"

کیا مولانا اسلام کے نظام اجتماعی کے قیام کے لیے مصروف تگ و تاز رہے یا دورِ کانگریس میں انھوں نے یورپ کی نقالی کی اور مغربی جمہوریت اور وطنیت کا پرچار کیا اور ان کا انجام کن نظریات و اعتقادات کے دور میں ہوا؟

دورِ الہلال

"انسان کی سب سے بڑی ضلالت اور خدا فراموشی تھی کہ اس نے رشتۂ خلقت کی وحدت کو بھلا کر زمین کے ٹکڑوں اور خاندانوں کی تفریقوں پر انسانی رشتے قائم کر لیے تھے۔ خدا کی زمین کو جو محبت اور باہمی اتحاد کے لیے تھی قوموں کے باہمی اختلافات و نزاعات کا گھر بنا دیا تھا لیکن اسلام دنیا میں پہلی آواز ہے جس نے انسان کی بنائی ہوئی تفریقات پر نہیں بلکہ انہی تعبّد کی وحدت پر ایک عالم گیر اتحاد و اخوت کی دعوت دی اور کہا کہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔

اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا اس لیے کہ باہم پہچانے جاؤ ورنہ در اصل یہ تفریق و انشعاب کوئی ذریعۂ امتیاز نہیں۔ امتیاز اور شرف اسی کے لیے ہے جو اللہ کے

نزدیک سب سے زیادہ متنفی ہے"۔
آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"انسان کے تمام دنیوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ اصل رشتہ صرف ایک ہے اور وہی ہے جو انسان کو اس کے خالق اور پروردگار سے متصل کرتا ہے۔ وہ ایک ہے پس اس کے ماننے والوں کو بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ اگرچہ سمندروں کے طوفان، پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیاں زمین کے دور دراز گوشوں اور جنس و نسل کی تفریقوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر دیا"۔

(الہلال ۱۰ر نومبر ۱۹۱۳ء)

اللہ اللہ کیا رنگ انقلاب ہے کہ اب یہی ابوالکلام مشرقی اور مغربی پاکستان کے مسلمانوں کو ایک نہیں سمجھتے اور اس اسلامی رشتے کو سب سے بڑا فریب قرار دے رہے ہیں اور اسلام کے اسی زریں اصول کی تکذیب و تردید فرما رہے ہیں جسے مندرجہ بالا سطور میں پورے حتم و یقین سے پیش کر رہے ہیں۔

یہ بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

"یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی برادری ہے ہر انسان جس نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا۔ بمجرد اس اقرار کے اس برادری میں شامل ہو گیا۔ خواہ مصری ہو۔ خواہ الجریا کا وحشی خواہ قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ ترک۔ لیکن اگر وہ مسلم ہے۔ تو اس ایک خاندانِ توحید کا عضو ہے جس کا علاقہ کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ تمام دنیا اس کا وطن اور تمام قومیں اس کی عزیز ہیں۔ دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں۔ مگر یہ رشتہ کبھی

نہیں ٹوٹ سکتا۔" (الہلال ۱۹۱۲/۱۱/۱۶)

اس سے بھی زیادہ یقین آفریں، بلند آہنگ اور پرشکوہ الفاظ میں فرماتے ہیں۔

"پس اے عزیزانِ ملت! اور اے بقیۂ ماتم زدگانِ قافلۂ اسلام!! اگر یہ سچ ہے کہ دُنیا کے کسی گوشہ میں پیروانِ اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہے تو تعجب ہے کہ اگر اس کا زخم ہم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں۔ اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پرستارِ توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو لعنت ہے ان سات کروڑ کلمہ گویاں ہر جن کے دل میں اس کی تڑپ نہ ہو۔ اگر مراکش میں ایک حامیِ وطن کے حلق بریدہ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہو تو ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے منہ سے دل و جگر کے ٹکڑے نہیں گرتے!

ایران میں وہ گردنیں پھانسی کے پھندوں میں لٹک رہی ہیں جن سے آخری ساعتِ نزع میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کی آواز نکل رہی تھی تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو۔ اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس نہ کریں۔ اگر آج بلقان کے میدانوں میں حافظینِ کلمۂ توحید کے سر اور سینے صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھن رہے ہیں تو ہم اللہ، اس کے ملائکہ اور اس کے رسول کے آگے ملعون ہوں اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لیے بھی راحت اور سکون محسوس کریں۔

میں کیا کہہ رہا ہوں؟ حالانکہ اگر اسلام کی رُوح کا ایک ذرّہ بھی اس کے پیروؤں میں باقی ہے تو مجھ کو کہنا چاہیے کہ اگر میدانِ جنگ میں کسی ترک کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے تو قسم ہے خدائے اسلام کی کہ کوئی ہندوستان کا مسلمان، مسلمان

نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس تعین کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے کیونکہ ملت اسلامیہ ایک جسم واحد ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہوں اس کے اعضاء و جوارح ہیں۔ اگر ہاتھ کی انگلی میں کانٹا چبھے تو جب تک باقی اعضا کٹ کر الگ نہ ہو گئے ہوں ممکن نہیں اس صدمے سے بے خبر رہیں۔"

"انڈیا ونس فریڈم" مولانا مرحوم کی آخری کتاب ہے۔ جو انگریزی میں ہے اور ہمایوں کبیر نے مسودہ ترتیب دیا جس کا لفظ لفظ پڑھ کر مولانا کو سنایا گیا اس کے صفحہ ۲۲۷ کی وہ انگریزی عبارت نقل کر کے پھر اس کا ترجمہ نذر قارئین کرتے ہیں آپ دیکھیے کہ متحدہ قومیت کے نشے سے سرشار دانشور جناب ابوالکلام کس طرح مندرجہ بالا سطور سے یکسر منحرف ہو کر اپنے ہی پیش کردہ اسلامی اصول کی تکذیب کر رہے ہیں اور کس جرأت و دلیری اور ہوشیاری و خوبی سے حقائق کا چہرہ بگاڑ رہے ہیں۔

نیز اپنے پہلے خیالات و نظریات، تصورات و احساسات کو کس طرح بدل کر رکھ دیا ہے جو حضرات اب بھی اس بات کے دعویدار ہیں کہ آزاد مرحوم نے اسلام سے سرکشی اور بے رخی نہیں برتی ان سطور کے پڑھنے کے بعد بھی اگر وہ مُصر رہیں تو پھر ہمارے پاس ان کا کوئی علاج نہیں۔ ہمارا چیلنج ہے کہ وہ ان کی بازآفرینی کی ایک سطر تک پیش نہیں کر سکتے۔

ملاحظہ فرمایئے:۔

Mr. Jinnah and his followers did not see to realise that geography was against them. Muslims in undivided India were distributed in a way which made it impossible

to form a separate state in a consolidated area. The Muslim majority areas were on the north-west and the north-east. These two regions have no point of physical contract. People in these two areas are completely different from one another in every respect, except only in religion. It is one of the greatest frauds of the people to suggest that religious affinity can unite areas which are geographically, economically, linguistically and culturally different. It is true that Islam sought to establish a society which transcends social, linguistic, economic and political frontiers. History has however proved that after and first few decades of at most after the first century Islam was not able to unite all the Muslim countries into one state on the basis of Islam. This was the position in the past and this is the position to-day. No one can hope that East and West Pakistan will compose all their differences and form one nation.

(India wins freedom P. 227)

مولانا ظفر علی ۱۹۳۹ء

رسول اللہ کے گھر میں یہ کیسا انقلاب آیا
کہ گاندھی جی کی کُٹیا حاملانِ دیں کا ڈیرا ہے
خدا ہی جانتا ہے حشر اس ٹولی کا کیا ہو گا
حرم سے جس کی بدبختی نے رُخ ملت کا پھیرا ہے

اصل تحریر ہم نے انڈیا ونس فریڈم صفحہ ۲۲۷ سے پیش کر دی ہے۔ انگریزی خواں حضرات دیکھ لیں یہاں لفظ صاف، اور واضح طور پر اسلام ہے۔ اب چند اہم سطور کا ترجمہ نذر قارئین کرتے ہیں

"یہ کہنا کہ مذہبی ہم آہنگی ان علاقوں کو جو جغرافیائی اقتصادی، لسانی اور تمدنی طور پر مختلف ہیں متحد کر سکتی ہے لوگوں کے ساتھ سب سے بڑا فریب ہے، یہ سچ ہے کہ اسلام نے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی کوشش کی جو نسلی لسانی اقتصادی اور سیاسی حدود سے بالا تر ہو۔ لیکن تاریخ نے ثابت کر دیا کہ پہلے چند قرنوں یا زیادہ سے زیادہ پہلی صدی کے بعد اسلام صرف اسلام کی بنا پر تمام مسلم ممالک کو ایک اسٹیٹ میں منسلک کرنے میں ناکام رہا۔"

مولانا آزاد (مرحوم) کی یہ آخری کتاب مشتمل ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) کے مختصر سوانح حیات پر اور ان کا نمایاں کے مقابلتاً تفصیلی بیان پر جو انھوں نے ہندوستان کی آزادی کی کشمکش کے دوران سرانجام دیئے، کتاب کے مرتب مسٹر ہمایوں کبیر نے پیش لفظ میں کتاب کی ترتیب و تسوید کی داستان بھی بیان کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ قریب دو سال تک ان کا معمول رہا کہ وہ ہر شام ایک گھنٹہ کے قریب مولانا آزاد کے ساتھ بسر کرتے۔ مولانا اپنی داستان زبانی بیان کرتے اور ہمایوں کبیر صاحب اس کے نوٹ لیتے جاتے اس کے بعد وہ اس

داستان کو (انگریزی زبان میں) ترتیب دیتے اس طرح جب اس اس کتاب کا مسودہ تیار ہو گیا تو مولانا آزاد نے اس کا ایک ایک فقرہ پڑھا اور یوں اسے ان کی تصویب و توثیق حاصل ہو گئی۔ مولانا آزاد نے فیصلہ کیا کہ کتاب کے قریب تیس صفحات سردست شائع نہ ہوں۔ چنانچہ ان صفحات کو نیشنل لائبریری کلکتہ اور نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں سربمہر لفافوں میں رکھ دیا گیا تھا یا مسودہ زیر نظر کتاب کی شکل میں ہندوستان میں شائع ہوا ہے (پاکستان میں یہ کتاب غالباً فروخت کے لیے نہیں آئی) کتاب کا مطالعہ جو مجموعی نقوش پڑھنے والے کے دل پر چھوڑتا ہے انھیں مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ :-

۱۔ اگر دو ایک مقامات پر اس قسم کا تذکرہ ضمنی اشارات میں نہ آ جاتا تو کسی ناواقف کو پتہ نہ چل سکتا کہ کتاب کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہے یا غیر مسلم کی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ متحدہ قومیت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے انسان کی کیفیت ایسی ہی ہونی چاہیئے۔ اس نقطۂ نگاہ سے مصنف اپنی تصنیف میں کامیاب ہے۔

۲۔ مصنف ہر مقام پر اپنی انفرادیت کو نمایاں طور پر محسوس کرانا چاہتا ہے وہ بتانا چاہتا ہے کہ ہندوستان میں اس سے بہتر سیاست دان کوئی نہیں تھا چنانچہ جن معاملات میں اس کے رفقائے کار کو اس کی رائے سے اختلاف ہوتا ہے اور فیصلہ مصنف کی رائے کے خلاف ہوتا ہے مصنف بتاتا ہے کہ آخر الامر واقعات ثابت کر دیتے ہیں کہ اس کی رائے صحیح اور باقیوں کی رائے غلط تھی۔

۳۔ مصنف کے دل میں ایک پھانس ہے جو اسے کسی پہلو چین

سے نہیں بیٹھنے دیتی وہ پھانس ہے۔ مسٹر جناح کا تصور پوری کتاب میں نظر آتا ہے کہ جناح مصنف کے اعصاب پر سوار ہے اور اس کے خلاف آتش انتقام مصنف کو طلسم پیچ و تاب بنائے ہوئے ہے۔

۴۔ مصنف کی زندگی ایک عظیم المناک حادثہ سے دوچار ہوئی جس کی یاد اسے آخری دم تک ستاتی رہی۔ یہ المناک حادثہ تھا ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کا قیام۔ اس سے ہندوستان کو جس قدر نقصان پہنچا ہے وہ اس پر خون کے آنسو روتا ہے۔

۵۔ مصنف یہ باور کرانا چاہتا ہے، کہ وہ اپنی زندگی میں شروع سے آخر تک ایک ہی مسلک کا پیرو اور ایک ہی اصول کا پابند رہا ہے یعنی نیشلزم اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت یہ وہ مقام ہے جہاں ان لوگوں کے دل میں مصنف کا کوئی احترام باقی نہیں رہتا جو اس کی پوری زندگی سے واقف ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ اس کے پہلے دور (الہلال، اور دوسرے دور (کانگریسی دور) میں کس قدر تضاد و تخالف تھا۔

۶۔ مصنف اپنے رفقائے کار میں سے کسی پر بھی تنقید سے نہیں جھجکتا۔ حتیٰ کہ گاندھی، پٹیل، جواہر لال جیسی شخصیتیں بھی اس سے مامون نہیں ہیں لیکن اس تنقید سے مقصود مصنف کا اپنی برتری کا اثبات ہوتا ہے۔

۷۔ مصنف اسلام کے مستقبل سے مایوس تھا اور وہ اسے ایک "چلے ہوئے کارتوس" سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔

(طلوع اسلام جون ۱۹۵۹ء)

گو یہ کتاب تقسیم ہندوستان کے بعد شائع ہوئی ہے لیکن جیسا کہ ہم ابتدا میں عرض کر آئے ہیں کہ جب تک آزاد کے زمانۂ الہلال اور کانگریسی دور میں خیالات و نظریات کے واضح فرق کو سامنے نہیں لایا جائے گا۔ اس وقت تک کانگریسی علماء کی صحیح تصویر کشی میں دقت ہو گی۔ اسی لیے ہم نے آزاد کے بدلے ہوئے خیالات کے بارے میں جو اس کتاب میں پیش کیے گیے ہیں۔ مختصراً تنقید و تبصرہ قارئین کی نذر کر دیا ہے۔

یہ بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

"لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی۔ وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے۔ میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل (FACTOR) ہوں۔ میں اپنے اس دعوٰی سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا۔"

آگے بڑھیئے:۔

"ہندوستان کے لیے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کی زمین انسان کی مختلف نسلوں، مختلف تہذیبوں اور مختلف مذہبوں کے قافلوں کی منزل ہے۔ ابھی تاریخ کی صبح بھی نمودار نہیں ہوئی تھی کہ ان قافلوں کی آمد شروع ہو گئی اور پھر ایک کے بعد دوسرا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کی وسیع سرزمین سب کا استقبال

کرتی رہی اور اس کی فیاض گود نے سب کے لیے جگہ بنالی۔ ان ہی قافلوں میں ایک حجازی قافلہ پیروانِ اسلام کا بھی تھا۔ یہ پچھلے قافلوں کے نشان راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا اور ہمیشہ کے لیے یہاں بس گیا یہ دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا ملان تھا۔ یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح ایک دوسرے سے الگ الگ بہتے رہے لیکن پھر جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے دونوں کو ایک سنگم میں مل جانا پڑا۔ ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا جس دن یہ واقعہ ظہور میں آیا اسی روز سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے پرانے ہندوستان کی جگہ ایک نئے ہندوستان کے ڈھالنے کا کام شروع کر دیا تھا

(صفحہ ۳۷ و ۳۸)

یہ بھی سنو:۔

۱۔ "کانگریس جو بھی قدم اٹھانا چاہتی ہے ہندوستان کے لیے اٹھانا چاہتی ہے"! (صفحہ ۴۴)

۲۔ "یہ تخیل کہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں سرکاری ماتوں کا وضع کردہ ہے"! (صفحہ ۲۸ و ۲۹)

اس مرصع غزل کا آخری شعر

"ہماری اس ایک ہزار سال کی مشترک زندگی نے ایک متحدہ قومیت کا سانچا ڈھال دیا ہے ایسے سانچے بنائے نہیں جا سکتے وہ قدرت کے مخفی ہاتھوں سے صدیوں میں خود بخود بنا کرتے ہیں اب یہ سانچہ ڈھل چکا اور قسمت کی مہر اس پر لگ چکی۔ ہم پسند کریں یا نہ کریں مگر اب ہم ایک ہندوستانی قوم اور ناقابل تقسیم ہندوستانی قوم بن چکے ہیں۔ علیحدگی کا کوئی بناوٹی تخیل ہمیں

پاکستان) ہمارے اس ایک ہونے کو وہ نہیں کر سکتا ہمیں قدرت کے فیصلے پر رضامند ہونا چاہیے اور اپنی قسمت کی تعمیر میں لگ جانا چاہیے۔ (صفحہ ۳۹)

آگے چل کر رقمطراز ہیں :-

"مہاتما گاندھی کی راہنمائی پر اعتماد ہی ایک تنہا راہنمائی ہے جس نے ہماری تحریک کا شاندار ماضی تعمیر کیا اور اس سے ہم ایک فتح مند مستقبل کی توقع کر سکتے ہیں"

"یہی ایک تنہا راہ نمائی ہے۔

مولانا صاحب کا ایمان، قرآن کا ارشاد :-

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ

کہدے کہ راہ نمائی صرف ایک ہے اور وہ اللہ کی راہ نمائی ہے۔

مولانا کبھی فرماتے تھے :-

"البتہ بطور تحدیث نعمت کے عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ راہ سوجھائی کہ مسلمانوں کے پولیٹیکل نصب العین کو بھی قرآن کریم سے ماخوذ ہونا چاہیے۔ اور ان کو اس راہ میں از روئے مذہب قدم رکھنا چاہیے نہ کہ باتباع حریت جدیدہ یورپ و تقلید اخوان وطن، پھر یہ اس کا ایک فضل ہے اور اس میں مجھے شکوے کی گنجائش نہیں۔ آج چالیس برس سے مسلمان پالٹیکس پر انکار یا اقرار کے لحاظ سے بحث کر رہے ہیں لیکن براہ کرم بتائیے کہ آج تک ایک صدا بھی تمام اسلامی ہند میں اس کی بلند ہوئی؟ آج تک مسلمانوں نے اور ان کے تمام لیڈروں نے پولیٹیکل آزادی کو ہمیشہ ہندوؤں کی ... کے ... آزادانہ و...

کا نتیجہ سمجھا لیکن کسی نے اس پہلو پر نظر نہ ڈالی کہ خود اسلام بھی مسلمانوں کو ان کی سیاست کے لیے کوئی بلند جگہ دیتا ہے یا نہیں۔ اس کا دھوٹی کس کر ہے کہ نئی بات دکھلادی البتہ ایک کھوئی ہوئی بصارت تھی جواب واپس آگئی ہے۔"
(الہلال، ۲۰ دسمبر ۱۹۱۲ء)

تحریر فرماتے ہیں:۔
"کفار سے مسلمانوں کو ساز باز نہ رکھنی چاہیے۔ ان سے بے تعلق ہونا لازم ہے۔ جو ساز باز رکھتے ہیں۔ جنہیں ان سے بے تعلق ہونے میں اپنے اور اپنی قوم کے لیے مشکلات اور مصائب کا اندیشہ ہو وہ غلطی پر ہیں۔ ان کو پشیمان ہونا پڑے گا۔ اسلام کو فتح نصیب ہوگی اور مسلمانوں کی بہبود و بہتری کا قدرت کاملہ کوئی اور انتظام کردے گی۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ لات حین مندامت ولا ینفعہم الندامۃ اس وقت نادم ہوئے جب ندامت مفید ہی نہ رہی۔" (مضامین آزاد حصہ سوئم)
آپ دیکھ چکے ہیں کہ دورِ الہلال کے نظریات و خیالات اور ایمان و ایقان سے منحرف ہونے والا "وزمتحدہ قومیت" کے نشہ سے سرشار ترجمان القرآن کی شکل میں قرآن عزیز کی گاندھوی تفسیر و تشریح کرنے والا مفسر قرآن اسلام کے نصب العین سے کس قدر بیزار و مایوس ہے۔ جسے کبھی ترک مسلمان سے ہندی د کرنے والا ہندی مسلمان مسلمان نظر نہیں آتا تھا اب مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں آسے کوئی رشتہ اتحاد نظر نہیں آتا لیکن دیکھئے ایک غیر مسلم محقق و مورخ اپنی تحقیقات کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچا ہے۔

"اسلام کوئی ناممکن الحصول نصب العین متعین نہیں کرتا۔"

HITTI- HISTORY OF THE ARABS P.129

گبن جیسا متعصب مورخ کیا لکھتا ہے:۔

"جو چیز ہمارے لیے وجہ حیرت ہے وہ اسلام کی اس قدر جلد اشاعت نہیں بلکہ یہ کہ اس کی تعلیم کس قدر ابدی حقائق پر مبنی ہے۔" (زوال رومۃ الکبریٰ صفحہ ۲۸۶)

آب کوثر سے جو پھسلا لب گنگا پہنچا

ابوالکلام آزاد متحدہ قومیت کے نشہ و جذبات سے سرشار جو الہلالی دور میں اسلام کا نام لے کر مسلمانوں کے دلوں کو گرمایا کرتے تھے اسلام سے مایوسی و بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اسلام (رب العالمین اور رحمۃ للعالمین) کا دین عالمگیر برادری کی تشکیل کرنے میں ناکام و نا کامیاب ہے اور حضرت والا بشر بیت کے حیات کش اور انسانیت سوز دلدل میں پھنستے ہیں۔ لیکن مغربی ملحد، بے دین، مفکر و مورخ اور سیاست دان اپنی تحقیقات اور مشاہدات کے بعد بشر بیت کے متعلق اس نتیجہ پہنچتے ہیں:۔

"مشظرم انسانی تاریخ کا سب سے بڑا مفسدہ ہے۔"

اور اس نتیجہ پر کہ:۔

"مشظرم نوع انسانی کی تباہی کے لیے سب سے بڑی قوت ہے"

BERTRAND RUSSELL IN "THE HOPE FOR A CHANGING WORLD.

یہ حضرات زبانِ حال سے پکار رہے ہیں :-
"مسلمانوں کی اُخوتِ باہمی کا عقیدہ یقیناً مغرب کی تنگ نظر قومیت پرستی کے عقیدے سے کہیں بہتر ہے اور یہی عقیدہ موجودہ زمانے کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔"

TOYNBEE THE WORLD AND THE WEST P93.

یہ مسلمانوں سے توقع و اُمید رکھتے ہیں کہ
"تم اپنے عالمگیر مودّت و اُخوت کے تصور کو چھوڑ کر یورپ کا ایسا تنگ نظر تصور اپنے ہاں رائج نہیں کرو گے۔ ایک ہی عالمگیر برادری کا تصور ویسے تو نوعِ انسانی کی فلاح کے لیے ہمیشہ ضروری رہا ہے لیکن اس ایٹم کے دور میں اس کی اہمیت اور ضرورت اور بھی شدید ہو گئی۔"

دورِ الہلال

دورِ الہلال میں مولانا آزاد بھی انہی خیالات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

ملاحظہ فرمائیے :-
"مسلمانوں کے لیے راہِ عمل ہمیشہ ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک ہے یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت سے باز آجائیں جس میں وہ ایک مدت سے مبتلا رہے ہیں اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے ان پر بند ہو گئے ہیں۔ جماعتی زندگی کی معصیت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان میں ایک جماعت بن کر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہو گیا ہے وہ بالکل اس

گلے کی طرح ہیں جس کا انبوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہو کر گم ہو گیا ہو۔" (مسئلہ خلافت و جزیرۃ العرب) از مولانا آزاد

یہ بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

"ہمارے ملکی بھائی اپنے اندر صرف قومیت اور سیاست کی رُوح پیدا کر کے زندگی کی حرارت پیدا کر سکتے ہیں اس طرح اور قومیں بھی لیکن مسلمان کی تو کوئی علیحدہ قومیت نہیں ہے جو کسی خاص نسل و خاندان یا زمین کی جغرافیائی تقسیم سے تعلق رکھتی ہو ان کی ہر چیز مذہب یا بالفاظ مناسب تر ان کا تمام کاروبار صرف خدا سے ہے بس جب تک وہ اپنے تمام اعمال کی بنیاد مذہب کو قرار نہیں دیں گے اس وقت تک ان میں نہ قومیت کی رُوح پیدا ہو سکے گی اور نہ وہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازہ کو جمع کر سکیں گے۔"

"آج دُنیا "قوم" اور "وطن" کے نام میں جو تاثیر دیکھتی ہے مسلمانوں کے لیے وہ اثر صرف "اسلام یا خدا کے لفظ میں ہے یورپ میں نیشن کا لفظ کہہ کر ایک شخص ہزاروں دلوں میں حرکت پیدا کر سکتا ہے لیکن آپ کے پاس اس کے مقابلہ میں اگر کوئی لفظ ہے تو خدا یا اسلام ہے۔"

آگے چلیے:۔

"ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے رُوٹھ جائے بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے بچے کو الگ کر دے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن بن جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دُنیا کے تمام عہد مودت۔ خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان وفا و محبت ٹوٹ جائیں مگر جو رشتہ ایک چینی

کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے۔ ایک عرب کو بدو قریشی سے پیوستہ و یک جان کر سکتا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت نہیں ہے جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لیے جکڑ دیا ہے۔"

(الہلال ۱۹ر نومبر ۱۹۱۳ء)

اندازہ فرمایئے:۔

"ہمارے عقیدہ میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا کسی اور تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ ایک کفر صریح ہے اور پالیٹکس بھی اس میں داخل ہے۔ افسوس کہ آپ حضرات نے اسلام کو کبھی اس کی اصلی عظمت میں نہیں دیکھا۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ورنہ اپنی پولیٹیکل پالیسی کے لیے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ ہی ہندو کی اقتداء کی ضرورت پیش آتی۔" (مضامین آزاد حصہ دوئم)

ابوالکلام مرحوم کی تحریر ایسی نظر فریب اور سحر آمیز ہے۔ کہ جب مرحوم نے دور الہلال کے موقف سے منحرف ہو کر قرآن عزیز کی گاندھوی تفسیر کی تو عقیدت کیش، اور ارادت مند سطحیہ بھی۔ حضرات اس بنیادی فرق کو محسوس نہ کرتے ہوئے جو دور الہلال کے آزاد اور متحدہ قومیت کے نشہ سے سرشار و گاندھوی خیالات کے پرستار ابوالکلام میں تھا جنھوں نے اب راشٹر پتی آزاد کا لقب بھی اختیار کر لیا تھا بدستور ان کی سحر آفرینیوں سے مسحور رہے اور مولانا آزاد نے بھی مہاتما گاندھی کے اس خیال کو قبول کرتے ہوئے کہ عالمگیر سچائیاں سب ہی ایک جیسی ہیں اور تمام مذاہب یکساں ہیں" اور خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی نجات و سعادت کی ضامن ہے۔ ہدایت خدا کی

رحمت ہے جو کسی ایک گروہ کی میراث نہیں ہو سکتی وغیرہ وغیرہ اپنی تائید و حمایت پیش کر دی۔

خیال فرمائیے جب اس سطحی کشش و جاذبیت کو مولانا ابوالکلام مرحوم جیسے مفسر قرآن کی تائید بھی حاصل ہو جائے تو اس سحر کو سطحی ذہنیتوں کے مسحور کرنے سے کون روک سکتا ہے اور ایسے لوگوں کے متاثر و مرعوب ہونے میں کون سی شے مانع ہو سکتی ہے۔ یہی اسلام سوز نظریہ شہنشاہ اکبر کے دور میں ابھرا انہی جذبات و مقاصد کو دین الٰہی کا نام دیا گیا۔ یہ بات تاریخ دان حضرات سے پوشیدہ نہیں اور اسی طرح وہ مساعی جمیلہ بھی ان کی نگاہوں سے مستور نہیں جو اس نظریہ کے ابطال و استیصال کے لیے حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مومنانہ۔ مجاہدانہ اور مفکرانہ انداز اختیار کیا۔

سراب آسا تفسیر

ہم نے ہفت روزہ "آقا ام" میں کہ کانگریسی دور کے ابوالکلام آزاد نے "متحدہ قومیت" کے نظریہ کو تقویت بخشنے کے لیے اپنے الہلالی دور کے نظریات سے یکسر انحراف کر کے گاندھوی اثر و رسوخ (ہندوؤں کو) قوت و طاقت مہیا کرنے کے لیے جو سراب آسا تفسیر اور فریب آمیز تشریح قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کی لکھی ہے تفصیل سے لکھا تھا کہ وہ انسان کو قرآنی مفہوم و روح سے کوسوں دور لے جاتی ہے بلکہ

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبریل و مصطفےٰ را

ہم اس مقام پر اپنے ناظرین کرام کی خدمت عالیہ میں پیش

کے انصاف کے طالب ہیں۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (پ ۱، البقرہ ع ۷)

مولانا آزاد کا گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:-

"جو لوگ (پیغمبر اسلام پر) ایمان لاچکے ہیں وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں یا نصاریٰ اور صابی ہوں (کوئی ہو اور کسی گروہ بندی میں سے ہو) لیکن جو کوئی بھی خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان و عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی"

یہ ہم نے ترجمان القرآن کے صفحہ نمبر ۱۹۰ ۱۹۱ سے حرف بحرف نقل کیا ہے اور اس جلد سے ۱۶ نومبر ۱۹۳۰ء کی تاریخ لکھی ہے، اس جلد میں سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے۔

ترجمہ کے الفاظ پھر دوبارہ غور فرمایئے یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی پر ایمان و اقرار ضروری نہیں۔ یہ ظاہر کرنے سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ آزاد نے ایمان بالرسالت کو ضروری قرار نہیں دیا۔

اب اس آیت مبارکہ کا قرآنی مفہوم ملاحظہ فرمائیں:-

"تحقیق جو لوگ ایمان لانے والے ہیں اور یہود و نصاریٰ، صابئین اور جو شخص بھی اللہ و آخرت پر ایمان لائے اور عمل اچھے کرے ان کا اجر ان کے اللہ کے پاس ہے اور ان کو کسی قسم کا خوف و حزن نہیں"

دونوں ترجموں کا فرق قارئین کے سامنے ہے اور بخوبی اندازہ فرما سکتے ہیں کہ ابوالکلام مرحوم کے ترجمے سے مفہوم یکسر بدل جاتا ہے۔ مولانا مرحوم کی یہ تشریح و تفسیر جدید نظریہ (یکسانیت مذاہب) کے مؤیدین کا عروۃ الوثقیٰ ہے۔

حق ہے کہ متحدہ قومیت و وطنیت کے نشہ واثر سے سرشار و مخمور انسان اس کے سوا اور کچھ بھی کیا سکتا ہے۔ شاعر نے سچ کہا ہے ؂

کانگریس کے مولوی کی کیا پوچھتے ہو کیا ہے
گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے

قارئین کرام! قرآن کے اس دعویٰ کو ایک زندہ حقیقت سمجھ کر ذہن میں محفوظ فرمالیجے:۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

"اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ حیات اور نظام حقیقی دے کر بھیجا تاکہ وہ نظام تمام نظام ہائے عالم پر غالب آجائے۔ خواہ یہ چیز مشرکین کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے"۔

دیکھا مولانا آزاد مرحوم کے اس دعویٰ کے بعد کہ عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں ہیں اور نجات و سعادت بھی سب میں ہیں! خدا کا یہ دعویٰ کہ دین اسلام تمام مذاہب سے ارفع و اعلیٰ ہے اور نجات و سعادت اس سے باہر کہیں نہیں۔ ابوالکلام مرحوم کے ترجمہ و تفسیر کو کس طرح باطل قرار دے رہا ہے۔

آگے چلیے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ (البقرہ آیت ۲۰۸)

"اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں سارے کے سارے اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

اس سے اگلی آیت:۔

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (۵ والبقرہ پارہ آیت ۲۰۹)

"پھر اگر تم لغزش کرو بعد اس کے کہ آ چکیں تمہارے پاس روشن دلیلیں تو جان لو اللہ زبردست حکمت والا ہے۔"

آگے چلیے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ
الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ
قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ (۵ النساء پارہ آیت ۱۳۶)
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا
ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا
لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ (۵ النساء پارہ آیت ۱۳۷)
بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَۨا ۝ (۵ النساء پارہ آیت ۱۳۸)

"اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے نازل کی اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے اور جو کوئی انکار کرے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز قیامت کا تو وہ بیشک گمراہ ہو کر بہت دور جا پڑا۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر انکار کر دیا پھر بڑھتے گئے کفر میں اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ہی دکھائے گا انھیں راہ، خوشخبری سنا دیجئے منافقوں کو، انھیں عذاب ہوگا دردناک۔"

اس سے آگے چل کر قرآن کریم کا ارشاد:-

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ
فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ (۵ النساء آیت ۱۳۹)

"وہ لوگ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست، سوائے مسلمانوں کے، کیا وہ چاہتے ہیں ان کے پاس عزت، پس بے شک عزت تو اللہ ہی کے لیے ہے۔"

إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا۔ (پارہ پانچواں آیت ۱۴۰)

"بلاشبہ اللہ جمع کرنے والا ہے سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں۔"

فراہم و مہیا کر دیا

عزیزان ملت! اصل میں قرآن عزیز نے یہی صحیح تصور پیش کیا تھا۔ لیکن ابوالکلام مرحوم جو دورِ الہلال میں مسلمانوں میں ایک عالم دین اور مفسر کی حیثیت سے امتیاز حاصل کر چکے تھے اور ان کے قلم و زبان کا مسلمانوں کے دلوں پر گہرا اثر تھا۔ اسلام سے مایوس و بیزار ہونے کے بعد جب کانگریس کے اس نظریہ قومیت کو مقبول عام بنانا مقصود ٹھہرا تو متحدہ قومیت کے اس نظریہ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی آپس میں ہیں بھائی بھائی" کے نعرے کے لیے مسلمانوں سے قبول عام کی سند حاصل کرنے کے لیے سراسر قرآنی مفہوم اور اپنے دورِ الہلال کی تحریروں کے خلاف یہ تفسیر کی جس کا ترجمہ ہندو کانگریس نے ہندی میں شائع کر کے بھی تقسیم کیا۔

اور ایسے اجتماعات و تقاریب میں جنھیں تمام مذاہب کی کانفرنس کا نام دیا جاتا تھا ہندو اس تفسیر کو بطور سند پیش کرتے رہے۔ ہم اس مقام پر اس پر تفصیلاً نہیں کہ ایسے مذاہب کے زیرک و فہیم لوگوں نے (جن میں مہاتما گاندھی صف اوّل میں تھے) یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان کا مذہب وقت کے جدید تقاضوں کا جواب نہیں دے سکتا، اس لیے ان کی قوم کے پڑھے لکھے نوجوان اُن کے مذہب سے مایوس و بدظن ہو کر اسلام کی گود میں چلے جائیں گے۔ انھوں نے ایسے اجتماعات اور مذہبی کانفرنسوں کا ڈھونگ رچا کر اسلام کو

جسے اللہ تعالیٰ نے (دین الحق) فرمایا ہے اور دعوے کیا ہے کہ تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا بھی (جو در اصل مذہب نہیں دین ہے) انھیں مذاہب کی صف میں لا کھڑا کیا اور اس پروپیگنڈے میں شدت پیدا کر دی کہ عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں ہیں۔

مقام تاسف و افسوس ہے کہ ایک زمانہ میں تو کعبے کو صنم خانے سے پاسبان مل گیے تھے لیکن اس دور میں کفر نوازی کا فریضہ الہلال دور کے مفسر قرآن نے سرانجام دیا اور اس نعرے کو تقویت کا سامان راشٹرتی ابوالکلام مرحوم نے مہیا و فراہم کر دیا۔ یہاں صرف ایک واقعہ اپنی معروضات کی تائید و حمایت میں پیش کریں گے۔

کچھ اہمیت نہیں رکھتا

جون ۱۹۴۱ء میں شولاپور کے مقام پر اسی نوعیت کی ایک تمام مذاہب کانفرنس منعقد ہوئی جس کے صدر ہندو قوم کے مشہور کارکن اور معروف خدمتگار پنڈت سندر لال جی تھے۔ پنڈت جی نے خطبہ میں اپنا سارا علم و زور اس بات میں صرف کر دیا کہ اسلام یہ خود تسلیم کرتا ہے کہ نجات و سعادت کی راہیں ہر مذہب میں یکساں طور پر موجود ہیں اور کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر فوقیت نہیں۔ اصل مذہب خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی ہے اور یہ اصل ہر مذہب میں موجود ہے۔ فرق صرف شرائع و مناہج و فروعات میں ہے اور ایسا فرق کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ پنڈت جی نے اپنے اس دعوٰی کے ثبوت میں شروع سے آخر تک جناب ابوالکلام مرحوم کی تفسیر سورۂ فاتحہ (ترجمان القرآن جلد اول) سے شرح و بسط سے اقتباسات پیش کیے جن سے حرفاً حرفاً ان کے اس دعوٰی کی تصدیق و تائید ہوتی تھی۔

قارئین کرام خدا پرستی اور زبک عملی یعنی (پرستش پوجا پاٹ) کا تصور بھی جناب آزاد نے اس لیے دیا ہے کہ مسلمان جو اسلام کو ایک ضابطۂ حیات کی حیثیت سے پیش کر کے یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہمارے اصول حیات الگ ہیں، قرآن قوانین خداوندی کا ایسا مکمل مجموعہ ہے جو ہماری قدم قدم پر رہبری و رہنمائی کرتا ہے۔ ہماری تہذیب ہمارا رہنا سہنا، کھانا پینا بالکل ہندوؤں سے مختلف ہے۔ لیکن آزاد فرماتے ہیں کہ مسلمان نظام حیات کی حیثیت سے تو جمہوریت یعنی ہندو اکثریت کے اصولوں کو اپنالیں اور وطن کو اپنا معبود قرار دے لیں، انفرادی طور پر ہر مسلمان پوجا پاٹ (پرستش) خدا کی کرے اور اپنے آپ کو یہ فریب دے کہ خدا کا فرمانبردار اور مطیع بندہ ہوں۔

خود ہی فرمائیے بھلا کون سا صحیح العقل انسان ہوگا جو قرآن عزیز کے واضح احکامات کے بعد آزاد کی مندرجہ بالا تفسیر و ترجمہ پر اعتبار و اعتماد کرے گا؟ راشٹر پتی مولانا ابو الکلام آزاد کی گاندھوی تفسیر کا ایک اور نمونہ حاضر خدمت ہے:-

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٩﴾

سورہ توبہ کی اس آیت پاک کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:-

"اہل کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ نہ تو خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت کے دن پر، نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرا دیا ہے اور نہ سچے دین ہی پر عمل پیرا ہیں، تو (مسلمانو!) ان سے (بھی) جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی

سے جزیہ دینا قبول کرلیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو۔"
(ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۸۲)

دیکھئے اہل کتاب خدا کو بھی مانتے تھے اور اپنے خیال کے مطابق نیک اعمال بھی کرتے تھے بایں ہمہ مسلمانوں کو (خاص حالات کے ماتحت) جس طرح کفار اور مشرکین سے قتال کا حکم دیا گیا اسی طرح اہل کتاب سے بھی قتال کا حکم دیا گیا اس حکم کے وقت اہل کتاب کے خلاف جو فرد جرم (چارج شیٹ) عائد کی گئی وہ یہ ہے جس کا ترجمہ مولانا آزاد مرحوم نے متحدہ قومیت اور وطنیت کے کانگرسی تصور کو تقویت دینے کے لیے اس طرح کیا جو مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا گیا ہے:۔

اب اس آیہ جلیلہ کا قرآنی مفہوم ملاحظہ فرمائیے:۔

"اہل کتاب جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا اور رسولؐ نے حرام بتایا ہے اور نہ سچے دین کو ہی قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر جزیہ دینا قبول کرلیں۔"

WWW.NAFSEISLAM.COM

دونوں ترجمے سامنے رکھ کر ایک صاحب ایمان یہی تسلیم و اقرار کرنے پر مجبور ہوگا کہ مولانا مرحوم نے یکسر قرآن عزیز کے مفہوم و مطلب کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

اس آیہ جلیلہ سے تو حسب ذیل امور کی تصریح ہوتی ہے:۔

۱۔ اہل کتاب ہر چند خدا اور آخرت پر ایمان کے مدعی تھے (اور ہیں) لیکن قرآن کریم ان کے اس ایمان کو ایمان ہی قرار نہیں دیتا اس لیے قرآن کریم کی رو سے ایمان وہی ہے جو اس طریق پر لایا جائے جو قرآن نے بتایا ہے۔

۲۔ اہل کتاب کا اس طرح پر ایمان نہ لانے کا نتیجہ ہے کہ وہ حرام اور

حلال میں ان پابندیوں کو ملحوظ نہیں رکھتے جو قرآن کریم نے عائد کی ہیں اس سے واضح ہو گیا کہ اسلام صرف "خدا پرستی اور نیک عملی" (بزعم خویش) کا نام نہیں بلکہ قرآن کریم کے تشریعی احکام کی پابندی بھی ضروری ہے۔

۳۔ تیسرے ٹکڑے میں اس امر کی وضاحت بیان فرما دی کہ ان لوگوں کا اپنے اپنے طریقہ پر خدا پرست بن جانا کچھ معنی نہیں رکھتا ان کے لیے دین الحق قبول کرنا نہایت ضروری ہے یعنی اسلام میں داخل ہونا لازمی شرط ہے۔ دین الحق اس مذہب کا نام ہے جو نبی اکرمؐ کی وساطت سے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ قرآن میں جہاں جہاں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں اسی دین کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

ملاحظہ ہو $\frac{۹}{۳۳}$، $\frac{۴۸}{۲۸}$، $\frac{۶۱}{۹}$

مندرجہ صدر آیت کا مطلب بالکل واضح ہے لیکن چونکہ یہ حقیقت جناب آزاد کے برہمو سماجی اسلامی نظریہ کے خلاف جاتی تھی اس لیے انھوں نے ترجمہ میں ایسا اضافہ فرمایا ہے۔ جس سے اس کا مفہوم یکسر بدل جاتا ہے۔ ذرا غور فرمائیے ترجمہ میں چار لفظوں کے اضافے نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی۔ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے یعنی قرآن کریم میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے یہ لوگ انھیں حرام نہیں سمجھتے لیکن جناب آزاد نے یہ کہہ کر کہ جنھیں اللہ اور اس کے رسولؐ نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرا دیا ہے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن صرف یہ چاہتا ہے کہ یہ لوگ ان چیزوں کو حرام سمجھیں۔ جو ان کی کتاب میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں۔

اندازہ فرمائیے قرآن کریم پر یہ کتنا بڑا اضافہ ہے اور اس اضافہ کی کتنی بڑی جرأت! یہ ہے تفسیر کا وہ طریقہ جس سے یہ حضرات اپنے نظریات

کو قرآنی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور نہیں ڈرتے کہ یہ جرأت کس قدر بے باک ہے!

قرآن عزیز کھلے کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (پارہ ۹ رکوع ۱۰)

(اے رسول! ان سے کہہ دو کہ) اے نوع انسانی! میں تم تمام کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے، پس ایمان لاؤ تم اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی پر، جو خود اللہ پر اور اس کے کلام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

لہٰذا کوئی شخص رسول اکرمؐ کو خدا کا سچا رسول اور قرآن کریم کو خدا کی سچی کتاب ماننے کے دعوے میں سچا نہیں ہے تاوقتیکہ وہ قرآن کی اتباع نہ کرے اور یہ خطاب تمام نوع انسانی سے ہے کسی خاص فرقہ یا گروہ سے نہیں۔

مولانا آزاد کی تفسیر نے ہندوستان کی فضا میں کیا اثرات چھوڑے! یہی کہ پنڈت سندر جی لال جیسے لوگوں کو ایسا مواد مل گیا جس سے وہ اسلام کو ہندومت کے برابر لا کر کھڑا کر سکیں۔ ہم خوف طوالت سے مولانا آزاد مرحوم کے بارے میں زیادہ نہیں لکھ رہے۔ اب مولانا حسین احمد مدنی کے خیالات و نظریات پیش کریں گے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں نیشنلسٹ علماء کے ابوالآبا ہیں اور انہی ابوالآباؤں کے زیر اثر دیگر کانگریسی مولویوں نے ہندی مسلمانوں کی تحریک استقلال و استحکام یعنی ملی احیاء کی تحریک حصول پاکستان

کی مذہب کے نام پر سر توڑ مخالفت کی۔ کہا جا سکتا ہے کہ آزاد و مدنی (مرحومین) جبکہ یہ دونوں اس جہان سے رخصت ہو چکے ہیں ان کے بارے میں اس قدر لکھنا مناسب نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بزرگ ایک مکتب فکر ہیں اور ان دونوں کی بدولت نیشنلسٹ مولویوں نے تحریک حصول پاکستان کو سخت نقصان و ضعف پہنچایا۔ ظاہر ہے کہ تاریخ موافقت و مخالفت کے دونوں کو دارو پیش کرتی ہے۔ جب تاریخ تحریک پاکستان میں ان تحریک کے ہمدردوں۔ جاں نثاروں اور قائدین اور کارکنوں کے سنہری کارنامے سامنے آئیں گے تو ضمناً مخالفین تحریک پاکستان کا ذکر بھی ضرور چھڑے گا۔ لہٰذا اس امر کے پیش نظر ہم اپنے کو مجبور پاتے ہیں کہ آزاد و مدنی کا تذکرہ ذرا تفصیل سے کریں تاکہ ہماری نوخیز نسل آسانی سے سمجھ سکے کہ عمامہ و جبہ پہننے والے ان لوگوں نے ان مفسروں اور شیخ الحدیث کہلانے والے مولاناؤں نے مسلمانوں کی ملی تحریک کی مخالفت کس بنا پر کی۔

ان گوشوں کو نمایاں کرنا اور ان حقیقتوں کو ابھارنا نہایت ضروری ہے۔ جن کے بغیر تحریک پاکستان کی تاریخ مکمل نہیں ہوگی۔ ہماری یہ ذاتی رائے ہی نہیں بلکہ ہمارے سابقہ ضلع ہوشیار پور کے صدر مسلم لیگ جناب چودھری علی اکبر خاں صاحب جنھوں نے وزارت سے لے کر سفارت تک کے عہدہ پر متمکن رہ کر پاکستان کی خدمت کی تائید و حمایت حاصل ہے کہ مدنی مرحوم مولانا آزاد کے اثر کو قبول کر کے اس راہ پر جا نکلے جو ہمارے نزدیک سیدھی راہ نہ تھی۔

جس طرح آزاد مرحوم نے متحدہ قومیت اور وطنیت کے جواز کے لیے جو حقیقتاً صحیح معنوں میں مغربی طرز جمہوریت کی نقالی ہے اور مہاتما گاندھی اور دیگر ہندو کانگریسیوں نے جسے ہندو قوم کے لیے مفید مطلب سمجھ کر اپنا لیا تھا قرآن و اسلام سے دلائل تراشے اور گاندھی کے اس تصور و خیال کو

تقویت دی جس کو ہندوستان میں عام کر کے وہ مسلمانوں کی ملی ہستی کو فنا کرنا چاہتا تھا۔ مدنی مرحوم نے بھی جہاں تک ہو سکا پوری قوت و ہمت سے اپنی تمام توانائیاں مسلمانوں کے ملی تشخص کو فنا و برباد کرنے کے لیے صرف کر دیں۔ اور قرآن عزیز کی واضح اور کھلی کھلی آیات مقدسہ کو اُلٹے سیدھے معنی پہنا کر متحدہ قومیت کے نظریہ کو حقیقی روح قرآنی قرار دینے کے لیے اپنے علم و قلم کا زور صرف کیا اور اپنے مریدین کو اس ڈھب پر لانے اور انھیں متاثر و ہمنوا کرنے اور مسلم لیگ تحریک کی سر توڑ مخالفت کرنے کے لیے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے زیر اثر علمائے دیوبند نے تقریباً ستانوے فیصدی قیام پاکستان کی مخالفت کی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے متحدہ قومیت کے غلط نظریئے اور وطنیت کے باطل عقیدے کے خلاف مجبور ہو کر حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا ؎

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است
بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

علامہ مرحوم نے یہ اس وقت فرمایا جب مدنی مرحوم نے کہا تھا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں اب ہم اپنے قارئین کے سامنے حکیم الامتؒ اور مدنی مرحوم کی وہ خط و کتابت جو اس مسئلہ پر ہوئی، لائیں گے۔ یوں تو کتاب کے مختلف مقامات پر آزاد و مدنی (مرحومین) کے خیالات و نظریات۔۔ اصول و عقائد سامنے آئیں گے اور حکیم الامت علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کے تصورات و افکار، نظریات و احساسات۔۔ اور فرمودات و ارشادات بھی کیونکہ تحریک

پاکستان کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے مخالف و موافق آرا کا یک جا جمع کرنا اور مخالفانہ و موافقانہ قوتوں کا ذکر بار بار لازمی اور ضروری ہے لہٰذا اس مقام پر مدنی مرحوم کے خیالات کو سامنے لانے کے لیے آغاز حضرت طالوت کے نام مکتوب نمبر ۴۲ سے کرتے ہیں جو کتاب مکتوبات شیخ الاسلام میں مرکوز ہے۔

ملاحظہ فرمایئے:۔

مکتوب نمبر ۴۲

حضرت طالوت کے نام

"محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ میں آپ کی ہمدردانہ محبت کا شکر گزار ہوں بالخصوص اس بنا پر کہ باوجود عدم ملاقات کے اس قدر التفات فرماتے ہیں۔ میرے پاس بہت سے خطوط مضامین اس کے متعلق استفسار کرتے آتے رہے ہیں انتہائی درجہ میں عدیم الفرصت ہوں اور اس قسم کے اعتراضات اور سب و شتم کا سیلاب کم و بیش اس زمانہ سے جبکہ میں نے تحریکات وطنیہ اور قومیہ میں قدم اٹھایا ہے، برابر جاری ہے۔ اس لیے ایسی باتوں میں وقت صرف کرنا اضاعت وقت سمجھتا ہوں و اذا خاطبہم الجاھلون الخ پر عمل پیرا رہتا ہوں۔ میں اس وقت بھی چپ تھا مگر آپ کے والا نامہ نے مجبور کیا کہ حقیقت واضح کی جائے۔ اس لیے باوجود عدیم الفرصتی مختلف اوقات میں لکھ کر مندرجہ ذیل مضمون پیش کرتا ہوں اور تاخیر کی معافی کا خواستگار ہوں۔

واصل واقعہ یہ ہے کہ صدر بازار دہلی متصل [illegible] زیر صدارت مولانا نور الدین صاحب جلسہ کیا گیا۔ اس میں اہل محلہ کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا اور اس میں میری ملی اور وطنی خدمات کو سراہا گیا۔ جلسہ وعظ و نصیحت کا

نہ تھا اور نہ اسلامی تعلیمات کے بیان کرنے کا۔ اس روز صبح کو جلسہ مذہبی ہو چکا تھا مولانا نورالدین صاحب نے تین یا چار برس میں ترجمہ قرآن شریف ختم کیا تھا اور اس کی خوشی میں جلسہ ہو چکا تھا اس میں مذہبی تقریر فضائل قرآن اور اس تعلیمات کے متعلق تقریباً دو گھنٹہ ہو چکی تھی نیز جامع مسجد میں تبلیغ کے متعلق مذہبی وعظ اس سے پہلے اسی دن ہو چکا تھا۔ شب کے جلسہ کے اعلان میں یہ طبع کیا جا چکا تھا کہ حسین احمد کو ایڈریس پیش کیا جائے گا۔ ایڈریس کے جلسہ سے لیگیوں اور بالخصوص مولوی مظہر الدین صاحب اور اُن کے ہمنواؤں میں انتہائی غصہ پھیلا ہوا تھا کوشش کی جا رہی تھی کہ جلسہ کو درہم برہم کیا جائے جس کو احساس کر کے جناب صدر نے اپنی صدارتی تقریر میں یہ کہہ دیا تھا کہ اس جلسہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق کوئی تقریر نہ ہوگی۔ اس کے بعد میں ایڈریس کا جواب دینے کے لیے کھڑا ہوا۔ صدارتی تقریر کے بعد ایڈریس پیش کیا تھا۔ میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی حالت بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرون ملک میں آزادی کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو کہا کہ موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کیے جاتے ہیں، حالانکہ ان میں یہودی ہیں، نصرانی بھی، پروٹسٹنٹ بھی کیتھولک بھی یہی حال امریکہ، جاپان اور فرانس وغیرہ کا ہے الخ۔ جو لوگ جلسہ کو درہم برہم کرنے آئے تھے انھوں نے شور مچانا شروع کیا۔ میں اس وقت بھی نہ سمجھ سکا کہ شور کی وجہ کیا ہے۔ جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور دو چند آدمی جو کہ شور و غوغا چاہتے تھے سوال و جواب دیتے رہے اور عجب رہ گئے، الفاظ سنائی دئے۔ اگلے روز "الامان" وغیرہ میں چھپا کہ حسین احمد نے تقریر میں کہا کہ قومیت وطن سے ہوتی ہے مذہب سے نہیں ہوتی اور

اس پر شور و غوغا ہوا۔ اس کے بعد اس میں اور دیگر اخبارات میں سب و شتم چھاپا گیا کلام کے ابتدا و انتہا کو حذف کر دیا گیا اور کوشش کی گئی تھی کہ عام مسلمانوں کو ورغلایا جائے میں اس تحریف اور اتہام کو دیکھ کر چپکا ہو گیا اور تقریر کا بڑا حصہ "انصاری" اور "ترجیح" میں بھی چھپا مگر اس کو کسی نے نہیں لیا "الامان" اور "وحدت" سے "انقلاب" "زمیندار" وغیرہ نے لیا اور اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی۔

۸ یا ۹ جنوری کے "انصاری" اور "ترجیح" کو ملاحظہ فرمایئے کہ میں نے یہ ہرگز نہیں کیا کہ مذہب و ملت کا دارو مدار وطنیت پر ہے۔ یہ بالکل افترا اور دجل ہے "احسان" مورخہ ۱۳ جنوری کے صفحہ ۳ پر بھی میرا قول یہ نہیں بتایا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی غلط ہے مگر یہ بھی ضرور تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب و ملت کا مدار وطنیت پر ہوتا میں نے نہیں کہا تھا۔

شملہ کی چوٹیوں اور نئی دہلی سے تعلق رکھنے والے ایسے افترا اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں، اس قسم کی تحریفیں اور سب و شتم ان کے فرائض منصبیہ میں آجانا ضرور تعجب خیز امر ہے۔ ان سے میری خط و کتابت نہیں، مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا ان کی بارگاہ عالی تک پہنچنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اگر غیر مناسب نہ ہو تو ان کی عالی بارگاہ میں یہ شعر ضرور پہنچا دیجئے۔

هنيئا مريئا غير داء مخامر
لعزة من اعراضنا ما استحلت

افسوس کہ مجھ کو اخلاص اور آپ جیسے عالی خیال تو یہ جانتے ہیں کہ مخالفت کی بنا پر یہ اخبار ہر قسم کی ناجائز اور ناسزا کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ ان پر ہرگز اعتماد ایسے امور میں نہ کرنا چاہیے اور

مسٹر اقبال جیسے عالی خیال اور حوصلہ مند مذہب میں ڈوبے ہوئے تجربہ کار شخص کو یہ خیال ذرا نہ آیا نہ تحقیق کرنے کی طرف توجہ فرمائی آیۂ اذا جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا الآیۃ گویا کہ ان کی نظر سے نہیں گزری مسٹر اقبال فرماتے ہیں ۔

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است

کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ ملت اور قوم کو مسٹر اقبال ایک قرار دے کر ملت کو وطنیت کی بنا پر نہ ہونے کی وجہ سے قومیت کو بھی اس سے منزہ قرار دیتے ہیں۔ یہ بوالعجبی نہیں تو کیا ہے۔ زبان عربی اور مقام محمد عربی (علیہ السلام سے) کون بے خبر ہے!

ذرا غور فرمائیے میں نے اپنی تقریر میں لفظ قومیت کا کہا ہے ملت کو نہیں کہا ہے۔ دونوں لفظوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ملت کے معنی شریعت اور دین کے ہیں اور قوم کے معنی عورتوں اور مردوں کی جماعت کے ہیں۔

قاموس میں ہے وبالکسر: الشریعۃ او الدین۔ یہ ملت کی بحث میں ہے۔ نیز قاموس میں ہے القوم الجماعۃ من الرجال والنساء معا او الرجال خاصۃ او تدخلہ النساء تبعیۃ۔ (بحث قوم)

مجمع البحار میں ملت کے معنی ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں ما شرع اللہ لعبادہ علی سنۃ الانبیاء علیہم السلام ویستعمل فی جملۃ الشرائع لا فی احادھا ثم اتسعت فاستعملت فی الملۃ الباطلۃ فقیل الکفر ملۃ واحدۃ الخ

میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ منطق کون سی ہے۔ لفظ قوم، ملت، دین، تینوں

عربی ہیں۔ اُن کے معانی کو لغت عربی سے پوچھئے اور دیکھئے کہ کسی لغت عربی کی معتبر کتاب میں قوم اور ملت ہذا القیاس قوم اور دین و مرادف اور ہم معنی قرار دیا ہے یا نہیں۔ آیات و روایات کو ٹٹولیے اور سر صاحب کی بوالعجبی کی داد دیجئے۔

اگر میری تقریر کے سیاق و سباق کو بھی حذف کر دیا جائے اور صرف تقریر میں حسب اعلان جریدہ "احسان" قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے۔ بتائی جائے تب بھی میں نے کب کہا کہ ملت یا دین کی اساس وطن پر ہے پھر سر موصوف کی یہ نسبت "سرود بر سر منبر الخ" افترا محض نہیں تو کیا ہے اور اُن کا ان تینوں کو ایک قرار دینا عجمیت اور زبان عربی سے ناواقفیت نہیں ہے تو کیا ہے، یا للعجب و لضیعة الادب

آپ مجھ کو ارشاد فرماتے ہیں تو اپنے خیالات سے مجھ کو مطلع کیجیئے۔ عرض ہے کہ قوم کا لفظ ایسی جماعت پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں کوئی وجہ جامعیت کی موجود ہو، خواہ وہ مذہبیت ہو یا وطنیت یا نسل یا زبان یا پیشہ یا رنگت یا کوئی صفت مادی یا معنوی وغیرہ وغیرہ۔

کہا جاتا ہے عربی قوم۔ عجمی قوم۔ ایرانی قوم۔ مصری قوم۔ پختون قوم فارسی بولنے والی قوم۔ سیّدوں کی قوم۔ شیخوں کی قوم۔ کنجڑوں کی قوم۔ موچیوں کی قوم۔ کالوں کی قوم۔ گوروں کی قوم۔ صوفیوں کی قوم، دنیا داروں کی قوم وغیرہ وغیرہ،

یہ محاورات تمام دنیا میں شائع و ذائع ہیں اور زبان عربی بلکہ احادیث و آیات میں بکثرت وجوہ اطلاق لفظ قوم کا پایا جاتا ہے انھیں میں ہندوستانی قوم بھی ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہندوستانی قوم سے بیرونی ممالک میں تمام باشندگان ہندوستانی سمجھے جاتے ہیں۔ خواہ اردو بولنے والے ہوں یا بنگلہ خواہ وہ کالے ہوں یا گورے،

ہندو ہوں یا مسلمان، پارسی ہوں یا سکھ، ان سب پر لفظ "ہندوستانی" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ میں ہندوستان سے باہر تقریباً سترہ برس رہا ہوں عرب، شام، فلسطین، افریقہ، مصر، مالٹا وغیرہ میں رہنا ہوا ہر ملک کے باشندوں سے ملنا جلنا، بیٹھنا اٹھنا ہوا جرمن، آسٹرین، بلغیرین، انگریز، فرانسیسی، آسٹریلین، امریکی، روسی، چینی، جاپانی، ترکی، عربی وغیرہ وغیرہ مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ سالہا سال ملنا جلنا، نشست برخاست کی نوبت آئی۔ اگر یہ لوگ عربی یا ترکی یا فارسی یا اردو سے واقف ہوتے تھے تو بلا ترجمان ورنہ بذریعہ ترجمان گفتگو میں ہوتی تھیں۔ سیاسی مسائل اور مذہبی امور زیر بحث رہتے تھے۔ میں نے بیرونی ممالک کے عام لوگوں کو اسی خیال اور عقیدہ پر پایا کہ وہ ہندوستانی لوگوں کو ایک قوم سمجھتے ہیں اور سب کو باوجود مختلف المذاہب و مختلف اللسان والالوان ہونے کے ایک ہی لڑی میں پروتے ہیں۔ لغوی معنی اس سے انکار نہیں کرتے اس کا تقاضی ہے پھر اس کے انکار کے کیا معنی ہیں۔

یہ دعویٰ کہ اسلام کی تعلیم قومیت کی بنیاد، جغرافیائی حد بندی یا نسلی وحدت یا رنگ کی یکسانی کے بجائے فطرت انسانی اور اخوت البشری پر رکھتی ہے (جیسا کہ مدیر احسان کا دعویٰ ہے) مجھے نہیں معلوم کہ نص قطعی یا لغتی سے ثابت ہے۔ جس کی بنا پر اختلاف اوطان وغیرہ پر اطلاق لفظ قوم ممنوع ہو۔ لوگوں میں مساوات یا نہ برتاؤ اور برادرانہ معاملات دوسری چیز ہیں۔ حالانکہ ان میں امتیاز عرفاً و شرعاً معتبر ہے اس کے علاوہ تقریر میں تو اسلامی تعلیم اور نظریہ کا ذکر بھی نہیں تھا۔

میرے محترم! اس اجنبی اور خود غرض حکومت اور بدیسی حکمران قوم نے جس قدر ذلت، ہلاکت اور قحط و افلاس کے

تیرہ و تاریک گڑھے میں تمام ہندوستانیوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً عرصہ دراز سے ڈال رکھا ہے اور جس طرح وہ ہندوستانیوں کو روزافزوں فنا کے گھاٹ اتارتی جارہی ہے اور وہ اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے نیز اس سے آزاد ہونا اور ملک و قوم کی زندگی اور بہبودی کی فکر اور سعی کرنا ہر حیثیت سے سبھوں کا فریضہ ہونا بھی اظہر من الشمس ہے (ان دونوں چیزوں سے بجز غبی یا مکابر کوئی شخص بھی منکر نہیں ہو سکتا) اگرچہ اس پردیسی خونخوار قوم سے نجات کے اور بھی ذرائع عقلاً ممکن ہیں مگر جس قدر قوی اور مؤثر ذریعہ تمام ہندوستانیوں کا متفق اور متحد ہو جاتا ہے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے اس کے آگے اس حکومت کے جملہ اسلحہ اور تمام توپیں بیکار ہیں اور بلا خطر نقصان عظیم ہندوستانی اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے اور اس کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کرکے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔

ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لیے کوئی رشتہ اتحاد بغیر متحدہ قومیت کے نہیں جس کی اساس وطنیت ہی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ کوئی اور دوسری چیز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کانگریس نے ابتدا ہی سے اس امر کو اپنے اغراض و مقاصد میں داخل کیا ہے۔ ۱۸۸۵ء میں جبکہ کانگریس کا اولین اجلاس ہوا تو سب سے پہلا مقصد مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر کیا گیا۔

"ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متفق اور متحد کر کے ایک قوم بنایا جائے۔"

یہی متحدہ قومیت انگلستان کے دل میں ہمیشہ سے کھٹکتی رہی

ہے اور انگریز اس سے خائف اور اس کے زائل کرنے کے لیے ہر طرح
سے ساعی ہے۔ پروفیسر سیلے نے "ایکسپنشن آف انگلینڈ" میں اس
کے متعلق لکھا ہے۔

"اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا ہو جائے
اور اس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی روح بھی نہ ہو بلکہ صرف اس قدر
احساس عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت سے اتحاد عمل ہندوستانیوں کے
لیے شرمناک ہے تو اسی وقت سے ہماری شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائے گا
کیونکہ ہم بہ حقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور اس پر فاتحانہ
حکمرانی نہیں کر سکتے اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنی بھی چاہیں گے تو اقتصادی
طور پر قطعاً برباد ہو جائیں گے۔"

اس بنا پر ہمیشہ یہی کوشش مدبران برطانیہ کی جاری ہے کہ
یہ جذبہ ہندوستانیوں میں پیدا نہ ہونے دیا جائے اور اگر کبھی اس
کی صورت پیش آ بھی جائے تو اس کو جلد از جلد ہر ممکن صورت سے
تفرقہ ڈال کر فنا کر دیا جائے۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی انگریزی پالیسی
مشہور اور مشاہد ہے۔ بالخصوص کانگریس کے پیدا ہونے کے بعد
تو اس راہ میں انتہائی جد و جہد جاری ہے۔

مسٹر بیک اور مسٹر ماریسن اور سر آکلانڈ کالون وغیرہ کی انتہائی
انفرادی مساعی اور پھر ۱۸۸۸ء کی اجتماعی مساعی اس پر شاہد عدل
ہیں جس کے ماتحت اول اسی سن میں "یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی
ایشن" قائم کرائی گئی ہے جس کا دوسرا نام "انٹی کانگریس" تھا اور پھر
۱۸۹۳ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل ڈیفنس ایسوسی ایشن آف اپر
انڈیا تخلیق کی گئی جس کے مقاصد حسب ذیل قرار دیے گئے تھے۔
(الف) مسلمانوں کی رائیں انگریزوں اور گورنمنٹ ہند کے سامنے

پیش کرکے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کرنا۔

(ب) عام سیاسی شورش کو مسلمانوں میں پھیلنے سے روکنا۔

(ج) ان تدابیر میں اعانت دینا جو سلطنت برطانیہ کے استحکام اور سلطنت کی حفاظت میں ممد ہوں۔ ہندوستان میں امن قائم رکھنے کی کوشش کرنا اور لوگوں میں وفاداری کے جذبات پیدا کرنا۔

مسٹر بیک اور مسٹر ماریسن وغیرہ کی انفرادی مساعی کا نتیجہ تھا کہ سرسید جیسے تیز اور سخت سیاسی آدمی کے خیالات پر نہایت برا اثر ڈالا گیا (اسباب بغاوت ہند) کے لکھنے والے شخص کے عقائد اور ارادوں کو روند ڈالا اور بہم مساعی سے بالکل ہی جامد اور انگریز پرست ڈرپوک بنا دیا گیا۔ انہیں مساعی کی بنا پر سنہ ۱۹۰۰ء میں لارڈ میکڈانلڈ نے ناگری اور اردو کا قضیہ اٹھایا اور انہیں وجوہ کی بنا پر سنہ ۱۹۰۶ء میں متعدد ذمہ داران برطانیہ کی کوششوں سے مسلم لیگ کی تخلیق شملہ کی چوٹیوں سے ظہور پذیر ہوئی اور آج تک اسی پالیسی پر گامزن ہے اسی بنا پر بار بار امن سبھائیں قائم کرائی گئیں۔ اسی بنا پر شدھی اور سنگٹھن کو میدان میں پیش کیا گیا۔

مسٹر ماریسن اور مسٹر بیک وغیرہ کی کارروائیاں اگر دیکھنی ہوں تو "انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کے پرچے ملاحظہ ہوں۔

مسلمانوں کو خصوصی طور پر کانگریس سے متنفر کرنے کی پالیسی آج سے نہیں بلکہ سنہ ۱۸۹۵ء یا اس سے بھی پہلے سے جاری ہے اور کامیاب ہوتی جاتی ہے۔ آج بھی شراب ارغوانی جو کہ مسلم لیگ کی گھٹی میں ڈالی گئی تھی، اس کے ممبروں کو گورے گورے ہاتھوں سے پلائی جا رہی ہے اور وفاداران ازلی اپنے خداوندوں کی مختلف پیرایوں میں خدمات جلیلہ انجام دیتے ہوئے لیگ کے پلیٹ فارم پر گرجتے اور جمعیۃ علماء

اور دیگر ہیچ مخلصین خدام ملک و قوم سے نفرت دلاتے ہیں طول کے خوف سے میں مفصل کیفیت اس بیان میں نہیں لاتا اگر آئندہ کوئی موقعہ ملا تو عرض کروں گا۔ مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکا دیا گیا ہے اور آج بھی نہایت قوت اور چالاکی سے دیا جا رہا ہے۔ ان کو چاہیے کہ گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کریں اور اپنے تحفظ و زندگی کا سامان کریں۔ اہل مطالعہ سے میری پرزور درخواست ہے کہ وہ ضرور بالضرور کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" جو کہ ابھی ابھی مطبع نظامی میں چھپی ہے منگائیں اور اس کے آئینے میں انگریزی پالیسی اور مسلم لیگ وغیرہ کی حقیقت اور نام نہاد لیڈروں کی برہنہ تصاویر مشاہدہ کریں۔ فاعتبروا یا اولی الالباب

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ

از مکتوبات شیخ الاسلام حصہ سوئم

مرتبہ نجم الدین اصلاحی

شائع کردہ مکتبہ دینیہ دیوبند ضلع سہارنپور

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ حسین احمد مدنی مرحوم نے متحدہ قومیت اور وطنیت کے نشہ اور جذب و کیف میں آ کر حضرت حکیم الامت علامہ اقبال کو "سر صاحب" لکھا ہے اور مسلم لیگ کو نیاز مندان برطانیہ اور وفاداران ازلی کی جماعت جس کی تخلیق ذمہ داران برطانیہ کے ہاتھوں شملہ کی چوٹیوں سے ظہور پذیر ہوئی قرار دیا۔ پیش تر اس کے کہ ہم مولوی حسین احمد مدنی مرحوم کے مزید خیالات جو متحدہ قومیت اور وطنیت کے جواز میں انھوں نے قرآن و حدیث کی من مانی تشریح و تاویل کے سہاروں سے ہمارے سامنے رکھے۔ سامنے لا کر ان پر تنقید و تبصرہ پیش کریں مناسب و معقول بات یہی نظر آئی کہ اسی مقام پر بھی مولوی صاحب مرحوم کی کانگریس کی تشکیل اور کن کے ہاتھوں سے ہوئی۔

تاریخی حقائق کی روشنی میں پیش کرتے ہوئے آگے بڑھیں تاکہ آپ پر یہ واضح و روشن ہو جائے کہ کانگریس کی ابتدا کیسے، کن ہاتھوں سے اور کیوں ہوئی اور ہندو مفادات کی ساعی اس تنظیم نے کس طرح انگریز کی خوشامد اور چاپلوسی سے کام لے کر مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے اقدامات کیے۔

جناب محمد اشرف خان عطا مدیر معاون روزنامہ "زمیندار" نے ایک کتاب "پاکستان اور حرب" کے نام سے لکھی ہے اور انتساب ان مجاہدوں اور جانبازوں کے نام جنہوں نے اپنے خون سے کشت پاکستان کی آبیاری کی کیا ہے۔ مندرجہ ذیل سطور ہم اس کتاب کے صفحہ ۳۳ تا ۳۸ پیش کر کے کچھ باقی کتابوں سے حاصل کردہ مواد بھی حاضر خدمت کریں گے تاکہ تفصیل سے کانگریس کے وجود کرش ہونے کے تاریخی حوالے سامنے آ جائیں اس کتاب سے ۵ مئی ۱۹۴۶ء کی تاریخ اشاعت ملتی ہے۔

"مسلم لیگ پر مخالفین کی طرف سے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مسلم لیگ برطانیہ کی ساختہ پرداختہ ہے اور اس کا اشارہ چشم پر رقص کرتی ہے اس لیے ملک کی آزادی کے راستے میں ایک سنگِ گراں ہے۔ معترضین کا یہ اعتراض سن کر کبھی تو بے ساختہ ہنسی آنے لگتی ہے اور کبھی ذمہ دار افراد کی دماغی کرتا دیوں پر افسوس آتا ہے۔ کیا یہ معترضین نہیں جانتے کہ وہ کانگریس تھی یا مسلم لیگ جس کو ۱۸۸۵ء سے لے کر ۱۹۱۵ء تک برطانیہ کی سرپرستی کا شرف حاصل رہا۔ وہ کانگریس ہی ہے جس کی بنیاد ایک انگریز مسٹر ہیوم نے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ڈفرن کے مشورہ سے ۱۸۸۵ء میں رکھی۔ وہ کانگریس ہی ہے جو مسلسل ۱۹۱۲ء تک تاج برطانیہ کی وفاداری کے راگ الاپتی رہی اور برطانیہ کی اطاعت شعاری کی تجاویز منظور کرتی رہی۔ جس جماعت کی بنیاد ایک ایسی قوم کے فرد نے رکھی ہو جس قوم کی

حکمت عملی کا انحصار تشتت و افتراق پیدا کرنے پر ہو اور جو گذشتہ دو صدیوں سے ہندو مسلم افتراق اور نفاق کا بیج بو کر حکومت کر رہی ہو اس جماعت سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہندوستان کو امن و سلامتی اور صلح و آشتی کی دولت سے مالا مال کر دے گی ایک خیال خام ہے۔ آج کانگریس ہندوستان میں اسی حکمت عملی پر چل رہی ہے کہ جس پر اس کے بانی مسٹر ہیوم کی قوم آج تک عمل پیرا ہے۔ کانگریس کی بنیاد ہی اس جذبہ کے ماتحت انگریز نے رکھی تھی کہ ہندوستان کی بنیا اکثریت کو کانگریس کے نام پر ہندوستان کی مارشل اقوام سے ٹکرا دیا جائے۔ چنانچہ آج کانگریس اپنے بانی کے اس بھیانک خواب کی تعبیر اور ارادوں کی تکمیل کر رہی ہے۔ انگریز خود بنیا تھا اس لیے اس نے ہندوستان کی بنیا اکثریت کو کانگریسی جھنڈے کے نیچے منظم کیا اور بنیوں کی منظم جماعت کانگریس آج ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں، سات کروڑ اچھوتوں، چار کروڑ قدیم باشندوں اور ڈیڑھ کروڑ سکھ، عیسائی اور دیگر اقلیتوں کو غلام بنانے کے خواب دیکھ رہی ہے اور آج بھی مسٹر ہیوم کی ہم قوم حکومت کانگریس کی پیٹھ کو تھپکی دے کر اسے ناانصافی، ظلم، تعدی اور دراز دستی پر اُبھار رہی ہے۔

یہ تو تھی کانگریس کی حیثیت ترکیبی۔ اس کے برعکس مسلم لیگ کی بنیاد مسلم قوم کے حقوق کے تحفظ کے لیے مسلم رہنماؤں کے اتحاد و تعاون سے نواب محسن الملک نے رکھی جنھوں نے اس وقت مسٹر ہیوم کے ارادوں کو بھانپ لیا اور سمجھ لیا کہ کانگریس کی بنیاد رکھنے سے انگریز کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مسلمان قوم کو جس سے انگریز نے حکومت چھینی ہے ہندو کے ہاتھوں سے مسلا اور دبایا جائے وہ بنیوں کا یہ اتحاد جس نے کانگریس کی شکل اختیار کی۔ اس جماعت کی تشکیل سے

انگریز کا مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک ایسی طاقت کو لا کھڑا کیا جائے جس کی وجہ سے مسلمان کو ابھرنے کا موقعہ نہ مل سکے اور اگر کبھی ایسا وقت آ جائے کہ انگریز کو ہندوستان چھوڑنا پڑے تو اس صورت میں ہندوستان کے اندر اسلامی حکومت قائم نہ ہو سکے تاکہ ہندوستان اور مشرق وسطیٰ اور دیگر اسلامی ممالک آپس میں تال میل پیدا کر کے یورپ کی نصرانی طاقتوں کے مقابلہ میں متحدہ اور مستقل محاذ قائم نہ کریں۔

ہندو سرمایہ دار اور بنیئے نے مسلمان قوم کو مفلوج بنانے میں جو تعاون انگریز سے کیا تھا اس کا صلہ انگریز نے مختلف مراحل پر مختلف شکلوں میں ادا کیا اور جمہوری آئین و دستور کی آڑ لے کر ہندو اکثریت کو حکومت کے ہر شعبہ میں مسلمانوں پر حاوی اور مسلط کر دیا۔

بعض حلقوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ کانگریس تو انگریز کے ساتھ کئی مواقع پر متصادم بھی ہوئی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے اور تمام تحریکات کا جن کی قیادت کانگریس نے کی اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ہندو کانگریس اور برطانوی ملوکیت کے مابین یہ تصادم سیاسی ہونے کے بہ نسبت اقتصادی نوعیت کے زیادہ تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ در حقیقت یہ اور تاجر قوموں کے مفادات کی ٹکر تھی۔ ان تحریکات میں ہندو نے نہایت ہوشیاری سے مسلمان کو انگریز کے خلاف استعمال کیا اور اس سے فائدہ اٹھا کر ہندو قوم کو منظم کرتی رہی۔ کانگریس کی انقلابی ذہنیت کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ ہندو سرمایہ دار اور کارخانہ دار نے کانگریس اور دوسرے کانگریسی لیڈروں کو اپنی دولت کی فراوانی کی بنا پر اقتصادی مفادات کے پیش نظر انگریز کے خلاف استعمال کیا اور کانگریس ایک طرف تو انگریز سے اقتصادی جنگ لڑتا رہا لیکن دوسری طرف وہ ہندو قوم کو اندر سے مسلمانوں کے خلاف منظم کرتا رہا لیکن سادہ دل مسلمان

لیڈروں نے جو صحیح معنوں میں آزادی کے پروانے تھے گاندھی کی اس گہری اور عیارانہ چال کو نہ سمجھا اور وہ اس۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہندو پرورش بہاتما کی ہر حرکت کو یہ سمجھتے رہے کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے ہے یہی وجہ تھی کہ مولانا محمد علی مولانا شوکت علی۔ مولانا ظفر علی خان۔ حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے مسلمان قوم کو کانگریس میں مدغم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا۔

لیکن جب نہرو رپورٹ کے بعد مولانا محمد علی پر گاندھی اور دوسرے کانگریسی لیڈروں کی مہا سبھائی ذہنیت آشکار ہو گئی تو انھوں نے مسلم قوم کی تنظیم کا الگ بیڑہ اٹھایا لیکن خدا نے مولانا محمد علی کو اتنی فرصت نہ دی کہ وہ اپنی قوم کو الگ منظم کر کے کانگریس کی عیارانہ چالوں کا مقابلہ کر سکتے کیونکہ موت نے ان کے رشتۂ حیات کو منقطع کر دیا جس چیز کے احساس نے مولانا محمد علی مرحوم کو آخری دم تک بے تاب اور بے قرار رکھا وہ مسلم قوم کی تنظیم کا خیال تھا لیکن اللہ تعالےٰ نے اس عظیم الشان کام کا بوجھ محمد علی کے ہمنام محمد علی جناح کے کندھوں پر ڈال دیا اور آج خدا کے فضل و کرم اور سرزمین المرسلین میں ابدی نیند سونے والے مجاہد محمد علی کی روح اطہر کی بے تابانہ کوششوں سے ہندوستان کا مسلمان پورے طور پر منظم ہے اور مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم کے نیچے جمع ہے۔ یہ وہی مسلم لیگ ہے کہ جس کی بنیاد محسن الملک نے ۱۹۰۶ء میں رکھی تھی یہ وہی مسلم لیگ ہے کہ جس کی صدارت کا شرف حکیم اجمل خان اور محمد علی مرحوم ایسی جلیل القدر شخصیتوں کو حاصل تھا۔ یہ وہی مسلم لیگ ہے کہ جس نے کانگریس سے لکھنؤ پیکٹ کیا۔ یہ وہی مسلم لیگ ہے جو ہندو مسلم اتحاد کے لیے سالہا سال کانگریس کے ساتھ تعاون کرتی رہی۔ یہ وہی مسلم لیگ ہے کہ جس کے صدر مولوی۔ اے۔ کے فضل الحق نے یو پی کا

جھنڈے کے نیچے اس وقت ہزاروں انسانوں کے اجتماع میں لہرائے جب کہ کانگریس کے اجلاس اسی یونین جیک کے نیچے ہوا کرتے تھے۔

یہ وہی مسلم لیگ ہے کہ جس کو ۱۹۳۶ء میں کانگریسی علماء کی حمایت حاصل رہی۔ یہ وہی مسلم لیگ ہے جس کے صدر محمد علی جناح کو سب سے بڑے لیڈر گوکھلے اور دادا بھائی نارو جی ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر کہہ کر پکارتے تھے اور مہاتما گاندھی یہ کہتے تھے کہ مسٹر محمد علی جناح ہندوستان کی وہ عظیم ترین شخصیت ہے کہ جسے کوئی لالچ اور دھمکی مفاد وطن کے خلاف خرید یا استعمال نہیں کر سکتی۔ اور یہ وہی مسلم لیگ ہے کہ جس کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے ہندوستان کے مفاد کی خاطر ولنگڈن ایسے خود سر وائسرائے سے ٹکر لی لیکن ہندوستان کے مفاد کو نقصان نہ پہنچنے دیا۔

یہی وہ محمد علی جناح ہے کہ جس نے گلینسی اور خضر کی معاندانہ حرکات کا دندان شکن جواب دیا۔ یہی وہ مسلم لیگ ہے کہ جسے سروں اور خان بہادروں کی جماعت کہا جاتا تھا لیکن جب وقت آیا تو سروں اور خان بہادروں۔ نوابوں اور خطاب یافتگان نے برطانی حکومت کے خطابات بر تمن حرف بھیج دئے اور پنجاب کے سروں۔ خان بہادروں نوابوں۔ جاگیرداروں نے خضر کی وزارت سے ٹکر لے کر جیل کی کوٹھڑیوں کو اپنا گھر بنا لیا۔ سرحد اور پنجاب کے مسلمان نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کے مفاد کی خاطر قید و بند کو معمولی چیز تصور کرتی ہے۔ دنیا کی آنکھوں نے دیکھ لیا۔ لاکھوں مرد و زن پنجاب اور سرحد کے ہر شہر تحصیل اور ضلع میں اپنے آپ کو گرفتاریوں کے لیے پیش کرتے رہے۔ مسلمان بچوں اور عورتوں نے سینے تان کر انگریز کی گولیوں کا مقابلہ کیا۔ اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ قربانی کے میدان میں مسلم لیگ کانگریس یا کسی دوسری جماعت سے پیچھے نہیں بلکہ وقت آنے پر وہ قربانی کے

میدان میں ایسی مثال پیش کر سکتی ہے جو آج تک کسی سیاسی جماعت یا قوم نے پیش نہ کی ہو۔ اب ہر شخص یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ انگریز کی ساختہ، پرداختہ جماعت کون ہے۔ گو آج ہمارے نیشلسٹ بھائی ہٹ دھرمی، ضد، ذاتی منفعت اور لالچ کی وجہ سے حق گوئی سے کترا رہے ہیں اور کانگریسی نقار خانہ کی طوطی بن کر وہی راگ الاپ رہے ہیں جو ہندو لیڈروں کی زبانوں پر رواں ہے لیکن وقت آئے گا اور ان شاء اللہ جلد آئے گا جب ہمارے نیشلسٹ مسلمان بھائی حقیقت و صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے مسلم لیگ اور مسلمانوں کے سواد اعظم کی طرف لوٹیں گے اور تسلیم کریں گے کہ محمد علی جناح نے دو قوموں کا جو نعرہ لگایا تھا اور تقسیم ہند کا جو مطالبہ کیا تھا وہی صحیح اور درست تھا!

اب ہم دوسری کتابوں سے حاصل کردہ مواد پیش کر رہے ہیں:-

کانگریس کے قیام کا مقصد کیا تھا؟

اس کو مسٹر ستیہ پال "کانگریس کے ساٹھ سال" کے مؤلف کے الفاظ میں سنیئے:-

"مسٹر ہیوم نے کانگریس کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان کی بہتری کے لیے نہیں بلکہ برٹش راج کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے۔ ... مسٹر ہیوم کا کوئی کتنا ہی شکریہ کیوں نہ ادا کرے کہ انھوں نے ایک ایسی تنظیم کی بنا ڈالی جو اپنی کوششوں سے شاہ بلوط کے درخت کی طرح پروان چڑھی۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر ہندوستانی اس بات کو ملحوظ رکھے کہ اس کی پشت پر بیرونی حکومت کے جوئے سے آزاد کرانے کا مقصد نہ تھا بلکہ برٹش حکومت کی جڑیں ہندوستان میں اور مضبوط و مستحکم ہوں۔ تاج برطانیہ سے وفاداری کانگریس کا مذہبی فریضہ تھا تعلیم یافتہ

برٹش طرزِ حکومت کا دلدادہ تھا۔"
("کانگریس کے ساٹھ سال" مؤلفہ مسٹر ستیہ پال صفحہ ۱۰، ۱۱)

کانگریس کا پہلا اجلاس

"۲۸ دسمبر کو بمبئی میں اس کا پہلا اجلاس ہوا جس کی سرپرستی اور صدارت مسٹر اے۔ او ہیوم نے کی۔ لارڈ ڈفرن ۱۸۸۴ء میں ہندوستان کے وائسرائے بن کر آئے اور انھوں نے مسٹر ہیوم کو جو سول سروس کے ایک پنشن یافتہ انگریز تھے بلا کر انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈلوائی۔"

کانگریس کا دوسرا اجلاس

۱۸۸۶ء میں کلکتہ میں دادا بھائی نوروجی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ اس قسم کا اجتماع جس کا ہر فرد برٹش حکومت کی نعمتوں سے واقف ہے کسی ایسے مقصد کے لیے منعقد ہو سکتا تھا جو حکومت کے خلاف ہو؟ اس حکومت کے جس نے ہم کو یہ سب کچھ عطا کیا ہے۔ ہم کو صاف طور سے اعلان کر دینا چاہیے کہ ہم سر سے پیر تک وفادار ہیں۔"

("کانگریس کے ساٹھ سال" مؤلفہ ستیہ پال صفحہ ۱۲،۷)

کانگریس کے انگریز صدر

"کانگریس کا بانی ہی انگریز نہ تھا بلکہ اس کے متعدد اجلاسوں کی صدارت انگریز کرتے تھے۔ ۱۸۸۸ء میں الٰہ آباد کے اجلاس کی صدارت مسٹر جارج یول نے کی۔ مسٹر ولیم ویڈربرن انڈین سول سروس کے آدمی

تھے ۱۸۸۶ء میں انھوں نے پنشن لی اور ۱۸۸۹ء میں انھوں نے بمبئی کے اجلاس کی صدارت کی جس میں برٹش پارلیمنٹ کے ممبر اور انگلستان کے مشہور خطیب چارلس بریڈلے نے شرکت کی۔ ۱۸۹۳ء میں پارلیمنٹ کے ایک دوسرے ممبر دیبا نے کانگریس کے اجلاس کی صدارت کی مسلم لیگ کے قیام سے صرف دو سال قبل یعنی ۱۹۰۴ء میں بمبئی کے اجلاس کی صدارت سر ہنری کاٹن نے کی جو انڈین سول سروس کا آدمی اور آسام کا چیف کمشنر رہ چکا ہے۔

برطانیہ کی کانگریس نوازی

مسلم لیگ کے قیام کے وقت انگریز اور کانگریسی لیڈروں میں اس قدر باہمی موانست تھی کہ جو ہندوستانی کانگریس کے اجلاس کی صدارت کرتا یا اس کے اندر کوئی اہمیت حاصل کرتا وہ فوڈیا زہائی کورٹ کا جج بنا دیا جاتا یا وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کا ممبر نامزد ہو جاتا چنانچہ سر ایس میر ابھا نیہ ایر وی کرشنا سوامی ایار سر سنکرن میر مسٹر راما سام کانگریس کے عہدے حاصل کر کے حکومت کی کلیدی آسامیاں حاصل کرتے رہے۔ سر ایم کرشنا میر ۱۹۱۰ء میں کانگریس میں نمودار ہوئے اور لا ممبر بنا دیئے گئے۔ اسی طرح مسٹر چندا وکار ایم۔ ایم سمر تھ اور مسٹر جی۔ ایس باسو اور سر جھنا لال سیتو کانگریس کے پلیٹ فارم ہی سے اسے عہدوں تک پہنچے۔ مسٹر ایس۔ آر داس نے ۱۹۰۵ء میں کانگریس میں ایک زوردار تقریر کی اور وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے رکن نامزد کردیئے گئے۔ مسٹر ایس سنہا کو صرف کانگریس کے اہم لیڈر ہونے کی بنا پر بہار کی ایگزیکیٹو کونسل کا ممبر بنا دیا گیا۔ سر فیروز شاہ مہتا کو لارڈ کرزن نے ۱۹۰۵ء میں سر کا

خطاب دیا جو کانگریس کے بہت بڑے لیڈر تھے اور مسٹر نواس ساستری کو محض کانگریس کا لیڈر ہونے کی وجہ سے لیجسلیٹو کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا۔

برطانیہ کی کانگریس نوازی کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۰۸ء میں جب کانگریس کنونشن کا اجلاس مدراس میں ہوا تو اس وقت کے گورنر سر آرتھر لالی نے اپنے خیمے کانگریس کے اجلاس کے لیے عطا فرمائے۔ ان تمام واقعات کو نہایت تفصیل کے ساتھ مسٹر ستیا رامیہ پتا بھائی نے اپنی کتاب "ہسٹری آف دی کانگریس" میں درج کیا ہے۔"

لارڈ منٹو کی سوانح حیات

"لیڈی منٹو نے لارڈ منٹو کی سوانح حیات میں یہ واقعہ درج کیا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں لارڈ مارلے گورنمنٹ آف انڈیا کے لیے قانونی ممبر کا تقرر کرنا چاہتے تھے۔ دو ممبروں پر نظر انتخاب پڑی ایک اٹارنی جنرل کو جی اور دوسرے مسٹر ایس پی سنہا۔ مسٹر سنہا کلکتہ کے اجلاس کانگریس میں ۱۸۹۶ء میں ایک ریزولیشن پر تقریر فرما چکے تھے اس لیے ایک غیر کانگریسی کے مقابلے میں ایک کانگریسی کو منتخب کیا گیا۔"

۱۹۲۰ء تک کانگریس کی حالت

"ہر اجلاس میں سب سے پہلا ریزولیشن بادشاہ سلامت کی وفاداری کا ہوتا تھا جس کو تمام مندوبین کھڑے ہو کر منظور کرتے تھے اور اجلاس میں سب سے اوپر یونین جیک لہرایا جاتا تھا۔"

وفاداری تختِ برطانیہ

۱۹۱۶ء میں مدراس میں کانگریس کا اجلاس ہو رہا تھا مسٹر اے جی ہٹرو ہندوستانی فوج کے متعلق تقریر کر رہے تھے کہ دوران تقریر میں لارڈ پٹ لینڈ گورنر مدراس تشریف لائے فوراً تمام ہاؤس بلحاظ ادب کھڑا ہو گیا اور مقرر کو روک کر مسٹر سر بندر ناتھ بنرجی نے کانگریس کی وفاداری تخت برطانیہ کا ریزولیشن پیش کرایا گیا۔ بالکل یہی واقعہ ۱۹۱۶ء میں کانگریس سیشن لکھنؤ میں پیش آیا۔ جب سر جیمس مسٹن جلسے میں تشریف لائے۔"

پہلا ایجی ٹیشن

"۱۹۰۵ء میں کانگریس کا پہلا ایجی ٹیشن مسلمانوں کے ایک مطالبے کے خلاف جس کا مقصد تقسیم بنگال کے اعلان کی تنسیخ تھا کانگریس کی تاریخ میں اس ایجی ٹیشن کو تحریک آزادی کی بنیاد بتایا جاتا ہے حالانکہ یہ مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ چنانچہ لارڈ کرزن نے تنسیخ تقسیم کا اعلان کیا پھر ہندو انگریز دوستی کے مظاہرے شروع ہو گئے۔"

چونکہ مدنی مرحوم نے کانگریس کو آزادی پسند۔ حریت نواز اور مسلم لیگ کو فرنگ کے وفاداران ازلی قسم کے لوگوں کی جماعت کہا تھا اس لیے یہاں ہم نے تاریخ کا وہ حقیقی رخ پیش کیا ہے۔ جس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ انگریز کی ہندو نواز پالیسی نے کانگریس کا خمیر اٹھایا اور کانگریس کا مقصد وحید بھی تخت و تاج برطانیہ کی وفاداری کا اظہار و اعلان تھا ہم علامہ مدنی مرحوم کا خط جناب طالوت کے نام درج کر چکے ہیں۔ اب آپ طالوت صاحب کا خط علامہ اقبالؒ کے نام پڑھیے! اس میں طالوت صاحب

نے دراصل مدنی مرحوم کے ان خیالات و احساسات اور نظریات و اعتقادات کو علامہ کے سامنے رکھا ہے۔

طالوت صاحب کا خط

علامہ اقبال کے نام

سلاح محترم اسلامیان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"اگرچہ میرا یہ درجہ نہیں کہ آپ سے شرف مخاطبت حاصل کر سکوں مگر "العزہ وداتٔ یم المحذوداتٔ" کی بنا پر باوجود اس علم کے کہ آپ کی طبیعت کچھ ناساز رہتی ہے تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ امید کہ آپ اخلاق کریمہ کی بنا پر اپنے اوقات عزیزہ میں سے دو چار منٹ نکال کر میرے عریضہ کو پڑھنے اور اس کے جواب کی زحمت برداشت کریں گے۔

مولانا حسین احمد صاحب قبلہ کے متعلق آپ کی نظم "عجم ہنوز نداند" الخ "احسان" میں چھپی اور اس سے پہلے "احسان" "زمیندار" "انقلاب" میں اُن کے خلاف متواتر پروپیگنڈہ بھی کیا جاتا رہا۔ میں نے مولانا کو ایک نیاز نامہ میں اس نظم اور اس پروپیگنڈہ کی طرف توجہ دلائی اس کے جواب میں انھوں نے ازراہ شفقت ایک مفصل تحریر بھیجی جس کے اہم اقتباسات ذیل میں درج ہیں:-

"میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی حالت بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرون ملک میں آزادی کی ضرورت کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو کہا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کیے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں نصرانی بھی پروٹسٹنٹ بھی کیتھولک

بھی یہی حال امریکہ، فرانس، جاپان وغیرہ کا ہے۔" الخ

"چونکہ جلسہ درہم برہم کرنے کے لیے آئے تھے اور موقع پا رہے تھے۔ انھوں نے شور مچانا شروع کیا۔ میں اس وقت یہ نہیں سمجھ سکا کہ شور کی وجہ کیا ہے۔ جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور وہ آدمی جو کہ شور و غوغا چاہتے تھے سوال و جواب دیتے رہے اور جب رجو وغیرہ کے الفاظ سنائی دیے۔ اگلے روز اوراق وغیرہ میں چھاپا کر حسین احمد نے تقریر میں کہا ہے کہ قومیت وطن سے ہوتی ہے مذہب سے نہیں ہوتی اور اس پر شور و غوغا ہوا۔ اس کے بعد اس میں اور دیگر اخبارات میں سب و شتم چھاپا گیا۔"

"کلام کے ابتداء و انتہاء کو حذف کر دیا گیا تھا اور کوشش کی گئی تھی کہ تمام مسلمانوں کو ورغلایا جائے۔ میں اس میں تحریف اور اتہام دیکھ کر چپکا ہو گیا تقریر کا بڑا حصہ "انصاری" اور "تیج" میں چھپا مگر اس کو کسی نے نہیں دیا۔ الامان اور "وحدت" سے "انقلاب" اور "زمیندار" نے لیا اور اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی۔

"مدینہ ۹ جنوری کے "انصاری" اور "تیج" کو ملاحظہ فرمائیے۔ میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ مذہب و ملت کا مدار وطنیت پر ہے یہ بالکل افتراء اور دجل ہے۔ "احسان" مورخہ ۳۰ جنوری کے صفحہ ۳ پر میرا قول یہ نہیں بتایا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی غلط ہے مگر یہ ضرور تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب و ملت کا دار و مدار وطنیت پر ہوتا ہے میں نے نہیں کہا تھا۔"

"شملہ کی جو ٹیموں اور دہلی سے تعلق رکھنے والے ایسا افتراء اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں اس قسم کی تحریفیں اور سب و شتم ان کے فرائض منصبیہ میں سے بنی ہیں مگر سر اقبال جیسے مہذب اور متین شخص کا ان کی صف میں آجانا ضرور تعجب خیز امر ہے۔ ان سے میری خط و کتابت نہیں۔ مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا ان کی عالی بارگاہ تک پہنچنا اگر محال نہیں تو مشکل ترین

ہے اگر غیر مناسب نہ ہو تو ان کی عالی بارگاہ میں یہ شعر ضرور پہنچا دیجئے:

هنيئاً مريئاً غير داءٍ مخامرٍ
لعزة من أعراضنا ما استحلت

افسوس کہ سمجھدار اشخاص اور آپ جیسے عالی خیال یہ کر جاتے ہیں کہ مخالفت کی بنا پر اخبار مہر تقسیم کی ناجائز اور ناسزا کارروائیاں کرتے رہتے ہیں ان پر ہرگز اعتماد ایسے امور میں نہ کرنا چاہئے اور سر اقبال موصوف جیسے عالی خیال اور حوصلہ مند مذہب میں ڈوبے ہوئے تجربہ کار شخص کو یہ خیال نہ آیا کہ تحقیق کرنے کی طرف توجہ فرمائی آیۃ اذا جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا (الآیۃ) گویا ان کی نظر سے نہیں گزری اگر میری تقریر کے سیاق و سباق کو حذف بھی کر دیا جائے اور عبارت میں تحریف کر کے حسب اعلان جریدہ "احسان" "قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے" بتائی جائے تب بھی میں نے کب کہا کہ ملت یا دین کی اساس وطن پر ہے۔ اس کے علاوہ تقریر میں تو اسلامی تعلیم اور نظریہ کا ذکر بھی نہیں تھا۔"

یہ مولانا کی تحریر کے دو اقتباس ہیں جو میرے نزدیک ضروری تھے کہ آپ کی نظر سے گزر جائیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے مولانا کی پوزیشن صاف ہے۔ آپ کی نظم کی اساس غلط پروپیگنڈہ پر ہے آپ کے نزدیک بھی اگر مولانا بے قصور ہوں تو مہربانی فرما کر اپنی عالی ظرفی کی بنا پر اخبارات میں ان کی پوزیشن صاف فرمایئے۔ بصورت دیگر مجھے اپنے خیالات سے مطلع فرمایئے تاکہ مولانا سے مزید تشفی کر لی جائے۔ ہمارے جیسے نیاز مند دونوں حضرات کے عقیدت کیش ہیں۔ دو گونہ رنج و عذاب میں مبتلا ہیں۔

امید ہے کہ باوجود عدیم الفرصتی کے ہمیں اس ورطۂ حیرانی سے نکالنے

میں آیۂ رحمت ثابت ہونگے۔ (طالوت صفحہ ۱۳۵)

علامہ اقبال کا خط

جناب طالوت کے نام

۱۶ فروری ۱۹۳۸ء

جناب من! مولانا حسین احمد صاحب کے معتقدین اور احباب کے بہت سے خطوط میرے پاس آئے۔ ان میں سے بعض میں تو اصل معاملہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مگر بعض نے معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے اور مولوی صاحب کو بھی اسی ضمن میں خطوط لکھے ہیں چنانچہ آپ کے خط میں مولوی صاحب کے خط کے اقتباسات درج ہیں۔ اس واسطے میں نے آپ ہی کے خط کو جواب کے لیے انتخاب کیا ہے۔ جواب انشاء اللہ اخبار "احسان" میں شائع ہوگا۔ میں فرداً فرداً علالت کی وجہ سے خط لکھنے سے قاصر ہوں۔ (مخلص محمد اقبال)

علامہ اقبال کا دوسرا خط

حضرت طالوت کے نام

۱۸ فروری ۱۹۳۸ء

جناب من سلام مسنون۔ میں حسب وعدہ آپ کے خط کا جواب "احسان" میں لکھوانے کو تھا کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی جس کا گزارش کر دینا ضروری ہے۔ امید ہے آپ مولوی صاحب کو خط لکھنے کی زحمت گوارا فرما کر اس بات کو صاف کر دیں گے۔ جو اقتباسات آپ نے اُن کے خط سے درج کیے ہیں اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی حسین صاحب نے یا اکثر جمل قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ اگر ان کا مقصود ان الفاظ سے صرف ایک امر واقعہ کا بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایشیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔ البتہ اگر ان کا یہ مقصد تھا کہ ہندی

مسلمان بھی اس نظریے کو قبول کرلیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کیونکہ کسی نظریے کو اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام کے مطابق ہے یا منافی۔ اس خیال سے بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے اس بات کا صاف ہوجانا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصود ان الفاظ سے کیا تھا۔ ان کا جو جواب آئے وہ آپ مجھے روانہ کردیجئے۔ مولوی صاحب کو میری طرف سے یقین دلایئے کہ میں ان کے احترام میں کسی مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں۔ اگر مذکورہ بالا ارشاد سے ان کا مقصود وہی ہے جو میں نے اوپر لکھا ہے تو میں اُن کے مشورے کو اپنے ایمان اور دیانت کی رُو سے اسلام کی رُوح اور اس کے اساسی اُصولوں کے خلاف جانتا ہوں۔ میرے نزدیک ایسا مشورہ مولوی صاحب کے شایانِ شان نہیں اور مسلمانانِ ہند کی گمراہی کا باعث ہوگا۔ اگر مولوی صاحب نے میری تحریروں کو پڑھنے کی کبھی تکلیف گوارا فرمائی ہے تو انھیں معلوم ہُوا ہوگا کہ میں نے اپنی عمر کا نصف حصّہ اسلامی قومیت اور ملّت کے اسلامی نقطۂ نظر کی تشریح و توضیح میں گذارا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ مجھ کو ایشیا کے لیے اور خصوصاً اسلام کے لیے فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایک خطرۂ عظیم محسوس ہوتا ہے کسی سیاسی جماعت کا پروپیگنڈہ کرنا نہ میرا اس سے پہلے مقصد تھا نہ آج مقصود ہے بلکہ وہ شخص جو دین کو سیاسی پروپیگنڈے کا پردہ بناتا ہے میرے نزدیک لعنتی ہے۔"

(مخلص محمد اقبال)

علامہ اقبال کا تردیدی بیان

جو روزنامہ احسان ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء میں شائع ہُوا:۔

"میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت قبول کرنے کا مشورہ نہیں دیا۔" (حضرت

مولانا حسین احمد مدنی کا بیان "مجھے اس اعتراف کرنے کے بعد ان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا"۔ علامہ اقبال کا مکتوب قومیت، وطنیت کے سلسلہ میں ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ۔

جناب ایڈیٹر صاحب "احسان" لاہور۔

السلام علیکم۔ میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے، اس میں اس امر کی تصریح کر دی تھی۔ اگر مولانا کا یہ ارشاد کہ "زمانہ حال میں اقوام اوطان سے بنتی ہیں" محض برسبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر مولانا نے مسلمانانِ ہند کو مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریۂ وطنیت کا اختیار کریں تو دینی پہلو سے اس پر مجھ کو اعتراض ہے۔ مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار "انصاری" میں شائع ہوا مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:

"لہٰذا ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر و متفرق ملل کے لیے کوئی رشتہ اتحاد بجز قومیت نہیں جس کی اساس محض یہی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔"

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانانِ ہند کو مشورہ دیا ہے۔ اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار احسان میں شائع ہوا ہے لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انہوں نے مجھ کو ارسال کی ہے۔ اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں:۔

"میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں اور اگر مشورہ مقصود ہے تو وہ خلاف دیانت ہے۔ اس لیے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے سیاق و سباق پر نظر ڈالی جائے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے

میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں" یہ اس زمانہ کی جاری ہونے والی حضرت اور دوزِ بعثیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیے خبر ہے انشا نہیں ہے کسی ناقل نے مشورہ کو ذکر بھی نہیں کیا پھر اس کو مشورہ دینا کس قدر غلطی ہے؟"

"خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اس پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ میں مولانا صاحب کے عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنھوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے سلسلہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔"

محمد اقبال

ہم مولانا خدا بخش صاحب ملتان کے شکر گزار ہیں کہ موصوف نے کتابچہ "نظریہ قومیت" حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ و علامہ اقبال مرتبہ جناب طالوت صاحب بغرض اشاعت اور ہماری واقفیت کے لیے بھیجا ہم نے بغور پڑھا اور کئی بار پڑھا اور ڈاکٹر صاحب مرحوم پر اس وجہ سے زیادہ افسوس ہوا کہ جب موصوف کے دل میں مولانا مدنی مدظلہ کا احترام دوسروں سے کسی طرح کم نہ تھا تو گیا اس کا یہی اخلاقی جواب تھا کہ محض اخبارات اور اپنے حاشیہ

نشینوں کے گھنٹے اور رطب و یابس کے شائع کر دیتے ہیں کہ قرآن و حدیث سمجھ کر مولانا ممدوح سے دریافت کیے بغیر ایسے اشعار جو مزامیر ابلیس کے تحت داخل ہیں اپنی زبان فیض ترجمان سے کیونکر نکال دیئے اور پھر یا بھی خط و کتابت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے خود کیوں نہ ہدایت کر دی کہ ارمغان حجاز سے یہ خرافات علیحدہ کر دی جائیں۔ ہم ڈاکٹر صاحب مرحوم کو ایک شاعر اور فلسفی سے زیادہ حیثیت دینے کو شرعی جرم سمجھتے ہیں کیونکہ ہم نے ان کے کلام کو بغور پڑھا ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ مرحوم کے جہاں سینکڑوں اور ہزاروں اشعار مفید ہیں وہیں ان کے کتنے اشعار ایسے ہیں جن سے کھلے بندوں اسلام اور اسلامی فلسفہ پر اس کی زد پڑتی ہے۔ اگر زمانہ حال میں اقوام اوطان سے بنتیں ہیں یا متحدہ قومیت کا نظریہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اسلام کے مطابق نہ تھا تو اس سے کہیں کھلی ہوئی گمراہی کی تبلیغ موصوف کے اس شعر میں کیا موجود نہیں ہے سے

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

پاکستان میں قانون سازی کا اصول فکر اقبال کی روشنی میں ہو تو ہو چکا ہے کیونکہ پاکستان جس اسلام کے نام پر بنا ہے وہ مرحوم ہی کے فلسفہ کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب مرحوم کو امام ابو حنیفہؒ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم۔ اکابر اولیاء اسلام کے دوش بدوش بلکہ مع شی زائد مرتبہ دے دیا جائے تو پھر بھی کم ہے مگر ہم ہندی طالب علموں کے نزدیک تو ڈاکٹر صاحب کا وہی مقام ہے جو علامہ اقبال احمد صاحب سہیل مرحوم کا ہے یہ اور بات ہے کہ آخر الذکر وکالت کی نذر ہو کر رہ گئے اور اول الذکر پنجاب کی مردم خیز زمین کی بدولت

آج شامی، اور مفتیِ اسلام وغیرہ کے ناموں سے یاد کیے جا رہے ہیں۔ یوپی جو ہندوستان اور پاکستان کا قلب ہے اگر ڈاکٹر صاحب مرحوم اس سرزمین میں پیدا ہوئے ہوتے اور وہیں ان کا نشو و ارتقا ہوا ہوتا تو شاید رموز و اسرارِ شریعت کے ساتھ ان کو اگر فراقِ مراتب ذکنی زندیقی کا یکبارہ مصرع فراموش نہ ہوتا اور نہ وہ آخر میں رجوع فرماتے بلکہ یا تو خاموش رہتے یا براہِ راست مولانا مدنی سے پوچھ کر وہ کرتے جیسے کہ وہ اہل تھے۔ بہرکیف اسلمی لا یعود۔ رمضان مجاز سے جب وہ اشعار نہیں نکالے گئے تو مجبوراً ہم کو بھی یہ حق مدافعت حاصل ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اشعار کے جو جوابات دیے گئے تھے اب انھیں شائع کر دیں یہاں پر صرف علامہ اقبال صاحب سہیل مرحوم اعظم گڑھ کے ان اشعار کو شائع کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کے اندر نہ صرف شاعری بلکہ ڈاکٹر صاحب کو تعلیم بھی دے دی گئی ہے۔

اہلِ دیانت خود ہی انصاف فرمائیں گے۔ مانا کہ ڈاکٹر صاحب بہت بڑے فلسفی کہے جا رہے ہیں لیکن جہاں تک شاعری اور وہ بھی اردو و فارسی شاعری کا درجہ ہے۔ سہیل صاحب کا مقام ان سے بہت زیادہ بلند ہے ارشاد فرماتے ہیں۔

اقبال با اقبال

معاندے کہ بشیخ الحدیث نزد گفت — سبک بچشم فروزیں سحاب بے جبیں است
بیانِ او ہمہ تحقیق و بحث در تفسیر — زبانِ او عجمی و کلام در عربی است
کہ گفت بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است — دروغ گوئی ایں داور ایں چہ بوالعجبی است
درست گفت محدث کہ قوم از وطن است — کہ مستفاد فرمودۂ خدا و نبی است
زبانِ اہلِ کشوری مگر ندانستی — کہ فرقِ ملت و قوم از لطائفِ ادبی است

تقاضائے ست فروزاں بیان ملت قوم — یکے بکیش دگر کشور ست یا نسبی است
بملت ار چہ بجا ہی است سرور ما — ولے بہ قوم حجازی بہ نسل مطلبی است
ز قوم خویش شمرد اہل کفر را با عاد — رسول پاک کہ نامش محمد عربی است
خدائے گفت بقرآن مکمل قوم ہاد — مگر بہ نکتہ کجا پے برد کسے کہ غبی است
بقوم خویش خطاب پیمبراں بہ نگر — ہم از حکایت القوم مصحف ادبی است
بلند تر بود از قوم رتبۂ ملت — کہ حبل دین قوی تر ز رشتہ نسبی است
کسے کہ ملت اسلام نور سینۂ اوست — برو روا است اگر زنگی است و حبشی است
مگر بہ ہم وطناں ز رہ جہاد و استخلاص — مجاہدانہ تعاون ز رہ حق طلبی است
سلوک نیک و مدارا بجار ذی القربیٰ — عمل بہ حکم الٰہی و اتباع نبی است
محبت وطنی است از شعائر اجداد — ہمیں حدیث ہمیں غیرت عربی است
نظر نہ بودن و با دیدہ و دور افتادن — دو گونہ شیوۂ بوجہلی است و بولہبی است
رموز حکمت ایمان ز فلسفی جستن — تلاش لذت عرفان ز بادۂ عنبی است
خموشی از سخن نا سزا اگر بدہ تر است — کہ ہرزہ لاف زدن خیرگی و بے ادبی است
بہ دیوبند گزر گر نجات می طلبی — ز دیو نفس سلح خوردہ دانش آرابی است
بگیر راہ حسین احمد از خدا خواہی — کہ نائب است نبی را و ہم ز آل نبی است

(صفحہ ۱۳۵ سے ۱۴۳ تک)

نوٹ:۔ مکتوبات شیخ الاسلام اوّل و دوم و سوم تین جلدیں ہیں۔ جن کو نجم الدین اصلاحی نے ترتیب دیا ہے اور یہ مکتبۂ دینیہ دیوبند ضلع سہارنپور سے ملتے ہیں۔ پاکستان میں رہنے والے وہ مسلمان جو مدنی مرحوم کے مریدین میں سے ہیں ان کے پاس یہ تینوں جلدیں عموماً دیکھی گئی ہیں اور پاکستان کی لائبریریوں میں بھی ممکن ہے یہ مل سکیں۔

ہمارے نزدیک جن جذبات کا اظہار نجم الدین اصلاحی صاحب نے کیا ہے تقریباً یہی جذبات ان حضرات کے ہیں۔ جو مدنی کے حلقۂ

ارادت میں ہیں اور پاکستان میں رہتے ہیں۔ ان کی تحریر کا وہ حصہ خصوصی طور پر توجہ کا مستحق ہے جہاں فرمایا ہے کہ پاکستان کا آئین تو فکر اقبال کی روشنی میں مرتب ہو سکتا ہے کیونکہ پاکستان جس اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے وہ دراصل اقبال مرحوم ہی کے فلسفہ کا دوسرا نام ہے۔ یہ فقرہ قابل غور ہے اور یہ ان حضرات کے جذبات وعقائد اور خیالات و نظریات کی پوری پوری ترجمانی وعکاسی کرتا ہے جن کی عقیدتیں وارادتیں پاکستان میں رہتے ہوئے بھی آزاد و مدنی مرحوم سے ہیں اور وہ پاکستان میں آزاد و مدنی کا اسلام لانے کے لیے اپنے انداز میں کام کر رہے ہیں۔ اور اقبالؒ و مدنی مرحوم کو وہی مرتبہ و اہمیت دیتے ہیں جو نجم الدین اصلاحی صاحب نے دی ہے۔

اب ہم مسئلہ متحدہ قومیت پر مدنی مرحوم کی تحریریں پیش کر کے یہ ثابت کریں گے کہ نہ تو مدنی مرحوم نے متحدہ قومیت کی رُوح کو آزاد مرحوم کے نظریہ وخیال سے کچھ الگ اور مختلف انداز میں سمجھا اور نہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ تادم زیست اپنے اصول وعقائد سے اِدھر اُدھر ہٹے۔ نیز ہم سے جہاں تک ہو سکے گا۔ وہ مواد جو اس مسئلہ پر دونوں طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ قارئین کرام کے سامنے لانے کی حتی المقدور کوشش کریں گے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مولوی حسین احمد مدنی متحدہ قومیت اور وطنیت کے نظریہ کے اسی طرح قائل اور انہی خطوط پر سوچتے اور عمل کرتے تھے جن پر کانگریس کے ہندو لیڈر رہا ان کا شکوہ بیجا ہے جو علامہؒ کر رہے ہیں۔

بھولا بھائی ڈیسائی

کانگریس پارٹی کے لیڈر مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی فرماتے ہیں:۔

"اب یہ ناممکن ہوگا کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جائے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ اب وقت آ چکا ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کر لیں اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ضمیر مذہب اور خدا کو ان کے مناسب مقام یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے اور انھیں خواہ مخواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔ اس بات کا تصور بھی ناممکن ہے کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ نہ کیا جائے تو کوئی نظام حکومت قائم ہو سکتا ہے ۔۔۔ عہد حاضر میں بہترین نظام حکومت کی بنا اس نظریے پر قائم ہو سکتی ہے کہ جغرافیائی حدود کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو اور اس ملک کے اندر رہنے والے تمام افراد معاشی اور سیاسی مفاد کے رشتہ میں منسلک ہو کر ایک متحدہ قومیت بن جائیں۔"

(ہندوستان ٹائمز ۵ ۹/۳۸)

یہ نظریہ ایک ہندو کا ہی نہیں بلکہ خود مولانا حسین احمد مدنی صاحب مرحوم کا بھی ارشاد ہے کہ

"ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی پارسی سب شامل ہوں حاصل کرنے کے لیے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہیے ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے اصولوں کے عین مطابق ہے اور اسلام اس آزادی کی اجازت دیتا ہے۔"

(زمزم ۷ جولائی ۱۹۳۸ء)

متحدہ قومیت کا معنی یہ ہوا کہ نظام حکومت ایسی جمہوریت پر قائم ہوگا جو مسلم و غیر مسلم کی جماعتوں پر مشتمل ہوگی اور جس میں اکثریت کے فیصلے ملک کا قانون بنا کریں گے۔ یہ ہے مختصراً متحدہ قومیت کا تصور اور کانگریسی عقیدہ۔ اس کے برعکس اگر مسلمان چاہیں کہ من حیث المسلم اپنا

الگ جماعتی تشخص قائم رکھیں تو یہ جذبہ فرقہ پرستی کا وہ شجر ملعونہ ہے، جو متحدہ قومیت کی جنتِ ارضی میں کسی صورت میں بارآور نہیں ہو سکتا چنانچہ پنڈت جواہر لعل نہرو فرماتے ہیں :-

"ہندوستان میں مسلم قومیت چھیڑ دینے کا مطلب کیا تھا بس یہی کہ ایک قوم کے اندر ایک دوسری قوم موجود ہے جو یکجا نہیں منتشر ہے، مبہم ہے اور غیر حقیقی ہے اب سیاسی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہ تخیل بالکل لغو معلوم ہوتا ہے اور معاشی نقطۂ نظر سے بہت دور از کار ہے ۔ ۔ ۔ ۔ مسلم قومیت کا ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم ہی نہیں بس مذہبی اخوت کا رشتہ ہی ایک چیز ہے۔"

(میری کہانی جلد دوم صفحہ ۳۳۱)

پھر فرماتے ہیں :-

"مسلم قوم کا تخیل تو صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور بعض پرواز خیال ہے۔ اگر اخبارات اس کی اس قدر اشاعت نہ کرتے تو بہت تھوڑے لوگ اس سے واقف ہوتے اور اگر زیادہ لوگوں کو اس پر اعتقاد ہوتا بھی تو حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد اس کا خاتمہ ہو جاتا۔"

(میری کہانی جلد دوم صفحہ ۳۳۲)

کس قدر تاسف سے لکھتے ہیں کہ

"ایسے لوگ ابھی زندہ ہیں جو ہندو مسلمانوں کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں گویا وہ ملتوں اور قوموں کے بارے میں گفتگو ہے جدید دنیا میں اس دقیانوسی خیال کی گنجائش نہیں۔" (میری کہانی جلد دوم صفحہ ۳۴)

خود مولانا صاحب اس خیال کی تائید ان حقیقت کشا الفاظ میں فرماتے ہیں :-

"ہندو مہا سبھا ویسے ہی ہندوؤں کی الگ جماعت ہے جیسے

مسلم لیگ مسلمانوں کی کانگریس ہندوستان میں بسنے والے ہندوستانی کی جماعت ہے۔" (زمزم ہر جولائی ۱۹۳۸ء)

یعنی مولانا صاحب کے نزدیک بھی پنڈت جی کی طرح مسلمانوں کی الگ جماعت کا وجود نہایت قابل نفرت چیز ہے اور قابل فخر جماعت وہی ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی بنیاد پر استوار ہو۔

تجزیہ:۔ تفصیلات بالا سے ہم نے یہ دیکھ لیا کہ متحدہ قومیت کے اجزائے ترکیبی کیا کیا ہونے ضروری ہیں۔ چند الفاظ میں یوں سمجھئے کہ متحدہ قومیت میں

۱۔ مختلف قوموں کی تہذیب کو مٹا کر اس سے ایک جدید تہذیب میں منتقل کر دیا جائے گا۔

۲۔ مختلف جماعتوں کے جداگانہ مذاہب کی تحلیل سے ایک مرکب مذہب کو محض ایک پرائیویٹ عقیدہ سمجھا جائے گا۔

۳۔ مختلف قوموں کا الگ الگ نام بھی باقی نہ رہے گا بلکہ ایک مشترکہ نام بنا بر وطنیت اختیار کیا جائے گا۔

۴۔ مختلف جماعتوں کی زبان بھی جداگانہ نہیں ہوگی بلکہ اکثریت کی زبان متحدہ زبان قرار پائے گی۔

۵۔ متحدہ قومیت کا نظام ایک ایسی جمہوریت سے مرتب ہوگا۔ جو تمام اقوام کے امتزاج سے قائم ہوگا اور جس کی رو سے اکثریت کے فیصلے ملک کا قانون بنا کریں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ متحدہ قومیت میں مسلمانوں کو اپنا الگ قومی تشخص (NATIONAL IDENTITY) کی اجازت نہ ہوگی۔

اب مولوی حسین احمد مدنی مرحوم کے ارشادات سنیئے:۔

"جو لوگ مسلمانوں کو اس میدانِ سیاست میں آنے سے روک رہے ہیں اور متحدہ قومیت کو بھیانک صورت میں ظاہر کر کے نفرت دلا رہے ہیں بلاشک وشبہ برطانیہ کی ایسی عظیم الشان خدمات سرانجام دے رہے ہیں جو اس کی افواج اور اسلحہ سے بھی سرانجام نہیں پا سکتیں۔" (متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۷)

"یہاں تک خیر تھی لیکن دراز دستی ایں کوتاہ آستین ہیں۔ کہ وہ ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں سنیئے اور ذرا دیکھئے کہ خود حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ

"یہ امر یقینی اور غیر قابلِ انکار ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی اور ان کے کمالات بھی غیر معمولی تھے۔ وہ آسمانِ حکمت وفلسفہ، شعر وسخن، تحریر وتقریر، دل ودماغ اور دیگر کمالاتِ علمیہ وعملیہ کے درخشندہ آفتاب تھے مگر باوجود کمالات کو ناگوں ساحرین برطانیہ کے سحر میں مبتلا ہو جانا یا بعض غلطیوں میں پڑ جانا اور کسی ابجد خوان طالب علم کا اس سے محفوظ رہنا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔" (ایضاً ص) یہ مطلع تھا مقطع ملاحظہ فرمائیے:۔

"غرضیکہ جادوگرانِ برطانیہ نے اپنی ساحرانہ کارگزاریوں سے سر سید جیسے تجربہ کار عقلمند شخص کو نہ صرف متحدہ قومیت سے بلکہ پالٹکس اور آئینی جد وجہد سے بھی روکا، اور اسی کے ذریعے سے مسلمانوں کو ہمیشہ سیاسیات سے علیحدہ رکھ کر بالکل نابلد اور بیک ورڈ بنا دیا۔ پھر اگر ڈاکٹر اقبال مرحوم اس سحر سے مسحور ہی ہو گیا تو کیا تعجب ہے" (ایضاً صفحہ ۴۳)

غالب کو کسی مخالف نے ان کی گالی دی تو اس نے کہا تھا کہ اس بد اخلاق کو روز ذوق لوگوں کو گالی دینے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ غالب شاعر تھا اس لیے اس نے اس چیز کو روز ذوق پر محمول کیا لیکن اس کو روز ذوقی

کا اگر نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب آدمی کے اعصاب پر انتقامی جذبات کا بھوت سوار ہو جائے تو اس کا عقلی توازن قائم نہیں رہتا اور اس کے بعد اسے خود معلوم نہیں ہوتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت علامہؒ کے متعلق اور جو کچھ جی میں آئے کہہ لیجئے شاید کوئی نہ کوئی ایسا مل جائے۔ جو اسے باور کر لے لیکن ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سحر برطانیہ سے مسحور ہو چکے ہیں ایک ایسا الزام ہے جسے تسلیم کرنے کے لیے کوئی صحیح الدماغ آدمی آپ کو نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ جو شخص اقبالؒ سے تھوڑا بہت بھی واقف ہے وہ جانتا ہے کہ ان کی تمام زندگی سحر برطانیہ اور افسون فرنگ کے خلاف ایک مسلسل جہاد تھی اور ان کی زندگی کا یہ ایک ایسا کارنامہ تھا جس کا اعتراف خود ان کے مخالفین تک کو تھا۔ ان کے کلام پر اگر کوئی صاحب دو لفظوں میں تبصرہ کرنا چاہیئے تو بلا تکلف کہہ سکتا ہے کہ وہ

فریاد ز افرنگ و دلآویزیٔ افرنگ

کی فسوں شکن تشریح ہے وہ اقبال جس کی تمام عمر یہ کہتے کہتے گزر گئی کہ

اے ز افسونِ فرنگی بے خبر　　　فتنہ ہا در آستینِ او نگر
از فریبِ او اگر خواہی اماں　　　اشترانش را ز حوضِ خود بران

وہ جس نے گلشن وزندان یورپ کی انسانیت سوز و بہیمہ کاریوں کے خلاف ایک مسلسل صدائے احتجاج ان الفاظ میں بلند کی ہو کہ

آدمیت زار نالید از فرنگ　　　زندگی ہنگامہ بر چید از فرنگ

وہ جو ان کے متعلق اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہو کہ

جبریل از صحبتش ابلیس گشت

اور اس لیے ایک صلائے ربّانی بن کر آخری سانس تک یہی تلقین کرتا رہا ہو کہ

مومن خود کا فرِ افرنگ شو[1]

اس اقبال کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ساحرین برطانیہ کے جادو سے مسحور ہو چکا تھا یا تو بقول غالب اپنی انتہائی بدمذاقی کا ثبوت دینا ہے یا مغلوب الغضب ہونے کا اعلان کرنا۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ آج ہندوستان کے مسلمانوں میں بالعموم اور اس طبقہ میں بالخصوص جو انگریزی خواں ہے سحر یورپ کے خلاف جس قدر بغاوت اور تنافر کے جذبات پائے جاتے ہیں یہ رہین منت ہیں اسی مردِ حق آگاہ کی سعیٔ پیہم کے۔ کس قدر ظلم ہے کہ بجائے اس کے کہ مولانا صاحب انگریزی نہ جاننے والے طبقے کے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت علامہؒ کے اس احسان کے اظہار کے لیے تشکر فرماتے وہ ان کے خلاف اس حربہ کو لے کر میدان میں اتر آئے ہیں جس کی زد اچٹ کر خود اپنے ہی اوپر آپڑے کہ

تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

اگر حضرت علامہؒ کے خلاف عوام کو بھڑکانا ہی مقصود تھا تو اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا۔ کہ ان کا فوٹو دیکھ لو داڑھی کہاں ہے!! اور پھر آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ یہ سحر برطانیہ کا طعنہ کس موقع پر دیا جاتا ہے! مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ آجکل قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ مذہب

[1] حضرت علامہؒ کے کلام سے اس عنوان پر اگر تمام اشعار جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ مثنوی پس چہ باید کرد سے مندرجہ صدر اشعار یونہی اس وقت ذہن میں آگئے استعیاناً اس پر کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ ہر وہ شخص جس نے کلام اقبال کو سرسری نظر سے بھی دیکھا ہے اسے معلوم ہے کہ طلسم فرنگ کی انھوں نے کس حد تک نقاب کشائی کی ہے۔

ہے نہیں بنتیں ؟

حضرت علامہؒ کا ارشاد ہے کہ نظریہ قومیت کی بنا وطنیت پر ہے۔ ساحرین یورپ کا پیدا کردہ ہے۔ اسلام مسلم قومیت کی بنا خالص ایمان پر رکھتا ہے۔ لہٰذا اسلام کا نظریۂ قومیت یورپ کے نظریۂ قومیت کے بالکل خلاف ہے۔ اس کے جواب میں مولانا صاحب کا فتویٰ ہے کہ اقبال ساحرین یورپ کے دام تزویر میں گرفتار تھا۔ یعنی جو شخص یورپ کے ایجاد کردہ نظریہ کی تائید کرے۔ وہ تو ایسا الاحرار ہے اس پر سحر یورپ کا کوئی اثر نہیں اور جو شخص اس کی مخالفت کرے اور یہ بتائے کہ یہ سحر یورپ ہے اس سے بچ کر رہنا وہ ساحرین یورپ کے سحر میں گرفتار ہے۔

بسوخت زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ان حضرات کے نزدیک سحر برطانیہ سے تو وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے۔ جو کفر و اسلام کے امتزاج سے ہندوستان میں ایک متحدہ قومیتؒ کی تشکیل کی حمایت کرے۔ اپنی کوئی رائے نہ رکھے بلکہ کانگریس کی پاس کردہ تجاویز کے لیے آلۂ مکبر الصوت (LOUD SPEAKER) کا کام دے۔ کانگریسی ائمہ سیاست کی اقتداء میں جو نیت امام کی سو میری کہہ کر ان کی آواز پر اٹھتا اور جھکتا چلا جائے۔ اُن کے فتاویٰ کے نیچے الجواب صحیح لکھ کر مہر تصدیق ثبت کرے اور جو ایسا نہ کرے۔ اس کے متعلق اعلان کر دے کہ اُسے انسان کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

وہی جذبۂ انانیت و خود پرستی جو کبھی اپنے آپ کو نحن ابناؤ اللہ واحباؤہ کی جا بیٹھتی اور دوسروں کو لیسوا علی شیء (عقل و بصیرت سے عاری) سمجھنے پر آمادہ کرتا تھا جو اس دعویٰ کا محرک ہوتا تھا کہ لن یدخل الجنۃ

الامن کان ھودًا او نصاریٰ (جنت میں وہی جا سکے گا جو ہمارے مسلک کی تائید کرے گا) آج یہی جذبہ اپنے آپ کو رئیس الاحرار اور باقی مسلمانوں کو ذلیل وخوار غلام سمجھنے کا محرک بن رہا ہے یہی کارفرما ہے جو اقوام سابقہ کے احبار و رہبان میں ہنگامہ خیز تھی صرف قالب میں فرق ہے ۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات ومنات (اقبالؒ)

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ مولانا صاحب نے حضرت علامہؒ کی زندگی میں اپنی غلطی کو اس نقاب میں چھپانے کی کوشش کی تھی کہ دہلی کی تقریر سے ان کا مطلب صرف اس قدر بیان کرنا تھا کہ آجکل یورپ میں قومیت کے متعلق اس قسم کا نظریہ قائم ہو چکا ہے اس سے مفہوم یہ مشورہ دینا نہیں کہ مسلمان بھی اپنی قومیت کی تشکیل انہی خطوط پر کریں۔ اس کا اعتراف خود رسالہ زیر نظر میں بھی موجود ہے جہاں فرماتے ہیں:-

"جس طرح ڈاکٹر صاحب مرحوم کو میرے بعض احباب کے خطوط کے جواب سے معلوم ہوا دہلی کی تقریر میں مشورہ دینا مقصود نہ تھا اور نہ کوئی لفظ اس کا ذکر کیا گیا تھا"
(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ)

لیکن اب مولانا صاحب نہ صرف اس نظریہ کا مشورہ ہی دیتے ہیں بلکہ اسے قرآن کریم سے ثابت کر کے بطور الٰہی فریضہ کے پیش کرنے کی کوشش فرماتے ہیں اور (معاذ اللہ) اسے خود نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں کو اس اسوۂ حسنہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ہندوستانیوں کے لیے اپنے ضائع شدہ حقوق حاصل کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"ایسے مقاصد کے لیے متحدہ قومیت غیر مسلموں کے ساتھ بنانا خود جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے۔" (ایضاً صفحہ ۳۶)

اور اس کی شدت سے تائید فرماتے ہیں کہ:-

"بنا بریں متحدہ قومیت کا جائز ہونا۔ ان مختلف مذاہب ہندیہ میں بجز وطنیت اور کسی طریقہ سے پیدا نہیں ہو سکتا، پیدا ہونا اور نہایت قوت کے ساتھ پیدا ہونا ازبس ضروری ہے۔" (متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۴۰)

معلوم نہیں کہ جس مسئلہ کو حضرت علامہؒ کی زندگی میں محض اخبار (خبر عینی) کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا۔ اب کون سے مصالح سامنے آگئے کہ اسے انشا کی حیثیت دی جا رہی ہے اور مسلمانوں کے دین اور دنیا کا تحفظ اسی کے اندر بتایا جا رہا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سیاسی معاملات میں عوام کا حافظہ کمزور ہوا کرتا ہے۔ لیکن اتنا کمزور بھی نہیں جتنا مولانا صاحب خیال فرما رہے ہیں۔

لغوی بحث:- مولانا صاحب نے ۱۹۳۸ء میں جو بیان شائع فرمایا تھا اس میں تمام قوت اس بات کے ثابت کر دینے میں صرف فرما دی تھی کہ میں نے "قوم" کا لفظ استعمال کیا تھا اور حضرت علامہؒ نے اپنے شعر میں لفظ "ملت" لکھا ہے جو قوم کے لفظ سے بالکل جدا گانہ مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ ہم نے اپنے مضمون "نظریۂ قومیت" مطبوعہ طلوعِ اسلام بابت مئی ۱۹۳۸ء میں عرض کیا تھا کہ ایک ایسے اہم مسئلہ کو لغوی بحث کے الفاظی گورکھ دھندوں میں الجھا کر یہ سمجھ لینا کہ ہم نے اپنے دعویٰ کو نہایت محکم دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔ اپنے آپ کو دھوکہ دینا اور قوم پر ظلم کرنا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ متحدہ قومیت کا تصور از روئے اسلام جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کو اس بحث سے کیا تعلق کہ لفظ ملت بمعنی قوم استعمال ہوتا ہے یا نہیں؟

رسالہ زیرِ نظر جب ہمارے سامنے آیا تو چونکہ اس کا عنوان تھا "متحدہ قومیت اور اسلام" ہمیں خوشی ہوئی کہ مولانا صاحب جیسے عالم متبحر نے ابتر اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہوگی۔ جب ہم نے دیکھا کہ مولانا صاحب نے ایک نہیں دو نہیں بیس یا بائیس صفحات پھر اس تحقیق انیق کی نذر کر دیے ہیں کہ قوم کے معنی ملت کے معنوں سے مختلف ہیں اور اس میں بڑی بوجھل عربی لغت کی کتابوں مثلاً مختار الصحاح، قاموس، تاج العروس، مجمع البحار، المنجد وغیرہ کے حوالوں سے اپنے دعوے کی تائید فرمائی ہے۔ ہم تو اس چیز کو سمجھ ہی نہیں سکے کہ نفس موضوع کو بالآخر اس لغوی بحث سے تعلق کیا ہے یا تو مولانا صاحب خود ہی یہ نہیں سمجھ سکے کہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے کیا اور یا وہ دانستہ فریق مقابل کو دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کے بوجھ سے مرعوب کرنا چاہتے ہیں اس اسلوب مباحثہ سے ہمیں ایک مناظرہ کا قصہ یاد آ گیا۔ ایک مولوی صاحب تھے فن مناظرہ میں طاق لیکن ویسے بالکل کورے فریق ثانی ایک پڑھے لکھے فارغ التحصیل طالب علم تھے۔ اوّل الذکر مولوی صاحب کو فکر دامن گیر ہوئی کہ نفس موضوع پر بات چھڑ گئی۔ تو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے انھوں نے بساط مناظرہ پر شاطرانہ چال سے کام لینے کی ٹھانی۔ آتے ہی فرمایا کہ مولوی صاحب سب سے پہلے یہ فرمایئے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کلمہ ہے یا نہیں! مولوی صاحب کے دماغ میں تھوڑی صرف و نحو چکر لگا رہی تھی وہ اس نحوی غلطی کے کس طرح مرتکب ہو سکتے تھے انھوں نے فرمایا کہ نہیں! یہ کلمہ کیسے ہو سکتا ہے۔ الکلمۃ لفظ مفرداً (کلمہ لفظ مفرد کو کہتے ہیں) مناظر مولوی صاحب نے بلند آواز سے کہا او بھائی مسلمانو! جو شخص

مسلمانوں کے کلمہ کو کلمہ ہی نہیں مانتا اس سے ہماری بحث کیا ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کی باہمی بحث قرآن سے ہو سکتی ہے جن کا کلمہ ایک ہو عوام کی جانے بلا کہ نحوی مولوی صاحب نے کیا کہا۔ انہوں نے اتنا ہی سمجھا کہ یہ تو واقعی کلمہ کا بھی قائل نہیں ہے یہ ظاہر ہے کہ اس کے بعد کیا ہوا ہوگا۔

قوم و ملت کے لغوی گورکھ دھندے سے کچھ اسی نہج کی بحث مولانا صاحب چھیڑ دیتے ہیں اور آپ یہ محسن کر انگشت بدنداں رہ جائیں کہ خود مولانا صاحب کو اس امر کا اعتراف ہے کہ حضرت علامہؒ نے ملت کا لفظ قوم ہی کے معنوں میں استعمال کیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"مگر دوسری حیثیت سے کہ جناب ڈاکٹر صاحب مسلمانان ہند کو قومیت متحدہ کا مشورہ دینا خلاف دیانت سمجھتے ہیں امر میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔" (متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۸۰)

اب آپ خود اندازہ فرمالیجئے۔ کہ مولانا صاحب کا اتنی طول طویل لغوی بحث سے مطلب کیا ہے۔ یہ تو رہا خود ان کا اعتراف لیکن اگر بحث کا فیصلہ اس لغوی اعتبار سے ہی کرنا ہو تو وہ تو ایک فقرہ میں ہو سکتا ہے۔ بے شک عربی میں قوم کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں۔ اور ملت کے معنی شرع و دین کے لیکن حضرت علامہؒ نے اشعار مذکورۂ صدر فارسی زبان میں لکھے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ فارسی میں ملت بمعنی جماعت اور گروہ کے آتا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں:۔

"اور اگر غور کیا جائے تو متاخرین عرب اور فارسیوں اور ترکوں نے بھی لفظ ملت کو قوم کے معنی میں کہیں بھی استعمال نہیں کیا۔"

(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۱۵)

لیکن ہم نہایت ادب سے گذارش کریں گے کہ جہاں انھوں نے عربی کے اتنے اتنے ضخیم لغت کھنگالے تھے۔ اگر فارسی کے ایک چھوٹے سے لغت مثلاً "غیاث اللغات" کی ورق گردانی کی تکلیف گوارا فرما لیتے تو اس میں نہایت آسانی سے نظر آجاتا کہ قوم کے معنی جماعت اور گروہ کے بھی لکھے ہیں۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

پھر یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ مولانا نے "متحدہ قومیت" کے معانی متعین کرنے کا جو طریق اختیار فرمایا ہے وہ اصولی طور پر غلط ہے وہ پہلے لغت سے لفظ قوم کے معنی متعین فرماتے ہیں۔ یعنی گروہ، جماعت اور پھر لفظ متحدہ کے یعنی جن میں باہمی اتحاد ہو اور اس کے بعد جھٹ اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ کہ متحدہ قومیت کے معنی ہیں دو قوموں کا باہمی اتحاد کے رشتہ میں منسلک ہونا اور اس کے بعد فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں کہ یہ کس طرح اسلام کے منافی ہے یہ ہے دے کے خلاصہ ان کی تمام لغوی بحث متعلقہ متحدہ قومیت اور اسلام کا اس سے تو ہم سمجھے ہیں کہ مولانا صاحب پر غالباً ابھی تک یہ واضح نہیں ہوا کہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے کیا۔ یہ ظاہر ہے کہ متحدہ قومیت یا (NATIONALISM) دورِ حاضرہ کی ایک سیاسی اصطلاح ہے جس کے معانی دورِ حاضرہ کی سیاسی روشنی میں ہی متعین کیے جا سکتے ہیں نہ کہ اس زمانہ کے کتب لغت سے جن میں اس اصطلاح کا کہیں ذکر تک نہ ہو۔ اس طرح اصطلاحات کے معانی متعین کرنے سے تو اصلی مطلب کبھی سامنے نہیں آ سکتا۔ دورِ حاضرہ کی مختلف سیاسی اصطلاحات کو لیجئے۔ مثلاً ترکِ موالات۔ عدم تشدد۔ مخلوط انتخاب۔ گول میز کانفرنس بین الاقوامی وفاق (FEDERATION OF STATES)

وغیرہ اور ان کے معانی پرانی کتب لغت سے متعین کیجئے پھر دیکھیے اصلی مطلب کس طرح خبط ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ مصطلحات مروجہ کے معنی ہمیشہ اس زمانہ اور اس ماحول کے ماتحت لینے پڑیں گے جس میں کسی اصطلاح کا رواج ہوا ہو۔ لہٰذا جب ہم متحدہ قومیت کو اسلام کی میزان سے تولنا چاہیں گے۔ تو پہلے یہ معین کرنا ضروری ہوگا کہ متحدہ قومیت سے مراد کیا ہے۔ اس کے بعد دیکھیں گے کہ اسلام اس کے متعلق کیا کہتا ہے یہ ہے صحیح طریقہ کسی واضح نتیجہ تک پہنچنے کا۔ آئیے پہلے متحدہ قومیت کے معانی متعین کر لیں۔

باب دوم

متحدہ قومیت کا مفہوم:- جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں متحدہ قومیت (NATIONALISM) دور حاضرہ کی ایک سیاسی اصطلاح ہے جو بالخصوص ہندوستان میں فرقہ داری (COMMUNALISM) کے مقابلہ میں رائج کی گئی ہے۔ اس اصطلاح کے معنی متعین کرنے کے لیے ہمیں ان سیاسی مدبرین کی تحریروں اور تقریروں کی طرف رجوع کرنا ہوگا جنہوں نے اس اصطلاح کو رائج کیا ہے۔ مولانا صاحب نے خود فرمایا ہے۔ کہ کانگریس نے پہلے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ ١٨٨٥ء میں اپنا پہلا اور ضروری مقصد حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کیا تھا:-

"ہندوستان کی آبادی میں مختلف اور متضاد عناصر سے مرکب ہے۔ ان سب کو متحد و متفق کر کے ایک قوم بنانا۔"

(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ٥٣)

لہٰذا متحدہ قومیت کے معنی کانگریسی حضرات کے پاس سے ہمیں مل سکیں گے اور وہ بھی عصر حاضرہ کے کانگریسی حضرات سے کہ اس مسئلہ نے

اتنی اہمیت حال ہی میں اختیار کی ہے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو لکھتے ہیں

"ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت پیدا ہو۔" (جامعہ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

اس سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ جس متحدہ قومیت کا نقشہ کانگریس کے ذہن میں ہے وہ آج موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ کوشش کرنے کے بعد پیدا ہوگی۔ آج مسلمان ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ہندو الگ اس لیے یہ شکل متحدہ قومیت کی نہیں ہے۔ متحدہ قومیت کے عناصر ترکیبی کیا ہونگے۔ اس کی تفصیل ذیل کی سطور میں آئے گی۔

عنصر اول:۔ مہاتما گاندھی ہی لکھتے ہیں:۔

"آج مسلمانوں کی الگ تہذیب ہے اور ہندوؤں کی الگ۔ ان دونوں تہذیبوں کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی تہذیب مرتب ہوگی۔"

(ہریجن مورخہ ۲۹ بحوالہ اسٹیٹسمین)

اس کی تفسیر سوامی سمپورنانند وزیر تعلیم یو پی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

"ہر وہ شخص جو ہندو یا مسلم تہذیب کے قائم رکھنے اور اس کو ملک میں جاری کرنے پر زور دیتا ہے۔ وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہنچاتا ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ چیز ہندوستان میں مفقود ہوئی چاہیئے۔ جب ہندو مسلم تہذیبیں مٹ جائیں گی۔ تب ہی ہندوستانی تہذیب زندہ رہ سکے گی۔"

(قومی مدینہ)

کانگریس کے شعبہ اسلامیات کے معتمد ڈاکٹر اشرف صاحب اس کی تشریح میں یوں رطب اللسان ہیں:۔

"اسی اعتبار سے ہم آج ایک نئے اور زندہ تمدن کی تعمیر میں مصروف ہیں ہماری سیاسی اور سماجی جدوجہد اس نئے تمدن کا پیش خیمہ ہے۔"

(الجمعیۃ رجب ۱۳۵۶ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوگا۔ ایسی تہذیب جو نہ مسلمانوں کی ہو۔ نہ ہندوؤں کی بلکہ دونوں کے امتزاج سے ایک نئی تہذیب پیدا ہو۔

عنصر دوم:- آج مسلمانوں کا مذہب الگ ہے۔ اور ہندوؤں کا الگ، اس لیے متحدہ قومیت ابھی وجود میں نہیں آسکی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں مذاہب ملا کر ایک ایسا مذہب پیدا کیا جائے جو دونوں کا مشترکہ مذہب بن سکے۔ چنانچہ ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر تعلیم صوبہ بہار اپنے ایک مضمون میں اکبر کے دین الٰہی کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں:-

"بعض لے اپنے ولولہ اور جوش سے مجبور ہوکر کہ ہندوستان میں متحدہ قومیت کی آفرینش کے پیش نظر ایک ایسے جدید مذہبی نظام کی نشوونما کرنی چاہیئیں جو ہندوستان میں سب کے مناسب حال ہو۔ یہ ان لوگوں کی معمولی خدمات نہیں کہی جا سکتیں" (الجامعہ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

آنریبل مسٹر کے۔ ایم منشی ہوم منسٹر حکومت بمبئی نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں فرمایا:-

جس قدر رجحانات مذہب یا زبان یا ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل کی بنا پر قومیت پرستی کے خلاف پیدا ہوتے ہیں کانگریس ان رجحانات کی مخالفت میں ایک مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ من حیث القوم ہماری کمزوری کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے ایک واہمہ پیدا کر دیا گیا ہے کہ مذہب یا زبان کا رشتہ قومیت کے رشتہ کی جگہ وجہ جامعیت ہو سکتا ہے۔ یہ ایک بڑا مہلک دھوکا ہے۔ یاد رکھیے مذہب یا زبان کا رشتہ قومیت کے بلند ترین رشتہ کے ماتحت رہنا چاہیے۔ یہ تصور ہی ہندوستان کو مکمل آزاد بنا سکے گا۔" (نیشنل کال ۲۹/۹ ۲۰۔)

ڈاکٹر بی۔ تپا بھی ستیارامیا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ کے ایک رکن نے سودیشی نمائش پٹنہ کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہمارا معاشرتی نظام جو ہزاروں برس ہوئے وجود میں آیا تھا اس کی رُو سے افلاس کا ناطہ علم اور عظمت کے ساتھ جوڑ دیا جاتا تھا لیکن اب زندگی کی متضاد قوتوں میں توازن پیدا ہو چکا ہے۔ مارکسزم (کمیونزم اور اشتمالیت) سوشلزم دورِ حاضرہ کے نظریۂ حیات ہیں۔ اور ہندو ازم اور اسلام ازم عہدِ کہن کی یادگار رہی ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ان کی بنیادوں کا از سرِ نو امتحان کریں۔" (ہندوستان ٹائمز $\frac{9}{24}$ ۱۹)

مذہب چونکہ متحدہ قومیت کی تشکیل و تعمیر میں ایک سنگِ راہ سمجھا جاتا ہے اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ جب تک ایک متحدہ مذہب وجود میں نہ آئے، مذہب کو محض ایک پرائیویٹ عقیدہ کی حیثیت دی جائے اور اسے سیاست سے بالکل الگ رکھا جائے چنانچہ کانگریس کے صدر مسٹر نہرو نے آسام میں ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا۔ کہ "میں سب کچھ مسلمانوں کے حوالے کر دینے کو تیار ہوں بشرطیکہ متحدہ قومیت کے نظریہ کو تسلیم کر لیں۔"

اس کی وضاحت میں مرہیوان نے اپنے ۷ا رجون ۱۹۳۶ء کے پرچے کے افتتاحیہ میں لکھا:۔

"بس اس ایک شرط کے ماتحت طول و عرض ملک میں کوئی ایک کانگریسی بھی ایسا نہ ہو جو تمام اختیارات مسلمانوں کے حوالے کر دینے پر آمادہ نہ ہو۔ اُن کے (یعنی کانگریسیوں کے) نزدیک یہ مسئلہ ذرا بھی اہمیت نہیں رکھتا کہ کانگریس یا حکومت کے دائرہ میں حکومت جس کے ہاتھ میں ہے وہ ہندو ہے یا مسلمان یا عیسائی کیونکہ اُن کے نظریہ کی رُو سے مذہب کو سیاست سے نہ کوئی واسطہ ہے اور نہ ہی ہونا چاہیئے۔"

اور ایک مسلم قومیت پرست اسی نظریہ کو ان الفاظ میں دہراتا ہے "لیکن ان کا (مسلمانوں کا) باہمی اختلاف جو زیادہ تر مذہبی رجحانات کا نتیجہ ہے کبھی دور نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے دور کرنے کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ وہ کسی ایسے ادارے میں شریک ہو جائیں جو مذہب سے بالکل علیحدہ اور صرف سیاسیات سے تعلق رکھتا ہو اور ایسا ادارہ صرف کانگریس ہے" (مدینہ ۱۳ اگست ۱۹۳۶ء)

ایک صاحب نے کہیں یہ اعتراض کیا کہ جواہر لال اور گاندھی مسلمانوں کے لیڈر کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں ایک مسلمان کانگریسی اخبار نے لکھا کہ :-

"اگر لیڈری سے مراد مسلمانوں کی دینی امامت و قیادت ہے تو یہ اعتراض درست ہے لیکن اگر اس سے مراد سیاسی رہنمائی ہے تو بیشک وہ کانگریس کا ہی دام ہو سکتے ہیں" (زمزم $\frac{7}{38}$ ۱۵)

واردھا کی تعلیمی اسکیم کے متعلق جب یہ اعتراض کیا گیا کہ اس میں مذہبی تعلیم کا عنصر موجود نہیں تو اس کے جواب میں کانگریس کا آرگن نیشنل ہیرالڈ اپنی $\frac{11}{38}$ ۳ کی اشاعت میں لکھتا ہے :-

"مذہبی تعصب کو یہ چیز فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ اس ملک میں جہاں اتنے مختلف عقائد موجود ہیں۔ قومی تعلیم کو مفید بنانے کی یہی تجویز ہو سکتی ہے کہ اسے قرآن یا شاستروں کے قوانین اور احکام سے علیحدہ رکھا جائے۔ متحدہ قومیت کے علمبردار ایک ایسے مذہب کو جو جماعتی زندگی سکھاتا ہو کس قدر خطرناک سمجھتے ہیں۔ اس کا کچھ اندازہ پنڈت جواہر لال نہرو کے ان الفاظ سے لگ سکتا ہے وہ اپنی سرگذشت میں لکھتے ہیں :-

"جس چیز کو مذہب یا منظم مذہب کہتے ہیں۔ اسے ہندوستان یا

دوسری جگہ دیکھ کر میرا دل ہیبت زدہ ہو گیا ہے۔ میں نے اکثر مذہب کی مذمت کی ہے اور اسے یکسر مٹا دینے تک کی آرزو کی ہے۔ قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندھے یقین اور ترقی و دشمنی کا بے دلیل عقیدت اور تعصب کا، توہم پرستی اور لوگوں سے بے جا فائدہ اٹھانے کا قائم شدہ حقوق اور مستقل حقوق کی بقا کا حامی ہے"۔ (میری کہانی صفحہ ۲۱۰)

لہٰذا متحدہ قومیت کی تشکیل کے لیے دوسری چیز یہ ہے کہ مذہب اس قسم کا بنا دیا جائے۔ جیسا دین الٰہی یا برہمو سماج جس کی داغ بیل اکبر نے ڈالی تھی اور جس کی تشریح مولانا آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں کی ہے اور جب تک ایسا مذہب تیار نہ ہو سکے اس وقت تک مذہب کو ایک پرائیویٹ عقیدہ کی حیثیت دی جائے جسے دُنیاوی معاملات سے کوئی تعلق نہ ہو۔

عنصر سوم:- آج مسلمان اپنا نام من حیث الجماعت، الگ رکھتے ہیں اور ہندو الگ یہ افتراق و اختلاف بھی متحدہ قومیت کی تعمیر میں سخت حائل ہے۔ لہٰذا قومیت متحدہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ قوم کا نام بھی ایک ہو ڈاکٹر سید محمود صاحب اپنے محولہ بالا مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:-

"لفظ ہندی کو زبان کے لیے نہیں۔ بلکہ اہل ہند کے لیے اختیار کرنا چاہیئے۔ دُنیا بھر میں صرف ہمارا ملک ہی ایسا ملک ہے جس میں مختلف لوگ مذاہب سے شناخت میں آتے ہیں۔ صرف اس کا اظہار ہی ہماری دماغی کیفیت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اور ہمارے متعلق یہ ثابت کر دیتا ہے کہ ہم اس برِّاعظم کی علیحدہ علیحدہ مذہبی اقوام ہیں۔ اس لیے وقت آ گیا ہے کہ ہم ایک مشترک نام اختیار کریں"۔

یہ اس لیے کہ جیسا کہ ہم مسٹر کے۔ ایم منشی کی تقریر کے اقتباس

سے واضح کر چکے ہیں وطنیت اور متحدہ قومیت کا رشتہ مذہب کے رشتے سے کہیں بلند و بالا ہے۔ اس لیے تمام کا انتساب بالا رشتہ کی بنا پر ہونا چاہیے لہٰذا متحدہ قومیت کی تشکیل کے لیے تیسری ضروری چیز یہ ہوئی کہ مسلمانوں کا اپنا الگ اسلامی نام بھی دور ہے۔

عنصر چہارم: متحدہ قومیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس قوم کی زبان بھی ایک ہو۔ اس لیے کہ جب تک کسی قوم کی زبان مختلف ہوتی ہے وہ دوسری قوم کے اندر جذب نہیں ہو سکتی اور بغیر انجذاب و انضمام متحدہ قومیت کا وجود عمل میں نہیں آ سکتا۔ رنگ۔ زبان کے وجود کے بقا کی تمنا کرنا فرقہ پرستی ہے۔ جو قومیت کے بالکل متضاد جذبہ ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو اپنے ایک مضمون میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"مگر بدقسمتی سے ابھی تک ہندوستان میں فرقہ پرستی طاقتور ہے اور اس بنا پر زبان میں علیحدگی پسندی کا رجحان بھی وحدت کے رجحان کے ساتھ ساتھ اپنا اثر برابر دکھائے جا رہا ہے۔ قوم پرستی کے پورے نشوونما کے ساتھ علیحدگی پسندی جو زبان کے معاملہ میں پائی جاتی ہے یقیناً فنا ہو جائے گی۔ ایک علیحدگی پسند حامی زبان کو اور پورے طور پر تو دیکھو گے کہ وہ اندر سے فرقہ پرست ہے۔ بلکہ زیادہ تر تم اسے ایک سیاسی رجعت پسند پاؤ گے"

عنصر پنجم: جب تک مسلمان اپنے مذہب کے پابند ہیں ان کے باہمی معاملات کا تصفیہ از روئے کتاب و سنت صرف مسلمانوں کی جماعت اُن کی اپنی مجلس شوریٰ اور اُس مجلس کا امیر مرکز ملت ہی کر سکتا ہے لیکن یہ اصول متحدہ قومیت کی تشکیل کے منافی ہے۔ متحدہ قومیت کا فیصلہ ایک ایسی جمہوری حکومت کی طرف سے ہوگا جو تمام

مختلف مذاہب کے مشترکہ مجموعہ پر مشتمل ہوگی اور جمہوریت کے اصول کے مطابق اکثریت کا فیصلہ ملک کا قانون بنا کرے گا۔ اور اس جمہوریت کی بنا خالص وطنیت ہوگی۔ اس کے متعلق ہم مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کانگریس پارٹی کے لیڈر، پنڈت جواہر لعل نہرو۔ مولانا حسین احمد مدنی کے خیالات پچھلے اوراق میں پیش کر چکے ہیں۔ معانی متعین ہو گئے۔ ارباب نظر کے لیے تو شاید ہی ضرورت ہو کہ اب دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا جائے کہ اس قسم کی متحدہ قومیت کشتی ملت کو اپنے ہاتھوں آنند بھون کے سامنے گنگا میں ڈبو دینے کے مرادف ہے۔ لیکن چونکہ مولانا صاحب اس متحدہ قومیت کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ اس کی تشکیل مذہبی فریضہ کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے آئندہ صفحات میں یہ واضح کیا جائے گا۔ کہ فی الواقعہ

گم ہنوز ز موبذ دین نبی دانا

پہلے مولانا صاحب کے دلائل پیش کیے جائیں گے۔

متحدہ قومیت اور اسلام۔ مولانا صاحب نے اپنے دعوے کے اثبات میں سب سے پہلے یہ دلیل پیش کی ہے۔ کہ قرآن کریم میں مختلف انبیاء کرام کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان قوموں میں مومن کافر دونوں شامل تھے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ مومنین و کافرین کے امتزاج سے متحدہ قومیت بن سکتی ہے۔ لفظ قوم کی بحث کے دوران میں ارشاد ہے کہ۔

"بس جگہ یہ لفظ مضاف واقع ہوا ہے اور مضاف الیہ مسلمان یا پیغمبر ہے اور کلام غیر مسلم کے متعلق ہے۔ تو یقیناً اس جگہ پر مشرکوں اور کفار کا پیغمبر یا مسلمانوں کے ساتھ متحدہ قومیت میں شریک ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے۔

كذبت قوم نوح المرسلين كذبت قبلهم قوم نوح واصحاب الرس ... ... الخ" (متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۱۸)

اس قسم کی اضافتوں کی مثالوں کے بعد فرماتے ہیں:-

"غرضیکہ اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جن میں غیر مسلموں کو اور پیغمبر کو ایک قوم بنایا گیا ہے۔ اور وہاں کفار کو پیغمبر کی طرف بوجہ اتحاد نسب یا اتحاد وطن وغیرہ نسبت کیا گیا ہے۔" (ایضاً صفحہ ۱۷)

چنانچہ خود نبی اکرمؐ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

"بارگاہ الٰہی سے جناب رسول اللہ صلعم اور دوسرے پیغمبروں کو ارشاد تقریر دین و شریعت کہا جاتا ہے۔

قل یا قوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل الاية

"کہہ دو اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرو۔ میں اپنی جگہ پر عمل کرتا ہوں"

اس کے بعد ان آیات سے حسب ذیل نتائج مستنبط فرماتے ہیں:-

الغرض یہ آیتیں صاف طور سے واضح کر رہی ہیں کہ

(الف) قرآن کے نقطہ نظر اور استعمال میں لفظ قوم اپنے معنی کی حیثیت سے مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر اس جماعت پر بولا جائے گا۔ جس میں کوئی رابطہ ہو۔ خواہ نسب کا یا وطن کا یا پیشہ یا زبان کا۔

(ب) قومیت میں اشتراک مسلم و کافر ہو سکتا ہے۔ اور قرآن کے استعمال میں موجود ہے۔

(ج) پیغمبر بھی اتحاد قومیت میں کافر مشرک اور فاسق کے ساتھ دنیا میں تعلق رکھ سکتا ہے۔ اور رکھتا ہے۔" (متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۱۸)

ہمارا خیال ہے کہ اس دلیل کو پڑھ کر آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی ہوگی کہ حضرت علامہؒ کیوں بلک بلک کر روئے تھے اور ہندوستان

میں اسلام کے مستقبل پر کیوں خون کے آنسو بہاتے تھے۔ جس قوم کے سب سے بڑے دار العلوم کے سب سے بڑے عالم کی قرآن فہمی کی یہ حالت ہو اُس قوم کے مستقبل کا خدا حافظ۔ اور یہی وہ احساس درد انگیز تھا جس کی بنا پر حضرت علامہؒ کا جگر شق ہو جاتا تھا اور ہجوم غم و وفورِ الم کبھی سیلاب اشک بن کر اُمنڈ آتا اور کبھی بیک آہِ سحر گاہی کی صورت میں بحضورِ حق یوں نالہ کش ہوتا کہ

آں قوم از تو میخواہم کشادے | فقیہش بے یقینے، کم سوادے
بسے نادیدنی را دیدہ ام من! | مرا اے کاشکے مادر نہ زادے

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم نے مختلف انبیاء کرام کے نام سے ان اقوام کو منسوب کیا ہے۔ جو اُن کے پیغامات کی اوّلین مخاطب تھیں لیکن اس انتساب سے مقصد محض تعارف تھا۔ جعلنکم شعوباً وقبائل لتعارفوا۔ ہم نے تمہارے قبیلے اور خاندان اس لیے بنائے کہ تم پہچانے جاؤ۔ مثلاً حضرت نوحؑ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے اس قوم کے متعلق قرآن کریم میں جہاں کچھ ذکر آئے گا۔ لازماً اُسے قوم نوح ہی کہنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اس قوم کے ذکر کرنے کا اور کون سا طریقہ انسب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس قوم کا کوئی دوسرا نام ہی نہ تھا لیکن اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ اس قوم کے کافر و مومن مل کر ایک متحدہ قومیت کے رشتہ میں منسلک ہو جاتے تھے؟"

نبی کی بعثت کے وقت ایک قوم موجود ہوتی تھی کبھی اُسے اس نبی کی قوم کہہ دیا جاتا اگر وہ کسی اور نام سے منسوب ہوتی تو وہ نام لے دیا جاتا مثلاً قوم عاد قوم ثمود۔ کبھی اُسے اُس کے کسی سردار کی طرف منسوب کر دیا جاتا جیسے قوم فرعون پھر اس قوم میں سے ایک جماعت ایمان لے آتی اُن کی اس وحدت تخیّل اور وحدت عمل کی بنا پر انہیں

دوسرے لوگوں سے ممیز کر کے مومنین کی جماعت کہا جاتا جو اُس قوم میں سے انکار و تکذیب کرتے، انھیں کفار کی جماعت کہا جاتا قرآن کریم میں جہاں مختلف انبیاء کرام کے نام سے مختلف قومیں منسوب ہیں وہاں اُن قوموں میں سے دو مختلف جماعتوں کا ذکر الگ الگ موجود ہے اور ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ متحدہ قومیت میں کسی الگ جماعت کا ذکر یا نام تشخص یا جداگانہ قومی وجود اصول قومیت کے خلاف ہوتا ہے۔ پھر قرآن کریم نے ہمیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان ہر دو جداگانہ جماعتوں کے باہمی تعلقات کیسے ہوتے ہیں اور ان کا الگ الگ انجام کیا ہوا کرتا تھا۔ متحدہ قومیت میں اتنی بات تو ظاہر ہے کہ اگر وہ ڈوبے گی تو تمام قوم ڈوبے گی۔ اگر ابھرے گی تو ساری کی ساری قوم ابھرے گی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اس متحدہ قوم کا ایک حصہ سرفرازی و سربلندی عزت و وقار، جاہ و حشمت، سطوت و حکومت کی زندگی بسر کرے اور کوئی دوسرا حصہ ذلت و مسکنت، تباہی و بربادی، افلاس و نکبت کے ہولناک عذاب میں مبتلا ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن اقوام کو مولانا صاحب انبیاء سابقہ کی متحدہ اقوام قرار دیتے ہیں ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ان میں سے ایک جماعت مومنین کامیاب و کامران ہوتی اور دوسری جماعت کافرین، تباہی و بربادی کے جہنم میں دھکیل دی جاتی۔ سارا قرآن کریم اسی قسم کے نظائر سے بھرا پڑا ہے۔ اور ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی تمام تعلیم کا ماحصل یہ ہے کہ کفر و ایمان کے نتائج میں بیّن فرق کر کے بتا دے۔ ہم یہاں صرف ایک سورت (ہود) کی چند آیات پیش کرتے ہیں۔ رکوع دوم کے آخیر میں دو قسم کی جماعتوں کا ذکر ہے۔ ایک تو وہ جن کے متعلق ارشاد ہے:-

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۔ ۔ ۔ (۱۱/۲۳) ایمان والوں کی جماعت، دوسری وہ جس کے متعلق فرمایا۔ اولٰئک الذین خسروا انفسھم (۱۱/۲۱) کفار کی جماعت، پھر ان کا باہمی موازنہ ان الفاظ میں فرمایا کہ ان کی شناخت میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے مثل الفریقین کالاعمٰی والاصم والبصیر والسمیع۔ ھل یستویٰن مثلاً (۱۱/۲۴)

ان ہر دو جماعتوں (فرقوں) کی مثال اندھے اور بہرے اور دیکھنے اور سننے والے کی مثال ہے۔ کیا یہ کبھی دونوں برابر ہو سکتے ہیں! قرآن کریم نے یہاں لفظ بھی "فریقین" استعمال کیا ہے جو آپ کی دورِ حاضرہ کی سیاست (COMMUNALISM COMMUNITTEE) یعنی فرقہ پرستی کہا جاتا ہے جو متحدہ قومیت کی بالکل ضد ہے۔

اس تمہید کے بعد تیسرے رکوع سے اُمم سابقہ کے واقعات کا بیان شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت نوحؑ کی قوم کے تذکرہ کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ ولقد ارسلنا نوحًا الیٰ قومہ (۱۱/۲۵) اور یقیناً ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔

ایک قوم تھی جس کی طرف نوحؑ کو بھیجا۔ اس کے بعد اس قوم کے مومنین و منکرین کا ذکر ہے۔ منکرین کی سرکشی اور بغاوت کا بیان ہے کشتی اور طوفان کا تذکرہ ہے۔ آخیر میں اس قوم کے دو فریقوں کو بالکل الگ کر کے دکھا دیا گیا ہے۔

ایک وہ جو نذرِ طوفان ہو گیا۔ اور دوسرا وہ جو حضرت نوحؑ کے ساتھ محفوظ و مصئون زندہ رہا۔ جن کے متعلق ارشاد ہے۔ قیل ینوح اھبط بسلٰمٍ منا وبرکٰت علیک وعلیٰ اُمم ممن معک (۱۱/۴۸) کہا گیا کہ اے نوحؑ ہماری طرف

ہے سلامتی کے ساتھ اترو اور تم پر اور جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں اُن پر برکات ہوں۔

فرمائیے یہ کس قسم کی متحدہ قومیت تھی جس کی دو جماعتوں میں یوں تفریق ہوئی۔ پھر چوتھے رکوع میں حضرت ہودؑ کی قوم عاد کا ذکر ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (۱۱)

اور عاد کی طرف ان کا بھائی ہود بھیجا۔ جس نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبودیت اختیار کرو۔ پھر اس قوم کے کفار و مومنین کی الگ الگ جماعتوں کا ذکر ہے اور انجام کار بتایا گیا ہے کہ منکرین والوں پر تباہی اور بربادی کا عذاب نازل ہوا اور مومنین کی جماعت کے متعلق ارشاد ہوا۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے ہودؑ کو اور اُن لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لا چکے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا۔

چھٹے رکوع میں حضرت صالحؑ کی قوم ثمود کا ذکر شروع ہوتا ہے (۱۱/۶) اور اس قوم کی سرکش اور فرمانبردار جماعتوں کی تفریق کے بعد قوم مومنین کے متعلق انہی الفاظ کا اعادہ ہوتا ہے، جو مذکورہ صدر آیات میں مندرج ہیں۔ ساتویں رکوع میں قوم لوطؑ کا ذکر ہے اس قوم کو بھی انہی دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ منکرین پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ اور مومنین کی جماعت حضرت لوطؑ کے ساتھ محفوظ رکھی جاتی ہے۔ (۱۱/۸۱)

آٹھویں رکوع میں حضرت شعیبؑ کی قوم مدین کا ذکر ہے۔ اور ان کی حسب صدر تفریق کے بعد قوم مومنین کے متعلق آیت مندرجہ بالا کے

الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ (۱۱/۴۴)

پھر حضرت موسیٰ کی قوم اور فرعون کا تباہی کا ذکر ہے اور ان انبیاء کرام اور ان کی اقوام کی مومن و کافر جماعتوں کے انجام کے تذکرے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ آپ کے سامنے بھی اس قوم مخاطب کے دو گروہ ہیں۔ ایک من یومن باللہ ویکفر بالطاغوت والا (جماعتِ مومنین) اور دوسرا من یکفر باللہ ویومن بالطاغوت والا (جماعتِ کفار) اور اس دوسری جماعت کے متعلق فرمایا۔

وقل للذین لا یومنون اعملوا علیٰ مکانتکم انا عاملون (۱۱/۱۲۱) اور اس کفار کی جماعت سے کہہ دیجئے کہ تم اپنا کام کیے جاؤ ہم اپنی جگہ کام کیے جاتے ہیں۔ وانتظروا انا منتظرون (۱۱/۱۲۲) تم بھی انجام کا انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں!

آپ ان حقائق قرآنی کو سامنے رکھیے اور پھر اپنی بصیرت سے فتویٰ طلب فرمائیے کہ کیا ان سے واقعی متحدہ قومیت کے دعویٰ کا ثبوت ملتا ہے یا اس بات کا کہ وہ لوگ جو نبی پر ایمان لاتے تھے اور اس کی اتباع کرتے تھے وہ ایک الگ جماعت کے افراد ہوتے تھے۔ (جنھیں انا یعنی ہم کہہ کر پکارا گیا ہے) اور دوسرے لوگ الگ گروہ پر مشتمل ہوتے تھے (جنھیں انتم یعنی تم کہہ کر پکارا گیا ہے) اب یہ ظاہر ہے کہ "ہم" اور "تم" کی تفریق سیاستِ حاضرہ کی اصطلاح میں فرقہ پرستی کہلاتی ہے اور متحدہ قومیت کی تشکیل اُس وقت ہوتی ہے جب "ہم" اور "تم" کا امتیاز یوں مٹ جائے کہ ... تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ ان ہر دو مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات کیسے

ہوتے تھے۔ کیا حضرات انبیاء کرامؑ اور اُن کے متبعین کی جماعت کفار کی جماعت کے ساتھ گھل مل کر رہتی تھی کہ اُن کی تہذیب ایک ہو جائے۔ تمدن ایک ہو جائے۔ نظریاتِ زندگی ایک ہو جائیں۔ یا مومنین کی جماعت کفار کی جماعت سے برأت اور بیزاری علیحدگی اور قطع تعلق کا اعلان فرمایا کرتی تھی، یہاں تک کہ خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ کفار کی تباہی کے اُوپر افسوس بھی نہ کرو۔

فلا تأس علی القوم الکافرین (المائدہ) "تو قوم کفار کی بربادی پر تاسف بھی نہ کرو"

بلکہ ان کی تباہی اور بربادی پر تو خوشی اور مسرت کے سجدے ادا کرنے کا حکم ہے کہ جسدِ انسانی سے اس مادۂ فاسدہ کا نکل جانا ہی صحت ہے فرمایا "فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین (انعام) پھر ان ظالمین کی جڑیں کٹ گئیں سو اللہ رب العالمین کے لیے سب تعریف ہے۔ ملت حنیفہ کے مؤسس اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی حیاتِ طیبہ کو قرآن کریم نے مومنین کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ غور فرمایئے کہ اس باب میں اُن کا مسلک کیا تھا اور قرآن کریم نے کس مقام پر ان کے طرزِ عمل کو بطور نمونہ پیش کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ

"یقیناً تمہارے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جو کچھ تم

اللہ کے سوا پوجتے ہو اُن سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض ظاہر ہے۔ جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔ دیکھیے "ابراھیم والذین معہ" ایک جماعت کا نام ہے اور "قومھم" ایک دوسری جماعت اور ان دونوں میں بغض اور عداوت کے تعلقات متحدہ قومیت ہی کا ثبوت پیش کر رہے ہیں یا متحدہ قومیت کے لیے حتٰی تؤمنوا باللہ وحدہٗ کی شرط بھی ضروری ہے۔ ذرا آج ہندوؤں سے کہیے کہ تمہارے اور ہمارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت رہے گی تاوقتیکہ تم ایمان نہ لے آؤ۔ پھر دیکھیے کہ وہ آپ کو کس طرح متحدہ قومیت کا جزو تسلیم کرتے ہیں یا محمد رسول اللہ والذین معہ اسوۂ حسنہ کی اتباع میں اشداء علی الکفار پر عمل نہیں صرف اس کا اعلان ہی کر دیجیے پھر دیکھیے کہ یہ بڑے بڑے وسیع النظر قومیت پرستی کے اوتار جناب کی نسبت کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں

مولانا صاحب قوم نوح موسیٰ وغیرہ کی مثالوں سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت کر سکتے تھے کہ کفار اور مومنین کی جماعتوں کو ایک مشترکہ نام سے بھی موسوم کیا جاتا رہا ہے لیکن مشکل یہ ہو گی۔ کہ اُمت محمدیہ کی نسبت اس نتیجہ سے بھی کچھ فائدہ نہ اُٹھایا جائے گا اس لیے کہ جن کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا ہو کہ ھُوَ سَمّٰکُمُ (اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا) کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس قوم کا نام بھی کچھ اور رکھ سکے۔

یہ تھی متحدہ قومیت کے ثبوت میں مولانا صاحب کی پہلی دلیل۔

دوسری دلیل۔ متحدہ قومیت کے ثبوت میں مولانا صاحب نے دوسری دلیل اسوۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش کی ہے فرماتے ہیں:۔

"جناب رسول اللہؐ نے اپنی رسالت کے چودہ برس گزر جانے کے بعد مدینہ منورہ میں وہاں کے اور اپنے ساتھ کے مہاجر و انصار مسلمانوں اور مدینہ کے یہودیوں کو ملا کر ایک متحدہ قوم اور متحدہ امت بنائی اور نہایت مفصل عہد نامہ اس امر کے متعلق تحریر فرمایا اور اس میں تحریر فرمایا کہ شروط مذکورہ امور میں دشمنوں کے مقابل مسلمان اور یہود ایک امتِ متحدہ ہونگے۔ مگر ہر ایک اپنے اپنے مذہب کا پابند ہوگا۔"

(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۴۳)

اس کے بعد مولانا صاحب نے "اس معاہدہ" کا ذکر فرمایا ہے۔ جو مسلمانوں اور یہودیوں کی "متحدہ قومیت" کے مابین ہوا تھا۔

بات یوں تھی کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی جماعت اور یہودیوں کی جماعت کے درمیان ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے قرار پایا کہ اگر کوئی دشمن باہر سے حملہ آور ہوگا۔ تو دونوں معاہد جماعتیں متحدہ طور پر اس کی مدافعت کریں گی۔ اس سے مولانا صاحب استنباط فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے مسلمانوں اور یہودیوں کو ملا کر ایک قوم بنا کر متحدہ قومیت کی تشکیل فرمائی تھی۔

(رسالہ مذکور صفحہ ۴۹)

ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہئے

مولانا صاحب نے اس دلیل کو یہاں پہلی مرتبہ ہی نہیں پیش کیا بلکہ وہ اسے اکثر اپنی تقریروں میں دہراتے رہتے ہیں اور غالباً خوش بھی ہوتے ہیں کہ متحدہ قومیت کے ثبوت میں اس محکم دلیل اور عروۃ الوثقیٰ کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ وہ اگر کبھی ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں تو ان پر شاید یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ یہ واقعہ قرآن کے دعوے کی بنیادوں تک کو متزلزل کر دیتا ہے۔ یہ بات ایک ابجد خواں بھی جانتا ہے کہ معاہدہ ہمیشہ دو مختلف اقوام

یہ ماہر ہوا کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مدینہ کے مسلمانوں اور وہاں کے یہودیوں کا وطن ایک تھا۔ اب اگر متحدہ قومیت کی تعبیر کے لیے اشتراکِ وطن ہی ایک شرط ہو تو مدینہ کے مسلمان اور یہود تو اس اعتبار سے خود بخود ایک متحدہ قوم ہونے چاہئیں۔ اس متحدہ قوم نے معاہدہ "خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے"۔ اس معاہدہ کا تو وجود ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمان ایک ملک بلکہ ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی غیر مسلموں کے ساتھ ایک قوم نہیں بن سکتے۔ مکہ کے مسلمان اور مدینہ کے مسلمان بلکہ حبش اور روم اور فارس کے مسلمان ایک قوم کے افراد ہوں گے۔ لیکن مدینہ کے مسلمان اور مدینہ کے یہود ایک قوم نہیں بن سکیں گے ان میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے معاہدہ کی ضرورت پڑے گی۔ نبی اکرم نے یہود اور مسلمانوں کے امتزاج سے ایک متحدہ قومیت کی تعمیر نہیں کی تھی بلکہ اس معاہدہ کی رو سے دو مختلف اقوام میں باہمی اشتراکِ عمل اور اتحادِ محاذ کی شکل پیدا کی تھی اور یہ وہ شکل تھی جسے قرآن کریم بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ سے تعبیر کرتا ہے۔ غور فرمائیے اس آیہ مقدسہ میں ایک چیز ہے کُمْ (تم) اور دوسری چیز ہے هُمْ، وہ یعنی غیر مسلم، اور ان دونوں کے درمیان رابطۂ اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ ہے میثاق۔ متحدہ قومیت کو چھوڑیے، اس کا تو تصور ہی یکسر غیر قرآنی ہے۔ کفر و اسلام مومن و کافر کا باہمدگر یوں مل جانا کہ انہیں آپس میں کسی معاہدہ کی ضرورت نہ رہے تلبیسِ حق و باطل کی ایسی خطرناک مثال ہے کہ جس سے شرع کانپ اٹھتی ہے۔ اسلام کی رو سے تو مسلم اور غیر مسلم جماعتوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے بھی میثاق کی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ ایک دوسرے کے ساتھ اجتماعی حیثیت سے اشتراکِ عمل نہیں کر سکتے اور اشتراکِ عمل بھی صرف ان امور میں کر سکیں گے جو اس معاہدہ میں مشروط و مذکور ہوں گے

اب ذرا یہ فرمائیے کہ جس طرح نبی اکرمؐ نے مدینہ کے یہود کے ساتھ معاہدہ کرکے اتحاد پیدا کیا تھا۔ آپ حضرات نے ہندوؤں کی جماعت کے ساتھ کونسا ایسا معاہدہ کیا ہے۔ معاہدہ کا سوال تو بعد میں پیدا ہوتا ہے وہ تو جیسا کہ پہلے لکھا ہے آپ کی جُداگانہ قومیت ہی کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کی تحریروں کے اقتباسات آپ دیکھ چکے ہیں وہ اس کا علانیہ تمسخر اڑاتے ہیں اور ایک جواہر لعل پر کیا موقوف ہے ہروہ شخص (ہندو ہو یا مسلمان) جو متحدہ قومیت کا حامی ہے وہ مسلمانوں کی جُدا قومیت کے دعوے کو مذہبی جنون سے تعبیر کرتا ہے۔ ایسا دعویٰ کرنے والوں کو ساحرین برطانیہ کے جادو کا مسحور بتاتا ہے۔ رجعت پسند کہتا ہے اس کا نام ٹوڈی رکھتا ہے یعنی وہ شخص جو ہندو مسلم اتحاد کے لیے اس راہ عمل کو اختیار کرتا ہے۔ جو قرآن نے تجویز فرمائی اور جس پر خود نبی اکرمؐ نے عمل کرکے دکھایا۔ وہ آج کے ہندوؤں کی نگاہ میں نہیں بلکہ قومیت پرست مسلمانوں کی نگاہ میں۔ اور عام مسلمانوں کی نگاہ میں نہیں۔ بلکہ کتاب و سنت کے علمبردار ہونے کے مدعیوں کی نگاہ میں مسلمانوں کا دشمن اور اسلام سے غداری کرنے والا ہے اور جو اس متحدہ قومیت کا مدعی ہے۔ جو یورپ کی تنگ نظری کی ایجاد ہے جسے ہندو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ایسا درخشاں اور تابناک بنا کر پیش کر رہا ہے اور جس کے ماننے سے قصر اسلام کی بنیادیں ہل جاتی ہیں وہ شخص واقف اسرار دین ہے۔ سرفروش و جانباز مجاہد ہے۔ ملّتِ اسلامیہ کا بہترین نمائندہ ہے مسلمانوں کا سچا ترجمان ہے۔ لہٰذا امام الہند ہے امیر المومنین ہے یا للعجب۔

چنین دور آسمان کم دیدہ باشد · کہ جبریلِ امین را دل خراشد
چہ خوش دیرے بنا کردند آنجا · پرستد مومن و کافر تراشد

(اقبالؒ)

کبھی یہ حضرات ہندوؤں سے الگ ہو کر بات سنیں تو انھیں بتایا جائے کہ حضرت علامہ یا اُن کے ہم مسلک حضرات جو مسلمانوں کی جُداگانہ قومیت کے قائل ہیں وہ انگریز کے مقابلہ میں ہندوؤں کے ساتھ مشترکہ محاذ قائم کرنے کے لیے بالکل اسی طریق عمل کو اختیار کرنا چاہتے ہیں جو نبی اکرمؐ نے اختیار فرمایا تھا یعنی مسلمانوں کی جماعتی حیثیت کو تسلیم کرا کر ہندوؤں کے ساتھ من حیث الجماعت ایک معاہدہ کیا جائے اور اس معاہدہ کی رُو سے ہندو مسلم اتحاد پیدا کر کے صحیح آزادی حاصل کی جائے۔ لیکن ہندو چونکہ مسلمانوں کی جُداگانہ جماعتی حیثیت کو فنا کر دینے کے منصوبے باندھے چکا ہے اس لیے وہ اسے تسلیم کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتا اور سادہ لوح مسلمانوں کو یہ کہہ کر اپنے زنّار کی لپیٹ میں لے لیتا ہے کہ یہ مطالبہ ہندو مسلم متحدہ قومیت کے راستہ میں ایک سخت روڑا ہے اور انگریز کا پیدا کردہ ہے۔ اب مسلمان ہے کہ بلا سوچے سمجھے ہر جگہ یہی راگ الاپنا شروع کر دیتا ہے اور یوں حریفان کو تہ آستیناں کا آلۂ کار بن کر اسی شاخ کو کاٹنے لگ جاتا ہے۔ جس پر خود اس کا نشیمن ہے چونکہ یہ مسلک ہندو کے مفاد کے عین مطابق ہے اس لیے وہ ایسے مسلمانوں کی بیحد تعریف کرتا ہے انھیں آزادیٔ وطن کا پرستار کہتا ہے۔ ہر جگہ اس کا سواگت کرتا ہے۔ ان کے چرنوں میں اپنی شردھا کے پھول چڑھاتا ہے۔ شری یت اور دیش بندھو کر ڈنڈوت کرتا ہے اور ملت اسلامیہ کی وحدت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انھیں اپنی قومیت کی دیوار میں چُنتا جاتا ہے۔ کس قدر صحیح کہا ہے اس مردِ حق آگاہ نے جسے فطرت کی کرم گستری نے بصیرت قرآنی اس قدر فراواں عطا فرمائی تھی۔

فرماتے ہیں:-

نگہ دارد برہمن کار خود را ۔۔۔ نمی گوید بکس اسرار خود را

بمن گوید کہ از تسبیح بگذر ۔۔۔ بدوش خود برد زنار خود را

(اقبالؔ)

باب چہارم

مسلم وغیر مسلم کے تعلقات

موالات: قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ وہ انسانوں کے باہمی تعلقات کو دو شعبوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک ہے وہ موالات کہتا ہے جس کے معنی ہیں قلبی تعلقات۔ ایک دوسرے پر کامل اعتماد، بھروسہ اور دلی بھروسہ۔ ایسے تعلقات جو خرائط وقیود کی سطح سے بلند ہوں۔ جن میں قلب کی تمنا اطمینان حاصل ہو کر حاضر وغیب دوسرے پر کامل بھروسہ کیا جا سکے اور یہ یقین ہو کہ میرے تمام مفاد دوسرے کے ہاتھ میں محفوظ ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ متحدہ قومیت میں اسی قسم کے تعلقات کا تقاضا ہوگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے کسی مسلم کا غیر مسلم کے ساتھ اس قسم کے تعلقات قائم کرنا جائز ہے یا نہیں۔ قرآن کریم میں موالات کے متعلق ارشاد ہے۔

* مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست (ولی) ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ بدی سے روکتے ہیں نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں" (9/71)

* دوسری جگہ فرمایا:-

تمہارے دوست تو صرف اللہ اس کا رسول اور ایمان دار لوگ ہیں

جو نماز کی پابندی کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان میں خشوع ہوتا ہے۔ ([illegible]) ان آیات میں حصر کے ساتھ بیان فرما دیا کہ موالات کے تعلقات صرف مسلمانوں کے ساتھ پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ پھر اسی پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ بھی بالتصریح فرما دیا کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہرگز ہرگز اس قسم کے تعلقات پیدا نہیں کیے جا سکتے ارشاد ہے:

"اے ایمان والو۔ اپنوں کے سوا اور کسی کو دوست (ولی) مت بناؤ وہ لوگ تمہاری خرابی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ وہ تمہاری ضرر رسانی کی تمنا میں رکھتے ہیں بغض (دشمنی) تو ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے لیکن جس قدر ان کے دل میں چھپا ہے۔ وہ اس سے کہیں زیادہ ہے ہم آیات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے ہیں اگر تم سمجھنے والے ہو تو تم ان لوگوں سے محبت کرتے ہو مگر وہ کبھی تم سے محبت نہیں کرتے حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو جب یہ تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ان باتوں کو مانتے ہیں اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصے سے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ جاؤ اپنے غصے میں مر۔ اللہ دلوں کے حالات سے باخبر ہے۔ اگر تمہیں کوئی بھی بات پہنچ جائے تو ان کے لیے وجہ غم ہوتی ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آ جائے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں اگر تم استقلال سے رہو اور ان سے اپنی حفاظت کرتے رہو تو ان لوگوں کی تدابیر تم کو ذرا بھی ضرر نہیں پہنچا سکیں گی۔ اللہ ان کے اعمال کو محیط ہے"

(۳ / ۱۱۸-۱۲۰)

ہم صرف اتنا دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ آیات آج بھی قرآن کریم میں موجود ہیں یا (نعوذ باللہ) منسوخ ہو چکی ہیں۔ اگر موجود ہیں تو کیا ہندو ان غیر مسلموں میں شامل ہے یا نہیں جن کی نفسیاتی کیفیت کا ذکر ان آیات میں موجود ہے اور اگر ہندو ان میں شامل ہے تو کیا اس کے ساتھ موالات

کے تعلقات پیدا کیے جا سکتے ہیں؟ اس کا جواب بھی خود قرآن کریم سے سُن لیجئے۔ فرمایا:

"جو لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تم کبھی نہ دیکھو گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور رسول کے مخالف ہوں۔ گو وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔" (۵۸/۲۲)

یعنی وطن کا رشتہ تو ایک طرف یہاں تو خون کا رشتہ بھی کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق پچھلے باب میں لکھا جا چکا ہے کہ انھوں نے کس قدر واضح الفاظ میں اعلان فرمایا کہ غیر مسلم جب تک ایمان لا کر جماعتِ مومنین میں داخل نہ ہو جائیں ان کے ساتھ موالات کے تعلقات پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس اعلان سے متصل یہ آیات بھی ملاحظہ ہوں فرمایا:-

"اے ایمان والو تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست مت بناؤ کہ اُن سے دوستی کا اظہار کرنے لگ جاؤ حالانکہ تمہارے پاس جو کچھ حق کے ساتھ آ چکا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔ اگر ان کو تم پر دسترس حاصل ہو جائے تو فوراً تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور تم پر زبان اور ہاتھ سے ضرر رسانی پر اُتر آئیں گے۔" (۶۰/۲)

واضح رہے کہ ان ارشادات خداوندی میں کسی خاص زمانہ کسی خاص ملک یا خاص قوم کے غیر مسلموں کا ذکر نہیں بلکہ یہ تمام کفار کو محیط ہیں۔ قرآن کریم میں اس بات کی صراحت متعدد مقامات پر موجود ہے جس کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں البتہ اگر کسی کو اس میں کلام ہو تو ہم اس کی تصریحات پیش کرنے کو بھی تیار ہیں۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو کفار سے موالات سے جو اتنی شدت سے روکا ہے تو اس کی وجہ بھی بیان فرما دی ہے کہ:-

ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء فلا تتخذوا منهم اولیاء (۴/۸۹)

"وہ لوگ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے خود ہیں اسی قسم کے تمہیں بنالیں تاکہ تم اور وہ سب برابر ہو جاؤ۔ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ بنانا اس لیے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ" -

قابل غور ہے یعنی ان کی خواہش یہ ہے کہ وہ تم کو بھی اپنے جیسا بنالیں اور یوں تم سب برابر ہو جاؤ ایک جیسے ہو جاؤ۔ ذرا غور کیجئے کیا متحدہ قومیت کی بنیاد بھی اسی اصول پر نہیں ہے کہ ہندو اور مسلمان برابر ہو جائیں۔ ایک قوم بن جائیں۔ اقلیتیں اپنے امتیازی نشانات چھوڑ کر متحدہ قومیت کے اجزاء بن جائیں۔ حالانکہ مسلمان کا امتیازی نشان ہی اس میں ہے کہ وہ صرف خدا کے رنگ میں رنگا ہو۔ صبغة اللّٰه و من احسن من اللّٰه صبغة۔ اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر کونسا رنگ ہو سکتا ہے اور یہ رنگ اسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک مسلمانوں کی جماعتی زندگی کا وجود قائم ہے جب یہ امتیازی وجود مٹ جائے گا۔ تو یہ رنگ بھی باقی نہیں رہے گا غیر ممکن ہے کہ باقی خود بے جام رہے۔ فرمایا:۔

یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقانا۔ (۸/۲۹)

"اے ایمان والو۔ اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں ایک امتیازی زندگی عطا کرے گا"۔

یہ امتیاز مٹ گیا تو مسلمان بھی باقی نہ رہا اور فتکونون سواء تو سے کفار کی خواہش یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ امتیاز مٹ جائے اور اس کے مٹانے کے لیے آج ہندوستان میں سب سے بڑا حربہ متحدہ قومیت

کا تصور ہے۔ جسے مولانا صاحب عین اسلامی شعار بتا رہے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ

در صد رہ بر خود گشادی — دو گامے رفتی و از پا فتادی
برہمن از بتاں طاق خود آراست — تو قرآں را سر طاقے نہادی

(اقبالؒ)

تعلقات کی دوسری قسم:- تعلقات کی دوسری قسم یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ باہمی عہد و پیمان کرے۔ معاہدہ اور میثاق کی رو سے مشروط و مذکورہ معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ کرے یہ وہ طریق ہے جس کی قرآن کریم اجازت دیتا ہے اور یہی وہ طریق ہے جس کی رو سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی اتحاد نبی اکرمؐ نے مدینہ کے یہود کے ساتھ پیدا کیا تھا۔ قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ کفار اپنے عہد و پیمان پر بھی بہت کم پابند رہتے ہیں اس لیے کہ ایک مسلمان تو اس لیے معاہدہ کی پابندی ضروری سمجھتا ہے کہ یہ اس کے خدا کا حکم ہے۔ ایسا نہ کرنے سے وہ خدا کے ہاں مجرم قرار پائے گا۔ اس کے برعکس کفار معاہدہ کو محض ایک سیاسی چال سمجھتے ہیں۔ یونان کے ایک بہت بڑے مفکر سولن کا یہ قول کسے یاد نہیں کہ "معاہدہ مکڑی کا جالا ہے جو اپنے سے کمزور کو پھنسا لیتا ہے لیکن اپنے سے طاقتور کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا"۔ اور آج کون ہے جو سیاست عالم کا مطالعہ کرے اور اس مقولہ کی تصدیق نہ کرے۔ اس لیے قرآن کریم نے یہ بھی فرما دیا کہ غیر مسلموں کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کے بعد آرام کی نیند نہ سو جایا کرو بلکہ اپنی جمعیت اور طاقت کو ہمیشہ برقرار رکھو کہ عہد بھی انہیں قوموں سے استوار رہتے ہیں جن میں طاقت موجود ہوتی ہے۔ مسلمان اس طاقت کو عہد شکنی یا کمزوروں کو کچلنے میں صرف نہیں

کرے گا۔ بلکہ اسے اس لیے برقرار رکھے گا کہ

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اس کے بغیر ہر بالا دست قوت اسے ہڑپ کرنے کی فکر میں رہے گی۔ اسی لیے فرمایا: وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ ۸/۶۰

"اور ان کے خلاف ہر ممکن قوت کے ساتھ اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے اپنے آپ کو تیار رکھو تاکہ اس سے اللہ اور تمہارے دشمن خوف کھائیں۔"

اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی قومیت پرست حضرات یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ فرض کیجئے ہم ہندوؤں کے ساتھ آج معاہدہ بھی کر لیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ معاہدہ کی پابندی ضرور کریں گے۔ لیکن وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ معاہدہ سے مطلب یہ نہیں کہ ایک کاغذ پر دستخط کر کے پھر بے فکر ہو جانا چاہیے۔ ہندوستان میں مسلمان کچھ کم حیثیت نہیں رکھتے۔ نو کروڑ نفوس اگر اپنے اندر اجتماعیت کا جذبہ پیدا کر کے ایک نظام اور ایک مرکز کے ماتحت زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر لیں۔ تو ہندو تو ایک طرف انگریز کی بھی مجال نہیں کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ اس وقت دیکھئے کہ معاہدوں کی توقیر کس طرح نہیں ہوتی۔ یہی تو وہ خطرہ ہے۔ جس کے لیے ہندو مسلمانوں کی ایک جماعتی حیثیت کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتا اور اس کے خلاف اس نے متحدہ قومیت کا ایسا نظر فریب جال تیار کیا ہے۔ کہ جس میں بڑے بڑے مرغ زیرک رشتہ بر پا نظر آتے ہیں۔ ورنہ کفار پر اعتماد۔ ان سے دلی دوستی۔ ان کے وعدوں کا اعتبار۔ ان سے یگانگت کے تعلقات مسلمانوں کی اجتماعی خودکشی کے مرادف ہے۔ سطور بالا میں

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ کتاب و سنت کی روشنی میں بیان کیا ہے لیکن ہمارے قومیت پرست حضرات کی یہ عادت ہو چکی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کی کوئی بات صحیح تسلیم نہیں کرتے جو ان سے اختلاف رائے رکھتا ہو۔ خواہ وہ قرآن ہی کیوں نہ پڑھ کر سنائے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ اس باب میں انہی میں سے ایک جلیل القدر ہستی کے خیالات پیش کر دیئے جائیں جنہیں وہ اپنے مسلک قومیت پرستی سے پہلے اپنی شان خطابت کے ساتھ مسلمانوں کے لیے واحد اسلامی راہ عمل قرار دیا کرتے تھے۔ سنیئے اور غور سے سنیئے کہ مولانا ابوالکلام آزاد جو کاروان قومیت پرستی کے سرخیل ہیں کیا ارشاد فرماتے ہیں:۔

قومیت پرستی سے پہلے

"کفار کے عہد و پیمان کا قسمیں اور ان کا تجربہ ہو چکا ہے وہ آبرو باختہ ہیں۔ عزت نفس و شرف کا انھیں لحاظ تک نہیں وہ قسمیں کھاتے ہیں۔ حلف اٹھاتے ہیں کہ یہ وعدہ استوار ہے۔ اس میں دوام و استمرار ہے۔ یہ عہد محکم ہے۔ یہ قول و قرار قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ زبان سے سب کچھ کہتے ہیں مگر ہاتھ سے کام لینے کے وقت کچھ یاد نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کے مطیع و منقاد رہنا ذلت کی بات ہے۔ اسلام اپنے فرزندوں کو ان کی اطاعت سے باز رہنے کی ہدایت کر رہا ہے۔ کہ خبردار قسمیں کھانے والے ذلیل النفس ہیں۔ ان کے طعن پر نہ جانا یہ ادھر کی بات ادھر لگاتے ہیں۔ قوم میں تفرقے پیدا کرتے ہیں۔ منع خیر کے لیے نہایت مبالغہ کے ساتھ آمادہ رہتے ہیں۔ حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ تعدی ان کا شیوہ ہے۔ تغافل ان کی عادت ہے۔ کفار سے مسلمانوں کو ساز باز نہ رکھنا چاہیئے ان سے بے تعلق لازم ہے جو ساز باز رکھتے ہیں جنہیں ان سے بے تعلق رہتے ہیں اپنے اور اپنی قوم کے لیے مشکلات

اور مصائب کا اندیشہ ہے وہ غلطی پر ہیں۔ ان کو پشیمان ہونا پڑے گا۔ اسلام کو فتح نصیب ہوگی اور مسلمانوں کی بہبود و بہتری کا قدرت کا م کوئی اور انتظام کرے گی۔"

(مضامین آزاد حصہ سوئم)

خدا معلوم وہ قرآن اب کہاں چلا گیا ہے۔ جو ان حضرات کو کفار کے متعلق اس قسم کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ اس بصیرت ایقانی کو کن پردوں کی چمک چکاچوند کر گئی جو ان حقائق کو بے نقاب دیکھا کرتی تھی اس جرأت ایمانی کو کس کی نظر کھا گئی۔ جو سینہ کے پورے زور سے کفار سے برأت و بیزاری کا اعلان کیا کرتی تھی۔ وہ حرارت قلبی کون سی مصلحت کوشیوں کی برفانی سلوں کے نیچے دب گئی جو کفار کی ساز شوں و میرون مشتعل ہو جایا کرتی تھی۔ اس شدت کا ملہ پر بے پناہ توکل کو کیا ہو گیا جو کبھی یہ تسکین دیا کرتا تھا کہ کفار کی کثرت سے گھبرا کر ان کے ساتھ تعلقات بڑھانے پر آمادہ نہ ہو جایا کرو۔ اسلام کی کامیابی کے لیے خدا خود کوئی انتظام کرے گا۔ اسے قوم کی بدبختی نہ کہئے تو اور کیا کہئے کہ یہ حضرات جو کبھی اپنے صحیح اسلامی مسلک کی بنا پر قوم کی نگاہوں میں ممتاز و مقدس قرار پا گئے تھے اپنی اسی پوزیشن سے یوں ناجائز فائدہ اٹھا کر اب قوم کو اپنے ہاتھوں جہنم میں دھکیل رہے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ

(۱۴ / ۲۸-۲۹)

"کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنھوں نے کفرانِ نعمت الٰہی کیا اور اپنی قوم کو جہنم میں دھکیل دیا جس میں وہ داخل ہوں گے اور جو بہت بری جگہ رہنے کی ہے۔"

باب پنجم

متحدہ قومیت کے دعوے کے اثبات میں مولانا صاحب (مدنی مرحوم) نے صرف وہ دلیلیں پیش کی ہیں جن کا جواب عرض کیا جا چکا ہے۔ لیکن ان کے رسالہ میں چند ایک باتیں اور بھی ایسی ہیں جو ان کی غلط فہمیوں کی آئینہ دار ہیں اور جن کا ازالہ ضروری نظر آتا ہے حضرت علامہ نے اس نظریہ کو پیش کیا تھا کہ اسلام قومیت کی بنا وا اتحاد رنگ و نسب۔ وطن اور زبان پر نہیں رکھتا بلکہ وہ قومیت کی بنیاد اس بلند ترین اور عالمگیر تخیل پر رکھتا ہے جسے ایمان کہا جاتا ہے اس کو مدیر احسانؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا:۔

"اسلام کی تعلیم قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود یا نسلی وحدت یا رنگ کی یکسانی کے بجائے شرف انسانی اور اخوت بشری پر رکھتی ہے۔"
(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۳۳)

اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں کہ یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسا ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ

"تمام انسان اور ہر فرد بشر خواہ یہودی ہو خواہ عیسائی۔ چند دھو یا مسلمان سکھ ہو یا پارسی بدھ ہو یا چینی۔ کالا ہو یا گورا۔ ایشیائی ہو از یقش (؟) سب کے سب ایک قوم ہو جائیں کیونکہ شرف انسانی اور اخوت بشری سب میں پائی جاتی ہے۔ سب کے سب حضرت آدم اور حضرت حوا کی اولاد ہیں اور لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور لقد کرمنا بنی آدم۔۔۔ الخ وغیرہ آیات (جو کہ شرف انسانی پر دلالت کرتی ہیں) کے مصداق ہیں۔ ہمارے علم میں کوئی آیت یا حدیث قومیت کی بنیاد ایسے شرف انسانی اور اخوت

بشری پر رکھنے والی موجود نہیں ہے؟ (ایضاً صفحہ ۳۳-۳۴)

مشکل دراصل یوں واقع ہوئی ہے کہ حضرت علامہؒ نے اپنے بیان میں اسلامی قومیت کے متعلق جو ارشادات ذکر فرمائے تھے۔ ان کا مخاطب قرآن فہم طبقہ تھا۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ فریق مقابل کی قرآن کریم پر اتنی بھی نگاہ نہیں ہے تو وہ شاید اپنی بلندی سے کچھ نیچے اتر کر لکھتے۔

مولانا صاحب کی دلیل کا صغریٰ وکبریٰ یوں قائم ہوتا ہے۔

۱- تمام بنی آدم جس صورت میں وہ آج موجود ہیں شرف وکرم ہیں

۲- اور موجودہ انسانوں کی باہمی خون ریزیاں اور تفرقہ انگیزیاں واضح ہیں۔

۳- تمام انسان ایک قومیت کے رشتہ میں منسلک نہیں ہو سکتے۔

مولانا صاحب کا الجھاؤ دراصل اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ وہ سمجھے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے تمام انسان جس صورت میں وہ آج موجود ہیں مشرف ومکرم ہیں لیکن اگر وہ اپنی نگاہ میں ذرا وسعت پیدا کرتے تو یہ مشکل نہایت آسانی سے حل ہو جاتی۔

انھوں نے لَقَدْ خَلَقْنَا الانسان فی احسن تقویم سے یہ سمجھ لیا کہ تمام انسان شرف واکرام میں برابر ہیں لیکن قرآن کریم کا اعجاز دیکھئے کہ اس نے اسی سورت میں تمام مسئلے کو حل کر کے رکھ دیا سورہ والتین کی متعلقہ آیات یہ ہیں:-

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل السافلین الا الذین اٰمنو وعملوا الصّٰلحٰت فلھم اجرٌ غیر ممنون۔

ہم نے انسان کو بہترین ہیئت میں پیدا کیا پھر اسے نچلے سے نچلا بنا

میں گرا دیا مگر ان لوگوں کو نہیں جو ایمان لائے اور انھوں نے اعمال صالحہ کیے اور ان کے لیے غیر منقطع اجر ہیں"۔

قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ فطرت انسانی نہایت عمدہ حیثیت پر پیدا کی گئی ہے (احسن تقویم) لیکن انسان اس دنیا میں خارجی اثرات کے ماتحت اس جوہر صافی کو جب مکدر کر لیتا ہے تو ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ شرف و اکرام کے درجے سے نیچے گر جاتا ہے۔ (اسفل سافلین) لیکن جو انسانی قرآن کریم کے فرمودہ ایمان و اعمال صالحہ پر کاربند رہتے ہیں۔ وہ شرف انسانی کی صفت سے موصوف ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو شرف و اکرام سے نیچے گر گئے تھے ان کے لیے شرف و اکرام کی سطح پر پھر آنے کا صرف ایک راستہ کھلا ہے کہ وہ امت محمدیہ میں داخل ہو جائیں تاکہ فطرت انسانی یوں اپنی اصلی شکل میں سامنے آ جائے جتنے انسان یوں فطرت محمود کو اختیار کرتے جائیں گے (جسے اسلام کہتے ہیں) وہ ایک قومیت کے شیرازہ میں منسلک ہوتے جائیں گے اور یہ دائرہ رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے تمام عالم کو محیط ہو جائے گا۔ یہ ہے تفسیر حضرت علامہؒ کے ان بصیرت افروز الفاظ کی۔

"الفاظ شرف انسانی کے متعلق کسی کو دھوکہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسلامیات میں ان سے مراد وہ حقیقت کبریٰ ہے جو حضرت انسان کے قلب و ضمیر میں ودیعت کی گئی ہے یعنی یہ کہ اس کی تقویم فطرت اللہ سے ہے اور اس شرف کا غیر ممنون یعنی غیر منقطع ہونا مضمر ہے۔ اس ترتیب پر جو توحید الٰہی کے لیے اس کے رگ و ریشہ میں مرکوز ہے"۔

فرمائیے کہ کیا یہ سورۂ والتین کی صحیح تفسیر نہیں ہے؟ لیکن مولانا صاحب ان الفاظ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم کو فیلسوفی الجھاؤ میں ڈالا جاتا ہے، اور اس جرأت کے ساتھ کہ ہم ان حقائق اور تحقیقات

کے متعلق کرتی تصدیق اور کرتی تکذیب کا کلمہ پیش کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔"
(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۳۴)

استغفراللہ مولانا صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ نشتر کی زد کہاں پہنچ رہی ہے۔ حضرت علامہؒ قرآن کریم کی آیات کا ترجمہ واضح الفاظ میں بیان فرماتے ہیں اور مولانا کا ارشاد ہے کہ ہم اس کی تصدیق کے لیے تیار نہیں ہیں۔

مولانا صاحب نے دوسری آیت وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کی نقل کی ہے لیکن اگر ان کی نگاہیں قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر بھی ہوتیں تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ اس کا مفہوم بھی وہی ہوتا ہے جو ہم نے سورہ والتین کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ فطرت انسانی مکرم ہے لیکن ایک انسان صرف اُس وقت مکرم ہوتا ہے جب وہ اپنی فطرت صالحہ کو لیے ہوئے ہو اور اس کا معیار ہے۔ تقویٰ جس کے متعلق فرمایا کہ

اَنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

اللہ کے نزدیک تم میں سے مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اور تقویٰ نام ہے اُس قانونِ خداوندی کے تابع ہونے کا جو قرآن کی دفتین میں محفوظ ہے۔ قرآن کریم قومیت اسلامیہ کی بنیاد اسی پر رکھتا ہے اور یہی حضرت علامہؒ کا ارشاد ہے یعنی

"نبوتِ محمدیہ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ایک ہیئت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اُس قانونِ الٰہی کے تابع ہو جو نبوتِ محمدیہ کو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔"

یہ ہے حضور! مطلب اس فقرہ کا کہ اسلام نے قومیت کی بنا شرفِ انسانیت پر رکھی ہے۔

انسانیت کو شرف حاصل ہی اُس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ نبوت

محمدیہ کے تابع ہو کر شجر طیب کی طرح بڑھے اور پھولے پھلے اور جو اس کے تابع نہ ہو وہ مشرف و مکرم ہو ایک طرف انسانیت کے درجے سے بھی گر جاتا ہے۔

ان شر الدواب عند اللہ الذین کفروا فھم لا یؤمنون
(۸/۵۵)

یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین حیوان وہ (انسان) ہیں جو کفر کرتے ہیں۔ اور ایمان نہیں لاتے دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او یعقلون۔ ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا۔

"کیا تو خیال کرتا ہے کہ یہ لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ حیوانات کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ"۔

پھر انسانیت میں صحیح اخوت بھی رشتۂ ایمان کی بنا پر ہی پیدا ہو سکتی ہے (انما المؤمنون اخوۃ) یہ ہیں وہ حقائق جنہیں مولانا صاحب فلسفیانہ موشگافیاں اور شاعرانہ بلند خیالیاں قرار دیتے ہیں اس کے متعلق اس کے سوا ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں ؎

تری نگاہ فرومایہ ہاتھ ہے کوتاہ　　ترا گناہ کہ نخیل بلند کا ہے گناہ
(اقبالؒ)

اسلام میں لچک نہیں۔ حضرت علامہؒ نے اپنے بیان میں فرمایا تھا کہ "مولانا حسین احمد صاحب سے بہتر اس بات کو کون جانتا ہے۔ کہ اسلام بحیثیت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا"۔

اس کے متعلق مولانا صاحب رقمطراز ہیں:-

"یہ خیال کہ اسلام بالکل غیر لچک دار مذہب ہے میری سمجھ سے باہر ہے میں جہاں تک اس کے قوانین کا تتبع کرتا ہوں وہ غیر مسلموں کے ساتھ ایک

ملک میں رہ سکتا ہے، ان کے ساتھ صلح کر سکتا ہے، ان کے ساتھ معاہدہ کر سکتا ہے، ان کے ساتھ تمام معاملات خرید و فروخت، شرکت و اجارہ، ہبہ و عاریت، قرض، امانت وغیرہ وغیرہ کر سکتا ہے، وہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، شادی و غمی میں شریک ہونا، کھانا پینا وغیرہ وغیرہ کر سکتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی لڑکیوں سے نکاح کر سکتا ہے۔"

(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۵۰ و ۵۱)

اس جواب کو پڑھیے اور پھر غور فرمائیے کہ ہم نے جو عرض کیا ہے کہ مولانا صاحب شاید سمجھے ہی نہیں کہ حضرت علامہؒ نے کیا لکھا تھا، وہ حرف صحیح ہے یا نہیں۔ حضرت علامہ نے لکھا تھا کہ اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ وہ اصول جس پر اسلام نوع انسان کی تشکیل ایک نظام اجتماعی میں کرنا چاہتا ہے، وہ قوانین فطرت کی طرح اٹل اور بے لچک ہے۔ وہ اصول جیسا کہ ابھی ابھی لکھا جا چکا ہے یہ ہے کہ انسانی ہیئت اجتماعیہ کے تمام ایسے نظام جو انسانوں نے وضع کیے ہیں خلاف فطرت اور خلاف منشاء ایزدی ہیں یعنی رنگ، نسل، وطن، زبان وغیرہ کے اشتراک سے نظام اجتماعی قائم کرنا۔ اس کے خلاف وہ ان تمام حدود و ثغور سے بلند ہو کر وحدت قومی کے لیے وحدت ایمانی کو بنیاد قرار دیتا ہے۔ یہ وہ اصول ہے جس میں کوئی لچک نہیں فرمائیے، اس چیز کو اس سے کیا تعلق کہ مسلم و غیر مسلم کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، شادی و غمی میں شریک ہونا جائز ہے۔ حیرت ہے کہ مولانا صاحب جیسی ہستی کو جن کے علم و فضل کا شہرہ بام ثریا تک پہنچا ہوا ہے، اتنا بھی نہیں سمجھ سکے کہ ہیئت اجتماعیہ کے اصول اور اکٹھے چلنے پھرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ باہمی اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے سے مسلم و غیر مسلم کی ایک متحدہ قومیت نہیں بن جائے گی۔

یہ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا عام معاشرتی آداب کی باتیں ہیں جن میں اسلام واقعی اپنے اندر لچک رکھتا ہے لیکن وہ بھی صرف اس وقت تک کہ یہ چیزیں اسلام کے کسی اصول سے نہ ٹکرائیں مثلاً

آپ فرماتے ہیں کہ مسلمان غیر مسلمان کا کھانا کھا سکتا ہے یہ لچک ہوئی لیکن اگر وہ کھانا غیر خدا کے نام پر منسوب ہو تو خواہ ظاہری شکل میں کتنا ہی پاکیزہ اور صاف ستھرا کیوں نہ ہو اسے ایک مسلمان نہیں کھا سکے گا۔ یہ وہ اصول آگیا جہاں لچک ختم ہو گی۔ اسی طرح مثلاً مسلمان یہود و نصاریٰ کی لڑکیوں سے شادی کر سکتا ہے لیکن ایک مشرکہ سے شادی نہیں کر سکتا۔ موالات کر سکتا ہے لیکن ان کے ساتھ مل کر ایک متحدہ قوم نہیں بن سکتا۔ یہاں پہنچ کر اسلام کی لچک ختم ہو جائے گی۔ یہ ہے مطلب حضرت علامہؒ کے اس فقرہ کا کہ اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا۔

مذہب کا یہی مفہوم حضرت علامہؒ نے فرمایا تھا کہ "یہ نظریہ قومیت مولانا صاحب نے پیش کیا ہے یورپ کا وضع کردہ ہے۔ اور اس کے عجیب نتائج دنیا کے سامنے ہیں" اس کے جواب میں مولانا صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ممکن ہے کہ یورپ نے وطنیت اور قومیت کو کسی خاص مفہوم اور کسی خاص ہیئت اجتماعیہ کے لئے استعمال کیا ہو اور اس پر وہ گامزن ہوا ہے اور مقاصد اور نصب العین کو اپنے مذہبی اداروں کے مخالف پا کر مذہب کو سلام کر بیٹھے ہوں یا مذہب کو صرف پرائیویٹ زندگی تصور کرنے لگے ہوں۔ مگر کیا یہ ضروری ہے کہ ہمارا اقدام متحدہ قومیت یا وطنیت کی طرف صرف انہی کیفیات اور لوازم کے ساتھ ہو جو کہ ان کے یہاں ملحوظ ہو چکے ہیں"

(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۵۹)

مذہب کے متعلق ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں کہ قوم پرست

حضرات کے نزدیک مذہب صرف ایک پرائیویٹ عقیدہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اس قسم کے مذہب کی آزادی کی وہ اجازت دے سکتے ہیں۔

وہ مذہب جو مسلمانوں کے تمام شعبہ ہائے زندگی کو محیط ہو جو ان کے معاشی، معاشرتی، اقتصادی، عمرانی، تمدنی سیاسی، دینی، دنیاوی تمام امور پر حاوی ہو اور جسد انسانیت میں بمنزلہ روح کے کام کر رہا ہو قومیت پرست حضرات کے نزدیک ترقی کا دشمن اور متحدہ قومیت کے راستہ میں ایک خطرناک چٹان ہے۔ اس لیے پنڈت جواہر لعل نہرو دانت پیستے ہیں کہ اس قسم کا مذہب اور ایسے مذاہب کے مدعی ابھی تک زندہ کیوں ہیں! اس کے باوجود مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ "ہمارا قدم متحدہ قومیت یا وطنیت کی طرف ان کیفیات کے ساتھ نہیں، "جو مذہب کو ایک پرائیویٹ عقیدت کی حیثیت دیتی ہیں" یہاں پہنچ کر تو ہمیں شبہ ہونے لگ گیا ہے کہ جہاں مولانا صاحب کی نگاہ قرآنی سیاست پر نہیں ہے۔ وہاں وہ ملکی سیاست سے بھی بہت کم واقف ہیں ورنہ یہ حقیقت کس سے پوشیدہ ہے کہ متحدہ قومیت بنتی ہی اس وقت ہے جب یا تو مذہب ایک ہو یا مذہب کو محض ایک پرائیویٹ عقیدہ کی حیثیت دے دی جائے۔ اس کے سوائے متحدہ قومیت کی تشکیل ہو ہی نہیں سکتی۔ اصل یہ ہے کہ مولانا صاحب اور ان کے ہمنوا و ہم مشرب حضرات کا مذہب کے متعلق تصور ہی مجملاً گاد ہے اور یہ تصور ہے جسے ایک عرصہ سے مسلمان کے سامنے صحیح اسلام بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور جب کبھی "مذہب یا اسلام" کا لفظ زبان پر لاتا ہے تو اس سے اس کا مفہوم یہی تصور ہوتا ہے۔ یہ تصور کیا ہے؟ اسلام کے پانچ ارکان کلمہ۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ اگر کوئی اذان دینے میں مزاحمت نہ کرے۔ نماز پڑھنے کی ممانعت نہ ہو۔ روزے بلا روک ٹوک رکھے جا سکیں زکوٰۃ کا روپیہ اپنی

اپنی مرضی کے مطابق بجھا جا سکے اور حج کرنے کے لیے پاسپورٹ پر کوئی پابندی نہ ہو تو یہ حضرات اسے عین مذہبی آزادی قرار دیتے ہیں ان حضرات کے نزدیک مذہب اسی چار دیواری کے اندر گھرا ہوا ہے ان ارکان کی تکمیل سے اسلام کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ اسلام کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتا زیادہ سے زیادہ کھانے پینے یا شادی بیاہ کے معاملات میں کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے اسی لیے یہ حضرات اس دلیل کو نہایت بلند آہنگی سے پیش کرتے ہیں کہ دیکھو کانگریس کراچی کے ریزولیشن میں مذہبی آزادی کے اصول کو تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اقلیتوں کے مذہب کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہے بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھتے ہیں تو ارشاد فرماتے ہیں کہ

"کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہب اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس دیکھے۔"

(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۶۱)

حتیٰ کہ پنڈت جواہر لعل نہرو جیسے خدا کے منکر کے متعلق فرماتے ہیں کہ

"جواہر لعل ہندو ہے اس نے کبھی نہیں کہا کہ میں مسلمان ہوں اس کے باوجود وہ مسلمانوں کا تحفظ چاہتا ہے۔"

(تقریر مولانا حسین احمد صاحب مطبوعہ زمزم ۱۲ جولائی ۱۹۳۸ء)

حالانکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ لا یالونکم خبالا "غیر مسلم تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے" ودوا ما عنتم "جس بات سے تمہیں تکلیف پہنچے۔۔ اس سے خوش ہوتے ہیں۔" ان امور سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک مذہب کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے اوپر درج کیا ہے۔ یعنی پانچ ارکان اسلام اور ان سے متعلقہ مسائل۔ اس سے آگے "دنیا داری" کی حدود شروع ہو جاتی ہیں اور ان امور کے لیے جس قسم

کا نظام ملک میں قائم ہو جائے وہ ان کے نزدیک از روئے شریعت" جائز
اور درست ہو سکتا ہے۔ اسی لیے مولانا صاحب کا فتویٰ ہے۔ (جیسا کہ
پہلے لکھا جا چکا ہے)

کہ ایسی جمہوریت جس میں ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ پارسی۔ عیسائی
شامل ہوں عین اسلام کے مطابق ہے یہ فتویٰ جس سے قصر اسلامی کی ایک
ایک اینٹ گرائی جاتی ہے محض اس بنا پر اس جرأت و بے باکی سے دے
دیا گیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک مذہب کا دائرہ صرف پانچ ارکان
اسلامی تک ہی محدود ہے۔ جب ان میں عدم مداخلت کی ضمانت مل
جائے تو امور دنیاوی کے لیے جمہوریت سے بڑھ کر اور کونسا نظام بہتر ہو
سکتا ہے لیکن انھیں کس طرح سمجھایا جائے کہ اس قسم کی جمہوریت جس میں
اکثریت غیر مسلموں کی ہو مسلمانوں کے لیے غلامی کی بدترین لعنت ہے۔
مسلمانوں کے باہمی امور کے فیصلوں کے لیے قرآن کریم نے ایک الگ اور
جداگانہ نظام قائم کیا ہے جس کی بنیادی ارشاد یہ ہے کہ فلا وربک
لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم تیرے رب کی
قسم یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافی معاملات
میں تمھیں اپنا حکم نہ بنائیں۔ اور نبی اکرم سے ارشاد تھا کہ وشاورھم
فی الامر۔ اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو۔ اسی کو دوسری جگہ
ان الفاظ میں دہرایا ہے کہ وامرھم شوریٰ بینھم۔ ان کے معاملات
باہمی مشاورت سے طے پائیں گے جس سے ظاہر ہے کہ اس مجلس مشاورت
میں کسی غیر مسلم کا دخل نہ ہوگا اور اس کا صدر خود مسلمانوں کا امیر ملت۔
مرکز دین ہوگا چہ جائیکہ وہ نظام جمہوریت ایسا ہو جس میں اکثریت
غیر مسلموں کی ہو۔ ایسی اکثریت کے فیصلوں کے متعلق تو قرآن کریم کا
ارشاد ہے:-

"کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا فیصلہ کرنے والا (حکم) تسلیم کروں۔ حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے۔ ۔ ۔ اور ان تیرے رب کے کلمات صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو چکے ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور وہ سمیع و علیم ہے اور اگر تو زمین پر بسنے والوں کی اکثریت کی اطاعت کرے تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں وہ تو صرف ظن و قیاس کی اتباع کرتے ہیں اور یونہی اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔" (۶: ۱۱۴-۱۱۶)

ان آیات مقدسہ کے معانی کی تفصیل طویل ہے لیکن ارباب نظر سے ان کا مفہوم پوشیدہ نہیں ہوگا۔ اسلام کا نظام اجتماعی یہ ہے کہ تمام معاملات کے فیصلوں کے لیے کتاب اللہ بحیثیت اصولی قانون قیامت تک کیلئے موجود ہے۔ اس قانون کو نافذ کرنے کے لیے امامت کبریٰ کے مرکز اولین جناب نبی اکرم مبعوث ہوئے آپ کے بعد یہ منصب امامت حضورؐ کے جانشینوں کی طرف منتقل ہو گیا لہٰذا

آج مسلمانوں کے لیے اسلامی نظام زندگی یہ ہوگا کہ ان کی اپنی جماعت ہو۔ اس جماعت کے منتخب افراد پر مشتمل ایک مجلس مشاورت ہو اور ان میں اتقیٰ سب سے زیادہ متقی ان کا امیر ہو اور مسلمانوں کے تمام امور اس نظام کے باعث سرانجام پائیں۔ ایسے نظام کے بغیر محض نماز، روزہ سے جس قسم کا اسلام باقی رہ جاتا ہے۔ اس کے متعلق ہم سے نہیں بلکہ ایک قومیت پرست عالم دین کی زبانی سنیئے۔

مولانا آزاد حیات اجتماعیہ اسلامیہ کی بحث کے دوران لکھتے ہیں لیکن قومیت پرستی کے زمانہ سے پیش تر۔

"احادیث صحیحہ سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں اور عہد صحابہؓ سے لے کر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ حفاظ میں اس تعداد کی شہرت رہ چکی ہے کہ اسلام کے عقیدہ

توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچی ہوگی۔ سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کی ایک روایت نقل کروں گا جس میں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے۔

قال صلعم انی امرکم بخمس اللہ امرنی بھن الجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجھاد فی سبیل اللہ انہ من خرج من الجماعۃ قید شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع ومن دعا بدعوی جاھلیۃ فھو من جھنم قالوا یا رسول اللہ وان صام وان صلی۔ قال وان صلی وصام وزعم انہ مسلم۔

یعنی فرمایا میں تم کو پانچ باتوں کے لیے حکم دیتا ہوں۔ جن کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے۔ جماعت، سمع، طاعت، ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بے قیدی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ (حضور) کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا خواہ وہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو۔ فرمایا ہاں اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور بزعم خویش اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو۔ پہلی چیز جماعت ہے یعنی تمام امت کا ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اور اپنے مرکز قومی سے جڑ کر رہنا چاہیے، الگ الگ نہیں رہنا چاہیے۔ آگے چل کر شدت کے ساتھ ایسی حدیثیں ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ... ہو کر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امیر کے تابع نہ ہو اسلام نے غیر اسلامی اور جاہلیت کی زندگی قرار دیا ہے۔ انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں

مانتا اسلامی زندگی جماعت ہے؟
(الخلافۃ والجزیرۃ العرب مولانا ابوالکلام آزاد)
اور اسی بنا پر مولانا آزاد نے کبھی فرمایا تھا کہ
"مسلمانوں کی قومیت صادقہ کا مدار صرف شریعت ہے"
(خطبہ صدارت لاہور)

ان امور سے آپ اندازہ فرمالیجئے کہ کانگریس جس قسم کی مذہبی آزادی کی ضمانت دیتی ہے وہ مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ میں سمٹ کر رہ جاتا ہے یا اس سے زیادہ بھی رہتا ہے؟ اس سے آگے بڑھنے والا مذہب تو مسلمانوں کے اپنے الگ نظام اور اپنی الگ جماعت کے قیام کا مقتضی ہو جاتا ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جو انتہائی فرقہ پرستی پر دلالت کرتی ہیں لہذا قومیت پرستی انہیں کس طرح اپنے دستور العمل میں جگہ دے سکتی ہے۔ ہم مولانا صاحب کو کس طرح سمجھائیں کہ اسلام تو ایمان اور اعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض مسلمانوں کی اپنی حکومت و سلطنت قرار دیتا ہے۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض۔

"اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور وہ اعمال صالحہ کرتے ہیں یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں اس دنیا کی حکومت عطا فرمائے گا"

ذرا کانگریس سے کہئے کہ اس قسم کے مذہب کی آزادی کی ضمانت دے دے جو مسلمانوں کی اپنی حکومت کے قیام کی طرف منجر ہو پھر دیکھئے کہ کانگریس کی طرف سے کیا جواب ملتا ہے اور جو مذہب مسلمانوں کو ان کی اپنی حکومت کے قیام کی طرف نہیں لے جاتا وہ ایک پرائیویٹ عقیدہ سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس قسم کے مذہب کی آج بھی آزادی حاصل ہے

WWW.NAFSEISLAM.COM

اور اس قسم کے مذہب کی آزادی کی ضمانت کانگریس کے ریزولیشن دیتے ہیں جس پر مولانا صاحب اور ان کے ہم مسلک حضرات یوں شاداں و فرحاں پھرتے ہیں۔ سچ فرمایا تھا حضرت علامہ نے کہ

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

غیر اسلامی نظام: حضرت علامہ نے فرمایا تھا کہ "ہر وہ دستور العمل جو غیر اسلامی ہو نا معقول و مردود ہے"۔ اس کے متعلق مولانا صاحب فرماتے ہیں:-

"اسی طرح یہ کہنا کہ نظام اسلامی اور اس کا پابند کسی دوسرے نظام کے ساتھ شریک ہی نہیں ہو سکتا غیر قابل قبول امر ہے۔ قوانین اسلامیہ اور احکام شرعیہ نے اگرچہ بہت سے امور میں کوئی نہ کوئی تجویز قائم کر دی ہے مگر بے شمار امور کو زیر اباحت و اجازت رکھا ہے جن میں ہم کو اختیار ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کریں ان ہی امور میں بادشاہتیں اور ان کے حکام اور انجمنیں وغیرہ اپنے آرا و خیال کو کام میں لاتی رہتی ہیں۔"

(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۶۳)

یہاں پھر وہی بنیادی غلط فہمی الجھاؤ کا باعث بن رہی ہے حضرتِ دستور العمل اور نظام سے مراد وہ اصول حیات ہیں۔ جو اسلام نے اپنے متبعین کے لیے مرتب فرمائے ہیں اور جو قوانین فطرت کی طرح اٹل ہیں۔ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ اور آپ جن چیزوں کی اجازت و اباحت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ وہ ان اصولوں کی فروعات و جزئیات ہیں مسلمانوں کی الگ اجتماعی زندگی کا قیام، وجود اصول اسلام میں سے ہے جس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ البتہ قومی اور جماعتی حیثیت سے دوسری قوموں کے ساتھ اشتراک عمل اور اس کا طریق کار فرعی چیزیں ہیں جنہیں

اسلامی جماعت اپنے زمانہ کے مخصوص حالات کے ماتحت خود مرتب کر سکتی ہے۔ فروع اور اصول کا فرق ایسی بین چیز ہے جس کے متعلق کچھ زیادہ لکھنا بے سود معلوم ہوتا ہے۔

غیروں کا تشبہ! مولانا صاحب نے اپنے رسالہ میں ایک اور چیز کا بھی ذکر کیا ہے جس کے لیے وہ اپنی عادت سے مجبور نظر آتے ہیں اس لیے کہ وہ عام طور پر اپنی تقریروں میں اس قسم کی چیزیں بیان فرماتے رہتے ہیں لکھتے ہیں:-

"بڑے بڑے دعویدار اسلامیت و مذہبیت ایسے ہیں جن کی صورت اور لباس میں اور انگریز کی صورت اور لباس میں فرق معلوم نہیں ہوتا۔" (ایضاً صفحہ ۶۱)

ہر چند یہ چیز ہماری اصولی بحث کے دائرہ سے خارج ہے اور ہم اسے بھی اہم ترین سمجھتے ہیں کہ

درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

لیکن چونکہ مولانا صاحب اس چیز پر خاص زور دیتے رہتے ہیں اس لیے ہم ان سے اتنا دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ مغرب زدہ مسلمانوں کی اس اتباع فرنگ پر تو آئے دن اعتراضات کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی نگاہ ان مسلمان مہاشوں کی طرف کیوں نہیں اٹھتی جو نہ صرف لباس میں بلکہ آداب و معاشرت میں بھی خالص شری کا یت بنتے جا رہے ہیں ان کو بھی تو کبھی ٹوکا ہوتا کہ غیروں کا تشبہ اسلام میں جائز نہیں ایک قومیت پرست اسلامی درسگاہ کے ایک مسلمان پروفیسر نے ایک مرتبہ بڑے فخر سے کہا کہ وہ جب پنجاب کے دورے کے لیے نکلے ہیں تو ہر جگہ "پنڈت جی نمسکار" کہہ کر ان کا سواگت کیا جاتا تھا۔ ایسے حضرات کا اسلام بھی مولانا صاحب کو کبھی کوئی نقص نظر نہیں آتا لیکن ان سے اختلاف رائے رکھنے والوں کی ہر چیز سے کفر ٹپکتا دکھائی دیتا ہے۔ اسے انگریز جنٹلمین

کی برکات نہ کہیئے تو اور کیا کہیئے!

میری نگاہ و شوق پر اس درجہ سختیاں
اپنی نگاہ و شوخ کی کچھ بھی سزا نہیں!

شَهَادَةٌ مِنْ أَهْلِهَا: گذشتہ صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کے پیش نظر آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ ایسی دو قومیں جن کا مذہب تمدن۔ تہذیب۔ کلچر مختلف ہوں جن کے نظریات زندگی، الگ الگ ہیں نصب العین حیات جداگانہ ہوں وہ قومیں قرآن کریم کی رُو سے باہم مل کر ایک متحدہ قومیت کے رشتہ میں منسلک نہیں ہو سکتیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے کہ جس کا اعتراف اب غیر مسلموں تک کو کرنا پڑتا ہے۔ مولانا حسین احمد صاحب تو کفر و اسلام کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی تشکیل کا وعظ فرما رہے ہیں اور ان کے امیر یعنی صدر کانگریس [illegible] کا یہ ارشاد ہے:۔

"کلچر، زبان۔ تہذیب غرضیکہ ہر شے میں برطانیہ اور ہندوستان ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس لئے صرف خوشگوار تعلقات کے کوئی اور چیز ان ہر دو ممالک کو آپس میں نہیں ملا سکتی اور ہندوستان کی طرف سے اس قسم کے تعلقات اسی صورت میں پیدا ہو سکیں گے۔ جب یہ ملک کامل آزادی حاصل کرے گا"

(اسٹیٹسمین مورخہ ۲۱/۳۸)

دیکھئے یہ ہے جادو جو سر پر چڑھ کر بولتا ہے۔ کانگریسی حضرات خود اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایسی مختلف قومیں جن میں تہذیب تمدن وغیرہ کا اشتراک نہیں ہوتا ایک متحدہ قومیت میں تحلیل نہیں ہو سکتیں البتہ ان میں اچھے تعلقات پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ یعنی باہمی وفاق اور معاہدہ کی رو سے اور وہ بھی ایسی صورت میں کہ دونوں قومیں اپنے اپنے معاملات میں بالکل آزاد ہوں لیکن یہی اصول جب مسلمان پیش کرتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ چونکہ ہندو اور مسلمان تہذیب و تمدن۔ مذہب وغیرہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس لیے یہ دونوں مل کر متحدہ قومیت میں تبدیل نہیں ہو سکتے البتہ ان میں باہمی اتحاد پیدا کیا جا سکتا ہے اور اس کی یہ شکل ہے کہ مسلمان اور ہندو اپنے اپنے معاملات میں دو جداگانہ اور آزاد قومیں ہوں اور ان کے درمیان اشتراکِ عمل کا ذریعہ معاہدہ اور وفاق ہو تو کانگریسی ہندو حضرات اسے اصولِ حریت نوازی کے خلاف بتاتے ہیں اور قومیت پرست مولوی صاحبان اسے سحرِ برطانیہ کا پیدا کردہ کفر قرار دیتے ہیں۔ یہ ہے قومیت پرست حضرات کا اصولِ سیاست اور یہ ہے اُن کا تفقہ فی الدین یعنی یہ ہمارے آئمہ دین مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک اجتماعی زندگی بسر کرنے کو خلافِ مذہب بتاتے ہیں اور غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ قومیت کی تعمیر ان کے نزدیک عین قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ ان کی نظر میں میدانِ عرفات میں جمع ہونے والے مسلمان سب فرقہ پرست ہیں کہ وہ اپنی الگ خالص اسلامی جماعت کے وجود کا پتہ دیتے ہیں اور ہری پوار میں اکٹھے ہونے والے مسلمان اسلام کے صحیح ترجمان ہیں کہ وہ متحدہ قومیت کے علمبردار ہیں ان کے نزدیک ہندو اور مسلمان تو بھائی بھائی بن سکتے ہیں لیکن مسلمان اور مسلمان آپس میں مواخات کا رشتہ پیدا نہیں کر سکتے یا للعجب۔

برہمن گفت برخیز از درِ غیر ... زیارانِ وطن ناید بہ جز خیر

بیک مسجد دو ملّا می نگنجند ... ز افسونِ بتان گنجد بیکدہر

(اقبال)

وطنیت کی جہنم:۔ حضرت علامہؒ نے قرآن کریم کی روشنی میں بتایا تھا کہ وہ قومیت جس کی بنیاد وطنیت پر رکھی جاتی ہے۔ نوعِ انسانی کے لیے کس قدر جھوٹی زندگی پیدا کرنے کی موجب ہوتی ہے اور وطنیت

وہ جذبہ ہے جس کے بغیر بقول مولانا صاحب ہندوستان میں متحدہ قومیت کی تشکیل ہو ہی نہیں سکتی فرماتے ہیں:-

"ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لیے کوئی رشتہ اتحاد بجز قومیت نہیں جس کی اساس محض وطنیت ہی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں"۔ (انصاری ص ۱۷)

حیرت ہے کہ ایک طرف ہمارے علمائے کرام ہیں کہ جن کے گھر میں سیاسی اور تمدنی زندگی کے تمام مسائل کے لیے درخشندہ اصول موجود ہیں لیکن وہ ان اصولوں کے خلاف دوسروں کے نظریات زندگی کو نصب العین بنا رہے ہیں اور دوسری طرف غیر مسلم ہیں کہ وہ چاروں طرف سے ٹھوکریں کھا کر قرآن کریم کے انہی نظریات کو صحیح اصول زندگی قرار دے رہے ہیں۔ اسی "وطنیت" کے متعلق اگلے دنوں مسٹر جیکر نے بمبئی یونیورسٹی کا کانووکیشن ایڈریس کے دوران میں کہا تھا۔

"عصر حاضر کا ایک مہیب ترین خطرہ جس سے بچنے کے لیے یونیورسٹی کے ہر فرد کو کامل جدوجہد کرنی چاہیئے یہ ہے کہ قومیت کا وہ تنگ نظریہ جس نے یورپ کو آج یوں جہنم زار بنا رکھا ہے نوجوانوں کے دلوں میں سرایت نہ کر جائے یہ وہ نظریہ ہے جس کی رو سے غلط و صحیح اور ناجائز جھوٹ اور سچ کے امتیازات "سوسائٹی" اور "پارٹی" کے امتیازات کے تابع ہو جاتے ہیں کبھی اس چیز کو ایام جاہلیت کی یادگار سمجھا جاتا تھا کہ پروہ جتھہ بندی اور پارٹی بازی سے نفرت کی جائے لیکن آج یہی چیز "قومیت" کا طرۂ امتیاز ہے جس میں پنہ حتمیہ یہ اصول ہے کہ وہ لوگ جو تمہارے ملک سے باہر رہتے ہیں ان کی طرف سے بدگمانی اور نفرت کے جذبات دل میں موجزن رہیں جو وطنیت کے ان جذبات سے متاثر ہو جاتا ہے اخلاق کے تمام معیاروں کی

طرف سے بے حس ہو جانا ہے اس لیے کہ آج حریت فرازی نام ہی اس چیز کا رہ گیا ہے کہ انسان اس اصول پر آنکھیں بند کرکے کاربند ہے کہ "میرا ملک غلط ہو یا صحیح سب پر مقدم ہے"۔ (اسٹیٹسمین ۱۱/۳۸ء)

یہ ہے وطنیت کا وہ ملعون جذبہ جس کی مخالفت اسلام نے اس شدومد سے کی ہے اور جس کے متعلق حضرت علامہؒ نے آج سے آٹھ سال پیشتر اپنے مشہور خطبہ صدارت میں فرمایا تھا۔

"سیاسیات کی جڑ حقیقتاً انسان کی روحانی زندگی میں ہے میرا عقیدہ ہے کہ اسلام ذاتی آراء کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک سوسائٹی ہے یا اگر آپ پسند فرمائیں تو اسے ملکی اور مذہبی نظام کہہ سکتے ہیں۔"

"میرے سیاسیات میں دلچسپی لینے کا اصل سبب یہ ہے کہ میں دور حاضر کے سیاسی اصول جو دہریت پر مبنی ہیں اسلام کے بنیادی اصولوں کو متاثر کر رہے ہیں۔ میں یورپ کے پیش کردہ نیشنلزم (وطنیت) کا سخت مخالف ہوں اس نیشنلزم کی تعلیم ہے کہ قوم کی بنیاد مذہب پر نہیں بلکہ وطن پر ہے کیونکہ مجھے اس میں دہریت اور الحاد کے جراثیم نظر آرہے ہیں اور یہ جراثیم انسانیت کے لیے مضر ہیں۔"

لیکن چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھنا تھا کہ اسی نظریۂ وطنیت کو ایک دن ہندوستان کے سب سے اعلیٰ دارالعلوم کے سب سے بڑے کلید بردار کے مجلہ و دماغ سے کتاب و سنت کا حسین و دلکش نقاب اوڑھ کر مسلمانوں کے لیے فریب نگاہ بننا تھا۔ آج اسلام کی مظلومیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے اور مسلمانوں کے لیے صف ماتم بچھانے کا اس سے زیادہ اندوہناک مقام اور کونسا ہو سکتا ہے۔

لہ مسز سروجنی نائیڈو نے بھی اپنی ایک تقریر میں وطنیت کے متعلق قریب قریب یہی کچھ کہا ہے ملاحظہ ہو۔ (اسٹیٹسمین ۱۲/۳۸ء)

حیرت ہے کہ اس پر آسمان کیوں نہ ٹوٹ پڑا، زمین کیوں نہ شق ہو گئی ؎

اے محمدؐ گر قیامت را بر آری سر ز خاک
سر برآر و ایں قیامت درمیانِ خلق بیں

اور ستم بالائے ستم کہ یہ سب کچھ سہواً نہیں ہوتا بلکہ غلطی پر متنبہ کرنے والے مردِ حق شناس کو ساحرِ برطانیہ کے طلسم و افسوں کا شکار بتایا جاتا ہے اور دینِ حجازی کے اس محرمِ اسرار کو "فرنگ زدگی" کا طعنہ دے کر برطانیہ کی عظیم الشان خدمات سر انجام دینے والا قرار دیا جا رہا تھا اور یہ سب اس جرم کی بنا پر کہ وہ اس دورِ تجدد پسندی میں اس رسمِ کہن کی یاد کیوں تازہ کر رہا ہے کہ جس کی رو سے مکہ کا بوجہل گلے نہیں لگایا جاسکتا لیکن فارس کا سلمانؓ اہل بیت میں سے ہو سکتا ہے لیکن اس بیچارے کی مجبوری پر بھی تو نگاہ رکھیے کہ جسے قرآن کریم کا ہر حرف پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ یہ وہ نظریہ ہے کہ

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے

اور جسے حضور رسالتمآب کے خاکِ قدم کا ہر ذرہ ابھر ابھر کر دکھا رہا ہو کہ یہ وہ اصولِ حیات ہے کہ

قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

وہ کس طرح آپ کی ہمنوائی میں شریک ہو جائے۔ اس مجبوری کی بنا پر اس نے کہا تھا ؎

غلامم جز رضائے تو نجویم
جز آں راہے کہ فرمودی نپویم
ولیکن گر بہ ایں ناداں بگوئی
خرے را اسپِ تازی گو، نگویم (اقبالؒ)

آخری گذارش:- مولانا صاحب نے اپنے رسالہ کی "آخری گذارش" میں فرمایا ہے:-

"ہم اس عرض کے بعد اپنی تحریر کو فلسفیانہ تقریروں اور شاعرانہ تخیل کے جوابات سے طویل اور دراز کرنا مناسب نہیں سمجھتے جو ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے فلسفی دماغ سے تراش کر کے ذکر فرمائی ہے۔"

(متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۷۶)

اور اس رسالہ کے دیباچہ نگار صاحب نے اس کے مقصد کا ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔

"حضرت شیخ مدظلہ نے اس بحث کے ذیل میں جن مذہبی اور سیاسی جواہرات کے منتشر ذخائر کو جمع فرما دیا ہے وہ نہ صرف متلاشیان حق کے لیے سرمایہ طمانیت قلب ہی ہیں بلکہ ان سے یقیناً ہماری حیات سیاسی کے ایک شاندار باب کی تعمیر ہوگی اور موجودہ و آئندہ نسلیں اسلامی نقطۂ نظر سے قومیت متحدہ کے مفہوم کو سمجھنے میں کسی مغالطہ کا شکار نہ ہو سکیں گی۔ کاش علامہ اقبال مرحوم آج ہم میں موجود ہوتے تو جو شبہات اس مسئلہ خاص کے بارے میں انھیں باقی رہ گیے تھے وہ بھی دور ہو جاتے۔" (صفحہ ۳)

اس مطلع اور مقطع کے متعلق ہم کچھ نہیں لکھنا چاہتے کیونکہ یہ اس وقت درج کیے جا رہے ہیں، جب حضرت علامہ کے استدلالات مولانا صاحب کے اعتراضات اور ان کے جوابات قارئین کے سامنے آچکے ہیں وہ از خود فیصلہ کر لیں گے کہ قرآن کریم کی رو سے کونسا نظریہ ملت اسلامیہ کی زندگی کا ضامن ہے اور کونسا ان کی خودکشی کے مترادف۔ وہ کونسی حیات انگیز جرس کا رواں ہے جو ہلال حرم کے نغمہ عشق کو اپنے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے اور وہ کونسی سکوت افزا بنسری کی لے ہے جو ناقوس برہمن کے شور میں گم ہو جانے میں ہی راز حیات پوشیدہ دیکھتی ہے ہم یہی نہیں

کہہ سکتے کہ حضرت علامہ اگر آج ہم میں موجود ہوتے تو وہ مولانا صاحب کی اس تحقیق انیق کی داد کن الفاظ میں دیتے۔ البتہ جو کچھ ہم سمجھ سکے ہیں وہ تو اتنا ہی ہے کہ یا تو مولانا صاحب "متحدہ قومیت" اور "ہندو مسلم اتحاد" کے فرق کو ہی نہیں سمجھ سکے اور یا متحدہ قومیت کے متعلق اسلام کی صحیح تعلیم ان کی نگاہوں سے یکسر اوجھل ہے۔ اگر پہلی بات ہے تو ملت اسلامیہ کے لیے ماتم کا مقام ہے کہ یہ حضرات جو قوم کی کشتی سیاست کے ناخدا ہونے کے مدعی ہیں سیاست حاضرہ کی ابجد سے بھی ناواقف ہیں اور اگر دوسری بات ہے تو پھر معاف فرمایئے یہ کہنے میں کیا مبالغہ ہے کہ ایسا شخص

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

خلاصہ بحث: بحث قومیت کو اگر ہم چند مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو یوں کہا جائے گا کہ مولانا صاحب کے نزدیک ایک ملک کی جغرافیائی حدود کے اندر رہنے والے انسان عقاید و اعمال کے تمام اختلافات کے باوجود ایک قوم بن سکتے ہیں اور ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ یہ نظریہ قومیت غیر اسلامی ہے۔ اسلام کے نزدیک صرف وہی افراد مل کر ایک قوم بن سکتے ہیں جن میں وحدت ایمان و عمل ہو۔ مولانا صاحب نے اپنے دعوے کے اثبات میں یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ قوم نوح اور قوم ابراہیم میں تمام مومن و کافر شامل تھے اور ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء کرام جس کی طرف مبعوث ہوتے تھے اس قوم میں سے ایسے افراد کو الگ کر کے جن میں وحدت عمل و ایمان ہوتی تھی ایک جداگانہ دینی قومیت کی تشکیل فرماتے تھے۔ یہ قومیت اسلامی قومیت کے معیار کے مطابق تعمیر ہوتی تھی۔ ہم نے اپنے دعوے کے اثبات میں کتاب و سنت کی نصوص صریحہ پیش کی ہیں لیکن جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں جیسی چونکہ فریق مقابل سمجھا جائے گا۔ اس لیے اس باب میں کسی آخری فیصلہ تک پہنچنے کے لیے کسی حکم کی ضرورت

محسوس ہوگی۔ آئیے ہم آپ کے سامنے ایک ایسے حکم کا فیصلہ پیش کر دیں۔ جو مولانا صاحب کے نہ صرف ہم مسلک بلکہ جن کی علمی قیادت اور دینی امامت کے خود مولانا صاحب بھی معترف ہیں۔ سنیئے کہ ان کا فیصلہ کیا ہے اور پھر غور فرمائیے کہ یہ حضرات آج کس کے جادو سے مسحور ہو رہے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد البلاغ بابت ۱۲ ۱۱/۱۵ و ۲۲ ۱۱/۱۵ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"قرآن کریم میں اگرچہ نبوت کے عام اشتراک جنسی کی بنا پر تمام انبیا کرام کا نام ایک ساتھ اور ایک حیثیت سے آیا ہے لیکن بعض خصوصیات نوعی کے لحاظ سے اس نے انبیاء کے جو مختلف طبقات قائم کر دیے ہیں ان میں دو سلسلے عام طور پر ممتاز نظر آتے ہیں۔ ایک سلسلہ انبیاء و مؤسسین کا ہے جنہوں نے اپنی دعوت کے ذریعہ نئی قومیتوں کی بنیاد ڈالی اور جو قدیم عمارتوں کی اصلاح کے لیے نہیں بلکہ از سر نو ایک نئی قومی عمارت بنانے کے لیے آئے تھے دوسرا سلسلہ انبیاء و مجددین و مصلحین (یا نبیح) کا ہے جنہوں نے کسی نئی امت کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ کسی پیشتر کی قائم شدہ امت صالحہ کی مزید تکمیل و تبلیغ کی یا امتداد زمانہ کے نتائج مفسدہ و استیلائے بدعات محدثات سے اسے نجات دلا کر فرض تجدید و احیاء ادا کیا!!

انبیاء مؤسسین!!

پہلے سلسلہ کا وصف امتیازی یہ ہے کہ وہ تمام قدیم عقائد و رسوم اخلاق و معتقدات کو مٹا کر ایک جدید قومیت صالحہ کی بنیاد ڈالتا ہے اور اس کو آب ہوا اور جغرافیانہ حدود و طبعیہ کے اثر سے الگ کر کے صرف مذہبی آب ہوا میں ترقی اور نشو و نما دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں خدائے تعالیٰ نے اس صنف کے ایک نمایاں سلسلہ اور اس کی ممتاز کڑیوں کا ذکر متعدد موقعوں پر ایک ساتھ کیا ہے:-

الم یاتهم نبا الذین من قبلهم قوم نوح وعاد و ثمود وقوم ابراهیم واصحاب مدین والمؤتفکٰت اتتهم رسلهم بالبینات فما کان الله لیظلمهم ولکن کانوا انفسهم یظلمون۔ (۹-۷۰)

"کیا اُن منکرینِ حق تک اُن لوگوں کے نتائج اعمال کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ یعنی نوحؑ - عاد، ثمود اور ابراہیم کی قوم نیز مدین کے رہنے والے اور وہ بدبخت جن کی بستیاں اُلٹ دی گئیں (یعنی قوم لوط) ان سب کے پاس ہمارے پیغمبر دلائل اور نشانیاں لے کر آئے تاکہ وہ ہدایت و سعادت حاصل کریں اور اپنی بداعمالیوں کے نتائج مہلک سے نجات پائیں۔ خدا اُن لوگوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا تھا پر افسوس انھوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔"

اس آیہ کریمہ میں خدا تعالٰے نے اوّل حضرت نوحؑ کا ذکر کیا ہے جنھوں نے ایک نئی اُمّت صالحہ کی بنیاد رکھی اور ان کے بعد ان جماعتوں کا ذکر کیا ہے جن میں دعوت نوحی کے مجدّدین آتے رہتے پھر حضرت ابراہیمؑ کا نام لیا ہے جو حضرت نوحؑ کے بعد دوسرے دورِ قرنیت کے مصدر اور بانی تھے۔ اور پھر ان کے بعد کی دعوت ہائے مجدّد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دعوتِ نوحی: انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت مرسلہ سامنے آتی ہے جو پہلے منتخب انبیاء میں بلحاظ تقدم عہد کے ایک مخصوص امتیاز رکھتے ہیں انھوں نے ایک جدید قوم پیدا کی اور اس کو ان ہی امتیازات و خصوصیات کی آب و ہوا میں پرورش کرنا چاہا جن لوگوں نے مذہب کی اس حبل المتین کو مضبوط پکڑا عذاب الٰہی سے نجات پائی۔ مگر جن لوگوں نے اس سررشتۂ حیات

کو چھوڑ دیا یا ہلاک ہو گئے اور یا وجود رحمی و نسلی تعلقات کے خدا نے ان کو نوح علیہ السلام سے بیگانہ قرار دیا۔ آپ کی دعوت کی بنیاد نسل اور جغرافیہ نہ تھا وہ ایک نئی قوم پیدا کرنا چاہتے تھے اس لیے خود ان کی نسل میں جسمانی رشتہ کا بھی کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا۔ ان کا گھرانہ سب وہی قوم تھی جو حق و سعادت کے رشتہ میں منسلک ہو کر طیار ہوئی تھی اور سب سے پہلے وہ خود ہی اپنے پیدا کردہ خاندان قمت کے ایک رکن ہو گئے تھے اگرچہ وما من معه الا قليل ونادى نوح ربه فقال رب ان ابنى من اهلى وان وعدك الحق وانت احكم الحاكمين قال يا نوح انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح فلا تسئلن ما ليس لك به علم (۱۱–۴۷)

اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ خدایا! تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ تیرے خاندان کو عذاب طوفان سے نجات دی جائے گی تو احکم الحاکمین ہے تیرا وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا میرے لڑکے کو اس عذاب سے نجات دے دے کیونکہ وہ میرے خاندان میں داخل ہے خدا نے کہا اے نوح تو جس کو اپنا اہل کہہ رہا ہے وہ تیرا اہل نہیں ہے تیرا گھر تو در اصل عمل صالح کا گھرانہ ہے جس کی دعوت دے کر تو ایک صالح قوم پیدا کرنی چاہتا ہے جو اس گھرانے میں داخل تھا وہ تیرا تھا اور جو اس سے نکل گیا وہ تیرا نہیں رہا بلکہ ان کے گھرانے کا فرزند ہو گیا جن کے عمل بد کو اس نے اختیار کیا۔ پس مجھ سے وہ سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں دیا گیا۔ اے نوح یہ نصیحت میں اس لیے کرتا ہوں تا کہ حقائق و طرز الٰہی تجھ پر کھلیں اور تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جائے جو علم حقیقت سے محروم ہیں۔

تشریح مزید:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو حکم دیا تھا کہ عذاب

طوفان سے بچنے کے لیے کشتی بناؤ۔ جب کشتی بن چکی تو فرمایا احمل فیھا من کل زوجین اثنین واھلک۔ (۱۱ - ۴۲)

"کشتی میں تمام ضروری حیوانات و انواع کا ایک ایک جوڑا مع و نیز اپنے گھرانے کے آدمیوں کو بھی سوار کرو۔"

لیکن ساتھ ہی ان لوگوں کو اس سے مستثنیٰ بھی کر دیا جن کے متعلق پہلے فرمان ہو چکا تھا کہ اپنے کفر و تمرد کی وجہ سے وہ اس عذاب میں ضرور حصہ پائیں گے اور ان کے لیے کوئی طلب اور کوئی سوال مقبول نہ ہوگا۔

الا من سبق علیہ القول۔ مگر ان لوگوں کو ساتھ نہ لو جن کی نسبت پہلے حکم ہو چکا ہے۔ وہ پہلا حکم یہ تھا کہ لا تخاطبنی من الذین ظلموا۔ جن لوگوں نے حق و صداقت سے انحراف کیا اور اپنی سرکشی و عدوان سے غضب ایزدی کے مورد ٹھیرے۔ ان کی بات مجھ سے کچھ نہ چاہنا۔

لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو ان کے "اہل" و اقارب کو بچانے کا حکم دیا تھا اور ان کا بیٹا بدرجہ اولیٰ لفظ "اہل" کے جسمانی مفہوم میں داخل تھا اس لیے آپ کو جرأت ہوئی اور جناب خداوندی میں اسے اپنا "اہل" قرار دے کر سوال کیا۔ اس پر جواب ملا کہ انہ لیس من اھلک گو بظاہر وہ تمہارے اہل میں سے تھا لیکن دراصل اسے تم سے کوئی تعلق نہیں۔ "اہل" میں وہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ وہ سرے سے تمہاری قوم ہی میں داخل نہ رہا بلاشبہ وہ تمہاری قوم اور تمہارے گھرانے میں سے تھا لیکن اب تمہاری قوم دوسری ہو گئی۔ تم نے حق اور راستی کی روح پیدا کر کے جو نئی تربیت صالحہ پیدا کی ہے اب سے وہی تمہاری قوم ہے، وہی تمہارا گھرانا، وہی تمہارے اہل ہیں تمہارا رشتہ صرف اس نئی قوم ہی کا رشتہ اساس ہونا چاہیے۔ تو وہ رشتہ خون اور جسم کا نہیں بلکہ حق اور دعوت حق کی روح کا ہے۔ اس رشتہ میں منسلک کر کے یہ نئی قوم "دعوت نوحی" سے پیدا کی گئی ہے تمہارے جسمانی تعلقات کے

ہوا یعنی" اس قومیت میں داخل نہ ہوئے وہ تم سے کٹ گئے اور تمہاری جگہ "عمل غیر صالح" کی فرزندی میں داخل ہو گئے۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں :-

"انسان کی اجتماعی حیات یا قومیت دراصل ان تمام عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے جو نسل و وطن اور متوارث و متواصل علائق نسل سے ترکیب پاتے ہیں۔ ان انبیاء کرام کا مشن یہ ہوتا ہے کہ ان تمام نسلی اور قومی امتیازات قدیم کو مٹا کر ایک نئی روحانی امتیاز و خصوصیت کی بنیاد پر نئی قومیت پیدا کریں۔ پس اس بنا پر ان کی دعوت کا اولین اسوہ حسنہ بھی ہونا چاہیے تھا۔ کہ خود بھی نسل و خاندان کے تمام رشتوں کو توڑ دیں اور اس طرح نسلی قربانی کا طاقت ور حرم تیار کریں اس قربانی کا اثر ان کے تمام کاروبار دعوت میں سب سے زیادہ کارکن ہوتا ہے۔ قوم دیکھتی ہے کہ اس طرح داعی الی الحق نے اپنے تمام رشتوں کے گھر کو آ جاڑ دیا اور اس عمارت کا ایک گوشہ بھی نہ لیا جس کی چھت کے نیچے کہیں جگہ مل رہا ہے۔ چنانچہ انبیاء کرام و رسل عظام کے اس سلسلہ میں جنھوں نے نئی قومیتو کی بنیاد رکھی ہے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا مقام ہے اور چونکہ ان کی پہلی قسم کی دعوت تھی اس لیے ضروری تھا کہ اس اولین قربانی کا بھی وہ اسوہ حسنہ قائم کرتے پس آیہ کریمہ مندرجہ صدر میں جب انھوں نے اپنے بیٹے کے لیے خدا کو پکارا تو ارشاد ہوا کہ یہاں جسمانی رشتہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اگر تمہارا بیٹا عمل صالح کے اس نئے گھرانے میں داخل ہو جاتا جس کی تم نے بنیاد رکھی ہے تو وہ تمہارا عزیز تھا لیکن اس نے عمل صالح کی جگہ عمل غیر صالح سے رشتہ جوڑا پس اب اس کا ذکر بیکار ہے اور یہ بناء قومیت کا وہ ناموس الٰہی ہے جس کا تمہیں علم ہونا چاہیے۔

قَالَ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ۔ حضرت

نوحؑ نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں اپنے ضعف بشری کا اعتراف کرتا ہوں اور تیری رحمت و مغفرت میں پناہ لیتا ہوں کہ جس چیز کی حکمت و حقیقت پر میری نظر نہ تھی میں نے اس کی نسبت تجھ سے سوال کیا۔

پھر ارشاد ہے:۔

"حضرت نوح علیہ السلام نے جس نئی امت کی بنیاد رکھنی چاہی تھی اگر ضلالت عصر اور جہل انسانیت اس سے رست و گریبان رہی اور اس لیے وما آمن معہ الا قلیل (۱۱ - ۴۰) ان پر ایمان لانے کی سعادت نہیں ملی مگر ایک چھوٹی جماعت کو۔ تاہم جس امت صالحہ کی اس عہد آدمی میں بنیاد پڑی تھی وہ ضائع نہ گئی۔

اور خدا کا کوئی حکم و دعوت ضائع نہیں جا سکتا۔ اگرچہ خود حضرت نوحؑ پر بہت کم لوگ ایمان لائے کیونکہ انسانی مدنیۃ و عمران کا بالکل عہد طفولیت بلکہ اس سے بھی مقدم تر دور تھا اور مذہب کا سلسلہ ارتقاء ابھی ابھی اپنی ابتدائی کڑیوں سے ایک دو قدم آگے بڑھا تھا لیکن جب حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے صدیقین و متبعین کی اولاد زمین کے مختلف گوشوں میں پھیلی تو وہ اپنے ساتھ اسی نئی قومیت کے عقائد و اعمال بھی لے گئی۔ یہ دراصل اسی طرف اشارہ ہے کہ حضرت نوحؑ کی دعوت کسی خاص نسل اور قوم کو زندہ کر دینے کے لیے نہیں تھی بلکہ وہ اس قسم کی دعوت میں داخل تھی جو موجودہ نسلوں اور قوموں سے بالاتر ہو کر خود ایک نئی قوم پیدا کرتی ہے اور اس کی بنیاد محض اخوۃ دینی پر قائم ہوتی ہے جس میں وہ جغرافیہ و نسل سے اوپر اٹھ کر ایک عالمگیر برادری بن جاتی ہے اور زمین کا ہر گوشہ نوع انسان کا ہر حصہ اقوام و ملل کی ہر نسل اس کے دامن میں پناہ لے سکتی ہے" (اختتام اقتباسات البلاغ)

یہ تو ہے نظریۂ قومیت جس کے ہم مدعی ہیں اس کے برعکس وہ نظریہ

قومیت جس کی بنا وطنیت پر ہے آسے ساحرین یورپ نے کس طرح مسلمانوں کے اندر پھیلایا ہے اور وہ کیسا ابلیسانہ جال ہے اس کے متعلق مولانا آزاد البلاغ بابت ۱۱/۱۵ ۲ ۲ کے عربی افتتاحیہ میں فرماتے ہیں:-

فالافرنجیہ! الافرنجیہ التی موھا تکونوا من الفائزین والقومیۃ! القومیۃ! اعلموھا ان کنتم مومنین ... فاولئک حزب الشیطن الا ان حزب الشیطن ھم الخاسرون (۵۸ : ۱۹)

فرنگی نسٹوں کے خطیب شور مچاتے ہیں کہ فرنگیت! فرنگیت! اسے قبول کر لو۔ اگر تم کامیابی چاہتے ہو اور قومیت! قومیت کا ڈھونڈورا پیٹو اگر تم مومن ہو۔ اور مولانا فرماتے ہیں خبردار یہ سب شیطانی گروہ ہیں اور شیطانی گروہ ہی ناکام و نامراد ہونے والا ہے۔

ہم ابوالکلام و مدنی (مرحومین) کے متعلق اور تحریک پاکستان کے بارے میں ان کی مخالفانہ سرگرمیوں اور متحدہ قومیت کی تائید و جواز میں ان کی قرآنی تفسیرات و تشریحات سامنے لا چکے ہیں۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابوالکلام آزاد جو دور الہلال و البلاغ میں انہی نظریات و خیالات کے علمبردار تھے جن کی مسلم لیگی قیادت اور تحریک پاکستان کے اولین قائدین لیکن دور متحدہ قومیت میں مولانا آزاد مرحوم یکسر اپنے پہلے اصولوں کی نفی و مخالفت میں اپنا زور قلم و زبان صرف کر رہے ہیں اب ہم نیشنلسٹ علماء کے عنوان کے تحت جہاں آزاد و مدنی مرحومین کا ذکر کریں گے وہاں ان کے دوسرے ساتھیوں کے اس گھناؤنے کردار جو انھوں نے ملی تحریک قیام پاکستان کے وقت ادا کیا ہے۔ کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ عرض کریں گے۔ مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے دلائل

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اس جہت سے یہ مصیبت کوئی نئی مصیبت نہیں لیکن اس المناک حقیقت کا اعادہ کتنی بار کیا جائے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

شروع سے لے کر آخر تک دیکھ جائیے آپ کو اپنوں کے خلاف اپنے ہی صف آرا نظر آئیں گے مسلمانوں کے خنجر مسلمانوں ہی کی گردن میں پیوست دکھائی دیں گے۔ محمدؐ کے نام لیواؤں کے تیر محمدؐ کے نام لیواؤں کے سینے میں ترازو ہوں گے۔ اس سے بھی زیادہ دردناک اور جگر دوز حقیقت جو اپنے آپ کو تاریخ کے ساتھ دہراتی چلی آئی ہے۔ یہ ہے کہ بدبختی سے ان کا شانۂ مصطفوی کو پھونک دینے والے کے چراغوں میں اس طبقہ کا دامن سب سے زیادہ تاریک اور داغدار ہے جس کو ہم اور آپ علماء کے مقدس لقب سے یاد کرتے ہیں ؎

آسماں سے آئے کیوں بجلی جلانے کے لیے
خود چراغِ خانہ ہی غارت گر کاشانہ ہے

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے مقدس دور کو چھوڑ کر کہ وہ نورِ نبوت سے براہ راست فیض یاب تھے اور ان کو محمدؐ (فداہ ابی و امی) نے تربیت دیا تھا باقی تمام زمانوں اور ملکوں میں جو فتنہ اٹھا۔ جو مصیبت آئی۔ جو بجلی تڑپی۔ جو صاعقہ گرا اس میں اس ملکوتی گروہ علماء سوء کا ہاتھ ضرور کارفرما رہا ہے ایسا کیوں ہوتا رہا اس کی تفصیلات میں الجھنے کا یہ موقع نہ اس کی ضرورت بہرحال یہ اپنی جگہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو ارادت و خوش اعتقادی

کا بڑے سے بڑا جذبہ بھی نہیں جھٹلا سکتا۔

رفع التباس:۔ رفع التباس کے لیے سرِ تحریر یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں علماءِ سو کے پہلو بہ پہلو نفوسِ قدسیہ کا ایک ایسا گروہ اُمّت میں موجود رہا ہے۔ جس کے دم قدم سے روایاتِ دینِ برحق زندہ رہی ہیں۔ اولیائے کرام، علمائے عظام کی ایک ایسی جماعت رہی ہے۔ جن کے طفیل باطل پرستی۔ کتمانِ حق۔ انصاف کشی اور شکم پروری کی تیرہ و تار فضا میں شمع حق تابندہ رہی ہے۔ یہ وہ پاک روحیں تھیں جن کے فیوضِ روحانی علم و عمل اور ایثار و قربانی نے ملّت کے قالبِ مردہ میں روحِ حیات پھونکی۔ جن کے ولولہ و جوش نے اُمّتِ مرحوم کی منجمد رگوں میں ہمگی کا گرم خون دوڑایا۔ جن کا ہر قدم اتباعِ رسولؐ میں اُٹھا۔ جن کا مرنا جینا۔ اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا غرضیکہ ہر نفسِ زندگی صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ ربّ العٰلمین کے تابع رہا۔

یہ دورِ پرفتن بھی ان اللہ والوں کے وجود سے خالی نہیں۔ یہ مسلمانوں کی واژگوں بختی ہے کہ اکثر و بیشتر مسلمانوں کی لیڈری آن ننگِ مذہب و ملّت افراد کے ہاتھ میں ہے جن کو اس پاک گروہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور ان بدنام کنندگانِ نکو نام چند کے شور و شر میں مردانِ حق اندیش و حق آگاہ کی آوازیں گم ہوتی جا رہی ہیں!!

مقالہ نگار کا مقصد ان علمائے سُو کے شر سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا ہے جو اسلام کی نورانی چادر پر بدنما داغ ہیں۔ جن کی سیرت و کردار کو اسوۂ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں جن کو پیامِ محمدؐ کا کوئی پاس نہیں۔ جنھوں نے روایاتِ دینِ حنیف

کی بھی لاج نہیں رکھی جن کے بے نور سینوں میں اسلام کو پرشکوہ و پر جلال دیکھنے کی کوئی آرزو، کوئی امنگ نہیں۔ جن کے قبلہ کا رخ مرغ بادنما کی طرح حسب حالات لندن اور دوارودھا کی طرف پھرتا رہتا ہے اس شکم پرست اور باطل نواز گروہ نے جانچ کر دیا۔ قبائے زہد و تقدس اور ردائے امامت و نیابت اوڑھ کر مسلمانوں کی متاع ارادت و عقیدت پر ڈاکہ ڈالا جب بھولے بھالے مسلمان ان کے ہمرنگ زمین دام میں گرفتار ہو چکے تو اس نے طاغوتی قوتوں کا اشارہ پاکر پوری کی پوری امت کو اس روش پر ڈال دیا جو ان کے دینی و دنیوی خسران کا موجب بن گئی۔ پہلے مسلمانوں کو آقایان سفید فام کی دہلیز پر سربسجود کیا گیا اور پھر خدا پرستوں کو صنم وطن کی بندگی کے دھکیلنا شروع کر دیے۔ وہی گروہ جس پر تعمیر ملت و تنظیم امت کا فرض گراں بار عائد ہوتا تھا جس کی رشد و ہدایت کے نور میں بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم جانا تھا جس کی مجدی کا رواں ملت کے شکستہ حوصلوں کا آخری سہارا اور سرمایہ تھی مسلمانوں کی عزت، ان کے وقار۔ ان کی فوز و فلاح کا بدترین دشمن ثابت ہوا۔

خضر جانا تھا جنہیں ہم نے وہ غول نکلے
جن کو سمجھے تھے مسیحا وہ بلا کو نکلے

(۲)

ملت اسلامیہ ہندیہ کی نشاۃ ثانیہ اور علماء سو

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ ہندوستان میں مسلمان کی حالت اس مریض کی سی ہے۔ جو موت و حیات کی کشمکش میں گرفتار ہو اس کی صفوں میں انتشار، حوصلوں میں پستی۔ ولولوں میں سردی

ارادوں میں مایوسی اور پژمردگی کے آثار پیدا ہو چکے تھے، عین اس نزع کی حالت میں ایک داڑھی منڈا مسلمان جو نہ "امام الہند" ہے اور نہ "امیر شریعت" نہ "شیخ الحدیث" نہ "ابو حنیفہ ثانی" درد مندوں کے ساتھ اٹھتا ہے اور تسبیح ملت کے بکھرے ہوئے دانوں کو ایک ہی رشتے میں پرونے کی کوشش کرتا ہے۔ جبّہ نہیں۔ قبا نہیں۔ کوئی ٹھاٹھ نہیں۔ کوئی طمطراق نہیں اگر کچھ ہے تو سینے میں ایک بے قرار دل اور اس بے قرار دل میں ملت کا درد مسلمان علمائے سو کی شکم پرستیوں۔ باطل نوازیوں اور خود نمائیوں کا ستایا ہوا مسلمان قیادت کے ان بھوکوں اور جھوٹے شہزادوں کے ہاتھ سے زمام قیادت چھین کر اس سیدھے سادے مسلمان کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور یقین و ثبات کے ساتھ اپنی صف بندی کرتا ہوا منزل مقصود کی طرف چل کھڑا ہوتا ہے۔ ایک طرف سوراجی فوج کا ملحد جرنیل بکمال غرور و تکبر نعرہ لگاتا ہے کہ ہندوستان میں صرف دو ہی قومیں ہیں، انگریز اور ہندو۔ مسلمان کو ہندوستان میں اپنی انفرادی اور ملی ہستی کے بقاء و تحفظ کے لیے تنظیم اور صف بندی کا کوئی حق نہیں دوسری طرف ہمارے "وطن پرست" علمائے کرام کا مقدس گروہ اپنے آپ کو لیڈری سے محروم ہوتا ہوا دیکھ کر تلملا اٹھتا ہے۔ کھوئے ہوئے وقار کی بازیافت کے لیے پیچ و تاب کھاتا ہے۔ اپنی بے رونق دکان کو چمکانے کے لیے اغیار کے "سفر خرچ" پر ہندوستان کے قریہ قریہ میں مارا مارا پھرتا ہے۔ ترنگا جھنڈا ہاتھ میں لے کر پرچم ہلالی کو زمین پر دے مارتا ہے اور ہم صفیران وطن کی سُر میں سُر ملا کر ملت کے بے لوث خادموں اور قوم کی عزیز ترین ہستیوں کو انگریز پرست۔ ٹوڈی۔ سامراجی نہ جانے کن کن ننگ اخلاق ناموں سے یاد کرتا ہے۔ جن حقائق پر پہلے ایمان تھا۔ جن کے لیے پھرتے تھے۔ شیخ کاندھے پر منبر لیے ہوئے کہا ساطیر

الاوّلین ہو جاتے ہیں (معاذ اللہ) جس نصب العین کی طرف پہلے خدا اور رسول کا نام لے لے کر آیات و احادیث پڑھ پڑھ کر بلایا جاتا رہا ہے اب ٹھیک اسی کی تغلیط اور تردید میں اپنے لیڈروں کی پوری قوت طلاقتِ لسانی کے سارے کمالات، ساری چرب زبانی، ساری سحر بیانی اور ساری زور کلامی صرف کر دی جاتی ہے۔ پہلے اپنے مرکزِ قومی سے مجتمع رہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ اس مرکز سے کٹنے اور بچھڑنے والوں کو ابلیس و ملعون قرار دیا جاتا تھا۔ حیاتِ اجتماعی کا درس دیا جاتا تھا۔ لیکن جب مسلمان صدیوں کی گہری نیند سے آنکھیں مل کر اٹھا اور اس نے چاروں طرف کے حالات پر نظر ڈال کر ایک مرکز پر جمع ہونے کی کوشش کی تو اسی مرکز کو تباہ برباد کرنے کے لیے یہ نیک ٹولی ہر حربہ آزما ڈالتی ہے ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق (اقبال)

اسی پر بس نہیں ہوتی بلکہ نئے آقاؤں کی خوشنودیٔ مزاج کے لیے قرآن کے واضح اور صریح احکامات کی نظر فریب اور دل ہزن و دیں و ایمان تاویلیں کی جاتی ہیں۔

اس کجروی، اس گمرہی، اس ضلالت و غوایت کا سبب؟ قبلہ ٹیڑھا ہو جانے کی وجہ؟ جواب ملتا ہے کہ ہم علمائے دین ہیں! ہم جس طرح چاہیں دین کے ساتھ کھیل سکتے ہیں! قیادت ہمارا حق ہے قوم کی سیاسی نماز ہماری ہی اقتداء میں ہو سکتی ہے۔ جدھر ہمارا منہ اسی طرف قوم کا بھی ہونا چاہیے! پہلے قوت و اقتدار انگریز کے قبضہ و قدرت میں تھے، ہماری نماز لندن کی طرف منہ کر کے ہوتی تھی! اب زمانہ کی کروٹ نے یہی قوت شام سے چھین کر رام کو دے دی ہے، اب

ہمارا قبلۂ عقیدت و انقیاد وارد ہوا ہے!!

بیچارہ سادہ دل مسلمان! خوش عقیدہ اور نیاز مند مسلمان انقلابِ ذہنیت اور زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا یہ کرشمہ دیکھ کر حیران ششدر رہ جاتا ہے۔ از رہِ حیرت و استعجاب پوچھتا ہے کہ اے قبلۂ دین، اے کعبۂ ایمان، اے پیر و مرشد گروہ یہ ماجرا کیا ہے؟

اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے!

غرور و تمکنت کی پوری شان کے ساتھ جواب ملتا ہے تیری بھلائی اسی میں ہے۔ کہ چپ چاپ آنکھیں بند کیے اپنے دامن کو چاک دامن سے باندھے چلا آ!!!

آگے چل کر

اس ہولناک طوفان میں جو وطن اور وطن پرستی کے نام پر اٹھایا جا رہا ہے۔ ملت کی طوفان زدہ اور شکستہ ناؤ کی ملاحی کا فرض سب سے پہلے علمائے کرام پر عائد ہوتا ہے والا سفا کہ یہی گروہ دیدہ و دانستہ اس ہمرنگ زمین دام کے حلقے کس رہا ہے۔ جو مسندِ نشینِ حرم کے دیوتاؤں نے حرم کے طائر لاہوتی کے لیے تیار کیا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ کوئی نیا ابوالکلام آزاد وقت میں پیدا ہو اور علماء وقت کے کانوں تک یہی پیغام پہنچائے جو انہوں نے جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس لاہور ۱۹۲۱ء میں با الفاظ ذیل دیا تھا:-

"حضرات علمائے کرام و ارکان جمعیۃ! اس وقت ایک بڑی آزمائش ہمارے طریق عمل کے لیے در پیش ہے۔ ہم نے مدتوں کی غفلت کے بعد قومی راہنمائی احساس کی کشمکش میں قدم رکھا ہے اس لیے سب سے پہلے ہماری نظر اجل کے مجلسی اور اجتماعی کاموں کے طرق و اسلوب پر پڑتی ہے اور تقلید و محاکات کا جذبہ ہمیں بے اختیار ان کی جانب کھینچے لگتا ہے لیکن

ہیں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ آپ کی دوراہوں سے بالکل الگ ہے اور کتاب اللہ کی ہدایت اور حکمت نبوت کی سنت نے آپ کو دنیا اور دنیا والوں کے تمام گھڑے ہوئے طریقوں اور ضابطوں سے مستغنی کر دیا ہے۔

آپ اس لیے نہیں آئے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے طریقوں کی تقلید کریں بلکہ آپ کو علم و عمل شریعت اس لیے دیا گیا ہے تاکہ دنیا کی آنکھیں آپ کی طرف اُمید و طلب سے اُٹھیں اور آپ کی ہدایت ان کے لیے اتباع اور تقلید کا پیام ہو۔

آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے اور اس کے رسول صلعم کی سنت ہے اور ان دو چیزوں سے بڑھ کر اور کونسا سرمایہ علم اور سرچشمہ حکمت ہو سکتا ہے جو انسانی اعمال کے تمام اُصول و فروع کے لیے دنیا میں وجود رکھتا ہو۔ دنیا میں علم و یقین صرف وحی الٰہی اور علوم و اعمال نبوت ہی ہے اس کے سوا علم و یقین اس اسمان و دنیا کے نیچے موجود نہیں۔"

اس بصیرت افروز اقتباس کو پڑھ کر اور مولانا کی موجودہ روش کو دیکھ کر خدا نخواستہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابو الکلام مر چکا ہے جو مسلمانوں کو سرچشمہ نبوت سے سیراب ہونے کی تلقین کرتا تھا۔ یہ حقائق وہ حقائق نہیں کہ مولانا پانے کے واجب الاحترام ہم نشینوں کی نگاہ پر گراں نہ ہوں۔ اگر نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ انہی حقائق کا خشک اور اس کی آگہی کا پندار ہے جو ان بزرگوں کو اپنی بلندیوں سے نیچے اُتر کر اپنی روش اور عمل پر نگاہ نہیں ڈالنے دیتا ورنہ یہ کیونکر ہو سکتا کہ وہ ان حقیقتوں کو جانتے اور اپنی بھٹکی ہوئی سیرت کو دیکھنے کے باوجود راہ راست پر نہ آئیں۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے، اس کی وجہ سن لیجئے۔۔

"حیات دنیوی کی محبت محبت الٰہی پر غالب آگئی متاع دنیا کی دلفریبی

پر مروح مفتوں اور دل نثار ہو گیا اور مردہ دنیا پرستی کی لعنت نے عزم وراستی کی روح کو مردہ کر دیا۔" (تذکرہ مصنفہ آزاد مرحوم صفحہ ۵۹ و ۲۰)

اور پھر قیامت بالائے قیامت یہ کہ اس لشکر بلا انگیز کا مقدمۃ الجیش مشتمل ہے ان حضرات پر جو بڑے بڑے جبوں اور عماموں سے آراستہ طرہ ل اور عریض قباؤں اور عباؤں سے مزین پشت پر کتابوں کا طومار اٹھائے، بغلوں میں (قرآن نہیں بلکہ) قرآن کے جزدان دبائے حمایت دین اور حفاظت اسلام کے نعرے لگاتے اس ملحد بے دین کے تعاقب میں بڑھے جا رہے ہیں۔ جس کا بڑا جرم یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آزاد اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہی ہیں وہ تالب کہ جنہیں جعفر اور صادق کی روحیں تلاش کر کے اپنا نشیمن بنا لیتی ہیں۔ یہی ہے وہ طائفہ کہ جس نے اپنے زہد و تقدس اور علم و فضل کی نظر فریب قباؤں میں وہ خنجر دستاں چھپا رکھے ہیں کہ ملت اسلامیہ کا پرنور سینہ جن سے ہمیشہ چھلنی ہوتا رہا ہے۔ یہی ہے وہ گروہ جس کی یہ حالت ہے کہ

گاہ او را با کلیسا ساز باز
گاہ پیش دیریاں اندر نیاز

دین و آئین او سوداگری است
عنتری اندر لباس حیدری است

تا جہاں رنگ دگر گردد دگر
رسم او آئین او گردد دگر

پیش ازیں چیزے دگر مسجود او
در زمان ما وطن معبود او

ظاہرا او از علم دین درد مند
باطنش چو دیریاں زنار بند

جعفر اندر ہر بدن ملت کش است
ایں مسلمانے کہن ملت کش است

از نفاقش وحدت قومے دو نیم
ملت او از وجود او لئیم

ملتے را ہر کجا غارت گرے است
اصل او از صادقے یا جعفرے است

الاماں از روح جعفر الاماں
الاماں از جعفران ایں زماں

(اقبالؒ)

ہمیں اس تلخ نوائی سے معاف رکھیئے کہ جب قرآن کو ڈھال بنا کر مسلمان کے سینہ میں خنجر گھونپا جاتا ہے۔ تو منہ سے بے اختیار چیخ نکل جانا کوئی جرم نہیں آہ! ہم اپنا سینہ کسے دکھائیں اور کس سے ان رستے ہوئے ناسوروں کا مرہم طلب کریں جو خود چارہ سازکے نشتر کے رہین منت ہیں۔ بے شک "مٹھنے والی آگ کو تو ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے لیکن اس آتش خاموش کو کوئی کیسے دکھائے جو اندر ہی اندر مغز استخواں تک کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دے۔ لیکن اس کا دھواں تک بھی سطح سے ابھرنے نہ پائے۔

یقین مانیئے نہ ہمیں اشخاص سے کچھ تعلق ہے۔ نہ جماعتوں سے کچھ واسطہ۔ ہماری موافقت ہے تو اور مخالفت ہے تو سب ایک اصول کے ماتحت ہے اور وہ اصول جیسا کہ ظاہر ہے صرف ایک ہے۔ موافقت اس کی جو حق پر چلا اور مخالفت اس کی جو اس راہ کو چھوڑ کر باطل کے پیچھے لگ جائے۔ اگر عوام اس باطل کے اپنے پر لگ جائیں تو زیادہ خدشہ نہیں ہوتا کہ ایک تو عوام کا فعل ان کی ذات تک محدود رہتا ہے اور دوسرے انہیں ہر وقت راہ راست کی طرف بلایا جا سکتا ہے لیکن جب کشتی کے ناخدا ہی اسے بھنور کی طرف دھکیل لے جائیں جب انجن کا ڈرائیور ہی اسے پٹری پر سے اتار دے تو پھر ہلاکت سے بچنے کی کوئی شکل باقی رہ جاتی ہے۔ اس لیے ایسے وقت میں خطرہ سے آگاہی کے ناقوس کا زیادہ بلند آہنگ اور روکنے والے ہاتھ کی گرفت کا زیادہ شدید ہو جانا بالکل فطری ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ ۝

اور یقیناً اس میں عبرت ہے اس کے لیے جو (سینہ میں) دل رکھتا ہے

اور آسے کان دے کر سمجھے اور اس پر گواہ رہے"۔

یہ ایک نظم جو جناب انور کرانی صاحب نے ۳ر جولائی ۱۹۴۶ء کو نوائے وقت" میں شائع کرائی جس کا عنوان" ابوالکلام آزاد" ہے۔ نقل کر رہے ہیں۔ جب ہمیں پتہ چلا کہ شاہ صاحب ہجرت کے بعد گجرات شہر میں رہائش پذیر ہیں تو گجرات پہنچ کر آن سے بالشافہ گفتگو کرنے اور تحریک پاکستان کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے ان کی کوٹھی پر حاضری دی تو معلوم ہوا کہ جناب مچھلی کے شکار کا شوق رکھتے ہیں اور وہ شکار کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ ایک دن تو انتظار کیا پروگرام کے مطابق زیادہ ٹھہرنا ممکن نہ تھا اس لیے ملاقات تو نہ ہو سکی لیکن روزنامہ نوائے وقت کی ورق گردانی سے اس موضوع پر ان کی نظم پسند آئی ہے اس لیے درج ذیل ہے:۔

ابوالکلام آزاد

اے کہ تجھ کو اپنی ملت سے کد ... کھا گیا تجھ کو قیادت کا حسد
تو نے کی جس کی اشاعت پے بہ پے ... کیا یہی وہ غلبۂ اسلام ہے
ہم و فکر و آرزو و جستجو ... مستعار و رہن افسون عدو
بندگیٔ غیر کا گردن میں طوق ... کم سواد و کم نگاہ و کور ذوق!
اے اسیر حکمت عصر جدید ... حق سے نومیدی، برہمن سے امید
تیرے ہنگاموں سے ملت سرنگوں ... سومناتی ہے تیرا ذوق جنوں!
راس کعبے کی ہوا تجھ کو نہیں ... آنکھ محروم نظر، دل بے یقین
یہ جہاں یہ مال و دولت ہیچ ہے ... یہ قیادت۔ یہ سیادت ہیچ ہے
کفر کے طوفان میں دیوار حرم ... اور ہے خاموش غدار حرم
از شکر فہمائے ایں قرآن فروش ... دیدہ ام روح الامین را در خروش"

نوائے وقت ۳ جولائی ۱۹۴۶ء۔ ... اقبال بہ تمثیل لفظی انور کرانی لدھیانہ

متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب

رازیؔ[1]

ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ

اب چونکہ ہم نیشنلسٹ علماء کے متعلق اپنے قارئین کو مواد فراہم کر رہے ہیں۔ ان کے ابو الآباؤں میں جن کے نام سرفہرست ہیں وہ ابو الکلام اور مدنی (مرحومین) ہیں ہم یہ پوری پوری کوشش کر رہے ہیں کہ تحریک قیام پاکستان کے زمانہ میں جو لٹریچر تحریک پاکستان کی موافقت اور مخالفت میں شائع ہوا ہے ہمیں جس قدر میسر آسکا ہے اسے جمع کر دیں تاکہ جب مورخ صحیح معنوں میں پاکستان کی تاریخ مرتب کرے تو اُس کی ترتیب و تدوین میں آسانی ہو نیز یہ بھی واضح و آشکار ہو سکے کہ اسلام کے نام پر کن کن حضرات نے حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کی ہم قدمی و رفاقت کا شرف حاصل کیا اور قائد اعظمؒ کی ہمنوائی میں تحریک پاکستان کے نظریات و عقائد کو آگے بڑھایا اور کن کن لوگوں نے اسلام ہی کا مقدس و رنگین نقاب اور قرآن و حدیث کا دلکش و دلفریب جامہ اوڑھ کر مسلمانوں کی اس ملی تحریک کی پوری پوری مخالفت کی۔ اس خیال سے بھی کہ یہ تاریخی سرمایہ آئندہ آنے والی نسلوں کا ورثہ ہے ہماری جدوجہد کاوشیں سے ان کے لیے محفوظ ہو جائے ہمیں جہاں جہاں سے اور جتنا جتنا مواد مل سکا ہے اُسے موضوع کی موزونیت کے لحاظ سے فرزندان ملت کی نذر کر رہے ہیں۔

متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی

"ہندوستان کی سیاست حاضرہ میں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق

---

[1] رازی صاحب کا مقالہ ملاحظہ فرمایئے عنوان سطور بالا میں دیا جا چکا ہے (مرتب)

ہے سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ نظریۂ قومیت ہے۔ یہی وہ منحوس دوراہہ ہے جہاں پہنچ کر ملتِ اسلامیہ کے افراد ایک دوسرے کو خدا افراقی بیٹھی بیٹھک کہہ کر الگ الگ جماعتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور پھر یوں ایک دوسرے سے منہ موڑتے ہیں کہ گویا ان میں کبھی کوئی چیز وجہ جامعیت تھی ہی نہیں۔ یہی وہ بدبخت چٹان ہے جس سے ٹکرا کر امتِ مسلمہ کی کشتی پاش پاش ہو چکی ہے۔ اور اس کے منتشر تختے مختلف موجوں کے ساتھ اس بے کسی کے عالم میں بہے جا رہے ہیں جیسے گنگا میں لاشیں تیر رہی ہوں۔ قوم کی اجتماعیت فنا ہو چکی ہے ان کی جمعیتیں قوتیں باہمی تخریب و استہلاک میں صرف ہو رہی ہیں۔ مسلمان کا گلا مسلمان کے ہاتھوں کٹ رہا ہے اور دوسری طرف وہ قوم ہے۔ جس نے اپنے استادانِ سیاست سے سیکھا ہے کہ کسی قوم کو تباہ و برباد کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ان میں باہمی تفریق پیدا کر دو۔ نہایت اطمینان سے مسلمانوں کی طرف سے بالکل بے فکر ہو کر اپنی آنے والی حکومت کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

سالِ گذشتہ کے آغاز میں اس نظریہ سے متعلق ایک نہایت اہم بحث کا سلسلہ چھڑا تھا۔ مولانا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ "اس زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ مذہب سے نہیں بنتیں"۔ چونکہ یہ نظریہ اسلام کے خم طبیب کی جڑوں پر تیر چلانے کے مرادف تھا اس لیے ملتِ اسلامیہ کے قلبِ حساس میں اس سے ایک ٹیس پیدا ہوئی اور آہ و آتشیں کی شکل میں ان الفاظ میں لب تک آ پہنچی کہ

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ — ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است (اقبال)

ملّت کا نصیبہ یاوری کرتا تو مولانا صاحب حضرت علامہؒ کے
انہی ارشادات سے متنبہ ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ ان کو جرأت عطا کر
دیتا تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی فرما لیتے کہ کون سا انسان ہے جسے
معصوم عن الخطاء ہونے کا دعویٰ ہو سکتا ہے لیکن ہماری شورہ بختی
کہ ایسا نہ ہوا اور مولانا صاحب نے اعتراف حقیقت کے بجائے علامہؒ
کا مسلک اختیار فرما لیا اور اپنے نظریہ کی تائید میں ایک مبسوط بیان
شائع کر دیا جس میں سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میں نے اپنی تقریر میں
قوم کا لفظ استعمال کیا تھا اور حضرت علامہؒ نے اپنے شعر میں اسے لفظ
ملّت سے تعبیر کیا ہے جو عربی میں قوم کے لیے نہیں بلکہ دین اور شریعت
کے لیے مستعمل ہے اس لیے حضرت علامہ کا الزام غلط ہے اور اس کے
بعد اپنے نظریہ کی توضیح ان الفاظ میں فرمائی۔

(۱) موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ نسل و مذہب
سے (۲) قوم کا اطلاق ایسی جماعت پر کیا جاتا ہے جس میں کوئی وجہ جامعیت
ہو خواہ وہ مذہب ہو یا وطنیت یا نسل یا پیشہ یا رنگت یا کوئی اور صفت
معنوی ہو یا مادی وغیرہ۔

۳۔ یہ دعویٰ کہ اسلام کی تعلیم، قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود یا نسلی
وحدت یا رنگ کی یکسانی کے بجائے شرف انسانی اور اخوت بشری پر رکھی
ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کون سی نص قطعی یا ظنی سے ثابت ہے۔"

(مدینہ اخبار ۱۲ر فروری ۱۹۳۸ء)

جن خوش بخت حضرات کو علامہؒ کے قرب کی سعادت نصیب تھی
ان کا بیان ہے کہ انھوں نے (حضرت علامہؒ نے) جب اس بیان کو پڑھا

تو وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے تھے اور کہتے تھے کہ یا الٰہ العالمین! اس ہندوستان میں تیرے اس پیغام ازلی کا کیا انجام ہونے والا ہے! جہاں کے مقتدیان دین متین اور حامیان شرع مبین کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اس نظریہ کو اسلامی نظریہ قرار دے رہے ہیں جس باطل نظریہ کو مٹانے کے لیے اسلام آیا تھا اور جب تک اسے عملاً فنا نہیں کر دیا گیا دین کی تکمیل اور اتمام نعمت کا اعلان نہیں ہوا۔ حضرت علامہؒ بایں دنوں مرض الموت کے سخت دورے پڑ رہے تھے لیکن مسئلہ کی اہمیت اتنی تھی کہ انھوں نے جان تک کی پروا نہیں کی اور اس کے متعلق ایک نہایت بسیط اور جامع بیان اخبارات میں شائع فرما دیا اور یوں اس مسلسل جہاد کی تکمیل فرما دی جس کے اندر ان کی تمام زندگی صرف ہوئی تھی وہ جواب اس قدر مسکت اور مستحکم تھا کہ مولانا صاحب کو کہنا پڑا کہ "میرا مقصود ملی کے بیان میں اخبار تھا انشاد تھا "متحدہ قومیت اور اسلام" یعنی یہ کہ میں نے صرف یہ بتایا تھا کہ آج کل یورپ کا نظریہ یہ ہے کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ مسلمانوں کو یہ مشورہ نہیں دیا تھا کہ تم بھی اپنی قومیت کی بنا جغرافیائی حدود قرار دے لو۔ اس کے بعد حضرت علامہؒ انتقال فرما گئے اور یوں اس بحث کا دروازہ بند ہو گیا لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ حضرت علامہؒ کی وفات کے قریب چھ ماہ بعد مولانا صاحب نے مرحوم کے آخری بیان کی تردید میں ایک پمفلٹ بعنوان "متحدہ قومیت اور اسلام" شائع کرا دیا جو اس وقت ہمارے زیر نظر ہے اس میں شبہ نہیں کہ نفس موضوع کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ مولانا صاحب اس سے متعلق پمفلٹ نہیں بلکہ ایک ضخیم کتاب شائع فرما دیتے لیکن ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ جس انداز سے پمفلٹ

لکھا گیا ہے وہ کچھ پسندیدہ نہیں۔ اس میں اتمامِ حقیقت سے زیادہ زور حضرت علامہؒ کی تردید میں صرف کیا گیا ہے اور وہ بھی اس طرح سے کہ غم و غصہ کے انتقامی جذبات ایک ایک صفحہ سے اُبلتے نظر آتے ہیں جو اس بات کے غماز ہیں۔ کہ اس تحریر کا محرک کونسا جذبہ تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایسے وقت میں جبکہ اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ فریق ثانی موجود ہی نہیں ہے جو کسی کے جی میں آئے کہہ ڈالنے سے لکھنے والے کا کلیجہ تو ٹھنڈا ہو جاتا ہے لیکن یہ طرزِ عمل کس چیز کا آئینہ دار ہوتا ہے اربابِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت علامہؒ زندہ ہوتے تو ملّتِ اسلامیہ کے سامنے اس پمفلٹ کے جواب کے بہانہ سے قرآن کریم کے حقائق و معارف کا ایک اور باب کھل جاتا۔ اب اُن کی جگہ لینے والا کون ہے لیکن مولانا صاحب کو مطمئن رہنا چاہیئے کہ

اگرچہ میکدہ سے اُٹھ کے چل دیا ساقی
وہ مے۔ وہ خم وہ صراحی وہ جام باقی ہے

اور خم کدۂ اقبال میں ایسے ایسے رندانِ قدح خوار موجود ہیں جو ساقی کی چشمِ مست کے صدقے شرابِ حجازی اور بادۂ حجازی میں ایک نگاہ میں تمیز کر کے بتا دیں۔ طلوعِ اسلام جسے پیامِ اقبال کی نشر و اشاعت کا فخر حاصل ہے۔ اپنا فریضہ سمجھتا ہے۔ کہ قرآن کریم کی روشنی میں متحدہ قومیت کے نظریہ کا تجزیہ کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کر دے تاکہ وہ سعید روحیں جو تلاشِ حقیقت میں مضطرب و بے تاب رہتی ہیں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ کر سامانِ تسکین حاصل کر لیں۔ وما توفیقی الّا باللہ

طرزِ استدلال:۔ آپ نے عام طور پر دیکھا ہوگا کہ ہمارے قومیت

پرست حضرات اپنے دعاوی کی تائید میں ایک عجیب حربہ سے کام لیتے ہیں۔ جب کبھی ایسا ہو کہ وہ چاروں طرف سے گھر جائیں کوئی راہِ مفر نظر نہ آئے۔ جواب بن نہ پڑے۔ دلائل عاجز آجائیں تو اس وقت ان کے ترکش کا آخری تیر نکلتا ہے اور وہ فریقِ مقابل سے نہایت جرأت وبے باکی سے کہہ دیتے ہیں تم برطانیہ پرست ہو، طرح کے حامی ہو، انگریز کے پٹھو ہو۔ رجعت پسند ہو۔ ٹوڈی ہو۔ آزادی کے دشمن ہو اور اس کا اس زور سے ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں کہ اصل موضوع اس شور میں گم ہو کے رہ جاتا ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ان اوچھے ہتھیاروں پر عام سطح کے لوگ ہی اتر تے ہوں گے لیکن ہمیں دیکھ کر بے حد تأسف ہوا کہ مولانا صاحب نے بھی اس باب میں اس حربہ سے کام لیا ہے چنانچہ جن اخبارات نے ان کے پہلے بیان کی مخالفت کی تھی ان کے متعلق ارشاد ہے:۔

"اگرچہ بحیثیت واقعیت سے اشخاص سے غلط فہمی کا ازالہ ہو چکا ہے اور ان برطانیہ پرست اخباروں کی افترا پردازی اور جھوٹے پروپیگنڈے کا پردہ اٹھ گیا ہے۔" (متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۴۰)

برطانیہ کے ازلی وفاداروں کو کب ایسی بات کا تحمل ہو سکتا تھا۔"
(ایضاً صفحہ ۸۰)

اپنے رسالہ کے متعلق یوں پیش بندی کرتے ہیں کہ

"اگرچہ بہت سے ان لوگوں سے جن کو برطانیہ سے گہرا تعلق ہے یا جن کے دماغ اور قلب برطانی مدبرین کے سحر سے ماؤف ہو چکے ہیں امید نہیں کہ وہ اس کو قبول کریں گے۔" (ایضاً صفحہ ۲)

جن حضرات کی نگاہیں نفسیاتِ انسانی پر ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی پیش بندیوں کی ضرورت کب اور کیوں لاحق ہوا کرتی ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

ظاہر ہے کہ اسٹیبلشمنٹ علماء کے اس اثر و نفوذ کو جو وہ کانگریسی اثرات اور گاندھوی نظریات کو مسلمانوں میں پھیلانے کے لیے معروف و مشغول تھے اور ستم یہ کہ ان باطل خیالات کی تائید و حمایت میں اگر ایک مفسر قرآن بن کر تو دوسرا شیخ الحدیث کہلا کر اسلام کی عطا کردہ عزت و عظمت اور دین ہی کے تفویض کردہ وقار و احترام کو مفاد مسلم اور اسلام کی مستقل اقدار کے خلاف استعمال کر رہے تھے تو دوسری طرف وہ علمائے کرام اور بزرگان عظام بھی تھے جو مسلمانوں کی اس ملی تحریک (تحریک قیام پاکستان) کو صحیح و درست تسلیم کرتے ہوئے مسلم لیگی قیادت و سیادت کی تائید و حوصلہ افزائی فرما رہے تھے۔

ان روشن ضمیر، اسلام شناس اور رہنمایان ملت میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کا ایک خط ملاحظہ فرمایئے۔ جو آپ نے ناظم دارالعلوم دیوبند و صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (ضلع سورت) کی حیثیت سے لکھا۔

"بعد سلام مسنون۔ آں کہ آپ نے شرکت کانگریس کے متعلق میرے خیالات دریافت کیے ہیں۔ اس مسئلے کے متعلق میں اپنے خیالات کا اعلان پہلے بھی کر چکا ہوں۔ اب پھر لکھتا ہوں کہ میں کبھی کانگریس میں شامل تھا اور نہ اب شامل ہوں بلکہ اس شمول پر میں نے کانگریسی علماء سے کئی دن تک بہت شدومد سے بحث کی جس کا تذکرہ اخبارات میں آچکا ہے۔ قومیت متحدہ کا نظریہ جو کانگریس کے دستور اساسی کا بنیادی پتھر ہے اس معنی میں جو کانگریس کے اکثر اس سے ارادہ کرتے ہیں۔ میرے نزدیک شرعی نقطۂ نظر سے کبھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔

"میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں نہ سیاسیات میں کوئی خاص اشتغال رکھتا ہوں تاہم اپنی قوم کے سود و بہبود کو سوچنا اس کا ایک جزو ہونے کی حیثیت سے میرے لیے بھی ناگزیر ہے جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے لیے سب سے پہلے ایک خالص اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے اس کے بدوں کسی نام نہاد قومیت متحدہ کے تیز دو دھارے میں گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے کو ڈال دینا خودکشی کے مرادف ہے۔ مسلمان دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں۔ عہد و پیمان کر سکتے ہیں۔ بہت سے امور میں تعاون اور اشتراک عمل کر سکتے ہیں لیکن وہ اپنی مستقل ہستی کو دوسروں میں ضم نہیں کر سکتے۔

میں اپنے لیے زر پرست کا خطاب پسند کرتا ہوں مگر اپنی قوم کا غدار یا قوم فروش کہلانا کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ شاعر حکیم اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے ؎

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی
لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی
بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو
دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی
پختہ ہو کر اپنی شاخ دین سے ہوتا ہے جدا
اے ثمر شجر محبت میں تری خامی بھلی

اسی کے ساتھ میرا عقیدہ ہے کہ ہماری ناکامی و نامرادی کا اصلی سبب شریعت کاملہ محمدیہ کے اصول و احکام سے اعراض و انحراف ہے اور اسی کے نتیجے میں اس تحزیب و تفریق کا عذاب ہم پر مسلط ہے جس کی طرف قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن

فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم باس بعض میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اسی لیے میرا سب سے بڑا مطمح نظر یہ ہے کہ جہاں تک استطاعت میں ہو مسلمانوں کو اتباع شریعت اور تمسک اسوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کیا جائے۔ نیز ان کی پارٹی بندیوں کو اگر بالکلیہ ختم نہ کیا جا سکے تو ان کو کم کرنے اور ایک دوسرے سے قریب لانے اور خلاف و شقاق کے مضار کو محدود کر دینے کی سعی جاری ہے

رہا دار العلوم دیوبند کا معاملہ جیسا کہ پہلے بھی بارہا اعلان کیا جا چکا ہے وہ مسلمانان ہند کی ایک محبوب و مشترک متاع ہے سیاسی پارٹی بندیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی وہ مسلک ہے جو میرے زمانے میں مجلس عاملہ دار العلوم نے بالاتفاق طے کیا ہے اور دار العلوم کے تمام ملازمین و مدرسین کو سختی کے ساتھ اس کا پابند کیا۔ جو خبریں اس کے خلاف شائع کی جا رہی ہیں بعض بالکل بے اصل اور بعض سخت مبالغہ آمیز ہیں۔"

راقم شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

از ڈابھیل، ضلع سورت ۳ رجب ۱۳۵۹ھ

مکالمۃ الصدرین

یعنی

صدر جمعیۃ علماء اسلام اور صدر جمعیۃ علماء ہند و دیگر ارکان جمعیۃ علماء ہند کا وہ سیاسی مکالمہ جو مسائل حاضرہ کے متعلق باہم ہوا۔

جس نے

موجودہ مسائل کے اختلافی پہلو ایسے روشن کر دیے ہیں کہ کسی تاویل و حیلہ کی گنجائش نہیں رہی۔

باہتمام احقر محمد انور کی دیوبندی
دارالاشاعت دیوبند ضلع سہارنپور سے شائع ہوا
قیمت ۴ر بغرض اشاعت و تقسیم خریدنے والوں کے لیے ۱۰ روپے سینکڑہ

یہ وہ تاریخی مکالمہ ہے جس سے صاحب ایمان و بصیرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی روشن ضمیری اور تیز فہمی جسے مومن کی فراست کہا جاتا ہے کا پتہ چلتا ہے اور ساحرین برطانیہ کے سحر سے مسحور اور دار و دھا کے سامری کے عطا کردہ بادہ متحدہ قومیت و وطنیت کے نشہ میں مخمور دین و ملت کی صورت بگاڑنے والے نیشنلسٹ علماء کی اسلام ناشناسی اور کج بینی کا بھی صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وہ اندوہناک، غم انگیز اور جوش ربا مرحلہ تھا کہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے ان کانگریسی مولویوں کی اسلام کی مستقل اقدار سے دوری و بے خبری کو بھانپ کر بصد درد و اضطراب فرمایا تھا ؎

زمین کیا آسمان بھی تری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

اس مکالمہ میں ایک مرد مومن کی شوخیٔ ادراک اور دینی فہم و فراست اور ملی درد کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ مکالمہ پڑھنے کے بعد تسلیم کریں گے کہ ایک مرد حق۔ ایک خود بین اور خدا بین عالم اور ان کے درمیان کیا فرق ہوتا ہے، جن کا دل و دماغ اور علم و زبان گرو غیر ہو۔
ملاحظہ فرمایئے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکالمۃ الصدرین

گفت و شنید کی ابتدا کیسے ہوئی؟
غالباً یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند دہلی اپنی کسی ضرورت سے دیوبند تشریف لائے تھے اس وقت وہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے دولتکدہ پر بھی بغرض عیادت و مزاج پرسی حاضر ہوگئے۔

دوران مزاج پرسی میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے علامہ عثمانی سے فرمایا کہ ہمیں کچھ آپ سے حالات حاضرہ پر نیاز مندانہ گذارشات کرنی ہیں۔ مسئلہ پر شرعی حیثیت سے تو ہم آپ سے کیا گفتگو کرتے۔ یہ درجہ تو ہمارا نہیں البتہ کچھ واقعات ایسے بیان کرنے ہیں۔ جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ شاید وہ آپ کے علم میں نہ آئے ہوں۔ ممکن ہے کہ ان واقعات کو سن کر حضرت والا کی جو رائے قائم شدہ ہے اس میں تغیر ہو جائے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں گفتگو کے لیے ہر وقت حاضر ہوں۔ جب دل چاہے تشریف لائیے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ اس گفتگو میں میرے ساتھ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین دہلی برادر زادہ علامہ عثمانی، کوئی تیسرے صاحب جو مناسب ہوں گے اس کے بعد ۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا دہلی سے ایک خط بذریعہ ڈاک بنام علامہ عثمانی موصول ہوا جو بجنسہٖ درج ذیل ہے:۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا خط بنام حضرت علامہ عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

از ندوۃ المصنفین دہلی ۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

ذوالمجد الکرم استاذی ادام اللہ فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ مزاج اقدس۔ کل دیوبند سے ۹ بجے

کو چل کر دہلی پہنچ گیا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب سے شب میں گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ جمعیۃ العلماء ہند کی ایک خصوصی مجلس مشاورت وہ جمعرات کے روز دیوبند بلانا چاہتے ہیں تاکہ جمعیۃ العلماء سے متعلق بعض اہم معاملات پر گفتگو ہو سکے۔ اس مشاورت میں غالباً حضرت مفتی صاحب (مولانا کفایت اللہ صاحب) اور مولانا احمد سعید صاحب بھی شرکت فرمائیں گے۔

میں نے اپنے اس معروضہ کے پیش نظر جو حضرت والا میں حاضر ہو کر پیش کیا تھا اب یہ مناسب سمجھا کہ مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب اور میں جمعرات کو شب میں پہنچیں اور جمعہ کے دن گذارشات پیش کریں۔ اب میری یہ بھی سعی ہوگی کہ اکابر جمعیۃ العلماء بھی اس گفتگو میں حصہ لیں تو اکابر علمائے دیوبند کے سیاسی افکار کی یک جہتی میں انشاء اللہ بہت مدد ملے گی۔ اگر میری گذارشات منظور ہو گئیں تو جمعہ کے دن نو بجے یہ گفتگو آپ ہی کے دولت کدہ پر ہو جائے تو بہت بہتر۔ باقی اپنی مشاورت تو شب میں اور باقی دوسرے وقت بھی ہو سکتی ہے۔"

خادم محمد حفظ الرحمن کان اللہ لہ، ۲۷ ذی الحجہ ١٣٦٤ھ

اس پروگرام کے بموجب ۷ دسمبر ١٩٤٥ء یوم جمعہ کو ساڑھے آٹھ بجے حضرت مولانا حسین احمد صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند (۲) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیۃ العلمائے ہند (۳) حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلمائے ہند (۴) مولانا حفظ الرحمن صاحب حال ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلمائے ہند (۵) مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی (۶) مولانا عبد الحنان صاحب (۷) مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب علامہ عثمانی کے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ علامہ عثمانی نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ان حضرات

سے ملے۔ کچھ دیر مزاج پرسی ہوتی رہی۔ عیادت کے بعد چند منٹ مجلس پر سکوت طاری رہا۔ یہ خاموشی غالباً اس لیے تھی کہ کون ابتدا کرے اور کس نوعیت سے مسئلہ پر گفتگو کا آغاز ہو۔

چونکہ علامہ عثمانی کو ابتدا کرنا مقصود نہ تھا اور یہ حضرات از خود تشریف لائے تھے اس لیے علامہ عثمانی بھی خاموش رہے۔ آخر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مسائل حاضرہ پر گفتگو کی ابتدا کی اور ایک طویل تقریر فرمائی جو تقریباً پون گھنٹہ جاری رہی۔

علامہ عثمانی برابر اس تقریر کو بغور سنتے رہے۔ جب وہ تقریر فرما چکے تو علامہ عثمانی نے فرمایا کہ مجھے الفاظ اور ما جرا تو آپ کی لمبی چوڑی گفتگو کے محفوظ نہیں رہے البتہ جو تلخیص میرے ذہن میں آئی ہے اس کا جواب بلا لحاظ ترتیب عرض کروں گا۔ اگر کوئی ضروری بات رہ جائے تو آپ یاد دلا کر اس کا جواب مجھ سے لے سکتے ہیں۔

اس گفت و شنید کا سلسلہ سوا تین گھنٹہ مسلسل جاری رہا۔ اس مکالمہ میں سب سے زیادہ حصہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب لیتے رہے اور دوسرے درجہ میں مولانا احمد سعید صاحب ان کے شریک رہے۔ کبھی کبھی اور صاحب بھی کچھ بول پڑتے تھے لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو مزاج پرسی کے بعد سکوت اختیار فرمایا وہ ختم مجلس تک ختم نہیں ہوا۔ کسی موقعہ پر بھی ایک حرف نہیں بولے علامہ عثمانی کو اس طویل سکوت پر خود حیرت تھی وہ بحث میں ترکیا حصہ لیتے اشارۃً کنایۃً بھی کسی موضوع پر اثباتاً یا نفیاً کسی طرح کا اظہار خیال نہیں فرمایا۔ آخر مجلس میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کچھ بولے جو تقریباً دس منٹ سے زیادہ نہ تھا۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمعیۃ العلمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیۃ العلماء اسلام کے سلسلہ میں دہلی آئے اور حکیم وزیر حسن صاحب کے ہاں قیام کیا جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی صاحب اسی قیام کے دوران میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان عہدہ دار سے ملے جن کا نام بھی تمدے قسم کے ساتھ بتلایا گیا اور مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیۃ العلماء ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لیے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کے لیے دے گی چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کے لیے منظور کر لی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی صاحب کے حوالہ بھی کر دی گئی۔ اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا آزاد سبحانی صاحب نے اس کے بعد کلکتہ میں جلسہ کیا جلسہ میں انھوں نے جو کچھ کہا اس کی وہ آپ کے علم میں ہے۔ ان کی تلون مزاجی بھی سب کو معلوم ہے۔ ایک زمانہ میں وہ گاندھی کے ساتھ سایہ کی طرح رہتے تھے۔ پھر کچھ دنوں بعد ان کے خلاف ہو گئے۔ بہرحال اس مسلمان افسر کا تبادلہ ہو گیا اور ایک ہندو ان کی جگہ آگیا جس نے گورنمنٹ کو ایک نوٹ لکھا جس میں دکھایا گیا کہ ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف ہونا بالکل

بیکار ہے۔ اس پر آئندہ کے لیے امداد بند ہو گئی۔ اسی ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا۔ اس کے بعد مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے پاکستان کی صورت میں جو نقصانات ان کے نزدیک تھے وہ بڑے بسط کے ساتھ بیان کیے اور دکھلایا کہ مسلمانوں کے لیے نظریۂ پاکستان سراسر مضر ہے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ نے کلام اس قدر طویل کر دیا کہ فرداً فرداً ہر ایک چیز کا جواب دینا مشکل ہے۔ میں جو کچھ یاد رکھ سکا ہوں ان کے جوابات دوں گا۔ اگر کسی چیز کو بھول جاؤں تو آپ مجھے یاد دلا کر اس کا جواب لے لیں۔

علامہ عثمانی کا جواب

پہلے میں اس معاملہ کی نسبت گفتگو شروع کرتا ہوں جو آپ نے مولانا آزاد سبحانی کے متعلق فرمایا ہے۔ جو حکایت آپ نے بیان کی میں خود اس کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب ممکن ہے آپ سچ کہتے ہوں مجھے اس سے پہلے ہی بذریعہ ایک گمنام خط کے (جو دہلی سے ڈالا گیا تھا) یہی بتلایا گیا تھا اور مجھے بھی اس خط میں یہ دھمکی دی گئی تھی یہ روایت صحیح ہو یا غلط بہرحال میرے علم میں آ چکی ہے لیکن اس روایت سے مجھ پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اور میری رائے کیا متاثر ہو سکتی ہے۔ میں نے جو رائے پاکستان وغیرہ کے متعلق قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے۔ جمعیۃ العلماء اسلام میں آزاد سبحانی رہیں یا نہ رہیں، جمعیۃ العلماء اسلام خود قائم رہے یا نہ رہے میری رائے جب

بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لیے پاکستان مفید ہے۔ اگر میں تھوڑی دیر کے لیے اس روایت کو تسلیم بھی کر لوں کہ جمعیۃ العلماء اسلام گورنمنٹ کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔ تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کانگریس کی ابتدا کس نے کی تھی اور کس طرح ہوئی تھی؟ آپ کو معلوم ہے کہ ابتداءً اس کا قیام ایک وائسرائے کے اشارہ پر ہوا تھا اور برسوں وہ گورنمنٹ کی وفاداری کے راگ الاپتی رہی ہے۔

بہت سی چیزوں کی ابتدا غلط ہوتی ہے مگر انجام میں بسا اوقات وہی چیز سنبھل جایا کرتی ہے۔ ہم نے مولانا آزاد سبحانی یا جمعیۃ العلمائے اسلام کی وجہ سے مسلم لیگ کی تائید نہیں کی بلکہ دیانتہً یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم ہونا چاہیے اور علماء ملت کو اس کی پشت پناہی اور اصلاح میں جد و جہد کرنی چاہیے۔ عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی سیاسی جماعت یا تحریک کا مخالف ہو تو اسی قسم کی باتیں اس کے حق میں مشتہر کی جاتی ہیں۔ دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہیں تھا کہ وہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گذرتا تھا۔ اب اسی طرح اگر حکومت مجھ یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد علامہ عثمانی نے اشارہ کر کے فرمایا کہ ان مولوی عتیق الرحمن صاحب سے آپ پوچھئے کہ معاملات دار العلوم کے سلسلہ میں دیوبند کے بعض پارٹی!

انھوں اس نے آپ کے سامنے نہایت قطعی الفاظ میں کہا یہ نہیں کہا تھا کہ وائسرائے کے دفتر میں ہم اپنی آنکھوں سے وہ چٹھی دیکھ کر آئے ہیں جس کے ذریعہ مولانا مدنی کو شبیر احمد عثمانی نے گرفتار کرایا ہے۔ نعوذ باللہ علیٰ اکاذیبہم۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کیا اس میں ذرا بھی کوئی اصلیت ہے۔ اس پر مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے آنکھیں نیچی کر لیں اور خاموش ہو رہے۔

اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات کے متعلق بھی عام طور پر مشہور کیا جاتا ہے کہ آپ ہندوؤں سے لے کر کھا رہے ہیں کیا یہ صحیح چیزیں ہیں۔ اب ہمیں ان سب قصوں سے بالکل علیحدہ رہ کر طے کرنا چاہیے کہ کونسا راستہ اختیار کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے اور کس راستہ میں ان کا نقصان قطع نظر اس سے کہ وہ بات انگریز کے ایجنٹ کی زبان سے نکلے یا کسی ہندو کا دلال کہے۔ (مرتب)

لہٰذا اب میں مزید گفتگو سے پہلے تین چیزیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

گفتگو کا محور

پہلی چیز دریافت طلب یہ ہے کہ

۱۔ جو فارمولا جمعیۃ العلمائے ہند نے پاکستان کا نعم البدل ظاہر کر کے ملک کے سامنے پیش کیا اور جس کا حوالہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں بھی دیا ہے۔ اس فارمولا کو آپ نے کم از کم کانگریس سے منوا لیا ہے یا نہیں؟

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے کہا مگر ذرا مجھے بھی ہوں۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا

فارمولا کانگریس نے تسلیم کر لیا ہے یا نہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ہمارا یہ اصول نہیں ہے کہ ہم جنگ آزادی کی شرط کے طور پر ہندوؤں سے کوئی چیز منوالیں۔

۲۔ دوسری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ آپ جو کچھ گفتگو اس وقت مجھ سے فرمانا چاہتے ہیں وہ کس تقدیر پر ہے۔ آیا یہ فرض کرتے ہوئے کہ انگریز حکومت ہندوستان سے چلی گئی ہے یا جا رہی ہے۔ یا یہ مان کر کہ ابھی وہ موجود ہے اور سردست جا نہیں رہی گویا یہ جو کچھ لینا ہے، اُسی سے لینا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ انگریزی حکومت ابھی ہندوستان میں موجود ہے اس کی موجودگی تسلیم کرتے ہوئے جو کچھ لینا ہے اُسی سے لینا ہوگا۔

۳۔ تیسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ آپ حضرات جو انقلاب چاہتے ہیں وہ فوجی انقلاب ہے یا آئینی۔

اس کا جواب دیا گیا کہ فوجی انقلاب کا تو اس وقت کوئی موقع ہی نہیں نہ فی الحال اس کا امکان ہے۔ نہ اس کے وسائل مہیا ہیں اس وقت تو آئینی انقلاب مقصود ہے۔

علامہ عثمانی نے بحث کا رُخ متعین کر لیا۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ بس اب بحث کا رُخ متعین ہو گیا۔ اب کلام اس پر ہے گا کہ سردست انگریزی حکومت کی موجودگی کے باوجود آئینی انقلاب میں کونسا راستہ مسلمانوں کے لیے مفید ہے آیا وہ راستہ جو جمعیۃ العلمائے ہند نے تجویز کیا ہے۔ یا پاکستان کا راستہ جو مسلم لیگ اختیار کر رہی ہے۔

پاکستان کے نقصانات کا اظہار وفد جمعیۃ العلمائے ہند کی

طرف سے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی طویل تقریر میں فرمایا کہ پاکستان قائم ہونے میں مسلمانوں کا سراسر نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔

بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ۵۳ فی صدی ہے۔ فلاں صوبہ میں اس قدر فلاں میں اتنی اور آسام میں اکثریت دوسروں کی ہے ہر جگہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں غیر مسلم اقلیت اتنی زبردست ہے کہ مسلمان اس سے کسی طرح بھی عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے اور بہت ہی تھوڑی اکثریت کچھ نہ کر سکے گی۔ بلکہ ہمیشہ معرض خطر میں رہے گی۔

ادھر مسٹر جناح یہ کہتے ہی بچھے ہیں کہ پاکستان میں جمہوری طرز کی حکومت ہوگی ایسی شکل میں ظاہر ہے مسلمانوں کو پاکستان سے کوئی بھی فائدہ نہ ہوگا بلکہ تنظیم، دولت اور تعلیم وغیرہ میں پست ہونے کی وجہ سے ترپن فی صدی مسلمانوں کی اکثریت سینتالیس فی صدی غیر مسلم اقلیت ہی کے عملاً تابع و محکوم رہے گی۔ سکھ نہایت جنگجو قوم ہے وہ کسی طرح بھی پاکستان قائم نہ رہنے دے گی۔ ادھر جاٹوں کی قوم ہے۔ وہ بھی مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دے گی۔ پاکستان ہر ہر صوبہ کا جدا جدا بنے گا یا تمام مسلم صوبوں کا پاکستان ایک ہوگا۔

اس موقعہ پر علامہ عثمانی نے پوچھا کہ کیا آپ کے نزدیک پاکستان کا مطالبہ کرنے والے صوبہ وار جدا پاکستان بنانا چاہتے ہیں یا تمام مسلم اکثریت والے صوبوں کا ایک پاکستان مطلوب ہے؟ جواب دیا گیا کہ نہیں پاکستان تو ایک ہی بنانا چاہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا تب صوبجاتی اعداد کی گفتگو اس موقع پر بے کار ہے۔

جمعیۃ العلماء اور مسلم لیگ کے فارمولا کے جدا جدا نتائج

مولانا عثمانی نے فرمایا تو اس وقت ہم کو پاکستان کی مرکزی حکومت

میں یہ دیکھنا چاہیے مسلم اور غیر مسلم کی آبادی میں کیا تناسب ہے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف سے کہا گیا کہ پاکستان میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی چھ کروڑ ہوگی اور غیر مسلم تین کروڑ ہوں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تعداد غلط ہے۔ مجموعہ میں مسلمان تقریباً سوا سات کروڑ ہیں لیکن ہم سات کروڑ تسلیم کرلیتے ہیں اور غیر مسلم جو تین کروڑ سے کم ہیں ان کو پورے تین کروڑ کردیا جائے۔ اس تعداد سے سات اور تین کی نسبت مسلم و غیر مسلم کے درمیان ہوگی اور مجموعہ آبادی میں آپ کے فارمولے کے مطابق ساٹھ اور چالیس کی نسبت ہوگی یعنی مسلمان ساٹھ فی صدی اور غیر مسلم چالیس فی صدی ہوں گے حالانکہ اس صورت میں مجموعہ میں مسلمان تقریباً ستر فیصدی اور غیر مسلم تیس فی صدی ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ کا مسکت و حقیقت افروز جواب

آخری

وفد جمعیۃ العلماء کی لاجوابی

مگر علامہ عثمانی نے اس وقت اس سے بھی اغماض کرکے اور ان کے ہی بیان کردہ تناسب کو صحیح مان کر اس پر کلام فرمایا۔ آپ نے کہا کہ اب آپ فارمولا پر نظر ڈالیے کہ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مرکزی حکومت میں کیا تناسب رہتا ہے تو آپ کے فارمولا کی رو سے مرکز میں چالیس مسلمان ہوں گے اور چالیس ہندو اور بیس فی صدی میں دیگر اقلیتیں ہوں گی۔ اس طرح سے آپ کے فارمولا کے لحاظ سے غیر مسلموں کی تعداد ساٹھ فیصدی اور مسلمانوں کی تعداد ۴۰ فیصدی ہوگی اور

مسلم لیگ کے پاکستانی فارمولا میں (بقول آپ کے یہی نسبت علی العکس رہے گی یعنی) ساٹھ فی صدی مسلمان اور چالیس فی صدی غیر مسلم ہوں گے حالانکہ حقیقی تناسب پاکستانی فارمولا میں ستّر فی صدی اور تیس فی صدی کا ہوتا ہے، اب آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ آپ کے اس فارمولا سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا، ہم اگر ساٹھ فیصدی رہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے تو چالیس فی صدی کیا کر سکیں گے۔

نوٹ:۔ جمعیۃ العلماء کے فارمولے میں یہ بھی مندرج ہے کہ خالص اسلامی مسائل میں دو تہائی مسلمان اگر کسی چیز کے مخالف ہوں گے تو وہ چیز مسلمانوں کے لیے قبول نہیں کی جائے گی۔ اس شرط سے کسی درجہ میں مضر امور کا تدارک تو ہو سکتا ہے۔ لیکن خاص مسلمانوں کے حق میں جو ضروری یا مفید امور ہوں، اُن کے خاطر خواہ حاصل ہونے کی کوئی تدبیر نہیں کیونکہ مرکز میں مسلم تعداد چالیس اور غیر مسلم تعداد ساٹھ فیصدی ہوگی۔ ایسی تمام تجاویز غیر مسلم اکثریت کے رحم و کرم پر رہیں گی۔ اور یہ معاملہ بھی کہ خالص اسلامی مسئلہ کون سا ہے۔ اکثریت ہی طے کرے گی۔

اس موقع پر کہا گیا کہ عیسائی ہمارے ساتھ ہو جائیں گے علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جب پاکستان کا فارمولا سامنے آتا ہے۔ تو عیسائی مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم بلاک میں شمار کیے جاتے ہیں اور جب جمعیۃ العلمائے ہند کا (مقدس) فارمولا پیش کیا جاتا ہے تو وہی عیسائی گویا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں) اور مسلمانوں کے ساتھ میں شمار کیے جانے لگتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ غیر مسلم سب کے سب بہرصورت ایک ہی شمار ہوں گے (الکفر ملۃ واحدۃ) اور خالص مسلمانوں کو ان سب کے مقابل رکھ کر مسئلہ پر غور کرنا چاہیے۔ وفد جمعیۃ العلماء

آخر کار اس کو تسلیم کر لیا۔ اگر پاکستان ہندو کے لیے مفید ہے تو وہ اس کی مخالفت کے لیے اس قدر مضطرب کیوں ہے؟

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ پاکستان قائم ہونے میں سراسر مسلمان کا نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے اگر یہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا آپ یہ بتلا سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان سے پھر کیوں اس درجہ مضطرب و خائف اور اس کی انتہائی مخالفت پر تلا ہوا ہے کیا آپ باور کر سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان کی مخالفت محض اس لیے کر رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں کا نقصان ہے اور وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کا نقصان دیکھنے کو تیار نہیں ان کا تو اعلان یہ ہے کہ جو جماعت یا جو شخص بھی پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہوگا کانگریس اس کی ہر طرح سے امداد کرے گی۔

اس وعدہ کا تعلق کسی شخص خاص سے نہیں کانگریس کے پورے ادارے سے ہے اور ان کا قول ہے پاکستان ہماری لاشوں پر بن سکتا ہے وغیرہ وغیرہ آخر یہ پُر زور اور انتہائی مخالفت کیوں ہے۔

اس کے جواب میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ان کی کوئی مصلحت ہوگی۔ لیکن اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا اور بار بار اس پہلو سے گریز کیا جاتا رہا۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس کی جو کچھ بھی مصلحت ہو آخر آپ حضرات نے بھی کچھ غور کیا کہ وہ مصلحت کیا ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک تو اس کی مخالفت کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ انگریز کی حکومت تو سر دست اوپر کا نہ ہے جسے آپ خود شروع میں تسلیم کر چکے ہیں۔ ہندو یہ چاہتا ہے کہ انگریزی حکومت کے زیر سایہ دس کروڑ مسلمانوں میں سے ایک شخص کی گردن پر سے بھی ہندو اکثریت کا جُوا کبھی اور کہیں اترنے نہ پائے

اور اس طرح مسلمان ہمیشہ انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں باختیار خود پستے رہیں۔

علامہ عثمانی نے کئی بار اس چیز کو ان لوگوں سے پوچھا مگر ان سے کوئی شافی جواب ہاتھ نہ آیا۔ اس کے بعد جمعیۃ العلماء ہند کے وفد کی طرف سے کہا گیا کہ اچھا اگر پاکستان بن جائے تو تین کروڑ کی مسلم اقلیت ہندو صوبوں میں رہے گی، اس کی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا علامہ عثمانی نے فرمایا کہ ان کے لیے معاہدات ہوں گے۔ ان ہی معاہدات کے ماتحت مسلم اقلیت ان کے ہاں اور ہندو اقلیت ہمارے یہاں رہے گی اور ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے تلے دبا رہے گا۔ آخر اکھنڈ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کس طرح ہوگی۔ اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا احمد سعید صاحب نے موضوع گفتگو بدل کر کہا۔

علیگڑھ کالج پر اتہام

ابھی حضرت یہ علیگڑھ کے نیچری علماء کے وقار کے دشمن ہیں۔ یہ لوگ اگر مسلمانوں کے رہنما بن گئے تو دین کو برباد کر دیں گے۔ علماء کو مٹا دیں گے، اس سلسلہ میں ان بدتمیزیوں کا بھی ذکر کیا گیا جو بعض مقامات میں مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ کی گئی تھیں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا کہ مسلم لیگ سا جاؤں۔ نوابوں۔ خطاب یافتہ لوگوں کی جماعت ہے۔

سر فیروز خان نون کے متعلق فرمایا کہ وہ حکومت کے اشارہ سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں داخل ہوئے ہیں۔ اور وہ کھلے طور پر سرکاری آدمی ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ سر فیروز خان نون کے متعلق میں بحث

نہیں کرتا آپ جو چاہیں کہیں لیکن مسٹر جناح کے متعلق میرا یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ سرکاری آدمی ہیں یا وہ کسی دباؤ یا لالچ میں آ سکتے یا کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب کے اس کہنے پر کہ علیگڑھ کے تعلیم یافتہ اور دوسرے بعض فرقے علماء کا اقتدار مٹانا اور دین کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو مشکلات ہوئیں ان کا حل آپ کے ذہن میں کیا ہے وہ بھی فرمائیے۔ اس پر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کچھ خاموشی سی طاری ہو گئی۔ پھر وفد کی طرف سے کہا گیا کہ حضرت آپ ہی فرمائیں کیا حل ہے۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ یہ خوب رہی مشکلات تو بیان فرمائیں آپ اور حل بتلاؤں میں آخر آپ نے بھی تو کچھ اس کا حل سوچا ہوگا۔

علماء کی مشکلات کا حل علامہ عثمانی کی طرف سے

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اچھا لیجئے میں ہی اس کا حل عرض کرتا ہوں میرے نزدیک اس کا حل صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ سب حضرات مل کر مسلم لیگ میں داخل ہو جائیں اور داخل ہو کر اس پر قبضہ کریں اور ایک دو مہینے دورہ کر کے تین چار لاکھ دین سمجھنے والے ممبر مسلم لیگ کے بھرتی کرائیں۔ جب ہمارے ہم خیال ممبران کی اتنی بھاری تعداد مسلم لیگ میں داخل ہو جائے گی تو پھر ہم عوام کے ذریعہ سے جو مفید مشورہ مسلمانوں کے لیے ہوگی بہ آسانی بروئے کار لا سکیں گے۔ کیا ہمارا اثر عوام پر اتنا بھی نہیں کہ ہم دو چار لاکھ ممبران بھرتی کرا سکیں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں کہ آپ حضرات کے ساتھ مل کر اس کام میں حصہ لوں میرے نزدیک تو اصلاح کی یہی بہترین شکل ہے۔ اس پر مولانا احمد سعید

صاحب نے فرمایا کہ یہ آزیبل لیکن جب ہم لوگ ایسا کریں گے تو یہ راجہ صاحب، نواب اور سرسلم لیگ سے علیحدہ ہو کر دوسری مسلم لیگ بنا لیں گے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا اگر وہ نئی مسلم لیگ بنا ہی لیں گے تو اس سے کیا ہوگا عوام کی طاقت تو ہمارے ہی ساتھ رہے گی، سر شفیع مرحوم نے بھی تو ایک زمانہ میں شفیع لیگ بنائی تھی لیکن اس کا حشر کیا ہوا۔ جب شفیع صاحب رحلت کر گئے۔ ان ہی کے ساتھ ان کی مسلم لیگ بھی ختم ہو گئی اور رابطہ عوام وہ کبھی بھی پیدا نہ کر سکے۔ رہا ان بدتمیزیوں کا قصہ جو آپ کے ساتھ ہوئیں۔ اس کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ میں نے جو پیغام جمعیۃ العلماء اسلام کے اجلاس کلکتہ کے موقعہ پر بھیجا تھا اس میں صاف طور سے لکھ دیا تھا کہ یہ پرلے درجہ کی شقاوت وحماقت ہے کہ قائداعظم کو کافراعظم کہا جائے یا مولانا حسین احمد وغیرہ کے ساتھ کوئی ناشائستہ سلوک کیا جائے۔

انگریزی خواں طلباء کی شکایت کرنے سے پہلے دارالعلوم دیوبند کی اصلاح کیجئے

اس موقعہ پر مجھے ایک بات کہنی پڑتی ہے وہ یہ کہ جن انگریزی خواں طلبا کے رویہ کی آپ شکایت فرما رہے ہیں وہ نہ تو آپ کے مرید ہیں نہ شاگرد نہ انھوں نے کسی دینی ماحول میں تربیت پائی ہے (اور سمجھتے ہیں کہ آپ مسلم قوم کو ہندوؤں کی دائمی غلامی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں) اس کے بالمقابل جو عربی مدارس کے طلبا آپ کے شاگرد آپ کے مرید اور دینی ماحول بلکہ مرکز دین واخلاق میں تربیت پانے والے ہیں ذرا ادھر بھی تو دیکھئے کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے طلبا نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چھپاں کیے ہیں جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا۔ آپ حضرات نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دارالعلوم کے تمام مدرسین جن میں مہتمم اور مفتی سمیت (باستثنا ایک دو کے) بالواسطہ یا بلاواسطہ مجھ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔ دارالعلوم کے طلبا نے میرے قتل تک کے حلف اٹھائے اور وہ وہ فحش اور گندے مضامین میرے دروازہ میں پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کی نظر پڑ جاتے تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جاتیں۔ کیا آپ میں سے کسی نے بھی اس پر ملامت کا کوئی جملہ کہا بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے لوگ ان کمینہ حرکات پر خوش ہوتے تھے۔

سہ روزہ "اخبار دہلی" آج کل جو میری ذاتیات پر نہایت رکیک مضامین لکھ رہا ہے کیا آپ حضرات میں سے کسی نے اس پر بیزاری کا اظہار کیا اس پر سب کی آنکھیں شرم سے جھکی ہوئی تھیں۔

مولانا احمد سعید صاحب نے اتنا فرمایا کہ ابھی حضرت عزیز تعالیٰ تو ہمیشہ اسی قسم کی بیہودہ بکواس کیا کرتا ہے کیا آپ کو معلوم نہیں علامہ عثمانی نے فرمایا اس وقت تو وہ آپ کی حمایت اور ہمنوائی میں سب کچھ کہہ رہا ہے۔ گو مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایک زمانہ میں اس نے آپ صاحبان کو بھی بری طرح مجروح کیا تھا۔ لیکن دکھلانا صرف یہ ہے۔ کہ آپ حضرات نے کبھی اس قسم کی چیزوں سے جو ہمارے متعلق کہی گئی اظہار بیزاری نہیں کیا نہ کسی پر ملامت کی۔ ہم نے تو یہ کیا کہ موقع ملنے پر ایسے امور سے پوری قوت کے ساتھ اظہار بیزاری کرتے رہے۔

فرق عمل

محلہ کسرول مرادآباد کے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مولانا

حسین احمد صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب آپ کے نزدیک محض ذاتی مفاد کے لیے ہندوؤں کا ساتھ دے رہے ہیں یا اُن کا اتباع بے دینی اور کفر ہے یا وہ اپنے اوستاد کے مسلک سے ہٹ گئے ہیں؟

میں نے جواب میں لکھا کہ میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں آسکتا کہ یہ حضرات محض ذاتی مفاد کے لیے ایسا کریں وہ اپنے نزدیک جو حق سمجھتے ہیں کر رہے ہیں اور اسی کو اپنے اُستاد کا مسلک سمجھتے ہیں۔ باقی یہ لازم نہیں کہ جو ان کا خیال ہے وہ واقع میں بھی ہو نہ ان کی تقلید دوسروں پر واجب ہے۔ اُمور مذکورہ کا تذکرہ میں نے اس لیے نہیں کیا کہ مجھے کوئی انتقام لینا مقصود ہے۔ میں تو بہر صورت ایسے اُمور کو بُرا سمجھتا ہوں۔ دکھلانا صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنی بساط کے موافق اس قسم کے اُمور کو روکنے کی ہمیشہ سعی کی ہے۔

مولانا مدنی کا پاکستان کے خلاف ایک استدلال اور علامہ عثمانی کی طرف سے اس کا مسکت جواب

آخر گفتگو میں مولانا حسین احمد صاحب نے اپنی جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر تقریباً آٹھ دس منٹ میں پڑھ کر سنایا! یہ مضمون ایک انگریز کی تجویز اور اس پر مشتمل تھا جس میں اس نے ہندوستان کی سیاست پر بحث کرتے حکومت برطانیہ کو اس کا ایک حل بتلایا تھا۔

اس مضمون میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور بمبئی کے بجائے کراچی کو تجارت کا مرکز بنایا جائے گویا اس مضمون کو سنانے کی غرض یہ تھی کہ مسلم لیگ نے جو نظریۂ پاکستان

پیش کیا ہے وہ اس انگریز کی تجویز پر مبنی ہے اور مسلم لیگ انگریز کے اشاروں پر چلنے والی جماعت ہے۔

اس دوران میں مولانا احمد سعید کا ایک سوال اور اُس کا جواب

مولانا احمد سعید صاحب نے سوال کیا کہ انگریز کی پالیسی ٹکڑے کرنے کی ہے یا جمع کرنے کی یعنی اس کا فائدہ کس جانب میں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم جو وفاقی حکومت چاہتے ہیں انگریز کے لیے مہلک ہے اور آپ جو تقسیم ہند چاہتے ہیں یہ صورت حکومت کے لیے مفید۔ دمعتیں ہے علامہ عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک آپ کے سوال کا ایک جواب نہیں ہو سکتا یعنی آپ کے سوال کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انگریز کا فائدہ ہمیشہ ٹکڑے کرنے میں ہے یا نہیں۔

میرا جواب یہ ہے کہ کبھی انگریز کا فائدہ ٹکڑے کرنے میں اور کبھی جمع کرنے میں ہوتا ہے چنانچہ اس کی ایک حالیہ نظیر ملاحظہ فرمائیے۔ برطانیہ نے ٹرکی اور عرب کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔ عراق و شام۔ لبنان۔ نجد۔ یمن سب کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک وقت میں پالیسی یہ تھی اب عرب لیگ قائم ہو رہی ہے۔ جس میں تمام عربوں کو روس کے خطرہ سے انگریز متحد کرنا اور ان سب کا ایک بلاک بنانا چاہتا ہے۔ کیا یہ بھی آپ کے نزدیک انگریز کے اشارہ سے نہیں ہو رہا جس کا منشا یہ ہے کہ تمام عرب ممالک کی ایک آہنی دیوار بنا دی جائے۔ اس کو وفد نے تسلیم کیا کہ بے شک۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ پھر یہ کہنا کہ نہیں کہ انگریز کی پالیسی ہمیشہ ٹکڑے کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کبھی اس کی پالیسی جمع کرنے کی بھی ہوتی ہے اب ہمیں تو یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارا فائدہ

کس صورت میں ہے۔ خواہ اس میں ہے۔ خواہ اس میں حکومت کا فائدہ ہو یا نقصان۔ ظاہر ہے کہ ہندو یا مسلمان کسی کے مقابلہ میں بھی گورنمنٹ اپنے مفاد کو باختیار خود نظر انداز نہیں کر سکتی۔

نظریۂ پاکستان کانگریس اور حکومت دونوں کے نظریوں کے خلاف ہے

اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ مولانا حسین احمد صاحب نے جو ایک انگریز کا مضمون پڑھ کر سنایا یہ ایک انگریز کی شخصی رائے اور تجویز ہے۔ جو اب سے چودہ برس پہلے اس نے پیش کی تھی لیکن حکومت برطانیہ کا سب سے بڑا نمائندہ وائسرائے ہند لارڈ ویول جو ہندوستان پر اس وقت حکمران ہے اس نے اپنی تقریروں میں برملا یہ کہا ہے کہ اس ملک کا مرکز اور اس کی حکومت ایک ہی رہنی چاہیئے۔ اس ملک پر کوئی بڑا عمل جراحی نہیں ہو سکتا۔ پہلی مرتبہ یہ تقریر کلکتہ کے کامرس چیمبر میں کی۔ دوسری مرتبہ سمبلی لیجر میں یہی مضمون ادا کیا اور ابھی دو تین ماہ ہوئے کہ راولپنڈی کے دربار میں لارڈ ویول نے یہی کہا کہ اس ملک کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس سے پہلے سابق وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو وائسرائے نے بھی ۱۹۴۲ء میں اسی قسم کی تقریر کی تھی۔ اب آپ حضرات خود فرمائیے کہ آج وائسرائے ہند کے نظریے کی حمایت کانگریس کر رہی ہے یا مسلم لیگ؟

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ اجی حضرت یہ تو انگریزوں کی چالیں ہیں کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس انگریز کی تجویز میں بھی تو یہی احتمال ہو سکتا ہے۔ لیکن حجت کے درجہ میں تو سب سے بڑے ذمہ دار کا قول پیش کر سکتے ہیں۔

پاکستان کے قیام پر مولانا مدنی کا ایک اشکال اور اس کا شافی جواب

اسی سلسلہ میں مولانا حسین احمد صاحب نے فرمایا کہ اچھا اگر پاکستان قائم ہوگیا تو ہندوستان کا دفاع کیسے ہوگا۔ روس نے اگر حملہ کر دیا تو سرحد کے مسلمان بیچارے پس جائیں گے۔ سارا بوجھ ان پر پڑ جائے گا۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تو آپ مان ہی چکے ہیں کہ انگریز ابھی یہاں موجود ہے۔ سردست اگر پاکستان بنے گا تو وہی بنائے گا اور جان کی حفاظت کی بھی کوئی صورت ضرور نکلے گا اور اس کے چلے جانے کی صورت میں بیرونی قوت ہندوستان پر چڑھائی کرے گی تو دونوں منطقے مل کر اس کی مدافعت کریں گے اور ہر ایک دوسرے کے آدمی سامان اسلحہ اور روپے سے مدد کرے گا۔ کیونکہ یہ سب کا مشترکہ مفاد ہوگا۔ ایسا نہیں کریں گے تو سب کا نقصان ہے۔

اس قسم کے دفاع کے کام باہمی معاہدوں سے انجام پائیں گے۔

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ حضرت معاہدوں کو آجکل کون پوچھتا ہے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جب بلا معاہدہ آپ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں تو معاہدہ کی صورت تو بہر حال اس سے تو بہتر ہی چاہیے۔

جمعیۃ العلماء کی وفاقی طرز حکومت کی تائید کا خیال احتیاج ہنود پر مبنی ہے

پھر آپ کی تقریر کا حال تو یہ تھا کہ ہم کسی حالت اور کسی وقت میں بھی ہندوؤں کی احتیاج سے باہر نہیں رہ سکتے اور ان کے بدوں کچھ کر کی

کام کر سکتے ہیں۔ یہ بات کم از کم شیرول بہادروں کو زیب نہیں دیتی جو کہتے ہیں کہ ذرا انگریز سے آزادی مل جائے پھر ہم ہندو وغیرہ کسی سے نہیں ڈرتے۔

نیز آپ دیکھتے ہیں کہ معاہدات ہی کی طاقت تھی کہ روس اور برطانیہ نے مل کر جرمن اور جاپان کو کس طرح پیس ڈالا کیونکہ تینوں کی غرض مشترک تھی۔ پاکستان اور ہندوستان کا مفاد جب مشترک ہوگا تو دونوں بذریعہ معاہدات عملی اتحاد کیوں نہیں کر سکتے اگر قومی اتحاد نہ ہو نہ سہی۔

موجودہ الیکشن میں علامہ عثمانی کی حمایت لیگ کی کیا وجہ ہے۔

اس موقع پر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے علامہ عثمانی سے کہا کہ آپ تو ہمیشہ سیاسیات سے یکسو رہا کرتے تھے۔ اس الیکشن میں کیا داعیہ ایسا پیش آیا جس کی وجہ سے آپ نے شرکت فرمائی حضرت علامہ نے ارشاد فرمایا کہ اس الیکشن کی نوعیت پچھلے الیکشنوں سے بالکل مختلف ہے حکومت نے صاف لفظوں میں اس کا اعلان کر دیا ہے کہ اس مرتبہ منتخب ہونے والی اسمبلیاں آئندہ ہندوستان کا مستقل دستور بنائیں گی۔ چونکہ اس الیکشن سے قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ وابستہ تھا اس بنا پر میں نے ضروری سمجھا کہ اس بنیادی موقع پر ان مسلمانوں کی مدد کی جائے جو استقلال ملت اور مسلم حق خود ارادیت کے حامی ہیں اس کے بعد فرمایا کہ آپ نے کیا کہا کہ میں سیاسیات سے ہمیشہ علیحدہ رہا ہوں گذشتہ چند سالوں کو چھوڑ دیجئے اس سے پیشتر جمعیۃ العلماء ہند میں ہماری بھی تو کچھ ناچیز خدمات رہ چکی ہیں۔ ہم نے بھی تو کچھ معرکے سر کیے

رہی ادھر آپ حضرات طوفانی دورہ کر رہے تھے جس سے میرے نزدیک مسلمانوں کا نقصان تھا تو ظاہر تھا کہ ایسے موقع پر میں سکوت کیسے باقی رکھ سکتا تھا۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ ہست　　　اگر خاموش بنشینم گناہ ہست

ان وجوہ سے میں نے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی۔

پھر علامہ عثمانی نے یکایک کوئی اعلان نہیں فرمایا بلکہ مہینوں پاکستان کے نظریہ پر شرعی و سیاسی حیثیت سے انتہائی غور و تعمق کیا۔ جب کلکتہ کے اجلاس کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام میں اپنا پیغام بھیجا تو استخارہ بھی فرمایا۔ مکمل بصیرت اور شرح صدر کے بعد یہ اقدام فرمایا گیا۔ (مرتب)

اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ پھر میرا جرم ہی کیا ہے ہندوستان میں اگر میری اپیل پر بیچارے نواب زادہ لیاقت علی خاں کو ووٹ بیٹھے ووٹ مل ہی گئے تو کیا ہوا۔ آپ حضرات ماشاء اللہ باثر ہیں موجودہ پروپیگنڈے کی طاقتیں آپ کے ساتھ ہیں۔ میں تو اب آپ میں ایک اچھوت کی حیثیت رکھتا ہوں۔ کسی نے کہا نہیں یہ بات نہیں۔ آپ کے اعلانات نے ملک میں ہل چل ڈال دی۔

علامہ عثمانی سے سکوت کی درخواست

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ بہر حال یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ اس میں احتمال خطا کا دونوں طرف سے ہے مگر آپ تو اس قوت سے بیانات دے رہے ہیں کہ اپنے مخالفوں کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے۔ ذرا کچھ تو نرمی اختیار فرمائیں۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات تو ماشاء اللہ سب اہل علم

ہیں آپ کو معلوم ہے کہ جب احناف و شوافع وغیرہ کے باہمی اختلافی مسائل کی تقریریں آپ اور ہم کرتے ہیں تو باوجود کہ سب ائمہ برحق ہیں لیکن ہم میں سے کون اپنے مذہب کی تصویب و تائید میں کسر اٹھا رکھتا ہے اور حنفی مذہب کو ترجیح دیتے ہوئے شافعی یا مالک یا احمد کے لیے اپنے زعم میں کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتا۔ اس پر سب ہنسنے لگے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں میرا تو وہی خیال ہے جو فقہائے کرام نے مقلد کے عقیدے کی نسبت لکھا ہے کہ اپنا امام جو مسئلہ بیان کرے اس کی نسبت یہ اعتقاد رکھے صواب یحتمل الخطاء یعنی جو ہمارے امام نے مسئلہ بیان کیا وہ صحیح اور درست ہے ہاں اس میں خطا کا بھی احتمال ہے کہ اس میں احتمال ثواب کا بھی قائم ہے کیونکہ معصوم ان سب میں سے کوئی نہیں۔

آخر میں مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ جمعیت العلماء اسلام محض ہماری جمعیت کے مقابلہ میں اس کو توڑنے کے لیے قائم کی گئی ہے مناسب ہوگا کہ آپ کم از کم اس کی صدارت قبول نہ فرمائیں۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ

میں نے ابھی صدارت کے قبول و عدم کی نسبت کوئی باضابطہ فیصلہ نہیں کیا ہے لیکن کل کے لیے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا کروں گا۔

نوٹ:۔ لیکن اس کے بعد علامہ عثمانی نے کل جمعیت العلماء اسلام کے ناظم کے تار کے جواب میں باضابطہ صدارت کی منظوری کا تار روانہ فرما دیا ہے۔

فللہ الحمد (مرتب)

جب یہ حضرات علامہ عثمانی سے رخصت ہونے لگے۔ مولانا سعید احمد صاحب نے دریافت فرمایا کہ آپ کو حضور نظام نے حیدرآباد بھی تو بلایا تھا

آپ حیدرآباد کب تشریف لے جائیں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے حضور نظام کو لکھا ہے کہ ابھی دو تین ماہ تک مجھے یہاں بغرض علاج قیام کرنا ہے سردی کم ہونے پر اگر اجازت ہو تو حیدرآباد آؤں۔

اب حضور نظام پر موقوف ہے کہ اگر اس کے باوجود انھوں نے مجھے طلب فرمایا تو مجھ کو بہر حال جانا پڑے گا۔ اور اگر اجازت دے دی تو ٹھہر جاؤں گا۔

الحمد للہ اس تحریر کے مرتب کرتے وقت حضور نظام کے چیف سیکرٹری کا تار بنام علامہ عثمانی پہنچ گیا۔ کہ آپ کو فروری تک قیام کی اجازت ہے۔ (مرتب)

چلتے چلتے وفد کا منشا یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو تحریرات آپ کی شائع ہو چکی ہیں۔ وہ بیان مسئلہ کے لیے کافی ہیں۔ اب اگر یکسوئی اختیار کر لی جائے تو کیا بہتر نہ ہوگا۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جس چیز کو میں حق سمجھتا ہوں ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں میرے لیے سکوت کیسے مناسب ہے۔ اس کے بعد وفد رخصت ہو گیا یہ تمام گفتگو نہایت خوشگوار فضا میں ہوئی۔ کسی موقع پر بھی بحمد اللہ ادنیٰ تلخی پیدا نہ ہوئی۔ جب یہ تاریخی مجلس برخاست ہونے لگی تو علامہ عثمانی نے اپنے یہاں آنے والے علماء کے احترام میں اتنا فرمایا کہ یہ سلسلہ گفتگو آخری سلسلہ نہیں ہے۔ پھر جب چاہیں گفتگو کر سکتے ہیں۔ جانبین کو موقع غور و فکر کا حاصل ہے۔ اب تک کی صورت حال یہ ہے کہ آپ اپنی جگہ قائم ہیں اور میں اپنی جگہ پر رہا۔ اس کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ شرعی حیثیت سے مسائل حاضرہ پر جمعیۃ علماء ہند کے وفد کی طرف سے کوئی کلام نہیں ہوا۔

غالباً۔ یہ حضرات یہ سمجھ کر آئے تھے کہ علامہ عثمانی کی سیاسی معلومات

کم ہوں گی تو ہم اپنے بیان کردہ واقعات سے علامہ موصوف کی رائے کو منکشف کر دیں گے۔ شرعی حیثیت سے گفتگو کر تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پہلے ہی کر چکے تھے کہ اس پر ہم آپ سے کیا بحث کرتے لیکن اس مکالمہ سے غالباً ان پر یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی ہو گی کہ

علامہ عثمانی کی معلومات شرعیہ جہاں بے پناہ ہیں وہاں سیاسی ملاقات بھی کچھ اس سے کم نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ علامہ عثمانی نے مسئلہ پاکستان کو اپنی گفتگو میں اس طرح سے منقح کیا کہ جو لوگ سیاسی ہیں، جب اس مکالمہ کو سنتے ہیں۔ تو خود بھی تنقیح کر کے اسی انداز پر چشش کرتے ہیں۔ (مرتب)

یہ مکالمہ مصدقہ و مرقومہ علامہ عثمانی ہے۔

مولانا حسین احمد اور آزاد

اس طویل گر معلومات افزا اور بصیرت افروز تاریخی مکالمہ کے بعد جناب خان اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی کی نظم بعنوان "مولانا حسین احمد اور آزاد" جو معاصر زمزم مورخہ ۲۰ اگست میں شائع شدہ نظم کے جواب میں ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء کے "نوائے وقت" میں شائع ہوئی اسے اس مقام پر ایک تاریخی نظم کی حیثیت سے قارئین کرام کی خدمت عالیہ میں نذر کیا جاتا ہے۔

ہاں حسین احمد جو شیخ الہند تھا کل تک غیور / آج ہے بیگانۂ مقام مصطفےٰ سے بے خبر

مسجد نبوی میں جو کل تک رہا گرم سجود / وائے وہ جا کے آخر میں جھک گیا آج اس کا سر

کل تک جس نے پلائے قوم کو زمزم کے جام / تشنہ لب ہے آج خود گنگا پہ وہ جا کر کھڑا

کل تک جس کی جلالت تھی حرم کی پاسبان / آج ہے وہ کانگریس اور گنگ کی پجاری گم

کل تک سرگرمیاں جس کی تھیں ملت کے لیے / آج ہے اس کو مسلمانوں کی محفل سے حذر

ایک تھا جو امیران کراچی میں سے ایک — آج ملت کے مقاصد پر نہیں اس کی نظر
یہ کیا بات ہے اب کشمیر میں آزاد کی — کٹ گئے ملت کے خنجر سے اس نے پایا کیا اثر
کے جوش غضب سے ڈر گئے ہے ترا ہوش آج — جو کبھی اس ملک میں تھا قوم کا نور نظر
اس کے علم و آگہی پر تھا کبھی ملت کو ناز — نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

شخصیت کی ملت بیضا کو ہے پرواہ کہاں
ہے وہی آزاد لیکن اب ہمارا ہے کہاں

(نوائے وقت۔ ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء)

تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن جناب عبدالمجید حج جالندھری نے نوائے وقت سے کوہ پیما کے مضمون کیا نیشنلسٹ مسلمان سوچیں گے؟ کی افادیت و ضرورت کے پیش نظر پمفلٹ کی شکل میں ترتیب دیا تھا۔ نذر قارئین ہے:۔

کیا نیشنلسٹ مسلمان سوچیں گے؟

از

کوہ پیما

مرتبہ

عبدالمجید حج جالندھری

ناشر

محمد شمس الحق عالی روڈ۔ جالندھر شہر قیمت ۲؍

پیش لفظ

پچھلے دنوں روزنامہ نوائے وقت لاہور میں کوہ پیما کا ایک مضمون کیا نیشنلسٹ مسلمان سوچیں گے؟ شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون نی

افادیت اور معلومات کے اعتبار سے اتنا اہم ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی ضرورت ہے چنانچہ اسی مقصد سے اس مضمون کو روزنامہ مذکور کے شکریے کے ساتھ کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ضمیمہ الف کے طور پر خان عبدالغفار خان کے نام کوہ پیما کا ایک مکتوب مفتوح شامل رسالہ ہے جو اسی مضمون کی ایک کڑی ہے۔

ضمیمہ ب میں مولانا داؤد غزنوی سابق صدر صوبہ کانگرس پنجاب کا ایک بیان درج ہے جو مولانا موصوف نے پچھلے دنوں اخبارات کے نام جاری فرمایا تھا۔

اس رسالہ کی قیمت صرف اتنی رکھی گئی ہے کہ لاگت بھی پوری ہو جائے اور اشاعت پر بھی بُرا اثر نہ پڑے۔

جالندھر شہر ۹ اگست ۱۹۳۶ء

(مرتب)

کیا نیشلسٹ مسلمان سوچیں گے؟

(از کوہ پیما)

تمہید: مولانا داؤد غزنوی کے کانگرس سے استعفاء نے نیشلسٹ مسلمانوں کے لیے سوچنے کا موقع مہیا کر دیا ہے۔ چنانچہ نیشلسٹ مسلمان بھی اس مسئلہ پر دوبارہ غور کرتا ہے (بشرطیکہ وہ کانگرس کا حامی نیک نیتی سے ہو "سنہری نیتی" سے نہ ہو) وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ کانگرس نے نیشلسٹ مسلمانوں کی حیثیت تو ہین کی۔ ان کی پوزیشن کو ہمیشہ خراب کیا اور ان کے بالمقابل دوسری قوموں کے فرقہ پرست احباب سے ہمیشہ ترجیحی سلوک کیا۔

میں نے بھی اپنی زندگی کے آٹھ دس برس انہیں نیشلسٹ مسلمانوں کے حلقوں میں گزارے ہیں اس لیے مجھے بھی کچھ حقائق و واقعات کا علم ہے۔ مولانا داؤد غزنوی کے استعفاء کی خبر سن کر میں نے یہ مناسب

سمجھا کہ ان واقعات کو عوام کے سامنے بالعموم اور نیشنلسٹ مسلمانوں کے سامنے بالخصوص پیش کرکے ان سے پوچھوں کہ کیا کانگریس کے اس ذلیل سلوک کے بعد بھی آپ کی ذاتی غیرت اور ملی حمیت آپ کو کانگریس کا دم بھرنے پر مجبور کرتی ہے؟ مجھے اس امر کا ذاتی طور پر علم ہے کہ قوم پرست مسلمان خلوتوں میں ہمیشہ کانگریس کے شاکی رہے ہیں۔ لیکن ان کا کانگریس سے بدستور وابستہ رہنا یقیناً تعجب انگیز ہے۔ اس کے تین اسباب ہو سکتے ہیں:-

(۱) سنہری مصلحتیں (۲) اخلاقی جرأت کا فقدان اور (۳) وضع داری۔

اول الذکر طبقہ کے قوم پرستوں کو مخاطب کرنا اپنی توہین ہے۔ اس وقت میرے مخاطب یہی دونوں آخر الذکر طبقات ہیں۔ اگر یہ طبقات مولانا داؤد غزنوی صاحب کی طرح اخلاقی جرأت سے کام لیں اور وضع داری کے رکھ رکھاؤ کو ترک کر دیں تو مجھے یقین ہے کہ قوم پرست مسلمانوں کا ایک عظیم حصہ کانگریس کو چھوڑ کر یقیناً مسلم لیگ میں آجائے گا۔ مثال کے طور پر میں صرف ایک واقعہ درج کروں گا۔ لاہور میں مسلم طلبہ نے ۱۹۴۱ء کے اوائل میں قائد اعظم کی صدارت میں پاکستان کانفرنس منعقد کی تھی۔ اس کانفرنس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے بریڈلا ہال میں خان عبدالغفار خان کی صدارت میں ایک یونٹی کانفرنس منعقد کی گئی تھی غالباً دیوان چمن لال اس کے صدر استقبالیہ تھے۔ مسٹر پربودھ چندر نے اپنی تقریر میں ہندو کانگریسیوں کے مسلم کش رویہ کی پُرزور مذمت کی اور مثال کے طور پر مثلاً سرونٹس آف دی پیپل سوسائٹی اور کچھ انشورنس کمپنیوں کا ذکر کیا جن کے کرتا دھرتا بڑے بڑے جغادری کانگریسی ہیں اور پوچھا کہ کیا ان اداروں میں کوئی بھی مسلمان ملازم ہے۔ پربودھ چندر جی کا یہ کہنا تھا کہ سٹیج پر ایک کہرام برپا ہوگیا۔ بڑے بڑے کانگریسیوں کا رنگ اڑ گیا اور غالباً لالہ دُنی چند نے پربودھ جی کی

تقریر کی تردید میں ایک زوردار تقریر بھی کی۔ اسی شام کو دو مسلمان نوجوان خان عبدالغفار خان سے ان کی جائے قیام (دویرا ہوٹل) پہ ملے۔ ملاقات کے دوران میں نماز مغرب کا وقت آ گیا۔ اس مجلس میں صرف تین مسلمان تھے۔ خان عبدالغفار خان اور دو ملاقاتی مسلمان نوجوان۔ تینوں کے لیے ایک الگ کمرے میں نماز کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ نماز کے بعد ان نوجوانوں سے خان عبدالغفار خان نے پربودھ چی کی مذکورہ بالا تقریر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ پربودھ نے بالکل حقیقت بیان کی ہے۔ ہندو کی ذہنیت چاہے وہ کانگریسی ہو یا مہا سبھائی ہمیشہ مسلم کش رہی ہے اس ضمن میں انھوں نے کچھ ہندو کانگریسیوں کے نام بھی گنوائے۔ جو مسلم آزاری میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں اور لالہ لاجپت رائے آنجہانی کے نام پر خاص طور سے زور دیا۔ خان عبدالغفار خان نے اس گفتگو کے دوران میں مسلمانوں کی الگ تنظیم کی ضرورت کا اعتراف کیا۔ انھیں صرف مسلم لیگ کے طریق کار سے اختلاف تھا۔ وہ کہتے تھے کہ دوسروں سے الجھے بغیر اپنی تنظیم کرنی چاہیے ورنہ ایک نقصان ہوتا ہے کہ اغیار تو بیدار اور منظم ہو جاتے ہیں لیکن اپنی تنظیم کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس واقعہ کے بیان کرنے سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ بڑے سے بڑا اور کٹر سے کٹر کانگریسی مسلمان بھی ہندو کانگریسیوں سے نالاں ہے اگر وہ ذرا بھی اخلاقی جرأت دکھلائیں یا وضعداری کو ترک کر دیں تو ان کی ایک عظیم اکثریت آج وابستۂ لیگ ہو۔

نہرو رپورٹ:۔ میں اپنے مضمون کا آغاز نہرو رپورٹ سے کروں گا کیونکہ یہی وہ رپورٹ ہے۔ جس کی بنا پر مرحوم علی برادران ایسے مخلص اور ایثار پیشہ رہنما کانگرس کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ کانگرس نے اس رپورٹ کے حامی مسلمانوں سے کیا سلوک

کیا۔ یہ ایک دردناک داستان ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو مشہور احرار لیڈر چودھری افضل حق مرحوم کی تحریروں کا مطالعہ کیجئے۔ یہ قصہ بہت طویل ہے۔ مختصر سے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ قت کے سواد اعظم کے احتجاج کے باوجود کانگرس کو اس رپورٹ میں کوئی مسلم کش بات نظر نہ آئی۔ لیکن جب سکھوں نے اس رپورٹ پر دستخط کرنے کے بعد دوسرے روز ہی اس رپورٹ کو ختم کیا گیا قرار دینا شروع کر دیا۔ تو گاندھی جی کا ماتھا بھی ٹھنکا۔ کہ یہ رپورٹ بنائی تو گئی تھی ہندوستان کے مسلمانوں کو دبانے کے لیے، لیکن کچھ نیشنلسٹ مسلمانوں کی چالاکی سے یا نہرو رپورٹ کے مصنفوں کی دور اندیشی سے اس میں کچھ ایسی دفعات بھی شامل ہو گئی ہیں جن سے ایک غیر مسلم فرقے کو جائز یا ناجائز شکایات ہیں۔ اور یہ غیر مسلم فرقہ مسلمانوں کی اکثریت کے ایک صوبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس صوبہ کے مسلمانوں کے دبانے کے لیے اس غیر مسلم فرقہ کا استحکام اور اسے غیر منصفانہ رعایتیں دینی ضروری ہیں۔ چنانچہ گاندھی جی نے سکھوں سے نہ صرف اپنی تحریر کا پابند ہونے کو نہ کہا بلکہ سکھوں کی ہاں میں ہاں بھی ملانی شروع کر دی بیچارے قوم پرست مسلمان تو اپنے بھائیوں کی گالیاں سنتے رہے لیکن اپنی تحریر پر قائم رہے۔ نہرو رپورٹ کا یہ زمانہ ان مسلمانوں کے لیے دور آشوب بن گیا۔ ان ہنگاموں کی گونج آج بھی ہمارے کانوں سے ٹکرا رہی ہے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ان قوم پرست مسلمانوں کو اس قربانی کا صلہ کیا ملا؟ ــــــ گاندھی جی کے اشارہ چشم وابرو سے ایک مسلمان ہی سے (صدر کانگرس ڈاکٹر انصاری مرحوم سے) اس رپورٹ کے سکھوں کے مفاد کے منافی ہونے کا اعلان کرایا۔ ڈاکٹر انصاری کے اس

خطبہ صدارت کے بعد مشتعل مسلمان کہیں کے بھی نہ رہے۔ سکھوں نے جب اس رپورٹ پر دستخط کر دینے کے باوجود اس کی مخالفت کی تو کانگریس وہ زانو ہو گئی لیکن بیچارے قوم پرست مسلمان محض اپنی تحریر کا پاس کرتے ہوئے اس رپورٹ سے چمٹے رہے اور اپنوں کا ہدفِ طعن بنے اور جب اس رپورٹ کے خلاف کانگریس ہی نے آواز اٹھائی تو مسلمانوں کے مفاد کی خاطر نہیں کہ ان کی عظیم ترین اکثریت اور علی برادران کے سے مخلص رہنما اسے مسلم کش سمجھتے ہیں بلکہ اُن سکھوں کی خاطر جو اسے منظور کر لینے کے باوجود اس کی مخالفت پر تل گئے تھے۔ سب سے بڑا ستم یہ کہ کانگریس نے اپنی روش کو بدلتے وقت اُن قوم پرست مسلمانوں سے پوچھا تک نہیں جو اس رپورٹ کے حامی اور موید تھے۔

مجلس احرار کا قیام :- اس واقعہ کے بعد پنجاب کے قوم پرست مسلمانوں نے اپنی الگ تنظیم ضروری سمجھی چنانچہ مجلس احرار اسی احساس کا نتیجہ ہے۔ پنڈت جواہر لعل اس جماعت کی تشکیل کی وجہ چاہے کچھ ہی قرار دیں لیکن واقعہ یہی ہے کہ نہرو رپورٹ کے ضمن میں کانگریس نے سکھوں سے جو ترجیحی سلوک کیا اور قوم پرست مسلمانوں کو جس طرح نظر انداز کیا اور ان سے پوچھے بغیر اس رپورٹ کو سکھوں کے مفاد کے منافی قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف جس طرح صدر کانگریس نے اعلان کیا اس سے قوم پرست مسلمانوں کی صفوں میں غیرتِ نفس کی لہر دوڑ گئی اور وہ یہ سوچنے لگے کہ ہمارا کام محض کانگریس کی ہاں میں ہاں ملانا نہیں کہ کانگریس آج ایک قرارداد پیش کرے اور ہم اس کی تائید کریں اور ابھی اس قرارداد کی سیاہی بھی خشک نہ ہو اور کانگریس اس کے خلاف اعلان کر دے۔ اور ہم آنکھیں بند کر کے اس پر بھی آمنّا و صدّقنا کہہ دیں۔ چنانچہ جس وقت مجلس احرار قائم کی گئی اس وقت یہی احساس پیشِ نظر تھا۔

جس طرح آج مسلم لیگ کے خلاف کبھی آزاد مسلم کانفرنس کا ڈھونگ کھڑا کیا جاتا ہے، کبھی مسلم مجلس کا سوانگ رچایا جاتا ہے، اسی طرح اس وقت بھی ڈاکٹر عالم کی قیادت میں نیشنلسٹ مسلمانوں کی تنظیم کا بیڑا اٹھایا گیا جس کی غایت اولیٰ مجلس احرار کو پنپنے نہ دینا تھا اور مسلمانوں کو کانگرس سے چمٹائے رکھنا تھا لیکن ڈاکٹر عالم کی یہ جماعت چند روز سانس لے کر ختم ہو گئی اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق پنڈت جواہر لعل نے احرار رہنماؤں کی نیتوں پر حملہ شروع کر دیا اور انھیں جاہ طلب گردانا۔

مجلس احرار کانگرسی حلقوں کی نگاہوں میں ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی چنانچہ ۱۹۳۶ء میں احرار کے اجلاس لکھنؤ پر آچاریہ کرپلانی جنرل سیکرٹری آل انڈیا کانگرس کا یہ پیغام آیا کہ اپنی جماعت کو توڑ کر کانگرس میں مدغم ہو جائیے کانگرس بدستور اس کوشش میں لگی رہی کہ احرار کے رہنماؤں کو دوبارہ کانگرس میں لایا جائے۔ چنانچہ ظاہری طور پر خوشامد شروع کر دی گئی لیکن در پردہ مخالفت بھی جاری رکھی۔ چنانچہ جو مسلمان خالصۃً کانگرسی ہیں وہ آج بھی اس جماعت کے مخالف ہیں۔ احرار کو سرحد میں اپنی تنظیم کے سلسلہ میں کانگرسیوں کے ہاتھوں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس سے احرار حلقے بخوبی واقف ہیں ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۹ء میں احرار کا کل ہند سالانہ اجلاس پشاور میں چودھری افضل حق مرحوم کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اسے ناکام بنانے کے لیے وہاں کے کانگرسیوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا وہ ڈرکیوں جائیے۔ حال ہی کے اسمبلی انتخابات میں سرحد کے کانگرسیوں نے بڑے بڑے احرار لیڈروں کا مقابلہ کیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کانگرس وہاں احرار کا مقابلہ نہ کرتی تو حکیم عبدالسلام صدر احرار سرحد مولانا غلام غوث نائب صدر آل انڈیا احرار اور دو ایک اور احرار رہنماؤں کا کامیاب ہو جانا کچھ مشکل نہ تھا۔

امرتسر کے ضمنی انتخابات:۔ پچھلی پنجاب اسمبلی کی زندگی میں امرتسر کی مسلم نشست کے دوبارہ ضمنی انتخاب ہوئے دونوں دفعہ احرار اور کانگریس کی ٹکر ہوئی۔ احرار کی طرف سے چودھری افضل حق مرحوم امیدوار تھے اور کانگریس کی طرف سے ڈاکٹر کچلو۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ کانگریس صرف یہ کہتی تھی کہ چودھری صاحب کانگریس کے حلف نامہ پر دستخط کر دیں تو ڈاکٹر کچلو کو بٹھا دیا جائے گا۔ لیکن چودھری صاحب کا یہ اصرار تھا کہ کانگریس کو کسی مسلم نشست پر امیدوار کھڑا کرنے کا حق ہی نہیں وہ آخر دم تک مسلمانوں کی الگ تنظیم کے حق میں ڈٹے رہے اور کانگریس کو مسلمانوں کے امور میں مداخلت کی اجازت دینے پر تیار نہ ہوئے۔

کانگریس کی طرف سے احرار کی زندگی پر حملہ:۔ دوسرے ضمنی انتخاب کے ختم ہوتے ہوتے احرار کے اکثر لیڈر فوجی بھرتی کی مخالفت کے جرم میں جیلوں میں پہنچ گئے۔ جب کانگریس نے ۱۹۴۲ء میں انفرادی سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تو احرار کو بھی اس میں لپیٹنا چاہا مگر کانگریس کی بدقسمتی کہ چودھری صاحب مرحوم بیماری کی بنا پر رہا کر دئے گئے اور جن دو ایک احراری لیڈروں کی وساطت سے یہ کوشش ہو رہی تھی وہ اپنے مقصد میں بالکل ناکام رہے آخرکار مجلس احرار کی زندگی پر وار کیا گیا گروہ بھی ادھورا رہا یعنی مجلس احرار کے ایک سابق سیکرٹری کی طرف سے مجلس کے توڑ دینے کا اعلان کرا دیا گیا لیکن چودھری صاحب مرحوم نے فوراً اس خبر کی تردید کر کے مجلس کو ختم ہونے سے بچا لیا۔ کانگریس کی اس حرکت سے احرار حلقوں کا مضطرب ہو جانا یقینی تھا چنانچہ کافی عرصہ تک یہ خیال کیا جاتا رہا کہ شاید احرار اور لیگ میں تعاون ہو جائے۔ چودھری صاحب مرحوم نے پاکستان کی حمایت شروع کر دی اس سے اس خیال کو اور تقویت ملی اس کے بعد جب مولانا مظہر علی جیل سے باہر

آئے تو انھوں نے بھی تقسیم ہند کے حق میں آواز بلند کی۔ اب کانگرسی حلقے بالکل او چھے ہتھیاروں پر اتر آئے اور یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا۔ کہ مظہر علی بھی شیعہ ہے اور جناح بھی شیعہ۔ چنانچہ ایک تیسرے شیعہ لیڈر راجہ صاحب محمود آباد کی وساطت سے احرار کو مسلم لیگ نے خرید لیا ہے

جمعیۃ العلماء کا اجلاس لاہور اور چودھری صاحب کا انتقال:- جمعیۃ العلماء نے احرار کے خلاف اس پراپیگنڈا کو اور ہوا دی اور احرار کانگرس سے زیادہ سے زیادہ متنفر ہوتے گئے ۱۹۴۲ء کے آخر میں جمعیۃ العلماء ہند کے سالانہ اجلاس کے لاہور میں منعقد ہونے کا اعلان کیا گیا لیکن جمعیۃ کے لیڈروں کے اس خطرہ کے پیش نظر کہ شائد احرار رضا کار اس کانفرنس میں ہنگامہ برپا کر دیں اس اجلاس کے التوا کا اعلان کر دیا گیا اتنے میں جنوری ۱۹۴۳ء کے پہلے ہفتہ عشرہ میں چودھری صاحب انتقال فرما گئے ۱۹۴۲ء میں مجلس احرار کو ختم کرنے کا جو ڈرامہ کھیلا گیا تھا اس کے مینی شاید صرف چودھری صاحب مرحوم تھے باقی تقریباً سب احرار لیڈر جیل میں تھے اس لیے جو تاثر چودھری صاحب کے ذہن پر مرتب ہو سکتا تھا وہ اور کسی کے ذہن پر نہ ہو سکتا تھا چنانچہ چودھری صاحب کی آنکھیں بند ہوتے ہی احرار کو پھنسانے کی کوششیں تیز سے تیز تر ہوتی گئیں۔ چودھری صاحب چونکہ ہمیشہ کانگرس کی ان مذموم کوششوں میں حائل ہوتے رہے تھے اس لیے ان کی موت سے کانگرس نے یہ سمجھا کہ راستے کا ایک کانٹا دور ہوا۔ چودھری صاحب آل انڈیا کانگرس کی مجلس عاملہ کے رکن رہ چکے تھے۔ مگر گاندھی جی کا اظہار افسوس تو ایک طرف خود کانگرس کی مجلس عاملہ نے بھی اپنے ایک پرانے رفیق کی موت پر تعزیتی قرارداد تک منظور کرنا مناسب نہ سمجھا اور نہ جمعیۃ العلماء کے صدر یا ناظم نے دوستانہ اور رفیقانہ مراسم کے باوجود

تعزیتی پیغام بھیجنا گوارا کیا لیکن جمعیۃ کا ملتوی شدہ سالانہ اجلاس بھی منعقد کرنا تھا۔ لیگی تو ویسے ہی مخالف تھے احرار کی مخالفت کا بھی اشد خطرہ تھا اس سے جمعیۃ کے رہنما حیران تھے کہ کریں تو کیا کریں۔ آخر چوہدری صاحب کی وفات کے کم از کم دو ماہ بعد اخبارات میں یک بیک صدر جمعیۃ اور ناظم جمعیۃ کے تعزیتی پیغامات دیکھنے میں آئے لوگ حیران تھے کہ یا الٰہا ماجرا کیا ہے۔ کیا چوہدری صاحب کے انتقال کی خبر لاہور سے دہلی تک دو ماہ میں پہنچی۔ حقیقت یہ تھی کہ جمعیۃ کے رہنماؤں کو اپنی کانفرنس کو کامیاب کرنا تھا اور اس کے لیے احرار رضاکاروں کو رام کرنا ضروری تھا چنانچہ یہ تعزیتی پیغامات اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی۔ اب چوہدری صاحب کی موت کو بھی دو ماہ یا ڈھائی ماہ گزر چکے تھے اور ان کی موت کا صدمہ اور کانگریس اور جمعیتیوں کا ان سے سلوک بھی ذہن سے فراموش ہوتا جا رہا تھا چنانچہ علماء کی عزت و مرتبت کا واسطہ دے کر احرار کو اس کانفرنس کی امداد پر آمادہ کیا گیا۔ احرار رضاکاروں نے دل کھول کر جمعیۃ کی مدد کی اور جن مسلمان نوجوانوں نے جمعیۃ کی کانگریس پروری کے خلاف آواز اٹھائی انھیں کلہاڑیوں کا نشانہ بنانے سے گریز نہ کیا۔ اب علماء کی وساطت سے احرار کو کانگریس سے قریب تر لانے کی کوشش اور تیز کر دی گئیں لیکن یہ کوششیں پوری طرح کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ احرار، آزاد مسلم کانفرنس سے الگ ہو گئے کیونکہ اس کا مقصد وحید کانگریس کی ہاں میں ہاں ملانا ہے۔ مسلم مجلس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا گیا۔ مولانا مظہر علی جنرل سیکرٹری آل انڈیا مجلس احرار نے یہ اعلان کر دیا کہ ہندو مسلم مسئلہ کا فیصلہ مسلمانوں کی طرف سے صرف مسلم لیگ کر سکتی ہے اور اگر پاکستان کے متعلق کسی وقت استصواب عامہ کیا گیا تو احرار پاکستان کے حق میں ووٹ دیں گے۔

پنجاب لیگ کے سالانہ اجلاس سیالکوٹ کے موقع پر مولانا مظہر علی کے ارشاد پر احرار رضاکاروں نے قائداعظم کے جلوس میں شرکت کی اور [illegible] بیٹھے ان کا استقبال کیا۔ مسلمان عوام خوش ہو رہے تھے کہ اب احرار کے ان تھک کارکنوں کی خدمات لیگ کو حاصل ہو جائیں گی۔ مگر وقت کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا۔

لیگ یونینسٹ ٹکراؤ اور احرار کی نئی کروٹ:— اسی اثنا میں مسلم لیگ اور یونینسٹ وزارت میں ٹکر ہو گئی تھی۔ احرار کا بینہ نے یہ سمجھا کہ اس تصادم سے فائدہ اٹھا کر اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اتنے میں چودھری چھوٹو رام کے ایما پر ملک خضر حیات کا ایک خط ایک بہت بڑے احرار لیڈر کے نام آیا کہ آپ فلاں روز شام کے وقت میرے ساتھ چائے پیجئے۔ احرار نے اس ملاقات کو اپنی کامیابی اور حصول اقتدار کا ایک وسیلہ سمجھا۔ کہتے ہیں کہ اس ملاقات میں سب کچھ طے ہو گیا۔ چنانچہ قائداعظم کے سیالکوٹ کے اجلاس کے ایک ہفتہ بعد نعرہ کہ تمام مسلمان جماعتیں لیگ میں شامل ہو جائیں) آڑے آیا گیا اور لیگ اور پاکستان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا گیا۔ کل تک تو یہ کہا جاتا تھا کہ ہندو مسلم تصفیہ نپٹانے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے نمائندگی کا حق مسلم لیگ اور صرف مسلم لیگ کو ہے لیکن اب اسی مسلم لیگ کی مخالفت کے درپے ہو گئے۔ وہی ڈاکٹر عالم جو مجلس احرار کے قیام کے وقت اس کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور جن کے اس جرم کو احرار حلقے کبھی معاف کرنے کو تیار نہیں تھے اب انھیں ڈاکٹر عالم کی کوٹھی احرار کا مرجع بن گئی۔ وہی احرار کارکن جو کل تک تو یہ کہتے تھے کہ لیگ کی مخالفت اور یونینسٹ وزارت کی حمایت احرار کے لیے دوسرا شہید گنج ثابت ہوگی (اور ہوا بھی ایسا ہی) اب انھی کی ہدایات [illegible] ٹھہرا

کے لیے اپنی عرضیاں لے لے کر ڈاکٹر عالم کی کوٹھی کا صبح و شام طواف کرنے لگے کہ فلاں افسر اور فلاں وزیر سے کہہ کر مجھے ان پابندیوں سے خلاصی دلوا دیجیے۔ احراری لیڈر جو کل تک تو یہ کہتے تھے کہ خضر حیات شریعت کے پابند نہیں ان کی جائیداد شریعت کے مطابق تقسیم نہیں ہو سکتی بلکہ صرف بڑے بیٹے کو ملتی ہے اور ان کے اس دستور کو خلاف شریعت قرار دیتے ہوئے انھیں کافر تک کہنے سے گریز نہ کرتے تھے، اور انھیں تین تین ہزار کے کتے پالنے کا طعنہ دیا جاتا تھا کہ مسلمان غریب تو بھوکا مر رہا ہے اور خضر حیات کی کوٹھی میں تین تین ہزار کے کتے نرم نرم گدیلوں پر استراحت کر رہے ہیں۔ اور ابھی سے ابھی تو ملک پہ پل رہے ہیں۔ وہی احراری لیڈر اب سر خضر حیات کی تعریف میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہانے لگے۔

پہلی شملہ کانفرنس: احرار نیشنلسٹ وزارت کے تو ضرور ہی خواہاں گئے تھے لیکن ابھی تک کانگرس کے جال میں دھنسے تھے کہ ۱۹۴۵ء میں پہلی شملہ کانفرنس کے انعقاد کا اعلان ہو گیا۔ احرار کانگرس کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ مولانا آزاد نے اپنی کوششوں کو ناکام ہوتے دیکھ کر خضر حیات سے کہہ کر مولوی حبیب الرحمٰن کو رہا کروایا کہ وہ احرار کو رام کر کے کانگرس میں لائیں لیکن احرار لیڈر ۱۹۳۹ء کے واقعہ کو ابھی تک بالکل نہیں بھولے تھے۔ اس لیے مولوی صاحب موصوف کو کافی حد تک کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ احرار نے سر جیسو کی تازہ پارٹی کانفرنس میں شرکت کی دعوت محض اس بنا پر مسترد کر دی کہ مسلمانوں کی طرف سے آئینی مسائل میں ترجمانی کا حق صرف مسلم لیگ کو ہے۔

پنجاب اسمبلی کے حالیہ انتخابات: احرار کی نت بدلتی ہوئی روش میں "نیشنلسٹ نوازی" راستے کی ایسی منزل ثابت ہوئی کہ اس کے اقتدار نے بالکل دم توڑ دیا اور ان انتخابات میں سرکاری امداد کے باوجود احرار

امیدواروں کو شرمناک شکستیں ہوئیں۔ حتیٰ کہ احرار کا ٹکٹ ہولڈر اگر کوئی بھی کھڑا ہوا تو وہ اپنے مریدوں ہی کے حلقے میں ناکام رہا۔

تشکیل وزارت:۔ اب تشکیل وزارت کا ڈول ڈالا گیا خضر حیات کو کوئی مسلمان وزیر درکار تھا لے دے کر سب کی نگاہیں مولانا مظہر علی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ سننا ہے کہ خضر حیات کا میلان بھی انہیں کی طرف تھا اور ان کا وزیر ہو جانا قریب قریب یقینی ہو گیا تھا لیکن وہ اسمبلی کا انتخاب ہار گئے۔ اب سوال یہ تھا کہ چھ ماہ تک وہ وزیر رہ سکتے ہیں لیکن اس کے بعد پھر انتخاب کا سامنا کرنا ہو گا۔ لیکن کوئی بھی مسلم حلقہ ایسا نہ تھا کہ جہاں سے مولانا کامیاب ہو سکیں۔ لے دے کر مخلوط حلقے تھے چنانچہ گوپی چند سے کہا گیا کہ آپ یونیورسٹی کی نشست سے استعفیٰ دے دیں تاکہ مولانا مظہر علی اسمبلی میں آ سکیں۔ انہوں نے کہا مجھے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن ان سے تو پوچھئے۔ چنانچہ وہی مولانا مظہر علی جو کبھی مولانا آزاد سے ملنا گوارا نہ کرتے تھے اب ان کے استقبال کے لیے ہوائی اڈے پر موجود تھے۔ شیخ حسام الدین بھی مولانا آزاد کے اردگرد چکر کاٹنے لگے کہ کسی طور پر مجلس کے جنرل سیکرٹری وزیر بن جائیں جس سے جماعت کے اقتدار میں اضافہ ہو۔ مولانا آزاد اپنی گزشتہ مساعی کی ناکامی کو بھولے نہیں تھے وہ اس بات کو کس طرح نظر انداز کر دیتے کہ احرار نے کل تک تو میری کسی بات پر کان نہیں دھرے وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اب محض وزارت کے لیے میری دلداری کی جا رہی ہے چنانچہ مولانا مظہر علی کو کورا جواب دے دیا گیا کہ آپ کانگرس کا حلف نامہ بھر دیجئے تو ہم گوپی چند کو مستعفی کرا کر آپ کو منتخب کروا دیا جائے گا۔ مولانا مظہر علی نے جب اس تجویز پر ٹھنڈے دل سے غور کیا تو ان پر واضح ہو گیا کہ وہی پرانا کھیل پھر کھیلا جا رہا ہے۔ چنانچہ جس طرح ان کے نائب ظفر رفیق چودھری افضل حق مرحوم جیسا قد آور

کے ضمنی انتخابات میں کانگرس کا حلف نامہ بھرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح اب انھوں نے بھی کانگرس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے تو اپنی الگ تنظیم کے لیے پھر کوئی جواز پیش نہ کر سکتے۔ اس واقعے سے ان پر یہ بات اور واضح ہو گئی ہوگی کہ کانگرس کو مسلمانوں کی الگ تنظیم کسی صورت میں بھی گوارا نہیں۔ چاہے وہ اس کے اپنے حامیوں ہی کی ہو۔

لاہور کارپوریشن کے میئر کا انتخاب:۔ اس کے بعد لاہور کارپوریشن کے انتخاب آ گئے مولانا ظفر علی کے فرزند جناب قیصر مصطفیٰ بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی بھی کونسلر نامزد کر دیے گئے کانگرس پارٹی نے یہ وعدہ کیا کہ قیصر صاحب کو میئر کے انتخاب کے لیے کھڑا کیا جائے گا۔ لیکن جب انتخاب میں دو ایک دن باقی رہ گئے۔ تو ایک نواب زادے کو قیصر مصطفیٰ پر ترجیح دی گئی۔ مولانا اور ان کے فرزند کے لیے یہ واقعہ بہت رنجدہ تھا مولانا نے کانگرس کی تحریکوں میں قید و بند کے مصائب برداشت کیے تھے۔ لیکن کانگرس نے انھیں وزیر نہ بننے دیا ان کے صاحبزادے نے قوم پرست مسلم طلبہ کی تنظیم کی خاطر اپنی تعلیم تک کا نقصان کیا تھا لیکن اب اسے کانگرس نظر انداز کر رہی تھی۔ اب بیٹے کو ان کی خدمات کا صلہ یہ دیا جا رہا تھا کہ باپ کانگرس کا ممبر نہ تو مخلوط حلقے سے منتخب ہوا اور بیٹے کو کانگرس نے ایک سرمایہ دار نواب زادے کے مقابلہ پر ٹھکرا دیا۔ کانگرس نے اس بارے میں اس بات کا خیال بھی نہ کیا کہ جس فوجی بھرتی کی مخالفت کے سلسلے میں مولانا مرحوم سے دو قدم آگے رہے ہیں یہ نواب زادہ اسی فوجی بھرتی کے حامی بلکہ اسی فوج کے ممبر ہیں۔ ایک طرف آئی۔ این۔ اے والوں کی مدح خوانی اور دوسری طرف سرکاری ممبروں کی پرورش ہے

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

ان دو واقعات نے مولانا ظفر علی کی آنکھیں کھول دیں چنانچہ میرٹھ کے انتخاب میں تمیر مصطفیٰ صاحب نے لیگ کا ساتھ دیا ان کے اس اقدام پر کانگرس اور کانگرس کے اجیروں کی طرف سے آوازے کسے گئے کہ لیگ کا ساتھ دے کر ملک سے غداری کی ہے۔ نوبت بایں جا رسید خود مجلس احرار نے تادیبی کارروائی کی دھمکی دی لیکن یہ نہ سوچا کہ جب خود مولانا ظفر علی کی خدمات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک گندہ ناتراش طفل مکتب اور سرکار پرست کو مقرر بنوانا جائز ہے اور اس نوجوان کے مقابلے پر جو اپنی قوم پرستی کے جرم میں اپنی قوم کے نوجوانوں میں ہمیشہ مطعون رہا ہو ایک نواب زادے اور نوکر شاہی کو کارپوریشن کا میئر بنانے کی ناپاک کوشش مباح بلکہ عین ثواب ہو، تو اس صورت میں لیگی مسلمان کی حمایت کس طرح ناقابل معافی گناہ ہو سکتی ہے۔

گزشتہ اسمبلی کے انتخابات:۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ کانگرس نے چودھری افضل مرحوم جیسے محب وطن کا مقابلہ کرنا محض اس لیے ضروری سمجھا کہ وہ کانگرس ٹکٹ پر کھڑے ہونے کو تیار نہ تھے لیکن پنجاب اسمبلی کے گزشتہ عمومی انتخابات میں کانگرس نے چودھری چھوٹو رام، راجہ نریندر ناتھ، ڈاکٹر گوکل چند نارنگ اور مسٹر منوہر لال کا باوجود ان کی سرکار پرستی کے مقابلہ نہ کیا جب اس کا سبب منظر عام پر پیش کیا جائے گا۔ تو سب انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ کیا ہندو کانگرس کے بڑے بڑے نیتا بھی اتنے متعصب ہو سکتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ کانگرس کے ایک بہت بڑے ذمہ دار لیڈر کے بھائی (جو اب کانگرس کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن بھی بن گئے ہیں) پنجاب کانگرس پارلیمنٹری بورڈ کے کرتا دھرتا احباب کے نام یہ پیغام لے کر آئے کہ ان چاروں مذکورۃ الصدر اصحاب کا مقابلہ نہ کیا جائے کیونکہ ہندو مفاد کا تقاضا یہی ہے چنانچہ ان اصحاب کا مقابلہ کرنے کے لیے

باوجود متعدد کانگرسیوں کی درخواستوں کے کسی کو کانگرس ٹکٹ نہ دیا گیا گویا کانگرس کے بڑے بڑے نیتا ہندو مفاد کے لیے کانگرس کو بھی قربان کرنے کو تیار ہوں لیکن بیچارے نیشنلسٹ مسلمان بیچ

منم گنگ و بیدم وم نہ کشیدم

یہ طریب کانگرس کو کسی محب وطن اور ایثار پیشہ مسلمان کا مقابلہ کرنے سے بھی باز نہیں رکھ سکتے۔ ضلع ہوشیارپور میں کانگرس کے ایک بہت بڑے لیڈر ماسٹر ہری سنگھ تھے (جو اب کمیونسٹ ہو چکے ہیں) گذشتہ اسمبلی انتخابات میں انھوں نے کانگرسی وزارت کا ساجواب دے دیا اور کانگرس کا ٹکٹ لینے سے صاف انکار کر دیا وہ اکالی ٹکٹ پر کھڑے ہوئے اور جیتے لیکن کانگرس کو ان کے خلاف اپنا امیدوار کھڑا کرنا تو ایک طرف مخالف امیدوار کی حمایت کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ اسی طرح سردار سوہن سنگھ جوش نے کانگرس ٹکٹ لینے سے انکار کر دیا تھا اور آزاد ٹکٹ پر کامیاب ہوئے لیکن کانگرس ان کی مخالفت تو کیا کرتی الٹا ان کے کامیاب ہو جانے کے بعد انھیں پنجاب کانگرس کا جنرل سیکرٹری بنا دیا گیا۔

موجودہ انتخابات:۔ اب ذرا حالیہ انتخابات پر بھی نگاہ ڈالیے پنجاب میں کانگرس نے اکالیوں کا مقابلہ تو کیا لیکن یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ بڑے بڑے ہندو کانگرسیوں کا میلان اکالیوں ہی کی طرف تھا چنانچہ کانگرسی سکھوں کی امداد میں بخل سے کام لیا گیا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ سکھ کانگرسی سکھ نشستوں کی اکثریت پر قبضہ نہ کر لیتے۔ کانگرس نے مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے امیدواروں کو ہزاروں روپیہ دیے لیکن کانگرس سکھوں کی مدد سے کتراتی رہی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ پنجاب اسمبلی میں اکالیوں کی موجودگی ہندوؤں کو تقویت پہنچاتی۔ کانگرس نے روپیہ تو

سردار بلدیو سنگھ کے مقابلہ پر ایک کانگریسی کو کھڑا کر دیا لیکن اس کانگریسی کی حمایت کے لیے پنجاب کے بڑے بڑے کانگریسی بھی تیار نہ ہوئے چنانچہ اس کی حمایت میں جو اشتہار شائع کیے گئے ان پر ڈاکٹر گوپی چند جیسے جفادری کانگریسی نے بھی دستخط کرنے سے انکار کر دیا آخر ایسا کیوں؟

اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندو کانگریس یہ چاہتے تھے کہ پنجاب پر مسلمانوں کے منشا کے خلاف حکومت کی جائے۔ اس مقصد کے لیے سکھوں سے امداد لینی ضروری تھی اور اس غرض کے لیے سردار بلدیو سنگھ سے زیادہ موزوں شخص کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ان کے مفاد برلا اور ٹاٹا سے مشترک ہیں اس لیے انھیں آسانی سے تابو کیا جا سکتا تھا خطرہ یہ تھا کہ اگر کانگریس نے سردار بلدیو سنگھ کی دل کھول کر مخالفت کی تو وہ ہار جائیں گے اور اکالیوں کی عنان گیانی کرتار سنگھ کے ہاتھ میں آ جائے گی جن کا ذاتی میلان مسلمانوں کی طرف ہے اور جو مسلم لیگ سے مل کر وزارت قائم کرنے کے حامی ہیں محض مسلم لیگ کی وزارت کے قیام کے امکان کو دور کرنے کے لیے کانگریس نے اپنے امیدوار کی حمایت نہ کی اور اپنے مخالف سردار بلدیو سنگھ کا ساتھ دیا تاکہ ان کی معرفت اکالیوں کو رام کر کے پنجاب پر مسلمانوں کے منشا کے خلاف حکومت کی جائے۔

ہوشیارپور میونسپلٹی کا صدر:۔ ہوشیارپور میونسپل کمیٹی کے انتخابات منعقدہ ۱۹۳۶ء میں چھ ہندو اصحاب کانگریس ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اور ایک مسلمان ڈاکٹر شیخ[1] مسلمان بزرگ کئی سال سے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے رکن چلے آتے تھے ان کو بلا مقابلہ کامیابی پر ہندو اخبارات نے بہت بغلیں بجائیں یہاں کی میونسپل کمیٹی کے کل چودہ ممبر ہیں لیکن سول سرجن صاحب صدر اور نائب صدر کے انتخاب میں حصہ نہیں لیتے گویا کانگریس کی واضح اکثریت تھی خیال یہ تھا کہ کانگریس اس

[1] ڈاکٹر شیخ ... دراز الحق چوہدری ... شہری مسلم لیگ کے صدر بنے

یا اپنے مسلمان رفیق کو صدر بننے کا موقع دے کر فرقہ پرستی سے بالاتر ہونے
کا ثبوت دے گی کیونکہ ایک دفعہ کے سوا مسلمان کبھی اس میونسپلٹی کا صدر
نہیں بنا تھا لیکن وہ کانگریس ہی کیا جو مسلمانوں کی دلجوئی کر سکے؟ چنانچہ اس
مسلمان کانگریسی کو نظر انداز کر دیا گیا لیکن یہ نہیں کیا کہ کسی ہندو کانگریسی
کو صدر بنایا جاتا بلکہ ایک سرکار پرست اور نامزد سکھ کو صدر بنایا گیا
جو اپنی ٹوڈیت کی وجہ سے خود کانگریسی کارکنوں میں بے حد غیر مقبول تھا
لیکن اس کے سوا مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوئی اور صورت بھی نہ ہو سکتی
سب سے بڑا لطف یہ کہ مسلمانوں نے تقریباً اجتماعی طور پر مسلمان کانگریسی
کا ساتھ دیا لیکن اسے اپنے ہندو رفیقوں ہی کے ہاتھوں شکست کا سامنا
کرنا پڑا۔ اس انتخاب کے بعد کافی شور ہوا۔ وہاں کی کانگریس کے صدر[1] اس
وقت ایک مسلمان تھے یہ ساری کارروائی ان سے بالا بالا کی گئی۔ چنانچہ
جب صدارتی انتخاب سے پہلے اس بات کی بھنک ان کے کان میں پڑی تو
انھوں نے ایک بہت بڑے کانگریسی کو جو اس شرمناک ڈرامہ کا اہم کردار
تھا متنبہ کیا کہ اگر یہ بات سچ ہے تو کانگریس کے لیے اس سے زیادہ ذلت
اور رسوائی اور کوئی نہیں ہوگی لیکن ان مولوی صاحب کو تو یہ کہہ کر ٹال
دیا گیا کہ یہ بات غلط ہے۔ بھلا آپ کے منشا کے خلاف کوئی کارروائی کی جا
سکتی ہے لیکن جب انتخاب ہوا تو نتیجہ وہی کہ کانگریس اور ہندو مہاسبھا
میں کوئی فرق نہیں جب اس مسلمان صدر نے کانگریس کی مجلس عاملہ کے
اجلاس میں ہندو میونسپل کمشنروں سے جواب طلب کیا تو یہ کہا گیا کہ
تمہیں داڑھی سے پکڑ کر کانگریس کے دفتر سے نیچے پھینک دیں گے۔ معاملہ
کانگریس ہائی کمان تک پہنچا لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ کانگریس کو کسی ہندو میونسپل کمشنر

---

[1] [illegible]

(مترجم) [illegible]

کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کی جرأت نہ ہوئی کہ اپنے مسلمان رفیق کے خلاف ایک ٹوڈی کا ساتھ کیوں دیا۔ ہندو کانگرسیوں نے جب دیکھا کہ ہماری اس حرکت سے مسلمانوں میں کانگرس کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہو گئی ہے تو کانگرس کا آئندہ صدر بھی ایک مسلمان کو بنا دیا چونکہ سابقہ مسلمان صدر ہندوؤں کے منشا کے مطابق نہ تھے اس لیے انھیں تو ان کی متعدد حیل یا تاؤں کے باوجود نظر انداز کر دیا گیا اور ایک نو خیز مسلمان کو کانگرس کا صدر بنا دیا گیا تاکہ مسلمانوں کو بدستور اپنے طلسم فریب میں گرفتار رکھا جا سکے۔ نیشنلسٹ مسلمان اس انتخاب پر پھولے نہ سماتے تھے کہ میونسپلٹی کے انتخاب کی تلافی ہو گئی چنانچہ یہ خبر ایک مسلمان قوم پرست نے چودھری افضل حق مرحوم تک بھی پہنچائی کہ ہم نے ہوشیارپور کی کانگرس پر قبضہ کر لیا ہے چودھری صاحب مرحوم نے یہ خبر سن کر کہا کہ کانگرس پر قبضہ کو کیا کروں مجھے یہ بتاؤ کہ میونسپل کمیٹی پر کس کا قبضہ ہے؟

جالندھر میونسپلٹی کی صدارت۔ ہوشیارپور سے بیس پچیس میل کے فاصلہ پر جالندھر ہے لیکن کانگرس کا باوا آدم ہی نرالا ہے جس اصول پر ہوشیارپور میں عمل ہوگا۔ جالندھر میں اس کے بالکل برعکس کارروائی کی جائے گی۔ ہوشیارپور میں تو یہ کیا کہ ایک مسلمان کانگرسی کے مقابلہ پر غیر مسلم ٹوڈی اور نامزدہ ممبر کو صدر بنوایا اور اس ضمن میں اتنا تکلف بھی گوارا نہ کیا کہ اس سرکار پرست سے کانگرس کے حلف نامہ پر دستخط ہی کرا لیے جاتے۔ جالندھر میں معاملہ کچھ اور تھا وہاں غیر مسلم منتخب اور نامزدہ ارکان مل کر بھی اکثریت میں نہیں، اس لیے کسی غیر مسلم کے صدر بننے کا کوئی امکان نہیں کچھ مسلمان ممبر احرار ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے لیکن ہندو کانگرسی ان کا ساتھ دینے پر بھی تیار نہ تھے۔ ان کی شرط یہ تھی کہ صدارت کا امیدوار کانگرس کا حلف نامہ بھر دے چنانچہ

لہ نواب شیخ عبدالمجید جو آج کل ملتان میں آباد ہو چکے ہیں۔

ایک صدارت کے تھوڑے کے لئے کانگرس کا حلف نامہ بھر دیا اور صدر بن گیا گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ جہاں غیر مسلم صدر بن سکتا ہو وہاں یہ نہ دیکھو کہ وہ کانگرسی ہے یا لیگی اور کانگرس کا حلف نامہ بھرے گا یا نہیں اور جہاں مسلم صدر کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو وہاں ایسے مسلمان کو صدر بناؤ جو تمہاری حضوری بجنے کو اور تمہارے عظیم فریب میں گرفتار ہونے کو تیار ہو۔

ہوشیار پور میونسپلٹی کا سیکرٹری: ۔ جب سے ہوشیار پور کی میونسپلٹی بنی ہے اس کا سیکرٹری ہندو ہی چلا آتا ہے۔ چند برس ہوئے ہندو سیکرٹری ریٹائر ہو گیا۔ خیال یہ تھا کہ شاید کانگرس اب صدر کے انتخاب کے موقع کی مذموم حرکت کی تلافی کر دے گی۔ لیکن نہیں، ایک ایسا مسلمان بھی امیدوار تھا جو ایم۔ اے ایل۔ ایل بی بھی تھا اور سالہا سال سے کانگرس کا ممبر بھی چلا آتا تھا مسلمان ممبروں نے اس کا ساتھ دیا اور ہندو کانگرسیوں نے ایک ہندو کو منتخب کروا کر یہ ثابت کر دیا کہ جس ادارہ میں ہندوؤں کی اکثریت ہو اس میں کسی دوسری قوم کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔

الہ آباد کا انگم ٹیکس آفیسر: ۔ ڈیڑھ ایک برس ہوئے الہ آباد میونسپلٹی کے انگم ٹیکس آفیسر کا تقرر عمل میں آتا تھا۔ مشہور قوم پرست مسلمان رفیع احمد قدوائی (جو اب کانگرس کی مجلس عاملہ کے رکن بھی بنا دئے گئے ہیں) کے بھائی بھی امیدوار تھے یہ صاحب بھی رفیع احمد قدوائی کی طرح کانگرسی ہیں لیکن ہندو کانگرسیوں کو ایک مسلمان کو چاہے۔ وہ کٹر کانگرسی ہی ہو۔ انگم ٹیکس آفیسر بنانا کس طرح بھا سکتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک ہندو کا ساتھ دیا اور اُسے مقرر کروا دیا لیکن کانگرس ان کے خلاف کچھ نہ کر سکی۔ کہ کیوں ایک مسلمان کانگرس کی مخالفت کی۔

امرت سر کا انگم ٹیکس آفیسر: ۔ چند مہینوں ہی کا قصہ ہے کہ امرت سر

میونسپلٹی کے اگزیکٹو آفیسر کا تقرر عمل میں آیا مشہور کانگریسی مسلمان غازی عبدالرحمن بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی وکیل بھی امیدوار تھے ــــ غازی صاحب پرانے کانگریسی ہیں۔ صوبے کے کانگریسیوں کے صف اول میں شمار ہوتے ہیں ان کی کانگریسیت کی انتہا یہ ہے کہ مجلس احرار میں بھی رہنا گوارا نہ کیا۔ کہ میں کسی فرقہ وارانہ تنظیم میں شامل رہنا پسند نہیں کرتا لیکن ان کی اس قوم پرستی کا صلہ کانگرس نے کیا دیا؟ ایک سرکار پرست ہندو کو اگزیکٹو آفیسر بنوا دیا۔ ان تمام واقعات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جہاں کسی غیر مسلم کے لیے کامیابی کا ذرہ برابر بھی امکان ہوتا ہے۔ وہاں کانگرس اپنے بلند بانگ دعاوی کے باوجود سرکار پرستوں کا ساتھ دینے پر بھی تیار ہو جاتی ہے۔ اس کے سامنے صرف ایک مقصد ہے کہ جس طرح بھی ہو ہر ادارہ پر ہندوؤں کا قبضہ ہو جاتا ہے اس کے لیے کسی مسلمان کانگریسی ہی کو قربان کرنا پڑے اور جہاں کسی غیر مسلم کے لیے کامیابی کی کوئی صورت نہ ہو۔ البتہ وہاں بھینس مرتی کی کیجیے بیچ دو کے مصداق کسی قوم پرست مسلمان کا ساتھ دیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہاں بھی ایک احتیاط ملحوظ خاطر رکھی جاتی ہے کہ ایسی صورت میں بڑے سے بڑے مسلمان قوم پرست کا ساتھ بھی اس وقت تک نہ دو۔ جب تک وہ ہندوؤں کا جی حضوری اور ان کے طلسم فریب میں گرفتار ہونے کو تیار نہ ہو جائے۔

پنجاب یونیورسٹی اور سندھ یونیورسٹی:۔ سندھ میں ایک یونیورسٹی قائم کی جارہی ہے اور اس کے قواعد و ضوابط مرتب کیے جارہے ہیں مسلم لیگی ارکان کی تجویز یہ طے پایا ہے کہ یونیورسٹی کے مختلف اداروں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب کے مطابق حصہ دیا جائے اس تجویز پر کانگریسی ارکان واک آؤٹ کر گئے کہ اس طرح مسلمانوں کو تو زیادہ حصہ مل جاتا ہے اور ہندوؤں کو کم لیکن نئی کانگریسیوں کا دوسرا گ

یونیورسٹیوں میں مسلمانوں سے کیا سلوک ہے؟ دور نہ جائیے پنجاب ہی کو لیجئے
یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مگر پنجاب یونیورسٹی پر ہندوؤں کا قبضہ
ہے۔ کیا ان کانگریسیوں نے کبھی اس بے انصافی کی طرف بھی دھیان دیا
کہ پنجاب کے مسلمانوں کو ان کے جائز حق سے محروم کیا جا رہا ہے؟ کیا کانگرس
پنجاب کے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر پنجاب یونیورسٹی کا بائیکاٹ
کرے گی؟ کیا ڈاکٹر گوپی چند جو پنجاب اسمبلی میں یونیورسٹی کے نمائندہ
ہیں اور کانگرس کے بہت بڑے لیڈر بھی ہیں۔ اصلاح حال کے لیے اسمبلی
میں آواز اٹھائیں گے؟ اور یا دش بخیر کیا پنجاب یونیورسٹی کے کانگریسی
پروفیسر عبدالمجید خان سندھ کی مثال سے سبق حاصل کریں گے اور پنجاب
یونیورسٹی میں مسلمانوں پر جو ظلم کیا جا رہا ہے۔ اس کے خلاف احتجاج کریں گے؟

مرکز میں مساوات۔ اب عارضی حکومت کے قیام کے متعلق حالیہ تجویز
پر غور کیجئے۔ وائسرائے چاہتے تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان
مساوات قائم کر دی جائے۔ آپ ذرا شری آزاد کے وائسرائے کے نام تمام
خطوط پڑھ جائیے۔ آپ کو کہیں بھی یہ محسوس نہ ہوگا کہ کانگرس ہندوستان
کی تمام قوموں کی نمائندہ جماعت ہے۔ ان خطوط سے آپ پر یہی ظاہر ہوگا
کہ کانگرس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے۔ جس کے پیش نظر ہمیشہ ہندو
مفاد رہتا ہے جس طرح ابدالی کے مقابلہ میں مرہٹوں کی فوج کا ایک سالار
ابراہیم نامی بھی تھا اسی طرح موجودہ دور میں ہندو کانگرس کا ایک
مسلمان آزاد بھی ہے۔ جو اپنے آقاؤں کی خاطر اپنے ہم مذہبوں سے
ٹکرانے سے بھی نہیں گھبراتا۔ کانگرس نے ان خطوط میں صاف طور پر کہا
ہے کہ ہم ایک اقلیت اور ایک اکثریت کے درمیان مساوات قائم
کرنے کی تجویز کو کبھی منظور نہیں کر سکتے۔ حال ہی میں پٹیل بھائی کی مقتدا ایسی
کا ایک بیان بھی اسی مطلب کا شائع ہوا ہے۔ اگر کانگرس ہندو جماعت

نہیں تو اسے ہندو مفاد کا اتنا فکر کیوں ہے؟ کانگرس پچھلی شملہ کانفرنس کے موقع پر مرکز میں مساوات کی قائل تھی۔ لیکن اس کے متعلق اب اس نے یہ دلیل دی ہے کہ اس وقت جنگ جاری تھی اس لیے مصلحت وقت کے ماتحت ہم نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مساوات کو تسلیم کر لیا تھا گویا جب ضرورت ہو تو مسلمانوں کو ہندوؤں کے برابر حصہ دیا جا سکتا ہے لیکن کام نکل جانے کے بعد تو کون اور میں کون۔

جب کانگرس نے دیکھا کہ وائسرائے کسی نہ کسی طرح کی مساوات قائم کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو انھوں نے عارضی حکومت کی تجویز کو مسترد کرنے کا ایک اور حیلہ تلاش کر لیا اگر کانگرس محض ہندو مسلم مساوات کی مخالفت کی خاطر اس تجویز کو رد کرتی تو خطرہ تھا کہ شاید کچھ قوم پرست مسلمان جو مرکز میں ہندو مسلم مساوات کی مخالفت کی خاطر اس تجویز کو رد کرتی تو خطرہ تھا کہ شاید کچھ قوم پرست مسلمان جو مرکز میں ہندو مسلم مساوات کے حامی ہیں کانگرس سے الگ ہو جائیں اس لیے کوئی اور بہانہ ڈھونڈنا ضروری تھا اور اسے یہ بہانہ مل بھی گیا اس نے قوم پرست مسلمانوں ہی کی آڑ لی اور یہ کہا کہ ہم کسی قوم پرست مسلمان کو بھی عارضی حکومت میں نامزد کرنا چاہتے ہیں۔ کانگرس یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ مسلمان قوم اس تجویز کو ہرگز ہرگز منظور نہیں کرے گی۔ کیونکہ کوئی خوددار قوم یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کا کوئی فرد قومی مفاد سے غداری بھی کرے اور سربرآرائے حکومت بھی ہو۔ یہ اصول عین فطرت ہے اگر مسلمان قوم اس تجویز کو منظور کر لیتی۔ تو اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جس خود غرض مسلمان کو بھی وزارت میں حصہ نہ ملے وہ اپنی قوم سے غداری کر کے دشمنوں سے مل جائے اور پچھلے دروازے سے ایوان حکومت میں داخل ہو جائے۔ کانگرس کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے معنی یہ تھے کہ

ہندو جب خود غرض مسلمان کو خرید سکتے تھے کہ تم اپنی قوم سے غداری کر کے ہم میں شامل ہو جاؤ۔ ہم تمہیں اپنے حصہ میں سے وزیر بنوا دیں گے۔ اس طرح مسلمان غداروں کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ وہ یہ جان لیتے کہ وزیر بننے کے لیے اپنی قوم کی حمایت ضروری نہیں۔ اور اپنی قوم سے غداری کر کے اغیار کے بل بوتے پر بھی عہدے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس لیے غداروں کو عبرت ناک سبق دینا ضروری تھا کہ اپنی قوم سے غداری کر کے جہاں تم اپنی عاقبت خراب کر رہے ہو وہاں دنیاوی فوائد سے بھی بہرہ مند نہیں ہو سکتے۔

اس مسئلہ کا سب سے دلچسپ اور عبرت ناک پہلو یہ ہے کہ کانگرس نے یہ کہا ہے کہ ہم نے گزشتہ شملہ کانفرنس میں ہندو مسلم مساوات کو اس لیے بھی قبول کر لیا تھا۔ کہ اس میں قوم پرست مسلمان نامزد کیے جانے کی تجویز بھی شامل تھی۔ اب اپنی پوزیشن پر قوم پرست مسلمان ذرا خود ہی غور کریں کہ کانگرس یہ خیال کرتی ہے کہ اگر مرکز میں ہندو اور مسلمان برابر ہوں اور مسلمانوں میں دو ایک قوم پرست بھی ہوں تو ہندو اکثریت کو کوئی ضعف نہیں پہنچتا دوسرے لفظوں میں مسلمان اقلیت کو کوئی تقویت نہیں پہنچتی۔ یوں سمجھئے کہ کانگرس نے بالواسطہ طور پر اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ قوم پرست مسلمان ہندو سماج کا ایک حصہ ہیں اور محض نام کے مسلمان ہیں۔ ورنہ ان کے وجود سے ملت اسلامیہ کو کوئی تقویت نہیں پہنچ سکتی۔ میں مولانا حسین احمد مدنی سے نہایت ادب سے یہ پوچھوں گا کہ کیا انہیں یہ پوزیشن قبول ہے؟ جیسا تشبیہ بالکفار کے مسائل آپ سناتے جاتے ہیں کہ جس قوم کی نقل کرو گے قیامت کو اسی کے ساتھ اٹھو گے۔ لیکن ہمارے کانگرس زدہ علماء اس بات پر بھی غور کریں گے۔ کہ ہم زندگی میں جس مسلم دشمن کا ساتھ دیں گے

کیا قیامت کے روز اسی کی صفوں میں شمار نہیں ہوں گے؟

کانگرس نے دراصل قوم پرست مسلمان کی نامزدگی کا حق مانگ کر ان کی توہین کی ہے۔ مسلم لیگ جتنے دلائل قوم پرست مسلمانوں کے خلاف پیش کرتی رہی ہے۔ کانگرس کا یہ مطالبہ ان سب دلیلوں پر بھاری ہے۔ کانگرس نے پہلے تو ہندو مسلم مساوات کے ماننے سے انکار کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس کے پیش نظر صرف ہندو مفاد ہے۔ لیکن وہ یہاں تک اکتفا کرتی تو بھی غنیمت تھا۔ مگر اس نے قوم پرست مسلمانوں کی نامزدگی کا حق مانگ کر اپنے آپ کو بالکل ننگا کر دیا ہے کہ وہ ہندوستان پر مسلمانوں کے منشاء کے خلاف راج کرنا چاہتی ہے اور اسلام دشمن نظام قائم کرنے کی خواہاں ہے۔

پنجاب کے سکھ: اس کے علاوہ ایک اور مسئلہ پر بھی غور کیجئے طویل المعیاد و عارضی تجاویز میں سکھوں کو پنجاب میں پاسنگ نہیں دیا گیا اس سلسلہ میں سکھ کافی پیچ پا ہیں اور کانگرس بھی ان کی ہمنوا ہے۔ پٹیل بھی ان کی خاطر مچل رہے ہیں۔ نہرو بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ پنتھ کے مفاد کی خاطر اگر کانگرسی سکھ کانگرس کے فیصلہ کے باوجود دستور ساز اسمبلی کا مقاطعہ کر دیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ گویا نہرو رپورٹ کی داستان پھر دہرائی جا رہی ہے۔ کانگرس کی اس روش پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے تو آپ فوراً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ کانگرس مرکز میں مسلمانوں کو اس لیے مساوات دینے کے خلاف ہے کہ اس سے ہندو مفاد کو اس کے خیال کے مطابق دھکا پہنچتا ہے۔ اور پنجاب میں سکھوں کے پاسنگ کی اس لیے حامی ہے کہ اس سے ایک غیر مسلم فرقہ کے ہاتھ مضبوط ہوتے ہیں اور مسلمان اپنے گھر میں عضو معطل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی پاسنگ نے اب اسلامیان پنجاب کی عظیم ترین اکثریت کے علی الرغم ایک ایسی

وزارت کو پنجاب کے سر پر ٹھونس رکھا ہے۔ جو مسلمانوں کے منشا کے صریح خلاف ہے۔ کانگرس یہ چاہتی ہے کہ یہی کھیل ہمیشہ کھیلا جاتا رہے ہر قوم میں غدار مل جاتے ہیں اور کانگرس کا منشا یہ ہے کہ پانچ چھ مسلمان غداروں کو لے کر اپنی مرضی کے مطابق پنجاب پر راج کیا جائے اور یہاں کے مسلمانوں کو کبھی ابھرنے کا موقع نہ دیا جائے۔

اچھوت اور مومن:۔ وائسرائے کی عارضی حکومت کی تجویز میں یہ بات بھی موجود تھی کہ اچھوت ممبر کو ہندوؤں سے الگ نامزد کیا جائے گا کانگرس کو اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ اس طرح ہندو سماج کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور ہندو اکثریت اقلیت میں بدل جائے گی۔ اچھوت ہندو سماج ہی کا حصہ ہیں یا ایک الگ قوم ہیں یہ ایک طویل بحث ہے اسے کسی اور وقت کے لیے اٹھا کے رکھتا ہوں۔ مجھے تو یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ وزارتی مشن کے ساتھ گفتگو کے دوران میں کانگرس کے پیش نظر صرف ہندو مفاد رہا ہے۔ اسے مرکز میں ہندو مسلم مساوات پر اعتراض ہے کہ اس سے ہندو اکثریت گھاٹے میں رہتی ہے۔ اسے اچھوتوں کی سورن ہندوؤں سے علیحدگی پسند نہیں کہ اس سے ہندو سماج کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ ہندوستان کے آئین کے متعلق ان ساری مذاکرات کے دوران میں کانگرس بالکل ننگی ہو گئی ہے اور اس نے اپنا مہاسبھایانہ پہلو بالکل عریاں کر دیا ہے۔ لیکن کانگرس کی ذرا دو رنگی بھی ملاحظہ کیجئے۔ یہ شیعوں اور مومنوں کی الگ سیاسی تنظیم کی حامی ہے۔ لیکن اچھوتوں کی جداگانہ حیثیت سے انکاری ہے۔ شیعوں اور مومنوں کی الگ تنظیم کی حمایت کرتے وقت وہ یہ نہیں سوچتی کہ اس طرح ملت اسلامیہ کے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ لیکن اسے اسلامی مفاد سے کیا تعلق۔ اسے تو صرف اسلام دشمنی سے واسطہ ہے۔ ہندوستان کے مسلمان مختلف حصوں میں بٹے

جائیں ان کی تھوڑی بہت تنظیم بھی ختم ہو جائے۔ تو ہندو کانگریس کے لیے میدان بالکل صاف ہے۔

کانگریس یہ تو کہتی ہے کہ کرکری غیر کانگریسی اچھوت عارضی حکومت میں نہیں لیا جا سکتا کیونکہ ہندو جاتی اس کے ساتھ نہیں ہے لیکن خود ایک کانگریسی صوبہ میں مومن کانفرنس کے ایک عہدہ دار کو وزیر بنا رکھا ہے لیکن اُسے مقرر کرتے وقت یہ نہیں سوچا کہ مسلمان قوم اس کے ساتھ نہیں ہے۔ کانگریس کو اس سے کیا۔ اگر مسلمان قوم اس مومن کے ساتھ نہیں ہے تو کانگریس کی بلا سے اسے تو صرف مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانا مقصود ہے اور اس مقصد کے لیے قوت اسلامیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے بہتر حیلہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

مرکزی حکومت نے بمبئی کے اچھوتوں کے ایک صنعتی کالج کو کچھ امداد دی ہے جب یہ تجویز مرکزی اسمبلی میں پیش ہوئی تو کانگریس نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اس طرح ہندو جاتی مختلف حصوں میں بٹ جائے گی لیکن اس کا اپنا عمل یہ ہے کہ یو۔پی میں مومنوں کی تعلیم کے لیے الگ روپیہ مقرر کیا ہے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہمیں مسرت ہے کہ اس طرح مسلمانوں کا ایک پسماندہ طبقہ تعلیم سے تھوڑا بہت بہرہ مند ہو جائے گا اور ملی نفع و نقصان کو سوچ سکے گا لیکن سوال صرف یہ ہے کہ اگر کانگریس اچھوتوں کا الگ کالج برداشت نہیں کر سکتی (اور آں حالیکہ اچھوتوں کے لیے اکثر ہندو کالجوں کے دروازے بند ہیں) تو مومنوں کی جداگانہ تعلیم کے لیے کیوں فکرمند ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کے تمام تعلیمی اداروں کے دروازے ہر شخص اور ہر طبقہ حتیٰ کہ خود ہندوؤں اور سکھوں کے لیے کھلے ہیں۔ کانگریس اس خام خیالی میں ہے کہ مومن اگر تعلیم یافتہ ہو جائیں گے تو مسلمان قوم سے کٹ جائیں گے، اس لیے وہ مومنوں کی الگ تعلیم کی حامی

ہے یا ہو سکتا ہے کہ وہ اس روپیے سے مومنوں کو باقی مسلمانوں کے خلاف تربیت دے اور اس طرح مسلمان قوم کو نقصان پہنچائے۔ کانگریس مومنوں کے الگ تعلیمی اداروں کی محض اس لیے مخالف ہے کہ اس سے ہندو جاتی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، اور مومنوں کی جداگانہ تعلیم کی اس لیے علمبردار ہے کہ اس طرح وہ اپنے آپ کو باقی مسلمان قوم سے الگ تصور کرنے لگیں گے گویا کانگریس کو جو چیز ہندو اتحاد کے لیے مضر نظر آتی ہے اسے مسلمانوں کے لیے پسند کرتی ہے کیوں؟ محض اس لیے کہ اس حربہ سے مسلمانوں میں انتشار پیدا کیا جا سکتا ہے۔

دستور ساز اسمبلی کے انتخابات:۔ دستور ساز اسمبلی کے لیے کانگریس نے غیر کانگریسیوں کو بھی منتخب کرایا ہے۔ یہاں تک کہ شیام پرشاد مکرجی صدر آل انڈیا ہندو مہا سبھا کو بھی بنگال کا نمائندہ بنوا دیا ہے کیونکہ کانگریس یہ کہتی ہے کہ ہم فرقہ وارانہ تنظیموں کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتے لیکن اب ان سے کون پوچھے کہ ہندو مہا سبھا کونسی غیر فرقہ وارانہ جماعت ہے۔ کانگریس نے جہاں اور جب بن پڑا ہے، اس نے مہا سبھائیوں کی حمایت کی ہے بنگال اسمبلی کے موجودہ انتخابات میں بھی کانگریس نے شیام پرشاد مکرجی کا مقابلہ نہیں کیا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ یہ بزرگ بنگال اسمبلی میں پہنچ سکتے لیکن ہندو مفاد کا تقاضا یہ تھا کہ مکرجی بنگال اسمبلی میں ضرور پہنچ جائیں۔ دوسری طرف اس کا سلوک مسلم لیگ سے کیسا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے کر لیجئے کہ اس نے قائد اعظم اور نواب زادہ لیاقت علیخاں کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شیام پرشاد مکرجی قائد اعظم اور نواب زادہ لیاقت علی سے کم فرقہ پرست ہیں یا قائد اعظم اور نوابزادہ لیاقت علی کو ہندوستان کی بہبودی کا خیال شیام پرشاد مکرجی سے کم ہے؟ مسلمانوں

قائداعظم اور شیام پرشاد مکرجی کی فرقہ پرستی میں ایک بنیادی فرق ہے۔ قائداعظم مسلمانوں کی سربلندی چاہتے ہیں جو کانگرس کو مرغوب نہیں اور شیام پرشاد مکرجی ہندو راج کے لیے کوشاں ہیں جو کانگرس کو محبوب ہی نہیں بلکہ اس کی غایت اولیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کانگرس قائداعظم کی تو مخالف ہے لیکن شیام پرشاد مکرجی کو سینے سے لگاتی ہے۔ حالانکہ دونوں فرقہ پرست جماعتوں کے رہنما ہیں۔ مہاسبھا بھی اپنے آپ کو کانگرس سے الگ۔ اور اس کی مخالف بتاتی ہے۔ لیکن اس کے یہ دعاوی محض ایک ڈھونگ ہیں ورنہ مہاسبھا اور کانگرس ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں جیسے ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ کانگرس شیام پرشاد مکرجی کو دستور ساز اسمبلی میں لے آئے اور جن دو تین مسلمان کانگرسیوں کو منتخب کرا سکی ہے ان کی جگہ کسی مسلم لیگی رہنما کو دیدے۔ اس سے پہلے مختلف واقعات بیان کر کے یہ دکھا چکا ہوں کہ کانگرس کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ کیسا رہا ہے اور ہندوؤں کے ساتھ کیسا ہے اور کانگرس کا سلوک قوم پرست مسلمانوں سے کیسا ہے اور غیر کانگرسی ہندوؤں اور سکھوں سے کیسا۔ اب میں قوم پرست مسلمانوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اس سلوک کے بعد بھی وہ کانگرس ہی کے دامن سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔

احرار سے:۔ کانگرس نے نہرو رپورٹ کو سکھوں کی خاطر مسترد کرتے وقت قوم پرست مسلمانوں سے پوچھا تک نہیں اس کا ردعمل یہ ہوا کہ کچھ قوم پرست مسلمانوں نے خودداری کے احساس کے زیر اثر اپنی الگ جماعت مجلس احرار قائم کر لی۔ اب مذہبی جماعت اپنے مقصد کو چھوڑ بیٹھی ہے اس کے اکابر کانگرس کی ہاں میں ہاں ملانا فرض سمجھتے ہیں اور مسلم لیگ کی مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں مجلس احرار

کہ آئندہ صدر سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہوں گے تاکہ احرار کی کانگریس سے اور قریب لا سکیں۔

میں نہایت ادب سے شاہ صاحب سے پوچھوں گا کہ جب آپ نے مجلس احرار کے قیام کا فیصلہ کیا تھا اور آپ ہوشیارپور میں شاخ کے قیام کی غرض سے تشریف لائے تھے تو شیخ قمر بخش صاحب وکیل مرحوم کی کوٹھی پر مجلس کے قرطاس رکنیت دکھاتے ہوئے آپ نے یہ کہا تھا کہ سالہا سال کے تجربے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کی الگ تنظیم ہونی چاہیئے۔ کانگریس ان کے مفاد کا تحفظ نہیں کر سکتی تو اب حالات میں اور ہندو کی ذہنیت میں کونسی ایسی تبدیلی آگئی ہے کہ آپ اپنے سوچے سمجھے ہوئے فیصلہ کو بدلنا ضروری سمجھتے ہیں؟ بلکہ اب تو حالات اور زیادہ خراب ہیں کانگریس ایک طرف تو چودھری افضل حق مرحوم جیسے محب وطن کی بھی الگ تنظیم کے قیام کی کوشش کو معاف کرنے کو تیار نہیں اور دوسری طرف ہندو مہا سبھا کے صدر شیام پرشاد مکرجی کو بنگال کا نمائندہ سمجھتی ہے کیا احرار لیڈر اس اختیار پر غور کریں گے؟ انھوں نے کانگریس کی تحریک میں ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں صحتیں تباہ کیں مگر اس کا نتیجہ؟ وہ کانگرس کے نزدیک مردود ہیں۔ اور مہا سبھائی محبوب۔ کانگرس تو ان سے مسلم حقوق کے متعلق بات چیت بھی کرنے کو تیار نہیں۔

۱۹۴۳ء کے آخر میں جب دو احرار لیڈر دہلی پہنچے کہ گاندھی جی سے ہندو مسلم مسئلہ کے تصفیہ کے سلسلہ میں ملیں تو گاندھی جی نے یہ کہلا بھیجا کہ میرے پاس وقت نہیں آخر یہ احرار لیڈر اسٹیشن پر پہنچے اور جس ٹرین میں گاندھی جی واپس جا رہے تھے اس میں سوار ہو گئے تاکہ راستہ ہی میں باتیں ہو سکیں میرے خیال میں ہر احرار لیڈر کو یہ معلوم ہوگا کہ گاندھی جی نے ان ذی شان احرار لیڈروں سے کیا کہا تھا۔ انھوں نے مسلم حقوق کے متعلق احرار سے بات

کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ مسلم قوم آپ کے ساتھ نہیں ہے وہ مسلم لیگ کے ساتھ ہے اس لیے ہندو مسلم مسئلہ کے متعلق جب بھی گفتگو ہوگی مسلم لیگ ہی سے ہوگی۔ کیا اس ٹکا سا جواب کے بعد بھی احرار لیڈر گاندھی کی انگلی سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں!

نہرو رپورٹ کے استرداد کا سوال ہو تو احرار سے ضرور پوچھا جائے۔ ہندو مسلم تصفیہ ہو تو احرار کو درخور اعتنا نہ سمجھا تو آخر یہ احرار ہیں کس مرض کی دوا؟ یہ کہتے تو ہیں کہ ہم کانگرس کے ساتھ تعاون کر کے مسلم حقوق کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں لیکن مزا تو جب تھا کہ کانگرس بھی اس کا اعتراف کرتی اور کہتی کہ ہندو مسلم مسئلہ کے نپٹانے کے لیے ہم اپنے مسلم معاونوں اور مخلصوں کی رائے پر عمل کریں گے۔ مگر کانگرس ایسا کیوں کہے اسے تو مسلمانوں کا ذرہ برابر مفاد بھی گوارا نہیں۔ لیکن وائے حسرتا! اس سلوک کے باوجود احرار کانگرس سے چمٹے ہوئے ہیں اور اب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو محض اس غرض سے صدر بنانا چاہتے ہیں تاکہ احرار کا رہا سہا امتیاز بھی جاتا رہے۔ کیا احرار اپنی اس مضحکہ خیز پوزیشن پر غور کریں گے کانگرس انھیں مسلمانوں کی نمائندگی کا حق دینے کو تیار نہیں اور ان سے ہندو مسلم مسئلہ کے سلسلہ میں گفتگو کرنے پر بھی آمادہ نہیں وہ انھیں محض اپنے ایک مہرے کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے۔ جب احرار مسلم مسئلہ پیش کرتے ہیں تو گاندھی جی کہہ دیتے ہیں کہ مسلم قوم آپ کے ساتھ نہیں اور جب مسلم لیگ سے گفتگو شروع کی جاتی ہے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ تم مسلمانوں کے نمائندہ نہیں کیونکہ احرار وغیرہ مسلم جماعتیں بھی موجود ہیں کیا احرار کانگرس سے یہ پوچھیں گے کہ اگر مسلمانوں کے نمائندہ نہ ہم ہیں اور نہ مسلم لیگ تو پھر مسلمانوں کا نمائندہ آخر ہے کون؟ اور کیا ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ جب بھی مسلم لیگ سے گفتگو ہو، ہمیں کانگرس کی طرف سے آگے بڑھا کر

مسلم لیگ کو مات دینے کی ناکام اور ناپاک کوشش کی جائے۔ چند مسلم مسلک کی موجودگی سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن اس مسئلہ پر ادا ہونا گفتگو کا حق ہے اور نہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی ترجمانی کا۔ تو آخر یہ مسئلہ مسلمانو کی طرف سے کون نپٹائے گا؟ بات دراصل یہ ہے کہ کانگریس مسلمانوں کو کچھ دینا ہی نہیں چاہتی اس لیے وہ کسی جماعت سے گفتگو کرنے پر آمادہ نہیں چنانچہ احرار کو تو یہ کہہ کر ٹھکا بتا دیا جاتا ہے کہ مسلم قوم تمہارے ساتھ نہیں اور لیگ سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں احرار وغیرہ بھی موجود ہیں اس لیے تم مسلمانوں کے نمائندہ نہیں۔ ان دنوں حالات احرار کی حالت پر افسوس بھی ہوتا ہے اور رحم بھی آتا ہے ان کا کام لے دے کر اب کانگریس کے ایک مہرے کا رہ گیا ہے۔ سنہ ۱۹۳۶ میں احرار کی لکھنؤ کانفرنس کے موقع پر آل انڈیا کانگریس کے جنرل سیکرٹری آچاریہ کرپلانی کا یہ پیغام آیا کہ آپ اپنی جماعت کو توڑ کر کانگریس میں مدغم ہو جائیے لیکن احرار کو اس پیغام میں کوئی بات قابل اعتراض نظر نہیں آئی اور جب سنہ ۱۹۳۶ میں قائد اعظم سیالکوٹ میں تقریر کرتے ہوئے تمام مسلمان جماعتوں سے اپیل کرتے ہیں کہ لیگ میں آ جائیے تو احرار تختہ آتش زیر پا ہو جاتے ہیں کہ اپنے بدترین مخالف یونینسٹوں سے ناطہ جوڑ بیٹھتے ہیں آخر قائد اعظم کی اس اپیل میں کونسی بات ایسی قابل اعتراض تھی جو آچاریہ کرپلانی کے پیغام میں موجود نہ تھی! مگر کانگریس سے رفاقت اور تعاون تو منظور ہے لیکن مسلم لیگ کے قریب پھٹکنا بھی حرام۔ کانگریس کو چودھری افضل حق مرحوم کے منتخب ہونے پر تو اعتراض ہے۔ کہ وہ مسلم قوم کی الگ تنظیم کے حامی ہیں لیکن ہندو مہا سبھا کے صدر شیام پرشاد مکرجی کا نہ صرف بنگال اسمبلی کے انتخاب میں مقابلہ نہیں کرتی بلکہ انھیں دستور ساز اسمبلی کا رکن بھی خود منتخب کرواتی ہے۔ کیا کانگریس نے اپنے اس رویہ سے یہ ثابت

نہیں کر دیا کہ احرار کی وقعت اس کی نظر میں ہندو مہاسبھا جتنی بھی نہیں؟
کیا احرار لیڈر اپنی پوزیشن پر غور کریں گے کہ وہ کہاں سے اور کس مقصد سے چلے تھے اور کہاں آ پہنچے ہیں؟ احرار سے اپنی گزارشات ختم کرنے سے پہلے میں ان کی حکومت الٰہیہ کے قیام کے مطالبہ کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ احرار یہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ اطمینان دلا دیجیے کہ پاکستان میں حکومت الٰہیہ کا نظام ہوگا تو ہم پاکستان کے قیام کے لیے کوشاں ہوں گے۔ اس مطالبہ کے متعلق تو صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ وہ کونسا بدبخت مسلمان ہے جو قرآنی اور محمدی نظام کے قیام کی مخالفت کرے گا۔ احرار لیگ کی صفوں میں شامل ہوں پاکستان حاصل کریں اور جب پاکستان کے آئین کا سوال درپیش ہو تو قرآنی نظام اور حکومت الٰہیہ کے قیام کی کوشش کریں۔ مجھے اس بات کا سو فی صدی یقین ہے کہ مسلمانوں کا ہر بچہ، بوڑھا، مرد، عورت احرار کی اس کوشش میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ لیکن پہلے سوال تو یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کے لیے خطۂ ارض تو حاصل کر لیجئے آخر یہ قرآنی نظام آسمان اور زمین کے درمیانی خلا میں تو معلق نہیں کر دیا جائے گا۔ سب سے پہلے زمین کا ایک ایسا ٹکڑا حاصل کرنا ہوگا۔ جہاں حکومت الٰہیہ قائم کی جا سکے۔

اس کے علاوہ اسی ضمن میں احرار اکابر سے نہایت ادب سے یہ دریافت کروں گا کہ وہ کانگرس کی جنگ میں جو اس کے ساتھ شریک ہیں تو کیا انھوں نے کانگرس اور گاندھی جی سے یہ ضمانت لے لی ہے کہ ہندوستان میں حکومت الٰہیہ قائم ہوگی؟ اور کیا میرے احرار دوست یہ بتائیں گے کہ انھوں نے تحریک خلافت میں کیوں حصہ لیا تھا؟ کیا ترکی میں حکومت الٰہیہ قائم تھی؟ نہیں اور ہرگز نہیں وہاں ایک خاندان حکمران تھا اور موروثی نظام رائج تھا۔ لیکن اسلامیان ہند اور احرار کی

ہمدردیاں اگر سلطنت عثمانیہ کے ساتھ تھیں تو محض اس غرض سے کہ وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے، جو کفار کی حکومت سے بہرحال بہتر ہے چنانچہ مولانا اشرف علی مرحوم نے تحریک خلافت کی مخالفت کی تھی کہ یہ جنگ اسلامی جنگ نہیں بلکہ ملک گیری کی جنگ ہے تو احرار اور دوسرے علماء نے اس فتویٰ کو درخور اعتنا نہ سمجھا تھا اگر ترکی کی آزادی کی جنگ میں اس کا ساتھ دینا باعث ثواب تھا، حالانکہ وہاں حکومت الٰہیہ قائم نہیں تھی، تو پاکستان کی آزادی کی کوشش کیوں گناہ ہے۔

یہ داستان یہیں ختم نہیں ہوتی احرار نے کشمیر کی تحریک کیوں شروع کی تھی؟ کیا شیخ عبداللہ نے احرار سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ میں کشمیر میں حکومت الٰہیہ قائم کروں گا؟ اور پھر جب عراق میں رشید علی جیلانی نے علم بغاوت بلند کیا تھا اور عراق کو انگریزوں کے اثر سے آزاد کرنا چاہا تھا تو احرار نے اس کے حق میں آواز کیوں بلند کی تھی؟ کیا رشید علی جیلانی نے احرار سے کوئی معاہدہ کیا تھا کہ میں عراق میں حکومت الٰہیہ قائم کروں گا؟ اور جب ایران پر انگریزوں اور روسیوں نے حملہ کیا تھا تو احرار نے کیوں احتجاج کیا تھا؟ کیا ایران میں حکومت الٰہیہ قائم تھی؟ اور آج کل ڈاکٹر سکارنو کی قیادت میں انڈونیشیا میں جو جنگ آزادی لڑی جا رہی ہے، اس میں احرار کی ہمدردیاں ڈاکٹر سکارنو کے ساتھ کیوں ہیں؟ کیا اس نے حکومت الٰہیہ کے قیام کا اعلان کر دیا ہے؟ اور اگر کل کوئی یورپی حکومت ترکی پر حملہ کرے تو کیا احرار خاموش رہیں گے، حالانکہ وہاں مکمل غیر شرعی نظام رائج ہے؟ ان تمام مثالوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ احرار ہندوستان سے باہر مسلم ممالک کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں لیکن خود اپنے ملک ہندوستان میں آزاد مسلم حکومت برداشت نہیں کر سکتے۔ احرار کو اپنی اس دو عملی کو ترک کر کے اور دنیا سے یہ اعلان کرنا ہوگا کہ ہم نے آج تک مسلم ممالک کی آزادی کے حق

میں آواز اٹھا کر گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے اور اس کے لیے بارگاہ رب العزت سے معافی کے طلب گار ہیں کہ ہمارے کہنے پر ان تحریکوں میں جو نوجوان مسلمان شہید ہو گئے اور جو مسلمان گھرانے تباہ ہو گئے وہ سب ہماری غلطی کا نتیجہ ہے جس کے لیے اللہ کریم ہمیں معاف کرے۔ اگر احرار یہ اعلان کرنے پر آمادہ نہیں تو انھیں ہندوستان میں ایک آزاد مسلم حکومت کے قیام کی کوشش میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے یہ کیا کہ ہندستان سے باہر تو مسلم ممالک آزاد ہوں اور ان کی آزادی پر حرف آئے تو احرار سینہ سپر ہو جائیں اور جب خود ہندوستان میں ایک مسلم حکومت کے قیام کی کوشش کی جائے تو احرار نہ صرف الگ رہیں بلکہ سنگ گراں بن کر حائل ہو جائیں اور اغیار کے لیے ڈھال کا کام دیں۔

جمعیۃ العلماء سے:- ہمارے علماء ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں کہ ہم کانگرس کے ساتھ محض آزادی کی جنگ لڑنے کے لیے ہیں اور آزادی کے حصول کے بعد مسلم حقوق کے لیے لڑیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ پہلے ہندو سے مل کر انگریز کو نکال دو۔ بعد میں مسلم حقوق کے لیے ہندو سے بھی نبرد آزما ہو لیں گے۔ یہ فیصلہ غلط تھا یا صحیح اس پر اس وقت کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا علاوہ ازیں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اب اس بحث میں پڑنے کا موقع جاتا رہا ہے اس لیے اپنے علماء سے صرف اتنی درخواست ضرور کرنی چاہتا ہوں کہ انگریز تو ہندوستان سے جانے کے لیے تیار ہے۔ اس کی نیک نیتی کا اعتراف خود گاندھی جی کر رہے ہیں اور ان کی حالیہ تجاویز کو تم ہمارا "ٹھوس" قرار دے رہے ہیں۔ گویا اب آزادی کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اب ہمارے علماء کی یہ منزل تو طے ہو گئی۔ اپنے ملکی فریضے سے عہدہ برآ ہو چکے اور اپنی آزادی کا حق حاکم سے منوا چکے۔ اب وہ اگلی اور زیادہ ضروری منزل کے لیے رخت سفر باندھیں۔ آزادی کا سوال طے ہو چکا اب سوال ہے مسلم حقوق کا۔ انگریز

کہہ رہا ہے کہ میں یہاں سے جانے کو تیار ہوں تم اپنے آئندہ آئین کے متعلق
خود فیصلہ کرو۔ کانگریس چاہتی ہے کہ میرا بنایا ہوا آئین تمام ہندوستان
پر نافذ ہو۔ وہ دستور سازی کے سلسلہ میں مسلمانوں کو کوئی حقوق دینا نہیں
چاہتی۔ وہ یہ کہتی ہے کہ ہندوستان کی باقی قوموں کو میری رائے
کے تابع ہونا ہوگا۔ اب جب آزاد ہندوستان کے آئین کا سوال درپیش
ہے تو کیا ہمارے علماء اپنے قول کا پاس کرتے ہوئے مسلم حقوق کے تحفظ کے
لیے ہندو سے نبرد آزما ہوں گے اور باقی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے؟ یہاں
مجھے علماء کے ایک اعتراض کا بھی ذکر کرنا ہے۔ موجودہ اسمبلی انتخابات کے
دوران میں یو۔پی وغیرہ مسلم اقلیت کے صوبوں میں ہمارے علماء یہ کہتے
رہے ہیں کہ پاکستان تو مسلم اکثریت کے صوبوں میں قائم ہوگا۔ مسلم اقلیت
والے صوبوں کو تو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ علاوہ ازیں ان کا یہ
خیال بھی ہے کہ اگر مسلم اکثریت کے صوبے ہندوستان سے الگ ہو گئے
تو ہندوستان میں مسلمانوں کا فیصدی تناسب بہت زیادہ کم ہو جائے گا
اس اعتراض کے ضمن میں علماء سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب سرحد
آزاد پر انگریز بمباری کرتا ہے اور اسے اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش
کرتا ہے تو علماء اور اسلامیان ہند اس کے خلاف احتجاج کیوں کرتے ہیں
کیونکہ اس احتجاج سے فائدہ تو صرف سرحد آزاد کو پہنچتا ہے، ہندوستان
کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہی سوال دیگر مسلم ممالک کی آزادی
کی تحریکوں سے ہمدردی کے بارے میں پوچھا جا سکتا ہے کہ آزاد ترکی
فلسطین، شام، عراق یا ایران، ہندوستان کے مسلمانوں کو ان مسلم
ممالک کی آزادی کی تحریکوں سے ہمدردی کرنے سے کیا فائدہ پہنچے گا؟
باقی رہا اس اعتراض کا دوسرا جزو کہ اگر مسلم اکثریت کے صوبے ہندوستان
سے الگ ہو گئے تو ہندوستان میں مسلمانوں کا فی صدی تناسب بہت

زیادہ کم ہو جائے گا۔ اس اعتراض کو سن کر حیرت ہوتی ہے کہ اس کے پیش کرنے والے ہمارے علماء ہیں۔ میں ان علماء سے نہایت ادب سے پوچھوں گا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا تناسب آبادی ہندوؤں کے تناسب آبادی کے برابر کرنے سے کیا یوں نہ کیا جائے کہ سرحد آزاد، افغانستان، ایران، عراق اور شام وغیرہ کو ہندوستان میں شامل کر دیا جائے! سرحد آزاد کو تو انگریز ہندوستان میں شامل کرنا چاہتے ہی ہیں۔ اس لیے آئندہ صوبہ سرحد آزادی آزادی کو ختم کرنے کے لیے ہمیں انگریز کا ساتھ دینا چاہیے کہ اس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی کچھ بڑھ جائے گی۔ افغانستان پر بھی ہمیشہ انگریز کی نظر رہی ہے اور کسی زمانے میں تو افغانستان تمامی ہندوستان میں شامل اور مشہور کانگرسی جلاوطن لالہ ہردیال (جلی) افغانستان کو ہندوستان کا حصہ سمجھتے تھے اور اسے واپس ہندوستان میں شامل کرنا چاہتے تھے اس لیے ہمارے علماء میدان میں آئیں اور اللہ کا نام لے کر جہاں مسلم اکثریت کے صوبوں کی علیحدگی کی مخالفت کر رہے ہیں وہاں یہ تحریک بھی شروع کر دیں کہ افغانستان کو ہندوستان میں شامل کر دیا جائے کیونکہ اس سے ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی بڑھ جائے گی پھر اسی طرح ایران، عراق، شام، سعودی عرب اور یمن وغیرہ کو بھی ہندوستان میں شامل کرنے کا ڈول ڈال دیں اور تمام مسلم اکثریت کے کے ممالک کو ہندوستان میں شامل کرتے جائیں یہاں تک کہ ہندوستان میں پچیس تیس کروڑ مسلمان ہو جائیں اور ان کا تناسب آبادی غیر مسلموں کے برابر ہو جائے گا۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

مجھے یقین کامل ہے کہ ہمارے علماء میری اس تجویز کی مخالفت کریں گے اور اس پر کبھی عمل کرنے کو آمادہ نہیں ہوں گے [illegible]

اقتصادی مشکلات کے اعتراض کا بھی ذکر کرتا جاؤں اگر باوجود اقتصادی
افلاس کے سرحدآزاد کو یہ حق ہے کہ آزاد رہے اسی طرح باقی چھوٹے
چھوٹے مسلم ممالک کو یہ حق ہے کہ آزاد رہیں تو مسلم اکثریت کے صوبوں
نے کونسا ایسا تصور کیا ہے کہ وہ آزاد نہ ہوں ان کی اقتصادی حالت
تو ایران، عراق اور افغانستان وغیرہ سے بدرجہا بہتر ہے اگر ہندوستان
میں مسلمانوں کی آبادی بڑھانے کے لیے آپ سرحدآزاد کو ہندوستان
میں شامل کرنے کے خلاف ہیں۔ افغانستان کو ہندوستان میں شامل
کرنا نہیں چاہتے ایران کو ہندوستان میں لانا مناسب نہیں سمجھتے۔
عراق کو ہندوستان سے وابستہ کرنا محل اعتراض ہے تو آخر پاکستان
ہی کو کیوں ہندوستان کی دم سے ضرور باندھ رکھا جائے۔ اگر آپ فلسطین
کی آزادی کی تحریک کے حامی ہیں۔ اگر آپ سرحدآزاد پر بمباری سے
آگ بگولا ہوا اٹھتے ہیں تو پاکستان کی آزادی پر آپ کو اعتراض کیوں؟؟
اگر ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی بڑھانا ہی ہے تو کم سے کم اتنا تو
کیجئے کہ انڈونیشیا سے لے کر مصر تک تمام مسلم اکثریت کے ممالک کو ہندوستان
میں شامل کرا دیجئے تاکہ اور کچھ نہ ہو تو ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی
غیرمسلموں کے برابر تو ہو جائے۔ صرف پاکستان کو ہندوستان سے وابستہ
رکھنے میں تو کچھ زیادہ فائدہ نہیں۔ اس سے ہندوستان میں مسلمانوں کا
تناسب آبادی صرف چھبیس فی صدی ہو جاتا ہے جو موجودہ جمہوریت کے
زمانہ میں کچھ معنی نہیں رکھتا اس لیے ہندوستان میں مسلمانوں کا تناسب
آبادی کم سے کم پچاس فی صدی تو ہو۔ چنانچہ میں اپنے علماء سے درخواست
کروں گا کہ وہ آئیں اور بسم اللہ پڑھ کر مسلم ممالک کو ہندوستان میں شامل
کرنے کی تحریک شروع کر دیں۔ ؎

در کار خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست

اگر علماء یہ تحریک شروع کرنا نہیں چاہتے تو وہ سوچیں کہ وہ کس منہ سے پاکستان کی آزادی کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ علماء سے اپنی گذارش ختم کرنے سے پیشتر قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ مرقدہ بانی دار العلوم دیوبند کی زندگی کا ایک واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں ان کی زندگی میں ایک بار دیوبند میں تعزیوں کے سلسلہ میں ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نے مسلمانوں کا ساتھ دیا حالانکہ وہ تعزیہ داری کے خلاف تھے۔ مولانا یہ کہتے تھے کہ ہندو تعزیوں کا اس لیے مخالف نہیں کہ یہ رسم اسلام میں شرعاً حرام ہے بلکہ وہ ان کا مخالف محض اس لیے ہے کہ وہ انھیں مسلمانوں سے متعلق سمجھتا ہے۔

مولانا حسین احمد مدنی کے قابل صد فخر سلف تو باوجود اپنے عقائد کے تعزیوں کا ساتھ ہندوؤں کے مقابلہ پر صرف اس لیے دے سکتے ہیں کہ ہندو تعزیوں کو مسلمانوں سے متعلق سمجھ کر اس کی مخالفت کرتا تھا اس لیے اس سلسلہ میں مسلمانوں کی خفت ناقابل برداشت ہے۔ تو حضرت مولانا حسین احمد مدنی کو پاکستان سے کد کیوں ہے؟ ان کے عقائد کی رو سے پاکستان تعزیہ جتنی بُری چیز تو نہیں۔ اول تو پاکستان کے خلاف کوئی شرعی دلیل پیش ہی نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی شرعی حجت پیش بھی کی جا سکتی چوں مولانا مدنی کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہندو پاکستان کا اس شرعی حجت کی وجہ سے مخالف نہیں اسے اس سے عداوت محض اس لیے ہے کہ یہ مسلمانوں کی تحریک ہے اور اس میں مسلمانوں کی کچھ بھلائی نظر آتی ہے۔ اس لیے اب سوال مسلمانوں کے وقار کا ہے جس طرح حضرت مولانا محمد قاسم نے تعزیوں کے سلسلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا کہ مسلم وقار کا سوال ہے اسی طرح اب ہمارے علماء کو پاکستان کے سلسلہ میں بھی مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیے کہ یہ اب مسلم وقار کا سوال بن گیا ہے

کیا ہمارے علماء حضرت مولانا محمد قاسم کی زندگی کے اس واقعہ پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے؟

لیگ کا عملی اقدام: میں یہاں تک لکھ چکا تھا کہ ریڈیو پر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا فیصلہ سنا کہ اس نے برطانوی تجاویز کو مسترد کر دیا ہے اور پاکستان کے حصول کے لیے عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہے لیگ کے اس عزم کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ قوم پرست مسلمان لیگ کے اس اعلان جہاد سے کیوں بیگانہ رہیں۔ آج تک یہی کہا جاتا ہے کہ لیگ آرام طلب عافیت کوش اور خطاب یافتہ امراء کی جماعت ہے مگر لیگ کے اس فیصلہ کے بعد اسے کون عافیت کوشی کا طعنہ دے سکتا ہے! لیگ نے تو اب خطابوں کی لعنت بھی اتار پھینکی ہے۔ چودھری افضل حق مرحوم نے جب پاکستان کی حمایت شروع کر دی تو ایک بار ان سے پوچھا گیا کہ آپ احرار مسلم لیگ میں کیوں نہیں آجاتے؟ انھوں نے فرمایا، وہ وقت قریب ہے جب حکومت کانگریس سے سمجھوتہ کرے گی۔ اور لیگ کو ختم کرنے کے درپے ہو جائے گی۔ وہ وقت ہوگا لیگ کی آزمائش کا، اگر لیگ اس میدان آزمائش میں مردانہ وار کود پڑی تو احرار بھی اس سے الگ نہیں رہیں گے۔

لیگ کونسل کا یہ فیصلہ سن کر مرحوم کے یہ الفاظ میرے ذہن میں دوبارہ ابھر آئے اور میں سوچنے لگا کہ کیا قوم پرست مسلمان مرحوم کے اس مشورہ پر عمل کریں گے؟ آج حکومت کانگریس سے سمجھوتہ کر چکی ہے اور لیگ کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ لیگ نے اس میدان آزمائش میں مردانہ وار کودنے کا اعلان کر دیا ہے۔ اب ہمارے کان قوم پرست مسلمانوں کی طرف سے صدائے لبیک سننے کے منتظر ہیں۔

بڑے بڑے قوم پرست مسلمان ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں کہ لیگ کبھی عملی قدم نہیں اٹھائے گی اور اگر اس نے کوئی عملی قدم اٹھایا تو ہم اس کے ہراول

دستے میں شامل ہوں گے۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان قوم پرست رہنماؤں کو اپنے الفاظ کا کہاں تک پاس ہے اور وہ کون کون سے مسلمان ہیں جو جہادِ پاکستان میں شریک ہوں گے اور مقدمۃ الجیش میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کریں گے۔ مسلمان اُمراء کی طرف سے جناب سابق (نوابزادہ) لیاقت علی خان یہ اعلان کر چکے ہیں کہ پاکستانی عساکر کا ہر اوّل دستہ اُمراء ہوں گے۔ کیا کوئی قوم پرست مسلمان آگے بڑھ کر قوم پرست مسلمانوں کا تعاون پیش کرے۔ اپنے طبقہ کی لاج نہیں رکھے گا جن اُمراء سے قربانی کی کبھی اُمید نہیں کی جا سکتی تھی وُہ تو قوم کے مفاد کی خاطر سرکفت ہو کر میدانِ عمل میں آ جائیں اور ہمارے قوم پرست مسلمان جن کی زندگیاں ہمیشہ قربانیوں اور ایثار کا مرقع رہی ہیں اس آزمائش میں ناکام رہ جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ قوم اُن کے آوازۂ تعاون کی بے تابی سے منتظر ہے۔ ہو سکتا ہے گذشتہ کشمکش میں کچھ جوشیلے مسلمانوں کی زبان یا قلم سے قوم پرست مسلمانوں کی شان میں نازیبا الفاظ نکل گئے ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہیئے کہ قوم پرست مسلمان قوم کے مفاد سے بالکل بیگانگی اختیار کر لیں۔ باقی مسلمان بھی قوم کی فلاح چاہتے ہیں اور قوم پرست مسلمان بھی یہی کہتے ہیں۔ اگر یہ قوم پرست مسلمان اپنے قول کے سچے ہیں (اور کوئی وجہ نہیں کہ سچے نہ ہوں) تو ان کا یہ فرض ہے کہ آگے بڑھیں اور ہندوستان میں ایک بار پھر اسلام کا علم سر بلند کریں۔ انھوں نے کئی معرکے مارے ہیں لیکن ان میں سے اکثر معرکے وطنی تھے۔ اب وہ ملّی معرکہ کا سر عسکر ہیں۔ اب سوال یہ نہیں کہ پاکستان حاصل کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان کے کسی گوشہ میں محمدؐ اور اس کے خدا کا نام بلند کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور مسلمان اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرے گا یا اس کی عنان بدستور ہندو کے

ہاتھ میں رہے گی۔ ہماری یہ جد و جہد ملک گیری کی جنگ نہیں۔ ہم اپنی اکثریت کے علاقوں میں اپنی شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور کلمۂ اسلام کا بول بالا کرنا چاہتے ہیں جو اس جہاد میں پیچھے رہے گا۔ قیامت کے روز اس کا شمار عبداللہ بن ابی کے رفیقوں میں ہوگا ؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

ضمیمہ الف

خان عبدالغفار کی خدمت محترم میں
مکتوب مفتوح

محترمی خان صاحب!

سلام مسنون، آپ کو غالباً یاد ہوگا کہ ۱۹۳۲ء کے اوائل میں آپ کی صدارت میں ایک پریس کانفرنس بریڈلا ہال لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔ کانفرنس ختم ہو جانے کے بعد دو مسلمان نوجوان آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آپ کی قیام گاہ (دیرا ہوٹل) پر حاضر ہوئے تھے۔ ملاقات کے دوران میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا تھا چنانچہ ایک الگ کمرے میں نماز کا انتظام کیا گیا اور دونوں ملاقاتی مسلمان نوجوانوں نے اس کمرے میں آپ کی امامت میں نماز کا فریضہ ادا کیا۔ نماز کے بعد اسی بند کمرے میں آپ نے سیاسیات حاضرہ پر ان دو نوجوانوں سے گفتگو فرمائی۔ اس گفتگو کے دوران میں آپ نے یہ کہا تھا کہ جب گول میز کانفرنس سے تعاون کا فیصلہ کرنے کے لیے کانگرس کا اجلاس شملہ میں منعقد ہوا تھا تو سر فیروز خان نون بھی شملہ میں موجود تھے اور ان کی رہائش آپ کے قریب ہی تھی (غالباً) اسی ضمن میں آپ نے سیسل ہوٹل کا نام لیا تھا۔ سر فیروز خان نون نے آپ سے شکوہ کیا کہ تمام اسلامی ہند کانگرس

سے الگ ہے، صرف سرحد کے مسلمان کانگریس کے ساتھ ہیں اور یہ امر جملہ اسلامیان ہند کے لیے باعث ننگ ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں ان سے یہ کہا کہ نون صاحب! آپ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیں کہ میں نے انگریز کو چھوڑ دیا۔ میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر کانگریس سے علیحدگی کا اعلان کر دوں گا۔ اور اس روز سے آپ میرے پیشوا اور میں آپ کا پیرو۔

الحمد للہ آج ملک فیروز خان نون انگریز کو چھوڑ چکے ہیں اب مسلمان اس دن کے منتظر ہیں کہ آپ کب اپنا وعدہ نباہتے ہیں اور کانگریس سے ترک تعلق کا اعلان کر کے ملک صاحب موصوف کی زیر قیادت ذہنی ان کے دوش بدوش ہی جہاد پاکستان کے لیے مردانہ وار میدان عمل میں کود پڑتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کو یہ جتلانا گستاخی ہوگا کہ ایک مسلمان اور افغان کا وعدہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے آپ اپنے عمل سے اس کلیہ کی تصدیق کر دیں گے۔ فقط خیر اندیش: — "کوہ پیما"

ضمیمہ ب

حضرت مولانا داؤد غزنوی سابق صدر صوبہ کانگریس پنجاب کا بصیرت افروز بیان

لاہور ۱۴ اگست۔ ہر قسم کی مساوات کی مخالفت کر کے کانگریس نے نیشنلسٹ مسلمانوں کے لیے فکر و تدبر کا سامان بہم پہنچا دیا ہے۔ اگر آج کانگریس کا مفہوم اور مقصد صرف اسی قدر ہی رہ گیا ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے ہندوؤں کی سیاسی اور اقتصادی بہبود اور ترقی کے لیے کوشاں ہے تو پھر ان مسلمانوں کے لیے اس میں شمولیت کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے جو اس میں اس لیے شامل ہوئے تھے کہ یہ آزادی کے لیے انگریز سے

مولانا داؤد غزنوی سابق صدر پنجاب کانگرس کمیٹی نے اخبارات کے نام ایک طویل بیان دیتے ہوئے نیشنلسٹ مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ کانگرس کے باب میں اپنے رویہ پر نظر ثانی کریں آپ اپنے بیان کے دوران میں فرماتے ہیں۔ کہ ۱۰-۱۱-۱۲ جون ۱۹۴۶ء کو دہلی میں تمام نیشنلسٹ مسلمانوں کی جماعتوں مثلاً جمعیت العلماء ہند، مجلس احرار اور مومن کانفرنس کی مجالس ہائے منتظمہ کا ایک مشترک جلسہ ہوا تھا جس میں انھوں نے مندرجہ ذیل مطالبات وضع کیے تھے:-

۱- عارضی اور مستقل گورنمنٹ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کا درمیان مساوات کا اصول تسلیم کیا جائے۔

۲- اختلاف کی صورت میں مجلس قانون ساز کے صدر کی نہیں بلکہ فیڈرل کورٹ کے جج کی رائے حتمی تسلیم کی جائے۔ ان مطالبات کو کانگرس کی مجلس منتظمہ کے پاس مناسب کارروائی کے لیے بھیجا گیا لیکن نہ صرف یہ کانگرس نے ان مطالبات کا کوئی نوٹس نہ لیا اور نیشنلسٹ مسلمانوں کو ان کی رسید سے بھی اطلاع نہ دی بلکہ یہ کہ انھوں نے اپنے مطالبات میں جو انھوں نے وزارتی مشن کے سامنے رکھے نیشنلسٹ مسلمانوں کے مطالبات کی صریح مخالفت کی چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ کانگرس اب ہر قسم کی "مساوات" کی مخالف ہے۔

اس صورت میں سوال یہ ہے کہ آیا نیشنلسٹ کانگرس کے صرف خیمہ بردار ہی کر رہ جائیں گے۔ آگے چل کر آپ اپنے بیان میں فرماتے ہیں۔ قانون ساز اسمبلی کے لیے کانگرس نے بعض مشہور مہاسبھائیوں مثلاً ڈاکٹر جے شیو رویال، مسٹر کرشنا پرشاد کرجی اور مسٹر ٹیک چند وغیرہ کو منتخب کر کے اپنے شدید طور پر فرقہ وار جماعت ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ مولوی صاحب نے نیشنلسٹ مسلمانوں سے درخواست کی ہے کہ وہ وقتا

کی روشنی میں اپنے موقف کا تجزیہ کریں اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر ملت اور ملک کی بہتری کے لیے سرگرم عمل ہوں۔

ملنے کا پتہ

کتب خانہ شمسیہ عالی روڈ۔ جالندھر شہر

تعلیمی پریس سرکلر روڈ لاہور میں باہتمام محمد شمس الحق پرنٹر پبلشر چھپ کر شائع کیا

جناب راجہ حسن اختر صدر مجلس اقبال مرکزیہ جو حکیم الامت علامہ اقبال مرحوم سے نہایت گہری قلبی عقیدت رکھتے ہیں۔ برطانوی حکومت کے زمانہ میں سرکاری افسر ہوتے ہوئے مختلف قلمی ناموں "حسن آفاقی"، "جہاں بین"، "بوریا نشین" وغیرہ وغیرہ سے ملی موضوعات، خصوصی طور پر نظریۂ پاکستان کے متعلق لکھتے رہے ہیں۔ "یوم خاموشی" آپ نے یہ سیاسی ڈرامہ منظوم کیا تھا اور ایک تضمین بھی جسے ہم ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ ہمیں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ "نوائے وقت" کے کئی اداریے بھی آپ نے تحریر فرمائے۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمیں دردمندان ملت کا سینہ تڑپ و آرزو اور ملی سرفرازی و سربلندی کے لیے جدوجہد عمل کے جوہروں سے لبریز تھا۔ انھوں نے ہر مقام پر ہر لمحہ اور ہر آن مفاد ملت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا فرض ادا کیا۔ راجہ صاحب کے علاوہ اور بھی کئی فرزندان ملت ہوں گے جنھوں نے دوران ملازمت میں ہندی مسلمانوں کی ملی تحریک (تحریک پاکستان) کے لیے نہایت جانکاہی اور جاں گدازی سے کام کیا ہوگا چونکہ ہمارے محدود وسائل ان تک رسائی کی راہ میں حائل رہے۔ اور ہم ایسے بزرگوں سے کچھ حاصل نہ کر سکے اس لیے ہم اس جگہ ملت اسلامیہ کے اس مایۂ ناز فرزند کے ملی درد و سوز اور غیرت و حمیت میں ڈوبی ہوئی تحریروں کو شامل کر رہے ہیں تاکہ اور ایسے بزرگوں کی بھی توجہ اس طرف مبذول ہو اور وہ اپنے ملی کارہائے نمایاں کو آئندہ نسلوں کے دلوں کو گرمانے کے لیے ملت کی امانت کے طور پر فرزندان

ملت کے سپرد کریں، اگر جوانانِ پاکستان اپنے بزرگوں کے ان قابلِ ستائش کارناموں پر فخر و ناز کر سکیں۔

تضمین بر اشعار علامہ اقبالؒ

(خان اسد فرحسین خان نظیر کی تضمین سے متاثر ہو کر)

یہ شانِ دیں ہے کہ باطل کی پیروی کرنا
حرم سے آ کے درِ بت کدہ پہ جا مرنا
روا نہ علم کو گاندھی کے پاؤں پہ دھرنا
عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

بھلا کے مصلحتِ دیں اور حمایت کے شکست
بتانِ دیر کے قدموں پہ ہو گیا پست
وہ قوم کو نسبی بھید یہ سبق قوم پرست
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است

۹ جولائی ۱۹۴۶ء (جناب راجہ حسن اختر "نوائے وقت")

جمعیت العلماء اسلام

جمعیت العلمائے اسلام کے ارکان لاہور تشریف لے آئے۔
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے ارشادات

لاہور ۳ جنوری شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی صدر اور دیگر ارکان کل ہند جمعیت العلمائے اسلام لاہور پہنچ گئے ہیں۔ آج پریس کانفرنس میں مولانا عبد القدوس نے بیان فرمایا چونکہ بعض مسلمان ہندو کانگریس کے ہمنوا ہو کر متحدہ قومیت کا راگ الاپ رہے ہیں اس لیے مسلمانوں میں پاکستان اور مسلم لیگ کے پراپیگنڈے کے علاوہ اسلامی فکر پیدا کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے۔ آپ نے کہا کہ جمعیت العلمائے اسلام کسی سیاسی جماعت کا ضمیمہ نہیں بلکہ مستقل جماعت ہے۔ چونکہ اس وقت

مسلم لیگ اسلامیان ہند کی بہتری کے لیے کوشاں ہے اور دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کر رہی ہے اس لیے ہم مسلم لیگ کی حمایت کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے فرمایا۔

"غیر مجھے فرقہ پرست کہیں لیکن یہ زیادہ و بدتر ہے کہ اپنے مجھے غدار کہیں"

آپ نے مزید فرمایا کہ تمام علماء و مشائخ اب حجروں سے باہر نکل آئیں اور عملی طور سے مسلمانوں کی راہ نمائی کریں انھیں حصول پاکستان کے قابل بنائیں اور پاکستان قائم ہونے کے بعد انھیں کمال ازم اختیار کرنے سے روکیں۔ (س۔ ت) (نوائے وقت ۱۰ جنوری ۱۹۴۶ء)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا بیان

خطاب مسلم لیگ

جو اجلاس پٹنہ میں پڑھا گیا

اب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا جو بیان اجلاس پٹنہ میں پڑھا گیا۔ اس کا حسب ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:۔

"اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انہم لہم المنصورون و ان جندنا لہم الغالبون۔

حضرات! اس وقت مسلمانانِ ہندوستان جس دور سے گذر رہے ہیں اور جن مشکلات کا ان کو سامنا ہو رہا ہے۔ باخبر طبقہ اس سے بخوبی واقف ہے اور خدا کا شکر ہے۔ کہ عام طور پر مسلمانوں کے احساسات اس وقت بیدار ہو چکے ہیں۔ ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فہم فراست کے مطابق مدبّران لیگ نے کچھ اسباب بھی اختیار کر رکھے ہیں اور

مقام مسرت ہے۔ کہ [illegible] آپ میں کا مادہ [illegible] موجود ہیں۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کا پہلا قدم صحیح راستہ پر پڑا ہے۔ غلط راستہ پر نہیں پڑا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کا پہلا قدم اتفاقاً صحیح راستہ پر پڑ گیا ہے۔ یا آپ نے قرآن و سنت نبویہ کی روشنی میں اس کو اختیار کیا ہے۔ بہرحال جو صورت بھی ہو اس کے لیے آپ مستحق صد مبارکباد ہیں۔

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف
گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

پہلا قدم مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم۔ آپ کا یہ پہلا قدم مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم ہے۔ جس کی سخت ضرورت تھی اور اس کی ضرورت سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ عقلاً و نقلاً یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ثابت ہو چکا ہے کہ جو قوم اپنی مستقل تنظیم نہیں رکھتی ہو۔ وہ دنیا میں باقی نہیں رہ سکتی بلکہ دوسری اقوام میں منضم اور منجذب ہو کر کالعدم ہو جاتی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کی مستقل تنظیم کی صورت یہی ہے کہ تمام مسلمان اسلامی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں کیونکہ غیر اسلامی جھنڈے کے نیچے صرف مشترکہ تنظیم ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کی مستقل تنظیم نہیں ہو سکتی اور مشترکہ تنظیم کا نفع ہمیشہ اکثریت کو پہنچتا ہے۔ اقلیت کو اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا اگر وہ اپنی مستقل تنظیم سے محروم ہو۔

پس مدبران مسلم لیگ نے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ کہ مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کا اہتمام کیا کہ اس کے بعد ہی مشترکہ تنظیم سے ان کو نفع ہو سکتا ہے ورنہ ہمیشہ دوسروں کے حاشیہ بردار ہو کر ان کے رحم و کرم پر رہ جاتے اور کچھ دنوں بعد ان کی ہستی فنا ہو جاتی۔

یہی وہ چیز ہے۔ جس کی طرف آیہ کریمہ میں لفظ جنداً سے اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ جند لشکر کو کہتے ہیں اور لشکر اجتماعی شان سے بنتا ہے۔

انفرادی حالت میں کسی قوم کی خواہ وہ کتنی ہی شمار رکھتی ہو لشکر نہیں کہا جا سکتا اور اللہ کا لشکر وہی ہو سکتا ہے۔ جو اللہ کے نام پر منظم ہوا ہو، وطن پرستی یا قوم پرستی کے نام پر منظم نہ ہوا ہو۔

یہ پہلا قدم تھا جو مسلم لیگ نے صحیح اٹھایا اس کے بعد ایک قدم آگے بڑھنے کی اور ضرورت ہے جس کے بعد کامیابی و غلبہ کا سہرا آپ کے سر ہوگا۔ خدا کرے آپ کا یہ دوسرا قدم صحیح راستہ پر ہو۔ اگر آپ نے قرآن کریم کی ہدایات اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ سامنے رکھا اور اسی کو مشعل راہ بنایا تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ دوسرے قدم میں غلطی سے دوچار ہوں۔ مسلمانوں کو کسی کے اتباع یا تقلید کی ضرورت نہیں ان کے گھر میں وہ سب دولتیں جمع ہیں جن کو فلاح اور کامیابی میں دخل ہے مگر افسوس ہے کہ بعض مسلمان دوسری قوموں کی تقلید کر کے ترقی کرنا چاہتے ہیں قرآن کریم اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کر کے ترقی کرنا نہیں چاہتے حالانکہ دوسری قوموں کو مذہبی ترقی تھا انکار کر اور کفر ہی کو ترقی ہو سکتی ہے مسلمانوں کو اسلام کو ترقی نہیں ہو سکتی اگر مسلمان مسلمان رہ کر اسلامی ترقی چاہتے ہیں تو ان کو اپنے ماضی کی طرف لوٹنا چاہیے اور قرآن کریم اور اسوۂ نبوی کو مشعل راہ بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ یقیناً ہمارا لشکر ہمیشہ غالب ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور نہایت محکم وعدہ ہے جو کبھی خلاف نہیں ہو سکتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کا لشکر ہمیشہ غالب ہی رہا ہے وہ کسی سے کبھی مغلوب نہیں ہوا۔ اور اگر کبھی اس کے خلاف ہوا ہے تو اس کا سبب صرف یہی تھا کہ اس کے لشکر کے خدائی لشکر ہونے میں کچھ کسر تھی۔

دوسرا قدم یہ ہے کہ مسلم لیگ خدا کا لشکر بن جائے۔ پس مسلم لیگ کو دوسرا قدم اس طرح اٹھانا چاہیے کہ اس لشکر کو جسے اس نے اللہ کے نام

پر منظم کیا ہے مجھے یقین ہے شکر اللہ سعیکم [illegible] ہے کہ بعونہٖ تعالیٰ دینی کامیابی
وہی نائب اور وہی فتح مند ہوگی اور اس کے سر کامیابی کا سہرا ہوگا۔

حضرات۔ آپ نے ترقی کے بہت سے اسباب سنے ہوں گے لہٰذا اس
راستہ کو بھی آزما لیجئے جس کا تجربہ آپ کے اسلاف نے ہزار سال سے زیادہ
عرصہ تک کیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک وہ اس راستہ پر قائم رہے
ہمیشہ غالب اور کامیاب رہے اور جس دن اس راہ سے ہٹے اسی وقت
سے زوال اور پستی ان کے سامنے آنے لگی۔ یہاں تک کہ نوبت اس حال کو
پہنچ گئی جو ہمارے اور آپ کے سامنے ہے تو کیا اب بھی ہم کو اپنی ماضی کی طرف
لوٹنے میں کسی دوسری حالت کا انتظار ہے۔ للہ اپنے حال پر رحم کیجئے اور
اس سے زیادہ اپنے رب کو مشق نہ بنا لیجئے۔ ربنا لا تجعلنا فتنة
للقوم الظلمین ونجنا برحمتك من القوم الکفرین۔

آپ علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم و مغفور کے تحریک
پاکستان کی تائید و حمایت میں احساسات و خیالات پڑھ چکے ہیں اور دیکھ چکے
ہیں کہ ان کی دانش نورانی و ربانی، فراست قرآنی اور بصیرت ایمانی کس طرح ان
بزرگوں کو اقبال و جناح کی ہمنوائی و ہمقدمی کے لیے بے قرار و مضطرب کیے
ہوئے ہے اور یہ سالار کارواں ملت کے ساتھ منزل حیات و حصول پاکستان
کی طرف کس طرح قدم ملا کر رواں ہیں۔ سرفرازی مسلم کی ہزاروں آرزوئیں اور
قلب مضطر و بے قرار میں لاکھوں تمناؤں کے ساتھ اس تحریک کی کامیابی و
کامرانی کے لیے رب العزت کے حضور سجدہ ریزیاں کر رہے ہیں اور دوسری
طرف آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ عثمانیؒ کو صراط مستقیم سے بھٹکانے کے لیے نیشنلسٹ
مسلمانوں کے سرغنوں نے کتنے جتن کیے۔ اب آپ دیکھیں گے کہ اگر کوئی انگریز نواز
ٹوڈی (نیشنلسٹ ملا کی اصطلاح میں) بھی مسلم لیگ کی مخالفت میں کوئی بات
یا نظریہ پاکستان کے متعلق کوئی بیان دے دیتا تو یہ مولوی صاحبان کس طرح

صرح طرح اٹھاتے اس کا اندازہ آپ کو مندرجہ ذیل سطور سے ہو جائے گا ملاحظہ فرمائیے:۔

طلبا کو نصیحت

"اوائل مارچ میں جناب سر سکندر حیات خان صاحب نے اسلامیہ کالج کے طلبا کو نصیحت کی:۔

"زندگی میں تمہارا نصب العین کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن یاد رکھو تم کسی ایسی اسکیم کی تائید نہ کرنا جس کا منشا یہ ہو کہ ہندوستان کو تقسیم کرکے مسلمانوں کے لیے الگ خطہ منتخب کر لیا جائے۔ یہ اسکیم نہ صرف اسلامی تعلیم کی صحیح روح کے ہی خلاف ہے۔ بلکہ اسلام کے اس بنیادی اصول کے بھی منافی ہے جس کی رو سے ہر فرزند توحید پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلام کا پیغام دنیا کے ہر گوشہ تک پہنچائے"۔ (ہندوستان ٹائمز ۳ مئی ۴۱ء)

یہاں سے ابتدا ہوئی اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ قومیت پرست طبقہ بالخصوص احرار اور جمعیت العلماء کی طرف سے ہر جا رحمت سے یہی مسرع اٹھایا گیا۔ کہاں یہ اسکیم اسلام کے خلاف ہے لیکن حرام ہے جو اس وقت تک سر سکندر حیات خان صاحب یا ان کے متقدین میں سے کسی آدمی نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کوئی ایک دلیل بھی پیش کی ہو۔ گویا یہ ایک فتویٰ تھا۔ جو بلا دلیل و حجت بارگاہ وزارت سے صادر ہو گیا اور اس کے نیچے "علماء کرام" "الجواب صحیح" لکھ کر مہر تصدیق ثبت فرماتے گئے۔

کیا اس سے بڑا جھوٹ بھی ہے جو کبھی بولا گیا ہو اور اس سے بڑی تہمت بھی ہے جو اسلام پر لگائی گئی ہو۔ کہ دنیا کے کسی خطہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم کرنے کا خیال اسلام کے خلاف ہے۔ حیرت ہے کہ اگر مسلمان کی حکومت کا تصور اسلام کے خلاف ہے تو پھر کیا غلامی کا نظریہ اسلام کے مطابق ہو گا۔

"یہ حضرات جو کچھ ان کے جی میں آتا اس اسکیم کے خلاف کہتے لیکن کم از کم اللہ کے دین کے خلاف اس کے پیام ازلی کے خلاف، اس کے ضابطۂ حکومت کے خلاف تو اس دیدہ دلیری سے کام نہ لیتے۔ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان پر اس لیے بھی اللہ کا عذاب طاری ہے کہ اس نے اس کی کتاب عظیم کو (نعوذ باللہ) کھلونا بنا رکھا ہے۔ ہر شخص اپنے خیالات و خواہشات کا اتباع کرتا ہے لیکن چاہتا یہ ہے کہ اسے قرآن کریم کے مقدس غلاف میں لپیٹ کر پیش کرے تاکہ ہر سننے والے کا سر خود بخود اس کے سامنے جھک جائے۔" (ط-ا بابت جون صفحہ ۲۷ و ۲۸)

"پھر یہ بھی سوچئے کہ اگر خطۂ زمین میں اسلامی حکومت ابتداءً اشاعت اسلام کے منافی ہوتی تو جب نبی اکرمؐ نے منتشر مسلمانوں کی قوتوں کو مدینہ منورہ میں مرکوز کیا ہے اور دوسرے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کر دیا گیا کہ وہ ہجرت کرکے وہیں آجائیں تو اس وقت وہ مسلمان بھی یہ کہہ سکتے تھے کہ اگر ہم سب ایک مقام پر سمٹ کر جمع ہو گئے تو اشاعت اسلام کا فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ لیکن انھوں نے یہ اعتراض بالکل نہیں کیا اس لیے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ ایک طاقتور مرکز کے بغیر صحیح اسلام کی اشاعت کا تصور سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا جب مرکز مضبوط ہو گیا تو پھر وہاں سے مبلغ بھی نکلے۔ دعاۃ بھی مختلف مقامات میں پھیلے۔ سفیر بھی مختلف سلطنتوں میں پہنچے اور پھر ان مختلف چشموں سے کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہو گیا۔ یہ ہے اشاعت اسلام کی صحیح صورت۔" (ایضاً صفحہ ۳۵ و ۳۶)

"لیکن اگر صورت یہ نہیں ہے۔ تو محض اس لیے اس مقام سے چپکے رہنا کہ میں یہاں پیدا ہوا ہوں۔ میرے بڑے بوڑھوں کی ہڈیاں یہیں دفن ہیں ایک غیر فطری زندگی پر قناعت کر جانا ہے۔ یہ تھا وہ مقام

جہاں اسے قرآن کریم پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ مومن کا وطن وہی ہے جہاں یہ قوانینِ فطرت کے مطابق زندگی بسر کر سکے اور یہی تھی وہ منزل جہاں اس کے ہادیٔ برحق جناب نبی اکرمؐ کے نقوشِ قدم کا ایک ایک ذرہ اسے کہہ رہا تھا کہ حضورؐ نے اپنا "وطن" تو یہی تقاضائے فطرت کے مطابق چھوڑا تھا۔ اب آپ نے اندازہ فرما لیا ہوگا کہ ایک مسلم اور غیر مسلم کے نظریۂ وطنیت میں کیا فرق ہے اور ایک مسلمان کا وطن کے ساتھ حقیقی تعلق کیا ہوتا ہے۔ اور کس وقت وطن کی آب و گل کی پابندی اُس کے لیے ہلاکت کا موجب بن جاتی ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کے مطابق ؎

ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی — رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الٰہی — دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

(ایضاً صفحہ ۴۰ تا ۴۱ بابت جون ۱۹۴۳ء ط۔۱)

• مثل مشہور ہے کہ ہمارے مولوی صاحبان کے نزدیک مذہب عبادات و مناسک اور چند رسوم و مظاہر کا نام ہے۔ آج اگر ان سے پوچھا جائے کہ جس چیز کو آپ انگریز کی غلامی کہتے ہیں وہ ہے کیا؟ کونسی بات ہے جس میں انگریز نے آپ کو غلام بنا رکھا ہے تو اس کے جواب میں وہ ہندوؤں سے سنی سنائی صرف اتنی بات کہہ سکیں گے کہ انگریز اس ملک کی دولت کو لوٹ کر لے جا رہا ہے۔ ہندوستان کے باشندے فاقوں مر رہے ہیں۔ یہاں کسی کو کپڑا نصیب نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ حضرات اپنی تقریر اور بیان میں اسی غلامی کا رونا روتے ہیں اور اپنے مسلک کی تائید میں ہمیشہ یہی دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ جب انگریز یہاں سے نکل

جائے گا۔ تو پھر ملک میں خوشحالی اور فارغ البالی ہو جائے گی یعنی ان کے نزدیک غلامی کے معنی بھوک اور افلاس کے ہیں اور آزادی سے مقصد روٹی کی فراغت ہے ورنہ مذہب تو آج غلام ہے تو اس کے بعد ہندوؤں کے عہدِ حکومت میں غلام رہے گا ؎

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

"اگر ان حضرات کو معلوم ہوتا کہ "اسلام کی آزادی" کے کیا معنی ہیں تو وہ خود سمجھ جاتے کہ جس نظام حکومت میں دفاع (ملٹری فورسز) اور امور خارجیہ جیسے اہم شعبے غیر مسلموں کے اختیار و اقتدار میں ہوں اور ایسے قوانین جن کا اطلاق ملک کے تمام باشندوں پر مشترکہ طور پر ہوتا ہو ان کی تو ترتیب و تنفیذ بھی غیر مسلم کی اکثریت پر مبنی ہو اس نظام حکومت میں اسلام کبھی آزاد نہیں ہو سکتا۔ اسلام ان الحکم الا للہ کا حکم دیتا ہے۔ (کہ حکومت خدا کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی) وہ لا یشرک فی حکمہ احدا (۱۸:۲۶) کا ارشاد نازل فرماتا ہے (کہ اللہ اپنے حق حکومت میں کسی اور کی شرکت جائز قرار نہیں دیتا) اس لیے یہی حکومت حکومت خداوندی کہلا سکتی ہے۔ جس کے کسی شعبہ میں (چہ جائیکہ ایسے اہم شعبوں میں) غیر مسلموں کی شرکت ہو ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری (اقبالؒ)

صفحہ ۴۳-ط-۱

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں جو ہزارہا مساجد ہیں، علیحدگی کی اسکیم کے مطابق یہ تمام معابد چھوڑنے پڑیں گے۔ یہ اعتراض بھی اسی مفروضہ کے ماتحت کیا جاتا ہے کہ اس علیحدگی

کی اسکیم کی رُو سے تمام ہندوستان کے کسی اور حصے میں کوئی مسلمان نہیں رہے گا۔ حالانکہ جیسا کہ متعدد بار کہا جا چکا ہے۔ اسکیم زیر نظر تبادلہ آبادی کی کوئی شرط نہیں۔ سردست جو جہاں ہے وہیں رہے گا اور اسی طرح مسلم اکثریت کے علاقوں میں اسلامی حکومت کے قیام کا آغاز ہو جائے گا لیکن اگر علیحدگی کی اسکیم کی انتہائی شکل کو بھی سامنے رکھ لیا جائے جس میں اقلیت کے صوبوں کے مسلمان بطیب خاطر اسلامی حکومت کی زندگی بسر کرنے کے لیے مسلم اکثریت کے صوبوں میں آنا چاہیں تو اس وقت بھی یہ اعتراض کوئی وقعت نہ رکھے گا۔ نبی کریم صلعم نے جب ہجرت فرمائی ہے تو کعبہ جیسے مقدس معبد کو کفار کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا تھا حالانکہ اس سے محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر حضور کی نگاہ آرزو رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی۔ قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء۔ لیکن یہ چھوڑنا در اصل حاصل کرنے کا مقدمہ اور یہ دور چلے آنا فی الحقیقت قریب آجانے کی تمہید تھا۔ گئے اس لیے تھے کہ پھر آئیں اور آئیں تو اس انداز سے کہ دس ہزار قدوسیوں کی جماعت جلو میں ہو اور فتح و ظفر آگے بڑھ کر قدم چوم رہی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ معترض حضرات اس اصل کو سمجھ ہی نہیں سکے کہ جب کوئی قوم صاحب حکومت ہوتی ہے تو اس کی ہر شے ہر مقام پر محفوظ ہوتی ہے۔ عیسائی مشنریوں کو دیکھئے دنیا کے ان دور دراز مقامات میں جہاں ملک غیروں کا ہو۔ حکومت دوسروں کی ہو یہ لوگ تنہا جاتے ہیں اور اپنے گرجے تعمیر کرتے ہیں۔ چونکہ صاحب حکومت و اقتدار قوم کے افراد ہوتے ہیں کسی کو مجال نہیں جو ان کے معابد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ اس کے برعکس ایک آپ ہیں کہ نو کروڑ کی تعداد میں اس ملک میں موجود ہیں لیکن اپنی آنکھوں کے سامنے آپ کی مساجد دوسروں کے قبضے میں چلی جاتی

رہی اور آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ مساجد موجود ہیں لیکن ان میں اذان اور نماز کی اجازت نہیں ملتی لیکن آپ ہیں کہ نہایت خاموشی سے سب کچھ دیکھنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ اس لیے کہ آپ کی قوتوں کا چراغ گل ہو چکا ہے۔ حکومت اپنی ہو۔ تو دیکھئے کہ کونوں اور گوشوں میں پڑی ہوئی مساجد کی بھی حفاظت کس طرح ہوتی ہے۔ مساجد کا وقار تو بانداز ۂ وقار اہلِ مساجد ہے۔

توقدرِ خویش نہ دانی۔ بہانہ ترگسرو
اگرنہ لعل درخشندہ پارہ سنگ است

(ط-۱ بابت جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۴ و ۴۵)

"جب کانگرس نے صوبوں کی حکومتیں سنبھالی ہیں تو گاندھی جی نے انھیں نصیحت کی تھی کہ دیکھو تمہارے سامنے عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کی مثال موجود ہے۔ کہ انھوں نے کس طرح شہنشاہی میں بھی انداز فقیری کو قائم رکھا تھا۔ ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں ہے کہ کانگریسی وزراء نے کس حد تک اس نصیحت پر عمل کیا لیکن ہم یہ کہنا چاہتے ہیں اگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے اسوۂ حکومت کے اندر غیر مسلم اپنے لیے سامان موعظت دیکھتے ہیں تو خود مسلمان اس اسوہ کی روشنی میں کیوں نہ چلیں اور اگر مسلمان اس انداز حکومت کو اپنے لیے بطور نشان راہ قرار دے لیں تو پھر وہ کونسی اقتصادی مشکل ہے جو حل نہ ہو سکے گی! یہ مشکلات جو آج مسلمان کو اس درجہ پریشان و مشوش کر رہی ہیں بظاہر اقتصادی مشکلات ہیں لیکن بغور دیکھئے تو ان مصائب کا حقیقی سبب کچھ اور ہے یہ چیزیں تو علاماتِ مرض ہیں علتِ مرض نہیں ہیں۔ جب علتِ مرض کا قلع قمع ہو جائے گا۔ تو علاماتِ مرض خود بخود غائب ہو جائیں گی۔"

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

(صفحہ ۲۵ و ۲۶ - طلوعِ اسلام)

غیر مسلموں کے اعتراضات

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

سابقہ باب میں ہم نے جن چند موٹے موٹے اعتراضات کا ذکر کیا ہے وہ بالعموم مسلمانوں کی طرف سے وارد کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ کوئی اور بولتا ہے یہ میری زبان نہ سمجھو۔ لیکن کچھ اعتراضات ایسے بھی ہیں۔ جو ہندوؤں کی طرف سے خود ان کی زبان سے عائد کیے جاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان اعتراضات کا بھی تجزیہ کر کے دیکھا جائے۔ کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔

اس باب میں سب سے پہلے مسٹر راج گوپال آچاریہ آگے بڑھے اور انہوں نے مختلف مقامات پر آہ و زاری کی کہ دیکھنا! یہ مسلمان کیا حرکت کر رہے ہیں! یہ تو بھارت ماتا کے ٹکڑے کر دینا چاہتے ہیں! اس اعتراض کی ابتدا گوپال آچاریہ صاحب کی طرف سے ہوئی اور پھر اس کی صدائے بازگشت ملک کے مختلف حصوں میں سنائی دی چنانچہ اب ہر طرف سے یہی آواز سنائی دیتی ہے کہ مسلمان بھارت ماتا کے حصے بخرے کر رہے ہیں اس "چیر پھاڑ" کا ماتم کچھ ایسے درد انگیز پیرایہ میں کیا جاتا ہے گویا بھارت ماتا سچ مچ کا ایک انسانی پتلا ہے کہ مسلمانوں کی سبعیت و بہیمیت جس کی قطع و برید کرنا چاہتی ہے اور "خون ریزی" کا یہ منظر اس ماتا کے سپوتوں کو خون رلا رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ "بھارت ماتا" ہے کیا چیز!

یہ ظاہر ہے کہ انگریزوں نے یہاں پہنچ کر کچھ علاقہ فتح کیا، یوں سمجھئے کہ فتح کیا (اور کیا کہا جائے) اس مفتوحہ علاقہ کی حد و بندی کر کے

اسے ایک ملک قرار دے دیا۔ اس ملک کا نام بھارت ماتا ہے یعنی ایک اتفاقی امر تھا یا انگریز کی مصلحت کوشی، کہ انگریز وہ خیبر تک کا علاقہ فتح کر سکے۔ اس لیے بھارت ماتا وہاں تک پھیل گئی۔ اگر وہ دس میل ادھر رہ جاتے تو ماتا جی سکڑ جاتیں اور اگر وہ دس میل اور آگے بڑھ جاتے تو یہ بھی ساتھ ہی پھیل جاتی یعنی بھارت ماتا کا قد و قامت، جسم اور جثہ میں حدود اربعہ کا نام ہے۔ جہاں تک انگریز بڑھا ہے۔ اب فرمائیے جس بھارت ماتا کا وجود اس انداز سے عمل میں آیا ہو۔ اس کے متعلق یہ واویلا مچانا کہ اس میں کمی بیشی کرنا بڑی "اتیاچار" ہے۔ کس قدر مبالغہ ہے نیپال کو دیکھئے کہ ایک چھوٹا سا علاقہ ہے، چونکہ انگریزوں نے اسے فتح نہیں کیا اس لیے وہ بھارت ماتا نہیں بن سکا۔ حالانکہ ہر وقت بھارت ماتا کے سینے پر لٹک رہا ہے۔ سیلون کو انگریزوں نے اپنی انتظامی مصلحتوں کی بنا پر الگ رکھا اس لیے بھارت ماتا بیچاری بغیر پاؤں کے ہی رہ گئی۔ کل تک برما بھارت ماتا کا جزو تھا۔ اسے الگ کر دیا گیا تو بھارت ماتا کا ایک بازو کٹ جانے پر بھی کچھ نہ بگڑا۔ کبھی آپ نے سوچا کہ ہندوؤں نے برہما کی علیحدگی پر کیوں اتنا واویلا نہیں مچایا جتنا شمال مغربی علاقوں کی علیحدگی پر مچایا جا رہا ہے اس لیے کہ برما میں ہندوؤں کی اکثریت کے الگ ہونے پر بھی وہاں ہندوؤں کی حکومت قائم ہو سکتی ہے برعکس اس کے شمال مغربی علاقوں کی علیحدگی پر اس لیے سینہ کوبی ہو رہی ہے کہ یہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور ہندو یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ مسلمان بھی کسی خطۂ ملک میں اپنی حکومت قائم کر سکیں۔

ہندو تو اس بنا پر بھارت ماتا کے ٹکڑے ہو جانے پر مصروف آہ و بکا ہے۔ لیکن ہم پوچھنا چاہتے ہیں ان قومیت پرست مسلمانوں سے جو اس قسم کی شیون میں ہندوؤں کے ہمنوا ہیں کہ تقسیم سے آپ کے

دل میں کیا درد اٹھا ہے؟ محض اس لیے کہ آپ نے بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اس ملک کو مادرِ وطن کہنا شروع کر دیا ہے۔

ذرا سوچیے تو سہی کہ اسلام کے دعوے کے ساتھ یہ ادروطن کا نظریہ کیا معنی رکھتا ہے؟ قرآن تو حقیقی ماں باپ کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ اگر وہ تمہارے خدا کے راستہ میں حائل ہو جائیں تو اس وقت ان کی کشش و محبت تمہارے دل کو ان کی طرف جھکا دے تو تم مسلمان کہلانے کے مستحق ہی نہیں ہو۔ اور ایک آپ ہیں کہ خاک کے ذروں کو اپنی مادر بناتے ہو اور پھر اس مادر کی محبت اس قدر تمہارے رگ و ریشے میں سرایت کر جاتی ہے کہ اُسے جزوِ ایمان قرار دے لیتے ہو!

آدھا اپریل میں دہلی میں جو "آزاد" کانفرنس منعقد ہوئی (جس کی تفصیل کا ذکر کسی اور باب میں آئے گا) اس کے پنڈال میں سٹیج کے سامنے بڑی نمایاں جگہ بڑے جلی حروف میں لکھا تھا کہ

حب الوطن من الایمان

اور بائیں جانب اتنے ہی بڑے حروف میں تحریر تھا کو "حیا اور وطن کی محبت ایمان کی نشانیاں ہیں"۔ اور ان "قطعات" کے سایہ میں بڑے بڑے جید علمائے کرام کانفرنس منعقد فرما رہے تھے! کیا کوئی صاحب ان میں سے کسی سے پوچھ کر ہمیں بتا سکتے ہیں کہ آخر "حب الوطن من الایمان" یہ ہے کیا؟ خدانخواستہ کوئی آیتِ قرآنی ہے کوئی حدیثِ رسول اللہ ہے، خلافتِ راشدہ کا موتو ہے۔ یہ کیا چیز ہے جسے اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ کلام اللہ کو چھوڑ کر اقوال رسول اللہ کو (نعوذ باللہ) پس پشت ڈال کر اسے سب سے نمایاں جگہ آویزاں کیا جا رہا ہے۔ اور پھر "حیا اور وطن کی محبت ایمان کی نشانیاں ہیں"! لکھ کر جس سادگی و پرکاری سے عوام کو دھوکا دینے کی ناکام کوشش

کی گئی ہے وہ بھی قابل غور ہے۔ "حب الوطن من الایمان" یعنی "وطن کی محبت ایمان کی شاخوں میں سے ہے" ایک مشہور حدیث ہے۔ اس کے ساتھ وطن کا ٹکڑا شامل کرکے ان مولوی صاحبان نے جس تدلیس و تحریف کا مکروہ ثبوت دیا ہے وہ ان کی مقدس قباؤں اور متبرک عباؤں کے نیچے چھپے ہوئے دل کی حقیقت کو بے نقاب کر رہی ہے۔

ہم ان اجارہ داران دین حنیف سے باادب دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ "وطن" کی محبت کو ایمان کی نشانی اللہ نے قرار دیا ہے یا اللہ کے رسولؐ نے قرار دیا ہے۔ بالآخر یہ کس کا فیصلہ ہے کہ وطن کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔

حیرت ہے کہ بازی بازی باریش بابا ہم بازی۔ یہ حضرات اب اس حد تک بے باک ہوگئے ہیں۔ کہ نہ انھیں خدا کا خوف ہے نہ عاقبت کا ڈر۔ دین کے ساتھ مذاق کرتے ہیں اور اس درجہ کھلا ہوا مذاق۔ وطن کی محبت کو ایمان کی نشانی بتاتے ہیں اور پھر اس یکسر غیر قرآنی نظریہ کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں۔ گویا یہ خدا و رسول کا فرمان ہے۔

ز من بر صوفی و ملا سلامے کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت خدا و جبرئیل و مصطفےٰؐ را

ہاں تو یہ ہے حقیقت ہندو کی "بھارت ماتا" اور ان کے زرخرید مسلمان کی "مادر وطن" کی یعنی اس کا وجود طوق غلامی کے اس حلقہ پر مشتمل ہے جو اسے انگریز نے پہنایا اور اب اسے ایسا مقدس بتایا جارہا ہے کہ اس کے حدود کا تعین گویا خود ایشور بھگوان نے کیا تھا جس میں کوئی انسانی ردّ و بدل نہیں ہوسکتا۔

خودداری اور حمیت کا تو تقاضا یہ ہے کہ ان حدود و قیود کو جس قدر ممکن ہو توڑ کر رکھ دیا جائے۔ کہ یہ حدود دراصل یادگار ہیں

انگریز کے عہدِ حکومت کی جسے تم غلامی کا زمانہ کہتے ہو، لیکن جس کی آدھی گل میں خوئے غلامی پیوست ہو چکی ہو۔ وہ غلامی کی یادگار کو مٹائے کیوں! اسے مٹائے گا تو مسلمان ہی مٹائے گا۔ جو فطرۃً آزاد ہے اور غلامی جس کے ہاں مسخ شدہ فطرت کی نشانی ہے۔" (طلوعِ اسلام)

اس باب میں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ خیشت مسلمانوں کی ان مذموم و ناپاک کوششوں اور مذمت کش حرکتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو انھوں نے ہندو کانگریس کے ایما و اشارہ یا نا سمجھی اور بے بصیرتی کے سبب قیام پاکستان کی تحریک کو ناکام و ناکامیاب کرنے کے لیے کیں۔ متحدہ قومیت کا راگ جب کوئی ہندو لیڈر اونچے سروں میں الاپتا ہے تو یہ حضرات اس کا مصرع اٹھاتے ہیں اسلئے اس باب میں کہیں کہیں ان کا اکٹھا ذکر بھی ناگزیر ہوگا۔ ان کی تحریک پاکستان کے خلاف ہنگامہ آرائیاں اور فتنہ انگیزیاں تاریخ پاکستان میں محفوظ کرنے کے لیے ہماری دیانت دارانہ رائے ہے کہ مورخ کو وہی مواد صحت و درستی کے ساتھ مہیا و فراہم کیا جائے۔ جو اس زمانہ میں ضبط تحریر میں آ چکا ہے۔ علاوہ ازیں وہ یادداشتیں جن کی صداقت و حقیقت کو کوئی چیلنج نہ کر سکے۔ اس لیے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ان الفاظ میں بھی رد و بدل نہ کیا جائے جو دوسروں کے حوالوں سے ہم ایک مؤقف کی حیثیت سے اس کتاب میں جمع کر رہے ہیں۔

تحریک پاکستان ملت کے پورے ذہن و دماغ پر پھیلی ہوئی تحریک ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جتنا جتنا حصہ کوئی جمع کر سکتا ہے اسے کتاب کی صورت میں محفوظ کیا جائے تاکہ تحریک حصول پاکستان کے تمام گوشے نمایاں و واضح ہو کر اس مورخ کے سامنے آ جائیں جو اس عظیم الشان تحریک کی تاریخ لکھنے کی ابتدا کرے۔ ہم اس کتاب میں حتی الوسع تبصرے اور تنقید سے بھی احتراز برت رہے ہیں۔ تاکہ صحیح صحیح واقعات و حالات جو اس زمانہ

کہ اُن حضرات کے نوکِ قلم پر آگئے ہیں جو تنگ معنوں میں تحریک پاکستان کی روح و حقیقت کو سمجھنے سے نہ پر تمت کر سکیں۔

توجہ فرمایئے:۔

آزاد مسلم کانفرنس کے اعتراضات

"چہ گو یمت ز مسلمان نا مسلمانے
جز ایں کہ تو رخلیل است و آذری داند"

کانگریس نے مسلم لیگ کی اسکیم زیر نظر کی مخالفت فرداً فرداً ہر ایک قومیت پرست سے کرائی۔ لیکن اُس نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ یہ انفرادی ہنگامہ آرائی بالکل بے نتیجہ ہے کیونکہ لیگ کی اسکیم کی تائید ایک اجتماع عظیم نے کی تھی جس میں اطراف و اکناف ملک کے مسلم نمائندے شامل تھے اس لیے سوچا گیا کہ کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ ان قومیت پرست حضرات کی آواز کو بھی جمہور کی آواز بنا کر دکھا دیا جائے لیکن اس تجویز کے راستہ میں سب سے بڑا روڑا خود قومیت پرستی کا لیبل تھا کیونکہ یہ حقیقت اب ایک نیا پر ثابت ہو چکی ہے کہ قومیت پرستی ہندو پرستی کا ہی دوسرا نام ہے

یاں ورنہ جو، حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

اس لیے سب سے پہلے گراموفون کے ان ریکارڈوں سے قومیت پرستی کا پرانا لیبل کھرچا گیا اور اس کی جگہ آزاد مسلمان کا نیا لیبل لگا لیا گیا پھر ان آزادگان مذہب وقت کو اواخر اپریل میں دہلی کے مرکزی مقام پر جمع کیا گیا اور ہندو اخبارات نے چاروں طرف اس اجتماع کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا جس میں سرخیل آزادگان جناب خان بہادر اللہ بخش کے متعلق لکھا گیا کہ ایک انبوہ عظیم نے خیر مقدم کیا حالانکہ ان بڑے بڑے مولوی صاحبان سے پوچھے

کہ سوائے ان سات آٹھ حضرات کے جن کا فوٹو خان بہادر صاحب کے ساتھ چھپا ہے کوئی اور اسٹیشن پر موجود بھی تھا؟ واضح رہے کہ یہ بڑھ بڑھ کر فوٹو کھنچوانے والے حضرات وہی علمائے کرام ہیں کہ فوٹو کی حرمت کے متعلق جن کے فتاوی آئے دن شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ذرا آگے چل کر:-

"یہ اجتماع کیوں منعقد کرایا گیا کہ اس کی غرض و غایت کیا تھی؟ یہ ان قاری صاحب نے بتا دیا جنھوں نے جلسہ کی کارروائی کا افتتاح قرآن کریم کی ان آیات مقدسہ سے کیا وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۔ اور یہ حق کے انکار کرنے والے (آپس میں) کہتے ہیں کہ اس قرآن کی آواز کو مت سنو۔ بلکہ (ایسے وقت میں) خوب شور مچاؤ شاید (اس طریقہ سے) تم کامیاب ہو جاؤ۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مولوی صاحبان قرآن کریم کو محض تبرکاً اور رسماً پڑھ لیتے ہیں۔ اس کے معانی کی طرف کبھی ان کی نگاہ ہی نہیں اٹھتی ورنہ وہ خود محسوس کرتے کہ ان کے اس شور و غوغا کے متعلق قرآن کریم کی بارگاہ سے کیا فتوی صادر ہو رہا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب قاری صاحب اس سے آگے چوتھی آیت پر پہنچے ہیں تو ہم قرآن کریم کے اس اعجاز پر وجد کر رہے تھے کہ وہ کس طرح ان حضرات کی زبان سے غیر شعوری طور پر حقیقت کا اعتراف کرا رہا ہے۔ انھوں نے پڑھا کہ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ۔ اور (یہ حق سے) انکار کرنے والے (قیامت میں) کہیں گے کہ یا اللہ ذرا ہمیں جن و انس میں سے ان لوگوں کو دکھا دے جنھوں نے

ہمیں گمراہ کر دیا تھا کہ ہم انھیں اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں اور انھیں یوں ذلیل و خوار کریں۔

ان آیات کی تلاوت تو رسماً کرا دی گئی لیکن اس کے بعد نہ حمد خدا نہ نعت رسولؐ بلکہ یکے بعد دیگرے وطن کے دیوتا کے چرنوں میں عقیدت و ارادت کے پھول چڑھائے گئے: "جھنڈا بلند ہمارا" "بڑھے وطن کی شان" "او میرے وطن، اے وطن اے وطن" کی قسم کے قومی ترانے گائے گئے اور جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ ہم تین دن برابر دیکھا کیے کہ باوجودیکہ علما حضرات کا مجمع ہے، اس میں کسی گوشے سے قال اللہ۔ قال الرسول کی آواز بھی اٹھتی ہے یا نہیں لیکن سنیے اور حیران ہو جیے کہ سارے جلسہ کی کارروائی میں کسی شخص کی زبان پر نہ اللہ کا نام آیا نہ اس کے رسولؐ کا نام، نہ اسلام کا ذکر آیا نہ اس کی ناموس کا۔ "وطن پر مصیبت آگئی ہے" "تجارت ماری جا رہی ہے"، "گھر بگڑ رہے ہیں"، قوم پر غربت و افلاس کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ ہندی بھوکوں مر رہے ہیں۔

جناب صدر کے ارشادات

اپنے خطبۂ صدارت میں فرماتے ہیں

"اسلام کا عالمگیر پیغام الگ الگ قوموں کو پنا دکھا کر ان کی قومی وحدتوں کو ختم نہیں کر دیتا۔ مثال کے طور پر اگر جرمنی، انگلستان، فرانس، جاپان کے رہنے والے مسلمان ہو جائیں تو کیا لازم آئے گا کہ وہ اپنی قومیت سے دست کش ہو جائیں، اپنی معاشرت کو بدل دیں اور اپنے تمدن کو خیرباد کہہ دیں۔ اسلام اگر تمام انسانیت کے لیے ہے اور اسلام کا خدا سب قوموں کا خدا ہے تو کسی خاص نسل یا قوم یا ملک تک اس کی وسعت کو محدود کر دینا کیسے ممکن ہے۔ اسلام نسلوں سے بالاتر ہے۔ فرقوں اور قوموں سے بالاتر ہے۔

اور جغرافی اور ملکی حدوں سے بالاتر۔

نظام کا نام ہے اور یہ ایک کھلا ہوا دھوکہ ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بے حد نقصان دہ اور تباہ کر دینے والا ہوگا۔ اگر آج ہمیں مذہب کی بنیاد پر الگ الگ قومیں بنانے کی دعوت دی جا رہی ہے؟!

ملاحظہ فرمائی آپ نے اس مفکر سندھی کی تفسیر اسلام! افسوس خان بہادر صاحب پر نہیں کہ ان بیچاروں کو کیا معلوم قرآن کیا ہے۔ افسوس ہے ان علمائے عظام پر جو ان ارشادات کو سن کر وجد و مسرت سے جھوم رہے تھے۔

جناب خان بہادر صاحب! جرمنی، انگلستان، فرانس اور جاپان کے رہنے والے اگر آج مسلمان ہو جائیں تو انھیں ان قومیتوں سے سب سے پہلے دست کش ہونا پڑے گا۔ جن کی بنیاد انسانی ہاتھوں نے نسلی اور جغرافیائی حدود پر رکھی ہوئی ہے۔ جب اسلامی وحدت پیدا ہوتی ہے۔ تو یہ غیر اسلامی تحزب و تشیع جسے آپ "قومی وحدتیں" قرار دے رہے ہیں۔ سب فنا ہو جاتی ہیں۔ صہیب رومیؓ بلال حبشیؓ۔ سلمان فارسیؓ۔ حضرت عمرؓ عربی جب اسلام لائے تھے۔ تو ان سب کی الگ الگ "قومی وحدتیں" اس ایک عالمگیر وحدت میں جذب ہو گئی تھیں۔ جسے ملت اسلامیہ کہتے ہیں۔ آج آپ کی سمجھ میں یہ بات اس لیے نہیں آ سکتی کہ آپ نے مغرب کے معیار قومیت کو "خدائی قانون" مقرر کر رکھا ہے۔ اس لیے آپ جس وقت بھی سوچتے ہیں تو اسی قانون کی حدود و قیود کو سامنے رکھ کر سوچتے ہیں اگر آپ قرآن کو سامنے رکھ کر سوچتے تو اس بات کا سمجھ لینا زیادہ مشکل نہ تھا۔

سمجھ میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے تمہارے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے لیکن یہ بت خانہ ابھی کے دماغ کا نہیں اس کی ابتدا تو اُسی دن ہو گئی تھی۔ جب ایک بہت بڑے شیخ الحدیث نے فتویٰ ارشاد فرمایا تھا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ اور پھر یہ سمجھئے کہ جب دنیا کی کوئی قوم اسلام پر لوٹے گی۔ تو اسے اپنی معاشرت و تمدن کے ہر اس عنصر کو چھوڑ دینا پڑے گا جس کی روح اسلام کی روح کے خلاف ہو گی خواہ وہ معاشرت آپ کی نگاہ میں کیسی حسین و جاذب نظر کیوں نہ ہو ہاں یہی تو وجہ ہے کہ اسلام وطن کی چار دیواری یا نسلی امتیازات کی آب و گل میں محبوس نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کا خدا تمام ملکوں اور قوموں کا خدا ہے اور یہ پابندیاں اس کی لامحدود وسعت کو محدود کر دیتی ہیں اسلام واقعی۔ جغرافیائی اور ملکی حدوں سے بالاتر ایک نظام کا نام ہے۔

خان بہادر صاحب کی ایک اور دلیل

"ہیر اور رانجھا، سسی پنوں کے قصے جن کے لکھنے والے مسلمان تھے آج سندھ اور پنجاب کے مسلمان اور ہندو اور سکھوں سب کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ اور سب بغیر کسی اختلاف کے ان کو پڑھتے۔ ان سے حظ اٹھاتے اور ان کو اپنا سمجھتے ہیں۔" (صفحہ ۹)

سبحان اللہ! کیا مسکت دلیل ہے! کیوں صاحب اگر کوئی انگریز کہہ دے کہ شکسپیئر اور ملٹن کو آج تمام ہندوستانی مزے لے لے کر پڑھتے ہیں اور ان سے حظ اٹھاتے ہیں۔ اس لیے انگریز اور ہندوستانی ایک ہی قوم ہیں لہٰذا انگریزوں کی حکومت اپنی ہی قومی حکومت سمجھو! تو فرمائیے خان بہادر صاحب اس کا کیا جواب بن پڑے گا؟

خان بہادر کا ارشاد:۔

ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے کانگریس کی نمایندہ حیثیت ترجمہ میں آتی ہے۔ ۔ ۔ لیکن جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے۔ سوائے ہنگاموں اور جلسوں کے اور آخر کس بنیاد پر وہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کی نمائندہ جماعت تسلیم کیے جانے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس کی نمائندگی کا امتحان اس وقت ہو گا جب لیگ اپنے لاہور والے ریزولیشن کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرے اور اسی ایک مسئلہ پر از سر نو انتخاب لڑا جائے۔" (صفحہ ۲)

یہ تو تھے خطبۂ صدارت کے جواہر ریزے اب مختلف مقررین اور مؤیدین حضرات کے ارشادات گرامی میں سے کچھ اقتباسات ملاحظہ فرمائیے ارشاد ہے:-

۱ــــ یہ اسکیم آزادیٔ ہند کے راستہ میں روڑا اٹکاتی ہے۔
(خان بہادر اللہ بخش)

۲ــــ ہندوستان میں برطانوی تسلط کو قائم رکھنے کا حیلہ ہے (عبدالرحمن بحری)

۳ــــ یہ اسکیم برطانوی حکومت کو قائم رکھے گی اور برطانیہ عظمیٰ کے مفاد کے لیے ہندوستان اور بیرونی ممالک کے درمیان ایک (BUFFER STATE) کا کام دے گی۔ (مولانا حفظ الرحمٰن صاحب)

۴ــــ یہ اسکیم ان حضرات کے نزدیک کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتی جن کے پیش نظر تمام ملک کا مفاد ہے۔ (سر غلام حسین ہدایت اللہ)

۵ــــ ملک کے مفاد کے لیے بالعموم مسلمانوں کے مفاد کے لیے بالخصوص نقصان رساں ہے۔ (مولانا حبیب الرحمٰن)

۶ــــ ایک شکست خوردہ ذہنیت کا نتیجہ (سر غلام حسین ہدایت اللہ)

۷ــــ اس اسکیم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ مسلم لیگ کے لیڈر مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتے۔ (حافظ محمد ابراہیم)

۸ــــ یہ عوام کے مفاد کا تحفظ نہیں کرے گی بلکہ خواص اس سے متمتع ہوں گے۔
(محمد امین کھوسو)

۹— کہا جاتا ہے کہ کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں پر جو مفروضہ مظالم ہوئے ہیں پاکستانی اسکیم ان کا نتیجہ ہے لیکن یہ مظالم تو پاکستان کے بعد بھی ویسے ہی ہوتے رہیں گے۔ ۔ ۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے ہیں۔ تو اس الزام کی کوئی بنیاد نہیں۔ اگر ان صوبوں میں لیگ والے بھی صاحب اختیار ہوتے تو وہ مسلمانوں کے مفاد کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکتے جو کانگریس نے کیا ہے۔

(حافظ محمد ابراہیم سابق وزیر یوپی)

۱۰— مالیات اور تاریخ کے نقطۂ نگاہ سے یہ اسکیم ناقابل عمل ہے۔

(خان بہادر اللہ بخش)

۱۱— اس اسکیم میں اقلیتوں کے صوبوں کے مسلمانوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(مولانا حبیب الرحمٰن)

۱۲— اس اسکیم کے بعد اقلیتوں کے صوبوں کے مسلمان اپنے حقوق سے محروم رہ جائیں گے۔ (حبیب اللہ قاضی بنگال)

۱۳— اگر سرحد، بلوچستان اور سندھ کے مسلمان اس اسکیم سے الگ ہو جائیں۔ تو پنجاب کا پاکستان ایک دیسی ریاست کے برابر رہ جائے گا۔

(خان بہادر اللہ بخش)

۱۴— یہ با اختیار صوبوں کو دیسی ریاستوں کے درجہ تک پہنچا دے گی۔

(مولانا حبیب الرحمٰن)

۱۵— مسلمانوں پر یہ مذہبی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلام کا پیغام دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچا دیں لہٰذا وہ اپنے آپ کو خطوں کے اندر مقید نہیں کر سکتے۔ (مفتی کفایت اللہ صاحب)

۱۶— کیا مسلمان اپنی مساجد وغیرہ کو غیر مسلم علاقوں میں چھوڑ دیں گے؟

(مسٹر یٰسین نوری)

۱۷ — ہم اسلام کی حفاظت اپنی قوت اور قربانی سے کریں گے۔ اسلام کی حفاظت پاکستان سے نہیں ہو سکتی۔ مجلس احرار مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے پہلے ہی جدّ و جہد کر رہی ہے۔ اگر کبھی اسلامستان کا الگ وجود عمل میں آیا تو وہ مجلس احرار کے ہی تصور عمل میں آئے گا۔ (شورش حبیب الرحمٰن)

۱۸ — اگر ہندوستان کی تقسیم مذاہب کی بنیاد پر کی جاتی ہے تو ان لوگوں کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ سکھوں کو ایک سکھ استھان بنانے سے روک دیں۔
(مفتی محمد نعیم)

۱۹ — مسلمان ایک جداگانہ قوم نہیں ہیں کیونکہ

(الف) اس اسکیم کے مجوزین یقیناً ہندوستانی تھے۔

(ب) ہندوستان کے مسلمان بیرونِ ہند میں ہندی اور ہندستانی یا انڈین کہلاتے ہیں۔

(ج) ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اس ملک کے قدیمی باشندوں کی نسل سے ہے اور اس اعتبار سے ڈراوڑین اور آرین سے کسی طرح مختلف نہیں ہے۔

(د) تبدیلی مذہب سے قومیت نہیں بدل جاتی۔
(خان بہادر اللہ بخش)

(ان اقتباسات کے حوالے کے لیے دیکھئے اسٹیٹسمین ۲۷ تا ۱۲ مئی ۱۹۴۰ء)

یہ آیت مقدس ان حضرات کے پنڈال کے سامنے سب سے بڑے دروازے پر جلی حروف میں لکھی موجود تھی کہ

والذین کفروا اولیاؤھم الطاغوت۔ $\frac{۲}{۲۵۷}$

کفار کے دوست شیاطین ہوتے ہیں۔

چنانچہ چار روز کے بعد یہ کانفرنس ختم ہوئی اور اس کے فیصلوں

پر ہندو مہا سبھا کے صدر جناب ساورکر کی طرف سے تبریک و تہنیت کا تار موصول ہوا۔ (ہندوستان ٹائمز ۶ جون ۱۹۴۴ء)

کانفرنس کے متعلق ایم۔ این رائے لکھتے ہیں:۔

"ہم ہندوستانی قومیت کی تقسیم کی اسکیم کے خلاف مسلمانوں کے افکار کی شیرازہ بندی کو خوش آمدید کہتے ہیں لیکن ہم کانگریسی لیڈروں کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایسی کانفرنسوں یا مظاہروں کی قوت یا وزن کے اندازہ کرنے میں حد سے نہ بڑھا کریں۔ جتنی رپورٹیں موصول ہوئی ہیں۔ ان سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ آزاد مسلم کانفرنس کامیاب ضرور رہی لیکن یہ ایک ہلاکت انگیز تحریک ہوگی اگر یہ کوشش کی گئی کہ اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے۔ اور اسے خواہ مخواہ مسلم لیگ کے مدمقابل سمجھ لیا جائے۔ مسلم لیگ کی قوت اور اس کے ہمخیال طبقہ کی تعداد کو گھٹانے کی کوشش سے کچھ فائدہ نہیں۔ مسلم لیگ آج اس ملک میں مسلمانوں کی بڑی نمائندہ جماعت ہے۔ پاکستان ریزولیشن یا آزاد کانفرنس اس حقیقت کو کبھی بدل نہیں سکتے"

(انڈین جرنلسٹ، مدراس ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء)

آزاد کانفرنس کے منتظم حضرات اپنی مساعی مشکورہ کے ان نتائج کو دیکھ کر یقیناً غم و غصہ سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہوں گے کہ خسر الدنیا والآخرۃ ذلک ھو الخسران المبین اسے کہتے ہیں ۔

وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہوں
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

لیکن انہیں افسوس کس بات کا۔ روپیہ کسی کا صرف ہوا۔ ان کی چار دن ہوٹلوں میں تفریح ہو گئی۔ باقی رہی حیثیت تھی۔ سو اگر وہ پاس ہوتی تو یہ کانفرنس منعقد کیوں ہوتی۔

تھے یہ بھی رد حساب سنویں پاک ہو گئے
(طلوع اسلام صفحہ ۷۰-۷۱، بحساب بابت جون ۱۹۴۲ء)

اعترافِ حقیقت

جسے گاندھی جی بھی تسلیم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔
اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ

یہ ثُمَّ استقاموا۔ کیا ہے؟ یہی جسے ایمان محکم کہا جاتا ہے یعنی جو حصول نصب العین کا ناقابل شکست ارادہ ہے جسے انگریزی میں ریزولیشن (RESOLUTION) کہتے ہیں۔ اگر آپ اس کو سچ سمجھ لیں تو پھر فی الواقعہ دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اس کے حصول سے نہیں روک سکتی اور تو اور خود گاندھی جی جو اسکیم کے اس قدر شدید مخالف ہیں وہ بھی اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ

"اگر ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان فی الواقعہ اس اسکیم کو نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس خطۂ ارض پر کوئی ایسی قوت نہیں جو انہیں اس سے باز رکھ سکے خواہ اس کی کتنی ہی تشدد آمیز یا عدم تشدد کے انداز کی مخالفت کیوں نہ ہو؟"

(ہندوستان ٹائمز ۵ جون)

اب آپ کی خدمت میں ایک خط جو سید وزیر حسین صاحب نے ۱۱ فروری ۱۹۳۹ء کو ۱۰ کیننگ روڈ الٰہ آباد سے پنڈت جواہر لعل نہرو صاحب کو لکھا پیش کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ایک نیشنلسٹ مسلمان کیا کہہ رہا ہے۔

میرے عزیز جواہر لعل

"یہ غلط بیانی، جھوٹ اور فرقہ وارانہ منافرت کا پروپیگنڈہ

جو نہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان منافرت پھیلا رہا ہے۔ بلکہ خود مسلمانوں سے تنفر کر رہا ہے اس کی بنیاد لکھنؤ کے اس اجلاس مسلم لیگ کے خطبہ صدارت سے پڑی جو گذشتہ اکتوبر میں منعقد ہوا اقلیتوں کے حقوق اور مذہبی منافرت کے پردے میں روزافزوں واقعاتی غلط بیانیوں کے ساتھ یہ پروپیگنڈا اب بھی ہر روز ہوا کرتا ہے۔ جس میں ذیل کی مدوں کا خاص طور پر ذکر کروں گا۔

۱- یہ کہ کانگریس ایک ہندو تنظیم ہے۔

۲- یہ کہ کانگریس ہندوستان میں سوراج نہیں، ہندو راج قائم کرنا چاہتی ہے۔

۳- یہ کہ سات صوبوں میں کانگریس اور اس کی حکومتیں اقلیتوں اور خصوصاً مسلمانوں کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

۴- یہ کہ مسلم لیگ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کے آراء و افکار کی حقیقی نمائندہ ہے۔

۵- یہ کہ کانگریس میں بہت تھوڑے مسلمان ہیں اور یہ سب کے سب اسلام کے غدار ہیں

میں بڑی شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ جب تک اس پروپیگنڈے کا ان لوگوں سے ثبوت طلب نہ کیا جائے کذب و دروغ کو بے نقاب نہ کیا جائے گا لوگ اس کذب و دروغ کو سچ مان لیں گے اور اس کا اثر ہماری اس جدوجہد پر جو ہم ملک کی بحیثیت مجموعی اقتصادی اور سیاسی آزادی کے لیے کر رہے ہیں۔ بہت برا پڑے گا۔

اس تمہید کے پیش نظر جو میں نے اوپر بیان کی ہے میری یہ تجویز ہے کہ تاحد امکان بڑے سے بڑے پیمانے پر ایک عام جلسہ ایسے تمام مسلمان طبقوں، اور عوام کا جو کانگریس کا نصب العین قبول کر چکے ہیں نیز

اُن مسلمانوں کا جن کو میں کانگریسی خیال کا کہہ سکتا ہوں کسی مرکزی جگہ پر جلد ہی مارچ کے آخیر تک یا اپریل کے شروع میں منعقد کیا جائے اور ضروری تجویزیں منظور کر کے مسلم لیگی پروپیگنڈے کی تردید میں ایک عام بیان جاری کیا جائے۔

مولانا ابوالکلام آزاد اس جلسے کے داعی ہوں اجازت ہو تو میں آپ سے یہ عرض کروں کہ میری یہ غرض نہیں کہ میں اس گفت و شنید کی راہ میں روڑے اٹکاؤں جو صدر کانگریس اور صدر مسلم لیگ کے درمیان جاری ہے۔ اس کے برعکس، اس مجوزہ جلسے میں جو غور و فکر ہوگا وہ بہت بڑی حد تک ایک ایسے فیصلے تک پہنچنے کے لیے راستہ صاف کر دے گا۔ جو مسلم لیگی مسلمانوں اور کانگریسی مسلمانوں دونوں کے لیے قابل قبول ہو۔ آخر میں مجھے آپ سے یہ درخواست کرنی ہے کہ اس خط کے موضوع پر ہری پورہ میں اپنے رفقاء کار سے مشورہ کر کے جلد کوئی فیصلہ کریں شاید یہ عرض کر دینا موزوں نہ ہوگا کہ جو رائے اس خط میں ظاہر کی گئی ہے اس سے بہت کانگریسی مسلمان متفق ہیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

آپ کا مخلص

سید وزیر حسین

کچھ پرانے خطوط حصہ دوم صفحہ ۱۰۴

حمید نظامی مرحوم و مغفور نوجوانانِ ملت کی تنظیم "مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" کے سرخیل (صدر) رہنے کی حیثیت کے علاوہ ایک ذہین۔ نڈر۔ بے باک اور نظریہ پاکستان کے بارے میں مفاہمت ناآشنا صحافی تھے اور صحیح معنوں میں اقبال و جناح کے جاں نثار و جاں سپار اور تحریک پاکستان کے آتش بجاں مجاہد۔ پاکستان کی بڑی بڑی مخالف و دشمن قوتوں سے ٹکرانے والے اور مخالفت کی تند و تیز آندھیاریوں میں نظریۂ پاکستان کی نورانی شمع کو روشن کرنے والے

حساس وغیور اور ملت کی سرفرازی و سربلندی کے لیے درد مند دل رکھنے والے تعلیم یافتہ مسلمان تھے۔

جب نوائے وقت ۱۹۴۲ء میں روزنامہ ہوا تو آپ نے نیشنلسٹ مسلمانوں کو راہ حق دکھانے کے لیے اپنا زور قلم صرف کیا اور تحریک پاکستان کو مقبول و متعارف کرانے کے لیے اپنی خداداد صلاحیتوں کو وقف کر دیا۔ اب ہم آن کے قلم سے نکلے ہوئے وہ اداریے جو انھوں نے نوائے وقت کے ایڈیٹر کی حیثیت سے نیشنلسٹ مسلمانوں کے متعلق لکھے "نیشنلسٹ مسلمانوں" کے اس باب میں نذر قلت کر رہے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے:۔

اداریہ ۲۴ نومبر ۱۹۴۴ء

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی خدمت بابرکت میں

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

حضرت مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیت العلمائے ہند ایک اعلیٰ عالم ہیں۔ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ سے اور دارالعلوم دیوبند سے تعلق کی وجہ سے ہندوستان کے علماء میں ان کا مقام بہت بلند ہے مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ مولانا ایسی ہستی جن کا وجود اس دور میں مسلمانوں کے لیے باعث رحمت ہونا چاہیے تھا اغیار کا محمد و اشعار ہے۔ پچھلے گذشتہ پچیس برس سے حضرت مولانا ہندوستان کی مسلمان سیاسیات میں نمایاں و سرگرم حصہ لے رہے ہیں اور انھوں نے ملت اور وطن کی استقلال کے لیے بڑی مصیبتیں اٹھائیں اور قربانیاں کیں لیکن چھ سات برس سے وہ سواد اعظم سے کٹ گئے ہیں اور ان کی سرگرمیوں سے ان کے چاہنے

کے باوجود ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

مولانا حسین احمد حال ہی میں جیل سے رہا ہوئے ہیں۔ ہمیں توقع تھی کہ جیل سے باہر آکر وہ بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لیں گے اور اپنے تجربہ اور علم و بصیرت سے مسلمان کو فائدہ پہنچائیں گے لیکن آسام میں ان کی ایک دو تقریریں پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ آج ان کا ایک انٹرویو دیکھا ہے جو انھوں نے الٰہ آباد میں کسی اخباری نمائندہ کو دیا۔ اس انٹرویو میں مولانا کی طرف یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں کہ جمعیۃ علما کی ورکنگ کمیٹی نے اس تجویز پر غور کیا ہے کہ فرقہ وارانہ سمجھوتہ کے لیے قوم پرست مسلمانوں کو منظم کیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ مسلم لیگ کی پالیسی ہندوستان اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ ان حالات میں مسلم لیگ سے ہمارا کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا کا آخری فقرہ تعجب انگیز بھی ہے اور مضحکہ خیز بھی "قوم پرست مسلمانوں" کی تنظیم سے مراد اگر اسی قسم کی کوشش ہے جو مسٹر اللہ بخش مرحوم اور مولوی فضل الحق بار ہا کر چکے ہیں اور اب خواجہ عبدالمجید اور خان بہادر جان محمد کر رہے ہیں۔ تو اس کا انجام ظاہر ہے۔ آزاد بورڈ اور "آزاد مجلسوں" کا حشر حضرت مولانا کو معلوم ہی ہے۔ وہ خان بہادر اللہ بخش، مولوی فضل الحق اور خواجہ عبدالمجید کی طرح سیاسی طالع آزما نہیں اور یہ سیاسی ڈھونگ۔ اور ہتھکنڈے ان کی شان کے خلاف ہیں۔

لیکن اگر ان کے ارشاد کا مطلب مسلم رابطہ عوام کی تحریک ہے جو آجکل خدا و ندان کانگریس کے زیر غور ہے تو مولانا کا منصب اس سے بہت بلند ہے کہ وہ خود اور ان کے محترم رفقا کار علمائے کرام کانگریس کے نمبر برداروں کی حیثیت سے مسلمانوں کی تنظیم میں رخنہ اندازی کریں حضرت مولانا کا یہ ارشاد ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ مسلم لیگ سے

ہمارا کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا؟ آخر مسلم لیگ سے ان کا سمجھوتہ ناممکن کیوں ہے؟ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اور اس سے حضرت مولانا کو بھی انکار نہیں کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت مسلم لیگ سے وابستہ ہے۔ مولانا مسلمانوں کے بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کا فرض دعوت الی الحق ہے۔

فرض کیجئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ اکثریت گمراہ ہے تو اس کی ہدایت و رہنمائی ان کا فرض ہے یا انھیں مایوس ہو کر ان مسلمانوں کا خیال چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر مولانا آخری راستہ اختیار فرمائیں۔ تو یقیناً وہ قیامت کے دن خدا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں کہ مولانا اور جمعیت کے دوسرے علماء کروڑوں لیگی مسلمانوں کو ناقابل اصلاح سمجھ کر ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ کانگریس کے ساتھ مل کر اپنے زعم میں نیک نیتی کے ساتھ آزادی وطن کے خیال سے انھیں کانگریس کے حلقہ بگوش بنانے کی سعی فرمائیں۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کو تو اس کی ضرورت ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور دوسرے علماء حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کے مشن کو مکمل کریں۔

اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کے مذہب اور سیاست میں جو خلیج حائل ہو رہی ہے اسے پاٹنے کی کوشش کریں۔ ہماری سیاست کو اسلامی رنگ دیں۔ جو ہمارے سیاسی مطالبہ کو اسلامی مطالبہ بنائیں اور ہماری سیاسی زندگیوں کو اسلامی زندگیوں میں تبدیل کریں۔ لیگ کی پالیسی یا پروگرام میں وہ کونسا بنیادی نقص ہے جو حضرت مولانا اور علماء کو لیگ سے سمجھوتہ کرنے سے روکتا ہے۔ جب لیگ کامل آزادی کی بھی طلبگار تھی اور اس کا مطمح نظر حکومت

اور ہندوؤں سے مسلمانوں کے لیے کچھ مراعات منظور کراتا تھا اس وقت مولانا اور لیگ میں سمجھوتہ ہو سکتا تھا اور مولانا اپنی مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں لیگ میں شامل تھے لیکن اب جبکہ لیگ وطن کے لیے کامل آزادی چاہتی ہے اور جو سات آٹھ سال پہلے کی طرح قرار داد پاس کرنے والے وکیلوں، بیرسٹروں اور سرمایہ داروں کی جماعت نہیں بلکہ عامۃ المسلمین کی جماعت ہے۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ لیگ سے ہمارا سمجھوتہ نہیں ہو سکتا!"

العجب!! ثم العجب!! لیگ کے نصب العین میں کوئی برائی ہے؟ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہیں گے کہ مسلم لیگ کے بعض لیڈروں کی زندگی غیر اسلامی ہے ان کا فکر غیر اسلامی ہے وہ خود غرض ہیں، نفس پرست ہیں۔ بجا ارشاد ہوا۔ مگر ایسے لوگ کس جماعت اور کس گروہ میں نہیں!

گستاخی معاف کیا علما کے گروہ میں غیر اسلامی زندگی بسر کرنے والے عالم نہیں؟ کیا علما میں نفس پرست اور خود غرض نہیں؟ اور کیا کانگریس بے غرض اور بے نفس فرشتوں کا گروہ ہے؟ کیا کانگریس میں گاندھی نہرو پٹیل اور پنت سبھی کی زندگیاں خالص اسلامی ہیں؟ کیا کانگریس کا فکر اسلامی ہے؟ کیا کانگریس کا نصب العین اسلامی ہے؟ کیا کانگریس کی پالیسی اسلامی ہے؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو حضرت مولانا ہی فرمائیں کانگریس کے غیر اسلامی جماعت ہونے کے باوجود اس کے غیر اسلامی نصب العین اور پالیسی کے باوجود اس کے ارکان کی ۹۹ فیصدی ہندو ہونے کے باوجود حضرت مولانا اور جمعیت العلما کانگریس سے سمجھوتہ کر سکتے ہیں تو مسلم لیگ اور ان کروڑوں مسلمانوں کا جو لیگ سے وابستہ ہیں کیا قصور ہے کہ مولانا انھیں اپنی رہنمائی سے محروم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا ان کا گناہ صرف یہی تو نہیں کہ وہ خام کار و غلط کار ہی نہیں بلکہ مسلمان بھی ہیں؟"

"نوائے وقت ۱۴ نومبر ۱۹۴۳ء

اداریہ نوائے وقت ۱۴ اپریل ۱۹۴۵ء

مولانا حسین احمد مدنی کی خدمت بابرکت میں

"جناب مولانا حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند و نائب صدر یوپی کانگریس کمیٹی کا حال ہی میں ایک بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ جس پر مسلمان بہت افسوس کا ہر کر رہے ہیں۔ مولانا نے اپنے بیان میں اخبارات کی روایات کے مطابق مسٹر گاندھی کی وحدانی قومیت نسل و وطن کے نظریہ جداگانہ مسلم قومیت پر جناح کے اسلام و اسلامیت کی مخالفت کا اعلان کیا ہے۔ اور مسلم لیگ کی پالیسی اور نصب العین کو لیگ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے نقصان رساں بتایا ہے۔

مسلم لیگ کا نصب العین کیا ہے؟ مسلم لیگ کی پالیسی اور نصب العین کیا ہے؟ دنیا اس سے واقف ہے کہ گاندھی جناح مذاکرات بھی اس مسئلہ پر ٹوٹ گئے کہ مسلم لیگ اس کی دعویدار ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند اپنی جداگانہ شریعت اور ملت جداگانہ تہذیب و تمدن اور جداگانہ تاریخ و روایات۔ جداگانہ عقائد و اعمال، جداگانہ اسیال عواطف، جداگانہ سیاست و معیشت کی بنیاد اور ہر اعتبار سے ایک جداگانہ قوم اور مستقل نیشن ہیں اور بنا بریں وہ اس برا عظم ہند میں اپنی جداگانہ ملی و قومی اسٹیٹ اور اس کے کامل استقلال و آزادی کے طالب ہیں اور کسی حال میں وہ ہندو قوم کی اکثریت اور کسی آل انڈیا مرکز کی تابعداری و محکومی کسی شکل میں قبول نہیں کریں گے البتہ ایک مستقل اسلامی قومیت و ریاست کی حیثیت سے ہندو قوم اور دوسری قوموں سے باہمی معاملات حقوق و تعلقات سے متعلق معاہدہ کرنے کو تیار

ہیں۔ ہندو اکثریت کے ساتھ مخلوط و مدغم ہو کر ایک قوم بن سکتے ہیں اور ہنسا اس کے لیے تیار ہیں۔

مسٹر گاندھی کا واعیہ اور نصب العین! اس کے برعکس مسٹر گاندھی نے مسلمان کی جداگانہ قومیت اور مستقل ملی حیثیت ماننے سے انکار کیا اور دعویٰ کیا کہ چونکہ مسلمانان ہند اصلاً و نسلاً ہندو جاتوں اور نسلوں سے تبدیلیٔ مذہب کے ذریعہ نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اس لیے وہ مذہباً مسلمان ہیں لیکن قومیتاً وہ اب بھی ہندو یا ہندوستانی ہیں۔ کیونکہ قومیت کا مدار دین و عقیدت نہیں ہے۔ بلکہ بقول مسٹر گاندھی کا قومیت کا مدار وطنیت اور نسلیت پر ہے۔ بنابریں مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو ایک مستقل قوم ماننے اور مسلم ریاستوں، اور صوبوں کے لیے کامل آزادی واستقلال و حاکمیت کا حق ماننے سے انکار کیا۔ اور ایک آل انڈیا فیڈرل یا کان فیڈرل مرکز کے ماتحت رکھنا چاہا جس کے لئے ہندوؤں کی اکثریت اور دائمی غلبہ اور مسلمانوں کی محکومیت و مغلوبیت لازمی ہے۔

مسٹر جناح کا ہندو حاکمیت ماننے سے انکار! مسٹر جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے اس ہمہ گیر ہندو قومیت اور آل انڈیا ہندو حاکمیت کے اس باطل دعویٰ کو ماننے سے انکار کر دیا اور واضح کر دیا کہ ہندوستان کی تمام اقوام کی مساویانہ آزادی کی واحد عملی راہ یہ ہے کہ مسلمانان ہند کی آزادی مان لیں اور ہندو پاکستان کی آزادی مان لیں اور پھر دونوں اقوام مل کر برطانیہ اور دنیا سے اپنی آزادی تسلیم کرائیں۔ وحدت و دوستی قائم کرکے دو آزاد اور مستقل سلطنتوں اور ہمسایہ طاقتوں کی حیثیت سے باہم معاہدہ کر لیں۔ اس طرح اور صرف اسی طرح دس کروڑ ہندی ترکوں کی آزادی کا مسئلہ خوش اسلوبی اور

برابری کی بنیاد پر حل ہوگا۔ بلکہ تمام اقوامِ ہند کی اصلی آزادی اور داخلی وخارجی غلامیوں اور ظلموں کا خاتمہ ہوگا۔

مولانا حسین احمد سے سوال! اب میں مولانا حسین احمد سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ وہ کس طرح مسلم لیگ کی پالیسی کو ملک اور ملت کے لیے نقصان رساں بتا رہے ہیں۔ کیا مشرکانہ ہندی کے نظریۂ قومیت نسلی کا انکار کرنا اور ہندو نسلوں سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے دس کروڑ ہندی الاصل مسلمانوں کو بربنائے ملت اسلام ایک مستقل قوم بنانا خلاف ما تنزل خلاف اصل اور خلافِ مفادِ ملت ہے۔

کیا مسلمانوں کا مفاد یہی ہے کہ مسلمان کفر وجاہلیت کی بنا قومیت اور وجہ جامعیت کے سامنے سپرانداز ہو جائیں اور دینِ ایمان اور قبلہ ورسالت محمدیؐ کے اساس پر ایک عالمگیر قومیت بنانے کے قرآنی نصب العین سے دست بردار ہو جائیں۔

خدارا مولانا بتائیں کہ آخر مفادِ اسلام کیا ہے اور لیگ نے کس طرح اس کی مخالفت کی ہے۔ کیا دس کروڑ کلمہ گویان اسلام کی گردنوں کو بدترین کافروں اور مشرکوں کے ہاتھوں میں آنکھ بند کر کے دے دینا مفادِ اسلام ہے یا ان دس کروڑ کلمہ گویان اسلام کے لیے آزادی استقلال اور حاکمیت وسلطنت حاصل کرنا مفادِ اسلام ہے۔

غیر آریہ قوموں کی ہندوؤں سے علیٰحدگی، آزادی! جب آریہ ہندو اچھوتوں اور دراوڑوں اور غیر برہمنوں کو جنھیں وہ مردم شماری کے لیے ہندو گنتے اور بتاتے ہیں ان کو بھائی نہ بنا سکے اور ان کو ملا کر ایک قوم نہ بنا سکے۔ تو پھر وہ اہلِ اسلام کو کس طرح اپنا بھائی اور

ایک قوم بنا سکتے ہیں؟

جب خود یہ ہندو اقوام آریہ برہمن سے علیحدگی و آزادی کے طالب ہیں تو پھر مسلمان کس طرح ان سرمایہ دار ہندو جاتوں سے مل کر اپنی اور ملک کی آزادی حاصل کر سکتے ہیں؟ خیر اس مسئلہ پر تو پھر بحث ہوگی میں فی الحال مولانا محترم کی توجہ عالی مسٹر گاندھی کے ان دو تازہ بیانات و اعمال کی طرف مبذول کراتا ہوں اور مسٹر گاندھی کی ان دو تازہ ترین تحریر کے متعلق مولانا سے بحیثیت مسلمان عالم دین فتویٰ پوچھتا ہوں کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔

مسٹر گاندھی توہین رسول کی تائید میں ستیا گرہ جاری کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ وھو ھذا۔ ا- اول یہ کہ مسٹر گاندھی کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر پیارے لال اور پھر مسٹر جی۔ ایس گپتا صدر سی۔ پی اسمبلی صدر آریہ پرتی ندھی سبھا اور آخر میں خود مسٹر گاندھی نے یہ حقیقت یو۔ پی کے ایک ہندو کانگریسی کے جواب میں ظاہر کر دی ہے کہ مسٹر گاندھی نے ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کی مسلم لیگی حکومت سندھ کے حکم سے ضبطی و بندش کے آرڈر کے خلاف کانگریس والوں کو ستیا گرہ کرنے اور سول نافرمانی کی مہم جاری کرنے کی اجازت دی ہے۔

مولانا حسین احمد صاحب اس حقیقت سے بھی باخبر ہوں گے کہ مجلس علماء دہلی نے جس میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیت العلماء ہند و مولانا عبدالحلیم صدیقی سیکرٹری جمعیت العلماء ہند اور مولانا مظہر اللہ صاحب شامل ہیں یہ فتویٰ دیا ہے کہ آریہ سماجی کتاب ستیارتھ پرکاش کے تیرھویں اور چودھویں باب میں رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام

کے خلاف فحش اور دل آزار ناقابل بیان گالیاں دی گئی ہیں اور انبیاء اسلام کی سخت ترین توہین کی گئی ہے بنا بریں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ رسول اکرم علیہ السلام کی حرمت کی حفاظت کے لیے ان گندہ غلیظ اور منافرت انگیز باتوں کو قانوناً ضبط کرانے کی کوشش کرے۔

کیا توہین رسولؐ کی آزادی قائم کرنے کے لیے ستیہ گرہ کریں گے

اب حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی شیخ الاعظم دیوبند سے فتویٰ پوچھنا ہے کہ وہ کس فتویٰ کو مانتے ہیں۔ آیا بحیثیت نائب صدر یو۔پی کانگریس مولانا مسٹر گاندھی مہاتما کے کانگریس کے فتویٰ کی پیروی کریں گے اور سندھ کی حکومت کے آرڈر کے خلاف ستیاگرہ اور مقدس جہاد فرمائیں گے تاکہ توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے کی آزادی اور توہین رسولؐ کرنے والی کتاب آزادی اور کثرت سے خوب شائع ہو اور گلی کوچوں میں ہر کانگریسی ان توہین آمیز آریہ سماجی گالیوں کو دھراتا پھرے اور مولانا حسین احمد اور ان کے طلباء اساتذہ دیوبند اس جہاد میں پیش پیش ہوں! یا وہ بحیثیت صدر جمعیت العلماء ہند و شیخ الاعظم دیوبند بچاس علماء دہلی کے اور ستیارتھ پرکاش کی ضبطی کے بیے آل انڈیا مسلم لیگ سندھ مسلم لیگ اور وزارت سندھ مسلم لیگ نے جو نیک اقدام کیا ہے اس کی تائید فرمائیں گے آیا مولانا کس کے فتویٰ کو مانتے ہیں: مسٹر گاندھی کے فتویٰ کو جو توہین رسول کی آزادی بخشتا اور توہین رسول کی عام اجازت و اشاعت کا حکم دیتا ہے یا فتویٰ مفتی کفایت اللہ کو مانتے ہیں۔ جو توہین رسول کی بندش و قانونی ضبطی کا مطالبہ کرتا ہے اور حرمت رسول کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو جد و جہد کا حکم دیتا ہے۔

کیا مولانا کی خدمت اسلام کا طریقہ یہی ہے:۔ اگر مولانا اس

فتوٰی علمائے دہلی کو مانتے ہیں۔ جس پر بلاشبہ کے تمام علمائے ہند کا اتفاق ہے۔ سوال ہے کہ مولانا نے علماء دہلی و دیوبند کے فتوٰی اور مسلم قوم کے مطالبہ متفقہ کو جو ستیارتھ پرکاش سے متعلق ہے منوانے اور جاری کرنے کے لیے کیا عمل کیا ہے! کیا وہ بدترین اور غلیظ ترین اور فحش ترین توہین رسول اور عزت رسول کا مسئلہ اہم و اعظم نہیں ہے۔ تو پھر اس آسمان کے نیچے اور کونسا اہم مسئلہ ہے۔ کیا اس سے بے خبر ہیں کہ اس دشنام بازی توہین رسول کے سوال پر اسلامی انڈیس میں بڑی بڑی خونریزیاں اور جنگیں ہو چکی ہیں۔ کیا اسلام کے مفاد کی بہترین خدمت کا بس یہی طریقہ ہے کہ مولانا جیسی ہستی اسلامی جماعت کی طاقت کو مضبوط و مستحکم کرنے کی جو کوشش کی گئی وہ مسٹر گاندھی جیسے تنگ نظر، کور باطن سناتن ہندو کے ہاتھوں کو مضبوط کرنے میں مصروف ہیں جو سرور کائنات فخر موجودات سید المرسلین خاتم آپ علیہ السلام کے خلاف گندہ ترین گالیوں دشنام طرازیوں کی مہموں کو جاری کرنے کی بحیثیت کانگریسی لیڈر اجازت و برکت دیتے ہیں اور اس طرح ہندوستان کی اقوام میں بدترین منافرت و عداوت کے بیج بوتے ہیں؟ کیا کانگریس میں رہ کر مولانا کا اس مسئلہ میں چپ رہنا مناسب ہے؟

متحدہ قومیت کے شجر خبیثہ کا پہلا پھل:۔ اور مولانا حسین احمد کے ملاپ اور ان کی متحدہ قومیت کے شجر ممنوعہ کا پہلا پھل یہی ہے کہ مسٹر گاندھی تو مقدس پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشنام نامہ و توہین نامہ کی عام اشاعت کی تحریک کو جاری کرنے کے لیے علاوہ ازیں برکت دیں اور ہمت افزائی کریں اور قاسم العلوم والخیرات شیخ العلوم دیوبند کے شیخ اعظم یو۔پی کانگریس کی نائب صدارت قبول کر کے

چپ کا روزہ رکھ لیں اور مسلمانوں کو کانگریسی ہندوانیت کی اندھی تقلید اور غیر مشروط بیعت کرنے کا حکم دیں۔

بلا شرط و معاہدہ اس کنٹیک کے معنی بیعت گاندھویت ہے

آخر بلا معاہدہ و بلا شرط کانگریس میں شرکت اور اس کنٹیک کا مطلب بیعت گاندھی کے سوا اور کیا ہے۔ اس کنٹیک کے معنی مسلمانوں کی ملی اجتماعیت کی تحلیل اور قومی فردیت کی تردید اور ان کے افراد کو فرداً فرداً کانگریسی قومیت و سیاست میں انضمام و ادغام ہیں اور افسوس ہے کہ مولانا عملاً اس کی حمایت کر رہے ہیں اور اس کو دین وقت کا مفاد بتا رہے ہیں۔

آج یہ ہے کل کیا ہوگا؟ آج تو یہ ہے کل متحدہ قومیت اور آل انڈیا مرکزی ہندو راج کے قیام و استحکام کے بعد کیا ہوگا؟ یقیناً یہی اندلس اور اسپین کی طرح تمام دیوبند جیسے مدرسوں کو ناچ گھر بنایا جائے گا۔ قرآن و عربی کی تعلیم فرقہ وارانہ جرم قرار دیا جائے گا اور اللہ و رسول کا نام لینے والوں کو ہاتھی کے پاؤں تلے روند دیا جائے گا۔ انہیں یا نہ انہیں مولانا قوم کو اسی طرف ہانک کر لے جانا چاہتے ہیں اور ان کی پالیسی کا یہی نتیجہ ہوگا۔

مسٹر گاندھی نے حال میں حسب عادت ایک ذو معنی بیان دیا ہے جس میں ایک طرف ستیارتھ پرکاش کے باب تیرہ و چودہ کے حذف کرنے کی آریہ سماج کو ہدایت دی ہے اور ساتھ ہی دو پابان کی ضبطی کی بھی مخالفت کی ہے۔ اور حکومت سندھ کے آرڈر کو جس میں ان دشنام ناموں کی اشاعت کو سندھ میں ممنوع قرار دیا گیا ہے غلط اور قابل تردید آرڈر قرار دیا ہے اس میں سابقہ اعتراض بحال اور سابقہ سوال برقرار رہتا ہے۔ متحدہ قومیت کے داعی

اور ہندو مسلم اتحاد کے حامی کانگریس کے مہاتما کا فرض تو یہ تھا کہ وہ خود ان باتوں کی قطعی ضبطی اور بندش اشاعت کا مطالبہ کرتے کیونکہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ منافرت جنگ و جدل، فسادات اور قتل و خون کے ہزاروں واردات کا اصلی و بنیادی سبب یہ باب ہیں جنھوں نے اسلام کی دشمنی، قرآن دشمنی، مسلم دشمنی اور رسول دشمنی کی آگ لگائی ہے جو گذشتہ ایک ہزار سال میں کسی دوسری کتاب و تحریک سے اس ملک میں کبھی نہ لگی تھی لیکن کانگریس کا مہاتما ان بابوں کو منافرت انگیز، غلط، مایوس کن، گمراہ کن قرار دینے کے باوجود ان کی ضبطی و بندش کے خلاف بیان دیتا ہے۔ چنانچہ آریہ پرتی ندھی سبھا اور آریہ لیگ کی تحریک کی تائید کرتا ہے۔ جیسا کہ مسٹر گھنشام سنگھ گپتا صدر آریہ لیگ و سپیکر سی۔پی اسمبلی جیسے کانگریسی لیڈر نے مسٹر گاندھی کے بیان کی اشاعت کے بعد تشریح کی ہے۔ مسٹر گاندھی اس قسم کی دوطرفی چالیں چلنے کے پرانے چالباز ہیں۔ لیکن افسوس کہ مولانا حسین احمد صاحب کی آنکھ بند ہے اور حقیقت کو حقیقت کی نظر سے دیکھنا نہیں چاہتے۔

(مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۴۵ء نوائے وقت)

ابوالکلام آزاد

وائے بعشقے کہ تا پرِ او فسرد

در حرم زائید و در بت خانہ مرد

مولوی ابوالکلام آزاد ہندوستانی سیاسیات میں آجکل وہی پارٹ ادا کر رہے ہیں جو دو سو سال پہلے بنگال میں میر جعفر نے اور میسور میں میر صادق نے ادا کیا۔ ہمارے اپنے زمانے میں لاڈل لے

فرانس میں اور کو گزلنگ نے ناروے میں۔

یہ حقیقت مبالغے سے بالکل خالی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے استقلال اور ہندوستان کی ترقی کے رستے میں سب سے بڑی چٹان مولوی ابوالکلام آزاد کا وجود گرامی اور ان کے خالص خود غرضانہ سیاسیات ہیں۔ ۱۹۴۵ء کی شملہ کانفرنس کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ مولوی صاحب کی ہٹ دھرمی تھی اور ۱۹۴۶ء کی گفتگوئے مفاہمت تین ماہ کی مسلسل تگ و دو کے بعد اس کی ناکامی کا ناقابل رشک شہرت بھی مولوی ابوالکلام آزاد ہی کے حصّہ میں آیا۔

ہندوستان کے آئندہ دستور کے سلسلے میں مولوی ابوالکلام آزاد نے وزیر ہند کو جو خط لکھے وہ منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان خطوط کی ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف مسلمانوں کے خلاف زہر میں بجھے ہوئے تیروں کا درجہ رکھتے ہیں۔

مولوی صاحب نے ان خطوں میں وزارتی مشن کی اس تجویز کے خلاف پرزور احتجاج کیا تھا کہ مجوزہ مرکزی یونین کی مجلس آئین ساز اور اس کی ایگزیکٹو میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو مساوی نمائندگی دی جائے۔ بیسوی صدی کے اس "امام الہندؒ" کی دلیل یہ تھی کہ مسلمان محض ایک اقلیتی فرقہ ہیں اور جمہوری اصولوں کے پیش نظر اس اقلیتی فرقے کو عظیم ہندو کے مقابلے پر مساوی نمائندگی نہیں دی جاسکتی۔ ان خطوط کی اشاعت نے صدر کانگریس کے ان معدودے چند مداحین کو بھی جنہیں ابھی تک ان کی ذات گرامی سے حسن ظن وابستہ ہے۔ فرط حیرت میں ڈال دیا تھا۔ کہ کیا یہ سطور کسی مسلمان کی طرف سے نکل رہی ہیں؟ مگر ۲۹ جون کو مولوی ابوالکلام آزاد نے اپنے دستخطوں سے جو خط وائسرائے کے نام بھیجا ہے۔ مولوی

صاحب کے مذکورہ بالا خطوط بھی ان کے اس گرامی نامہ کے سامنے ماند ہیں۔

قارئین کو یاد ہوگا۔ کہ قائداعظم جناح نے ۱۸ جون کو وائسرائے کے نام ایک خط لکھا۔ جس میں موصوف سے پوچھا گیا تھا اول اگر اچھوتوں۔ عیسائیوں، سکھوں اور دیگر پارٹیوں کے نمائندوں میں سے کسی صاحب نے مجوزہ عارضی حکومت میں شرکت منظور نہ کی یا کسی آئندہ مرحلے پر سکھوں، پارسیوں، اچھوتوں اور عیسائیوں میں کوئی نشست خالی ہوگئی۔ تو کیا اس نشست کو پر کرتے وقت مسلم لیگ سے مشورہ لیا جائے گا۔ وائسرائے نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ دوم عارضی حکومت کی تشکیل میں جس فرقہ وارانہ تناسب کو اب ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بعد میں اس میں کوئی تبدیلی تو نہیں کی جائے گی۔ وائسرائے کا جواب نفی میں تھا۔

سوئم۔ کیا وائسرائے مسلم لیگ کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ اگر مجوزہ عارضی حکومت کے مسلمان ارکان کی اکثریت کسی فرقہ وارانہ فیصلہ کے خلاف ہو تو اس فیصلہ کو عملی جامہ نہیں پہنایا جائے گا۔ وائسرائے نے اس سوال کے جواب میں مسٹر جناح کو مطلوبہ ضمانت دے دی موٹی عقل کا آدمی بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے۔ کہ ان تینوں سوالوں کا براہ راست تعلق مسلمانوں سے ہے۔ اگر مسلم لیگ کی جگہ جمعیت العلماء اور قائداعظم جناح کی جگہ مولوی حسین احمد مدنی ہوتے تو انھیں بھی مسلمانوں کے حقوق و مفاد کے تحفظ کے لیے وائسرائے کو یہی تین سوال پوچھنے چاہئیے تھے۔ اس لیے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت کے فقدان کی وجہ سے یہ ملک مغرب کے نظام جمہوری کے لیے قطعاً ناموزوں ہے۔ مغرب کے نظام جمہوری کے

ماتحت برطانوی یا فرانسیسی پارلیمنٹ میں آج جو جماعت اقلیت میں ہے کل وہ مبدل بہ اکثریت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح اکثریت والی پارٹی مستقبل میں اقلیت میں بدل سکتی ہے لیکن ہندوستان میں اقلیت ہمیشہ یا کم از کم آئندہ دو سو سال تک اقلیت میں رہے گی اور اکثریت اسی طرح مستقبل اور ناقابل تغیر اکثریت ہے۔ جہاں اقلیت اور اکثریت اسی طرح مستقل اور ناقابل تغیر ہو وہاں اقلیت پارٹی مناسب تحفظات اور ضمانتوں کے بغیر کسی کولیشن وزارت یا حکومت میں شرکت نہیں کر سکتی اور اگر وہ ایسا کرے تو مہلک سیاسی غلطی کی مرتکب ہوگی

مولوی ابو الکلام آزاد نے وائسرائے کے نام جو خط لکھا اس میں سب سے پہلا اعتراض اس بات پر ہے کہ مسٹر جناح نے اچھوتوں کو ہندوؤں سے ایک علیحدہ اقلیت کیوں قرار دیا۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم اچھوتوں کو ہندو سماج کا ایک لازمی عنصر سمجھتے ہیں!!

— ہمیں معلوم نہیں تھا کہ "الہلال" کا ایڈیٹر اور ترجمان القرآن کا مصنف دفعۃً ہی کی گدی پر بیٹھ کر مفسر قرآن کی بجائے منو کے دھرم شاستر کا شارح بن بیٹھا ہے۔ اور ہندو سماج کو افتراق اور انتشار سے بچانے کا فرض بھی اس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے خواہ اس فرض کی ادائیگی میں اسے سات کروڑ اچھوتوں کے جائز حقوق ہندو جاتی کے سامراج کی ہی خاطر غصب کیوں نہ کرنے پڑیں

مولوی ابو الکلام آزاد کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ اگر اچھوتوں پارسیوں، عیسائیوں اور سکھوں کی کوئی نشست خالی ہو تو اسے پر کرنے سے پہلے مسلم لیگ کے صدر سے مشورہ کیوں لیا جائے۔ مولوی

صاحب یہ فرماتے ہیں۔ ایک ایسی جماعت کو جو صرف ایک قوم کی نمائندگی کی دعویدار ہے اقلیتوں کی نمائندگی کرنے کے معاملہ میں مشورے کا مستحق کیوں گردانا گیا؟ بالفاظ دیگر مولوی صاحب کو اس پر اعتراض ہے کہ ایک ایسی جماعت جو صرف مسلمانوں کی نمائندہ ہے کولیشن گورنمنٹ میں شرکت کے باوجود کولیشن میں اپنے ساتھی عناصر کے انتخاب کے معاملہ میں رائے دینے کی مستحق کیوں سمجھی گئی۔ مولوی صاحب کے نزدیک یہ حق صرف ہندو کانگریس کے لیے جس کے وہ نمائشی مسلمان صدر ہیں مخصوص رہنا چاہیے۔

لیکن سب سے حیران کن اعتراض جس کی توقع کوئی مسلمان مولوی ابوالکلام سے بھی نہیں کر سکتا تھا اس بات پر کیا گیا کہ وائسرائے نے قائداعظم جناح کا یہ مطالبہ کیوں مانا کہ اگر عارضی حکومت کے مسلمان ممبروں کی اکثریت کسی فرقہ وارانہ فیصلے کے خلاف ہوگی تو اس فیصلے کو عملی جامہ نہیں پہنایا جائے گا۔ جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں اس ضمانت کے بغیر مسلمانوں کی کسی کولیشن حکومت میں شرکت مہلک ہوگی اور یہ ضمانت مسلمانوں کے حقوق و مفاد کے لحاظ سے قطعاً ناگزیر ہے۔ مگر مولوی ابوالکلام آزاد اس پر بھی ناراض ہیں کہ وائسرائے نے یہ ضمانت دے کر عارضی حکومت میں ویٹو کی طاقت مسلم لیگ کے حوالے کر دی یعنی مولوی ابوالکلام آزاد کا اطمینان صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ وائسرائے مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے اور ہندو اکثریت کو یہ حق دے دیا جاتا کہ وہ اپنے ووٹوں کی اکثریت کے بل بوتے پر من مانی کارروائی کرے۔

مولوی ابوالکلام نے کانگریس کی قومی حیثیت کا رونا بھی رو دیا ہے۔ کم از کم انھیں تو یہ ذکر چھیڑتے ہوئے ندامت محسوس کرنی چاہیے

ہندوستان کی مختلف اسمبلیوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد صرف ۵۲۲ ہے۔ ان ۵۲۲ نشستوں میں سے کانگریسی مسلمان صرف ۲۳ نشستیں جیت سکے۔ ان میں سے ۱۹ نشستیں صرف صوبہ سرحد کی ہیں جہاں مسلمانوں سے کانگریس کے نام پر نہیں بلکہ خدا کی خدمت گار فریب کے نام پر ووٹ مانگے گئے۔ سی۔ پی۔ اڑیسہ۔ بمبئی۔ مدراس پنجاب۔ سندھ۔ آسام اور خود اس صوبہ میں سے جہاں مولوی ابوالکلام آزاد گزشتہ تیس برس سے قیام فرما ہیں ایک کانگریسی مسلمان بھی اسمبلی کا ممبر منتخب ہونا تو کجا انتخاب میں اپنی ضمانت تک نہ بچا سکا ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ دعویٰ کہ کانگریس ایک قومی جماعت ہے کیونکہ ایک مسلمان اس کا نمائشی صدر ہے اور نہرو پٹیل کے مرتب کیے ہوئے خطوط و بیانات کے مسودوں پر بلا چوں و چرا اپنے دستخط ثبت کر دیتا ہے۔ بالکل لغو ہے۔ بہرحال مولوی ابوالکلام آزاد نے ایک مرتبہ اور یہ حقیقت واضح کر دی کہ غداری تیرا دوسرا نام ابوالکلام آزاد ہے۔" (نوائے وقت ۲۹ رجون ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ و ۴)

WWW.NAFSEISLAM.COM

یومِ خاموشی —— حسن آفاقی

آغا خاں پیلس کا پُرافسوں سکوت

کمرے کا سین:۔ ایک متوسط سے روشن ہوا دار کمرے میں ایک مسند پر مہاتما آلتی پالتی مارے سامنے والی دیوار پر آنکھیں جمائے اپنے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔

"میرے یوم خاموشی! میرے یوم خاموشی!! تیری تنہائی پہ ہزاروں محفلیں قربان اور تیرے سکوت پر لاکھوں ہنگامے نثار۔ میرے طلسماتی دام کا ایک ایک حلقہ بلکہ ان حلقوں کا ایک ایک پیشہ

تیرے فیض کے احسان مند ہیں۔

۱۔ میرے عالمِ خیال! میری سچائی! میری اہنسا! یہ سچ ہے کہ سب انسان میرے بھائی ہیں۔ بلکہ کیڑے مکوڑے مکھی اور مچھر بھی میری برادری میں شامل ہیں لیکن ذات پات کی ازلی ابدی تقسیم بھی سچ ہے۔ انسانوں کی برادری اور اس برادری کے اندر محض پیدائش کی بنا پر برہمن اور غیر برہمن کی ازلی ابدی تقسیم غیروں کے لیے ناقابلِ فہم ہے لیکن اپنوں کے لیے چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ہر وہ بات سچ ہے جو ہندو مذہب اور تہذیب کے اندر پائی جاتی ہے اس کے باہر جو کچھ ہے جھوٹ ہے۔ بھارت ورش ایک تالاب ہے۔ غیر ہندو اثرات اور تحریکات کی مثال برساتی پانی کی ہے۔ برساتی پانی کا کام تالاب کے اندر جذب ہو کر قومیت متحدہ ہو جانا ہے نہ کہ تالاب کے بند توڑنا (قومیت متحدہ کا خیال آتے ہی مہاتما کے چہرے پر انتہائی سکون اور دلجمعی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ چہرہ پر ہلکی سی سرخی آ جاتی ہے۔ ٹھوڑی ذرا سے آگے نکل آتی ہے۔ دھوتی اور چوٹی میں ایک خفیف سی برقی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور آواز میں کچھ ساز سا پیدا ہو جاتا ہے)

قومیت متحدہ! قومیت متحدہ!! ہمارے پہلے اور آخری حربہ۔ اسی ہتھیار سے ہم نے ہندوستان کی پرانی اقوام کو اپنے اندر جذب کر کے ان سے اپنی اونچی ذاتوں کی خدمت لی اور ان میں سے نہ جذب ہونے والے عناصر کو جنگلوں اور پہاڑوں میں مار بھگایا۔ اسی ہتھیار سے اونچ اور نیچ کی فطری تقسیم کے دشمن بدھ مت کی بھارت ورش کی پوتر بھومی سے ہم نے باہر نکالا اسی نظریہ سے ہندو موہنجو

اور نہرو بنتا ہے۔ اور اسی نظریہ سے مسلمان الٰہی بخش اور ابوالکلام بن کر رہ جاتا ہے۔

ابوالکلام! ابوالکلام! یعنی ہمارے مولانا صاحب۔ عالم۔ صحافی۔ مقرر۔ مفسر قرآن۔ یہ ہمارے اور ہم ان کے۔ ان کی ذاتی ضروریات تک ہماری اور ہماری قومی ضروریات تک ان کی۔ یہی ڈسٹرکٹی ہیں۔ اور یہی قائداعظم، اس موقع پر ایک گونہ اضطراب اور بے چینی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں کہ چہرہ پر پسینہ ہو جاتے ہیں ہتھیلیاں پسینے لگتی ہیں۔ ہونٹ کانپنے لگتے ہیں۔ ٹھوڑی لٹک جاتی ہے۔ تنفس گہرا ہو جاتا ہے اور تمام بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور بھرائی ہوئی آواز سے پکار اٹھتا ہے۔ ہمارے مولانا صاحب کی موجودگی میں کوئی دوسرا بھی قائداعظم ڈاڑھی اور مونچھ سے بیگانہ جبے اور عمامے سے بیزار، علم الکلام اور الٰہیات کے نام تک سے ناواقف قائداعظم۔ نہیں۔ ہرگز نہیں! ہم مولانا صاحب کی موجودگی میں کسی ایسے قائداعظم کو تسلیم نہیں کرتے۔ جس کی رائے میں یہاں دو قومیں آباد ہیں۔ جس کی رائے میں دونوں قوموں کو آزادی اور خود اختیاری کا حق حاصل ہے جس کی رائے میں ہماری آزادی کا مسئلہ صرف ہندو قوم سے متعلق ہے اور سب سے بڑھ کر جس کی نہ ڈاڑھی نہ مونچھ ہے۔ اور نہ شرعی لباس۔ ایسے شخص کا وجود ہمارے لیے ہمارے مولانا صاحب کے لیے۔ ہماری متحدہ قومیت کے لیے اور سب سے بڑھ کر ہماری شرعی وضع اور لباس کے لیے خطرہ ہے۔ بلکہ پیام موت ہے۔

۲۔ (اس موقع پر آواز زیادہ بھرا جاتی ہے)

یہ شخص، یہ شخص! نہ اسے خریدا جا سکتا ہے نہ اسے قائل کیا جا

سکتا ہے وہ ہماری رائے سے وزیرِ اعظم بننے کے لیے تیار ہے اور وہیں بطور بھائی کے اپنی پتلون کی جیب میں رکھنے کے لیے تیار۔ ایک آوارہ اور پریشان روزگار ہجوم کو قوم بنانے کا تمنائی اور ریت کے ٹیلے کو پہاڑ بنانے کا آرزومند۔ ایسے شخص سے صلح ناممکن اور غالباً لڑائی بھی دشوار لیکن اگر اس سے خود لڑنا محال ہے تو کیا یہ لڑایا بھی نہیں جا سکتا۔

وہ ہاتما ایک گہری سوچ میں چلا جاتا ہے۔ آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ تھوڑی ہی دیر سے لگ جاتی ہے دفعتاً اسے ایک زرد اور دھندلی سی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ تو فوراً پہلو بدل کر ایک ایک تجویز کی صورت اختیار کرتی ہے۔ تجویز کے آتے ہی ایک کاغذ کا پرزہ لے کر اس پر دو سطر کا خط لکھتا ہے اور اسے لفافے میں بند کر کے جیلر کو بلا کر اس کے حوالے کر دیتا ہے۔

یہ دو سطر کا خط! یہ دو سطر کا خط۔ اگر یہ خط حکومت نے نہ روکا تو جناح سے ملاقات جس کا لازمی نتیجہ ساری کانگرس ہائی کمانڈ سے مشورہ کے طور پر ملاقات۔ ہندو خبر رساں ایجنسیوں اور ریڈیو کے ذریعے تمام دنیا میں چرچا اور ہماری اس بے رہائی کا مطالبہ اور اگر یہ خط روک لیا گیا تو پھر بھی خبر رساں ایجنسیوں، اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ دنیا میں چرچا۔ ساتھ ہی مسلمان قوم کی آرائیں اور اُس کے قائدِ اعظم کی ہتک۔ بد تربیت قوم کے ہنگامی جذبات اور جذباتی ہنگامے۔ بے ادب نوجوانوں کی بداعتمادی اور اشتعال پسندی۔ آزاد کانفرنس کے اور پریس والوں کے چھپے اور نچے سادہ کر کے قہقہے۔ ہندو قوم میں ہماری مہاتمائی کی سربلندی اور ہماری عیاری اور کلاں کاری پر اعتماد۔

دایک بے پایاں مسرت سے بے قابو ہو کر ہندو تھا تمارقص کرنے لگتا ہے۔ اور تمام آغا خاں پیلیس کی فضا اس کے رقص کے ساتھ مٹکتی اور تھرکتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے)

نوٹ: احسن آفاقی راجہ حسن اختر صاحب کا قلمی نام ہے (نوائے وقت)

ہم نے نوائے وقت میں حمید نظامی صاحب مرحوم و مغفور کے تحریر کردہ اداریوں میں سے جو نیشلسٹ مسلمانوں سے متعلق ہیں تین اداریے مکمل طور پر نقل کر دیے ہیں۔ اب اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔

راشٹرپتی ابوالکلام آزاد اور ملک خضر حیات

ملتے را ہر زماں غارت گرے است

اصل او از صادقے یا جعفرے است

مولوی حسین احمد مدنی نے مولانا شوکت علی مرحوم کے نام ایک خط میں (جو نوائے وقت میں شائع ہو چکا ہے) یہ لکھا تھا کہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے۔ کہ ہماری قومی زندگی کے ہر نازک مرحلہ پر کچھ مسلمان اغیار کے ساتھ مل جاتے ہیں اور ملت کے مقصد مطالبہ کو کمزور بنانے کا موجب ثابت ہوتے ہیں۔ قدرت مولوی صاحب کے اس نوشتہ پر مسکرا رہی تھی اس لیے کہ پچھلے ہیں دن ہندوستان کی اسلامی ملت اپنی زندگی کے ایک نہایت نازک مرحلہ میں سے گذر رہی تھی۔ مسلمانوں کی بدقسمتی سے کچھ مسلمان اغیار کے ساتھ مل گئے اور انھوں نے مسلمانوں کے مقصد مطالبہ کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔

مولوی حسین احمد مدنی انھیں مسلمانوں کو مضبوط بنانے کے لیے کمک لے کر شملہ پہنچے۔

آگے چل کر:-

"ویول کانفرنس کی کامیابی یا ناکامی کے مسئلہ کو تھوڑی دیر کے لیے بھول جائیے اور اس پر غور فرمائیے کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس وقت ان کی روش کیا ہونی چاہیے تھی اور ان کی روش کیا رہی! ویول کانفرنس گاندھی جناح کانفرنس کی طرح دو پارٹیوں کے مابین گفتگو کے مفاہمت نہیں تھی بلکہ ہندوستان کی مختلف جماعتیں ملک معظم کی حکومت سے گفت و شنید کر رہی تھیں۔ اس کانفرنس میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے مسٹر جناح کو مدعو کیا گیا۔

ہندوستان میں ڈاکٹر جیسی ابوالکلام آزاد۔ مسٹر عبدالمجید خواجہ مولوی مظہر علی اظہر مسٹر عنایت اللہ مشرقی۔ مسٹر عبدالحلیم غزنوی اور اس طرح کے کئی اور مسلمان موجود ہیں جنہیں مسلمانوں کی قیادت کا دعویٰ ہے مگر ملک معظم کی حکومت نے ان کے اس دعوے کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ لارڈ ویول کا مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے صرف اور صرف مسٹر جناح کو مدعو کرنا ہی اس بات کی واضح اور بین دلیل ہے کہ وہ مسلمانوں کے واحد نمائندہ ہیں اور اس حقیقت کو حکومت بھی تسلیم کرتی ہے۔"

ذرا آگے چل کر:-

"مسٹر جناح کے متعلق اور مسٹر گاندھی کے متعلق وائسرائے نے غیر مبہم الفاظ میں واضح کیا کہ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیڈر کی حیثیت سے مدعو کیے جا رہے ہیں چنانچہ مسٹر گاندھی نے اس پر اعتراض کیا کہ انہیں صرف ہندوؤں کا نمائندہ کیوں کہا گیا؟ اور چونکہ اس اعتراض کو رد نہیں کیا گیا اس لیے وہ کانفرنس

میں شامل نہیں ہوئے۔ مسٹر گاندھی کے اس اعتراض نے مسٹر جناح کی اس حیثیت پر کہ وہ مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے کانفرنس میں بلائے گئے ہیں۔ کانگریس کی طرف سے بھی اقرار کی مہر ثبت کر دی۔ راشٹرپتی ابوالکلام آزاد کی پوزیشن یہ ہے کہ وائسرائے نے انھیں مسلمانوں کا نمائندہ نہیں سمجھا۔ انھیں کانفرنس میں بلایا تک نہیں گیا اور جب خاص درخواست پر بلایا گیا۔ تو مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ کانگریس کے صدر کی حیثیت سے۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں مسٹر جناح کی پوزیشن بڑی مضبوط تھی مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں سے کوئی جماعت مدعو نہیں کی گئی اور جو مسلمان مدعو کیے گئے وہ بھی اپنے عہدوں کی وجہ سے مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے نہیں۔ مسٹر جناح کی آواز یقیناً مؤثر ہونی چاہیے۔ مگر اس آواز کو کمزور بنانے کے لیے انھیں کون ٹوکتے ہیں! وہ مسلمان!

انگریز مسٹر جناح کی نمائندہ حیثیت کو چیلنج نہیں کرتا وہ اسے تسلیم کر چکا ہے۔ مسٹر گاندھی زبان سے چاہے نہ مانیں مگر ان کا عمل یہ ہے کہ جب وہ ۱۹۴۴ء میں ہندو مسلم سمجھوتہ کے لیے بات چیت کی خاطر مسٹر جناح سے ملے تو انھیں مسلمانوں کا واحد نمائندہ سمجھ کر ہی ملے۔ اس وقت مسٹر گاندھی نے ابوالکلام آزاد یا عبدالمجید خواجہ یا حسین احمد مدنی سے مشورہ تو در کنار انھیں ملاقات کے متعلق اطلاع دینے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔

اب مسٹر گاندھی کس منہ سے مسٹر جناح کی اس پوزیشن سے انکار کر سکتے تھے! چنانچہ انھوں نے راشٹرپتی آزاد کو آگے کیا اور

ترجمان القرآن کے مفسر مولانا صاحب نے فرمایا کہ سیاسیات میں
مذہب کا کیا دخل ہے! جناح مسلمانوں کا واحد نمائندہ نہیں۔
ویول سے پوچھنے کی بڑی باتیں تھیں۔ کانگریس خلافِ قانون تھی۔
کانگریسی جیلوں میں تھے۔ وائسرائے جنگی سرگرمیوں میں امداد کی ضمانت
مانگ رہے تھے۔ ڈیفنس کا محکمہ انگریز کے پاس تھا اور وائسرائے
کا ویٹو تلوار کی طرح سر پر لٹک رہا تھا مگر کانگریس کا کیا بلند اصول
پرست صدر یہ سب کڑوی گولیاں نگل گیا۔ البتہ مسلمانوں کی
نمائندگی اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ مولانا نے فرمایا کہ کانگریس
ایک قومی جماعت ہے اور کسی ایسے عارضی یا مستقل انتظام میں
شریک نہ ہوگی جس سے اس کی قومی حیثیت میں فرق آتا ہو۔ پچھلے
آٹھ سالوں میں کانگریس نے اپنے مختلف صدر صاحبان کی معرفت
جن میں نہرو۔ بوس۔ راجندر پرشاد اور خود راشٹرپتی صاحب
شامل ہیں ہندو مسلم سمجھوتہ کے لیے مسلم لیگ سے بات چیت کی
کوشش کی کیا اس وقت کانگریس کی اس حیثیت میں فرق نہ آیا تھا!
مولوی حسین احمد۔ مسٹر عبدالمجید خواجہ اور ملک خضر حیات اس
وقت بھی نہیں تھے۔ کانگریس نے کبھی ان سے بات چیت کیوں نہ کی!
خود مولانا کی کانگریس میں موجودگی اور بعد میں اس کی صدارت
اس بات کی (جس پر مولانا صاحب زور دے رہے ہیں) دلیل
نہ سمجھی گئی کہ کانگریس مسلمانوں کی بھی نمائندہ ہے۔ مولانا صاحب
نے کیوں مسٹر جناح کو ملنے کے لیے تار دیا! مولانا صاحب کی صدارت
میں مسٹر گاندھی نے کیوں مسٹر جناح سے خط و کتابت کی اور انھیں
مل کر کیوں ملے۔ بھولا بھائی ڈیسائی اور لیاقت نگار ہوئے یا مفاہمت
کی جس کی بنیاد ہی اس مفروضہ پر تھی۔ مسٹر گاندھی نے کیوں ابھی

انھیں داد دی ! بریلی کانفرنس میں کانگریس کی اس تبدیلی کے بعد کہ اسے سو میں ہندوؤں کی جماعت بتایا گیا مولانا کیوں کانفرنس میں چلے آئے جبکہ مسٹر گاندھی نے اس اعتراض کی بنا پر عدم تعاون کیا؟ آج مولانا کہتے ہیں کہ فرقہ وارانہ بنیادوں پر کانفرنس کا انعقاد ہی غلط ہے۔ مگر اس غلطی کا احساس انھیں آج کیوں ہوا! یہ قیاسات نہیں، یہ توہمات نہیں۔ یہ واقعات اور حقائق ہیں اور ان کا فیصلہ مولانا کے خلاف ہے۔ مولانا سب کچھ مان گئے۔ مگر مسلمانوں کے مطالبہ اور مقصد کو تقویت پہنچانا تو درکنار اسے ضعف نہ پہنچانا نہ مانا انھیں کسی اور بات میں کانگریس کی یا اپنی تذلیل نظر نہ آئی۔ مگر یہ امر انھیں توہین آمیز معلوم ہوا کہ مسلمان نمائندوں کا انتخاب کانگریس کی بجائے مسلمانوں کی جماعت کرے اور یہ توہین اس قدر ناگوار تھی کہ انھوں نے کانفرنس کو ناکام بنانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

گاندھی کے مولانا

اب آپ ایک نظم "گاندھی کے مولانا" جو چودھری عبدالحمید خان حمید صاحب نے گوجرانوالہ سے ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو نوائے وقت میں شائع کرائی۔ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ نظم ہمارے اس عنوان سے متعلق ہے۔ بایں وجہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ نذرِ قارئین کیا جائے۔

پیغمبر کے تم ہی جانشیں تھے — اس امت کے تمھیں تاج و نگیں تھے
تمھیں تو حامل شرع مبیں تھے — تمھیں تو مشعل ایمان و دیں تھے

مگر اب دین باقی ہے نہ ایمان
مسلماں آپ کے ہاتھوں ہیں نالاں

تمھیں اس پاک ہستی سے ہے نسبت — حیات افروز ہے جس کی شہادت

مگر تم میں نہیں احساس غیرت روا رکھا ہے تم نے خونِ ملت
بچے تم غیر کے ہاتھوں خود آ کر
سلف کی عزت و عظمت مٹا کر
ذرا تو سوچئے اسلاف کیا تھے وہ اُمت کے حقیقی رہنما تھے
وہ ملت پر دل و جاں سے فدا تھے وہ محبوبِ خدا و مصطفےٰ تھے
مگر ہیں آپ گاندھی جی کے محبوب
وہ طالب آپ کے آپ ان کے مطلوب
مسلماں سے کدورت اس قدر کیوں؟ اس اُمت سے عداوت اس قدر کیوں؟
تمہیں شرک سے لعنت استفادہ کیوں؟ بت ہندی کی طاعت اس قدر کیوں؟
گرے جاتے ہو تم چرنوں پہ کس کے؟
وطن اور ملک ہیں معبود جس کے؟
مسلماں سے جو رشتہ اپنا توڑے سواد دیں سے اپنے منہ کو موڑے
دل اپنا کافر و مشرک سے جوڑے حفاظت ملت و مذہب کو چھوڑے
و من یتولھم منکم سے پھر کر
خدا کے سامنے جائے گا کیونکر؟
ازل سے ہے رہ صدق و صفا ایک ہے مسلم کے لیے راہ خدا کی ایک
محمد ایک ذات کبریا ایک پھر ان کا کلمہ وحدت نما ایک
مگر وحدت ہوئی سب پارہ پارہ
ہمیں کو نعم جمعیت نے مارا

مولانا حسین احمد مدنی کے ارشادات

جمعیت العلماء ہند کے سالانہ اجلاس (سہارنپور) کی صدارت

لے و من یتولھم منکم فانہ منھم! لے جمعیت العلماء ہند۔

کرتے ہوئے حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے ملک کی سیاسی صورت حال پر تبصرہ کی زحمت بھی گوارا فرمائی۔ ہم مذہب وسیاست میں تفریق کے قائل نہیں اس لیے ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے نہ تعجب کہ علمائے ہند کے اجتماع میں سیاسی مسائل کا ذکر کیوں آیا بلکہ ہم اسے مسلمانوں کی خوش قسمتی سمجھیں گے کہ علمائے کرام اپنے اپنے منصب کو پہچانیں اور ہندوستانی مسلمانوں کی سیاست کو لادینی سے بچا کر اسے صحیح راستہ پر چلانے میں سیاسی رہنماؤں کی مدد فرمائیں۔"

ذرا آگے چل کر

"مولانا حسین احمد مدنی کے سیاسی رجحانات کسی سے مخفی نہیں ان کی طبع مبارک کا میلان کچھ عرصے سے کانگریس کی طرف ہے۔"

اور ذرا اور آگے چل کر

"مولانا کے متعلق خبر رساں ایجنسی نے یہ بتایا ہے کہ انھوں نے اپنی تقریر میں پاکستان کی مذمت کی اور یہ فرمایا کہ پاکستان کا مطلب تو یہ ہوگا کہ مسلم اقلیت کے صوبوں میں ہندو راج قائم ہو جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا کی تقریر سہارن پور میں بعض ذہنی الجھنیں بہت نمایاں ہیں اور ان کی وجہ سے مولانا کے ارشادات میں بہت تضاد نظر آتا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مولانا نے اپنی طرف سے متبادل تجاویز پیش کی ہیں۔ ان کا بنیادی اصول بھی پاکستان کا اصول ہے۔ پاکستان سے مراد یہی ہے کہ پنجاب۔ سندھ۔ سرحد۔ اور بنگال و آسام میں مسلم اکثریت کے متصل علاقوں میں آزاد و خود مختار ریاستیں قائم کی جائیں۔ ان ریاستوں پر کسی مرکزی یا فیڈرل حکومت کو اختیار و اقتدار حاصل

نہ ہو۔ البتہ باہمی معاہدات کے ماتحت ضروری امور کے بیان یا سیوں کی فیڈریشن اور جنہوں اکثریت کے علاقہ کی ریاستیوں کی فیڈریشن میں کوئی انتظامی سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی سے یہ فقرہ منسوب کیا گیا ہے کہ اس طرح مسلم اقلیت کے صوبوں میں ہندو راج قائم ہو جائے گا لیکن مولانا کی اپنی تجویز کیا ہے؟ ذرا اس پر بھی غور فرمایئے وہ فرماتے ہیں کہ

۱۔ صوبے کامل آزاد ہوں۔ ۔ ۔ صوبوں کی کامل آزادی کا صرف یہی مطلب ہو سکتا ہے، کہ وہ مرکزی یا فیڈرل حکومت کے ماتحت بھی پنجاب سندھ سرحد اور بنگال و آسام کامل آزاد و خود مختار ہونگے۔ مرکزی حکومت کو ان پر کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا پاکستان کا مفہوم بھی یہی ہے یہ صوبے بہر حال مسلم اکثریت کے صوبے ہیں۔ اور ان کی کامل آزادی ان صوبوں کے مسلمانوں کی کامل آزادی ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ مسلم لیگ مسلمان قوم کیلئے حق خود اختیاری مانگتی ہے۔ اور حضرت مولانا کمیونسٹ پارٹی کی طرح صوبوں کے لیے آزادی کامل کے اصول کی حمایت فرماتے ہیں۔ اقلیت کے صوبوں کے مسلمانوں کی جو پوزیشن مولانا کی تجویز کے ماتحت ہوگی پاکستان میں اس سے بہتر ہوگی بدتر نہ ہوگی۔

۲۔ دوسری بات جو مولانا نے ارشاد فرمائی وہ اصل میں اسی بات کی تکرار ہے۔ آپ نے یہ فرمایا کہ مسلمانوں کے تمدنی۔ مذہبی اور سیاسی حقوق محفوظ ہوں مرکزی حکومت صرف انھیں اختیارات کو استعمال میں لائے جو اسے سونپے جائیں اور صوبوں کو حق خود اختیاری حاصل ہو۔ مولانا کے اس تصور کے مطابق جو حکومت قائم ہوگی اس کا اصول پاکستان کے اصول سے کہاں متصادم ہے؟ پاکستان بھی

حقِ خود اختیاری کے مطالبہ کا ہی نام ہے۔ اس میں بھی ہندو اکثریت کے صوبوں میں ہندوؤں کے سیاسی، تمدنی اور مذہبی حقوق کے تحفظ کی ضمانت لازمی ہے۔ پھر اس کے سوا فرق کیا ہوا کہ لیگ کہتی ہے کہ صوبوں کی موجودہ تقسیم مصنوعی ہے۔ اس میں بھی ترمیم و حد بندی کے بعد جن مستقل علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ وہاں انھیں حق خود اختیاری حاصل ہونا چاہیے۔ اور مولانا یہ تجویز پیش فرماتے ہیں کہ صوبوں کی موجودہ حد بندی کے اندر ہی انھیں مرکز سے علیحدہ کامل آزادی کا حق دے دیا جائے۔

یہ درست ہے کہ مولانا نے اپنی اسی تقریر میں قومی حکومت کے قیام پر بھی زور دیا۔ لیکن اس پر بھی غور فرمایئے کہ صوبوں کے حق میں خود اختیاری کو اس طرح غیر مبہم انداز میں تسلیم کر لینے کے بعد مرکز میں قومی حکومت کے قیام کا مطالبہ محض ایک ذہنی الجھن نہیں تو کیا ہے؟ اگر مرکز میں مخلوط حکومت ہے۔ تو صوبوں کا حق خود اختیاری اور ان کی کامل آزادی بے معنی ہے اور اگر صوبے کامل آزاد خود مختار ہیں تو مرکز میں قومی حکومت کے قیام کا تصور مہمل ہے"

(نوائے وقت، ۸ مئی ۱۹۴۵ء)

سہرا ہے

اب جناب ۸ مئی ۱۹۴۵ء "نوائے وقت" کا "سہرا ہے" پڑھیے اور محظوظ ہوجیے:۔

"سہارن پور میں جمعیۃ العلمائے ہند کی سالانہ کانفرنس کی مفصل روداد تو کسی اخبار میں ابھی تک نظر سے نہیں گزری البتہ تاریخ اجلاس سے ایک دن پہلے یہ ایمان پرور اعلان ضرور دیکھنے میں آیا کہ "مولانا

حسین احمد مدنی صدارت فرمائیں گے؟ اور شرکت کرنے والوں میں ممتاز نام مفتی کفایت اللہ۔ خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کے ہیں۔

علما کی کانفرنس اور ہندوستان بھر کے علماء کی! مگر شرکا میں مفتی کفایت اللہ کے علاوہ ممتاز ترین اسمائے گرامی کون کے؟ قدوۃ السالکین امام العارفین حضرت مولانا مولوی محمد عبدالغفار خان مرحوی ثم وارد ھائی ثم سیوا گرامی اور شمع ہدایت و آفتاب طریقت حضرت صوفی ڈاکٹر خان صاحب گاندھوی ثم کانگسی کے! لیگ کے جلسوں میں وہ بات کہاں جو اس جلسہ میں ہو گی؟ وہاں نہ مسٹر جناح کے ڈاڑھی نہ نواب زادہ لیاقت علی کے۔ مولانا اکرم خان۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوری۔ مولانا عبدالحامد بدایونی۔ مولوی ظفر علی خان کی داڑھیاں تو ہیں۔ لیکن جمعیت العلماء انہیں علمائے کرام کی مقدس صف میں شامل کرنے کو تیار نہیں۔ مگر اور حسرت مدوح پرور نظارہ ہے کہ خان عبدالغفار خان و ڈاکٹر خان صاحب ایسے ثقہ علمائے کرام قطار اندر قطار بیٹھے ہیں۔ اور ریش ہائے مقدس ایسی نورانی ہیں کہ محض ان کو دیکھ لینے سے ہی ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ جمعیت کا جلسہ ۵ء-۶ مئی کو تھا اگر اس سے پہلے پنڈت نہرو بھی رہا ہو جاتے تو افتتاح کے لیے انہیں گذارش کی جاتی۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

اور ہندوستان کی جنگ

قارئین کرام! ایک کتاب رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندوستان کی جنگ عزیز الرحمٰن جامعی جو مولوی حبیب الرحمٰن صاحب

مرحوم کے بیٹے ہیں۔ ان کی طرف سے ۲۶ جنوری ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی ہے جس کے آغاز میں ظہیر الدین صدیقی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی علیگ اور شورش کاشمیری صاحب نے اپنی رائے پیش کی ہے۔ نیشنلسٹ مسلمانوں کے موضوع میں اب اس میں سے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم کتاب سے اقتباسات سامنے لائیں۔ مناسب سمجھتے ہیں کہ صدیقی صاحب اور شورش صاحب کی آرا کو پہلے سامنے لائیں۔ تاکہ موزوں و مناسب مقام پر شورش کاشمیری کی رائے پر تنقید و تبصرہ بھی کیا جا سکے۔

ظہیر الدین صدیقی صاحب

فرماتے ہیں:-

"یاد رہے کہ مولانا نے تقسیم ملک کے اعلان کو ٹائم بم (TIME BOMB) سے تشبیہ دے کر مسلمانوں کو اس کے ہولناک نتائج سے آگاہ کیا تھا۔ اس مختصری صحبت کا نقش آج بھی میری بزم فکر کو روشن کیے ہوئے ہے۔ جب مولانا دہلی میں قیام پذیر ہوئے تو احقر کو بارہا ان کے در دولت پر حاضر ہونے اور فکر و نظر کے گوشوں کو منور کرنے کے مواقع ملے۔" (صفحہ ۱۴)

شورش کاشمیری

اب جناب شورش کاشمیری کی رائے ملاحظہ فرمائیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ان گوہر پاروں پر ہم مناسب موقع و محل پر اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔

"مولانا ابوالکلام کو تو چھوڑیئے کہ وہ جامع کمالات ہونے کے باعث علماء میں ایک استثنائی مرتبہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے انگریزی زبان کو سیکھا

اور پھر اس کے علم و نظر کے ہر گوشے میں تابع پایا۔

دوسرے راقم کے نزدیک وہ اس دور میں اسلام کے واضح تصور کا مکمل مظہر ہیں۔ لیکن آپ کے علاوہ ان کے برابر عین علماء کی صف میں جو شخص راقم کے خیال میں جدید و قدیم تصورات کے درمیان سنگم بن سکتا ہے۔ وہ مولانا حبیب الرحمٰن ہی اور راقم نے بارہا دیکھا کہ ان میں ترانو کے دونوں پلڑوں کو برابر رکھنے کا جوہر فطری استعداد کے طور پر موجود ہے"

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
اور ہندوستان کی جنگ صفحہ ۲۹

اب اقتباسات ملاحظہ فرمائیے!۔

لدھیانہ ڈسٹرکٹ کانگریس، اور سٹی کانگریس کی صدارت پنجاب کانگریس کی سیاست کا اہم مرکز تھا۔ ۱۹۳۰ء میں حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی صدارت چھوڑنے کے بعد سٹی کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ پنجاب کانگریس کی رہنمائی میں مفتی صاحب نے نمایاں حصہ لیا۔ مفتی صاحب کی قابلیت، فہم و تدبر سیاست و سیادت پر پنجاب کے تمام کانگریسی متفق تھے۔ مفتی صاحب سیاسیات میں جو بات کہتے وہ پختہ ہی ہوتی۔" (صفحہ ۸۰)

اپنی خود نوشت

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی یادداشت میں لکھتے ہیں:۔

"میرے چچا مولانا مفتی محمد نعیم صاحب نے سٹی کانگریس کے صدر کی حیثیت سے غازی عبدالرحمٰن عرف ماسٹر مظفر جمیل اور کانگریسی کے رضا کاروں کے ساتھ شاہی مسجد متصل کمیٹی باغ میں ہزاروں ہندو اور مسلمانوں کے سامنے حلف نامہ آزادی پڑھا اور میں نے کانگریس کا

جھنڈا لہرایا۔ مگر افسوس کہ آج ۱۹۳۶ء میں اسی شاہی مسجد پر جو ۲۶ر جنوری ۱۹۲۹ء کی یوم آزادی کی یادگار تھی گرا کر اس پر گوردوارہ تعمیر کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۳۶ء تک یہ مسجد کانگریس کے جلسوں کا مرکز بنی رہی تمام کانگریس تحریک کے کام اسی مسجد میں ہوتے رہے لیکن انگریز کو اس مسجد کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ (صفحہ ۱۰۳ رئیس الاحرار)

عطاء اللہ شاہ بخاری

ملاحظہ ہو:-

" پنڈت موتی لعل نہرو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سحر بیانی کے عاشق تھے۔ انھیں کے پروگرام کے مطابق شاہ صاحب کام کر رہے تھے۔ الٰہ آباد میں جب شاہ صاحب پنڈت موتی لعل جی کے یہاں پہنچے تو پنڈت موتی لعل جی نے خود شاہ صاحب کے کھانے کا بندوبست کیا اور اپنے ہاتھ سے دونوں وقت چائے بنا کر پلائی۔

پنڈت جی بار بار شاہ صاحب سے کہتے کہ شاہ صاحب کانگریس ستیہ گرہ کی کامیابی صرف آپ ہی سے وابستہ ہے۔

کانگریس تحریک میں پنجاب کے احرار رہنماؤں کی شرکت اور شاہ صاحب کے دورہ کا یہ اثر ہوا کہ گاندھی ارون پیکٹ کے بعد جب بھی احرار رہنما گاندھی جی سے ملنے گئے تو گاندھی جی اٹھ کر دروازے تک خود احرار رہنماؤں کو لینے آئے۔ یہ امتیازی بات تھی جو زندگی میں گاندھی جی نے صرف احرار رہنماؤں کی عزت و تکریم کی۔ (صفحہ ۱۳۶، ۱۴۰ رئیس الاحرار)

مولانا آزاد کا مشورہ

" ۱۹۲۹ء کے کانگریس کے اجلاس میں ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو مولانا

آزاد کے مشورہ پر آل انڈیا کانگریس کے اسٹیج پر چودھری افضل حق صاحب کی صدارت میں مجلس احرار کا پہلا جلسہ ہوا۔ مجلس مشاورت میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ مولانا سید داؤد غزنوی (مرحوم بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے) اور مولانا سید عطاء اللہ بخاری۔ مولانا مظہر علی صاحب خواجہ عبدالرحمٰن غازی نے باہم مشورہ کر کے مولانا آزاد کے تجویز کردہ نام کے مطابق مجلس احرار ہند قائم کی اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجلس احرار کے پہلے صدر منتخب ہوئے کانگریس کی طرف سے عام سول نافرمانی کا آغاز ہو گیا تھا اس لیے سب احرار تنظیم کو چھوڑ کر کانگریس تحریک میں شامل ہو گئے۔ گاندھی ارون معاہدے کے بعد احرار رہنماؤں نے رہا ہوتے ہی پنجاب مجلس احرار کے اضلاعی اور شہری دفاتر قائم کر لیے۔ احرار رہنماؤں نے یکسو ہو کر کانگریس کے نئے نارموں پر غور کرنا شروع کیا۔ احرار رہنما نہرو رپورٹ کی سزا پانے کے بعد جو خاص گاندھی جی کی طرف سے دی گئی تھی۔ کانگریس کے کسی بھی فارمولے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

پنجاب کے ہندو کانگریسی

"پنجاب کے ہندو کانگریسیوں کو احرار کی تنظیم سے بڑا خطرہ پیدا ہوا خاص کر ڈاکٹر گوپی چند کے گروپ نے یہ کوشش کی کہ احرار کو کانگریس میں آنے سے روکا جائے۔ چنانچہ کراچی کانگریس کے اجلاس کے لیے نمائندوں کے انتخاب کے سلسلے میں ہندو کانگریسیوں نے جس میں بڑے بڑے کانگریسی رہنما شامل تھے پوری کوشش کی کہ احرار لیڈر معہ کارکنوں کو کراچی کانگریس اجلاس کے لیے نمائندہ نہ چنا جائے۔

تعصب کی حد یہاں تک پہنچی کہ غازی عبدالرحمٰن جیسے مستند کانگریسی کو بھی ارت سر سے کانگریس اجلاس کا رکن منتخب نہ ہونے دیا گیا۔ اس کے باوجود احرار رہنما شاہد کی حیثیت سے کراچی کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ کراچی کانگریس کے اجلاس میں ہر ہندو کانگریسی گاندھی ارون پیکٹ کی وجہ سے حکومت کے نشے میں تھا۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رہائی کے بعد گاندھی جی سے ملنے بمبئی تشریف لے گئے آپ کے ساتھ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین تھے ۱۰ اگست ۱۹۳۱ء کو بمبئی پہنچے۔ وفد نے گاندھی جی سے درخواست کی کہ آپ ڈاکٹر انصاری کے بغیر گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے تو انگریز ساری دنیا میں ثابت کر دے گا۔ کہ کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے اور ہندوؤں کی نمائندہ ہے۔ گاندھی جی نے احرار رہنماؤں کے ان دلائل کو وزنی قرار دیا لیکن اپنے جانے کا ارادہ ملتوی نہ کیا۔

گاندھی جی کی یہ پہلی سیاسی غلطی تھی۔ انھوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ کانگریس کے بارے میں انگریز کی تعریف صحیح ہے۔

اگر گاندھی جی اس وقت گول میز کانفرنس میں ڈاکٹر انصاری کے بغیر شامل نہ ہوتے تو کانگریس کو ہندو جماعت ہونے کا سارٹیفکیٹ نہ ملتا کیونکہ انصاری جیسے کانگریس کے رہنما اور وفادار کو نظر انداز کر کے گول میز کانفرنس میں گاندھی جی کی شمولیت نے اندر ہی اندر آزاد خیال مسلمانوں میں شک و شبہ کے دروازے کھول دیئے۔

(صفحہ ۱۳۶ و ۱۳۷)

اب رئیس الاحرار کا خطبہ صدارت جو انھوں نے ۱۱ جولائی ۱۹۳۱ء کو دیا۔ اس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"میری خواہش ہے کہ پنجاب کے مسلمان اس کثرت سے کانگریس میں حصہ لیں کہ دوسروں کو کانگریس میں جگہ نہ مل سکے۔ ہندو کہتا ہے کہ مسلمان کانگریس میں آئیں اور چاہتا یہ ہے کہ نہ آئیں کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان اگر کانگریس میں آگئے تو ان کی پولیٹیکل طاقت بڑھ جائے گی اور ہندوؤں کی قوم پرستی کا راز ان پر کھل جائے گا۔ ابھی تک کانگریس کے دفتروں میں مسلمانوں کو اچھوت سمجھنے والے ہندو موجود ہیں۔" (صفحہ ۱۵۴)

مولانا کی سادگی و فریب خوردگی ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں:۔

"گاندھی جی اور کانگریس کا ہمیشہ یہ عمل رہا ہے کہ وہ قربانی اور کام تو آزاد خیال مسلمانوں سے لیتے ہیں اور سمجھوتہ ماڈریٹ مسلمانوں اور انگریز پرست مسلمانوں سے کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو انگریز مسلمانوں کا نمائندہ کہتا ہے کانگریس بھی انہیں مسلمانوں کا نمائندہ سمجھ کر سمجھوتہ کی بات چیت سے انکی پوزیشن مضبوط کر دیتی ہے کیا آزاد خیال مسلمان کانگریس میں شامل نہیں ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو پنجاب میں آئیں اور اپنا سوشلزم پھیلائیں تا کہ انہیں خود معلوم ہو جائے کہ پنجاب میں ہندو فرقہ پرست ہے یا مسلمان۔"

(صفحہ ۱۷۲)

آگے چلئے:۔

"جن لوگوں نے نہرو رپورٹ کے لیے اپنی قوم سے بازاروں میں پتھر کھائے ان سے اس کے غرق کرنے کے وقت مشورہ بھی نہ لیا گیا۔ اس کے بعد گاندھی جی مکمل آزادی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں آزادی بیچنے کے لیے چلے گئے۔"

(صفحہ ۱۷۶)

پنڈت نہرو کے نام

اب پنڈت نہرو کے نام مولانا کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"میرے نزدیک نہ اب ہندوستان میں اسلامی حکومت ہے نہ آئندہ ہوگی۔ اس لیے فرقہ وارانہ فیصلے کو ماننے اور تبدیلی کرنے سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن نامعلوم آپ جیسے آدمی کو کیوں اس سے دلچسپی ہے؟" صفحہ ۱۷۸ (۲ر جنوری ۱۹۳۶ء)

اب "رئیس الاحرار" کا پنڈت نہرو کے نام ایک اور خط کا اقتباس دیکھئے:۔

"خواجہ عبدالرحمٰن غازی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی امرتسری میرے ان دوستوں میں ہیں جن کی سیاسی قابلیت کا آدمی پنجاب میں مجھے نظر نہیں آتا۔ غازی صاحب نے جس دیانت داری جرأت اور دلیری سے گزشتہ پندرہ سال میں سخت سے سخت آزمائش کے وقت کانگریس کا ساتھ دیا اور اپنے دوستوں کی ہلکی سی مخالفت کو بھی کانگریس کے بارے میں برداشت نہیں کیا۔

آج فرضی اور بے قاعدہ انتخاب کر کے اس کو امرتسر کی کانگریس کمیٹی سے الگ کر دینے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ غازی صاحب کو الگ کرنے والے وہی لوگ ہیں جو بدقسمتی سے کانگریس کے نام پر پنجاب اسمبلی کے ممبر ہو گئے ہیں اور پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر گوبا ہیں جنھوں نے الیکشن کے زمانے میں علانیہ کانگریس کی مخالفت کی اور کہا تھا کہ مسلمانوں کو ۵۶ فیصدی حقوق دلانے کے لیے کونسل میں جا رہا ہوں۔"

آپ کی تقریر کا خلاصہ جو بمبئی میں مسٹر جناح کے خلاف کی ہے

اخبارات میں شائع ہوا جس پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور مسلمان اخباروں نے آپ کے خلاف ایڈیٹوریل نوٹ لکھے ہیں۔ ہمیں خود مسٹر جناح سے بیسیوں باتوں میں سخت اختلاف ہے مگر ہم حتی الوسع احتیاط سے کام لیتے ہیں اور جھگڑا پیدا کرنا نہیں چاہتے مسٹر جناح کا ہندوستان میں کوئی مخالف ہو یا موافق لیکن ہر شخص انہیں دیانتدار سمجھتا ہے۔ الیکشن سے پہلے گورنمنٹ مسٹر جناح کو کسی قیمت پر خرید نہیں سکی۔ اور مرکزی اسمبلی میں کانگریس کی کامیابی مسٹر جناح کی رفاقت پر مبنی ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔"

ذرا آگے چل کر۔

"کئی سال کے بعد ملک کی فضا پھر درست ہو رہی ہے کیا ہی اچھا ہو کہ اسے الفاظ کی تیزی سے بگڑنے نہ دیا جائے مسٹر جناح خیالات کے اعتبار سے آپ کے بہت قریب ہیں۔ اس سے بہتر آدمی آپ کو نہیں ملے گا۔"

(۷ار فروری ۱۹۳۶ء)

مسٹر جناح کی لاہور میں آمد

"۱۹۳۶ء میں مسٹر جناح مسلم لیگ کی تنظیم اور الیکشن میں مسلم لیگ کو کھڑا کرنے کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے اور غالباً نواب دولتانہ کے ہاں جناح صاحب کا قیام تھا۔ جناح صاحب پبلک جلسہ میں تقریر کرنا چاہتے تھے لیکن پنجاب کے سرکار پرست اور ماڈریٹ طبقے میں جرأت نہ تھی کہ وہ میاں فضل حسین کو ناراض کر کے جناح صاحب کے پبلک جلسے کا انتظام کریں۔ اسی قیام کے دوران میں مسٹر جناح سر فضل حسین سے ملے۔ سر فضل حسین نے مسٹر جناح سے گفتگو کرتے وقت یہ حرکت کی کہ دو انگریز سیکرٹریوں کو پردے کے پیچھے بٹھا دیا۔ یہ دونوں

انگریز سیکرٹری مسٹر جناح کی گفتگو نوٹ کرتے رہے۔ مسٹر جناح چاہتے تھے کہ الیکشن کے بارے میں میاں فضل حسین سے گفتگو ہو۔ مگر سر فضل حسین کی گفتگو کا انداز یہ تھا کہ وہ معلوم کر سکیں کہ مسٹر جناح کہاں تک الیکشن میں اور الیکشن کے بعد کانگریس سے تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ مسٹر جناح غریب کو کیا معلوم تھا کہ یہ گفتگو رازداری سے نوٹ کی جا رہی ہے تاکہ وزیر ہند کو جناح صاحب کے خیالات سے مطلع کیا جائے۔ اس ریجری میں کانگریس کے ساتھ اپنے اور مسلم لیگ کے اشتراک عمل کے متعلق جناح صاحب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ فضل حسین نے گفتگو کے آخر میں مسٹر جناح سے کہا کہ آپ کانگریس میں مل جائیں یا اور کسی جماعت سے لیکن پنجاب میں مسلم لیگ کامیاب ہو سکتی ہے نہ اس کے ٹکٹ پر یہاں لوگ کھڑے ہوں گے۔ مناسب یہی ہے کہ آپ عزت کے ساتھ لاہور سے چلے جائیں اور کسی جلسہ کا یہاں پروگرام نہ بنائیں۔

مسٹر جناح ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد بہت اداس ہوئے اسی دن شام کو انھیں جب ایک سرکاری آدمی نے بتایا کہ فضل حسین کی کوٹھی میں وہ انگریز سیکرٹری پردے کے پیچھے آپ کی گفتگو نوٹ کر رہے تھے تو انھیں اس کا بہت رنج ہوا۔"

(ڈاکٹر عبدالقوی کے مکان ۲۷ میکلوڈ روڈ پر)

حبیب جناح ملاقات

"مسٹر جناح نے فضل حسین کے سلوک کے بعد رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی سے ملاقات کی، اس گفتگو میں چودھری افضل حق اور ڈاکٹر عبدالقوی لقمان شامل تھے مسٹر جناح نے فضل حسین سے اپنی گفتگو اور فضل حسین کی سازش کا ذکر کیا اور

یہ بھی کہا کہ فضل حسین اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ میں لاہور میں کسی جلسہ میں تقریر نہ کر سکوں۔ اگر احرار میرا ساتھ دیں تو میں فضل حسین سے ٹکر لے سکتا ہوں۔ اس پر چودھری افضل حق صاحب نے کہا لیکن ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم آپ کے ساتھ میدان میں آ گئے تو ہمیں چھوڑ کر جس طرح شفیع لیگ سے مل گئے تھے اسی طرح پھر خان بہادروں سے جا ملیں گے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے مسٹر جناح سے کہا کہ آپ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنائیے جب تک آپ اسے عوامی جماعت نہیں بنائیں گے۔ اس وقت تک آپ ٹوڈی مسلمانوں کے حلقہ سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں۔ اور انگریز جب چاہتا ہے اپنے مفاد کے لیے ٹوڈی مسلمانوں کو آپ کے ساتھ کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے آپ سے جدا کر دیتا ہے۔ جس کی یہ تازہ مثال آپ کے سامنے ہے گفتگو بڑی طویل تھی۔ جناح صاحب بہت مایوس تھے لیکن رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے انہیں حوصلہ دیا کہ آپ کی تقریر لاہور میں ہونی چاہیے۔ احرار رضاکار آپ کے جلسے کی حفاظت کریں گے۔ مسٹر جناح اس پر بڑے خوش ہوئے اور طے ہو گیا کہ کل مسٹر جناح کی تقریر لاہور میں ہوگی۔ دوسرے دن مسٹر جناح کی تقریر ہوئی۔ احرار رضاکار سفید وردیوں میں جلسے میں تھے۔ جناح صاحب نے کامیابی سے تقریر کی۔ سر فضل حسین کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جلسہ احرار کی طاقت پر ہو رہا ہے۔ اسی دن سے فضل حسین اور احرار کی آپس میں جنگ شروع ہو گئی۔ احرار کو مسٹر جناح کی حمایت کرنے کی سزا میاں فضل حسین نے مسجد شہید گنج گرا کر دی۔" (صفحہ ۱۹۳)

نوٹ:۔ یہ واقعہ تاریخی طور پر غلط ہے۔ مسجد شہید گنج ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے اور جناح ۱۹۳۶ء میں لاہور تشریف لائے تفصیلی طور پر تبصرہ و تنقید

موزوں و مناسب مقام پر کی جائے گی۔ (مئو آنت)

دہلی میں حبیب جناح ملاقات

"اسی دوران میں مسٹر جناح نے جمعیۃ علماء ہند کے ناظم مولانا احمد سعید صاحب سے گفتگو شروع کی اور اس گفتگو میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کو خاص طور سے مدعو کیا گیا۔ مسٹر جناح دہلی کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور اسی ہوٹل میں سر فیروز خان نون بھی تھے۔ صبح کو نو بجے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی جناح صاحب سے گفتگو کرنے کے لیے گئے تو سر فیروز خان نون نے مولانا سے طنزاً کہا کہ جناح صاحب کو کامیاب کرائیے۔۔۔۔ مسٹر جناح نے بڑی کوشش کی کہ احرار کسی طرح مسلم لیگ میں آجائیں مسٹر جناح نے مولانا حبیب الرحمٰن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ آپ مجھ سے مل جائیں تو میں ان سرکار پرستوں کو سزا دے سکتا ہوں۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ میدان عمل میں ٹھہر نہ سکیں گے اور ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ سیاست میں کسی پر سو فیصد یقین کرنا نہ صرف نادانی ہے۔ بلکہ سیاسی عدم تدبر کا ثبوت ہے۔ مولانا احمد سعید صاحب مسٹر جناح کے ساتھ پارٹی بنانے میں مشروط طور پر متفق ہو گئے۔ لیکن مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مسلم لیگ کے مشترکہ محاذ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔"

(صفحہ ۱۹۴)

سلیم پور ہاؤس لکھنؤ میں کانگریس لیگ اتحاد کا مشورہ

۱۹۳۶ء کے رمضان المبارک میں مولانا ابوالکلام آزاد الیکشن کی تیاری

کے سلسلہ میں لکھنؤ تشریف لائے اور سلیم پور ہاؤس میں قیام کیا۔ چودھری خلیق الزماں کے ذریعے یوپی مسلم لیگیوں سے کانگریس لیگ مشترکہ محاذ کی گفتگو میں شروع ہوئیں۔ یوپی میں جمعیۃ علماء ہند کا بے پناہ اثر تھا، اس لیے یوپی کا الیکشن بلا جمعیۃ علماء کی مدد کے جیتا نہیں جا سکتا چنانچہ جمعیۃ علماء کے رہنما بھی اس گفتگو میں شامل تھے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی سلیم پور ہاؤس میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ ٹھہرے اور چودہ دن تک قیام کیا۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اس بات پر متفق نہ ہوئے کہ وہ یوپی اور پنجاب میں مسلم لیگ کے مقابلے میں اپنے نمائندے نہیں کھڑے کریں گے لیکن کانگریس لیگ اور جمعیۃ علماء کا اتحاد ہو گیا سوال یہ تھا کہ الیکشن میں مسلم لیگ کے امیدواروں پر روپیہ کون خرچ کرے اس بارے میں پنت جی اور خلیق الزماں میں بات چیت طے ہو گئی۔ کہ کانگریس مسلم لیگ کے امیدواروں کی ہر طرح مدد کرے گی الیکشن پر کوئی پچاس ہزار روپے کے خرچ کا تخمینہ تھا مسلم لیگ الیکشن کے نگران چودھری خلیق الزماں بنائے گئے۔ چودھری صاحب اس وقت تک کانگریسی تھے۔ انھیں صرف کانگریس نے الیکشن کی کامیابی کے لیے مسلم لیگی بنوایا۔

ذرا آگے چل کر

یوپی کا الیکشن

اس تنظیم کے تحت یوپی میں کانگریس اور مسلم لیگ کے الیکشن لڑے گئے ضلع بستی سے مولانا محمد قاسم صاحب احرار کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے تو وہاں ان کی مخالفت کے لیے پنت جی خود تشریف

لے گئے اور مسلم لیگ امیدوار کے مقابلے میں مولانا قاسم صاحب کی مخالفت کی یہی حال سہارنپور کے ضلع میں نواب مقصود علی خاں صاحب کی سیٹ پر ہوا یہاں ایک طرف مسلم لیگ اور کانگریس اور جمعیۃ علمائے ہند تھی اور دوسری طرف صرف احرار رہنما مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کام کر رہے تھے۔ اس سیٹ پر معاملہ اس قدر نازک ہو گیا کہ ایک طرف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور دوسری طرف سے سید عطاء اللہ بخاری۔ اس الیکشن کے سلسلہ میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ایک مدت تک مولانا سید عطاء اللہ بخاری سے ناراض رہے۔ آخر ۲ ار مئی ۱۹۳۶ء کو جمعیت کے اجلاس مراد آباد میں سید عطاء اللہ صاحب بخاری نے بڑی مشکل سے حضرت شیخ الاسلام کو راضی کیا۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے مولانا سید عطاء اللہ صاحب کی طرف سے معافی کی جس پر معاملہ ختم ہوا۔

لیگ کانگریس کا اختلاف

ملاحظہ فرمائیے:-

"الیکشن کے بعد کانگریس کو ہندوستان کے سات صوبوں میں غالب اکثریت سے کامیابی حاصل ہوئی اور مسلم لیگ کو کسی بھی صوبے میں سوائے یو۔پی کے کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ پنجاب میں صرف راجہ غضنفر علی کامیاب ہوئے جو مسلم لیگ کے واحد نمائندہ تھے۔ جناح صاحب کانگریس دوستی کی بنا پر اس خیال میں تھے کہ کانگریس کے ساتھ کولیشن وزارتیں بنا کر مسلم لیگ کی عزت کو بچا لیا جائے۔ لیکن کانگریس کے رہنما، الیکشن کے بعد

مسلم لیگ کو کسی حیثیت سے ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ یو۔ پی مسلم لیگ کا تھا۔ چودھری خلیق الزماں سے وزارت کا پیشگی وعدہ ہو چکا تھا لیکن پنڈت جی یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ وزارت میں تین مسلمان لیے جائیں۔ پنڈت جی چودھری خلیق الزماں کو وزارت میں لینے کو تیار تھے لیکن بحیثیت مسلم لیگی کے وہ بھی تب جبکہ وہ کانگریس کے پروگرام پر دستخط کریں۔ چودھری صاحب کا یہ کہنا تھا کہ میری سیٹ تو خود کانگریس ہی کی سیٹ ہے مسلم لیگی کی حیثیت سے جو سیٹ دی جائے وہ نواب اسمٰعیل خاں کو دی جائے۔ مگر چونکہ تدوائی مرحوم کو وزارت میں لینا ضروری تھا، اس لیے تیسری سیٹ کے لیے نواب اسمٰعیل خاں کو منظور نہ کیا گیا۔

اس طرح صرف وزارت کی ایک سیٹ کو منظور نہ کرنے کی بناء پر کانگریس اور لیگ میں نہ صرف اختلاف پیدا ہوا۔ بلکہ یہ اختلاف دشمنی کی حد تک پہنچا۔ اس طرح کانگریس نے پاکستان بنانے کی پہلی اینٹ خلیق الزماں اور نواب اسمٰعیل خاں کو وزارت میں نہ لے کر اپنے ہاتھ سے رکھ دی۔ ڈاکٹر محمد اشرف صاحب یو۔ پی کی وزارت میں لیگ کی ناکامی یا کانگریس کی وعدہ خلافی کے بعد مسلم لیگ کے انتقام کی داستان کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں

مسلم لیگ کا عوامی ادب

"اب مسٹر جناح اور ان کے تصابات باطنی اور پاک طینت جوش کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ مسلم عوام کے پاس قومی زندگی یا موت کا پیام لے کر جائیں اور کانگریس سے انتقام لینے کے لیے وہ جتن کریں جو ان کے کانگریسی اور خلافتی نے کانگریس میں رہ کر سیکھے تھے۔ چنانچہ اب چشم زدن میں لیگ بھی ممبروں کی عام بھرتی کے لیے نکل

کھڑی ہوئی بلکہ اس نے جاننے کی بجائے اس کی ممبری کا چندہ دو آنے رکھا۔ ترنگے جھنڈے کی جگہ ہرا اسلامی جھنڈا اپنا لیا گیا۔ کانگریس نے سماجی حلقوں کے لیے ایک کمیٹی بنائی تھی۔ لیگ نے بھی اس کی طرز میں سوشل پروگرام کی کمیٹی بنا ڈالی۔ نواب صاحب چھتاری (سابق گورنر یو پی) اس کے کنوینر بنے گئے۔ زیادہ ضروری یہ تھا کہ کانگریسی وزارتوں کا مسلم دشمنی کا مرثیہ لکھوا کر جگہ جگہ پڑھا جائے۔ یہ فریضہ راجہ صاحب پیر پور کے سپرد ہوا اور تھوڑے دن بعد جب انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے کانگریسی وزارتوں کو نکال کر باہر کرنے کے لیے "یوم نجات" سارے ہندوستان میں منایا گیا۔ اور ہر مسلمان

مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

اور جو دوسرے ان کے حق میں غداری کا فتوٰی عاقبت میں نار جہنم لکھ دی گئی۔ اب جناح مسٹر نہیں قائد اعظم کہلاتے تھے۔ اگر وہ یورپ میں نہ ہندوستانی ... نہ ہوتے تو شاید امیر المومنین بن جاتے۔ بہر نوع قائد اعظم نے اعلان کر دیا کہ تاریخ۔ ثقافت، کلچر غرضیکہ ہر لحاظ سے مسلمانان ہند ایک جداگانہ قوم ہے۔ ان میں اور ہندوؤں میں کوئی سماجی۔ ثقافتی یا مذہبی قدر مشترک سرے سے ہے، نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔ اب صوبوں کی اسمبلیوں کے ضمنی انتخاب اس قومیت کی آزمائش کے لیے میدان جنگ قرار پائے اور انتخابات میں گفتگو سیاسی پروگرام کی نہیں بلکہ شریعت اور ایمان کے بارے میں ہوتی تھی۔ کانگریس کے مسلمان چاہے ابو الکلام یا حسین احمد مدنی ہی کیوں نہ ہوں کم از کم زرخرید ورنہ بے دین ضرور قرار دے جاتے تھے۔ فرض کیجئے کہ تحت بھی کارگر نہ ہوئی تو پھر پتھر سے اور ڈنڈے کی باری آ سکتی تھی۔ ایک مرتد کی سزا ہی کے لیے اندر کے شرع ہر کارروائی جائز ہے۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے اور یہ مناظر میری آنکھوں نے دوسرے اور جانے کتنی جگہ دیکھے ہیں۔

(منقول ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی ... ۱۹۷۰ء)

نوائے وقت

اس کتاب کے مزید اقتباسات ہم آئندہ چل کر پیش کریں گے۔ اور حسب وعدہ تنقید و تبصرہ بھی اس خیال سے کہ آپ ایک ہی قسم کے اقتباسات پڑھتے پڑھتے اکتا نہ جائیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی ایک تقریر جو پشاور میں ارشاد فرمائی اور نوائے وقت یکم جولائی ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔ آپ اسے پڑھیں اور اندازہ فرمائیں کہ ان کے اور نیشلسٹ علماء کے زاویہ نگاہ میں کتنا فرق ہے:-

"وہ دن دور نہیں جب اسلام تمام دنیا کو اپنے آغوش رحمت میں لے لے گا"
"مسلمان زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے"

مولانا شبیر احمد عثمانی کی پشاور میں تقریر

پشاور۔ ۳۰ جون پشاور مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس کی صدارت کے فرائض خان فدا خان صدر سٹی مسلم لیگ نے سر انجام دئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی صدر جمعیت العلمائے اسلام نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ مسلم لیگ قوم اس وقت تک زندہ و پائندہ رہے گی جب تک یہ نظام دنیا برقرار رہے اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کو بہار اور گڑھ مکتیسر کے واقعات سے ختم کیا جا سکتا ہے تو وہ بے وقوف اور احمق ہے مسلم قوم اس سے بھی زیادہ طوفان انگیز انقلابوں سے گذر چکی ہے اور اس قسم کی بیسیوں خونآشام جنگوں سے کامران و سرخرو ہو کر نکل چکی ہے۔ اس قوم کو جس قدر کچلا گیا اتنی ہی طاقت ور یہ قوم ہوتی گئی۔ آپ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا وہ وقت آئے گا جب اسلام چار دانگ عالم میں

پھیل جائے گا۔ اور تمام ذی الروح ملفہ بگوش اسلام ہو جائیں گے
آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی صفوں کو مضبوط بنائیں اور خود کو اتحاد و اتفاق کی لڑی میں منسلک کریں خان عبدالغفار خاں اور ان کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مدظلہ العالی نے فرمایا کہ اگر خان عبدالغفار خاں اپنے عقیدے کے مطابق مخلص ہیں اور صوبہ سرحد میں اسلامی شریعت کے مطابق جمہوری حکومت کے قیام کے متمنی ہیں۔ تو انھیں چاہیے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں کیونکہ اس طرح وہ پاکستان کو زیادہ مضبوط اور طاقتور بنا سکتے ہیں۔"
(نوائے وقت یکم جولائی ۱۹۴۷ء)

آپ نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ارشادات پڑھ لیے اب مولانا ابوالکلام مرحوم کا کردار دیکھئے۔

"مولانا آزاد اب قوم پرست مسلمانوں کو منظم کریں گے۔
کانگریس کو قومی جماعت ثابت کرنے کی کوشش

کلکتہ ۱۹ جولائی معلوم ہوا ہے کہ صدر کانگریس مولانا آزاد نے نام نہاد قوم پرست مسلمانوں کو منظم کرنے کا تہیہ کر لیا ہے تاکہ وہ ان کا ایک مضبوط محاذ قائم کرکے دنیا کے سامنے یہ ڈھونگ پیش کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ کہ مسلمانان ہند کی رائے عامہ انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ ہے۔ کلکتہ کے بعد وہ دارجلنگ میں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دارجلنگ سے واپسی پر وہ ہندوستان کے طول و عرض سے ان نام نہاد قوم پرست مسلمانوں کو ڈھونڈ کر ان کا کوئی اجلاس بلائیں گے تاکہ ان منتشر بچھڑوں کو ایک پلیٹ فارم پر لایا جا سکے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مولانا آزاد بذات خود اس مبارک اقدام کے لیے ہندوستان کے صدر مقام دہلی کو منتخب فرمائیں گے۔"
(نوائے وقت۔ ۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء)

نوائے وقت ۔ ۳۰ رمئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ ملاحظہ فرمائیے :-

"فاعتبروا یا اولی الابصار"

نام نہاد نیشنلسٹ مسلمانوں کے نام نہاد لیڈروں نے جن میں ماشاء اللہ مولانا حسین احمد مدنی، شیخ حسام الدین بھی شامل ہیں۔ ایک روایت کے مطابق "برطانوی سفارشات پر یوں ناپسندیدگی" کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ ہندوستان کی آزادی کی منزل قریب تر آگئی ہے۔ مگر پنجاب، سرحد اور سندھ اور بنگال و آسام کی مجوزہ گروپنگ پر ناک بھوں چڑھائی ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے فرقہ پرستی کو تقویت پہنچے گی۔

یہ مولوی صاحبان اکثر یہ فرمایا کرتے ہیں کہ کانگریس کی پالیسی سے تو ہم بھی بیزار ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کانگریس پر ہندو سبھائی خیالات کے لوگوں کا قبضہ ہے۔ مگر پہلے انگریز کو تو ہندوستان سے نکال لو پھر ہم ان ہندوؤں سے نپٹ لیں گے۔ مگر اب وزارتی سفارشات کے کس حصہ پر اعتراض کر رہے ہیں؟ اُس حصہ پر جس کی رُو سے مسلمان اکثریت کے علاقوں کو مرکز کی کامل غلامی سے بچانے کے لیے تھوڑی بہت گنجائش رکھی گئی ہے۔ ان کا ہدیہ تو اس پر خوشی ہے۔ کہ ہندوستان آزاد ہو رہا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ غم بھی لاحق ہے۔ کہ پنجاب۔ سندھ اور سرحد پر اس ہندوستان کی غلامی کا شکنجہ مضبوط کیوں نہیں۔ مسلمانوں کے نام سے، مسلمانوں کی شکل و صورت اور مسلمانوں کی لیڈری کا ڈھونگ رچانے والے اعتراض کس بات پر؟ اس پر کہ مسلمانوں کو ہندو اکثریت کا پورا غلام کیوں نہیں بنایا گیا

فاعتبروا یا اولی الابصار

اب ۱۴؍محرم ۱۳۶۴ھ روزنامہ "نوائے وقت" کا اداریہ ملاحظہ ہو۔

اداریہ نوائے وقت

"یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لیے"

خبر رساں ایجنسیوں کی روایت ہے کہ شیخ الہند استاذ الحدیث حضرت مولانا مولوی حسین احمد مدنیؒ صدر جمعیت العلمائے ہند بھی مرکز میں ہندو مسلم مساوات تناسب اور صوبوں کی لازمی گروپ بندی کے مخالف ہیں۔ روایت صحیح ہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت مولانا کی صدارت بابرکت میں جمعیت العلمائے ہند کی ورکنگ کمیٹی نے جو قرار دادیں منظور کی ہیں وہ ان ہی خطوط پر مبنی ہیں حضرت مولانا کے دوسرے دلائل و براہین تو خیر چھوڑیئے کہ یہ دلائل وہی ہیں۔ جو پنجاب کے ہندو کانگریسی جمعیت العلماء کی ورکنگ کمیٹی کے جلسے سے بہت پہلے دہرا چکے ہیں۔ صرف مولانا کی اس منطق کی داد دیجئے کہ صوبوں کی لازمی گروپ بندی اس لیے ناقابل قبول ہے کہ اس سے حق خود اختیاری کی تنقیص ہوتی ہے!

اور حق خود اختیاری کے تسلیم کیے جانے کی کیا صورت ہے؟ یہ کہ مسلمان اکثریت کے صوبوں پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان، بنگال اور آسام کو زبردستی ایک ایسی مرکزی یونین حکومت کے ماتحت رہنے پر مجبور کیا جائے۔ جس میں ہندو ۷۵ فی صدی اقتدار کے مالک ہوں گے۔ اور مسلمانوں کو انتظام و انصرام حکومت میں صرف ۲۵ فی صدی حصہ ملے گا۔

مولوی ابوالکلام آزاد نے کانگریس کے صدر کی حیثیت سے وزارتی مشن کو جو خط لکھے اُن میں صوبوں کی لازمی گروپ بندی اور مرکز میں ہندو مسلم مساوات تناسب کی اس شد و مد کے ساتھ اور اس انداز میں مخالفت کی گئی تھی کہ مسلمان حیران ہوتے ہیں۔ کہ کیا ان خطوط کے لکھنے والا کوئی مسلمان ہے؟ وہ "امام الہند" کے خطوط تھے اب مسلمان "شیخ الحدیث" کے ارشادات سنیں اور سر دھنیں۔

ہندوؤں میں سے بنگال کے ہندو کانگریسی لیڈر بھی گروپ بندی کے خلاف لب کشائی نہ کریں اور آسام کے بنگالی ہندو کانگریسی لیڈر کھلم کھلا گروپ بندی کی حمایت کریں اور یہ کہیں کہ اسی میں بنگال اور آسام کا بھلا ہے لیکن مسلمانوں کے علمائے کرام کو برطانوی سکیم میں کوئی مذہبی یا سیاسی سقم نظر نہیں آتا اگر ان کی نگاہ اسکیم کی کسی خامی اور نقص پر پڑتی ہے۔ تو یہ خامی لازمی گروپنگ کی خامی اور یہ نقص مرکزی حکومت میں ہندو مسلم مساوات تناسب کا نقص ہے۔ اور اس پر یہ گلہ ہے۔ کہ مسلمان ہمیں کو کو تسلنگ کہتے ہیں۔"

جہاں کانگریس کے ہمنوا و ہمقدم کانگریسی علماء نے قرآن عزیز کی تفسیر ہی کو گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ بنا دیا اور "متحدہ قومیت" اور "وطنیت" کے نظریہ کی صداقت و اہمیت کو منوانے کے لیے پوری پوری کوشش کی اور ان باطل نظریات کو اسلام کا مقدس لبادہ پہنانے کے لیے اپنی پوری صلاحیتیں مرکوز کر دیں وہاں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے ہمفکر و ہمخیال اور حضرت قائداعظمؒ کے شیدائیوں اور مسلمانانِ ہند کے صحیح و حقیقی خادموں نے ان زہریلے اثرات سے مسلمان کے دل

دماغ کو محفوظ و مصئون کرنے کے لیے ان باطل و فاسد خیالات و نظریات کی تردید کے لیے اپنی خدا داد بصیرت و صلاحیت کو وقف کر دیا جس وقت نیشنلسٹ علماء مقدس جبوں اور عماموں کو لیے ہوئے ریشِ دراز کے سرٹیفکیٹوں کے ساتھ مفادِ مسلم کی مخالفت کے لیے کمربستہ تھے۔ تواسی مجرا شوب اور نازک دور میں اقبالؔ کے تربیت یافتہ ملت کا درد رکھنے والے حساس و غیور فرزندان ملت نظریۂ پاکستان کو پھیلانے اور سمجھانے کے لیے اپنی زندگی کے شب و روز صرف کیے ہوئے تھے۔ اس دور میں ایک پمفلٹ "سوراجی اسلام" کے نام سے شائع ہوا جس کا مطالعہ قارئین کو نظریۂ پاکستان اور تحریک پاکستان کو سمجھنے میں کافی مدد دے گا۔ اس پمفلٹ کی اہمیت کے پیش نظر ہم مناسب و موزوں خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ مکمل طور پر آپ کی نذر کیا جائے تاکہ تحریک پاکستان کا پس منظر اور اس کے نقوش و خطوط آپ کے سامنے واضح اور نمایاں ہو سکیں۔ یہ پمفلٹ "طلوعِ اسلام" نے شائع کیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سوراجی اسلام

عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ جب کانگریس کے دستور اساسی میں یہ بات موجود ہے کہ سوراج حاصل ہونے کے بعد ہندوستان کی مختلف اقوام کی مذہبی آزادی برقرار رکھی جائے گی۔ تو پھر مسلمان اپنے مذہب کے تحفظ کے لیے اور کیا ضمانت چاہتے ہیں یہ دلیل ایسی نظر فریب اور خوش آئند ہے کہ اچھے اچھے سمجھدار اس کے دام تزویر میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور عوام جو بالکل سطح بین ہوتے ہیں ان کے پاس تو اس کا جواب ہی کچھ نہیں ہوتا

لیکن آیئے تو ذرا دیکھیں کہ قرائن سے جو کچھ پتہ چلتا ہے۔ اس کی رو سے سوراج حاصل ہونے کے بعد جس مذہب کی آزادی مسلمانوں کو حاصل ہوگی وہ کونسا مذہب ہوگا۔ کیا وہ اسلام ہی ہوگا یا کسی اور چیز کا نام اسلام رکھ دیا جائے گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سوراج کے بعد ہندوستان کی "متحدہ قومیت" کا نظام حکومت جمہوری ہوگا اور اس متحدہ قوم کی تقدیروں کے مالک مختلف خیالات کے نمائندوں کی جماعت کے افراد ہوں گے جن کی کثرت آراء سے تمام معاملات کا فیصلہ ہوا کرے گا۔ اور جو معاملہ اکثریت کی رائے سے طے ہو جائے گا۔ وہ ملک کا قانون بن جائے گا۔ جس کی خلاف ورزی جرم ہوگی لہٰذا ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ مختلف سیاسی معتقدات کی وہ جماعتیں جن کے ہاتھ میں زمام حکومت ہوگی۔ مذہب سے مفہوم کیا لیتی ہے۔ اس لیے کہ جب مذہبی آزادی یا مذہبی معاملات میں دخل اندازی کا سوال پیدا ہوگا۔ تو سب سے پہلے تو یہی سوال اٹھے گا کہ وہ مذہب جس کی آزادی کا حکومت نے وعدہ دیا ہوا ہے اس کی تعریف کیا ہے۔ کون کون سے معاملات مذہب کی حدود کے اندر ہیں اور کون سے اس کے باہر۔

سب سے پہلے قدامت پسند ہندوؤں کی اس جماعت کو لیجئے۔ جس کے نمائندے مہاتما گاندھی ہیں۔ ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ یہ جماعت اپنے اس اعلان میں مخلص ہے کہ سوراج کے بعد مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ اس جماعت کے نزدیک مذہب نام ہے چند رسومات کا اور چند عبادات کا اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ عقائد یا عبادات میں بھی کسی کا اشتراک یا اتحاد ہو۔

ایک فرقہ کرشن بھگت ہے اور دوسرا رام او پاسک۔ سناتن دھرم والے مورتی پوجا کرتے ہیں لیکن آریہ سماج والے مورتی کھنڈن (بت شکنی) کے قائل ہیں۔ ویدانت کے قائل مادہ کو مایا (سراب) سمجھتے ہیں اور آریہ سماج روح مادہ دونوں کو ازلی اور ابدی مانتے ہیں۔ بنگال کے ہندو کالی ماتا کی پوجا کرتے ہیں اور ستیارتھ پرکاش اس دیوی کو ڈاکن قرار دیتی ہے۔ سناتن دھرمی دونوں کی تقسیم پیدائش کے لحاظ سے کرتے ہیں اس لیے اچھوت ان کے نزدیک پیدائشی اچھوت ہیں۔ لیکن آج خود مہاتما جی اس بات کے لیے پران تیاگنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ اچھوت کو اچھوت کیوں سمجھا جاتا ہے۔

ان تمام اختلافات کے باوجود یہ سب ہندو ہیں اور ان میں سے کوئی بات بھی ہندو دھرم کے خلاف نہیں ہے۔ حتیٰ کہ پنڈت جواہر لعل نہرو ناستک ہیں خدا کے بھی منکر ہیں وہ بھی ہندو ہیں وہ اپنی خود نوشت سوانح حیات (میری کہانی) میں علانیہ اس امر کی شکایت کرتے ہیں کہ میں نے ہندو دھرم کی ایک ایک بات کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ خدا کا بھی انکار کر دیا لیکن ہندو دھرم بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا بلکہ مجھے اب تک برہمن قرار دیے جاتا ہے۔ بدھ مت اور جین مت ایسے مذاہب ہیں جن کو دوسرے ہندوؤں کے مذہب سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں وہ خدا کے قائل نہیں۔ ویدوں کو نہیں مانتے۔ ان کی اپنی کتابیں الگ ہیں ہندو دھرم بدھ مت کو اس قدر غیر ہندو سمجھتا تھا کہ یہاں کے ہندوؤں نے تمام بدھوں کو ایک ایک کر کے برما، چین، تبت اور جاپان کی طرف نکال دیا لیکن اب پھر بدھ مت اور جین مت کو ہندو دھرم

کے دائرے کے اندر لیا جاتا ہے۔ اس لیے اس جماعت کے نزدیک تو مذہب محض کسی ایسے ذہنی نظریہ کا نام ہے جس کی کوئی تعریف ہی نہیں کی جا سکتی باقی رہے معاشرتی، معاشی سیاسی معاملات تو وہ مذاہب کے احاطہ سے باہر ہیں۔ ان کا حل ارباب سیاست کے ذمہ ہے۔ مذہب سے متعلق یہی نظریہ انگریزوں کے سامنے ہے ان کے نزدیک بھی کلیسا اور سلطنت دو الگ شعبے ہیں۔ ملکۂ وکٹوریہ کے منشور کی رُو سے آج بھی مسلمانوں کو مذہبی معاملات میں کامل آزادی حاصل ہے۔ اور حکومت مذہبی معاملات میں دخل انداز نہیں ہوتی لیکن یہ مذہب ہے کیا جو حکومت کی مداخلت سے باہر ہے۔ وہی چند رسومات اور عبادات۔ آپ دن رات قرآن کریم کا درس دیتے رہیئے۔ کوئی مزاحم نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کسی آیت کی تفسیر حکومتِ وقت کے قانون سے ٹکرا جائے تو اس مذہبی آزادی کا جو حشر ہوتا ہے۔ اس کا حال مقدمۂ کراچی کے اسیران اور مارشل لاء کے نظر بندوں سے پوچھیئے۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی تلاوت تو مذہب میں داخل ہے۔ لیکن ملکی اور سیاسی معاملات میں تو آپ کو ملک کے قانون کے تحت رہنا ہوگا۔ مذہب "ثواب" حاصل کرنے کے لیے ہے نہ کہ زندگی کے معاملات کا عملی حل تلاش کرنے کے لیے۔ اب آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ اس نظریہ کے ماتحت آپ کو جس قسم کی "مذہبی آزادی" حاصل ہوگی۔ وہ آج کی "غلامی" سے کتنی بہتر ہوگی۔

قدامت پرستوں کی دوسری جماعت وہ ہے جس کی نمائندگی کا شرف ہندو مہا سبھا کو حاصل ہے۔ اور یہ وہ جماعت ہے جس کی ملک میں اکثریت ہے کچھ وقت ہوا کہ ان کی اکثریت میں کچھ شبہ

ہونے لگا جب کہ اچھوتوں نے تقاضا کیا تھا کہ ہمیں جداگانہ نیابت حاصل ہونی چاہیئے۔ اس وقت ان مظلوموں کی ہمدردی کے جذبہ نے جوش کھایا۔ بڑے بڑے مہاتما مسٹر ہندوؤں نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ پونہ میں پران تیاگ برت رکھے گیے۔ بڑے بڑے اونچے گوت کے ہندوؤں نے اپنے آپ کو ہریجن کہلانا شروع کر دیا۔ اور اس مظلوم طبقہ کی زبوں حالی کے احساس نے اس وقت تک چین نہ لینے دیا۔ جب تک یہ یقین نہ ہو گیا کہ ہندو مہاسبھا کی اکثریت خطرے میں نہیں ہے۔ مہاتما جی نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ اب زندگی کا مقصد اسی اکثریت کے تحفظ کو قرار دے لیا ہے۔ اس طبقہ کے جو خیالات مسلمانوں کے مذہب سے متعلق ہیں۔ اس کے لیے دیوتا سروپ بھائی پرمانند، ڈاکٹر مونجے اور مسٹر ساورکر کے شبھ نام کافی ہیں۔ ان کی وہ آرزوئیں جو مسلمانوں کے خلاف ان کے سینوں میں موجزن ہیں ان کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

" ملکی اور مذہبی نقطۂ خیال سے مسلمانوں کو ویدک دھرم اور ویدک تہذیب کے نزدیک لانا از حد ضروری ہے۔ جب تک مسلمان سرزمین حجاز کے عاشق ہیں۔ عرب کی سرزمین اور کھجوروں پر جان نثار کرتے ہیں۔ اور کوثر کو گنگا پر ترجیح دیتے ہیں وہ ہندوستان سے محبت نہیں کر سکتے اس لیے ملک میں ایک قوم پیدا کرنے کے لیے لازمی ہے کہ ہم ویدک دھرم کا پیام جلد از جلد ان تک پہنچائیں"

(آریہ مسافر مارچ ۱۹۳۶ء)

اس قسم کی باتوں کے جواب میں مسلمانوں کو یہ کہہ کر فریب دے دیا جاتا ہے کہ یہ ہندوؤں کے متشدد گروہ متعصب مہاسبھائیو

کے خیالات ہیں۔ کانگریسی ہندوؤں کے ایسے خیالات نہیں ہیں سوا اول تو یہ چیز ہی محل نظر ہے کہ ایک کانگریسی ہندو کے مسلمانوں کے متعلق یہ خیالات نہیں ہوتے جہاں تک اسلام سے متصادم ہونے کا تعلق ہے، ہندو ہندو ہی ہے خواہ وہ کانگریسی ہو خواہ مہا سبھائی بلکہ یہاں تک دیکھنے میں آیا ہے۔ جو ہندو عیسائی ہو جاتا ہے جب عیسائی اور ہندو کا مقابلہ ہوتا ہے تو وہ عیسائی ہوتا ہے لیکن جب ہندو اور مسلمان کا مقابلہ ہوتا ہے تو وہ یکسر ہندو ہوتا ہے۔ اسی لیے کہ یہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر کبھی خوش نہیں ہو سکتا فرمایا:-

"اے پیروان دعوت ایمانی یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ایسا نہ کرو کہ اپنے آدمیوں کے سوا (دشمن دو نکتہ) کسی دوسرے کو اپنا ہمراز و معتمد[1] بناؤ۔ ان لوگوں[2] کا حال یہ ہے کہ تمہارے خلاف فتنہ انگیزی میں کمی کرنے والے نہیں جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے وہی انھیں پسندیدہ ہے۔ ان کی دشمنی تو ان کی باتوں ہی سے ظاہر ہے لیکن جو کچھ دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو ہم نے فہم و بصیرت کی نشانیاں تم پر واضح کر دیں (۳/۱۱۸)

(ترجمہ از مولانا ابوالکلام۔ ترجمان القرآن جلد ۱ صفحہ ۳)

یعنی قرآن کریم نے خود غیر مسلموں کی ہر دو جماعتوں کی تفریق کر دی ایک تو وہ کہ جن کی اسلام سے دشمنی ان کی باتوں سے ظاہر ہو جاتی ہے اور دوسرے وہ جو بات کہنے میں محتاط رہتے ہیں۔ لیکن جو ان کے دلوں

---

[1] یعنی دشمنوں کا ذکر اپنے آدمیوں کا۔ [2] معلوم نہیں مولانا آزاد نے ہندوؤں کو اپنا ہمراز بنایا ہے یا نہیں؟ وہ اگر اس کا اعلان کر دیں تو آج ہی معاملہ صاف ہو جائے منہ ۱۲!

میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے بڑھ کر ظاہر ہو جاتا ہے قرآن کریم نے روز روشن سے صاف طور پر ظاہر فرما دیا ہے کہ اسلام کے ساتھ دشمنی میں سب غیر مسلم شامل ہیں اور ان کے ساتھ وداد و اتحاد کے تعلقات قطعاً جائز نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ کانگرسی ہندو مسلمانوں کا دشمن نہیں مہا سبھائی ہندو دشمن ہے۔ نہ صرف خود فریبی ہے۔ بلکہ قرآن کریم کی کھلی ہوئی تکذیب بھی ہے۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ہندوؤں میں اکثریت کن کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اکثریت مہا سبھائیوں کی ہے اور چونکہ جمہوری نظام میں فیصلے اکثریت کی مرضی کے مطابق ہوا کرتے ہیں لہٰذا یہ واضح ہے کہ اس قسم کی اکثریت کے ماتحت مسلمانوں کو کس قسم کے مذہب کی آزادی حاصل ہوگی؟

اکثریت کی تو آج بھی یہ حالت ہے کہ سناتنی بچارے لاکھ چلا رہے ہیں کہ ساردا ایکٹ ہمارے دھرم کے خلاف ہے کوئی ایک نہیں سنتا۔ وہ چیخ رہے ہیں کہ اچھوتوں کے لیے مندروں کے دروازے کھول دینا یکسر ہندو دھرم کو اپوتر کر دینا ہے۔ لیکن سیاست کی مصلحت کوشیاں اکثریت کے کان بند کیے ہوئے ہیں۔

حکومت بمبئی نے اعلان کر دیا ہے۔ کہ پونا کے ہوٹلوں میں اچھوتوں کو بھی رہنے کی اجازت ہے۔ اس پر وہاں کے ہوٹل والے شور مچا رہے ہیں کہ اونچی ذات کے ہندوؤں نے ہمارا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ ہمارا کاروبار تباہ ہو رہا ہے۔ لیکن وہاں کا نگرسی حکومت اس کی پرواہ ہی نہیں کر رہی جب ان کی خود اپنے ہاں یہ حالت ہے کہ مہا سبھائیوں کی اکثریت سناتن دھرمیوں کے مذہبی احساسات کی کچھ پرواہ نہیں کرتی تو یہی اکثریت "ملیکشوں"

مسلمانوں کے مذہب کا جس قدر پاس کرے گی ظاہر ہے۔

اب اس جماعت کو لیجیے جو روشن خیال جدّت پسند (ADVANCED) طبقہ کہلاتا ہے اور جس کی قیادت پنڈت جواہر لال نہرو کو حاصل ہے۔ یہ اشتراکی خیالات کے حامی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اشتراکیت میں خدا اور آخرت پر ایمان کے عقیدہ کی دھجیاں اُڑائی جاتی ہیں۔ روس میں اسلام ہی کا نہیں بلکہ خود عیسائیت کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ ہمارا نوجوان طبقہ جن خیالات سے متاثر کیا جا رہا ہے ایمانیات سے اس کا استہزا خود بتا رہا ہے کہ مذہب کے متعلق ان کا زاویۂ نگاہ کیا ہے۔ پنڈت جی اور اُن کے رفقائے کار کی یہ کوشش ہے کہ اشتراکیت آنے والے دور کا سیاسی مذہب بن جائے اس نظریہ کی عملی اشاعت میں بعض سیاسی مصالح بھی اُن کے راستہ میں حائل ہیں۔ لیکن بایں ہمہ جس سرعت کے ساتھ اس کو عام کیا جا رہا ہے اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

اسلام خود سرمایہ داری کا دشمن اور اشتراکیت کا حامی ہے لیکن اس اشتراکیت کا نہیں جس کی تخلیق روس کے انقلاب پسند طبقہ کے اس انتقامی جذبہ کی رہین منت ہے جو زار کی حکومت کے خلاف اس کے دل میں موجزن تھا اور جس کا اصول صرف یہ تھا کہ ہر وہ چیز جو زار کے وقت میں دُنیا میں موجود تھی تباہ کر دینے کے لائق ہے۔ یہی وہ اشتراکیت ہے جو ہندوستان کے انقلاب پسند طبقہ میں مقبولیت حاصل کر رہی ہے اور جو محض روس کی نقالی ہے۔ غلام نژاد قوم ہمیشہ مقلد ہوا کرتی ہے۔ طوافِ احمد سرشت بر ہمہ جا است۔ رسالۂ کلیم اس مسلک کی نشر و اشاعت میں بڑا سرگرم رہتا ہے کہ اس سے نوجوانوں میں مقبولیت بڑھ جاتی

ہے۔ چنانچہ اس کا کوئی پرچہ ایسا ہوتا ہوگا۔ جس میں خدا اور آخرت پر ایمان کی تضحیک نہ کی جاتی ہو۔

مثلاً مارچ ۱۹۳۶ء کے پرچہ میں ناظر کے نام سے ایک مضمون چھپا ہے جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"خدا کے تصور کی ابتدا انسان کے اس دور میں شروع ہوئی جب کہ ذہن انسانی عالم طفولیت میں تھا وہ فطرت کے عظیم الشان مظاہر کی توجیہہ نہ کرسکتا تھا سوائے اس کے کہ ان کو فوق العادہ ہستی سے منسوب کردے۔ ۔۔ مذہب کا توہم پرستی کے ساتھ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ آج تک بھی جہاں جہاں جہالت زیادہ ہے اور علم کی روشنی کم ہے۔ وہاں مذہب کا دور دورہ ہے۔ مذہب ایک غیبی چیز ہے اور غیبی چیزوں کو تاریکی میں زیادہ فروغ ہوتا ہے۔"

اس کے بعد حیات بعد الممات عقیدے کی مخالفت کی گئی ہے۔ آخر میں رقمطراز ہیں کہ :۔

"ہندوستان چونکہ علوم وفنون اور تہذیب وتمدن میں بہت پیچھے ہے اس لیے یہاں فی الحال مذہب کو رہنے دیا جائے لیکن مذہب کو اجتماعی حیثیت نہ دی جائے۔ اس کو خالص شخصی یا انفرادی چیز سمجھنا چاہیے۔ اس طرح اس کی پبلک حیثیت رفع ہو کر خالص پرائیویٹ یا نجی حیثیت باقی رہے گی۔"

یعنی ملک کا جدت پسند طبقہ جس مذہب کی "فی الحال" ادا رکھنے پر رضامند ہو سکتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام ہے۔ اسے تمدنی، اجتماعی اور معاملات کی دنیا سے کوئی واسطہ نہیں۔ پہلے دنوں میں جب بوس نے اعلان کیا کہ میں سب کچھ مسلمانوں کے حوالے کر دینے پر تیار ہوں بشرطیکہ وہ

کانگریس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کو تسلیم کرلیں۔ تو اس کی وضاحت کے لیے ٹریبون نے اپنی ۱۷ جون ۱۹۳۸ء کی اشاعت میں مقالہ افتتاحیہ لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ:-

"پس ایک شرط کے ماتحت، طول و عرض ملک میں کوئی ایک کانگریسی بھی ایسا نہ ہوگا جو تمام اختیارات مسلمانوں کے حوالے کر دینے پر آمادہ نہ ہو۔ اُن کے (یعنی کانگریسیوں کے نزدیک یہ مسئلہ ذرا بھی اہمیت نہیں رکھتا کہ کانگریس یا حکومت کے دائرے میں زمام اختیار جس کے ہاتھ میں ہے وہ ہندومت، اسلام یا عیسائیت کے عقیدہ کا معتقد ہے کیونکہ اُن کے نظریہ کی رُو سے مذہب کو سیاسیات سے کوئی واسطہ ہے اور نہ ہی ہونا چاہیئے۔"

ابھی حال ہی میں مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے شملہ میں ایک جلسہ میں تقریر فرمائی جس میں انھوں نے بتایا کہ عہد حاضرہ میں بہترین نظام حکومت کس قسم کا ہو سکتا ہے۔ اور آزاد ہندوستان کا نظام حکومت کیسا ہوگا۔ تقریر کی تمہید میں جو کچھ انھوں نے کہا اس کا ملخص یہ تھا کہ عہد قدیم میں چونکہ بادشاہ اور حکمران جماعتوں کے ارکان یہ چاہتے تھے کہ ان کے احکام بے چون و چرا تسلیم ہوتے چلے جائیں اور کسی کو اُن پر تنقید کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔ انھوں نے یہ خیال پیدا کیا کہ اُن کی حکومت الہامی قوانین (DIVINE LAWS) پر مبنی ہے۔ (یعنی خدا کی ہستی پر ایمان پیدا کرنے کی ضرورت یوں پیش آئی۔ یہ حرف بحرف وہی اعتراض ہے جو اشتراکیت کے بانی مارکس نے مذہب کے خلاف عائد کیا تھا، اس کے بعد انھوں نے کہا کہ اب علم و عقل کا زمانہ آگیا ہے اب اس قسم کی توہم پرستی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

نظام حکومت کے متعلق انھوں نے فرمایا:۔

"اب یہ ناممکن ہوگا کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جائے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ اب وقت آ چکا ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کر لیں اور اُسے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ ضمیر، مذہب اور خدا کو اُن کے مناسب مقام یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے اور انھیں زمین کے معاملات میں خواہ مخواہ گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔

اس بات کا تو تصور بھی ناممکن ہے کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا جائے تو کوئی نظام حکومت قائم ہو سکتا ہے یا جذبۂ حب الوطنی محض قومیت پرستی کی بنیاد پر پرورش پا سکتا ہے یعنی اس مادرِ بھومی کے ساتھ وابستہ ہو جانے سے جس نے تمھیں پیدا کیا، زندگی عطا فرمائی اور مرنے کے بعد جو تمھیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔۔۔۔

عہد حاضر میں بہترین نظام حکومت کی بناء اس نظریہ پر قائم ہو سکتی ہے جو جغرافیائی حدود اربعہ کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو (وطن) اور اس ملک کے اندر رہنے والے تمام افراد معاشی اور سیاسی مفاد کے رشتہ میں منسلک ہو کر ایک متحدہ قومیت بن جائیں۔"

(ہندوستان ٹائمز ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء)

ملاحظہ فرمایا آپ نے! وہی نظریہ کہ:۔

۱۔ مذہب کو سیاست سے الگ رکھا جائے۔

۲۔ نظام حکومت میں ضمیر، مذہب اور خدا کو کوئی دخل نہ ہو۔

۳۔ جذبۂ حب الوطنی کی پرورش محض قومیت پرستی کی بناء پر ہو سکتی ہے۔

۴۔ اقوام اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے

۵۔ افراد کو ایک قوم بنانے کے لیے وجۂ جامعیت سیاسی اور معاشی

متعارہیں نہ کہ مذہب۔

ہمارے قومیت پرست علمائے کرام یہ سب کچھ سنتے ہیں اور ایک لفظ اس کی تردید میں نہیں کہتے۔ تردید کیسی؟ وہ خود اُن خیالات کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ خدا کے لیے کوئی بتائے کہ کیا اسلام دُنیا کو بھی کچھ سکھانے کے لیے آیا تھا!

یہ تو تھے غیر مسلم حضرات کے مختلف طبقے یا مسلمان کہلانے والوں میں سے وہ طبقہ جنھیں متشددین کہا جا سکتا ہے لیکن آنے والے اسلام کے متعلق جو نظریہ عام قومیت پرست مسلم حضرات پیش کر رہے ہیں وہ ان سے بھی زیادہ افسوسناک اور مایوس کن ہے۔ ان حضرات کی تحریروں اور تقریروں سے واقف ہونے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کا اسلام وہ پیش کر رہے ہیں وہ خود ان کے اپنے ہی دماغوں کی ساخت ہے۔ کتاب و سنّت کے اسلام سے اس کو کچھ علاقہ نہیں، اُن کے نزدیک بھی مذہب چند رسومات و عبادات کا ہی نام ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس کے بعد عام معاشرتی، معاشی، سیاسی معاملات سب دُنیاوی اُمور ہیں جن کا مذہب سے کچھ واسطہ نہیں۔ مثال کے طور پر وہ ایک مشہور قوم پرست مسلم حضرات کے خیالات ملاحظہ فرمائیے۔

ڈاکٹر سید محمود سابق سیکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور کانگرسی حکومت صوبہ بہار کے وزیر کا ایک مضمون رسالہ جامعہ ماہ اکتوبر ۱۹۳۱ء میں چھپا تھا اس میں انھوں نے اس امر کی تلقین کی تھی کہ ہندوستان جیسے ملک میں مذہب اس قسم کا ہونا چاہیے جس قسم کا دینِ اکبر نے ایجاد کیا تھا۔ اکبر جیسوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"بعض نے اپنے ولولہ و جوش سے مجبور ہو کر ہندوستان میں متحدہ قومیت کی آفرینش کے پیش نظر ایک ایسے جدید مذہبی نظام کی نشوونما کرنی چاہی جو ہندوستان میں سب کے مناسب حال ہو۔ یہ ان لوگوں کی معمولی خدمات نہیں کہی جا سکتیں۔"

آنے والے نظام حکومت کے ماتحت اس نئے "دین الٰہی" کے ماننے والوں کا نام کیا ہوگا اس کے متعلق ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"لفظ ہندی کو زبان کے لیے نہیں بلکہ اہل ہند کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔ دنیا بھر میں صرف ہمارا ملک ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں مختلف لوگ مذاہب سے شناخت میں آتے ہیں، صرف اس کا انحصار ہی ہماری ذاتی کیفیت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اور ہمارے متعلق یہ ثابت کر دیتا ہے کہ ہم اس برِ اعظم کی علیحدہ علیحدہ قومیں (قوم) ہیں اس لیے اب وقت آگیا ہے۔ کہ ہم ایک مشترک نام اختیار کر لیں۔"

کانگریس کے شعبہ اسلامیات کے معتمد ڈاکٹر اشرف صاحب کا ایک مضمون جمعیتہ العلماء ہند کے آرگن الجمعیتہ بابت رجب ۱۳۵۶ھ میں شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے فرمایا ہے۔ کہ مسلمانوں میں پہلے کون سی بات میں یکانگت اور وحدت تھی جو اب وہ اپنی الگ وحدتِ قومی کے لیے چلا رہے ہیں۔

ؔ یعنی خدا نے یہ وعدہ فرمایا کہ هو سمّاكم المسلمين اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور یہ کہ ومن احسن قولا ... ۳۳/۴۱ کہ اس سے بہتر بات کس کی ہو جو اللہ کی طرف بلائے۔ عمل صالح کرے، اور کہے کہ میں مسلمان ہوں لیکن مسلمانوں کے نمائندہ حضرات ہیں کہ ان کو اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہے یہ ہے سوراجی اسلام کی ایک خفیف سی جھلک، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا (ماخذ)

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"اسی اختیار سے ہم آج ایک نئے اور زندہ تمدن کی تعمیر میں مصروف ہیں، ہماری سیاسی اور سماجی جدوجہد اس نئے تمدن کا پیش خیمہ ہے۔"

اس شعبۂ اسلامیات کے ایک رکن جناب منظر رضوی کا ایک مضمون "مسٹر جناح کی کھوکھلی قیادت" کے عنوان سے اخبار مدینہ بابت یکم نومبر ۱۹۳۷ء شائع ہوا ہے۔ جس میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"مسٹر جناح نے پکار کر کہا ہے۔ کہ "ہندوستان بھر کے مسلمانوں مل جاؤ۔" سوال یہ ہے۔ کہ ہندوستان بھر کا مسلمان آپس میں کیوں ملے۔ اس اتحاد کی ضرورت کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے۔ جہاں تک توحید رسالت۔ مذہبی معتقدات اور مذہبی حرکت و عمل کا تعلق ہے۔ وہ آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ بالکل متحد ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں اور ہم مسٹر جناح کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ آئندہ بھی کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ لیکن سیاسی اور اقتصادی اغراض و مفاد کے لیے مسلمانوں کا آپس میں ملنا نا ممکن ہے وہ ہرگز متحد نہیں ہو سکتے اور نہ ان کو متحد ہونا چاہیے۔" (اقتباسات بحوالہ ترجمان القرآن)

رسالہ کلیم کے مدیر دسمبر ۱۹۳۷ء کے پرچہ کے ارشادات میں فرماتے ہیں :-

"اس کے علاوہ اپنے کو مسلم یا ہندو پہلے اور ہندوستانی بعد کو کہنا جغرافی صداقت اور فطری قانون کے بھی خلاف ہے۔ مذہب زیادہ سے زیادہ ایک ذہنی لباس ہے لیکن قومیت اور وطنیت تو ہمارے بدن کی جلد قومیت تو ہمارا گوشت پوست اور ہمارا خمیر ہے لباس تو ہر وقت بدلا جا سکتا ہے۔ لیکن پوست اور خمیر کون بدل سکتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ قومیت اور وطنیت ایک ایسی قدرتی

چیز ہے جس کا تبدیل کر دینا طاقت بشری سے باہر ہے[1]۔

ایک اور "قوم پرست" بزرگ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ہیں۔ وہ حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کے مشہور نظریۂ قومیت سے متعلق بیان کے جواب میں اپنے اخبار "ہند" بابت ۲۱ مارچ ۱۹۳۸ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"ہمارے مدعیان علم نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اسلام نے اسلامی سوسائٹی کا ایک ایسا نظام بنایا ہے۔ جو ہمہ گیر اور عالمی ہے۔ مگر یہ کہتے ہوئے اُن لوگوں کو یہ یاد نہیں رہا کہ وہ اپنے اس قول سے اسلام کی عالمگیری کو توڑ رہے ہیں"۔

ان کے نزدیک اسلام کی عالمگیری یہ ہے کہ اُسے چند عقائد کا مجموعہ تصور کر لیا جائے۔ باقی نظام سو وہ تو ایک وقتی چیز تھی جو اسلام نے عربوں کے سامنے پیش کی تھی فرماتے ہیں کہ:-

"اس حقیقت سے عام طور پر چشم پوشی کی جاتی ہے کہ اسلام عربی دین ہے۔ اس کی رُوح عربی ہے اور عربوں ہی نے سب سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھایا۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ عجمی قومیں اسلام میں داخل نہیں ہو سکتیں وہ داخل ہوئیں اور مسلمان بنیں مگر یہ واقعہ ہے کہ اسلام ہے عربی دین جس کی شہادتیں خود قرآن مجید میں موجود ہیں۔ (شکریہ رازی)

اس سے ذرا آگے چل فرماتے ہیں:-

"اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے۔ اور ہر آدمی دیکھ سکتا ہے کہ قرآن میں تفصیلی قوانین موجود نہیں ہیں۔ قرآن نے چند اصول بتا دئے ہیں۔ اور

---

[1] جی ہاں بالکل طاقت بشری سے باہر کل تک آپ بر بہا "ہندوستانی" تھے اور آج سیاسی مدبرین کی ایک جنبش قلم سے "بری" ہو گئے ہیں۔ (رازی)

مسلمانوں سے کہہ دیا ہے کہ اچھائی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو۔ قرآن کہتا ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ معروف بھلائی اور منکر برائی لغظی معنی ہیں۔ مشہور یا معلوم اور نا معلوم یا ناپسندیدہ، دیکھئے قرآن مجید نے بھلائی کو لفظ معروف یعنی معلوم سے تعبیر کیا اور برائی کو لفظ منکر یعنی نا معلوم ورنا پسندیدہ سے اس نے یہ نہیں کیا کہ اچھائیوں اور برائیوں کی فہرست دے دی ہو، بلکہ عام بات کہی کہ اچھائی کو پھیلاؤ اور برائی کو روکو اور یہ اس لیے کہ سوسائٹی کے حالات بدل جانے سے اچھائی اور برائی کے مفہوم اور مسکن بھی بدل جاتے ہیں۔

اس وقت ان دعاوی کا تجزیہ کرکے اُن کے بطلان کی توضیح کا موقعہ نہیں۔ اس وقت صرف اتنا کہنا ہے کہ ہمارے قومیت پرست حضرات کے نزدیک "مذہب" کی حیثیت کیا بنتی چلی جا رہی ہے یعنی مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام ہے۔ اسے سیاست سے کوئی علاقہ نہیں۔ مسلمان کہلانا بڑی تنگ نظری بلکہ یہ فطری قانون کے خلاف ہے۔ اسلام کوئی ایسا نظام زندگی نہیں دیتا جو ہمہ گیر اور مکمل ہو۔ اسلام فقط عربی دین ہے۔ قرآن تفصیلی احکام نہیں بتاتا حتٰی کہ نیکی اور بدی کا مفہوم بھی سوسائٹی کے حالات کے ماتحت بدلتا جاتا ہے۔

اللہ اکبر! معلوم پھر اسلام ہے کیا؟

اب ایک اور قوم پرست سے سنیئے کہ مسلمانوں کو کانگریس میں کیوں شریک ہونا چاہیے۔ فرماتے ہیں:۔

"لیکن ان کا (مسلمانوں کا) باہمی اختلاف جو زیادہ تر مذہبی رجحانات کا نتیجہ ہے کبھی دور نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے دور کرنے کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ وہ کسی ایسے ادارے میں شریک ہو جائیں جو مذہبیات

سے بالکل علیحدہ صرف سیاسیات سے تعلق رکھتا ہو۔ ایسا ادارہ صرف کانگریس ہے۔ کانگریس میں شریک ہونے کے بعد تو مسلمان بے شک کسی ایک مرکز پر جمع ہو سکتے ہیں لیکن اس سے علیحدہ رہنے کی حالت میں اتنے مذہبی اختلافات ان کی سیاسی تحریکوں کو کبھی کامیاب نہ ہونے دیں گے۔" (نگار بحوالہ مدینہ مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۳۶ء)

یعنی وہی نظریہ کہ مذہب ایک الگ چیز ہے اور سیاست الگ۔ اور چونکہ مذہب نے مسلمانوں میں اس قدر اختلافات پیدا کر رکھے ہیں اس لیے مسلمان کسی ایسے مرکز پر جمع ہو جائیں جس میں مذہب کو دخل نہ ہو اور وہ مرکز کانگریس ہے۔ یعنی مسلمانوں کے اختلافات مٹانے والا مرکز قرآن نہیں ہے بلکہ کانگریس ہے۔ جل جلالہٗ۔

اس قسم کے ایک اور قوم پرست کا نظریۂ مذہب ملاحظہ ہو۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ گاندھی اور جواہر لال مسلمانوں کے لیڈر کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں انھوں نے اپنے اخبار میں تحریر فرمایا کہ "اگر لیڈری سے مراد مسلمانوں کی دینی امامت و قیادت ہے تو یہ اعتراض درست ہے لیکن اگر اس سے مراد سیاسی رہنمائی ہے تو بے شک وہ قائد و امام ہو سکتے ہیں۔"

(زمزم لاہور مورخہ ۱۵ جون ۱۹۳۶ء)

یعنی دینی امامت و قیادت الگ شے ہے اور سیاسی قیادت و امامت الگ۔ اولی الامر منکم (تمہارا امام تم میں سے) کا حکم صرف "دینی قیادت" کے لیے ہے۔ "سیاسی قیادت" میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی قید نہیں۔

چرچ اینڈ سٹیٹ۔ مذہب اور سیاست کی تفریق کی اسی

ایسا مسلم پولیٹیکل ادارہ قائم کرنا چاہئے جس میں مسلمان اس میں کہیں نہ شامل ہو جائیں ۱۲۔

بین مثال بھی کہیں مل سکتی ہے۔

؎ اس اعتراض کا اس سے بھی دلچسپ جواب ایک بہت بڑے جید عالم دین نے دیا انھوں نے فرمایا "جناح کا فوٹو دیکھا! اگر جواہرلال قائد نہیں ہو سکتا تو جناح کیسے ہو سکتا ہے۔"

(اقتباس تقریر مولانا حسین احمد صاحب مطبوعہ زمزم، ۲۴ جولائی ۱۹۴۵ء)

اسی تقریر میں انھوں نے فرمایا۔ کہ "جواہرلال جینٹلمین ہے اُس نے کبھی نہیں کہا کہ مسلمان ہوں، اس کے باوجود وہ مسلمانوں کا تحفظ چاہتا ہے۔" (ایضاً) یعنی قرآن کریم تو کہتا ہے کہ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا غیر مسلم تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھیں گے۔ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ان کو تو پسند وہی چیز ہے جس سے تمہیں نقصان پہنچے (سورۂ آل عمران) اور حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ جواہرلال باوجود غیر مسلم ہونے کے (من دونکم ہونے کے) مسلمانوں کا تحفظ چاہتا ہے۔

کہیے کس کی مانیں!!

یہ چند تصریحات محض نمونۃً پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ اگر ان حضرات کی تمام و کمال تحریریں آپ کے سامنے ہوں۔ تو آپ حیران رہ جائیں کہ یہ کس قسم کا اسلام ہے۔ جسے پیش کیا جا رہا ہے۔ ماحصل ان سب کے نظریوں کا یہ ہے۔ کہ مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام ہے جس کا عملی سیاسیات اور معاشی اقتصادی عمرانی معاشرتی معاملات سے کوئی واسطہ نہیں وہی چیز جس کا نام مولانا ابوالکلام آزاد نے "خدا پرستی اور نیک عملی" کا ہمہ گیر رکھا ہے اور جس میں اس متحدہ قومیت کا مشترکہ مذہب بننے کی صلاحیت موجود ہے جس کی بنا بقول حضرت مولانا حسین احمد۔

اوطان پوچھ۔ یہ ہے وہ مذہب جس کی آزادی کا اعلان بھارت ماتا کے مندر کے دروازہ پر لٹکایا جا رہا ہے۔ اب آپ خود فیصلہ فرما لیجئے کہ اس قسم کے مذہب کی کیا فی الواقعہ آزادی ہو گی۔

برعکس اس کے اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے جو نظام زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ہیئت پر چھایا ہوا ہے۔ بقول حضرت علامہ علیہ الرحمۃ "اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا ایک قانون ہے۔۔۔ اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں بلکہ اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلام ہو نا معقول و مردود ہے۔"

اس اجمال کی تفصیل طلوعِ اسلام کے مسلسل مطالعہ سے آپ کی نگاہوں کے سامنے آجائے گی جب تک مسلمانوں کو اس قسم کے مذہب کی آزادی حاصل نہ ہو وہ اپنے آپ کو مذہبی حیثیت سے آزاد نہیں سمجھ سکتے۔ یہی وہ مذہبی آزادی ہے۔ جس کے تحفظ کے لیے آج مسلمانوں کا ہر سوچنے والا دماغ غور و فکر کر رہا ہے۔ اور اسی کا نام آج فرقہ پرستی رکھا جاتا ہے اور یا للعجب! کہ خود مسلمانوں کے ایک گروہ کی طرف سے رکھا جاتا ہے!!

از باغباں تُرا است کہ صیاد آں نکرد

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ یہ پمفلٹ اس کی تاریخی حیثیت و افادیت اور اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کتاب میں پورے کا پورا اس لیے درج کیا جا رہا ہے۔ کہ قومیت پرست مولویوں کے ابولا آباؤں اور حضرت حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے پیش

کرو ونظریہ حیات یعنی حقیقی اسلام اور سوراجی اسلام میں تمام فرق وتمیز کر سکے۔ ہم نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ کتاب کے کافی صفحات پر پھیل جائے گا۔ پھر بھی مناسب وموزوں یہی خیال کیا ہے۔ کہ اس میں قطع وبرید نہ کی جائے اور اقتباسات دینے کی بجائے مکمل دیا جائے تاکہ ہماری ابھرتی والی نسل کے دل ودماغ پورے طور پر یہ اخذ کر سکیں کہ قومیت پرست علماء کس طرح گاندھوی فلسفہ سے مرعوب ومتاثر ہو کر اسلام کے بیج نقوش وخطوط بگاڑتے رہے اور شمع نور پاش حضرت حکیم الامت کے تربیت یافتہ کس حسن وخوبی سے ان کے باطل عزائم ونظریات کی قلعی کھولتے رہے۔

گذشتہ سے پیوستہ

یاد رہے کہ اسلام ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام نہیں۔ بلکہ ایک جماعتی مذہب ہے۔ جس میں دین اور دنیا مذہب اور سیاست گرہست آشرم اور سنیاس آشرم الگ الگ قصے نہیں ہیں۔ بلکہ انسانی زندگی سے متعلق کوئی مسئلہ ہو۔ اور دنیا اسے اپنی تقسیم کے اعتبار سے کسی ذیل میں لے آئے اسلام کی رو سے وہ خالص مذہبی مسئلہ ہوتا ہے۔ اسلام کی رو سے فرد کوئی ہستی نہیں رکھتا اس لیے اس کے انفرادی اور ذاتی اعمال بھی کوئی قدروقیمت نہیں رکھتے وہ ایک جماعت کا رکن ہے۔ اور اس کی ہستی اس جماعت کے وجود سے ہے۔ لہٰذا اس کے اعمال بھی وہی صالح ہیں جو اس جماعتی نظام کے اندر رہتے ہوئے کیے جائیں۔ "پرائیویٹ مذہب" زیادہ سے زیادہ چند اخلاقیات کے مجموعہ کا نام ہوتا ہے اور یہ سطحی مجموعہ اخلاقیات وہ ہے جو قریب قریب دنیا کے ہر مذہب میں مشترک ہے۔ کون سا مذہب جو یہ نہیں کہتا کہ جھوٹ نہ بولو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔

اگر مذہب اتنی ہی چیز ہے۔ تو پھر اسلام میں وہ کونسی خصوصیت ہے جس کی رُو سے اس کا دعویٰ ہے۔ کہ یہ خدا کا آخری اور مکمل دین ہے اور اس سے پیشتر کے تمام ادیان اب اس لیے ناقابل قبول ہیں کہ وہ اپنی اصل شکل میں دنیا کے پاس نہیں ہیں۔ جو لوگ اسلام کی رُوح سے کچھ بھی واقف ہیں۔ انھیں اس خصوصیت کا معلوم کر لینا کچھ زیادہ دشوار نہیں جس خصوصیت کی رُو سے اسلام کا دعویٰ ہے۔ کہ وہ خدا کا سچا دین ہے۔ آپ اسلام کے سوا کسی مذہب کو دیکھئے کہ وہ ایک پرائیویٹ حیثیت رکھتا ہوگا۔ وہ انفرادیت کی زندگی بسر کرنا سکھائے گا۔ ہندوؤں کے پجاری ہوں یا مسیحی عیسائیوں کے پادری ہوں یا راہب وہ دنیا داروں کے طبقہ سے الگ ہوں گے۔ دنیا داروں میں سے جو شخص خدا پرست بنتا جائے گا۔ وہ ان سے کٹ کر الگ ہوتا جائے گا۔ اسے پھر جماعتی زندگی سے کوئی علاقہ نہیں رہے گا۔ اس کا مطمح نگاہ پھر اپنی مکتی حاصل کرنا ہوگا۔ اسلام نے جب رہبانیت کو ناجائز قرار دیا۔ تو اس لیے نہیں۔ کہ لوگوں کے گیروے رنگ کے کپڑے پہننا اسے پسند نہ تھے۔ ان کپڑوں میں کیا رکھا ہے! اسلام نے رہبانیت کی اس لیے مخالفت کی کہ رہبانیت اس نظریۂ زندگی کا نام ہے۔ جس میں انسان انفرادیت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ جس میں اسے صرف اپنی نجات کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔ جس میں دین اور دنیا دو الگ الگ شعبے بن جاتے ہیں جس میں مذہب ایک ذاتی اور پرائیویٹ عقیدہ کا نام رہ جاتا ہے جس میں خدا پرستوں کے طبقہ کو اجتماعی معاملات سے کچھ علاقہ نہیں رہتا۔ یہ ہے بنیادی فرق اسلام اور دیگر ادیان میں۔ اس خصوصیت کو مٹا دیجیے تو اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح

رہ جائے گا، اور اصل بنیادی فرق کرشانے کا نتیجہ ہے کہ توم پرست حضرات کا یہ عقیدہ ہو جاتا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب سچے ہیں البتہ ان مذاہب کے پیروؤں میں خرابیاں آگئی ہیں۔ اگر ہر مذہب کے پیرو اپنے اپنے مذہب کی سچائی پر عمل پیرا ہو جائیں، تو پھر کسی میں کوئی فرق نہیں رہتا تفصیل کے لیے ترجمان القرآن جلد اول از مولانا ابوالکلام آزاد۔
ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"قرآن کا جب ظہور ہوا تو دنیا کا یہ حال تھا کہ تمام پیروان مذاہب مذہب کو صرف اس کے ظواہر و رسوم ہی میں دیکھتے تھے اور مذہبی اعتقاد کا جوش و خروش اس طرح کی باتوں میں سمٹ آیا تھا۔ ہر گروہ یقین کرتا تھا کہ دوسرا گروہ نجات سے محروم ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ دوسرے کے اعمال و رسوم ویسے نہیں ہیں جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ نہیں یہ اعمال و رسوم نہ تو دین کی اصل و حقیقت ہیں نہ ان کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے۔ یہ محض مذہب کی عملی زندگی کا ظاہری ڈھانچا ہے لیکن روح و حقیقت ان سے بالاتر ہے اور وہی اصلی دین ہے اصل دین کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ مل جائے۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔" (ترجمان القرآن ج ۱ صفحہ ۱۳۰)

اس اقتباس کی اور باتوں کو چھوڑ دیجیے صرف اس چیز کو دیکھیے کہ حضرت مولانا کے نزدیک اصل دین تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔ "یکساں طور پر" فرمایئے اسلام کو دیگر ادیان پر کیا تفوق اور فضیلت رہی! اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رسالہ "وار دھا کی اسکیم اور مسلمان" شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام دہلی۔

ہم اپنے اس دعوے کو کہ اسلام پرائیویٹ عقیدہ نہیں۔

بلکہ ایک جماعتی مذہب ہے جو توفیق الٰہی کتاب و سنت آثار و تاریخ سے پوری طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ طلوع اسلام کا وجود ہی اس غرض کے لیے ہے لیکن اس وقت ہم اس دعوے کے اثبات میں ایک دوسری روش اختیار کریں گے۔ ہم نے شق اول میں بھی اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ قومیت پرست طبقہ کے الفاظ میں یہ بتایا ہے۔ کہ وہ مذہب کو کیا سمجھتے ہیں۔ اب ہم اس مسلم قوم پرست طبقہ کے امام مولانا آزاد کے الفاظ میں اس بات کو ثابت کریں گے۔ کہ مذہب اسلام پرائیویٹ عقیدہ کا نام نہیں۔ بلکہ وہ ایک منظم مذہب ہے۔ جماعتی مذہب ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مولانا آزاد کی یہ تحریریں اس وقت کی ہیں جب انھوں نے قوم پرستی کا مسلک اختیار نہیں کیا تھا۔

۱۹۱۳ء میں انجمن اسلامیہ لاہور نے ایک ریزولیشن پاس کر دیا کہ شاہی مسجد میں "سیاسی" تقریریں کرنے کی اجازت نہیں اس پر مولانا آزاد نے اپنے رسالہ الہلال میں چار (مبسوط) اور مفصل افتتاحی مقالے تحریر فرمائے جس میں اس جوش اور ولولے کے ساتھ جو نا کہ قومیت پرستی سے بیشتر ان کی نمایاں خصوصیت تھی انھوں نے کتاب و سنت سے ثابت کیا کہ مذہب کو سیاست سے الگ سمجھنا کفر ہے۔ شرک ہے، جہالت ہے، فرماتے ہیں:۔

"میں اگر ان کو کفر پرست کہوں تو تم کہو گے کہ یہ ایمان و کفر کی بحث ہے، میں اگر ان کو مشرک کہوں تو تم پکارو گے۔ ۔ ۔ کہ بہت ہی بڑی جسارت ہے، ہاں یہ جسارت ہے لیکن جن ظالموں نے اللہ کے آگے جسارت کی ہے کیوں نہ ہم بھی ان کے لیے جسارت کریں وہ نہ مومن ہیں نہ مسلم، ان کا حال وہ ہے جو کہا گیا نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذٰلک سبیلاً۔ ان لوگوں کی اصطلاح میں جس چیز کو سیاست

اور پالٹیکس کہتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک عین دین و مذہب ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں داخل"۔ ... ... (الہلال بابت ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

اس لیے کہ:۔

"حضرت ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام عالم کی ضلالتوں اور تاریکیوں کو دور کرنا چاہا اور اپنی اور اپنی جماعت مقدس کی زندگی اس راہ میں صرف کر دی، یہ محض اصلاح اقوام و زمین کا کوئی شعبہ نہ تھا جس کو تم نے پالٹیکس، تمدن، اخلاق اور مذہب کے نام سے تقسیم کر دیا ہے بلکہ اس کی دعوت عام اور ان کی اصلاح عالمگیر تھی"۔ (ایضاً صفحہ ۶)

اسی زمانے کے "الہلال" میں ایک سلسلہ بعنوان "الحرب فی الاسلام" شروع کیا گیا تھا اس کی تمہید میں تحریر ہے:۔

"اسلام خود اپنے بیان کے مطابق رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً دین و دنیا کی اصلاح کے لیے آیا تھا، وہ اسی لیے دونوں جہان کی برکات اس کے ساتھ تھیں پھر اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اسلام کے خزانہ میں حسنات و سیئات دنیاوی کا وجود نہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ نصف خدمت انسانی کی سرانجام دہی سے وہ مقصر رہا جس کا تخیل بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ ..."

(الہلال بابت ۹ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۶)

اس زمانہ میں مولانا نے مسلمانوں کے مصائب کا حل ایک ایسی جماعت کے قیام میں تلاش فرمایا تھا۔ جس کا نام تھا حزب اللہ اس جماعت کے اغراض و مقاصد کے ضمن میں انھوں نے الہلال کی متعدد اشاعتوں میں مقالات تحریر فرمائے جس میں شروع سے آخیر تک صرف ایک چیز کو پوری قوت کے ساتھ نمایاں کیا تھا کہ اسلام ایک جماعتی مذہب ہے، اگر مسلمانوں کی الگ جماعتی زندگی مقصود ہے تو اسلام

بھی مقصود ہے۔ یہ مقالات اس قابل ہیں کہ یہاں تمام وکمال نقل کیے جاتے لیکن اس سے یہ مضمون ایک کتابی شکل اختیار کرے گا۔ اس لیے ان کے جستہ جستہ اقتباسات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں:۔

"پس میں کہتا ہوں اور از فرق تا بقدم ایک صدائے ربانی ہو کر کہتا ہوں۔ جب کہ یقین کی وہ لازوال طاقت میرے ساتھ ہے جس کے لیے کبھی فنا نہیں۔ جب کہ وہ بصیرتِ الٰہی میرے دل کے اندر موجود ہے جس میں کبھی تزلزل و تذبذب نہیں اور جب کہ وہ شہادتِ ایقانی میرے سامنے ہے جس کی رویت میں کبھی دھوکا اور فریب نہیں کہ زندگیوں اور کامیابیوں کا وہ تخم مقدس کوئی انجمن۔ کوئی اسکیم۔ کوئی بیشمار خزانہ کوئی عہدِ حفاظت۔ کوئی اقرارِ خدمت۔ غرضیکہ دنیا کی کوئی آمادہ اور انسانوں کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ صرف ایک ہی تحریکِ حق و صداقت جو مسلمانوں کو ان کی حیاتِ انفرادی و ملّی کی ہر شاخ میں مسلمان بننے کی دعوت دے۔ (الہلال صفحہ ۹)

ہم حضرت مولانا سے بہ ادب استفسار دریافت کرنے کی جسارت کرتے ہیں کہ آج وہ صدائے ربانی وہ یقین کی لازوال طاقت۔ وہ بصیرتِ الٰہی وہ شہادتِ ایقانی کیا ہوئی جو صرف اس تحریک کو حق و صداقت کی تحریک قرار دیتی تھی جو مسلمانوں کی حیاتِ انفرادی و ملّی کی ہر شاخ میں انھیں "مسلمان" بننے کی دعوت دے۔ کیا وہ تحریک یہی تحریک کانگریس ہے جو مسلمانوں کا ایک الگ نام بھی سننا پسند نہیں کرتی اور جس کے مسلمان علمبردار حضرات کہتے ہیں کہ مسلمان مت کہلاؤ ہندی کہلاؤ۔ جو مسلمانوں کی حیاتِ ملّی کو تسلیم ہی نہیں کرتی اور کہتی ہے کہ ملک میں دو ہی جماعتیں ہیں ایک حکومت اور دوسری کانگریس لیکن علمبردار کے

خود حضرت مولانا کی زبانی ہی سنیئے۔ کہ وہ تحریک جس کے اندر آج وہ خود شامل ہیں اور جس کی شمولیت مسلمانوں کے لیئے فریضہ مذہبی قرار دیتے ہیں اس قسم کی تحریک کے متعلق اسلام کی کیا شہادت ہے فرماتے ہیں:۔

"پھر جب آپ ایک انجمن قائم کرتے ہیں جس کے مقاصد و اعمال کی فہرست بیسیوں دفعات پر مشتمل ہے لیکن نہ تو اس میں کہیں احیاء دعوت اسلامی کی دفعہ ہے نہ کہیں اسلام کے احکام و اوامر پر عمل کرنے کی قید ہے۔ نہ کوئی صورت عمل و طریق کار ایسا پیش نظر ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو مسلمان بنانا ہو اور ان کی مجاہدانہ شروع عمل کو واپس لانا ہو تو پھر فرمایئے آپ کا مقصد تو ضروری اور آپ کے کام یقیناً اچھے اور مستحق اعانت و شرکت جمیع مسلمین لیکن ہمارے اصلی مرض کے لیئے آپ نے کیا کیا اور اس کے لیے کہاں جائیں۔"

(الہلال بابت ۳۰ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۷)

کیا حضرت مولانا فرمائیں گے کہ کانگریس کی دفعات میں وہ کون سی دفعہ ہے جس کی رُو سے احیاء و دعوت اسلامی ضروری اور اسلام کے احکام و اوامر پر عمل کرنے کی قید ہو۔ کانگریس کے دستور اساسی میں وہ کون سی صورت عمل اور طریق کار پیش نظر ہے جس کا مقصد تو ضروری (یعنی ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت پیدا کرنا اور مستحق اعانت و شرکت جمیع مسلمین، جسے پنڈت جواہر لعل نہرو MOSLIM MASS CONTACT سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے اصلی مرض کے لیے آپ نے کیا کیا اور اس کے لیے کہاں جائیں!! کیا حق و صداقت کی تحریک یہی ہے۔ جس کا نام کانگریس کا شعبۂ اسلامیات ہے اور جس کے انچارج ڈاکٹر اشرف اور ایک

واقعہ دار ارکین جناب منظر رضوی کے خیالات ابھی ابھی پیش کیے جا چکے ہیں!

مولانا خدا کے لیے سوچیے کہ جس قسم کی تحریک ۱۹۱۳ء میں آپ اس قسم یقین اس بصیرت و ایقان کے ساتھ مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سامان قرار دیتے تھے اُسی تحریک کو آج عین کتاب و سنت اور صراطِ مستقیم قرار دے رہے ہیں۔ کیا آج قرآن بدل گیا یا مسلمانوں کے کعبہ کی سمت تبدیل ہو گئی!! اس کا جواب بھی مولانا ہی سے سنیئے:۔

"اسلام ایک آخری دین الٰہی تھا جس نے نہ صرف احکام شریعت ہی میں بلکہ حیاتِ قومی کی ہر شاخ میں ہم کو سب سے آخر اور سب سے بہتر اصول دے دیئے اور وہ دنیا خواہ کتنی ہی بدل جائے، لیکن آزمایا جا سکتا ہے کہ ان اصولوں کی صداقت کو بدلنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ تکمیل دین کے لیے ضروری تھا کہ ہمیشہ کے لیے اس کے پیرو اپنی تمام اصولی ضرورتوں میں مستغنی اور بے پرواہ ہو جائیں اور ان کو کسی نئی تلاش اور نئے اصولوں کی تجربات نہ رہے۔۔۔ میرا عقیدہ ہے کہ آج حیات ملت و حصول عظمت ملی کے لیے مسلمانوں کو اپنے اعمال کی کسی شاخ میں بھی تاسیس کی ضرورت نہیں بلکہ صرف تجدید کی ضرورت ہے کہ جن اصولوں کو ہم نے بھلا دیا ہے ان کو دوبارہ زندہ کریں۔ اور جس متاع کو حاصل کر کے گم کر دیا ہے۔ اس کے سراغ میں پھر نکلیں۔ ہمارا جیب ودامن آج کی طرح ہمیشہ خالی نہ تھا۔ اگر آج اوروں کے پاس لعل و جواہر ہیں تو ہمارے پاس بھی اس کی کانیں تھیں۔ آج اگر ہم مفلس ہیں۔ تو دوسروں کے لعل و جواہر کو نظر حسرت سے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کو اپنی گم کردہ کانوں کے سراغ میں نکلنا چاہیے جن کی دولت لازوال تھی اور ہمیشہ لازوال رہی۔" (ایضاً صفحہ ۸)

اس کے بعد انھوں نے تفصیل سے بیان کیا کہ مسلمانوں کو اپنی جماعتی

زندگی کی تنظیم اپنی مساجد سے شروع کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ اور کوئی تعلیمی رنگ کی تحریک مسلمانوں کے لیے مفید نہیں ہو سکتی۔ (ایضاً)

کیا ہم حضرت مولانا سے اتنا دریافت کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ کانگریس کی تحریک مسلمانوں کے لیے "تجدید" ہے یا "تاسیس" کیا یہ تحریک مسلمانوں کی حیات ملت اور حصول حفاظت ملی کے لیے ہی عمل میں لائی گئی ہے! کیا وہ لعل و جواہرات کی کانیں رہی؟ تو نہیں جن کا آج اس تحریک کے علمبرداران کھلے بندوں تمسخر و استہزا اڑاتے ہیں۔ وہ آپ کے اٹل اور ضمیر متبادل اصول ہی کا تو نہیں جن کے مٹانے کی آرزو تحریک آزادی کے تمام "منظم" کے دل میں رات دن موجزن ہے اس کا ثبوت بھی آگے آئے گا، کیا کانگریس میں شامل ہونے والے مسلمان دوسروں کے لعل و جواہر کو نظر حسرت و طمع سے نہیں دیکھ رہے! کیا اس تحریک سے آپ کو اپنی گم کردہ کانوں کا سراغ مل رہا ہے! کیا اس سے وہ تنظیم ملی عمل میں آ رہی ہے جس کی ابتدا مساجد سے ہونی تھی!!

WWW.NAFSEISLAM.COM

اللہ اکبر! انسان بھی ایک طرفہ تماشہ ہے جب اس کے جذبات تلبیس و ذہنی اس کی نگاہ کا ایک زاویہ بدل دیں۔ تو وہ کس قدر تضاد کا مجموعہ بن جاتا ہے اور کس طرح زہر کو آب حیات بنا کر پیش کرتا ہے کتنی جلدی بھول جاتا ہے کہ جب اس کی آنکھوں پر کوئی رنگین چشمہ نہ تھا تو سامنے کی چیزوں کے اصلی رنگ کیا تھے! يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ پھر یہ بھی دیکھیے کہ جس چیز نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا تھا۔ وہ کیا تھی، فرماتے ہیں:۔

"ایک بہت بڑی چیز جس کی ہم میں کمی ہے تنظیمات عمل (آرگنائزیشن) ہے اور اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ایک مقصد مشترک سامنے ہو اور سب

میں اس کے نام سے ایک رشتہ باہمی قائم ہو جائے (ایضاً صفحہ ۶)

آج اسی تخلیات عمل (آرگنائزیشن) کا نام فرقہ پرستی (COMMUNALISM) جو حضرت مولانا اور دیگر قوم پرست حضرات کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے۔ کہ جس کی معافی نہ یہاں مل سکتی ہے نہ خدا کے حضور۔ پھر اس وقت مقصد مشترک "حیات ملت" اور "ملت" تھا اور آج وہ مقصد تمام اہل ہند کی ایک "متحدہ قومیت" کی تشکیل ہے!

پھر ہم نے بیان کیا ہے۔ کہ اسلام کی رو سے مسلمانوں کے لیے صحیح نظام زندگی یہ ہے کہ ان کی اپنی جماعت ہو اور اس جماعت کا مرکز اُن کا اپنا امیر ہو، جو جماعتی نظام مسلمانوں کے تمام دینی اور دنیاوی مسائل حیات کا فیصلہ کرے۔ اسلام کسی مخلوط جماعت کا قائل ہی نہیں اس کے نزدیک ایمان اور کفر دو مستقل بالذات الگ الگ نظریۂ زندگی ہیں جن میں باہمی امتزاج ہو ہی نہیں سکتا۔

اب دیکھئے کہ حضرت مولانا کا اس اپنی جماعت کے متعلق کیا خیال تھا۔ ذرا غور سے سنیئے۔ فرماتے ہیں:-

"اور اسی بناء پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام جماعت رکھا ہے اور جماعت سے علیحدگی کو "جاہلیت" اور "حیات جاہلی" سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آگے بالتفصیل آئے گا۔"

(مسئلہ خلافت و جزیرۃ العرب از مولانا آزاد)

اس کے بعد حضرت مولانا نے متعدد احادیث سے ثابت کیا ہے کہ جو شخص اپنی جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہو گیا سیدھا جہنم میں پہنچا۔ اس کے بعد ارشاد ہے:-

"قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں ہے۔ ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے اور فرد کا وجود اور اعمال بھی اسی لیے ہیں تاکہ ان سے

اجتماع و تالیف سے ہیئت اجتماعیہ پیدا ہو۔" (ایضاً)

اس سے ذرا آگے ہے :-

"اور پھر یہ حقیقت کس قدر واضح ہو جاتی ہے جب ان تمام احادیث پر غور کیا جائے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ہے ۔۔۔ سو ان تمام تصریحات میں بھی اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق اینٹوں کا نام نہیں ہے۔ دیوار کا نام ہے" (ایضاً)

کیا حضرت مولانا اتنا ارشاد فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ مسلمانوں کی اس اجتماعی زندگی کا تصور آج کہاں چلا گیا ان کی الگ جماعت کے اسلامی نظریہ کو آج کیا ہوا۔ یہ اسلامی متحدہ قومیت آج ہندی متحدہ قومیت سے کس طرح بدل گئی کہ جس کی اساس اسلام پر نہیں بلکہ وطن پر رکھی جا رہی ہے۔ یہ اجتماع کے بجائے افراد کی الگ الگ زندگی جو کل تک قرآن و سنت کی رُو سے جاہلیت کی زندگی تھی آج کس طرح عین اسلامی زندگی بن گئی! یہ اسلامی اینٹیں کہ جنہیں باہمی اتحاد و ائتلاف کے سیمنٹ سے مل کر ایک ایسی مستحکم دیوار ایک ایسی بنیان مرصوص بننا تھا کہ جو کفر کی بڑھتی ہوئی رو کا مقابلہ کر سکے آج یہی اینٹیں ایک دوسرے کی اس دیوار میں کیوں چنی جا رہی ہیں کہ جس کی بنیاد ہی یکسر غیر اسلامی ہے! کیا حضرت مولانا مع اپنے تمام رفقاء کار کے کوئی ایک آیت کوئی ایک حدیث ایسی پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ لکھا ہو کہ ملت اسلامیہ کی یہ اینٹیں کسی دوسری قمت کی اینٹوں کے ساتھ مل کر ایک مخلوط دیوار بھی قائم کر سکتی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہم حضرت مولانا یا آن کے دوسرے ہم مسلک مسلم قوم پرست حضرات کو کسی طرح بھی مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارے ان استفسارات کا جواب دیں لیکن اگر

انھیں ذرا سا بھی احساس ہے۔ کہ قرآن و سنّت کا بھی با لآخر کوئی حق ان پر واجب آتا ہے تو خدا کے لیے اپنی اس بے پناہ خاموشی کی مہر کو توڑیں اور ایک مرتبہ اتنا تو بتا دیں کہ اس تبدیلی مسلک کی تائید میں کونسی سند ان کے پاس ہے! اس مسلک کی تبدیلی کے جواز میں جس کے متعلق ان کا ارشاد تھا کہ:-

"احادیث محمّدیہ سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے۔ اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں اور عہد صحابہ سے لے کر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ حفاظ میں اس تعداد ان کی شہرت رہ چکی ہے کہ اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچی ہوگی سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کی ایک روایت نقل کروں گا۔ جس میں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے

قال صلی اللہ علیہ وسلم انا آمرکم بخمس اللہ امرنی بھن الجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجھاد فی سبیل اللہ فانہ من خرج من الجماعۃ قید شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع ومن دعا بدعوی جاھلیۃ فھو من جثی جھنم۔ قالوا یا رسول اللہ وان صام وان صلی۔ قال وان صلی وصام وزعم انہ مسلم۔

یعنی فرمایا تم کو پانچ باتوں کے لیے حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے۔ جماعت۔ سمع۔ طاعت۔ ہجرت۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بے قیدی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ (حضور) کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا۔ خواہ وہ روزہ رکھتا ہو۔

نماز پڑھتا ہو۔ فرمایا ہاں اگرچہ نماز پڑھتا ہو، اور روزہ رکھتا ہو اور بزعم خویش اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو"۔

اس کی تشریح میں فرماتے ہیں :-

"پہلی چیز جماعت ہے یعنی تمام اُمّت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اور اپنے مرکزِ قومی سے جُڑ کر رہنا چاہیے ..... نہیں رہنا چاہیے۔ آگے چل کر شہرت کے ساتھ وہ حدیثیں ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہو کر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی سمٹی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امر کے تابع نہ ہو، اسلام نے غیر اسلامی اور جاہلیت کی راہ قرار دیا ہے۔ انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں مانتا۔ اسلامی زندگی جماعت ہے"۔ (ایضاً)

کیا حضرت مولانا کبھی رات کی تنہائیوں میں موجودہ مصلحت کو بالکل یکسر الگ رکھ کر اتنا سوچیں گے، کہ آج جس روش پر وہ خود گامزن ہیں اور جس پر چلنے کی وہ مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ وہ ان کے اپنے ہی الفاظ میں کس کی روش ہے! مسلمانوں کا اپنی جماعت کا تنظیم کرنا۔ ان کا اپنے مرکزِ قومی سے جُڑ کر رہنا۔ یہ اسلامی زندگی ہے یا ان کا ایک ایک کر کے ایسی مخلوط جماعت میں جا کر جذب ہوتے جانا جس کے عناصرِ ترکیبی میں کوئی عنصر بھی اسلامی نہیں! کیا یہی مسلمانوں کا اپنا مرکزِ قومی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آج بیچاری کمزور ناتواں ملّتِ اسلامیہ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے۔ جس سے وہ ان حضرات کی مُہرِ سکوت کو توڑ سکے لیکن بالآخر ایک دن ایسا

لہ کانگریس فقط کسی ہندو، سکھ، مسلم، عیسائی کی ہی نہیں بلکہ ہر ہندوستانی کی جماعت ہے۔ اس کا دروازہ ہر ایک کے لیے کھلا ہے۔ (تقریر مولانا حسین احمد صاحب اخبار زمزم مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۸ء)

بھی تو آنے والا ہے جبکہ زبانیں خاموش ہوں گی بلکہ جسم کا ایک ایک حصّہ گواہی دے گا کہ حق کیا تھا اور باطل کیا! یہ قرآن و سنّت کی تصریحات ہم اپنی طرف سے پیش نہیں کر رہے یہ تو خود انھیں حضرات کی پیش فرمودہ ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے تضاد اس چیز کی بازپرس نہ ہوگی کہ ان تمام تصریحات کو خود ہی بیان کر لینے بعد تم لوگ کس راستہ پر چل پڑے اور دوسرے لوگ اس خیال سے کہ تم قرآن و سنّت کے جاننے والے ہو تمہارے تتبع میں تمہارے پیچھے ہو لیے کیا ان سب کی ذمہ داری بھی انھی پر عائد نہ ہوگی۔ ذرا قرآن کریم کو کھول کر دیکھئے کہ اس باب میں احکم الحاکمین کا کیا فیصلہ ہے!

انھی حضرات کی زبانی سنئیے۔ فرماتے ہیں:۔

"پس جاہلیت کا دوسرا نام تفرقہ ہوا اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث میں یہ حقیقت واضح کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص جماعت اور اطاعت امام سے الگ ہو گیا گویا وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو"۔ (ایضاً)

ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کہ یہ ان حضرات کی شان میں سوءِ ادبی سمجھی جائے گی۔ جب خدا اور اس کا رسول یہ کچھ فیصلہ کر رہا ہو تو ہمیں کسی اضافہ کی کیا ضرورت ہے۔ اب یہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ کہ مسلمانوں کے لیے راہِ عمل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کے لیے راہِ عمل ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک ہی ہے۔ یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت سے باز آ جائیں۔ جس میں وہ ایک عرصہ سے مبتلا رہے اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے ان پر بند ہو گئے

ہیں جماعتی زندگی کی معصیت سے مقصود یہ ہے کہ ان میں سے ایک جماعت بن کر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہو گیا ہے وہ بالکل اس گلہ کی طرح ہیں جس کا نیوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہو کر گم ہو گیا ہو۔" (ایضاً)

ایسی غیر اسلامی زندگی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے:-

"قرآن و سنت نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کر دیتے، اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی نظام جماعتی کا نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہے۔" (ایضاً)

ہمیں بالعموم بتایا جاتا ہے۔ کہ صاحب مسلمانان ہند کے سامنے دو چیزیں ہیں، ایک تو جماعتی تنظیم اور دوسرا ہندوستان سے انگریزوں کو نکال دینا۔ چونکہ انگریزوں کی غلامی بہت بڑی لعنت ہے۔ اس لیے مقدم یہ مسئلہ ہے جب یہ حل ہو جائے گا۔ تو پھر مسلمانوں کی جماعتی زندگی کا سوال ہاتھ میں لے لیا جائے گا۔ آج یہ دلیل دی جاتی ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے۔ کہ یہ دلیل بڑی محکم ہے۔ لیکن جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ خود حضرت مولانا کو اقرار ہے۔ کہ جماعتی زندگی کی معصیت تخم (یعنی نظام جماعتی کا نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے۔ جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری کی پوری قوم تباہ ہو جاتی ہے۔

اب فرمائیے کہ مقدم جماعتی زندگی کی تنظیم ہوئی یا انگریزوں کا ہندوستان سے نکالنا ہم مانے لیتے ہیں کہ کانگریس کے ساتھ مل

کہ آپ انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔ لیکن جب آپ آزاد ہونگے تو اس وقت ملت اسلامیہ کہاں ہوگی؟ کیا تم ہلاکت جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے۔ پوری قوم کی قوم تباہ نہ کر چکا ہوگا۔ اس وقت کی آزادی سے آپ کو خوشی کیا ہوگی؟ پچھلے دنوں لندن کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر نے ایک معرکۃ الآرا اپریشن کیا۔ اپریشن بڑا نازک تھا۔ تمام دنیا کے اہل فن حضرات کی آنکھیں نتیجہ کی طرف لگ رہی تھیں۔ وہ اپریشن سے فارغ ہوا تو ساری دنیا میں مسرت کے نارے لگے کہ اپریشن بڑا کامیاب رہا۔ نہایت صفائی سے نازک ترین مراحل طے ہو گئے۔ البتہ صرف اتنا ہوا کہ مریض چل بسا۔

یہ حضرات اسی قسم کے اپریشن میں مصروف ہیں اور پھر خوش ہیں کہ قوم ان کی خدمات جلیلہ کی شکر گزار ہو گیا ان کو اتنا بھی علم نہیں کہ انگریزوں کی غلامی میں مسلمان اسی لیے آ گئے تھے کہ ان میں جماعتی زندگی کا فقدان ہو چکا تھا اور اب "مسلمان" غلامی سے نکل بھی اس وقت سکیں گے جب ان میں جماعتی نظام پیدا ہوگا۔ ہندوستان کی آزادی اور مسلمان کی زندگی مرادف الفاظ نہیں ہیں۔ اس لیے کہ جس تشتت و افتراق جس جماعتی زندگی کی معصیت کے دور سے مسلمان آج گذر رہے ہیں اس کا تو لازمی نتیجہ بقول حضرت مولانا مودودی کی پوری قوم کی تباہی ہے۔ جب قوم ہی نہ ہوگی تو آزاد کون ہوگا! مسلمانوں کی آزادی کا مفہوم تو یہ ہے جو خود حضرت مولانا نے اپنے مسلک قومیت پرستی سے پیشتر ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا۔

"اسلام میں حق امر و حکم کسی کو نہیں۔۔۔ وہ دنیوی انتظام و حکومت میں جب کسی ایک فرد کے استبداد کو تسلیم نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ ان

الحکمۃ الا للّٰہ تو اس کے احکام دینیہ کیونکر تابع آراء اشخاص و جماعت مخصوصہ ہو سکتے ہیں! اس لئے یہ حق صرف قرآن کو دیا ہے یا پھر دنیوی اُمور میں اس اجماع کو جو تمام مسلمانوں کی اکثریت رائے سے عبارت ہے۔" (السلال ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء) اور اسی کا نام ہے " اسلامی نظام اجتماعی" لیکن مولانا حسین احمد صاحب مدنی فرماتے ہیں :-

" ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی سب شامل ہیں حاصل کرنے کے لیے سب کو متفقہ کوششیں کرنی چاہئیں ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے اُصول کے عین مطابق ہے۔ اور اسلام اس آزادی کی اجازت دیتا ہے۔" (زمزم ۱۹ جولائی ۱۹۳۶ء)

اور خود مولانا آزاد آج عملاً اسی قسم کی آزادی کے حصول اور اسی قسم کی جمہوری حکومت کے قیام کے لیے سرگرم عمل ہیں اور جسے جہادِ عظیم قرار دے رہے ہیں۔ اسی قسم کی جمہوری حکومت کی سند ملاحظہ ہو:-

" آپ روزانہ مسجدیں غیر مسلم انجینیئر سے بنواتے ہیں۔ غیر مسلم ڈاکٹروں سے علاج کراتے ہیں۔ سینکڑوں کام روز مرہ غیر مسلموں سے کراتے ہیں کیا یہ سب ناجائز ہیں؟" (تقریر مولانا حسین احمد صاحب زمزم ۱۹ جولائی ۱۹۳۶ء)

یعنی جب تم ہندو انجینیئر سے اپنی مرضی کے ماتحت اپنی متعین کردہ سمت اور وضع کے مطابق مسجد کا نقشہ تیار کر لیتے ہو یا ہندو حجام سے خط بنوا لیتے ہو تو ایسے نظام حکومت کے قیام میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ جس میں ہندو بھی شامل ہوں بلکہ اکثریت انہی کی ہو! کیا عجیب قرآنی استدلال ہے اور کیسی نادر تفسیر ہے اس آیت مقدسہ کی وامرھم شوریٰ بینھم یعنی مسلمانوں کی حکومت ان کے اپنے باہمی مشوروں سے ہوگی۔

یہاں پہنچ کر آپ کے دل میں فطرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب مولانا آزاد کے نزدیک چند سال اُدھر اسلام نام ہی اس چیز کا تھا کہ مسلمانوں کی الگ جماعت ہو۔ ان کی اپنی متحدہ قومیت ہو۔ ان کا اپنا مرکز ہو۔ ان کے تمام معاملات اس نظام کی رو سے طے پائیں جو خالص قرآن و سنت کی روشنی میں ان کی اپنی اکثریت کی رُو سے وجود میں آئیں ان کے لیے کوئی ایسی تحریک جو ان کی احیائے ملّی کے لیے عمل میں نہ آئی ہو کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتی خواہ اس کے مقاصد کتنے ہی دلکش کیوں نہ ہوں۔ کوئی ایسی تحریک جو ان کی انفرادی اور ملّی حیات کے ہر شعبہ میں "مسلمان" بننے کی دعوت دیتی ہو کبھی حق و صداقت کی تحریک نہیں ہو سکتی۔ جب حضرت مولانا کا ایقان اور ایمان یہ تھا تو پھر آج یہ کیا ہوا کہ ان کے نزدیک یہ تمام اُصول مردود قرار پا گیے اور ان کی جگہ ایک ایسے مسلک نے لی جس کی رُو سے ان اُصولوں کا نام تک لینا بھی مجرم قرار پا گیا ہے کا جواب شاید آپ کو نہ مل سکے لیکن آئیے ہم آپ کو تھوڑا سا اشارہ دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کے قائل ہیں سو قرآن کریم کی وہ آیات جن کی رُو سے وہ پہلے اُصول اسلامی ثابت کیا کرتے تھے بعد میں منسوخ ہو گیے۔ لیکن یہاں پھر یہ مشکل آ پڑے گی۔ کہ آپ کو منسوخ آیات کا تو پتہ مل جائے گا مگر یہ پتہ نہیں مل سکے گا۔ کہ ناسخ آیات کونسی ہیں۔ اس لیے کہ جب سے حضرت مولانا نے یہ نیا مسلک اختیار فرمایا ہے اس مسلک کی تائید میں آج تک کوئی آیت و حدیث پیش نہیں کی۔ لہٰذا یہ ناسخ آیات آپ کو قرآن کریم میں نہیں ملیں گی بلکہ ان ناسخ احکام کا ماخذ کچھ اور ہے۔ ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

اُصولی چیز تو یہی ہے نا کہ مسلمانوں کی الگ جماعت اور اپنی متحدہ قومیت ہونی چاہیئے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے:۔

"ہندوستان میں مسلم قومیت پر زور دینے کا مطلب کیا ہوتا ہے! بس یہی کہ ایک قوم کے اندر ایک دوسری قوم موجود ہے جو کہیں نہیں منتشر ہے۔ مبہم اور غیر تیقن ہے۔ اب سیاسی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہ تخیل بالکل لغو معلوم ہوتا ہے اور معاشی نقطۂ نظر سے یہ بہت دور از کار ہے اور بہ دقت قابل توجہ کہا جا سکتا ہے۔۔۔۔ مسلم قومیت قومیت کا ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم ہی نہیں بس مذہبی اخوت کا رشتہ ہی ایک چیز ہے اس لیے جدید مفہوم میں کوئی قومیت نشو و نما پا سکے۔"

(میری کہانی پنڈت جواہر لعل نہرو جلد دوم صفحہ ۲۳)

آیا آپ کے خیال میں کہ مسلم قومیت کا نظریہ ہمارے مسلم قوم پرست حضرات کے نزدیک "لغو" کیوں قرار پا گیا اور آگے بڑھیے۔ ارشاد ہے:۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

"ایسے لوگ ابھی تک زندہ ہیں جو ہندو مسلمانوں کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں گویا دو قسموں اور قوموں کے بارے میں گفتگو ہے۔ جدید دنیا میں اس دقیانوسی خیال کی گنجائش نہیں ہے۔"

خطبہ صدارت آل انڈیا نیشنل کنونشن منعقدہ مارچ ۱۹۳۷ء از پنڈت جواہر لعل نہرو کس قدر حسرت اور کتنا استعجاب ٹپکتا ہے اس فقرہ سے کہ "ابھی تک ایسے لوگ زندہ ہیں"۔ گویا ان کے نزدیک زندہ رہنے کا حق صرف انہی کو ہونا چاہیئے جو اس دقیانوسی خیال سے توبہ کر کے ان کی ہمنوائی میں فتوے صادر کریں کہ مسلمان کوئی الگ قوم و ملت نہیں ہے آج قومیت کی بنیاد مذہب نہیں بلکہ وطن

پر رکھی جاتی ہے۔

"مسلم قومیت" کا تصور، جیسا کہ ہم نے شروع میں بیان کیا ہے اس نظریہ کے ماتحت پیدا ہوتا ہے کہ اسلام ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک منظم مذہب (ORGANIZED RELIGION) ہے اور یہی خصوصیت ہے جو اسلام کو دیگر ادیان سے متمیز کرتی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے قوم پرست حضرات مذہب کو پرائیویٹ عقیدہ قرار دیتے ہیں اور اسی قسم کے مذہب کی آزادی کی ضمانت دیتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ ہمارے مسلم قوم پرست حضرات نے یہ نظریہ کہاں سے لیا ہے۔

پنڈت جی ارشاد فرماتے ہیں۔

"جس چیز کو مذہب یا منظم مذہب کہتے ہیں اسے ہندوستان میں اور دوسری جگہ دیکھ کر میرا دل ہیبت زدہ ہو گیا ہے۔ میں نے اکثر مذہب کی مذمت کی ہے اور اسے یکسر مٹا دینے کی آرزو تک کی ہے۔ قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندھے یقین اور ترقی دشمنی کا پرچار، عقیدت اور تعصب کا توہم پرستی اور لوگوں سے بے جا فائدہ اٹھانے کا قائم شدہ حقوق اور مستقل حقوق آنے والوں کی بقا کا حامی ہو"

(میری کہانی صفحہ ۱۷۱)

غور فرمایا آپ نے کہ یہ منظم مذہب کو مٹانے کی آرزو کہاں سے پیدا ہوتی ہے اور چونکہ "منظم مذہب" دنیا میں صرف اسلام ہی ہے اس لیے بالفاظ دیگر "اسلام کو مٹانے" کی وہ آرزو کہاں سے پیدا ہو رہی ہے جس کی تائید ہمارے مسلم قوم پرست حضرات کر رہے ہیں۔

اور آگے پڑھیئے ارشاد ہے:۔

"منظم مذہب بلا استثنا اغراض سے وابستہ ہو جاتا ہے اور یوں

لازمی طور پر ایک ترقی دشمن قوت بن کر تغیر اور ترقی کی مخالفت کرتا ہے۔" (صفحہ ۱۹۷۔ میری کہانی حصہ دوم)

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ وہی مقصد اسلامی جسے حضرت مولانا "احیائے ملی" سے تعبیر فرماتے تھے۔ اب ایک ایسے گھناؤنے جذبہ کا نام ہو گیا ہے۔ جسے مستقل اغراض سے تعبیر کیا جا رہا ہے اور اس نظریہ کو ترقی کا دشمن کہا جاتا ہے۔ گویا "ترقی" یہ ہے کہ "منظم مذہب" یا اسلامی جماعتی نظام کا وجود دنیا میں نہ رہے "دینی مسلم قومیت" جس کے متعلق حضرت مولانا پورے ایقان و بصیرت سے فرماتے تھے۔ کہ عین اسلام ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے:۔

"مسلم قوم کا تخیل تو صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پرواز خیال ہے۔ اگر اخبارات اس کی اس قدر اشاعت نہ کرتے تو بہت تھوڑے لوگ اس سے واقف ہوتے۔ اور اگر زیادہ لوگوں کو اس پر اعتقاد ہوتا بھی تو حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد اس کا خاتمہ ہو جاتا۔" (ایضاً صفحہ ۳۳۲)

WWW.NAFSEISLAM.COM

اُمید ہے کہ حضرت مولانا نے سابق صدر کانگریس سے ضرور سعادت حاصل کر لی ہو گی۔ کیونکہ ہندوستان کے مسلمانوں میں اس مسلم قومیت کے تخیل کی اشاعت کے زیادہ تر ذمہ دار خود ہی تھے۔

مضمون بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اس لیے ہم سر دست اتنے ہی اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔ انھیں سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا۔ کہ ہمارے مسلم قوم پرست حضرات نے جو اپنا رُخ کعبہ سے پھیر کر "ترکستان" کی طرف کر لیا ہے وہ کس "قبلہ نما

کی شوئی کے رُخ کو دیکھ کر کیا ہے۔ تاسف صرف اس چیز کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ کہ امیال وعواطف انسان کو کیا سے کیا بنا دیا کرتے ہیں۔ وہی مولانا آزاد جو لاہور کی انجمن کے ایک ریزولیشن کو دیکھ کر سرتاپا آگ ہو جاتے تھے۔ اب کچھ ایسے بیٹھے ہیں۔ کہ تمام چیزیں اپنی آنکھوں سے پڑھ رہے ہیں۔ اسلامی محکمات کا یوں تسخر اُڑتا دیکھ رہے ہیں اور ایک لفظ احتجاج کا نہ اُن کی زبان سے نکل سکتا ہے نہ قلم سے اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ وہ تمام مسلمانانِ ہند کو عملاً تیار کر رہے ہیں کہ وہ راستہ جو اس کانگریس کا تجویز فرمودہ ہے۔ جس کے قائداعظم کے خیالات آپ نے ملاحظہ فرمائے ہیں۔ وُہی راستہ دین کا طریقِ مستقیم ہے اور اس کے علاوہ جو بھی راستہ ہے باطل کا راستہ ہے۔ اس کے جواب میں سوائے اس کے کہ ہمارے دُکھے ہوئے دل کی آہیں صرف مرحوم کی ایک رُباعی کی شکل میں حضرت مولانا اور اُن کے دیگر ہم مسلک علمائے کرام کی خدمت میں شرف پذیرائی حاصل کریں۔ ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں ؎

سرمد در دین عجب شکستے کردی | ایمان۔ فدائے چشم مستے کردی!
با عجز و نیاز جملہ نقد خود را | رفتی و نثار بت پرستے کردی

تحریکِ آزادی میں مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہونی چاہیئے۔ اس کے متعلق دورِ قومیت پرستی سے پیشتر مولانا آزاد مسلمانوں کو مذہب کیا سکھاتا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے:-

"ہم نہایت حسرت کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ تقسیم بنگال کی تنسیخ سے نہیں بلکہ پیشتر سے اپنے اندر آزادی اور حقوق طلبانہ پالیسی کا ولولہ رکھتے ہیں۔ گو عام راہ ضلالت سے الگ

رہنے کا انھیں الاؤنس دینا چاہیے لیکن افسوس ہے کہ ان کے سامنے بھی ہندوؤں کی پرشیل جد وجہد کے سوا کوئی مستقل اور علیحدہ راہ نہیں ہے۔ وہ بھی اپنی ترقی کا سدرۃ المنتہیٰ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہندوؤں کے قدم بقدم چلنا سیکھ جائیں بے شک ہمارے عقیدے میں بھی آجکل مسلمانوں کے لیے عبرت اور تنبیہ کا سب سے بڑا سبق ہندوؤں کے سیاسی اعمال ہی ہے اور بڑی بدبختی یہ تھی کہ آج تک اس سے عبرت حاصل نہیں کی گئی لیکن پیروان "امام مبین" کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی ذلیل موت نہیں ہو سکتی کہ اعمال زندگی کے ایک ضروری شعبہ میں ان کو اسلام تعلیم دینے سے مجبور و لاچار ہو گیا ہو۔ اور اس کی طرف سے مایوس ہو کر انھیں ایک دوسری قوم کے دسترخوان کی بچوڑی ہوئی ہڈیوں پر پلنا پڑے۔ اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے کہ سرے سے اسلام ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے، دنیا کو ایسے مذہب کی کیا ضرورت ہے جو صرف خطبہ نکاح یا چند کتبیں پڑھ دینے یا بشیر نذیر پر شوروغل کو تہوار دینے کے لیے کارآمد ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک اسلام جس تقدیس پر ہے وہ صرف اس لیے نہیں ہو سکتا کہ انسانی حریت اور قومی فلاح کا سبق مسلمان دوسری قوموں سے لیں۔۔۔ پس اگر مسلمان زندگی حاصل کر سکتے ہیں تو مسلمان بن کر، ہندو یا مسیحی بن کر نہیں۔ اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اس کا ٹمٹماتا ہوا دیا چرانے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر یہ بھی فرض کر لیجئے کہ کل ہندوؤں کو اپنی پالیسی بدل دینی پڑے۔ جتنی رائیں انسانی دماغ کی پیدا کردہ ہیں ان میں تغیر و تبدل ہر وقت ممکن ہے البتہ خدا کی تعلیم میں ممکن نہیں کہ "لا تبدیل لکلمات اللہ" پھر کیا اس حالت میں مسلمان بھی اپنے اماموں کے ساتھ اپنی نمازیں توڑ دیں گے! ذرا غور سے

اہل ہند [illegible] جماعت [illegible] مسلمانوں کی [illegible]
[illegible] زمزم [illegible]

کام لیجئے کہ گہری اور تفکر طلب باتیں ہیں۔ ہم مسلمانوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ خواہ کسی اصول پر مبنی ہو لیکن وہ ایک ایسی راہ پیدا کر لیں جو ان کی مستقل اور مخصوص راہ ہو جس میں کسی تغیر کی ضرورت نہ ہو تمام خارجی اثرات تغیر سے محفوظ ہو۔ نیز کہا جا سکے کہ وہ مسلمانوں کی راہ ہے۔ ۔ ۔ ہمارے ملکی بھائی اپنے اندر صرف قومیت اور سیاست کی روح پیدا کر کے زندگی کی حرارت پیدا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اور قومیں بھی، لیکن مسلمانوں کی تو کوئی مخصوص قومیت نہیں جو کسی خاص نسل و خاندان یا زمین کی جغرافیائی تقسیم سے تعلق رکھتی ہو۔ ان کی جو کچھ ہے مذہب یا بالفاظ مناسب تر ان کا تمام کاروبار خدا سے ہے۔ پس جب تک وہ اپنے تمام اعمال کی بنیاد مذہب کو قرار نہیں دیں گے۔ اس وقت تک ان میں نہ قومیت کی روح پیدا ہو سکے اور نہ وہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازہ کو جمع کر سکیں گے۔ آج دنیا "قوم" اور "وطن" کے نام میں جو تاثیر رکھتی ہے مسلمانوں کے لیے وہ اثر صرف اسلام یا خدا کے لفظ میں ہے۔ یورپ میں "نیشن" کا لفظ کہہ کر ایک شخص ہزاروں لوگوں میں حرکت پیدا کر سکتا ہے لیکن آپ کے پاس اس کے مقابلہ میں اگر کوئی لفظ ہے تو خدا یا "اسلام" ہے (الہلال)

۱۔ مسلمانوں کے لیے ہر شے ان کے مذہب میں ہے۔ پس وہ اگر آج کل اپنی پولیٹیکل زندگی اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جگہ اس شے ہی کو کیوں نہ پیدا کریں جو نہ صرف پالیٹکس بلکہ قومی اعمال کی ہر شاخ کو زندہ کر دے۔

۲۔ قرآن کریم صرف نماز اور روزے کے فرائض بتلانے کے لیے ہی نازل نہیں ہوا بلکہ وہ انسانوں کے لیے ایک کامل اور مکمل قانونی نظام ہے جس سے انسانی زندگی کی کوئی شے باہر نہیں

پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی اور ہر وہ عمل جو قرآنی تعلیم پر مبنی نہ ہوگا ان کے لیے موجب فوز و فلاح نہیں ہو سکتا۔

۳۔ ان کو اپنا نصب العین صرف "اسلام" بنانا چاہیے اور ساری طاقت اس میں صرف کرنی چاہیے کہ وہ ہر طرف سے کٹ کر صرف احکام اسلام کے مطیع و منقاد ہو جائیں۔ اسلام ہی ان کے لیے پالیٹکس کی زندگی کی تعلیم کا حکم دے گا۔ اخلاق و فضائل میں تبدیلی پیدا کر دے گا۔ اور وہ تمام باتیں جن کو ترقی یافتہ قوموں میں دیکھ کر للچا رہے ہیں۔ نقصانات اور مضرتوں سے صاف ہو کر ان میں پیدا ہو جائیں گی۔

۴۔ تعلیم معاشرت اور سیاست میں ان کو بربنائے اتباع اقوام کوئی راہ اختیار نہیں کرنی چاہیے بلکہ بربنائے مذہب۔

(الہلال ۹ اکتوبر، ۲۳ اکتوبر و ۶ نومبر ۱۹۱۲ء)

کیا کوئی خدا کا بندہ ایسا ہے۔ جو قوم کو اتنا پوچھ کر بتا دے کہ قرآن کریم کی وہ تعلیم جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہ تھا وہ آج کس کی نذر ہو گئی۔ یہ نیا مسلک جو بربنائے اتباع اقوام اختیار کیا جا رہا ہے اور جس کی طرف مسلمانوں کو پکار پکار کر بلایا جا رہا ہے۔ کون سے نئے قرآن سے حاصل کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی اس مذہبی موت کا ذمہ دار کون ہے۔ جس کی رُو سے انھیں ہندوؤں کے قدم بقدم چلنا سکھایا جا رہا ہے۔ وہ کون سا سامری ہے جس کی فسوں سازیاں ملّتِ بیضا کو خدائے طورِ سینا سے گئو سالہ پرستی کی طرف لیے جا رہی ہیں۔ وہ کونسا مقناطیس ہے جس نے مسلمانوں کے قبلہ نما کی سُوئی کا رُخ آنند بھون کی طرف پھیر دیا ہے وہ کون ہے جو آج دوسروں کی جھڑی ہوئی ہڈیوں کے پیچھے للچایا ہوا دوڑ رہا ہے۔ وہ کونسا فقیر ہے۔ جس کی جھونپڑی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو آج شمع

کافوری سے بھی زیادہ درخشندہ و تابناک بنا کر دکھایا جا رہا ہے۔ وہ کون ہے! جو مسلمانوں کے اندر اسلام یا خدا کے نام سے نہیں بلکہ قوم اور وطن کے نام سے زندگی کی حرارت پیدا کرنا چاہتا ہے! وہ کونسی مستقل اور علیحدہ راہ ہے۔ جو ہندوؤں سے ہٹ کر مسلمانوں کے لیے تجویز کی جا رہی ہے۔ وہ کونسا گروہ ہے جو آج مذہب کو خطبۂ نکاح اور وضو اور غسل کے مسائل تک محدود کر دینا چاہتا ہے!!

کسی صاحب نے حضرت مولانا آزاد کو لکھا کہ وہ مذہب اور پالٹکس کو آپس میں کیوں ملا دیتے ہیں۔ نیز یہ دریافت کیا کہ مسلمانوں کو سیاستِ ہند میں کونسی راہِ عمل اختیار کرنی چاہیئے۔ اس کے جواب میں وہ ارشاد فرماتے ہیں۔ لیکن کب؟

وطنِ قومیت پرستی سے پیشتر:-

آپ فرماتے ہیں کہ پولیٹیکل مباحث کو مذہبی رنگ سے الگ کر دیجئے لیکن اگر الگ کر دیں تو ہمارے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے ہم نے تو اپنے پولیٹیکل خیالات بھی مذہب ہی سے سیکھے ہیں۔ وہ مذہبی رنگ ہی بلکہ مذہب کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ہم انھیں مذہب سے کیونکر الگ کر دیں؟ ہمارے عقیدہ میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ ایک کفر صریح ہے اور پالٹیکس بھی اسی میں داخل ہے۔ افسوس ہے کہ آپ حضرات نے اسلام کو کبھی بھی اس اصلی عظمت میں نہیں دیکھا۔" ماقدروا اللّٰہ حق قدرہٗ" ورنہ اپنی پولیٹیکل پالیسی کے لیے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ ہندوؤں کی اقتدا کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

- - - - آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں پولیٹیکل

خیالات کے تین راستے موجود ہیں۔ الہلال کس راہ پر قوم کو لے جانا چاہتا ہے۔۔۔ الحمد للہ کہ ہم جناب کی قرار دی ہوئی تینوں راہوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے بلکہ اس چوتھی راہ الٰہی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ جو قرآن کی بتلائی ہوئی راہ صراط مستقیم ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان اپنے کسی عمل و اعتقاد کے لیے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا رہنما بنائے وہ مسلم نہیں، بلکہ شرک فی صفات اللہ کی طرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم اور اس لیے مشرک ہے۔ اسلام اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کے پیرووں کو اپنی پولیٹیکل پالیسی قائم کرنے کے لیے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے۔ مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹیکل تعلیموں کے آگے جھک کر نیا راستہ پیدا کریں۔ ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں وہ خود دنیا کو اپنی جماعت میں شامل کرنے والے اور اپنی راہ پر چلانے والے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں۔ وہ خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو ساری دنیا ان کے آگے کھڑی ہو جائے گی۔ ان کا خود اپنا راستہ موجود ہے۔ راہ کی تلاش میں کیوں اوروں کے دروازوں پر بھٹکتے پھریں۔ خدا ان کو سربلند کرتا ہے۔ تو وہ کیوں اپنے سروں کو جھکاتے ہیں؟ وہ خدا کی جماعت ہیں اور خدا کی غیرت اس کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والوں کے سر غیروں کے آگے جھکیں۔

یہ الہلال کی پالیسی ہے اور یہی دعوت ہے جس کی طرف ہم مسلمانوں کو بلانا چاہتے ہیں یہ کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں اور نہ کسی انسانی گروہ کا اتباع و تقلید ہے۔ اگر مسلم لیگ مسلمانوں کی پولیٹیکل راہنمائی کرنا چاہتی ہے تو اس کو یہی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

(مضامین آزاد حصہ دوم)

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:-
"ہم تو خود اسے مسلمانوں کی سب سے بڑی غلطی سمجھتے ہیں کہ جیسے انھوں نے اپنے سامنے دو راستے ہی دیکھے یا گورنمنٹ پر اعتماد اور یا ہندوؤں اور کانگریس کی شرکت، یعنی ہمیشہ سیاسی آزادی؟ کو ہندوؤں کا مرادف سمجھا مگر خود تمہیں بھولے رہے اور اس لیے مجبور رہے کہ خدا کو بھلا دیا۔ ۔ ۔ ۔ اس لیے ہماری تمام سعی و جہد کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو یاد دلا دیں کہ دنیا میں رہنے کے لیے جتنی چیزیں مطلوب ہیں وہ خود ان کے پاس موجود ہیں اور دوں کے دروازوں کو دریوزہ گری کے لیے کیوں تک رہے ہیں۔" (الہلال ۹ دسمبر ۱۹۱۲ء)

یہ اقتباسات کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ ارباب نظر خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ قرآن کریم مسلمانوں کو کس طرف لے جانا چاہتا ہے اور یہ حضرات اب کس طرف کی دعوت دے رہے ہیں۔ سوتے کو تو جگا دینا آسان ہوتا ہے لیکن جاگنے والے کو کون جگائے۔ یہ سمجھ جا سکتا ہے کہ حالات کے بدلنے سے مسلک میں تبدیلی ہو جاتی ہے لیکن جو مسلک نہ کسی انسان کے دماغ کی اختراع ہو نہ کسی جماعت کی تقلید و اتباع، بلکہ وہ خدائے حی و قیوم کے غیر متبدل قوانین کا مجموعہ ہو کیا وہ حالات کے بدلنے سے ایسا بدل جایا کرتا ہے کہ ایک چیز جو ایک وقت میں عین "شرک و کفر" ہو دوسرے وقت میں یکسر ایمان و اسلام بن جائے؟

پھر لطف بھی تو یہ ہے کہ آج تک ان حضرات میں سے کسی نے اتنا بھی تو نہیں بتایا کہ وہ کون سے حالات تھے جو اب بدل چکے ہیں اور وہ کون سے احکامات قرآنی ہیں جن کے ماتحت اب یہ نیا مسلک جو اس وقت "کفر و شرک" کا مسلک تھا "توحید و ایمان" کا مسلک بن گیا ہے ہم تو اسی قدر سمجھ سکے ہیں کہ :-

شیخ ملت باحدیث دلنشیں — بر مرادِ او کند تجدیدِ دین

ایک عالم کی لغزش کا یہی خطرناک انجام ہے جس کے متعلق حضور صادق صلعم نے فرمایا کہ:-

"میں اپنی امت کے حق میں سب سے زیادہ جن چیزوں سے ڈرتا ہوں وہ تین ہیں (۱) عالم کی لغزش (۲) منافق کا قرآن سے استدلال (۳) وہ دنیا جو تمہاری گردنیں کاٹنے لگے۔

شعبی کی روایت میں تیسری چیز ہے "گمراہ کرنے والے سردار" (لیڈر) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:-

"عالم کی لغزش سے بچو اور غلطی سے اس کے رجوع کا انتظار کرو"

ہندوستان کے مسلمان اب اس حدیث مقدسہ کے مطابق انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو کب توفیق عطا فرماتا ہے کہ یہ اپنی غلطی سے رجوع کریں کہ جس قدر تباہی کا موجب یہ حضرات اب تک ہو چکے ہیں قوم کے لیے وہ بھی کچھ کم نہیں"

سلسلۂ مطبوعات ۲۵

سوراجی اسلام

ادارۂ طلوعِ اسلام بلیماران دہلی

قیمت فی پرچہ دو آنے

WWW.AHLESUNNATISLAM.COM

اس پمفلٹ کو پڑھ لینے کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی ذہنی کارزاری اور وہ دینی تضادات جو وہ دورِ الہلال اور قومیت پرستی کے زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ پوری طرح سے قاری پر واضح ہو جاتے ہیں اور پتہ چل جاتا ہے کہ حضرت مولانا کس طرح آپ کو ثرے پھسل کر کس طرح لب گنگا جا پہنچے۔ اب ہم حسب وعدہ آگے بڑھتے ہیں اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندوستان کی جنگ سے بقایا

اقتباسات پیش کر کے تنقید و تبصرہ کریں گے یوں تو لکھی جائیں گی، کتاب دل کی تفسیریں بہت۔ کیونکہ تحریک پاکستان ہزاروں اور لاکھوں فرزندان ملت کے ذہن و دماغ اور فکر و عمل پر پھیلی ہوئی ہے اور جب تک یہ تمام واقعات و حالات ضبط تحریر میں نہیں آئیں گے، کسی مورخ کے لیے ایسی تاریخ تحریک پاکستان کا پیش کرنا ممکن نہ ہو گا جسے صحیح معنوں میں مکمل کہا جا سکے۔ ہماری یہ پہلی اور محدود سی کوشش ہے کم از کم نیشنلسٹ مسلمانوں کے متعلق جتنا بھی مواد آئندہ کے مورخ کے لیے جمع کیا جا سکے جمع کر دیا جائے ہم اسی خیال اور غرض سے مجبور ہو کر یہ کتاب لکھ رہے ہیں۔

اب اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

رقمطراز ہیں:۔

پاکستان کا بنیادی پتھر

کانگریس کے رہنما مسلم لیگ کو پامال کرتے وقت یہ بھول گئے کہ مسلم لیگ کی کمزور رگوں اور مردہ شریانوں میں کانگریس کا انقلابی خون پہنچ چکا ہے۔ اب کانگریس کے انقلابی خون سے مسلم لیگ کو حق انتقامی راہ دکھائی چوہدری خلیق الزماں نے اپنی وزارت کا انتقام لینے کے لیے کانگریس رد عمل کو تمام ہندوستان میں انتقامی شکل میں منظم کر دیا۔ اسی تنظیم کے پیٹ سے پاکستان کانگریس کی منافرت پر بڑی تیزی سے ترقی کرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کانگریسی اور غیر کانگریسیوں میں اختلافات کی ایسی وسیع خلیج قائم ہو گئی جو پھر کبھی پاٹی نہ جا سکی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اپنی کتاب میں کانگریس کی پہلی اور سیاسی اور بنیادی غلطی بھی بتائی ہے

ہے کہ اگر کانگریس اس وقت مسلم لیگ کو اپنا کر منظم کر لیتی تو یہ نوبت ہی نہ آتی کہ پاکستان پیدا ہوتا اور اس طرح ملک کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔" (صفحہ ۱۸۹-۱۰، از رئیس الاحرار حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندوستان کی جنگ)

تحریر فرماتے ہیں:-

"مولانا ابو الکلام سے ہمارے خاندانی مراسم میرے دادا مولانا محمد ذکریا صاحب سے شروع ہوئے مولانا کے بڑے بھائی مولانا ابو النصر صاحب اسلامیہ کالج لاہور میں سب سے پہلے عربی اور اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے اور والد صاحب کے میدان سیاست میں آتے ہی مولانا سے سیاسی تعلقات کا نہ ٹوٹنے والا رشتہ شروع ہو گیا: ان تعلقات میں اتنی گہرائی تھی ۱۹۳۱ء کی لاہور کانگریس میں مولانا کے اشارے پر پنجاب خلافت کمیٹی کی بجائے مجلس احرار قائم ہوئی۔ جس کے دس سال تک والد صاحب صدر رہے بقول مولانا "احرار سے میرے ذہنی رابطے ہمیشہ قائم رہے ہیں۔ اور مجلس احرار نے ایک آزاد خیال جماعت کی حیثیت سے پنجاب میں کانگریس کو مضبوط رکھا۔" (منقولہ صبح امید صفحہ ۵-۶)

لکھتے ہیں:-

"ایک روز سیسل ہوٹل شملہ میں خانزی صاحب[1] نے کہا اور تو سب لوگوں سے ملاقات کر رہے ہو۔ مسٹر جناح قائد اعظم سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے کہا اس میں کیا تکلف ہے میں ان سے بھی مل سکتا ہوں۔ اس وقت شام کے چار بجے تھے۔ میں انہیں لے کر سیسل ہوٹل کے اس کمرے کے سامنے گیا جہاں مسٹر جناح تشریف فرما تھے۔ میں نے اپنے نام کا کارڈ قائد اعظم کی خدمت میں

---

[1] ایڈیٹر اخبار مدینہ جو ایک کانگریسی مسلمانوں کا اخبار تھا۔

دیکھا جس پر تحریر تھا عزیز الرحمٰن سن آف مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
یہ کارڈ لے کر جوں ہی مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا والنٹیر جو اس دروازہ
پر متعین تھا لے کر اندر گیا دوسرے ہی لمحہ اس نے آ کر کہا قائد اعظم
صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ مسٹر جناح نے مجھ سے دریافت کیا۔
آپ کے والد کا قیام کہاں ہے۔ میں نے کہا وہ تو ابھی تک جیل میں
ہیں۔ انھوں نے کہا کانگریس کے تو سب لیڈر رہا ہو چکے ہیں وہ کیوں
جیل میں ہیں۔ میں نے کہا ممکن ہے چند روز میں رہا ہو جائیں۔ مسٹر
جناح نے مجھ سے سوال کیا کہ احرار کا کیا نظریہ ہے۔ میں نے کہا احرار
دل سے چاہتے ہیں کہ کانگریس لیگ اتحاد ہو جائے وہ تقسیم ملک کے
خلاف ہیں۔ کیونکہ تقسیم میں سب سے زیادہ نقصان پنجاب کو پہنچے گا
اور ایسے المناک منظر سامنے آئیں گے۔ جس کا اندازہ آپ کو نہیں
ہے۔ پنجاب کا تو ابھی سے یہ عالم ہے کہ پنجاب کے ہندو، سکھ، مسلمان
اپنے قتل عام کے لیے اس قدر منظم ہو چکے ہیں اگر اتفاقاً بھی کسی بات
پر پنجاب میں فساد ہو گیا تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی اور اس فساد
کو مدت تک کوئی طاقت نہ روک سکے گی۔ میں نے کہا کہ پنجاب کے
مسلم لیگی لیڈر آپ کو پنجاب کے صحیح حالات سے باخبر نہیں رکھیں گے۔
میرا یقین ہے کہ اگر پنجاب میں فساد ہو گیا۔ تو پنجاب کے مسلم لیگی
لیڈر سب سے پہلے میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ پندرہ منٹ
تک مسٹر جناح سے بات ہوتی رہی۔ وہ پنجاب کے سیاسی حالات
سن کر بہت متاثر ہوئے۔ آخر میں قائد اعظم فرمانے لگے کہ اگر آپ
کے والد جیل سے آ جائیں تو ان سے میری طرف سے کہنا کہ وہ جولائی
کو مجھ سے دہلی میں ملیں ساتھ ہی اپنے کارڈ پر اپنا نام لکھ کر دے دیا
تاکہ ملاقات میں دقت نہ ہو۔

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"اس ملاقات کے دوران مجھے یہ احساس ہوا کہ میرے والد مولانا حبیب الرحمٰن کے مسٹر جناح پر بہت اثرات ہیں۔ قائداعظم کا ۱۰ر جولائی کو ملاقات کا وقت دینا بھی کوئی اہمیت رکھتا تھا میں نے والد صاحب سے رہائی کے بعد شملہ پہنچ کر اس واقعہ کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جناح صاحب مدت سے مجھے شکار کرنے کی فکر میں ہیں یہ کہہ کر باقی تمام باتوں کو ٹال دیا۔" (صفحہ ۲۵۵ تا ۲۵۶)

اب وہ خط و کتابت جو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے گاندھی و نہرو سے کی ملاحظہ فرمایئے۔

حبیب گاندھی خط و کتابت

حبیب روڈ شفاعت منزل لدھیانہ
۱۴ر اگست ۱۹۴۵ء

محترمی مہاتماجی۔ خدا آپ کو سلامت رکھے جن دعاؤں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا وہ دوسرے پرچہ میں ارسال ہیں۔

کل آپ کا بیان پڑھا۔ آپ مسٹر جناح کو پھر پاکستان دینے کو تیار ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو جناح صاحب سے گجراتی ہموطن ہونے کی وجہ سے بہت محبت ہے۔ اس لیے آپ ان کو بھول نہیں سکتے اور ہمیشہ ان کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی غلط ہوں۔ آپ کے اس شریفانہ طریقہ کار نے رجعت پسند طاقتوں کو مضبوط کر دیا۔

جب سے پاکستان کا ریزولیشن مسلم لیگ نے منظور کیا ہے اُسی وقت سے آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر مسلمان چاہیں تو ان کو

پاکستان دیا جائے گا۔ میں اسی وقت سے آپ کے ان فقروں کا یہ مطلب خیال کرتا ہوں (یقین نہیں) آپ چاہتے ہیں کہ مسلمان صوبے الگ ہو جائیں اور ہندوستان صوبوں کی گورنمنٹ بن سکے "تاکہ مسلمانوں کے مطالبات کا سلسلہ ختم ہو جائے، حالات کی مجبوری نے آپ کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے۔ خدائے پاک ہم سب کو ٹھیک سوچنے اور سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اخبار کا کٹنگ بھی آپ کو بھیج رہا ہوں۔" (حبیب الرحمن صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۶)

پنڈت جواہر لعل نہرو کو مولانا لکھتے ہیں:۔

حبیب روڈ شفاعت منزل لدھیانہ

۲۳ راگست ۱۹۴۵ء

محترم پنڈت جی!

تسلیم۔ آپ نے اپنی کتاب "میری کہانی" میں لکھا ہے کہ نیشنلسٹ مسلمان آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔ مگر آپ نے کبھی غور کیا کہ ان کو کس نے ختم کیا۔ میرے نزدیک جیسا تم گاندھی اور آپ نے سب سے زیادہ خدمت انجام دی ہے۔ اور راجہ جی نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ آپ نے مسلم لیگ اور رجعت پسند طاقتوں کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھ کر ہمیشہ ان سے بات چیت کی اور مسلم لیگیوں کی پارٹیوں میں شامل ہوئے جس کی بنا پر عام مسلمان اور حکومت یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ مسلمانوں کی نمائندہ مسلم لیگ ہے۔ جمعیۃ علماء، مجلس احرار اور آزاد خیال مسلمان نہیں ہیں۔ حافظ ابراہیم صاحب کے الیکشن میں آپ نے ہم لوگوں کو بلوایا اور کامیابی کے بعد نواب اسمٰعیل خان کے جواب میں آپ نے لکھا کہ انتخاب میں جو سخت کلامی یا بدزبانی ہوئی ہے وہ احرار

اور جمعیۃ علماء کے کارکنوں کی ہے گویا یہ کانگریس کی خدمت کرنے کا انعام تھا جو آپ نے ہمیں دیا تھا۔ اسی طرح جب لکھنؤ کانگریس کے مشورے سے حافظ ابراہیم کا جلوس کامیاب کرانے کے لیے احرار والنٹیئر اور کارکن جس میں میں بھی شریک تھا کام پر گئے تو وہاں مسلم لیگ کی طرف سے حافظ ابراہیم کے جلوس پر پتھروں کی بارش اور لاٹھیاں برسائی گئیں اور حالات یہ ہو گئے کہ حافظ صاحب اور میں شاید قتل ہو جاتے تب احرار والنٹیئروں نے حافظ صاحب اور میری جان بچائی اور وہ خوب پٹے۔ زخمی ہوئے مگر ہوا یہ کہ احرار والنٹیئر گرفتار ہوئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کانپور نے بیان دیا کہ احرار لیگ کا فساد ہو گیا اس طرح گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ لیگی والنٹیئروں کی ضمانت اسی دن لے لی گئی اور احرار کی آٹھ دن بعد۔ اس قسم کی دس بارہ مثالیں صرف یو۔ پی گورنمنٹ کی آپ کو بتا سکتا ہوں۔

شملے میں تو آپ نے مسلم لیگ کو صرف پانچ سیٹیں دینا منظور نہ کیں۔ مگر وارن صاحب کرکٹا تماشی ہی نے یہ بیان دے دیا کہ پاکستان کی پیش کش ابھی تک منظور ہے۔ اس کہنے کا شملہ کانفرنس کے بعد مطلب ہے کہ کانگریس کے ہندو لیڈر پاکستان دینے کو تیار ہیں اور اگر مخالف ہیں تو حبیب الرحمٰن سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک۔ آپ کشمیر پہنچتے ہی نواب ممدوٹ صدر مسلم لیگ پنجاب اور نواب دولتانہ سیکرٹری مسلم لیگ پنجاب کی دعوت پر آپ مسلم لیگ کی پارٹی یعنی عصرانہ میں شامل ہوئے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مولانا آزاد پر کشمیر میں جوتوں اور پتھروں کی بارش کرائی ان کو آپ نے عزت بخشی۔ آپ نے ان کے

اس کہنے کو تیار کر دیا کہ کانگریس کے ہندو لیڈروں کی پوری عظمت مسلم لیگیوں کے دل میں ہے۔ البتہ کانگریسی مسلمانوں کے لیے ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں۔ سیکڑوں مسلمان میرے دوست یہ کہتے ہیں کہ جب پنڈت جواہر لال نہرو اور گاندھی جی لیگی لیڈروں کی عزت کرتے ہیں تو احرار جمعیۃ علماء اور آزاد خیال مسلمان ان کے کیوں خلاف ہیں۔ مسلم لیگی دوست اس کہنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ سمجھوتے کے وقت آزاد خیال مسلم جماعتوں کو پنڈت نہرو بھی انھیں پوچھتے آپ میاں افتخار الدین کے یہاں ٹھہریں گے جو کمیونسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم لیگی بھی ہیں اور شاید انھیں کے کہنے پر مسلم لیگ کی پارٹی میں آپ شامل ہوگئے تھے اس طریقۂ کار نے کانگریس اور ملک کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔

پنڈت جی آپ جانتے ہیں کہ ہمیں کانگریس یا آپ لوگوں سے نہ لالچ ہے نہ کوئی غرض جو مسلمان آج ہمارے مخالف ہیں۔ وہ ہمارے پاؤں چومتے تھے۔ اب بھی ہماری عزت کرنے کو تیار ہیں۔ ان کا ہم سے صرف ایک مطالبہ ہے کہ کانگریس کے معاملہ میں خاموش ہو جائیں۔ ہم نے آج تک کانگریس کا ساتھ دیا ہے۔ وہ ہندوستان کی آزادی اور ملک کی عزت کے لیے۔

ہم نے ملک کی آزادی کی محبت میں عزت آبرو۔ مال سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ کاش کانگریسی لیڈروں کے دل میں اس کا احساس ہوتا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا ہمارے ساتھ طریقہ کار ایک سیاست دان کا سا ہے ایک محب وطن کا نہیں ہے آپ میاں افتخار الدین قسم کے مسلمانوں کے دوست ہیں جو خود لیگ

مسلم لیگی ہیں آپ کا یہ حال ہے کہ مسلم لیگی لیڈروں سے بغیر ملے چل نہیں سکتے۔

جب ملک خضر حیات نے پنجاب میں مسٹر جناح اور مسلم لیگ کو ختم کر دیا تو گاندھی جی نے بھائی جناح لکھ کر مسلم لیگ کو زندہ کر دیا۔ اگر ملک کی آزادی کی محبت ہمارے دل میں نہ ہوتو سچ کہتا ہوں کہ آپ کا طرز عمل ایک منٹ کے لیے بھی کانگریس میں کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ کا فرض تو یہ تھا کہ پنجاب کا کوئی مسلم لیگی لیڈر آپ کے پاس آتا تو آپ اس سے کہتے کہ جو بات کرنی ہو وہ مولانا داؤد غزنوی اور حبیب الرحمٰن سے جا کر کرو۔ اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو آج آپ کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا کہ کانگریس میں تلاش کرنے سے بھی مسلمان نہیں ملتا۔"

آپ کا مخلص

حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۱۴ اگست ۱۹۴۵ء

صفحہ ۲۶۵ تا ۲۶۷

WWW.NAFSEISLAM.COM

یہ خط بھی حاضر خدمت ہے۔ جو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب مولانا ابوالکلام آزاد کو لکھتے ہیں:۔

حبیب روڈ شفاعت منزل

۳۱ ردسمبر ۱۹۴۵ء

سیدی و مولائی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

۲۸ ردسمبر کو سیٹیں ریزرو نہ ہو سکیں اس لیے سفر نہ کر سکا ۲۹ ردسمبر کو اس لیے روانہ نہ ہو سکا کہ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ میں تک کلکتہ ٹھہروں گا۔ اگرچہ میری طبیعت خراب ہے اور سفر کے قابل

نہیں ہوں مگر حالات کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں مہربانی فرما کر مجھے مطلع فرمائیں۔

آپ کے ارشاد کے مطابق پنجاب میں کہیں بھی احرار نے کانگریس کے امیدوار کا مقابلہ نہیں ہو رہا تھا قصور کے حلقے سے احرار نے اپنا امیدوار بٹھا لیا اگرچہ ان کو یقین تھا کہ ہمارا امیدوار کامیاب ہوگا۔ اب مولانا عبدالغفار صاحب غزنوی اس حلقے سے کانگریس کے امیدوار ہیں تمام مل کر ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں لاہور کے سول حلقے سے میاں محمد رفیق صاحب احرار امیدوار اور ان کے مقابلے میں میاں عبدالعزیز بیرسٹر امیدوار تھے۔ بابو محمد دین مزنگ کے رہنے والے پرانے مشہور کانگریسی نے لاہور کے اسی حلقہ سے بطور سیکنڈ امیدوار درخواست دی تھی۔ اتفاقاً میاں عبدالعزیز صاحب کی درخواست مسترد ہو گئی۔ اس وقت بابو محمد دین نے وعدہ کیا کہ وہ میاں رفیق صاحب احرار امیدوار کے حق میں درخواست واپس لے لے گا۔ اب حالت یہ ہے کہ کبھی کوئی شخص ان کی طرف سے اعلان کر دیتا ہے کہ انھوں نے لیگ کا ٹکٹ لے لیا ہے۔ لالہ کدارناتھ صاحب سہگل (ایم۔ ایل۔ اے) نے بیان دیا ہے کہ بابو محمد دین صاحب بدستور کانگریسی ہیں۔ اب مجھے بابو محمد دین کہتے ہیں کہ اگر حضرت مولانا ابوالکلام مجھے حکم دیں تو میں بیٹھ جاؤں گا ان کی کامیابی کی وہاں کوئی امید نہیں اول تو ضمانت ضبط ہوگی اور ہار جانا تو یقینی ہے مہربانی فرما کر بہت جلد اس بارے میں بذریعہ تار بابو محمد دین صاحب کو آپ حکم لکھیں کہ وہ بیٹھ جائیں۔ ان کے بیٹھنے کا حکم معرفت مولانا داؤد غزنوی دیں۔ والسلام۔

(حبیب الرحمٰن)

اب مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی کے ۲۹ مارچ ۱۹۴۶ء کے اجلاس لاہور کی قرارداد جو پاکستان کے خلاف منظور کی گئی۔ ملاحظہ فرمائیے :-

پاکستان کے خلاف تجویز کی منظوری

آج ورکنگ کمیٹی نے تین دن کی تفصیلی بحث و تمحیص کے بعد حضرت شاہ صاحب کی پاکستان کے خلاف تجویز متفقہ طور پر منظور کر لی جس میں مولانا مظہر علی صاحب اظہر کی ایک ترمیم جناح صاحب کی طرف سے کیے گئے اعلان سکستان کے سلسلے میں تجویز میں شامل کر دی گئی۔ اس کمیٹی کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ ممبران کمیٹی کے سامنے ایسے ایسے نئے حالات اور واقعات بھی آ گئے جس سے بہت سے ممبران کمیٹی ابھی تک نا آشنا تھے شاہ صاحب کی تجویز کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

پاکستان کے خلاف تجویز

(الف) آل انڈیا مجلس احرار اسلام کی ورکنگ کمیٹی کا یہ اجلاس موجودہ اہم سیاسی مسائل کے متعلق ایک بار پھر اپنی پوزیشن واضح اور غیر مبہم طور پر ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

(ب) جہاں تک مسلم لیگ کے نظریۂ پاکستان کا تعلق ہے مجلس عاملہ کسی صورت میں بھی اس سے اتفاق نہیں کر سکتی۔ ہم تقسیم ہند کے نظریہ کا تجزیہ محض اقتصادی اور معاشرتی اصولوں پر نہیں کرتے۔ پاکستان کے قبول کرنے کا مطلب ملت اسلامیہ ہندیہ کو تین مختلف حصوں میں منتشر کرنا ہوگا۔ (پنجاب کا نامکمل صوبہ) سرحد سندھ اور بلوچستان ہندوستان کے ایک سرے پر اور بالکل دوسرے

صوبے پر مشرقی بنگال اور آسام کے کچھ اضلاع کو پاکستان بتایا جاتا ہے۔ ملت اسلامیہ ان دو منطقوں میں ہی بٹ کر نہیں رہے گی۔ بلکہ اس سے ایک قابل قدر حصے پر ہندوستان میں دوامی غلامی مسلط رہے گی۔ ان دو پاکستانی ریاستوں میں مؤثر غیر مسلم اقلیتیں موجود رہیں گی۔ نیز پاکستان کی یہ دونوں ریاستیں جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے کی کسی بیرونی حملے کے وقت امداد نہیں کر سکیں گی اور ان دو ریاستوں کے درمیان ہندوؤں کی دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سونپ دی جائے گی جس میں مسلم اقلیت کی پوزیشن حد درجہ غیر مؤثر رہے گی۔ مزید برآں اب مسٹر جناح نے نوابزادہ لیاقت علی خان کے نظریہ کو اپنا لیا ہے۔ اور سکھوں کا علیحدہ سلطنت بنانے کا حق تسلیم کرکے پنجاب میں جمنا سے لے کر راوی بلکہ چناب تک کا علاقہ مغربی پاکستان سے علیحدہ ہونا درست قرار دے دیا ہے۔ اس روش کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بنگال اور آسام کے صوبوں کی بھی اسی طرح قطع و برید ہو جس سے مغربی پاکستان کی طرح مشرقی پاکستان بھی پہلے سے زیادہ بے وقعت اور اقتصادی لحاظ سے بے حال ہو جائے گا۔ ان ٹھوس حقیقتوں کے بعد کوئی ذی شعور جماعت جو مسلمانوں کے تحفظ حقوق کا دعویٰ کرتی ہو اس مہلک نظریہ سے متفق نہیں ہو سکتی۔ مسلم لیگ ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتی آئی ہے۔ پاکستان کا حربہ انتخابات میں کامیابی کے حصول کے لیے استعمال کیا گیا۔ مسلم لیگ میں شمولیت اور عدم شمولیت پر اسلام اور کفر کا مدار رکھا گیا اور تمام اوچھے ہتھیاروں سے لیگ میدان میں اتری۔

مجلس عاملہ اس حقیقت کا اعلان کرنا ضروری سمجھتی ہے کہ یہ

تمام اختلافات آئینی و اخلاقی سرگرمیاں اور محدود حق رائے دہندگی مسلم لیگ کی وقتی کامیابی کی ضامن ہوئیں مسلم لیگ کی قیادت مسلمانوں کو ایک غیر منظم قوم اور بے لگام گروہ کی حیثیت دینا چاہتی ہے۔ یہ اجلاس ایک بار پھر یہ اعلان کرتا ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت قطعی غیر اسلامی ہے۔ اس کا عمل آج تک ملت اسلامیہ کے مفاد کے منافی رہا ہے۔ مرکزی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں اسلامی قوانین کی مخالفت اس کا مستقل شعار ہے۔

اس لیے مسلمان سیاسی، مذہبی، تمدنی، رہنمائی کی توقع مسلم لیگ کی غیر اسلامی قیادت سے نہیں کر سکتے ۔۔۔ اور مسلم لیگ کے کسی فیصلہ کو اسلامی ہند کا فیصلہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

(صفحہ ۲۸۳ تا ۲۸۵ از رئیس الاحرار)

اس مقام پر احرار اور جماعت مودودیہ ایک نظر آتی ہے۔ دونوں ہی مسلم لیگی قیادت کو "غیر اسلامی قیادت" قرار دیتی ہیں۔

اب مجلس احرار اسلام کی ورکنگ کمیٹی کے خیالات مختلف ممبران نے جن کا اظہار کیا پڑھیئے۔

ورکنگ کمیٹی کے ممبران کی عام گفتگو میں حسب ذیل ہیں:۔

"میں صرف کسی آئینی سمجھوتے میں ہندوستان کی نجات نہیں سمجھتا اور نہ ہی میرے نزدیک الیکشن کی جیت میں ملکی اور ملی کوئی نفع ہے میں تو بس ہندوستان میں انگریز سے ایک ایسی لڑائی دیکھنے اور لڑنے کا مشتاق ہوں جس میں گھر بار تباہ و برباد کرکے پھانسیاں لگنے کا پروگرام ہو۔ جس میں یہ پروگرام آزادی ہند کے مسئلہ کا حل کر سکتا ہے اس لیے ۔۔۔ جماعت کو الیکشن نہ لڑنا چاہیئے۔ بلکہ کوئی ٹھوس کام اور پروگرام سامنے رکھا جائے۔

پاکستان کے بارے میں پورے تین مہینے تک پنجاب میں، میں نے جس جگہ بھی تقریریں کی ہیں پاکستان کو مسلمانانِ ہندوستان کے لیے مہلک بلکہ ہلاکت آفریں اور خلاکت خیز بتایا ہے اور دلائل سے یہ باتیں ثابت کی ہیں۔ میری سمجھ میں پاکستان کے حق میں کوئی دلیل بھی تو نہیں آئی۔۔ اس وقت قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہے میں نہیں کہتا کہ میری ہی رائے مان لی جائے سب ہی کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے اور اگر کسی کے پاس میرے دلائل کے خلاف کوئی واضح اور ٹھوس دلائل ہوں تو مجھے اپنی تجویز پر اب بھی اصرار نہیں ہے۔"

(سید عطاء اللہ شاہ بخاری)

"میری سمجھ میں اگر پاکستان آ بھی جائے تو میں فوراً لیگ میں چلا جاؤں لیکن میں پاکستان قبول کرنے میں مسلمانانِ ہند کی ذلت آمیز موت دیکھ رہا ہوں۔" (مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی)

"میری رائے میں جب تک ہندوستان کی اینٹی لیگ جماعتیں کی کسی آئینی تجویز کو کانگریس ورکنگ کمیٹی منظور نہ کرے اس وقت تک تجویز کی نشر و اشاعت بے معنی چیز ہے۔"

(مولانا مظہر علی اظہر)

"میں سمجھتا ہوں کہ مولانا ابو الکلام آزاد سے سب سے پہلے گفتگو کی جائے، اور مجلس احرار الاسلام کی باگ ڈور انھیں کے ہاتھ میں دے کر اس وقت ان کے ہاتھ زیادہ سے زیادہ مضبوط کیے جائیں۔"

(صفحہ ۲۸۷)

آصف صاحب کا مشورہ

"آصف صاحب نے فرمایا:" کہ اس وقت یقیناً اپنی جماعت کو ایک

بن جانی چاہیے اس کا کیا نام ہو۔ اس کا فیصلہ سب ہی لوگ مل کر سکتے ہیں لیکن انتخابات میں ضروری ہے کہ جو لوگ اینٹی لیگ جماعت میں شامل ہوں خواہ وہ کسی وجہ سے شامل ہوئے ہوں انھیں پاکستان سے قطعی مخالفت کا اظہار کرنا چاہیے۔۔۔۔۔ یہ بہت ہی غلط بات ہے کہ ایک شخص پاکستان کو مانے اور لیگ کو نہ مانے۔ اسی چیز نے خضر حیات کو پنجاب میں شکست دلائی ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے فرمایا کہ میری اور میرے ساتھیوں کی یہ قطعی رائے ہے کہ نظریہ پاکستان کی مخالفت کی جائے۔ آصف صاحب نے فرمایا کہ شکست مسلم لیگ کی مرکزی لیڈرشپ نہیں بلکہ جس پر تمام [illegible] کریں گے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی رائے

اس پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ یہی بات کل ہی مولانا احمد سعید صاحب سے کہہ چکا ہوں اس چیز کو اپنے لفظوں میں اس طرح کہتا ہوں کہ کانگریس میں گاندھی جی اور مسلم لیگ میں مسٹر جناح ہیں لیکن ہندوستان کے آزاد خیال مسلمانوں میں کوئی ایسا لیڈر نہیں ہے جو سب کو اکٹھا کرکے مسلم سیاست کو چلائے گے۔

آصف صاحب کی رائے

آصف صاحب نے فرمایا کہ "اب ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاست مسٹر جناح کے قبضے سے باہر ہو چکی ہے۔ اس لیے وہ اب کوئی صحیح بات نہیں کہہ سکتے۔ عام ہندوستان کے سیاسی حلقے اب انھیں پوچھتے تک نہیں، اور نہ اب ان کو کوئی پوچھے گا۔ خواہ وہ کتنی ہی دل خوش کن باتیں کریں۔"

(صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۰)

اب گاندھی جی سے ملاقات کا ذکر پڑھیے:۔

گاندھی جی سے ملاقات

"احرار رہنماؤں کے قیام دہلی کے دوران میں راقم الحروف (عزیز الرحمٰن) نے برادرم شورش کاشمیری۔ نواب زادہ نصراللہ خاں کو گاندھی جی سے وقت طے کر دیا۔ اس ملاقات میں شورش کاشمیری نے گاندھی جی سے سوال کیا کہ آپ کی مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق کیا رائے ہے۔ مہاتما گاندھی نے اس کے جواب میں کہا کہ تاریخ اور مذاہب عالم کے سلسلے میں جو معلومات اور علم و فکر مولانا آزاد کو حاصل ہے، میری نظر میں کسی دوسرے کو اتنا عبور حاصل نہیں۔ سیاسی حالات میں بھی مولانا کی رائے جچی تُلی اور فیصلہ کن رائے ہوتی ہے۔ مولانا آزاد جو زبان بولتے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ مہاتما گاندھی نے فرمایا کہ مولانا صاحب جو زبان بولتے ہیں میں اس کو ہندوستانی زبان سمجھتا ہوں۔ ایک اور سوال کے جواب میں مہاتما جی نے فرمایا کہ پنجاب کی کانگریسی سیاست تو میری سمجھ سے باہر ہے۔ پنجاب کے کانگریسی رنگ کچھ ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو پریشانی کا سبب بن جاتی ہیں۔ مہاتما جی سے یہ ملاقات کوئی پونے گھنٹے تک جاری رہی اور گاندھی جی نے ہم سب کو اپنی دعا کے ساتھ رخصت کیا۔" (صفحہ ۲۹۷ ، تذکرہ رئیس الاحرار)

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح کو لدھیانہ شہر پر ہزاروں قومی جھنڈے لہرائے گئے اور خصوصیت سے مسلمانوں کے محلے اس قدر سجائے گئے تھے کہ مسلمانوں نے اتنی سجاوٹ کبھی عید کے تہوار میں بھی نہ کی تھی۔ لوگوں نے اطمینان و خوشی کا لطف اٹھایا اور مسلمانان لدھیانہ نے یہ سمجھا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے علماء لدھیانہ نے جو جدوجہد

آزادی شروع کی تھی وہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو کامیابی سے جیت لی گئی۔ اس موقع پر مولانا علی محمد پاسلوی مشہور کانگریسی ورکر نے ایک سو صفحہ کی کتاب شائع کی۔ اس کتاب کا نام تھا "جنگ آزادی کی تحریک میں مسلمانان لدھیانہ کا حصہ"۔ یہ کتاب لدھیانہ میں تقسیم ہوئی۔ ۱۵ اگست کو رمضان المبارک کا آخری جمعہ تھا اس موقع پر شاہی مسجد لدھیانہ اندرون میونسپل کمیٹی باغ ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا اس جلسہ میں حاضرین کی تعداد دو لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ جلسے کے شروع میں لدھیانہ کے ایک انقلابی شاعر مسٹر فضل حق (گھڑی ساز) نے حسب ذیل نظم پڑھی۔ جس پر لاکھوں آدمیوں نے داد دی۔ نظم یہ ہے:-

آج سے اپنا راج بنے گا — آج وطن آزاد ہوا ہے
آؤ منائیں جشن مسرت — پھر سے گھر آباد ہوا ہے
آج حقیقی عیش ملا ہے — آج ہر اک دل شاد ہوا ہے
آج سے اپنا راج چلے گا — آج وطن آزاد ہوا ہے
پا ہی گئے ہم اپنی منزل — پورے ہوئے سب دل کے ارمان
جیت گئے ہم جنگ کی بازی — ٹوٹ گئے باطل کے ارادے
آج سے اپنا راج چلے گا — آج وطن آزاد ہوا ہے
ہم کیا ہیں دنیا کو بتائیں — اپنے وطن کی شان بڑھائیں
ظلم وستم کو آؤ مٹائیں — مہر و وفا کا دیپ جلائیں
آج سے اپنا راج چلے گا — آج وطن آزاد ہوا ہے
ہر ٹہنی پر پھول ہے اپنا — اپنی ہی گلشن کی بہاریں
روپ نیا کلیوں کو دے کر — حسن چمن کو اور نکھاریں
آج سے اپنا راج چلے گا — آج وطن آزاد ہوا ہے

اس نظم کے بعد رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے "برکات آزادی" کے عنوان پر دو گھنٹے تقریر کی اور لوگوں کو پیغام دیا کہ وطن کی آزادی کی حفاظت میں آج سے کمربستہ ہو جائیں کیونکہ آزادی حاصل کرنے سے کہیں زیادہ آزادی کی حفاظت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ آزاد ہندوستان میں ہمیں شریف شہریوں کی طرح رہنا چاہیئے۔ اگر ہندوستان کے لوگ آپس میں لڑ پڑے اور یہاں سول وار ہو گئی تو ہماری آزادی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکے گی۔ انگریز اب بھی ہماری تاک میں ہے۔ انگریز کا جسم یہاں سے چلا گیا ہے مگر اس کی روح ابھی تک یہاں موجود ہے ایسا نہ ہو کہ ہم انگریز کے روحانی اشاروں پر ناچنے لگیں اور آزادی کا یہ دن خواب پریشان ہو کر رہ جائے۔

(صفحہ ۳۰۰ تا ۳۰۱ از رئیس الاحرار)

اقتباس ملاحظہ ہو۔

ڈاکٹر گوپی چند کا سلوک

"بہ لفظ آدمی کی خانہ ویرانی سے کیا کم ہے ۔۔۔ ہوئے تم دوست جس کے اُس کا دشمن آسماں کیوں ہو"

انہیں دنوں ڈاکٹر گوپی چند بحیثیت وزیر اعلیٰ پنجاب کے لدھیانہ تشریف لائے، اور ریسٹ ہاؤس میں قیام کیا۔ ان سے مذکورہ لوگوں پر مشتمل وفد ملا۔ ڈاکٹر گوپی چند جو ایک مدت سے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کے دوست تھے۔ ایسی آنکھیں بدلیں کہ بات تک کرنا گوارا نہ کی دوست کے بجائے اس وقت ایک منتقم وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے ملے، پرانی دوستی اور انسانیت کے تمام رشتوں کو بالائے طاق رکھ

کر وفد کو ریسٹ ہاؤس میں چھوڑ کر اپنی موٹر میں بیٹھ کر چل دیے ریسٹ ہاؤس کے باہر ہزاروں ریفیوجیوں کا مجمع تھا۔ جو مسلح تھے اس چھوٹے سے وفد میں مسلمانوں کو دیکھ کر ریفیوجیوں کا مجمع اور مشتعل ہو گیا جب رئیس الاحرار ان کے ساتھی ریسٹ ہاؤس سے باہر نکلے تو ایک پولیس افسر نے جو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی دل سے عزت کرتا تھا طنزیہ یہ بات کہی۔

"مولانا صاحب! دیکھ لیا آپ نے اپنے پرانے دوستوں سے وزیر اعلیٰ کا سلوک، کہ آپ لوگوں کو قتل کے میدان میں قتل ہونے کے لیے چھوڑ کر چل دیے۔ اب ہم جیسے سرکاری افسروں کا ایمان بھی آزمائیے۔ ہم آپ کو گھر تک سلامتی کے ساتھ چھوڑ کر آئیں گے مولانا صاحب نے اس پر کہا کہ "ہاں بھائی ایمان تو میدان جنگ اور میدان قتل ہی میں ہی آزمایا جاتا ہے"۔

جب ۱۵ اگست کے بعد لدھیانہ کے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا تو پھر ان کی حفاظت کے انتظامات کے لیے ایک وفد ترتیب دیا کہ وہ سردار عبدالرب نشتر اور سردار بلدیو سنگھ منسٹر ان پاک و ہند سے جو سلامتی کے مشن پر لدھیانہ آئے تھے ملاقات کرے۔ اس وفد کے ارکان (۱) رئیس الاحرار مفتی نعیم۔ خواجہ محمد اعظم خواجہ محمد یوسف۔ لالہ گرو داس صاحب صدر سٹی کانگریس۔ لالہ بلونت رائے وکیل ممبر سٹی کانگریس۔ بابو بچن سنگھ صاحب ممبر آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ مفتی ضیاء الحسن صاحب۔

یہی حضرات ڈاکٹر گوپی چند وزیر اعلیٰ پنجاب سے ملاقات کے لیے گئے۔

آگے چلیے:-

مولانا عبدالغنی ڈار ممبر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی تلاش"

لدھیانہ شہر کا کانگریسی فسادی عنصر جنگ سبھائی، مہا سبھائی اور ایسے تمام سرکاری افسر جو کہ مولانا عبدالغنی کی حق گوئی اور بے باکی سے ناراض تھے، وہ سب لوگ مولانا عبدالغنی کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ یہ اگر کہیں مل جائیں تو لدھیانہ میں انھیں سب سے پہلے قتل کر کے قتل کا آغاز کیا جائے۔ لیکن مولانا عبدالغنی اپنے نیک دل ہندو، سکھ، مسلمان ساتھیوں کی مدد سے بچے رہے اور جب کوئی چارہ کار ان کے بچانے کا نظر نہ آیا تو پاکستانی فوج کے ایک ٹرک میں انھیں سوار کر کے لاہور بھیج دیا گیا۔ ۵ ستمبر کو مولانا عبدالغنی ڈار کی شکل و شباہت کا ایک مسلمان شہید کیا گیا اور اس کی شہادت پر لدھیانہ کے مقامی اخباروں نے یہ خبریں شائع کیں کہ مولانا عبدالغنی کو ٹھکانے لگا کر ہمیشہ کے لیے راستے صاف کر دئے گئے۔ اس طرح آزادیٔ ہند کے ایک بہادر سپاہی اور کانگریس کے پرانے رکن کے ساتھ سلوک کیا جا رہا تھا۔"

(صفحہ ۳۰۳ و ۳۰۴ - از رئیس الاحرار)

اب مولانا عبدالغنی ڈار کے خطوط ملاحظہ فرمایئے:-

مولانا عبدالغنی ڈارؒ کے خطوط

فسادات پنجاب کے سلسلے میں مولانا عبدالغنی ڈار نے مولانا آزاد، گاندھی جی اور پنڈت جواہر لعل نہرو کو بہت سے خطوط لکھے۔ ایک خط گاندھی جی کے نام جس کا اقتباس درج کیا جاتا ہے:-

مہاتما جی بندے ماترم!

عرصہ ہوا کہ ایک پتر بھیجا گیا تھا جواب نہ ملا۔ آپ کی گونا گوں مصروفیتوں کے کارن میں نے خاموشی میں بھلائی دیکھی لیکن اس موقع پر خاموشی سب سے بڑا جرم ہوگا۔ لہٰذا آپ کو یاد کر رہا ہوں۔

میں نے اس موقعہ پر ڈاکٹر صاحب (مراد وزیر اعلیٰ ڈاکٹر گوپی چند) اور تمام کانگریسی ممبروں کو چیتاونی دی کہ رہا منی تو از ن کھو کر صوبے کے امن کو برباد نہ کیجئے۔ جوش میں اپنے سدھانتوں کو اپنے ہاتھوں فنا نہ کیجئے۔ کانگریسی کو ہندو۔ سکھ محاذ میں بدل کر قوم پرست کانگریسی، احراری یا جمعیۃ العلماء ہند کے ماننے والے مسلمانوں کی جو کانگریس کے ساتھی ہیں اور متحدہ ہندوستان کے حامی ان کی پوزیشن تباہ نہ کیجئے۔ لیکن میری کمزور آواز ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں کے دلوں میں جگہ نہ پاسکی حتیٰ کہ زنبیر سنگھ ایم۔ ایل۔ اے۔ پابو بچن سنگھ ایم۔ ایل۔ اے جی شستوری ایم۔ ایل۔ اے۔ لالہ کیدار ناتھ سہگل اور مولانا یٰسین نے بھی درد مندانہ اپیل کی جو اکارت گئی۔ (صفحہ ۴-۳۰ ورقہ ۳-۵-۱۰ زندگیں الاحرار)

دوسرا خط پنڈت جواہر لعل نہرو کے نام جو مولانا عبدالغنی ڈار نے لکھا ملاحظہ فرمائیے:۔

"بخدمت پنڈت جواہر لعل نہرو۔

آپ کی نیک کوششوں کے لیے ہر انسان نیک جذبات و احساسات رکھتا ہے لیکن حالات کی پیچیدگی اور وحشت و بربریت کی انتہا اس درجہ خوفناک ہے کہ اس میں تبدیلی لانے کے لیے کہیں زیادہ سرگرمی اور عمل درکار ہے۔ مہاتما جی آپ مولانا آزاد۔ راجہ غضنفر علی۔ نواب زادہ لیاقت علی مسٹر سہروردی کی آرزوئیں کبھی پوری ہو سکتی ہیں۔ جب مشرقی اور مغربی پنجاب میں حقیقی امن ہو۔ قانون اور ضبط کا دور دورہ ہو۔ آپ ایک

طرف وہ یہیں کامیاب ہو سکے ہیں تو ادھر پھر سے اکالیوں اور ریاستیوں کے حیوانی صفت سپاہیوں نے بے گناہ اور نہتے محصورین کا قتل شروع کر دیا ہے۔ پتہ چلا ہے۔ کہ پٹیالہ کے تسلیم شدہ گورنمنٹ ریفیوجی کیمپ پر حملہ کر دیا گیا ہے۔ دنیا میں شاید اس قسم کی مثال ملنی مشکل ہو۔ کانگریس جس نے ہمیشہ جمہوریت اور متحدہ قومیت کا راگ الاپا ہے۔ اس کی حکومت میں اکالیوں کی اس قدر غنڈہ گردی کیوں کر برداشت کی جا سکتی ہے اگر اس غنڈہ گردی کا تدارک نہ کیا گیا تو یقیناً انڈین گورنمنٹ دنیا میں اس قدر بدنام ہوگی کہ جس کے لیے شاید ہم زندگی بھر ماتم کرتے رہیں گے۔"

(داؤد غزنوی الاحرار)

ہم نے اپنے قارئین سے عرض کیا تھا کہ موزوں و مناسب مقام پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے فرزند عزیز الرحمٰن جامعی کی کتاب "رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندوستان کی جنگ" پر تنقید و تبصرہ کریں گے۔ اب حضرت مولانا ظفر علی خان کی ایک نظم "لدھیانہ" پیش خدمت کی جاتی ہے اور اس کے بعد تبصرہ۔ ہم نے اس کتاب کے بارے میں یہی سوچا کہ ایک ایک شق یا اقتباس پر دلائل زنی کرنے کی بجائے جس جس مقام پر کچھ کہنا درکار ہے۔ سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ چونکہ مولانا کی نظم بھی ہماری گذارشات کی تائید و حمایت میں ہے۔ لہٰذا تبرکاً پہلے اسے درج کیا جاتا ہے۔ مقصد یہ بھی ہے کہ کانگریسی مولاناؤں اور ان کا انداز فکر کتنا مختلف ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:-

لدھیانہ

سنتا ہوں مرکز علماء لدھیانہ ہے   جس کی گلی گلی میں ضیں کا فسانہ ہے

لیکن یہ کیا کہ نغمۂ توحید کی بجائے
ان کی زباں پہ برہمنوں کا ترانہ ہے

گر بام خانہ ہے تو کلس سومنات کا
اور ہر دوار ان کے لیے صحن خانہ ہے

ہیں سیم و زر سے مصلحتیں ان کو کر چکا
جن کا کفیل گاندھویوں کا خزانہ ہے

صورت تو مومنانہ ہے بیشک حضور کی
سیرت کا گوشہ گوشہ مگر مہنتانہ ہے

بڑھنے لگی جناب مسلمان سے رسم و راہ
شدھی کا ہو نہ ہو یہ نیا شاخسانہ ہے

کیوں کی شان غیر پر اس کو جھکاؤں میں
یارب یہ سر ہے اور ترا آستانہ ہے

اے برق کیا مجھے تری چشمک زنی سے خوف
برتر ز شاخ سدرہ مرا آشیانہ ہے

جب ہم محمدؐ عربی کے غلام ہیں
کیا غم اگر خلاف ہمارے زمانہ ہے

(۲۶ جولائی ۱۹۳۶ء از مولانا ظفر علی خانؒ)

حضرات! اب تنقید و تبصرہ ملاحظہ فرمائیں :-

اس کتاب رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندستان کی جنگ کا انتساب مولانا عزیز الرحمٰن جامعی صاحب نے "ماں اور باپ کے نام کیا ہے۔ ہماری طرف سے تنقید و تبصرہ کا آغاز بھی یہیں سے ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں :-

ماں اور باپ کے نام

جنھوں نے جنگ آزادی میں بے شمار مصائب اٹھائے لیکن کبھی حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔ جو تنگ دستی میں خوش رہیں اور جنھوں نے زندگی کے ہر موڑ پر جاہ و ثروت کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔

اور جو

ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے صلے میں اپنی حکومت کے ہاتھوں گھر سے بے گھر ہو کر ۱۹۴۷ء میں شاہ جہانی مسجد کے سائے میں بیٹھ کے پیے

سوگئیں۔

آٹھ سال بعد

والدہ ماجدہ رحمتہ اللہ علیہا بھی اپنی رفیقہ حیات کے پاس ہمیشہ کے لیے آرام فرما ہو گئیں۔

ہر ذی ہوش اور معمولی سے معمولی تاریخی واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ نیشنلسٹ علماء نے "متحدہ قومیت" اور "وطنیت" کو منزل بنا قرار دے کر اپنی پوری صلاحیتیں تحریک پاکستان کی مخالفت کے لیے صرف کر دی تھیں اور اس طبقہ کا ملائی تخیل مہاتما گاندھی کی دلی منشا کو مذہب کا رنگین و مقدس نقاب اوڑھا کر مسلمانوں کے سامنے عین اسلام قرار دے کر پیش کرتا رہا۔ یہ لوگ مسلم لیگی قیادت کو اسلام ناشناس اور تحریک حصول پاکستان کو یکسر غیر اسلامی کہہ کر کانگریس کے ہاتھ مضبوط کرتے رہے۔ عزیز الرحمٰن جامعی صاحب کا تحریر کردہ "انتساب" آپ نے پڑھ لیا۔

ایک ایسی حقدار عورت جو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی بیوہ اور ان کانگریسی فرزندوں کی ماں تھی۔ جو پاکستان کی مخالفت میں اپنے باپ کے ہمنوا و ہمقدم اور ہمرکاب کی حیثیت سے پیش پیش رہے۔ عزیز الرحمٰن صاحب کو کانگریسی حکومت پر گلہ ہے۔ کہ جب آزادی کا سورج طلوع ہوا تو اس عورت کو جو ہندو کانگریسیوں اور کانگریسی حکومت کے لیے اصولاً اور اخلاقاً واجب الاحترام خاتون ہونی چاہیے تھی۔ مرحومہ کو ان کے گھر جو لدھیانہ میں تھا اور لدھیانہ تقسیم ملک کے بعد بھارت کا ایک حصہ تھا نہ رہنے دیا گیا تو کیا یہ حقیقت نہ تھی کہ اگر پاکستان نہ بنتا تو ایسی مسلم خواتین کے ساتھ جو قیام پاکستان کا قیام دل و جان سے چاہتی تھیں یہ اخلاق باختہ کانگریسی کیا سلوک کرتے۔ کاش ان مولویوں

جن کی بصیرت وارودھا کے سامری نے اُچک لی تھی۔ یہ سمجھ ہوتی کہ پاکستان کی مخالفت کرنا مسلمانانِ ہند کے لیے رُسوائی و ذلت کے کانٹے بونا ہے تصور فرمایئے کہ جب مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کی بیوی کے ساتھ ہندوؤں نے یہ سلوک کیا ہے جن کا قبلۂ مقصود اور کعبۂ رعینت پرستی اور متحدہ قومیت کی دیوی تھی جس کی عظمت و بزرگی کا یہ دن رات پرچار کرتے تھے۔ تو اگر حضرت قائدِ اعظمؒ اور حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی دانائی و فراست سے اکثریتی صوبوں کے مسلمان اس طرح محفوظ نہ ہو جاتے تو یہ درندے تمام مسلمان قوم کے ساتھ کتنا نا زیبا و ناروا سلوک کرتے۔ یہی وہ حقیقت تھی جس کا مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کے بیٹے نے مجبوراً اعتراف کیا ہے جسے سمجھانے کی بار ہا کوشش کی گئی۔ لیکن ان کانگریسی مولاناؤں نے نہ اسے خود مانا بلکہ عامۃ المسلمین کو گمراہ اور مسلم لیگی قیادت و سیادت سے بدظن کرنے کے لیے عجیب و غریب تفسیریں اور تاویلیں کرتے رہے۔ یہاں سے صاف واضح ہوتا ہے۔ کہ یہ حضرات فریب خوردہ تھے جو واردھا کے سامری کی سحر طرازیوں کا شکار ہو گئے تھے ورنہ اگر کانگریس اپنے دعوؤں اور اعلانوں میں سچی ہوتی تو اس قسم کے فرماں برداروں کے ساتھ ایسا ناشائستہ سلوک نہ کیا جاتا۔ اس مقام پر اس کے سوا اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا ارشاد تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ

رہا ملا گئی روشن ضمیری

اب اس کتاب کے صفحہ ۲۹ پر جناب شورش کاشمیری اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں:۔

"مولانا ابوالکلام کو تو چھوڑیئے کہ وہ جامع کمالات ہونے کے باعث علماء میں ایک استثنائی مرتبہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے انگریزی زبان

کر سیکھا اور پھر اس کے علم و نظر کے ہر گوشے میں قابو پا لیا۔

"دوسرے راقم کے نزدیک وہ اس دور میں اسلام کے واضح تصور کا صحیح فکری مظہر ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ان کے برابر شیعی علماء کی صف میں جو شخص راقم کے خیال میں جدید و قدیم تصورات کے درمیان سنگم بن سکتا ہے وہ مولانا حبیب الرحمٰن ہیں اور راقم نے بارہا دیکھا کہ ان میں ترازو کے دونوں پلڑوں کو برابر رکھنے کا جوہر فطری استعداد کے طور پر موجود ہے"

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۶۱ء میں بھارت میں شائع ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ شورش صاحب نے جو رائے دی ہے انہی ایام میں دی ہے۔ جو لوگ ہفت روزہ "اقدام" جس کے مدیر میاں محمد شفیع تحریک پاکستان کے ایک سرگرم کارکن ہیں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس میں راقم الحروف نے ابوالکلام آزاد مرحوم کے دور الہلال کے اقتباسات پیش کر کے متحدہ قومیت کے زمانہ کی ذہنی و فکری قلابازی جو آزاد مرحوم نے کھائی یہ ثابت کیا تھا کہ متحدہ قومیت کے دور کا آزاد اسلام سے مایوس و بیزار راشٹر پتی ابوالکلام ہے۔ ہماری گذارشات کا جواب دینے کے لیے شورش صاحب نے مولانا غلام رسول مہر صاحب کو آگے بڑھایا۔ چونکہ حقائق و واقعات ان کے حق میں نہیں تھے اور علم و بصر کی روشنی ہماری تائید و حمایت کے لیے مجبور تھی اس لیے وہ زیادہ دیر تک میدان میں نہ ٹھہر سکے۔ ناظرین غور فرمائیں کہ جسے شورش صاحب اس دور میں اسلام کے واضح تصور کا صحیح فکری مظہر قرار دے رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ ایسا بھٹکا ہوا راہی ہے جو جادۂ یثرب کو پھر نہ پا سکا۔ آزاد مرحوم کی بعد کی تمام تحریریں پڑھ جائیے یثرب کی ایک سطر تک آپ کی نہیں ملے گی۔ اگر شورش صاحب ان کے دو

السلاں کا تذکرہ فرماتے تو ہمیں بھی تسلیم کر لینے میں کوئی عذر نہ ہوتا لیکن اس ٹیڑھے ذہن کا کیا علاج جو آج تک اپنی گمراہیوں اور باطل پرستی پر نازاں و فرحاں ہے۔ اور اپنی فکری و نظری۔ علمی و عملی شکست کو شکست تسلیم کرنے کے لیے آمادہ و تیار نہیں۔ چونکہ ہماری اس کتاب میں آزاد مرحوم کے ذہنی و دینی تضادات جگہ جگہ قارئین کرام کے سامنے آئیں گے۔ صرف انہی سطور پر اکتفا کرتے ہوئے یہ ضرور عرض کریں گے کہ افسوس قیام پاکستان کے بعد اپنوں نے بھی برے بھلے کی تمیز نہ کی۔

ہم پھر بصد ادب و احترام عرض کیے دیتے ہیں۔ کہ اگر پاکستان کے اصحاب اقتدار اور ارباب اختیار نے ان عناصر و عوامل پر سنجیدگی سے غور نہ کیا اور ایسے فاسد و باطل نظریات کو حسین و دلکش خوشنما اور رنگین لبادوں میں پیش کرنے والے "دشمنان تحریک پاکستان" کی پاکستان میں عزت و توقیر بڑھاتے رہے۔ تو یہ پاکستان کے قیام کو اپنی اور اپنے ابؤ آباؤں کے ماضی کی تکذیب سمجھنے والے راہ راست پر نہیں آئیں گے اور ان کی ریشہ دوانیوں کو پنپنے کا موقع ملتا رہے گا۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اپنی خود نوشت یادداشت میں جو اس کتاب کے صفحہ ۱۲۰ پر درج ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"میرے چچا مولانا مفتی محمد نعیم صاحب نے سٹی کانگریس کے صدر کی حیثیت سے غازی عبدالرحمٰن عرف ماما مسٹر مظہر جمیل احمد کا نگریس کے رضاکاروں کے ساتھ شاہی مسجد متصل کمیٹی باغ میں ہزاروں ہندو اور مسلمانوں کے سامنے حلف نامہ آزادی پڑھا اور میں نے کانگریس کا جھنڈا لہرایا، مگر افسوس کہ آج ۱۹۴۶ء میں اسی شاہی مسجد پر جو ۲۶ جنوری ۱۹۲۹ء کی یوم آزادی کی یادگار تھی گرا کر اس پر گوردوارہ تعمیر کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۴۶ء تک یہ مسجد کانگریس کے جلسوں کا مرکز بنی

نہ ہی تمام کانگریسی تحریک کے کام اسی مسجد میں ہوتے رہے لیکن اگر غور کر
اس مسجد کی طرف پڑھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم آج اس دُنیا میں نہیں ورنہ ہم انھیں دکھلاتے کہ مسلمان بیچارے تو اتنے سادہ لوح عفو و درگزر سے کام لینے والے ہیں کہ لائل پور جناح کالونی کے علاقہ کی جامع مسجد (ملاحظہ یہ بھی فرمایئے جو کالونی بھی حضرت قائد اعظمؒ کے نام پر ہے) میں آپ کے چچا مفتی نعیم جنھیں مسلمان مقتدیوں کی قطار میں کھڑا کرنے کے لیے بھی سوچنا چاہیئے تھا۔ انھیں وہاں مسلمانوں نے خطیب بنا رکھا ہے۔ اور لدھیانہ کی وُہ مسجد جو اسلامی گولہ و بارُود سے مسلم لیگی قیادت کی عزت و عظمت اور مقبولیت و شہرت کو مجروح و زخمی کرنے کے کام آتی اُسے بھی سکھوں نے کانگریسی راج میں یہ جانتے ہوئے کہ یہ ہمارے اُس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی مسجد ہے جو اقبالؒ و جناحؒ پر اپنے مُنہ سے آگ کے انگارے برساتا رہا گوردوارہ میں تبدیل کر لی۔ کاش جناح کالونی لائل پور کے مسلمان بھی سوچیں کہ اس اسلام کا علمبردار جو قیام پاکستان کا مخالف تھا۔ ہمارا خطیب و امام نہیں بلکہ کوئی مولانا محمد صادق سیالکوٹی یا حضرت قمر الدین سیال شریف یا گولڑہ شریف، چورہ شریف کے مریدین یا سیّد محمود شاہ گجراتی جنھوں نے تحریک پاکستان میں اپنی تقریروں سے مسلمانان ہند کو حضرت قائد اعظمؒ کی ہمنوائی و رفاقت کے لیے اُبھارا تھا اُن کا کوئی شاگرد ہونا چاہیئے۔

قارئین کرام اگر ہندو مہاتما گاندھی کا پرستار اور جسے گاندھی جی اپنا جانشین کہتے ہیں نہرو بھی اپنے بیانوں اور خیالات میں دیانتدار ہوتے تو کم از کم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی اس مسجد کو باقی رکھ کر

یہ ثبوت تو فراہم فرماتے کہ دیکھو مسلمانوں ہم اس طرح سے آپ کی مسجدوں کی حفاظت کرتے اگر آپ لوگ ہندوستان کو تقسیم نہ کراتے۔
ہمیں افسوس ہے کہ عزت و احترام کے وہ جذبے جو تحریک پاکستان کے سپاہیوں کے لیے ہمارے دلوں میں موجزن ہونے چاہیئے تھے وہ کیوں سرد پڑ چکے ہیں۔ خدارا تاریخی حقائق و شواہد کو مدنظر رکھیئے۔
آگے چل کر ایک جگہ پر رقمطراز ہیں:۔

"وفد نے گاندھی جی سے درخواست کی کہ آپ ڈاکٹر انصاری کے بغیر گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے تو انگریز ساری دنیا میں ثابت کرے گا کہ کانگریس ہندوؤں کی نمائندہ ہے۔ گاندھی جی نے احرار راہنماؤں کے ان دلائل کو وزنی قرار دیا لیکن اپنے جانے کا ارادہ ملتوی نہ کیا۔ گاندھی جی کی یہ پہلی سیاسی غلطی تھی انھوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ کانگریس کے بارے میں انگریز کی تعریف صحیح ہے"۔

جناب مولانا صاحب خواہ مخواہ ناراض و خفگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ گاندھی جیسا زیرک اور دانا چناندہ رہنما خوب سمجھتا تھا۔ کہ دراصل مسلم قوم کی نمائندہ مسلم لیگ ہی ہے اور انگریز بھی جاہل اور ناسمجھ نہ تھا جو سات سمندر پار کر کے ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا جناب کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ گاندھی جی نے آپ کے دلائل کو وزنی قرار دیا انھوں نے تو محض آپ کو اس لیے ناراض نہیں کیا کہ آگے بھی ہندو راج کے نمائندے کے لیے آپ کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا تھا ورنہ یہ حقیقت تو ہر کس و ناکس پر عریاں و واضح تھی کہ نیشنلسٹ مسلمان سواد اعظم کی نمائندگی نہیں کر رہے۔ اصل میں

سمجھ میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیئے (اقبالؒ)

کیا گاندھی ڈاکٹر انصاری کو ساتھ لے کر اپنے عقلی دیوالیہ پن کا مظاہرہ کرتے وہ تو حضور آپ لوگوں کو اس وقت سامنے لاتے تھے جب وہ ہندو کاز کے لیے آپ کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ صفحہ ۶۲
پر مولانا گاندھی جی کے عمل پر گلہ کرتے ہیں کہ "وہ قربانی اور کام تو آزاد خیال مسلمانوں سے لیتے ہیں اور سمجھوتہ انگریز پرست مسلمانوں سے کرتے ہیں"

مولانا صاحب گاندھی جی جن کے لیے ہندو سرمایہ خرچ کرتے تھے انھیں صرف اپنی مطلب براری کے لیے کام میں لاتے تھے اگر تو "جناب آزاد خیال" مسلمان، انھیں کہتے ہیں۔ جو مولانا آزاد کے ہم خیال تھے۔ تو گاندھی جی اچھی طرح سے جانتے تھے کہ یہ ہمارے ہی ہیں اس لیے وہ ان مسلمانوں سے (جو حقیقی معنوں میں مسلمانوں کے نمائندہ تھے بات چیت کرتے تھے جنھیں آپ انگریز پرست کہہ کر خواہ مخواہ لال پیلا ہو رہے ہیں) حضور والا ان کی پوزیشن گاندھی جی مضبوط نہیں کرتے تھے گاندھی جی ان کی پوزیشن کو مضبوط اس لیے تسلیم کرتے تھے کہ انھیں سواد اعظم نے اپنے رہنما و قائد بنا کر ہندوؤں اور انگریزوں کے ساتھ مسلم مفاد کی جنگ لڑنے کے لیے آگے کیا ہوا تھا اور گاندھی ان کی حیثیت و طاقت سے بخوبی آگاہ و خبردار تھے یہ حقیقی معنوں میں مسلمانوں کے امام و پیشوا تھے" آگے چل کر مولانا فرماتے ہیں۔ (صفحہ ۱۶۸)

"میرے نزدیک نہ اب ہندوستان میں اسلامی حکومت ہے
نہ آئندہ ہوگی"

یہی رونا تو ہم اُن فریب خوردہ مسلمانوں کے سامنے جو آپ کے پھندے میں پھنس کر گاندھی سے وابستہ ہو گئے تھے
روتے تھے کہ ان حضرات کا اس بات سے یقین و ایمان ختم ہو چکا ہے

کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے یہ انسانی زندگی گذارنے کے لیے ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ آؤ حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے بتائے ہوئے نظریہ پاکستان کی حمایت کرو۔ تاکہ پاکستان قائم کرکے وہاں اسلام کو بطور ضابطۂ حیات قانون و آئین کا درجہ دیا جائے۔

قارئین کرام اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ اب وہ حقیقتیں کس طرح ابھر کر سامنے آ رہی ہیں اور نمایاں ہو رہی ہیں۔ جن پر کانگریسی مولاناؤں کے اہل پروپیگنڈے کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

اب حضرت قائداعظمؒ کی عظمت کا اعتراف دیکھئے۔

رقمطراز ہیں :۔

"مسٹر جناح کا ہندوستان میں کوئی مخالف ہو یا موافق لیکن ہر شخص انھیں دیانت دار سمجھتا ہے۔ الیکشن سے پہلے گورنمنٹ مسٹر جناح کو کسی قیمت پر خرید نہیں سکی اور مرکزی اسمبلی میں کانگریس کی کامیابی مسٹر جناح کی رفاقت پر مبنی ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا"

مولانا صاحب! صرف گورنمنٹ ہی نہیں جب سے جناحؒ نے حکیم الامتؒ کا پیش کردہ نظریۂ پاکستان سمجھ لیا اس پیکر صدق و صفا اور استقلال و استقامت کو وہ گاندھی بھی کسی قیمت پر نہ خرید نہ فریب دے سکا جس کے دام فریب میں خدا جانے کونسی مصلحتیں یا نادانیاں تھیں جو آپ لوگوں کو لے ڈوبیں۔ رہا وعدہ ایفائی کا مسئلہ تو یہ بھی آپ تسلیم کر رہے ہیں کہ قائداعظمؒ وعدہ پورا کرنے کے عادی تھے۔ ان کا کردار ایسا نہ تھا کہ آپ جیسے ساتھیوں کو مطلب براری کے بعد جلدی گھر سے نکال باہر کیا۔

افسوس یہی جواہر و لعل آپ کی قیمت تھے کیا؟ فرمائیے اور وجہ

کیا تھی؟ جوان کے ہاتھوں اس قدر ذلیل و رسوا ہو گئے؟ جب کہ آپ یہ سمجھتے بھی تھے کہ گاندھی جی بھی مسلمانوں کے نمائندہ مسلم لیگی حضرات ہی کو سمجھتے ہیں بات کہنا ہی پڑتی ہے کہ فہم و فراست اور دولتِ ایمان خدا کی دین ہے جسے دے۔ کہاں جناح جیسے دستار سے بیگانہ ظاہری دین سے بے بہرہ لیکن کاروانِ ملت کا سالار اولین اور کہاں یہ قال اللہ اور قال الرسول پڑھنے پڑھانے والے جن کا دل و دماغ گرویدہ ہو چکا تھا۔

ایک خط میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مہاتما گاندھی کو لکھتے ہیں:۔

"محترم مہاتما جی۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ جن دعاؤں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا وہ دوسرے پرچے میں ارسال ہیں۔"

ذرا آگے چل کر رقمطراز ہیں:۔

"جب سے پاکستان کا ریزولیوشن مسلم لیگ نے منظور کیا ہے اُسی وقت سے آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر مسلمان چاہیں تو ان کو پاکستان دیا جائے گا۔ میں اُسی وقت سے آپ کے ان فقروں کا یہ مطلب خیال کرتا ہوں (یقین نہیں) آپ چاہتے ہیں کہ مسلمان صوبے الگ ہو جائیں اور ہندو صوبوں کی گورنمنٹ بن سکے تاکہ مسلمانوں کے مطالبات کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ حالات کی مجبوری نے آپ کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے۔ خدائے پاک ہم سب کو صحیح سوچنے اور سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اخبار کا کٹنگ بھی آپ کو بھیج رہا ہوں۔"

(حبیب الرحمٰن صفحہ ۲۶۳،۲۲۳)

مہاتما گاندھی "متحدہ قومیت" اور "عالمگیر سچائیاں سب مذاہب میں یکساں ہیں" کے جواز کے لیے ایک فریب آمیز طریقہ اختیار کیے ہوئے

تھے وہ پرارتھنا میں گرنتھ۔ وید۔ گیتا اور قرآن ملا جلا کر پڑھا کرتے تھے۔ اسی ضمن میں انھوں نے مولانا صاحب کو مبتلائے فریب رکھنے کے لیے کہہ دیا ہوگا۔ کہ چند دُعائیں جو مسلمان مانگتے ہیں مجھے لکھ بھیجیں چنانچہ مولانا یہی ذکر اس خط میں کر رہے ہیں۔ باقی گاندھی جی کا یہ کہنا کہ اگر مسلمان چاہیں تو اُن کو پاکستان دیا جائے گا۔ یہ مبنی بر حقیقت ہے۔ مہاتما کی زیرکی و ہشیاری سے تو انکار نہیں۔ گاندھی نے یہ یقیناً محسوس کر لیا تھا۔ کہ جناحؒ کی قیادت میں اب مسلمانانِ ہند بہ عزم و تہیہ کر چکے ہیں۔ کہ وہ پاکستان حاصل کر کے رہیں گے اور گاندھی صاحب حضرت قائد اعظمؒ کی ان صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے۔ جو قدرت نے انھیں عطا کی تھیں نیز اس پیکرِ استقامت کے عزم و ولولہ اور حق گوئی و بے باکی اور فہم و فراست سے بھی گاندھی ناواقف نہ تھے۔ قائد اعظمؒ دلائل و براہین سے دنیا پر یہ واضح کر چکے تھے۔ کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ اور انگریز کو بھی مجبوراً تسلیم کرنا پڑا۔ اسی طرح گاندھی جی کا دل تو قائد اعظمؒ کے دلائل و براہین کے سامنے جھک چکا تھا محض ایک موہوم سی اُمید گاندھی کو باقی تھی وہ یہ کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے ذریعے وہ عامۃ المسلمین کو مسلم لیگی قیادت سے بدظن و متنفر کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر مسلمان اس فریب میں آ گئے۔ ان کے جبہ و قبہ و دستار و عمامہ کو دیکھ کر ان سے متاثر ہو کر جناحؒ کا ساتھ چھوڑ گئے تو مُراد بر آئے گی۔ ورنہ جب مسلمان نے پاکستان مانگا دینا پڑا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ مسلمانانِ ہند نے قائد اعظمؒ کی قیادت پر اعتماد و یقین کا اظہار قول و عمل سے کیا اور نیشنلسٹ مسلمان خاسر و بے مُراد ہوا۔ اور مسلمانوں نے بکر فہم و فراست کی قیادت میں یقینِ محکم اور عملِ پیہم سے منزلِ مراد

کو پالیا اور سوادِ اعظم ریاکاروں کے فریب و ریا کا شکار نہ ہوا اور مسلمانوں کی اکثریت اُسی راستے پر چلی جس پر اقبالؒ و جناحؒ نے پہلا فرزندانِ ملت اُسی منزل کی طرف بڑھے۔ جس طرف ان کا سالارِ کارواں محمد علی جناحؒ اُن کی رہنمائی کرتا تھا۔ باقی مولانا کس سادگی سے سیدھے راہ پر چلنے کی دُعا اپنے اور گاندھی کے لیے مانگ رہے ہیں۔ گاندھی تو حقیقتاً اُسی راہ پر چلا جو اس نے ہندوؤں کی بہتری اور فلاح و فوز کے لیے منتخب کی تھی۔ لیکن مولانا اور اُن کے ساتھی اس راہ پر نہ چلے جن پر قرآن انھیں چلانا چاہتا تھا۔ ہندو قیادت انھیں صراطِ مستقیم سے بھٹکانے میں کامیاب ہو گئی اور یہ حضرات وارد ہا کے سامری کی سحر طرازیوں کا صید زبوں ہو کر رہ گیے۔ رہی گاندھی کی مجبوری تو وہ صرف اور صرف یہ تھی کہ وہ حضرت قائدِ اعظمؒ کی موجودگی میں اپنی شاطرانہ و عیارانہ چالوں سے سوادِ اعظم کو گمراہ نہیں کر سکتا تھا اسی مجبوری کی بنا پر اُس نے بالآخر قائدِ اعظمؒ کے مؤقف کو قبول تسلیم کیا۔

ایک خط ۲۳ اگست ۱۹۴۵ء کو مولانا حبیب الرحمٰن جو بڑِعل کو لکھتے ہیں اور گلہ کرتے ہیں۔ کہ حافظ ابراہیم کے الیکشن میں آپ نے نواب اسمٰعیل خان کے جواب میں لکھا ہے۔ کہ انتخاب میں جو سخت کلامی یا بدزبانی ہوئی ہے وہ احرار اور جمعیت العلماء ہند کے کارکنوں کی ہے۔" اور ساتھ ہی یہ گلہ ان سے بھی کیا ہے کہ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ نیشلسٹ مسلمان آہستہ آہستہ ختم ہو گیے۔" دراصل ختم تو ہم کو آپ لوگوں ہی نے کیا ہے۔ کیونکہ آپ نے ہمیشہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت سمجھ کر اُن سے بات چیت کی ہے اور مسلم لیگیوں کی پارٹیوں میں شریک ہوتے ہیں اور ہماری کارکردگی

کو غنڈہ گردی قرار دیتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ ہندو لیڈر تو مسلمانوں کو پاکستان دینے کے لیے تیار ہیں، اگر مخالف ہیں تو حبیب الرحمٰن سے لے کر مولانا ابو الکلام آزاد تک"۔

اصل حقیقت یوں ہے۔ کہ گاندھی جی۔ پنڈت جواہر لعل نہرو اور آچاریہ جی نا سمجھ تو تھے نہیں۔ جب انھوں نے محسوس کر لیا کہ مسلم لیگی قیادت اتنی مقبول و معتمد ہے۔ کہ اب سوادِ اعظم جب کہ اس کے اشاروں پر رقص کر رہا ہے۔ تو یہ ہمارے لیے بھی محال و ناممکن سا ہو گیا ہے کہ چند نیشنلسٹ مسلمانوں کے ذریعے مسلمانان ہند کو فریب و دھوکہ دے سکیں۔ اس لیے ان لوگوں نے حقیقت پسند انسانوں کی طرح مسلمانوں کے صحیح نمائندوں سے بات چیت کرنا شروع کر دی۔ مولانا تو خواہ مخواہ ناراض ہوتے نظر آرہے ہیں۔ آپ کو مسلمانوں کے نمائندوں کی حیثیت ہی کب ملی تھی آپ تو وہ نمائشی حضرات تھے جنھیں بوقت مصلحت کانگریس کے ہندو لیڈر مطلب براری کے لیے استعمال کرتے تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مسلمان پیرانِ عظام اور علمائے کرام کا بہت ادب و احترام کرتے ہیں۔ لیکن وہی لوگ جو آپ کے پاؤں چومتے تھے جب ان کو یقین ہو گیا کہ آپ کانگریس کے زلہ خوار اور حاشیہ نشین ہیں آپ مہاتما گاندھی کے تو پھر مسلمانوں کی طرف سے عزت و احترام کی توقع کرنا مناسب و درست نہیں تھی۔ جناب مولانا پھر وہی بات کرتے ہیں۔ نہرو کسی مسلم لیگی لیڈر کو کیسے کہہ سکتے تھے کہ داؤد غزنوی اور حبیب الرحمٰن سے جا کر ملو۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ ایک مسلم قوم کا لیڈر ہندو کانگریس کے لیڈر سے بات چیت کرنے آیا ہے۔ اسی لیے نہرو یا گاندھی ان لوگوں سے بات چیت کیا کرتے تھے۔ کبھی دنیا میں ان کی عزت و آبرو ہوئی ہے جو دوسروں کے آلہ کار بن جائیں؟

مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی نے ۲۹ مارچ ۱۹۴۶ء کو پاکستان کے خلاف قرار داد پاس کی۔ جو ہم تحریر کر چکے ہیں یہاں صرف یہ اجلاس ایک بار پھر یہ اعلان کرتا ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت قطعی غیر اسلامی ہے اس کا طرز عمل آج تک ملّت اسلامیہ کے مفاد کے منافی رہا ہے۔" اجلاس کی کارروائی کا یہ حصہ ملاحظہ ہو۔ احرار کی بھی یہ وہی ٹکنیک ہے۔ جو صالحین کرام (جماعت مودودی) کی تھی ہم اس مقام پر زیادہ لکھنا نہیں چاہتے اس کے لیے ہماری کتاب "جماعت اسلامی کا رُخِ کردار" دیکھیے۔

"پاکستان کے بارے میں پورے "میں مہینے" تک پنجاب میں، میں نے جس جگہ بھی تقریریں کی ہیں۔ پاکستان کو مسلمانانِ ہندوستان کے لیے مہلک بلکہ ہلاکت آفریں اور خطرناک خیز بتایا ہے اور دلائل سے یہ باتیں ثابت کی ہیں، میری سمجھ میں پاکستان کے حق میں کوئی دلیل بھی تو نہیں آئی۔ (سید عطاء اللہ شاہ بخاری)

یہ شاہ صاحب سچ فرماتے ہیں انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ کوئی مائی کا لال اگر پاکستان کی پ بنا دے تو مجھے شکل دکھا دے مجھ اور بھی کہا تھا۔ جو ہم یہاں درج کرنا مناسب نہیں سمجھتے لیکن دُنیا نے دیکھا کہ خُدا کے فضل و کرم سے، پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ اب بخاری مرحوم کے حکم کی تعمیل کون کرتا ہے۔ یہ خُدا جانے۔۔۔۔ یہ کہنا کہ میری سمجھ میں پاکستان کے حق میں کوئی دلیل بھی تو نہیں آئی" کیسے آئے یہ تو ایسا ہے جسے ہماری سمجھ میں یہ آج تک نہ آ سکا۔ کہ مفادِ مسلم کی مخالفت کرنے والے اسلامی سلطنت کے قیام کے دشمن کس طرح اسلام و مسلمان کے ہمدرد و علمبردار ہو سکتے ہیں۔

آگے چل کر "گاندھی جی سے ملاقات" کے عنوان سے عزیز الرحمٰن صاحب یوں رقمطراز ہیں:۔

"اس ملاقات میں شورش کاشمیری نے گاندھی جی سے سوال کیا کہ آپ کی مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق کیا رائے ہے۔ مہاتما گاندھی نے اس کے جواب میں کہا کہ تاریخ اور مذاہب عالم کے سلسلے میں جو معلومات اور علم و فکر مولانا آزاد کو حاصل ہے میری نظر میں کسی دوسرے کو اتنا شعور حاصل نہیں۔"

آخر مہاتما گاندھی اور کیا فرماتے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ہی تو ہیں جنھوں نے قرآن عزیز کی گاندھوی تفسیر کرکے متحدہ قومیت کے جواز کے لیے کہ "ما الٹیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں ہیں۔" اور نجات و سعادت کی راہیں سب کے لیے کھلی ہیں۔ کانگریس کو تقویت و طاقت بخشی۔ آخر گاندھی جی کو جن کی مرضی و منشا کے مطابق آزاد مرحوم نے اسلام جیسے دین کو بھی باقی مذاہب کی صف میں لا کے کھڑا کر دیا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالےٰ خود فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔ اور یہ سب دینوں پر غالب آکر رہے گا۔ گاندھی جی تو انھی معلومات اور علم و فکر کا اعتراف کر سکتے تھے۔ جو دور الہلال کے مولانا آزاد نے اپنے پہلے اصول و عقائد سے انحراف کرکے متحدہ قومیت کے دور میں جس کا مظاہرہ کیا۔ اسی پر تو کسی نے کہا تھا ؎

کانگریس کے مولوی کی کیا پوچھتے ہو کیا ہے
گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے

چونکہ آزاد مرحوم کے تضادات ہماری کتاب میں جگہ جگہ نظر آئیں گے اس لیے یہاں تفصیل سے عرض کرنا ضروری نہیں۔

ذرا آگے چل کر تحریر کرتے ہیں:۔

"۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح کو لدھیانہ شہر پر ہزار ہا قومی جھنڈے لہرائے گئے۔ اور خصوصیت سے مسلمانوں کے محلے اس قدر سجائے گئے کہ

مسلمانوں نے اتنی سجاوٹ کبھی عید کے تہوار میں بھی نہ کی تھی۔ ورگوں نے اطمینان و خوشی کا لطف اٹھایا۔ اس موقع پر مولانا علی محمد پاسلوی مشہور کانگریسی ورکر نے ایک سو صفحہ کی کتاب شائع کی اس کتاب کا نام تھا "جنگ آزادی کی تحریک میں مسلمانان لدھیانہ کا حصہ"

مولانا اسی لدھیانہ کا ذکر فرما رہے ہیں جس کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔ کہ ان کی والدہ مرحومہ کو جدی مکان تک میں کانگریسیوں نے نہ رہنے دیا۔ مسلمان جو کانگریس کے زیر اثر تھے انھیں تو عید سے بھی زیادہ خوشی اس آزادی کی تھی جو کانگریس نے حاصل کی لیکن لدھیانہ کے ایسے مسلمانوں کے قائد اعظم مولانا حبیب الرحمٰن کی مسجد بھی شہید کی گئی۔ اور ان کی اہلیہ کو جدی مکان سے نکال باہر کیا۔ ہمارے نزدیک عبرت کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے۔

رہے مولانا حبیب الغنی و ارحمٰن کو پاکستان کے فوجی ٹرک میں پاکستان اس غرض کے لیے بھیجا کہ ہندو جو انھیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ وہ ایسا نہ کر سکیں۔ قارئین کرام یہ بزرگ بھی گاندھی کی ہمنوائی میں تحریک پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ یہ کانگریس کا پرانا سپاہی اور پرانا رکن بھی پاکستان ہی میں آکر عافیت کا دم لے سکا۔ ہم نے یہ مختصر سا تنقید و تبصرہ کر دیا ہے۔

قارئین کرام ماشاء اللہ سمجھدار بزرگ و احباب ہیں اس سے اندازہ فرمالیں گے۔ کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی اور آن کے ساتھیوں کا مسلمانوں کی جنگ آزادی میں کیا کردار رہا ہے۔

"رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندوستان کی جنگ" پر تبصرہ و تنقید ختم کرتے ہیں اب ہم سیدالاحرار مولانا حسرت موہانی پر کانگریس جو ڈورے ڈال رہی تھی۔ اس کے متعلق روزنامہ

"نوائے وقت" کی ایک خبر پیش کرتے ہیں۔ اس خبر سے بھی آپ اندازہ فرما سکیں گے۔ کہ نیشنلسٹ مسلمان کس حد تک پاکستان اور مسلم لیگ کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔

ملاحظہ فرمایئے:۔

سید الاحرار پر کانگریس کے ڈورے

مولانا حسرت موہانی کا جواب

"کانپور۔ ۲۴ر فروری معلوم ہوا ہے۔ کہ آزیبل ابوالکلام آزاد وزیرِ تعلیم نے سید الاحرار مولانا حسرت موہانی کو دعوت دی تھی کہ وہ مسلم لیگ کے خلاف قوم پرست جماعتوں کی متحدہ تنظیم میں شامل ہو جائیں۔ مولانا حسرت موہانی نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا اور یہ جواب دیا ہے۔ کہ مسلمانان ہند کے لیے بہترین راہِ عمل اس وقت یہی ہے کہ وہ مسلم لیگ کے ماتحت ایک مرکز پر منظم ہوں۔ اب اس وقت مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا مسلمان قوم سے دشمنی کے مترادف ہے۔" (نامہ نگار نوائے وقت ۲۵ر فروری ۱۹۴۶ء)

اب آپ السید جمال الحسینی نائب صدر عرب مجلس علماء کی طرف سے پاکستان کے مطالبہ کی حمایت کے بارے میں پڑھیئے:۔

پاکستان عالم اسلام کے خلاف خطرات کی راہ میں سدِ سکندری ثابت ہوگا

سید جمال الحسینی کی طرف سے مطالبہ پاکستان کی حمایت

"لندن (ہوائی ڈاک) السید جمال الحسینی نائب صدر عرب مجلس علمائے نے "نوائے وقت" کے نمائندہ خصوصی کو انٹرویو دیتے

ہوئے کہا کہ ممکن ہے کہ پنڈت نہرو کی طبع نازک پر یہ بات گراں گذرے مگر ہم پاکستان کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں۔ فلسطین اور سارے مشرق وسطیٰ کے عرب مسلمانان ہند کی جنگ پاکستان میں ان کی کامیابی کے خواہاں ہیں۔ سید جمال الحسینی نے کہا کہ پاکستان عالم اسلام کے خلاف خطروں کی راہ میں سدِ سکندری ثابت ہوگا۔ سید جمال الحسینی نے کہا کہ مارچ میں منعقد ہونے والی ایشیائک کانفرنس کے متعلق ہمارا رویہ وہی ہے۔ جو دوسرے عرب ملکوں کا ہے یعنی ہم اس کانفرنس میں شرکت نہیں کریں گے"۔

(۱۵ر فروری ۱۹۴۷ء نوائے وقت)

چونکہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے باب میں ہم اُن کے اعمال و افعال اور کردار و افکار کو سامنے لا کر آنے والے مورخ کے لیے یہ آسانیاں فراہم کر رہے ہیں کہ وہ ان ہی کے آئینہ کردار میں ان کے خدوخال اور کارناموں کو دیکھ سکے جو انھوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت و دشمنی میں سرانجام دئے نیز یہ بھی کہ مذہب کے مقدس نام پر ان لوگوں نے اپنی مومنانہ شکل و شباہت کا رُعب جما کر مسلمانانِ ہند کو مسلم لیگی قیادت سے متنفر و بدظن کرنے کے لیے جس جس انداز سے قرآن عزیز کی تشریحیں اور تفسیریں اور تاویلیں کی جن کو دیکھ کر خدا و جبریل و مصطفٰےؐ بھی حیرت میں آگیے اب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کی "ترجمان القرآنؒ" کے بارے میں رائے دیکھئے۔

"مشکلات القرآن حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی عربی کتاب کے دیباچہ سے تفسیرؒ

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کی رائے ترجمان القرآن کی نسبت مولانا موصوف نے اپنے تمہیدی بیان میں بعض اہل باطل کی

تفاسیر کے بنیادی نقائص پر نظرِ انتقاد ڈالی ہے۔ اسی ذیل میں مولانا ابوالکلام کی تفسیر کا ذکر بھی آ گیا ہے۔

"آپ کے رسائل و جرائد میں جن خیالات کا اظہار ہوتا تھا اس کی بنا پر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ آپ ابتدا میں صحیح الاعتقاد تھے۔ الا یہ کہ وہ قاضی شوکانی (یمنی) اور نواب صدیق حسن خان صاحب آف بھوپال کی طرح فروعات میں کسی امام کے مقلد نہ تھے۔ آپ نے صرف ترکِ تقلید پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اپنی کتاب "تذکرہ" میں علماءِ حنفیہ حتیٰ کہ امام اعظم امام ابوحنیفہؒ پر بھی زبان طعن و تشنیع دراز کی جو اکابرِ امت کے ساتھ یقیناً سوءِ ادبی ہے۔

آپ نے یہ بھی کوشش کی تھی۔ کہ ہندوستان کے مسلمان آپ کو دین و دنیا کا امام تسلیم کر لیں اور امام الہند کے خطاب سے آپ کو مخاطب کیا جائے۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے وہ علماء بھی تھے۔ جو علم و تقویٰ کے زیور سے آراستہ تھے اور ابوالکلام آزاد ان سے علم و عمل کے لحاظ سے بمراحل دور تھے۔ چنانچہ علماءِ دیوبند اٹھے اور انھوں نے علی الاعلان کہا کہ یہ شخص امامت کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے ان کی امامت کے مقاصد کا ادراک کر لیا تھا اور یہ سمجھ لیا تھا کہ بعد میں ان مفاسد کا سدِ باب مشکل ہو جائے گا چنانچہ ابوالکلام صاحب کی آرزوئیں پوری نہ ہوئیں۔ اس کے بعد انھوں نے تفسیر کی اشاعت کا اعلان کیا جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اٹھ گئیں اور انھوں نے بے تابی سے اس کا انتظار کیا کہ آخر وہ "ترجمان القرآن" کے نام سے منظرِ عام پر آئی جو مختصر طویل فوائد پر مشتمل ہے۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر بہت طویل ہے اس لیے ہم نے اس کا نہایت شوق سے مطالعہ کیا اور بعض دیگر آیات کی

تفسیر جستہ جستہ مقامات سے دیکھی۔ دیکھ کر میرا شوق بجھ گیا اور سخت افسوس ہوا۔ اگر یہ تفسیر شائع نہ ہوتی تو اچھا ہوتا۔ میں نے تفسیر دیکھ کر محسوس کیا کہ اس شخص کے دماغ پر خودداری اور تجدد پسندی سوار ہے۔ جس کا پہلا مرحلہ تقلید سے انکار تھا اور دوسرا یہ جس نے سیدھی راہ ان پر گم کر دی۔ انھوں نے اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا کے جملہ مذاہب خواہ وہ نصرانی اور یہودی دین ہو یا مذہب صابی۔ اگر کوئی شخص مذہب کی اس صورت پر عامل رہے جسے کہ اس مذہب کا شارع آیا تھا۔ تو یہ امر اس کی نجات کے لیے کافی ہے کیونکہ ان تمام مذاہب کی بنیاد ایک ہے اور وہ ہے ایمان باللہ اور عمل صالح اور خدا پرستی۔ اور ہر مذہب کا شارع توحید ہی لے کر آیا ہے اور اس نے عمل صالح اور خدا پرستی کی طرف ہی دعوت دی ہے۔ رہا شرک اور گناہ تو وہ مذاہب کے متبعین میں فرقہ پرستی کی بنا پر پیدا ہو گیا ہے۔

اس پر آپ اپنی تفسیر میں مختلف اسالیب وطرق سے روشنی ڈالتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم دنیا کو اس امر کی دعوت دیتا ہے اور اُن کا گمان ہے کہ انھوں نے جو کچھ سمجھا وہی قرآن کا مغز اور قرآن کا مقصد ہے اور اس پر آیت ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ الخ سے استدلال کرتے ہیں۔

آپ کے نزدیک شرائع اور عمل صالح کوئی مختلف چیز نہیں ہے۔ اور یہ عبادات اور یہ شرائع ظواہر و رسوم ہیں۔ جو بمنزلہ جسم ہیں جن کو دین کی حقیقت اور روح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

پس جو شخص اعتقادی طور پر شرائع و احکام کا انکار کرے تو آپ کے نزدیک ایسا شخص مسلمان ہی ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الإِسْلَامُ، الا من یتبع غیر الاسلام دنیا الخ کی تفسیر میں آپ لکھتے ہیں کہ اسلام نام ہے تمام ادیان کی وحدت کا جو کسی خاص شریعت سے مختص نہیں ہے۔ پس تمام مذاہب اسی دینی وحدت کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور تمام مذاہب کی صداقت کے قائل ہیں اس لیے آپ کے نزدیک ملت اسلامیہ مخصوص اعتقادات اور مخصوص عبادات کا نام نہیں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ رسوم و شرائع اور مناہج کا اختلاف اور عبادات کا فرق ایک تمدنی امر ہے جس سے مفر نہیں اس لیے ان اختلافات پر ملامت نہیں کرنی چاہیئے اور دلوں کی تنگی کو دور کرنا چاہیئے۔

اگر کوئی شخص موسوی شریعت پر کاربند ہے اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے اور شریعت محمدیہ سے متمسک نہیں ہے اور نہ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے اگرچہ شریعت اسلامیہ نے آکر شرائع سابقہ پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے تو ان کے بنیادی اصولوں کی بنا پر ایسا شخص مسلم اور ناجی ہے۔

مجلہ معارف نے اس تفسیر کے رد میں ایک مبسوط مقالہ لکھا تھا اور بعض آیات کے ترجمہ کا مقابلہ اس ترجمہ سے کیا تھا جو بیس سال پہلے "الہلال" میں شائع ہو چکا ہے۔ اور بتایا تھا کہ ان دونوں ترجموں میں کس قدر بین اختلاف ہے پھر تعجب ہے کہ دنیا میں یہ تفسیر لاثانی ہے بے شک! وہ اپنی هفوات و مخترعات میں ثانی ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔" (از مشکلات القرآن صفحہ ۳۰۳ تا ۳۰۴)

جشن سوراجی اسلامؐ کے متعلق اس سے قبل ہم ایک بسوط مقالہ و پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوا تھا۔ آپ کی خدمت عالیہ میں پیش کر چکے ہیں اب سوراجیہ کے معنی کیا ہوتے ہیں یہ دیکھئے۔ قبل اس سے ہم یہ بھی یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نے معارف کا جو حوالہ دیا ہے وہ مقالہ جس کی تائید مولانا فرما رہے ہیں۔ جناب پرویز کا تھا اور قارئین کو بخوبی علم ہو گیا ہے۔ کہ مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآنؒ کے بارے میں مولانا محمد یوسف بنوری صاحب پرویز صاحب کی اتفاق فرما رہے ہیں۔ ہمارا عرض کرنے کا یہاں مطلب و مقصد یہ کہ مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر کے بارہ میں ایک دوسرے مولانا محمد بنوری صاحب کی وہی رائے ہے۔ جو چودھری غلام احمد پرویز صاحب کی ہے۔

اب سوراجیہ کے معنی ملاحظہ فرمائیے:۔

"مسٹر سی۔ جے۔ وارنے پارلیمنٹری سیکرٹری۔ وزیر تعلیم مدراس نے اس عقیدہ کو حل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"یہ اصطلاح دراصل مہاراشٹر کی انتظامی تقسیم کے لیے استعمال کی جاتی تھی جو دو وسیع حلقوں میں منقسم تھا "سوراجیہ اور مغل راجیہ۔ سوراجیہ کے معنی وہ خطہ تھا جو براہ راست مرہٹوں کے ماتحت تھا اور مغل راجیہ سے مراد وہ خطہ تھا جس پر یا تو مغلوں کا براہ راست تسلط تھا یا وہ مغلوں کا باجگزار تھا۔" (مدراس میل ۱۹؍ستمبر ۱۹۳۶ء)

مہاتما گاندھی سے ہزار مرتبہ لوگوں نے پوچھا کہ حضور کبھی اتنا تو بتا دیا ہوتا کہ سوراجیہ کے معنی کیا ہیں لیکن انھوں نے آج تک بتا کے ہی نہیں دیا۔ آخرکار یہ عقیدہ پارلیمنٹری سیکرٹری صاحب کے ہاتھوں وا ہوا۔

"تذکرہ" میں ابوالکلام جو دورِ قومیت پرستی سے پہلے لکھی گئی تھی اکبر کے دین الٰہی (متحدہ قومیت) کو الحاد اور بدعت کا فتنہ قرار دیتے ہیں۔ تذکرہ ۱۹ صفحہ ۲۲۲ اور حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے متعلق لکھتے ہیں:-

"کچھ شک نہیں کہ توفیق الٰہی نے حضرت ممدوح کے وجودِ گرامی ہی کے لیے یہ مرتبہ خاص کر دیا تھا۔ انبیاء اولوالعزم کی نیابت و قائمقامی یعنی مقامِ عزیمت دعوت کا خلعت صرف انہی کے جسم پر چُست آیا۔"
(تذکرہ صفحہ ۲۲۳)

دورِ قومیت پرستی

"اُس نے (قرآن کریم نے) نہ صرف یہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔ اُس نے کہا کہ دین خدا کی بخشش ہے اس لیے ممکن نہیں کہ کسی ایک گروہ ہی کی میراث ہو۔ کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۳۷)

سر رادھا کرشن کی واردھا اسکیم پر تقریر

"نوعِ انسانی کی نجات اس چیز میں ہے کہ مذہب ہماری تعلیم سیاست اور حیات میں شامل ہو۔ مسٹر گاندھی اس چیز کو اپنی جدید واردھا کی تعلیمی اسکیم ہریجن کی اصلاح اور چرخہ اور گھریلو دستکاری کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" (اسٹیٹسمین ۱۲/۲ ۲۸)

آزاد کی بھٹکی ہوئی سیرت
اپنے الفاظ میں

"حیاتِ دنیوی کی محبت محبتِ الٰہی پر غالب آگئی۔ دنیا کی دلفریبی

پھر روح مفقود اور دل منتشر ہو گیا اور دنیا پرستی کی لعنت نے عزم و راستی کی روح کو مردہ کر دیا۔" (تذکرہ صفحہ ۲۰۹ مصنفہ مولانا آزاد دوسرا ایڈیشن)

اس سے سچا بھی اور فراخدلانہ اعتراف جرم سوائے مولانا کے اور کون کر سکتا ہے۔ فقہائے وطنیت۔ واعظین قومیت متحدہ اور مولانایان نیشنلزم اُمت میں تفرقہ اندازی پر کیوں مصر ہیں۔ اس لیے کہ

"ان کا سرمایہ ناز علم حق نہیں ہے جو تفرقہ مٹاتا اور تمام سبل متفرقہ کی جگہ ایک ہی صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ بلکہ یکسر علم جدل و خلاف ہے۔ نفس پرستی اس کی شرافت کو غیر دیتی ہے اور دنیا طلبی کی آگ اس کی ناپاکی کے شعلوں کو اور زیادہ تیز کرتی رہتی ہے۔"

(ایضاً صفحہ ۸۳۔ دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۰۳)

دورِ عباسی کے علماء کے متعلق ارشاد:۔

جب کوئی مرکز نہ رہا تو شریعت کا بھی کوئی محافظ نہ رہا۔ خدا اُمت کا کوئی رہبر وہ سامنے علمی رنگ لا ملا جو آج نظر آ رہے ہیں یا تو اس عہد میں پیدا ہو گئے یا ہو چکے تھے جو اس عالم آشوبی میں کمال نمو کو پہنچے علوم اصلیہ قرآن و حدیث کو ترک کرنے کی بنیاد اسی عہد میں استوار ہوئی۔ تقلید شخصی اور مذہبی فرقہ بندی کے التزام اور تعصب نے اسی زمانہ میں پیدا ہو کر زور پکڑا۔ تاتاریوں کو سب سے پہلی دعوت حنفیوں اور شافعیوں کے باہمی جھگڑوں نے دی۔ جو مسلم حکمران مذہب و علم سے نا آشنا تھے اس لیے مذہبی حکومت تمام تر علماء و فقہاء کے مذہب کے ہاتھ آ گئی۔ ہر مذہب کے لیے الگ قاضی، الگ الگ مدارس اور اوقاف آخر حنفی اور شافعی عہدے قرار پائے۔ یہی چیز صدہا مفاسد و مصائب کا باعث ہوئی۔ ایک طرف علمائے دنیا و فقہائے دولت کا ایک گروہ عظیم پیدا ہو گیا دوسری

طرف باہمی تعصب و فرقہ آرائی روز بروز بڑھنے لگے۔ حتیٰ کہ جن چھوٹے چھوٹے اختلافات کو پہلے عوام نے بھی کبھی اہمیت نہ دی تھی۔ ان کی بنا پر اب خواص و فقہا ایک دوسرے کی تضلیل کرنے لگے۔"

(تذکرہ صفحہ ۲۳۲-۲۳۱ - دوسرا ایڈیشن ۲۴۸-۲۴۹)

صفحہ ۵۸ پر فرماتے ہیں۔

"آج اُمّت کا ایک فاسق سے فاسق گروہ بھی شاید کسی سچائی کی جگہ کچھ نقصان جان و مال اُٹھائے اور اس کو اپنے گناہ کا کفارہ سمجھے لیکن مدعیان علم و مشیخت اور زہد فروشان سجادہ و طریقت سے اتنی بھی امید نہیں۔"

مولانا صاحب رونا تو یہی ہے! لیکن آج اُمّت مرحوم کو مشائخ اور سجادہ نشینوں سے کہیں بڑھ کر ان بزرگوں سے شکوہ ہے جن کی بصیرت و فراست پہ وطن پرستی کے پردے پڑ چکے ہیں۔ اور اسی لیے آج اُمّت کا ایک فاسق سے فاسق گروہ بھی شاید مرکز ملّت کی قوت و استحکام کی خاطر ہر قسم کی قربانی پر آمادہ ہو جائے اور اس کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھے لیکن مدعیان امامت و امارت شرعیہ و داعیوں سے کٹ کر اغیار کے ساتھ مل جانے والوں سے تو اتنی بھی توقع نہیں۔"

مولانا آزاد کے مندرجہ ذیل متفرق ارشادات:-

"شریعت الٰہی جو عدل و صداقت کے قیام کے لیے آئی تھی اسی کے نام سے مکر و فریب اور ظلم و غضب اور سلب و نہب کے تمام کاروبار جاری ہو گئے اور دُنیا کی تباہی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے کہ خدا کا پاک نام لے کر اس دُنیا میں برائی پھیلائی جائے۔"

(تذکرہ صفحہ ۷۰ - دوسرا ایڈیشن صفحہ ۸۹)

"۔۔۔ یہ لوگ ہی فی الحقیقت ملحد ہیں۔ ان کا اظہار اعتقاد دینی نہیں

بلکہ عملی بہادر دُنیا میں حیثیت الحاول اعمل ہی زیادہ رہا ہے۔"
(تذکرہ صفحہ ۸۲ - دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۱۰)

یہ لکھتے ہوئے قلم لرز جاتا ہے۔ اس لیے کیسے کہا جائے کہ یہ
کس گروہ کی منہ بولتی تصویر ہے۔

خصوصی توجہ کا مستحق اقتباس

افسوس! ہر عہد اور ہر دور میں جس قدر بربادیاں ہوئیں علماء
سُو ہی کے ہاتھ سے ہوئیں۔ وقت اور زمانہ کی شکایت بے سود ہے۔ سچ یہ ہے
کہ عہد اکبری کے تمام فتنہ و فساد کے اصلی ذمہ دار یہی علمائے حب الدنیا
ہیں۔ ذکر ابو الفضل اور فیضی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی
رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کی نسبت اپنے مکاتیب میں بار بار لکھتے ہیں کہ
وما ہی زمان در ترویج قت، و دین ناہر گشتہ از شومئ علماء سوء
کہ فی الحقیقت شرار مردم و مصوص دین اند۔ اولٰئک حزب الشیطان
الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون ۔ ۔ ۔
آگے چلئے!۔

"پچھلے دور میں علماء کے اختلافات نے دُنیا کو ایک مصیبت میں مبتلا
کر دیا تھا اب پھر وہی بات سامنے ہے۔ دین کا رواج بھلا کیا ہوگا اور اس
کی بھلا کیا گنجائش ہوگی؟ بلکہ دین کی بربادی اس سے ضرور ہوگی۔"
(الفرقان صفحہ ۳۸)

بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو!
مدعیان علم و رُشد و ہدایت کے دعوے کی تردید۔

"منتخب التواریخ ایک مرقع ہے جس میں اس عہد کے تمام ارباب
علم و اصحاب خرقہ و سجادہ کی تصویریں اپنے اصلی بھیس میں نظر آتی ہیں
اور دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ بڑے بڑے مدعیان علم و رُشد و ہدایت کو بھی دُنیا

پرستی نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔" (تذکرہ صفحہ ۵۱)

وطن پرست ملایانِ کرام کی تصویریں اپنے اصلی خد و خال میں نظر آ رہی ہیں۔ دیکھ کر عبرت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے شیخ الحدیث، شیخ الہند، رئیس المفسرین، اور امیر شریعت کس راستے پر گامزن ہیں۔

"ایمان افروز اور یقین پرور جملے"

"وہ آنکھیں جن میں نفس اور ماتم دنیا کے لیے آنسوؤں کے دریا بند ہوتے ہیں، حق کی غمگینی اور امت کے ماتم کے لیے ایک قطرۂ اشک بھی نہیں رکھتیں اور جن دلوں میں عشق ذات اور محبت اہل و عیال کے لیے ایک عالم شورش اور طوفان اضطراب مخفی ہوتا ہے اس میں اللہ اور کلمۂ حق کے عشق کے لیے درد کی ایک ٹیس اور غم کی چبھن بھی پیدا نہیں ہوتی۔۔ ۔۔ ۔۔ آہ جس وقت کفر و ضلالت اور بدعات و منکرات کے غلبہ و قہر سے ارض الٰہی کا ایک ایک گوشہ چیختا اور چلاتا ہے۔ پرستاران حق کی غربت ہر طرف سر پیٹتی ہے اور ماتم کرتی ہے خدا کی زمین کے گوشہ گوشہ سے واشریعتاہ! وادیناہ! وامصیبتاہ!! واویلا کی فریادیں اٹھ اٹھ کر آسمان تک جاتی ہیں اور فضائے کائنات کا ایک ایک ذرہ سوائی حق کے لیے روتا اور ماتم ہدایت کر کے چلاتا ہے اور پکارتا ہے یا ناطی الاسلام ثم محمد! وانعمه قد زال صُحف ویدل! او ہنگ لیکن نہ تو حجاودوزاہ پر وقت کی تسبیح ہزار دانہ کی گردش مہلت سماعت دیتی ہے اور نہ ہنگامہ سازان مدارس و مجامع کو اساطیر جدل و خلافت و دساتیر قیل و قال کا شور و غوغا فرصت بصارت۔

اصلی حقیقت سے اس درجہ بُعد و بیچ طاری ہو جاتا ہے کہ

کسی کے وہم و گمان میں بھی احیاء شریعت و تجدید سنت کا خیال نہیں گزرتا اور کوئی نہیں سوچتا کہ سارے کارخانے اور ہنگامے تو اس لیے تھے کہ لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا۔ سو جب وہی سرنگوں ہو گیا تو پھر ان اجساد و روح اور قشور بے مغز کی پرستش کیا اتحو علم و عمل ہو سکتی ہے؟ اور جب روح اُمت معطل ہو گئی اور حق کی جگہ باطل اور سنت کی جگہ بدعت کی حکومت چھا گئی۔ تو پھر یہ تمام باتیں کب تشفی و نفع ہو سکتی ہیں؟ بلکہ اب تو ان کا شمار موانع و مہلک راہ میں سے ہو گیا ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۲۹۰، ۲۹۱ مطبوعہ ادبی دنیا ۱۹۱۹ء)

مولانا آزاد ان لوگوں کا شکوہ تو کرتے ہیں، جن میں گاندھی جی کی ہم جلیسی نہرو کی ہمدمی اور آنند بھون کی امنگ پیدا نہیں ہوتی لیکن ان مریض قلوب کو نہیں دیکھتے جن میں ملت کو سرفراز اور ارجمند دیکھنے کی کوئی آرزو پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی ان مریضوں کا علاج پہلے کی طرح سوچتے ہیں۔

پھٹے خاک اس سلیقے پہ لگے آگ ان ترجیحوں کو

اب دیکھئے مولانا ابو الکلام آزاد امام الہند اور شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی (مرحومین) جس مہاتما گاندھی کے ساتھ ہمسفر رہے وہ کیا فرماتے ہیں:۔

دین و سیاست

"میرا جذبہ حب الوطنی میرے مذہب کے تابع ہے۔"

اور یہ مذہب کیا ہے فرماتے ہیں:۔

"میری زندگی اس چیز کے لیے وقف ہے کہ میں اہنسا کے ذریعہ ہندوستان کی خدمت کروں اور یہی مسلک میرے نزدیک

ہندو تہذیب کی اصل ہے۔" (فارورڈ بلاک ۲۲؍۴؍۱۹)
گاندھی جی تو اپنے مشرب و مسلک سے ہندو مت کی نشر و اشاعت کر رہے ہیں مسلم قومیت پرست حضرات گاندھی جی کے مسلک کے اتباع سے کس اسلام کی خدمت کر رہے ہیں؟

اب حضرت قائداعظمؒ کا وہ بیان جو آپ نے ۸ ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو قانون ساز اسمبلی کے بارے میں بمبئی میں دیا۔ ملاحظہ فرمائیے :-

"مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ کیا ہی اچھا ہوا اگر مہاتما گاندھی اپنے خیالات کی فضول نمائش چھوڑ دیں۔ ایسے خیالات جو روز بروز اور ہفتہ بہ ہفتہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور جن میں اگر کسی چیز کو ثبات ہے تو وہ اُن کا باہمی تضاد و تخالف ہے۔ انھیں چاہیئے کہ وہ اپنی تمام توجہ صرف ایک ہی مسئلہ پر مرکوز کر دیں یعنی ہندو مسلمان مسئلہ کے سلجھانے میں۔ کیونکہ تمام کانگریسی لیڈروں میں سے وہی ایک ہیں جو بوجوہ احسن ہندو قوم کی نمائندگی کر سکتے ہیں اور ہندوؤں کی طرف سے سمجھوتہ کر سکتے ہیں اور یہاں وہ بڑی جماعتوں میں یگانگت اور اتفاق پیدا کر سکتے ہیں اور جب یہ ہو گیا تو دوسری باتیں خود بخود صاف ہو جائیں گی مجھے اس امر کا اعادہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ مسلمانوں کی طرف سے میں اس باعزت سمجھوتہ کے حصول کے لیے اپنی تمام طاقت و ہمت کے ساتھ مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

اب مولانا آزاد کا دور الہلال دیکھئے :-

الہلال ۹ ر اکتوبر ۱۹۱۲ء

"ہمارے نزدیک اسلام کے دامن تقدیس میں اس سے بڑھ کر اور کوئی بدنما دھبہ نہیں ہو سکتا کہ انسانی حریت اور ملکی فلاح کا

سبق مسلمان دوسری قوموں سے لیں۔ ۔ ۔ ۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح اسلام کا خدا اپنی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ بالکل اسی طرح اس کے رسولؐ کمالِ انسانیت و تعیّنات اور قوائے نبوت و اصلاح میں بھی وحدہٗ لاشریک ہیں اور ان کی مستقل خصائص میں کوئی ان کا شریک نہیں۔

پس ضروری ہے کہ جو امت اس خدائے واحد اور اس رسولِ واحد کے دامنِ تعلیم سے وابستہ ہے وہ بھی اپنے اندر اس شانِ وحدت و یکتائی کا جلوہ رکھے وہ بھی اپنے اعمالِ زندگی کی ہر شاخ میں وحدہٗ لاشریک ہو۔ ۔ ۔ ۔ "جس قوم کو اس صدائے الٰہی نے مخاطب بنایا ہو اس کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا بدبختی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ہر شاخ میں دوسروں کے لیے نمونہ بننے کی بجائے غیروں کو تمثال بنا رہی ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ اللہ خدا تو مسلمانوں سے چاہتا ہے کہ مجھ کو نمونہ بناؤ اور میری صفات کاملہ سے مشابہت پیدا کرو۔ ۔ ۔ اور آج مسلمان ہیں کہ نصاریٰ کو اپنا اسوۂ حسنہ بناتے ہیں اور اگر کوئی نقالی بن آتی ہے تو انا الافرنج کا نعرہ لگا کر اس قدر نازاں ہوتے ہیں کہ حسین ابن منصورؒ کو انا الحق پر بھی اتنا ناز نہ ہوا ہوگا۔"

مولانا صاحب آپ کا ہر ارشاد عمل و فکر ہی تو سننے کے قابل اور سر آنکھوں پر رکھنے کے لائق ہے۔ "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" یہ آپ کے دل کی آواز ہے مگر وہ دل جس سے یہ صدائے ایمان پرور نکلا کرتی تھی کس محبت کا نذر ہو گیا؟ ساری قوت آپ کے طرزِ خطابت و تکلم اور منطقیانہ فراست و بصیرت پر ہمہ ارنی ارنی کی صدائیں لگا رہی ہے لیکن

آپ ہی کو چپ ہیں اور آپ کی طرف سے سابرمتی آشرم کی اینٹ اینٹ جو ابالن ترانی کے نعرے بلند کر رہی ہے۔ اب آپ خدائے واحد، رسول واحد اور قرآن واحد سے مایوس ہو کر مشرکوں کے بے تاج بادشاہ گاندھی کی زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دے چکے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اسی طرف کھینچنے کے لیے مضطرب

خیابانِ خودی را دادۂ آب
اذاں دریا کہ طوفانے نہ دارد!

۲۳ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

الہلال

"حالت تو یہ ہے کہ خود ہمارے نئے لیڈروں نے دین و دنیا کے اندر تفریق کی ایسی خلیج حائل کر دی ہے جو روز بروز دونوں کناروں کو دور کر رہی ہے اور ان کو کسی طرح ملنے نہیں دیتی۔ ۔ ۔ مذہب سے یہ الحاد آمیز بیگانگی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ آج اگر کوئی صدائے قرآنی بلند کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتا ہے کہ یہ کیسی آواز ہے! ۔ ۔ ۔ بہت سے اس خیال پر متعجب ہیں کہ مسلمانوں کی پولیٹیکل تعلیم بھی قرآن پر مبنی ہو (آیت المنافقین ولیصدون عنک صدودا)، بہتوں کو یہ کہنے سے نفرت اور غصہ کا بخار چڑھتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے جو کچھ ہے قرآن ہی میں ہے اور قرآن ہی سے حل ہو تو نعیذکھا ورہت سے ہیں جو فرعون کے جادوگروں کی طرح خوف زدہ ہو رہے ہیں کہ مذہب کا عصائے موسوی ثعبان مبین بن کر ان کو نگل نہ جائے۔"

کاش مولانا پرانی تحریروں کو متحدہ قومیت پرستی کے دور میں پڑھتے اور پھر خود ہی دیکھتے کہ ایک ایک نقطہ ان کی سابقہ

زندگی و عمل پر کس طرح شکوہ سنج نظر آرہا ہے۔
حریت فی الاسلام کے صفحہ ۵۰ پر فرماتے ہیں :-
" اسلام صرف وطن کی محبت لے کر نہیں آیا اس کے پاس تمام عالم کے عشق کا پیغام ہے۔ اُس نے جو کچھ کیا تمام عالم کے لیے کیا اور صرف وہی تھا جو یہ کر سکا وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۳۴ و ۲۳) اسلام کا خدا رب العلمین ہے جس کی ربوبیت عامہ میں کوئی خصوصیت مقام و وطن نہیں پس اس کا پیغام امن و نجات بھی رحمۃ للعلمین ہو کر آیا وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "

(۲۲ : ۱۰۷)

آئیے حسرت زدہ نگاہوں سے خزاں دیدہ چمنستان کی سیر کریں۔

" حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطری ترقی اور قدرتی حقوق کے قیام کے لیے نسب و خاندان کے امتیاز باطل سے بڑھ کر اور کوئی روک نہیں ہو سکتی۔

۔ ۔ " اسلام نے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اور لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کے قانون عام کا اعلان کر کے اسی مہلک انسانیت روگ کو مٹانا چاہا ہے اور قرآن نے بتلایا کہ دنیا کی تمام قدیم صداقتیں اسی طرف دعوت دیتی رہی ہیں۔ صحف ابراہیم و موسیٰ میں بھی یہی تھا۔ ۔ ۔ لیکن افسوس کہ فرود نسل و وطن کے بت کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے پھر جوڑ دیے گئے اور نئے نئے بھیسوں میں پھر اس کی پرستش شروع ہوئی۔ اب بہت کم سر ہیں گے جو اس نشہ باطل سے سرگراں نہ ہوں الا ما شاء اللّٰہ " (تذکرہ صفحات ۲۶۰ و ۲۶۱ دوسرا ایڈیشن صفحہ ۲۱)

"ارباب صدق و صفا ہمیشہ قید وطن و دیار سے آزاد رہے ہیں۔ خدا کی ساری خدائی ان کا وطن اور ساری زمین ان کا گھرانا ہے۔"

(سنذکرہ صفحہ ۱۵۰۔ دوسرا ایڈیشن صفحہ ۳۴)

یہ اسلام کی ازلی و ابدی حقیقت ہے جو مولانا نے تحریر فرمائی۔ اب قوم و وطن (متحدہ قومیت) کے بُت کے ٹکڑوں کو جوڑ کر بھارت ماتا کے مندر میں "صنم وطن" کی پرستش شروع کیوں کر دی؟ اور اپنے صدق و صفا کو "ہندی نیشنلزم" سے ملوث کیوں کر لیا؟ ذرا اپنے ضمیر سے بھی تو پوچھ دیکھئے!

آشوب بلا خیز ہے سیلِ وطنیت
تنکے کی طرح بہہ گئے اُمّت کے مشاہیر

ملاحظہ فرمائیے:۔

"تم مسلم ہو اور مسلم دنیا میں اس لیے آیا ہے کہ عالم کو ہر طرح کے ظلم و فساد اور عدوان و طغیان سے نجات دلائے۔ پس جس طرح کفار و مشرکین نے اپنے اعمال سیئہ اور مقاصد شنیعہ سے دنیا کو بھر دیا ہے۔ اسی طرح تم بھی اسے عدل و صداقت سے بھر دو! اے فرزندان ابراہیمؑ اٹھو اور ان ہیکلوں کو جنھیں سنگ مرمر کے انسانی بت کہتے ہیں توڑ دو اور صنم آباد عالم کے صنم کبیر "وطن" کو جس کو تمہارے باپ ابراہیم نے اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ وہ اپنے بندوں کو معبودان "صفا" کی تباہی کا افسانہ سنا سکے سب سے پہلے توڑ دو تاکہ وہ ان کی تباہی کا افسانہ بھی نہ سنا سکے! قوت و ضعف کا سوال نہ کرو کہ تم پشہ سے کمزور تر ہو اور نہ وہ نمرود سے قوی تر۔"

(حریت فی الاسلام صفحہ ۸۸)

دورِ نیشنلزم سے پیشتر

اس اصل الاصول کو کسی حال میں بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ دعوت و قیامِ حق اور اصلاح و تربیتِ اُمّت کا اصل سرچشمہ مرکز مقامِ نبوت ہے اور ہر عہد اور ہر دور میں اس کا جس قدر بھی ظہور ہوتا ہے وہ سب اسی مقام سے ملحق و متصل اور سب کی روشنی اسی شمسی نظام و تمام عالم سے کسبِ مستنیر اور تمام انوار فیضان و سعادت کے لیے یہی سبیل نبوت مخرج و منبع کا حکم رکھتی ہے علیہا تشرب بہا عباد اللہ یفجرونہا تفجیرا۔ اور کوئی کام حق و دائمی اصلاح و کاشفِ حقائق فوز و نصرت نہیں پا سکتا جب تک اس کا قدم منہاجِ نبوت پر واقع نہ ہو۔"

۔۔۔ تاسّی و تشبہ بالانبیا ہیں جس داعی حق کا قدم جس حد تک پہنچتا ہے اسی حد و مقام کے مطابق کم و بیش ثمرات و برکات ظاہرہ و باطنی حاصل ہوتے ہیں۔"

(تذکرہ صفحہ ۱۰۲۔ دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۲۳)

چند سطور آگے فرماتے ہیں:۔

"جب دعوت و اصلاحِ اُمّت کا سرچشمہ و اصل مقامِ نبوت ٹھہرا اور تمام لوازم امورِ دعوت اسی سے ماخوذ اور اس کے اسوہ سے متاسّس ہیں تو ضرور ہے کہ عالمِ تجدید و احیائے شریعت کے بھی تمام کاروبار اسی اسلوب و نہج پر واقع ہوں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اصول و اساسات سے لے کر جزئیات و فرعیات اعمال تک ٹھیک ٹھیک اسی مقام کے حالات و منازل تشبہ و تعلق بل کا الظل و انعکس ظہور میں آویں اور منجملہ حسنین وقائع انبعاثِ نبوت کے یہ ہے کہ دعوتِ انبیاء کے ظہور کے لیے حق و

ذکر حق بالکل مفقود و معدوم ہو جانا ضروری نہیں بلکہ اس قدر بس کرتا ہے کہ سخت درجہ کا اضمحلال اور پژمردگی کی حالت اس پر طاری ہو جائے اور داعیانِ حق کی جماعت نہایت قلیل اور مغلوب ہو کر بجز چند نادر و منتشر افراد کے سوا ان کی کوئی ہستی و جمعیت باقی نہ رہے۔ برخلاف اس کے داعیانِ نساوات کا دور دورہ ہو اور وہ جو ایک چیز ہے یعنی صرف حق کا وجود ہی نہیں بلکہ حق کا قیام و ظہور و نفوذ اور مجرد امر و دعوت ہی نہیں بلکہ دعوت کا نظام و قوام اور محض دعوات افراد و جماعت ہی نہیں بلکہ دعوت قمت کی اس کا کارخانہ بالکل درہم برہم ہو جائے بلکہ نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ کان لم یکن شیئا مذکورا یہی غربت و اجنبیت حق ہے جو بسبب کمال ضعف و بیچارگی و عدم حصول نتائج مطلوبہ معدوم کا حکم رکھتی ہو تو ظہر الفساد فی البر و البحر سے تعبیر کی جاتی ہے۔" (ایضاً صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵ دوسرا ایڈیشن ۱۲۴ و ۱۲۵)

اسی طرح مسلمانوں کے راستے سے پتھر ہٹا دینا بھی ایمان کی شاخ اور عمل حق ہے مگر تمام امت کی راہ سے سنگ بطلان و فساد کا دور کر دینا بھی عمل ایمان و اقدام حق ہے۔

لیکن ایسا ہوتا ہے کہ دعوتِ حق کی صدائیں تو اٹھتی ہیں مگر اس جاذبیت معنویہ سے محروم ہوتی ہیں اور اس لیے محبوب القلوب عالم نہیں ہو سکتیں یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ بمصداق خلطوا عملاً صالحاً و اخر سیئاً داعیانِ حق کا جو گروہ موجود ہوتا ہے، ان کی دعوت ٹھیک ٹھیک نہج قویم و مستقیم پر ہوتی یعنی منہاج نبوت کے علوم و اعمال کو ان میں

غلبہ و احاطہ حاصل نہیں ہوتا۔ یا کتاب و سنت کی دعوت خالص بے آمیزش کی حقیقت سے خالی ہوتی ہیں۔ ۔ ۔ ۔

مگر ساتھ ہی اس اعتبار سے کہ طرح طرح کی غلطیوں اور لغزشوں یا آمیزش غلط رائے و قیاس غیر صالح یا کوری بدعات و محدثات سے پاک و صاف نہیں ہیں اپنا حکم و اثر کھو دیتی ہیں اور برکات نصرت و فوز حاصل نہیں کر سکتیں۔"

صفحہ ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۰۸ تذکرہ دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۲ کتابی دنیا لاہور

"پس حقیقت وہی ہے جس کو وحی الٰہی اور حاملین منصب نبوت علی الخصوص آخرہم و اعظم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب و اتباع نے دنیا کے آگے پیش کیا اور شک و ظن کی ظلمت و مجہولیت کی جگہ علوم سماویہ و نبوتیہ کی یقینیات و براہین کا دروازہ نوع انسانی پر کھول دیا اور جس کے علم و عمل کا نمونہ سلف صالح و اوائل امت مرحومہ من السابقین الاولین من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان من ورثۃ الانبیاء و خلفاء الرسل وائمۃ الھدیٰ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ نے اخلاف و آخر امت کو ہمیشہ کے لیے دکھلا دیا۔ اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون۔ ایضاً

(تذکرہ صفحہ ۱۰۵ دوسرا ایڈیشن کتابی دنیا لاہور صفحہ ۱۰۹)

مولانا آج اس سرچشمہ فیض و نور کی جانب آپ کی نگاہیں کیوں نہیں اٹھتیں اور آپ کا قبلۂ طلب و نگاہ یثرب کی بجائے واردھا اور دانتا بھون کیوں؟

پھر ارشاد ہوتا ہے:-

"ان آیات کریمہ سے فضیلت و سیادت حضرت ختم المرسلین کا یوں اثبات ہوا کہ امت مسلمہ کو ساری امتوں سے بہتر فرمایا اور شریعت محمدیہ کو تکمیل ادیان اور تمام نعمت قرار دیا اور ظاہر ہے کہ مطیع کی افضلیت مستلزم افضلیت مطاع اور نعمت کا تمام نعم سابقہ سے اعلیٰ و اتم ہونا حامل و مبلغ نعمت کے اعلیٰ و افضل ہونے پر دال ہے۔"

(ایضاً صفحہ ۱۷۰، دوسرا ایڈیشن کتابی دنیا لاہور صفحہ ۱۹۶)

یہ خدا پرست ابوالکلام کی خدا پرستی کی آواز ہے اور حقیقت یہی ہے کہ حضرت ختم المرسلین نے مسلمانوں کو جہاں پہنچا دیا ہے، وہاں ساری بلندیاں ہیچ ہیں اور سارے امتیازات لاشی محض ہیں لیکن بدبختی ملاحظہ ہو کہ خیر البشر کا حلقہ بگوش مسلمان آج اپنی حریت گاندھی کے چرنوں میں دیکھتا ہے اور جس دین کو آج تک ایک نعمت اور اتمام نعمت سمجھتا رہا آج اس کی بنیادی حقیقت دنیا کے دیگر مذاہب کی بنیادی حقیقتوں کے مساوی قرار دے کر اس کی تمام فوقیت اور برتری سے محروم کر دیتا ہے۔

برہمن از بتاں طاق خود آراست
تو قرآں را سر طاق نہادی!

(الہلال مورخہ ۱۹ اکتوبر صفحہ ۵)

"بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم"

"مسلمانوں کے لیے تمام عالم میں صرف ایک ہی ہاتھ ہے جو رہنمائی کر سکتا ہے اور ایک ہی چشم نگراں ہے جو لغزشوں سے بچا سکتی ہے۔ یہ وہی ہے جو کبھی سینا پر تجلی ریز ہو چکی۔ کبھی

غاروں پر ابر رحمت بن کر نمودار ہوئی۔ کبھی غار ثور میں لا تحزن ان اللہ معنا کی صدا میں تھی۔ کبھی بدر کے کنارے ان ینصرکم اللہ فلا غالب کے پیام میں کبھی اُحد کے دامن میں وکان حقاً علینا نصر المومنین کی بشارت تھی اور آج بھی ایک بھٹے ہوئے کارواں ایک برباد شدہ قافلے۔ ایک برہم شدہ انجمن کے لیے اُمید کا آخری سہارا ہے اور زندگی کی آخری روشنی ہے۔

جس رباب جان نواز سے یہ نغمۂ سرمدی بلند ہوا تھا اس کا تار تار ہنوز لرزاں ہے مگر وائے محرومی کو کسی ساحرہ سحر فن نے زخمہ ور کا ہاتھ کھینچ لیا!!

داغ فراق شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

ہم نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ نیشنلسٹ علماء کے ابوالآباؤں کے علمی و ذہنی اور دینی تضادات جتنے ہو سکیں جمع کر دیں جیسا کہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ کانگریسی مولاناؤں کے سرخیل ہمارے نزدیک ابوالکلام آزاد مرحوم ہیں اس لیے ان کی ذہنی و دینی قلابازیاں زیادہ تر تعداد میں جمع کی جا رہی ہیں۔ اور حتی الوسع یہ کوشش ہے کہ کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جو بے حجاب نہ ہو سکے۔ اس لیے بھی

یہ جانتا ہوں کہ خاک آشیاں نہیں ہوتی
جلے ہوئے تنکوں کو چن رہا ہوں میں

ہمیں معلوم ہے۔ یہ کہا جاتا رہے گا۔ کہ جو لوگ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں اُن کے متعلق یہ سعی سعی فضول ہے۔ لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ یہ آواز اُن گوشوں سے اُٹھے گی جو یا تو ان لوگوں کے اشاروں پر تحریک قیام پاکستان کی مخالفت کرتے رہے ہیں

اور رہنوزان کے اصولوں اور خیالوں کو اپنے لیے نشانِ منزل سمجھتے رہیں اور یا وہ لوگ جن کی عقیدتیں اسلامی اصولوں کی بجائے شخصیات سے ہیں۔ ہماری اپنی ذمہ داریوں کا ہمیں پورا پورا احساس ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جب تک ان خطرناک گھاٹیوں کو طے نہیں کیا جائے گا۔ جہاں قدم قدم پر دشمن و مخالف تعاقب میں ہوں گے۔ ہم اپنی نوخیز نسل کے لیے وہ راستے صاف و ہموار نہیں کر سکیں گے۔ جن پر حکیم الامت علامہ اقبالؒ اور حضرت قائدِ اعظمؒ انھیں چلانا چاہتے تھے۔

چونکہ نیشلسٹ علماء میں سے بعض ایک کتبِ فکر کی حیثیت لیے ہوئے ہیں اس لیے ان کے متعلق بار بار کچھ نہ کچھ کہنا اور لکھنا پڑ رہا ہے اس لیے اس مقام پر نہ ہمیں مخالفتوں کے ہجوم کی پرواہ ہے۔ اور نہ کسی کی ناراضی و ناپسندی کا گلہ۔ ہم ابھرنے والی نسل اور اپنے غافل و بے نیاز احباب اور بزرگوں پر دو اور دو چار کی طرح یہ واضح و ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے نیشلسٹ علمائے کرام جن کی غلط اور تباہ کن روش نے ملتِ اسلامیہ کو ایک نقصان عظیم پہنچایا ہے اور جن کے چلتے پھرتے اثرات پاکستان میں اب بھی ایک موثر اہمیت و قوت رکھتے ہیں۔ ملتِ پاکستانیہ کو اقبالؒ و جناحؒ کے نظریات و خیالات سے روشناس کرا کر اس مقصدِ عظیم کے حصول کے لیے انھیں آمادہ و تیار کرنے کے لیے پوری جرأت و دلیری اور پامردی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ زندگی ایک حقیقت ہے۔ پھر ایک ملت کی زندگی کے تمام معاملات و کوائف پر پوری سنجیدگی و متانت سے غور و خوض کر کے اس کی آرزوؤں میں اور تمناؤں کو مزید درخشاں و تابناک بنانے کے لیے گلستانِ پاکستان کو ان غلط بینیوں

کے جالوں اور فرزندان ملت کے دل و دماغ کو مکروہ و مریض افکار
اعمال کے اثرات سے محفوظ کرنے کے لیے پوری مستعدی بالغ
نظری اور دیانت داری سے بھرپور کوشش و جہد ہونی چاہیے
اسی آرزو اور اسی مقصد کے پیش نظر یہ مواد فراہم کیا جارہا ہے
مولانا آزاد فرماتے ہیں :-

"جس طرح افراد کی موت اور حیات کے لیے قوانین مقرر ہیں اسی طرح کسی قوم کی موت و حیات کے لیے بھی قوانین مقرر ہیں"

اس تحریر میں دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

"ہماری پالیسی کی بنیاد کوئی وقتی یا فوری واقعہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ وہ ایک مستقل اور دائمی اعتقاد ہونا چاہیے جو اپنے قیام کے لیے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہ ہو"

حضرت مولانا ہی اپنی بصیرت کی روشنی میں ارشاد فرمائیں کہ "ہندی قومیت" اور "اسلامی قومیت" دونوں میں سے کون سی چیز وقتی ہے اور کون سی دائمی ؟ اور دونوں میں سے کون سی چیز جو کسی بیرونی سہارے کی محتاج نہیں ہے

زقرآن پیش خود آئینہ آویز!
اگرگوں گشتۂ از خویش بگریز!

جمعیتہ العلماء کے اجلاس لاہور کی صدارت میں
مولانا آزاد فرماتے ہیں :-

"حضرات علمائے کرام ! وارکان جمعیت اس وقت ایک بہت بڑی آزمائش ہمارے طریق عمل کے لیے در پیش ہے ہم نے ذہنوں کی غفلت کے بعد قومی و اجتماعی اعمال کی کشمکش وکشاکش

میں قدم رکھا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ہماری نظر آجکل کے مجلسی و اجتماعی کاموں کے طرق و اسلوب پر پڑتی ہے اور تقلیدِ مولوات کا جذبہ ہمیں بے اختیار ان کی جانب کھینچنے لگتا ہے لیکن میں آپ کو یاد دلاؤں گا۔ کہ آپ کی راہ ان راہوں سے بالکل الگ ہے اور کتاب اللہ کی ہدایت اور حکمتِ نبوت نے آپ کو دُنیا اور دُنیا والوں کے گھڑے ہوئے طریقوں اور تعاملوں سے مستغنی کر دیا ہے۔ آپ اس لیے نہیں ہیں کہ انسان کے بنے ہوئے طریقوں کی تقلید کریں بلکہ آپ کو علم و عمل شریعت اس لیے دیا گیا ہے تاکہ دُنیا کی آنکھیں آپ کی طرف اُمید و طلب سے اُٹھیں اور آپ کی ہدایت ان کے لیے اتباع و تقلید کا پیام ہو۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سُنّت ہے اور ان دو چیزوں سے بڑھ کر اور کون سا مبداءِ علم اور سرچشمۂ حکمت ہو سکتا ہے جو انسانی اعمال کے تمام حُصول و فروغ کے لیے دُنیا میں وجود رکھتا ہو؟ دُنیا میں علم و یقین صرف وحی الٰہی اور علوم و اعمالِ نبوت ہیں اس کے سوا علم و یقین کا اس سماوی دُنیا کے نیچے وجود نہیں۔ اس کے ماسوا جس قدر بھی ہے قرآن پکار پکار کے کہہ رہا ہے ظن ہے، تخمین ہے، قیاس ہے، اٹکل ہے۔ "ظلمات بعضها فوق بعض"

(خطبۂ صدارت اجلاس لاہور صفحہ ۸ و ۹)

آگے چلیے:-

"فی الحقیقت احکام شرع کی رُو سے مسلمانانِ ہندوستان کے لیے دو ہی راستے ہیں، اور اب بھی دو ہی راہیں ہیں یا تو ہجرت کر جائیں یا نظامِ جماعت قائم کر کے ادائے فرضِ ملّت میں کوشاں ہوں۔"

مولانا کے سامنے انہی کی تحریرات کو پیش کرنا اور آن کے تفقہ فی الدین کا واسطہ دے کر خود اپنے آوپر اور مسلمان قوم پر رحم کی درخواست کرنا دیوار سے سر پھوڑنے کے مصداق ہے۔ مگر مسلمانوں کو جو موت وحیات کی کش مکش میں مبتلا ہیں اور مختلف قوتوں کی کشاکش کے طوفانوں میں سراسیمہ وحیران ہیں غور کرنا چاہیئے کہ جس اسلامی تنظیم اور جماعت بندی کی طرف سے آنکھیں بند کرکے ایک نئی گمراہ کن راہ پر چلنے کی ان کو دعوت دی جا رہی ہے، خود علمائے وطن پرست کی نگہ میں بھی باطل ہے۔ اس ایمان محکم اور یقین کو ملاحظہ فرمایئے۔ جس نے مندرجہ صدر زندۂ جاوید کلمات مولانا کی زبان سے نکلوائے: تاکہ رہتی دُنیا تک یادگار رہیں اور آنے والوں کو عبرت کا سامان بہم پہنچائیں۔ جب خدا کا لطف وکرم کنارہ کش ہو جائے۔ تو باوجود اپنے علم وفضل اور معرفتِ حقائق کے انسان کتنی بڑی گمراہی میں مبتلا ہو کر خسرالدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ اب آخری سوال یہ رہ جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ان مصائب کا حل کیا ہے؟ اس کا صحیح جواب بھی مولانا کی زبان سے سنیئے:۔

"میں نے ابھی ابھی عرض کیا ہے کہ اس راہ کی کامیابی یہ ہے کہ جادۂ عمل نا انشاء اللہ ہو اور نیز طریق صواب پر ہو اور طریق صواب نہیں۔ مگر طریق سنت ومنہاج نبوت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

۔ ۔ ۔ آج ہمارے قومی کاموں کی ہر شاخ میں بنیادی غلطی یہی ہے کہ ہم نے اصولی طور پر طریق اصلاح کا فیصلہ نہیں کیا۔

مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ضرورت طریق تجدید کی ہے یا تاسیس کی؟ یعنی اس کی ضرورت ہے کہ از سرِ نو نئی باتیں، نئے طریقے، نئے ڈھنگ، نئے نظام اور نئی نئی چالیں اختیار کی جائیں یا صورت حال یہ ہے کہ پہلے سے ایک کارخانۂ قمت موجود ہے جس کو اپنے بقاء و ترقی کے لیے کسی نئی بات کی احتیاج نہیں۔

حضرات! دین کمل ہو چکا ہے، اور اتمام نعمت کا اعلان کر دیا گیا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ پس یہ اصل تو متفق و مسلم ہے کہ راہ اصلاح صرف تجدید کی ہے۔ تاسیس کی نہیں۔ خود شارع علیہ السلام نے ہمیں تجدید ہی کی خبر دی نہ کہ تاسیس کی۔"

مولانا قبلہ! جب دین کمل ہو چکا ہے اور آپ اس پر اپنے اعتقاد کا اعلان بھی فرما رہے ہیں تو از راہ انصاف فرمایئے کہ آپ کا مسلک قومیت متحدہ اور روش سیاسی جس کے اتباع کی دعوت آج تمام مسلمانوں کو دے رہے ہیں، اسلام ہی کی تجدید ہے یا کسی اور دین کی؟ اجتماعیت اور مرکز ہی وہ قالب ہے۔ جس میں روح اسلام زندہ رہ سکتی ہے۔ یہی وہ طریق بقائے قمت ہے جو داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتلایا لیکن آپ کا مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کی مخالفت کرنا بتا رہا ہے کہ آپ کے نزدیک وقت کی ضرورت تجدید نہیں تاسیس ہے۔

جمعیۃ العلماء کے قیام کے مقاصد کے ذکر کے بعد طریق تجدید کی تائید کے دوران میں اصلاح کی بنیاد ذیل کے مبادی

پر رکھتے ہیں۔

"اسلام کے نظم و شریعت میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں۔ اسلام نے شریعت الٰہی کو نوع انسانی کی تمام سعادت و ہدایت کا کفیل و سرچشمہ قرار دیا ہے اور مسلمانوں کی سیاسی و علمی اخلاقی و قومی۔ مدنی زندگی کی بنیاد صرف ایک ہی حقیقت جامعہ پر ہے۔ یعنی شریعت اسلامیہ اور کتاب و سنت۔

مسلمانوں کی قومیت صادقہ کی بنیاد صرف شریعت کا علم و عمل ہے۔ شریعت نے انہیں بتلایا تھا کہ دنیا میں سب سے بڑی قوم وہی ہیں۔ وہی خیر الامم ہیں وہی خیر البریۃ ہیں۔ وہی شہداء علی الناس ہیں۔ وہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں۔ ان کے عروج و سعادت کی علت صرف یہ تھی۔ کہ قرآن کریم اور سنت رسول کو انھوں نے دستور العمل حیات قرار دے دیا تھا۔ قرآن کی نسبت صاحب قرآن کا اعلان تھا۔ ان اللہ یرفع بھذا الکتاب ویضع بہ آخرین رواہ مسلم! خطبہ صدارت جلسہ لاہور صفحہ ۲۵ و ۲۶۔

اجتماعیت اور مرکزیت اسلامی کے متعلق مولانا کا ارشاد ہے:۔

"قرآن حکیم ظہور شریعت و نزول وحی کا پہلا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ کہ اجتماع اور ائتلاف پیدا ہو اور بار بار کہتا ہے کہ تفرقہ و انتشار شریعت و وحی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے اور اس لیے یہ نتیجہ شریعت کے تجلی و ظہور کا ان اور اس کو ترک کر دینے کا ہے۔" (مسئلہ خلافت طبع دوم صفحہ ۱۱)

سلسلہ تحریر جاری رکھتے ہوئے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں۔

"اور پھر یہ حقیقت کس قدر واضح ہو جاتی ہے۔ جب ان تمام مشہور احادیث پر غور کیا جائے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ہے۔۔۔"

حضرت مولانا! یہ حقیقت آج کس مسلمان پر واضح نہیں۔ علماء کرام کی بڑی سے بڑی گمراہی اس پر پردہ نہیں ڈال سکتی لیکن ایک اور حقیقت بھی ہے جو آج مسلمانوں پر آشکارا ہو رہی ہے اور وہ یہ کہ وہی لوگ جو کبھی مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچا کرتے تھے آج اس کا حلیہ بگاڑ کر ہندو وطنیت کی دیوی کی تصویر کھینچ کر اس کی پوجا میں مصروف ہیں۔ ومن یضلل اللہ فلا ھادی لہ۔ انگریزی خواں طبقہ اور عوام جن کی نظر حقائق دینی و رموز شرع متین پر نہیں اگر بادیہ غوایت و ضلالت میں بھٹک جائیں تو چنداں تعجب انگیز نہیں مگر اس کو مسلمانوں کی بدبختی کے علاوہ اور کیا کہیئے۔ علمائے دین بھی "بتان وطن" کی جادو نظری کا شکار ہو چکے ہیں ؎

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے مُلّا ہیں کیوں ننگِ مسلمانی   اقبالؒ

اصلاح و تعمیر اُمت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:-

"پہلی چیز جماعت ہے۔ تمام اُمت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اور اپنے مرکز قومی سے جُڑ کر رہنا چاہیئے۔ الگ الگ نہیں رہنا چاہیئے"

یہ اُس ابوالکلام کا بحیثیت "امام الہند" ارشاد ہے جو آج

خود مرکز ملت کے تباہ کرنے میں مصروف ہے ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

جماعت کی توضیح یوں فرمائی گئی ہے :-

"جماعت مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں اتحاد و اختلاف امتزاج اور نظم ہو۔ اتحاد سے مقصود یہ ہے کہ اپنے اعمال حیات میں افراد منتشر نہ ہوں۔ ایک دوسرے سے ملے ہوں اور ان کے تمام اعمال مل جل کر انجام پائیں۔ کسی گوشۂ عمل میں بھی پھوٹ نہ ہو۔ ائتلاف کا مرتبہ اتحاد سے بلند تر ہے۔ امتزاج ترکیب کا تیسرا مرتبہ ہے اس میں کمیت سے زیادہ کیفیت ہونی چاہیئے یعنی مختلف افراد کو باہم اس طرح ملا دیا جائے کہ جس فرد کا اجتماعی مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھ مل کر ایک متحدہ کیفیت حاصل کر سکتا ہے ویسا ہی مزاج اس کے ساتھ ملا دیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ دو ایسے آدمیوں کو ملا دیا گیا جن کی طبیعت و خصلت اور استعداد و صلاحیت باہم گر میل نہیں کھا سکتی ان کو خواہ کتنا ہی ملاؤ لیکن تیل اور پانی کی طرح ہمیشہ الگ الگ ہی نظر آئیں گے۔"

قوموں کے اتحاد امتزاج اور ائتلاف کے متعلق کیا ارشاد ہے؟

ہندو مسلمانوں کو آپس میں ملا کر ایک قومیت کی تعمیر کیا چیز ہے؟ کیا ان میں سے ایک تیل اور دوسرا پانی نہیں؟ کیا آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کو اپنی کسی کیمیاوی ترتیب سے تحلیل فرما کر دوسرے میں جذب ہونے کے قابل بنا دیا ہے؟ دنیا دیکھ رہی ہے کہ آپ مسلمان کی ساری "ونیت" یعنی قومی

اور اسلامی عصبیت کو ختم کر کے پانی بنا دینے کی سعی فرما رہے ہیں! اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو آج آپ کا مسلک وہی ہوتا جس کے ماتحت کبھی آپ فرمایا کرتے تھے:۔

"غور کرو ایک مشرک اور مسلم کی زندگی میں کتنا فرق ہے مشرک پتھروں سے ڈرتا ہے کہ وہ خدا ہیں۔ ستاروں سے ڈرتا ہے۔ کہ وہ خدا ہیں۔ گمنام اور بوسیدہ قبروں کی اینٹوں سے ڈرتا ہے۔ کہ وہ خدا ہیں۔ خود انسانوں سے ڈرتا ہے کہ وہ خدا ہیں لیکن ایک مسلم کا عقیدہ ہے کہ فاطر السمٰوات والارض کی ایک ذات کے سوائے دنیا میں کوئی وجود نہیں جس سے ڈرا جائے"

(الحریت فی الاسلام صفحہ ۹۵)

مولانا! ادب سے پوچھتے ہیں کہ ہندوستان میں جس کو متحد فرمانے کا عزم مولانا کی عزیز ترین متاع ہے کیا ۲۴ کروڑ مشرک نہیں بستے۔ کیا یہ پتھروں۔ ستاروں بانبی پیپل اور بڑ کے درختوں کے پتے پتے کو خدا نہیں سمجھتے۔ کیا ان کی عبودیت گنگا تا ہزنشار نہیں؟ اگر آپ کا بدلا ہوا مسلک اس کا جواب نفی میں دے تو کیا آپ ان سب کو فاطر السمٰوات والارض کے آستان جلال وجبروت پر جھکا چکے ہیں۔ اگر آپ کے نورانی ضمیر کا کوئی گوشہ اس کا جواب بھی نفی میں دے تو کیا اس سے انکار کی جرأت فرمائیں گے۔ کہ مسلمان کی فطرت وہی ہے جس کی تصویر آپ کے مندرجہ بالا اقتباس میں جھلک رہی ہے۔ جب حقیقت یہ ہے۔ تو آپ کس برتے پر متحدہ مسلمانوں کو مل کر سیاسی جدوجہد کی تلقین فرما رہے ہیں۔ کیا مختلف منزلوں۔ مختلف دلوں۔ مختلف دماغوں اور مختلف

فطرتوں کے باوجود یہ کسی نتیجہ پر منتج ہو سکتی ہے۔ کیا اس قسم کی رہنمائی قرین دانش و انصاف بھی ہے۔ اس کا نتیجہ ایک ہی ہو سکتا ہے کہ یا تو مسلمان شدھ ہو جائیں یا ہندو حلقہ بگوش اسلام۔ موخر الذکر شے کچھ دشوار نہ تھی۔ اگر ابوالکلام جیسی ہستیاں اپنے مرکز ثقل سے نہ ہٹتیں مگر

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

آج مسلم لیگ کا سب سے بڑا جرم اس کی یہ دعوت ہے کہ مسلمان بلا شرکت غیرے اپنی تنظیم کریں اور ایک خالصۃً اسلامی۔ غیر مخلوط جماعت کے افراد کی حیثیت سے زندہ رہیں سنیے کہ مولانا صاحب اس تنظیم کے متعلق کیا فرماتے تھے ارشاد تھا:۔

"ایک بہت بڑی چیز جس کی ہم میں کمی ہے۔ تنظیماتِ عمل (آرگنائزیشن) ہے اور اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ مقصد مشترک سامنے موجود ہو اور سب ہیں اس کے نام سے ایک رشتہ باہمی قائم ہو جائے" (الہلال ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء)

یہی آرگنائزیشن آج فرقہ پرستی (COMMUNALISM) قرار دیا جاتا ہے جو اس ضابطہ کی رو سے جو آسمان وارد ہوا ہے نازل ہوتا ہے اور جو مولانا صاحب اور ان کے رفقائے کار کے نزدیک وحی منزل کی طرح واجب التسلیم ہے۔ ناقابل عفو گناہ ہے وہی تنظیم جس کے متعلق مولانا نے مسئلہ خلافت و جزیرۃ العرب میں کبھی تحریر فرمایا تھا"

"اور اسی بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام جماعت رکھا اور جماعت سے علیحدگی کو "جاہلیت" اور "حیات

جاہلیہ سے تعبیر کیا ہے۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شئے نہیں ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے اور فرد کا وجود اور تمثال بھی اس لیے ہیں تاکہ ان کے اجتماع و تالیف سے ہیئت اجتماعیہ پیدا ہو۔ ۔ ۔ ۔ اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں اور عہد صحابہ سے لے کر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ و حفاظ میں اس قدر ان کی شہرت رہ چکی ہے کہ اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچی ہوگی۔ سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کی ایک روایت نقل کروں گا جس میں بالترتیب اسلام کا نظام بیان کیا گیا ہے۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی فرمایا تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کے لیے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے جماعت۔ سمع۔ طاعت۔ ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بے قیدگی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا۔ خواہ وہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو فرمایا! ہاں اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور بزعم خویش اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو۔"

اس کی تشریح میں مولانا صاحب فرماتے ہیں:۔

"پہلی چیز جماعت ہے یعنی اُمت کی ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اپنے قومی مرکز سے جُڑ کر رہنا چاہیئے۔ الگ الگ نہیں رہنا

چاہیے۔ آگے چل کر شہرت کے ساتھ وہ حدیثیں ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہو کر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی جو ایک بندھی سمٹی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امیر کے تابع نہ ہو اسلام نے غیر اسلامی اور جاہلیت کی راہ قرار دیا ہے"

ان بیّن اور واضح تصریحات کے بعد ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ خود حضرت مولانا اور ان کے ہم مشرب حضرات کی موجودہ زندگی کیسی ہے اور کس کی راہ ہے! یہ حضرات

آپ ہی اپنے ذرا طرز عمل کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

سنیئے فرماتے ہیں:۔

"پس جاہلیت کا دوسرا نام تفرقہ ہوا اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث میں یہ حقیقت واضح کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص جماعت اور طاعت امام سے الگ ہو گیا۔ گویا وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔ اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو"

"ہم سوائے اس کے اور کیا کر سکتے ہیں کہ ان حضرات کے حق میں دعا کریں کہ اگر کسی لغزش سے ان کا قدم اسلامی جادۂ مستقیم سے پھسل گیا ہے تو کم از کم ان کی موت تو جاہلیت کی موت نہ ہو۔ ربنا تقبل منا انت السمیع العلیم"

پھر ارشاد ہے:۔

"مسلمانوں کے لیے راہ عمل ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے اور

ہمیشہ کی طرح اب بھی ایکسری یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت سے باز آجائیں جس میں وہ ایک عرصہ سے مبتلا ہیں اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے ان پر بند ہو گیے ہیں، جماعتی زندگی کی معصیت سے مقصود یہ ہے وہ بالکل اس گلہ کی طرح ہیں جس کا ریوڑ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہو کر گم ہو گیا ہو!!"

ایسی غیر اسلامی زندگی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے فرماتے ہیں:-

"قرآن و سنت نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کر دیتے اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے۔ لیکن جماعتی معصیت کا تخم یعنی نظام جماعتی نہ ہونا ایسا تخم ہلاکت ہے۔ جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری کی پوری قوم تباہ ہو جاتی ہے"

ہم مولانا صاحب سے دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ وہی "جماعتی معصیت" جو کبھی ان کے نزدیک پوری کی پوری قوم کو تباہ کرنے کا موجب تھی آج کس طرح قوم کے حق میں مسیحا نفس بن گئی؟ سوچیے اور غور کیجیے۔ آپ کی موجودہ روش کس طرح آپ کے دامن تقدیس و تفقہ کی دھجیاں بکھیر رہی ہے اور وہ بھی کسی دوسرے کے ہاتھ سے نہیں۔ بلکہ خود آپ کے اپنے ہی دستِ مبارک سے۔

تحریک آزادی میں مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہونی چاہیے اس کے متعلق دورِ قومیت پرستی سے پیشتر کا اسلام مولانا صاحب کو کیا سکھاتا تھا ملاحظہ فرمایئے:-

"ہم نہایت حیرت کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ تقسیم

بنگال کی تنسیخ سے نہیں بلکہ پیشتر سے اپنے اندر آزادی اور حقوق طلبانہ پالیسی کا ولولہ رکھتے ہیں۔ گو عام راہِ ضلالت سے الگ ہٹنے کا انہیں الاؤنس دینا چاہیئے لیکن افسوس ہے کہ ان کے سامنے بھی ہندوؤں کی پولیٹیکل جد وجہد کے سوا کوئی مستقل اور علیحدہ راہ نہیں ہے وہ بھی اپنی ترقی کا سدرۃ المنتہیٰ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہندوؤں کے قدم بقدم چلنا سیکھ جائیں۔ بے شک ہمارے عقیدہ میں بھی آجکل مسلمانوں کے لیے عبرت اور تنبیہ کا سب سے بڑا سبق ہندوؤں کے سیاسی اعمال میں ہے اور بڑی بدبختی یہی تھی کہ آج تک اس سے عبرت حاصل نہیں کی گئی لیکن پروانِ امام مبین کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مذہبی موت نہیں ہو سکتی کہ اعمال زندگی کے ایک ضروری شعبے میں ان کو اسلام تعلیم دینے سے مجبور و لاچار ہو گیا۔

اور اس کی طرف سے مایوس ہو کر انہیں ایک دوسری قوم کے دسترخوان کی بچی ہوئی ہڈیوں پر جھکنا پڑے اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے کہ سرے سے اسلام ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ دنیا کو ایسے مذہب کی کیا ضرورت ہے جو صرف خطبۂ نکاح میں چند آیتیں پڑھ دینے یا بستر نزع پر سورہ یٰسین کو دہرا دینے کے لیے کارآمد ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک اسلام کے دامن تقدیس پر اس سے بڑھ کر اور کوئی بدنما دھبہ نہیں ہو سکتا کہ انسانی حریت اور ملکی فلاح کا سبق مسلمان غیر قوموں سے لیں۔ پس اگر مسلمان زندگی حاصل کر سکتے ہیں تو مسلمان بن کر ہندو یا سکھ بن کر نہیں۔ اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اس کا ٹمٹماتا ہوا دیا چرانے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر یہ بھی فرض کر لیجیے کہ کل ہندوؤں کو اپنی پالیسی بدل دینی پڑی جتنی راہیں انسانی دماغ کی پیدا کردہ ہیں ان میں کثیر و تبدل ہر

وقت ممکن ہے۔ البتہ خدا کی تعلیم میں ممکن نہیں کہ لاتبدیل لکلمات اللہ پھر کیا اس حالت میں مسلمان بھی اپنے اماموں کے ساتھ اپنی نمازیں توڑ دیں گے! ذرا غور سے کام لیجئے کہ گہری اور تفکر طلب باتیں ہیں۔ ہم مسلمانوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ خواہ کسی اصول پر مبنی ہو لیکن وہ ایک ایسی راہ پیدا کر لیں جو ان کی مستقل اور مخصوص راہ ہو جس میں کبھی تغیر کی ضرورت نہ ہو۔ تمام خارجی اثرات سے محفوظ ہو نیز کہا جاسکے کہ وہ مسلمانوں کی راہ ہے۔ ... ہمارے ملکی بھائی اپنے اندر صرف قومیت اور سیاست کی روح پیدا کر کے زندگی کی حرارت پیدا کر سکتے ہیں اسی طرح اور قومیں بھی۔ لیکن مسلمانوں کی تو کوئی علیحدہ قومیت نہیں جو کسی خاص نسل و خاندان یا زمین و جغرافیائی تقسیم سے تعلق رکھتی ہو۔ ان کی ہر چیز مذہب یا بالفاظ مناسب تر ان کا تمام کاروبار صرف خدا سے ہے۔ پس جب تک وہ اپنے تمام اعمال کی بنیاد مذہب کو قرار نہیں دیں گے اس وقت تک ان میں نہ قومیت کی روح پیدا ہو سکے گی اور نہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازہ کو جمع کر سکیں گے۔ آج دنیا "قوم" اور "وطن" کے نام میں جو تاثیر رکھتی ہے۔ مسلمان کے لیے وہ اثر صرف اسلام یا خدا کے لفظ میں ہے۔ یورپ میں "نیشن" کا لفظ کہہ کر ایک شخص ہزاروں دلوں میں حرکت پیدا کر سکتا ہے لیکن آپ کے پاس اس کے مقابلہ میں کوئی لفظ ہے۔ تو خدا یا اسلام ہے لہٰذا۔

۱۔ مسلمانوں کے لیے ہر شے ان کے مذہب میں ہے پس وہ اگر آج کل اپنی پولیٹیکل زندگی اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جگہ اس شے ہی کو کیوں نہ پیدا کریں جو نہ صرف پالٹیکس بلکہ قومی اعمال کی ہر شاخ کو زندہ کر دے۔

۲- قرآن کریم صرف نماز اور وضو کے فرائض بتلانے کے لیے ہی نازل نہیں ہوا بلکہ وہ انسانوں کے لیے ایک کامل اور مکمل قانون فلاح ہے۔ جس سے انسانی زندگی کی کوئی شے باہر نہیں پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی اور ہر وہ عمل جو قرآنی تعلیم پر مبنی نہ ہوگا ان کے لیے موجب فوز و فلاح نہیں ہو سکتا۔

۳- ان کو اپنا نصب العین صرف "اسلام" بنانا چاہیے اور ساری طاقت اس میں صرف کرنی چاہیے۔ کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر احکام اسلام کے مطیع و منقاد ہو جائیں، اسلام ہی ان کے لیے پالٹیکس کی راہ کھولے گا۔ تعلیم کا حکم دے گا۔ اخلاق و فضائل میں تبدیلی پیدا کرے گا۔ اور وہ تمام باتیں جن کو ترقی یافتہ قوموں میں دیکھ کر وہ للچا رہے ہیں۔ نقصانوں اور ضرروں سے صاف ہو کر ان میں پیدا ہو جائیں گی۔

۴- تعلیم معاشرت اور سیاست میں ان کو بربنائے اتباع اقوام کوئی راہ اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ "بربنائے مذہب"۔

(الہلال ۹ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

کانگریس کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ مذہب انسان اور خدا کے درمیان ایک ذاتی معاملہ ہے اسے سیاسیات میں کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔ کانگریس کے ارباب حل و عقد آئے دن یہی کچھ کہتے رہتے ہیں اور برملا کہتے ہیں اور مولانا صاحب کا سکوت اور عملاً اس جماعت میں شرکت اس امر کی دلیل ہے کہ آج وہ بھی یہی کچھ سمجھ رہے ہیں لیکن دیکھیے کہ مصلحت کوشیوں کے اس دور سے پیشتر مولانا صاحب کا اس باب میں کیا مسلک تھا۔ کسی صاحب نے انھیں لکھا کہ آپ مذہب اور سیاست کو ایسی

ہیں کیوں ملاتے ہیں جواب میں آپ نے فرمایا :-

"آپ فرماتے ہیں کہ پولیٹیکل مباحث کو مذہبی رنگ سے الگ کر دیجیے، لیکن اگر الگ کر دیں۔ تو ہمارے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے ہم نے تو اپنے پولیٹیکل خیالات بھی مذہب ہی سے سیکھے ہیں۔ وہ مذہبی رنگ ہی میں مذہب کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ہم انھیں مذہب سے کیونکر الگ کر دیں ؟ ہمارے عقیدہ میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو ایک کفر صریح اور پولیٹکس بھی اسی میں داخل ہے، افسوس ہے کہ آپ حضرات نے اسلام کو کبھی بھی اس کی اصلی عظمت میں نہیں دیکھا۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ورنہ اپنی پولیٹیکل پالیسی کے لیے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ ہندوؤں کی اقتدا کرنے کی ضرورت پیش آتی ؟

"آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں پولیٹیکل خیالات کے تین راستے موجود ہیں۔ الہلال کس راہ پر قوم کو لے جانا چاہتا ہے

... ... الحمد للہ کہ ہم جناب کی قرار دی ہوئی تینوں انسانی راہوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے، بلکہ اس چوتھی راہ الٰہی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ جو قرآن کی بتلائی ہوئی راہ و صراط مستقیم ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان اپنے کسی عمل و اعتقاد کے لیے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا راہ نما بنائے وہ مسلم نہیں بلکہ شرک فی صفات اللہ کی طرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم اور اس لیے مشرک ہے۔ اسلام اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کے پیروؤں کو اپنی پولیٹیکل پالیسی قائم کرنے کے لیے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے، مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹیکل تعلیموں

کے آگے جھک کر نیا راستہ پیدا کریں ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں وہ خود دُنیا کو اپنی جماعت میں شامل کرنے والے اور اپنی راہ پر چلاتے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں۔ وہ خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو ساری دُنیا ان کے آگے کھڑی ہو جائے ان کا خود اپنا راستہ موجود ہے، راہ کی تلاش میں کیوں اوروں کے دروازوں پر بھٹکتے پھریں۔ خدا اگر ان کو سربلند کرتا ہے۔ تو وہ کیوں اپنے سروں کو جھکاتے ہیں؟ وہ خدا کی جماعت ہیں اور خدا کی غیرت اس کو کبھی گوارا نہیں کرتی کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والوں کے سر غیروں کے آگے جھکیں۔ یہ الہلال کی پالیسی ہے اور یہی دعوت ہے جس کی طرف ہم مسلمانوں کو بلانا چاہتے ہیں یہ کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں اور نہ کسی انسانی گروہ کا اتباع و تقلید ہے۔ اگر مسلم لیگ مسلمانوں کی پولیٹیکل راہ نمائی کرنا چاہتی ہے تو اس کو بھی یہی راہ اختیار کرنی چاہیے۔"

(مضامین آزاد حصہ دوم)

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہم تو خود اسے مسلمانوں کی سب سے بڑی غلطی سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ انھوں نے اپنے سامنے دو ہی راستے دیکھے یا گورنمنٹ پر اعتماد اور یا ہندوؤں اور کانگریس کی شرکت یعنی آزادی سیاسی! کو ہندوؤں کا مرادف سمجھا مگر خود اپنے تئیں بھولے رہے اور اس لیے بھولے رہے کہ خدا کو بھلا دیا ... اس لیے ہماری تمام سعی و جہد کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو یاد دلا دیں کہ دُنیا میں رہنے کے لیے جتنی چیزیں مطلوب ہیں وہ خود ان کے پاس موجود ہیں اوروں کے دروازوں کی دریوزہ گری کے لیے کیوں تک رہے ہیں۔"

(الہلال ۲۶ دسمبر ۱۹۱۲ء)

ہندوستان میں وطنیت اور اسلام کی آمیزش مسلمانوں کے لیے موت وحیات کی کش مکش ہم معنی ہے۔ اس لحاظ سے جتنا نازک وقت امت کے سر پر کوئی نہیں آیا۔ اس آشوب میں سے کامیابی کے ساتھ اس وقت تک گزارنا ناممکن ہے۔ جب تک مسلمان مسلمان بن کر دل ودماغ کے ساتھ مسائل حاضرہ کو محسوس کرنے اور سمجھنے کی سعی نہیں کرتا اگر مسلمان اپنی ملی اور انفرادی ہستی سے دست بردار ہو جائیں۔ تو آج سارا خرخشہ ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن اس وقت مسلمان (خاکم بدہن) بحیثیت مسلمان فنا ہو جائے گا اور صرف بحیثیت ہندوستانی باقی رہ جائے گا۔ یارانِ وطن کی ساری جدوجہد یہی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کا وجود بحیثیت مسلمان مٹ جائے اگر وہ باقی رہے تو ہندوستانی قومیت کا جزو بن کر باقی رہے۔ ہندوستانی قومیت کیا ہوگی اس کی طرف بھی اشارہ کیا جا چکا ہے یہ ہندو دھرم کی نشاۃ جدید ہوگی۔ جو اسلام کے مزار پر تعمیر کی جائے گی چونکہ برادرانِ وطن اس ملک میں غالب اکثریت کے مالک ہیں لہٰذا جمہوریت کے اصولوں پر انہی کی ہر چیز قومی کہلائے گی۔ مقدس خیال کی جائے گی اور مکمل و خود اختیاری وطنی حکومت اس کا احترام بنوک شمشیر کرائے گی، متحدہ قومیت کی بحث کے دوران جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا، یہ محض واہمہ خلاق ہی کی نادرہ کاریاں نہیں بلکہ حقائق ہیں جن کو ہر قلب زندہ محسوس کر رہا ہے۔ ہر چشم وا دیکھ رہی ہے اور ہر گوش شنوا سن رہا ہے الا ختم اللّٰہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ۔

اندریں حالات عزت و آبرو سے ہندوستان میں زندہ رہنے کے لیے مسلمانوں کو بڑی سے بڑی قربانی کے لیے ہر لمحہ تیار رہنا چاہیے۔ ہر نئی طلوع ہونے والی سحر اپنے دامن میں آزمائش کا پیام لا سکتی ہے، قبل اس کے یہ آزمائش کی گھڑی سر پر آ جائے ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اسلام خدا کا آخری مکمل ترین اور عالمگیر پیام ہے اس کو کسی لسانی۔ وطنی۔ نسلی یا معاشی مفاد کے تابع تسلیم کر لینے کے معنی اس کی صداقت سے انکار ہے۔ علم و فضل۔ زہد و تقدس اور عبا و قبا سے مرعوب ہونے اور بہک جانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

خود حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے الفاظ ہیں:-

"سانپ اور بچھو ایک سوراخ میں جمع ہو جائیں گے لیکن علمائے دنیا پرست کبھی ایک جا اکٹھے نہ ہوں گے۔ کتوں کا مجمع ویسے تو خاموش رہتا ہے لیکن ادھر قصائی نے ہڈی پھینکی اور وہ ادھر ان کے پنجے تیز اور دانت زہر آلود ہو گئے۔ یہی حال ان سگان دنیا کا ہے۔ ساری باتوں میں متفق ہو جا سکتے ہیں لیکن دنیا کی ہڈی جہاں مطرح ہو۔ وہاں پہنچ کر اپنے پنجوں اور دانتوں پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ ان کا سرمایۂ ناز علم حق نہیں ہے جو تفرقہ مٹاتا اور اتباع سبل متفرقہ کی جگہ ایک صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ بلکہ یکسر علم جدل و خلاف ہے۔ نفس پرستی اس کی کثافت کو خمیر دیتی ہے اور دنیا طلبی کی آگ اس کی ناپاکی کے بخارات کو اور زیادہ تیز کرتی رہتی ہے۔ فساق و فجار خرابات میں بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کا جام تندرستی پیتے ہیں اور چور ڈاکو مل جل کر راہ نمائی کرتے ہیں۔ مگر یہ گروہ خدا کی مسجد اور زہد و عبادت کے صومعہ و خانقاہ میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو درندوں کی

طرح چیرتا اور پھاڑتا اور پنجہ مارتا رہتا ہے۔ میکدوں میں محبت کے ترانے اور پیار والفت کی باتیں سننے میں آجاتی ہیں۔ مگر مینِ محراب کے پیچھے پیشوائی اور امامت کے لیے اُن میں سے ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کی گردن پر بڑھتا ہے اور خون خواری کی ہر آنکھ دوسرے بھائی کے خون پر لگی ہوتی ہے۔ حضرت مسیحؑ نے احبار و یہود سے فرمایا تھا: "تم نے داؤد کے گھر کو ڈاکوؤں کا بھٹ بنا دیا ہے۔" ڈاکوؤں کے بھٹ کا حال تو نہیں معلوم لیکن ہم نے مسجد کے صحن میں بھیڑیوں کو ایک دوسرے پر غُرّاتے اور خُون آشام دانت مارتے دیکھا ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۳ ۸ و ۴ ۸ - دوسرا ایڈیشن ۱۰۳ و ۱۰۴)

یہ اقتباس حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کی مشہور کتاب تذکرہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کو پڑھ کر ہی وہ سادہ دل مسلمان جو علمائے کرام کے ہر فرمان واجب الاذعان کو الہام سمجھ کر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ لرز جاتا ہے۔ اس پر نہ مزید عرض کرنے کی جرأت ہے نہ ضرورت یہ حضرت مولانائے محترم ہی کا حصّہ تھا۔ جب حقیقت یہ ہے تو کیا آج بھی مسلمانوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول ہی کافی نہیں؟ الیس اللہ بکاف عبدہ کا۔

برہمن گفت برخیز از در غیر | زیارانِ وطن ناید بجز خیر
بیک مسجد دو مُلّا می نہ گنجد
ز افسون بتاں گنجد بیک دیر (اقبالؒ)

مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت کانگریس پر مرتبہ علامہ اقبالؒ سے آواز سے

یہ مرتبہ ہے صدا آئی حرم کے رہنے والوں کو
شکایت تجھ سے ہے اک تارکِ آئینِ آبائی

تیرا اے قیس کیوں کر ہو گیا سوزِ دروں ٹھنڈا
کہ لیلےٰ میں تو ہیں اب تک وہی اندازِ لیلائی
نہ تخمِ لا الٰہ تیری زمینِ شور سے پھوٹا
زمانے بھر میں رسوا ہے تری فطرت کی نازائی
ہوئی ہے تربیت آغوشِ بیت اللہ میں تیری
دلِ شوریدہ ہے لیکن صنم خانے کا سودائی
وفا آموختی از ما بکارِ دیگراں کر دی
ربودی گوہرے از ما نثارِ دیگراں کر دی

(بانگ درا)

مسٹر گاندھی نے جب دیکھا کہ مسلمانانِ ہند کا منتشر اور بکھرا ہوا شیرازہ ایک مرکز پر جمع ہو رہا ہے اور ان بکھرے ہوئے ذرّوں میں نمودِ حیات پیدا ہوتی جاتی ہے اور جناح کی قیادت پر ان کا یقین و اعتماد بڑھ رہا ہے اور مسلمان اسلام کی سربلندی و سرفرازی کے لیے مردانہ وار میدانِ عمل میں آ گئے ہیں اور اسلام کے بنیادی اصول کو نصب العین بنا کر انھوں نے جماعت بندی کر لی ہے یہ اسلام کے نشہ سے سرشار قافلہ اپنے سالارِ کارواں کی قیادت میں منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تو مہاتما جی نے مسلمانوں کو اپنے دامِ فریب میں پھانسنے کے لیے مولانا آزاد کو کانگریس (ہندو جماعت) کی کرسی صدارت پر بٹھا دیا۔ یہ بھی سنا ہے کہ جب ہمایوں نے اپنے غدار بھائی کے خلاف یورش کی اور وہ کابل کے قلعہ میں محصور ہو گیا تو اس نے قلعہ کی دیوار کے اس مقام پر جو ہمایوں کی فوج کا خاص نشانہ تھا۔ خورد سال اکبر کو لا کر بٹھا دیا جو اس وقت

اس کے قبضے میں تھا تاکہ ہمایوں اپنے بچے کی خاطر اس سیلاب انگیزی سے رُک جائے۔

مسٹر گاندھی نے یہ واقعات سُن رکھے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اس میدان کارزار میں مسٹر جناح کے تیروں کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو انھوں نے مولانا آزاد کو کرسیٔ صدارت پر بٹھا کر آگے بڑھا دیا کہ اب تو فریق مخالف کے تیر اندازوں کے ہاتھ رُک ہی جائیں گے لیکن وہ حقیقت حال کا صحیح جائزہ نہیں لے سکے۔ انھیں یہ واضح ہونا چاہیے کہ مسلمان کو اب خوب معلوم ہے کہ جس چیز کو گاندھی جی نیزوں پر لٹکا کر سامنے لا رہے ہیں وہ "قرآن" نہیں ہے بلکہ قرآن کی جلد میں "گیتا" ہے۔ وہ نہیں جانتے ہیں کہ جس بچے کو اکبر بنا کر قلعہ کی دیوار پر بٹھایا جا رہا ہے۔ وہ جیتا جاگتا بچہ نہیں بلکہ سیلولائیڈ کا کھلونا ہے۔ مسٹر گاندھی کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا یہ حربہ ایک استعمال شدہ کارتوس سے زیادہ وزنی نہیں ہے۔ وہ ان شاطرانہ چالوں سے دُنیا کی آنکھوں میں خاک نہیں جھونک سکتے۔ دُنیا جانتی ہے کہ جب وائسرائے صاحب کی ایگزیکٹو کونسل میں کسی سر جگدیش پرشاد یا سر ظفر اللہ خاں کی شرکت کے باوجود گورنمنٹ انگریز ہی کی ہے تو کانگریس کی کرسیٔ صدارت پر کسی مولانا آزاد کی موجودگی کانگریس کو ہندو جماعت سے کچھ اور نہیں بنا سکتی، دُنیا اب خوب جانتی ہے کہ اسٹیج پر پنڈت نہرو ہوں یا مولانا آزاد ان کی حیثیت ایک ایکٹر ہی کی ہے۔ تماشہ کا پورا پروگرام اس ڈائرکٹر کے ہاتھ میں ہے جو اسٹیج کے پیچھے بیٹھا ہے اور یہ بات کوئی چھپی ڈھکی تو ہے نہیں۔ مولانا آزاد نے

انتخاب صدارت کے بعد اپنی پہلی تقریر میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

" میرا انتخاب دراصل اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ لوگوں کو مہاتما گاندھی کی ذات پر کتنا اعتماد ہے اور ان کے پروگرام کو ملک کس قدر پسند کرتا ہے۔"

یعنی "میں کچھ نہیں ہوں"۔ صدر بھی دراصل مہاتما جی ہی ہیں اور پروگرام بھی انہی کا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پیر طریقت وارد ھا سے خرقہ خلافت عطا ہی اسی کو ہوتا ہے جو اپنے فنا فی الشیخ ہونے کا پورا پورا ثبوت دے دے۔ جس کی عقیدت وارادت میں ذرا بھی شبہ ہو جس میں اپنی خودی کی تھوڑی سی بھی رمق باقی ہو فوراً راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے اعتبار نہ ہو تو پوچھئے مسٹر بوس سے کہ ان کے ساتھ تریپوری میں کیا گذری تھی!

ہاں تو جب حقیقت یہ ہو تو پھر یہ خیال کہ ایک مسلمان کو صدر بنا کر دنیا کو یہ دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ کہ کانگریس ہندو مسلمانوں کی مشترکہ نمائندگی کر سکتی ہے، دنیا کو دھوکا نہیں خود اپنے کو دھوکا دینا ہے۔ مولانا آزاد کی صدارت سے ایک فائدہ ضرور ہوا انھوں نے جب سے اپنا قدیم اسلامی مسلک چھوڑ کر جدید قومی مشرب اختیار کیا تھا ان کی زبان بند اور ان کا قلم خشک ہو گیا تھا اور ان کی اس خاموشی سے اکثر دھوکا دیا جاتا تھا۔ کہ مولانا نے یہ جدید پیرہن بناء بر مصلحت پہن رکھا ہے ورنہ دل سے وہ اپنے قدیم مسلک ہی کے حامی ہیں چنانچہ ابھی حال ہی میں "مدینہ" اخبار کے ایڈیٹر نے لکھا تھا۔ کہ مولانا صاحب نے ایک نجی گفتگو میں فرمایا کہ "وہ مسلمانوں کو ایک جداگانہ

قوم سمجھتے ہیں" اور ہندوؤں کے ساتھ ان کا اشتراک عمل انگریز کے خلاف مشترکہ محاذ کی خاطر موجود ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اب جو مولانا صاحب صدر بنا دئے گیے ہیں انھیں بولنا بھی پڑیگا اور لکھنا بھی اور یوں ساری حقیقت بے نقاب ہوجائے گی۔

چنانچہ مدیر مدینہ کے محولہ بالا بیان کی تردید تو انھوں نے اپنی پہلی ہی تقریر میں کر فرمائی، جب انھوں نے لاہور میں کہا کہ مسٹر جناح کے اس نظریہ کی کبھی تائید نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان الگ الگ قومیں ہیں۔ یہ تو دو نیا ؤں کا ماجرا ہے، ابھی دیکھئے سال بھر میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بھی اچھا ہوا کہ اب مولانا صاحب بے نقاب ہو کر سامنے آگیے اس طرح بہت سے سادہ لوح مسلمان اس غلط فہمی کے اندھیرے سے نکل آئیں گے جو مولانا آزاد صاحب سے ان کی دیرینہ عقیدت و ارادت کی بنا پر ان کی آنکھوں کے سامنے چھایا ہوا تھا۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

(طلوع اسلام مطابق مارچ ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۱ تا ۱۴)

اب حضرت قائداعظمؒ کا حقیقت افروز فرمان پڑھیے جو ہندو اور انگریز کی متحدہ سازش کے قلعہ پر برق خاطف بن کر گرا۔

قائداعظمؒ

"انگریز چاہتے ہیں کہ ہم ہندوستان پر حکومت کریں اور مہاتما گاندھی چاہتے ہیں کہ ہم ہندوستان پر حکومت کریں لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم نہ انگریز کو اپنے اوپر حکومت کرنے دیں گے نہ

ہندو کو خواہ یہ الگ الگ ہوں یا دونوں متحد ہو کر ایسا کرنا چاہیں"
(ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲/۴ ۲۳)

ہم آپ سے صرف اتنا عرض کریں گے۔ کہ قرآن وحدیث کے کسی بڑے سے بڑے عالم سے پوچھئے کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور ان کا قانونِ حیات الگ ہے ان میں سے کونسی چیز اسلام کے خلاف ہے؟ تو پھر فرمائیے کہ تباہی کی طرف جناح لیے جا رہے ہیں یا ابوالکلام اور ان کے جشلسٹ علماء؟ یہ مقدس طائفہ علماء گمراہ ہے یا جناح۔ ہندوستان کے احوال وظروف کے پیش نظر کونسی راہ صراطِ مستقیم ہے؟

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہندوستان جیسے ملک میں ایک ہم آہنگ کل کی تشکیل کے لیے بلند سطح کی فرقہ پرستی بالکل ضروری اور ناگزیر ہے، برعکس یورپین ممالک کے ہندوستان میں جماعتی تشکیل کی بنا جغرافیائی حدود نہیں۔ ہندوستان ایک ایسا برا عظم ہے جس میں مختلف النسل۔ مختلف اللسان۔ مختلف المذاہب انسانوں کی جماعتیں آباد ہیں۔ ان کے نظریۂ زندگی کی بنا کسی مشترک نسلی شعور پر نہیں حتّٰی کہ ہندو بھی کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جس کے مختلف افراد میں فکر و نظر کی یکسانیت ہو۔ ہندوستان میں یورپین اصولوں کے مطابق جمہوریت کی تشکیل نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہاں مختلف فرقوں کی جداگانہ ہستی کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ مطالبہ بالکل حق بجانب ہے۔ کہ ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہند (MUSLIM INDIA) کو معرض وجود میں لایا جائے۔ ہمیں ان حوادث وموانع سے گھبرانے

کی ضرورت نہیں۔ آپ اس راستہ پر قدم اٹھاتے چلے چند دنوں کے بعد آپ دیکھ لیں گے کہ توفیق ایزدی اسی مرد راہ بین علیہ الرحمتہ کے الفاظ میں ہے

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار
نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خون گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

(اقبال ۱۹۱۲ء)

اب ہندو کی تعریف مسٹر ساورکر صدر ہندو مہا سبھا کی زبان سے سنیئے۔ ان کی تحقیق انیق :-

"ہر وہ شخص جو اس بھارت بھومی کو یعنی اس سرزمین کو جو دریائے سندھ سے سمندروں تک پھیلی ہوئی ہے اپنی اور وطن اور مقدس سرزمین کو اپنے مذہب کا سرچشمہ اور اپنے ایمان کا گہوارہ سمجھتا ہے وہ ہندو ہے۔ اس لیے ویدک دھرم، سناتن دھرم، جین اور بدھ مت کے ماننے والے لنگ کی پرستش کرنے والے سکھ، آریہ

سماجی سناتن دھرم - برہمو سماجی - دیو سماجی، پرارتھنا سماجی اور اس قسم کے دوسرے سودیشی مذاہب کے پیرو سب ہندو ہیں اور یہ مذہب ہندو مت ہی کے اجزا ہیں۔ یعنی ہندو قوم کے عناصر لنڈا پہاڑی علاقوں کے باشندے یا ہندوستان کے مرعوضہ اصلی باشندے سب ہندو ہیں۔ اس لیے کہ وہ ہندوستان کو مادر وطن اور مقدس زمین سمجھتے ہیں خواہ وہ مذہب یا پوجا پاٹ کی کسی شکل کا اتباع کرتے ہوں۔ گورنمنٹ کو چاہیئے کہ ہندو کی اس تعریف کو تسلیم کرے اور آئندہ مردم شماری میں اسی معیار کے مطابق ہندوؤں کو شمار کرے۔

(اسٹیسمین ۱۲/۲۹ ۳۰)

اس تعریف کے مطابق تمام قومیت پرست حضرات جو ہندوستان کو مادر وطن سمجھتے ہیں۔ خود بخود ہندوؤں کی صف میں شمار ہو جائیں گے۔ مسٹر ساورکر شکریہ کے مستحق ہیں۔ کہ انھوں نے اس شتر مرغ کی نوع (SPECIES) کے لیے کوئی خاص خانہ تو متعین کر دیا۔ ورنہ مردم شماری کے ارباب حل وعقد کو بڑی دقت پیش آتی۔ (طلوع اسلام)

نوائے وقت

اب آپ ۱۰ اپریل ۱۹۴۷ء نوائے وقت کا اداریہ ملاحظہ فرمائیے جس کا عنوان ہے:۔

"پس چہ باید کرد؟"

حضرت مولانا مولوی حسین احمد مدنی نے ایک کانگریسی اخبار کو انٹرویو دیا ہے کہ مجھے پختہ یقین ہے کہ انگریز مخلص

ہے اور وہ ہندوستان کا سیاسی اقتدار ہندوستانیوں کو سونپ کر یہاں سے جا رہا ہے۔

حضرت مولانا کا یہ فتویٰ سر آنکھوں پر مگر گستاخی نہ ہو تو ہم گنہگاران کی خدمت اقدس میں یہ عرض کریں کہ حضور نے بار بار ہم مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ابھی صرف انگریز کے ہندوستان سے اخراج تک کانگریس کے ساتھ ہوں یہ مہم سر ہو گئی تو پھر ہم مسلمانوں کے حقوق کی خاطر سینہ سپر ہو جاؤں گا حضور والا کے اپنے ارشاد کے مطابق ہی ہندوستان سے انگریز کے اخراج کی مہم تو سر ہو گئی اب مسلمانوں کے حقوق کے لیے سینہ سپر ہونے کا وقت آیا یا نہیں؟ سی پی میں بھیڑ بکری کے ذبیحہ پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئیں اور دستور ساز اسمبلی کی بنیادی حقوق کی کمیٹی نے ایک ایسی تجویز پیش کی ہے جسے عملی جامہ پہنا دیا گیا تو ہندوستان میں تبلیغ اسلام ناممکن ہو جائے گی۔ حضور اقدس اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے کب سینہ سپر ہوں گے؟ یا جب تک ہندوستان میں سجدے کی اجازت ہے آپ اسی حسن ظن سے کام لیتے رہیں گے۔

ع - - - ... کہ اسلام ہے آزاد

مولانا عبدالستار خان نیازی ایم۔ ایل۔ اے کا

بیان :-

"لاہور ۱۱ مارچ۔ مولانا عبدالستار خان نیازی ایم۔ ایل۔ اے ایک بیان میں فرماتے ہیں۔ کہ اس مرحلہ پر جناب مسٹر جناح کا نعرہ "مسلم لیگ، کانگریس ایک ہو" میری سمجھ سے بالا تر ہے مسلم لیگ کانگریس سے باعزت سمجھوتہ کے لیے ماضی میں ہمیشہ

آمادہ رہی اور اب بھی آمادہ ہے مگر سمجھوتہ کے لیے ایک خاص فضا کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت پنجاب میں یہ فضا قطعاً مفقود ہے۔ ہندو کانگریس کے مسلمان راشٹرپتی جناب ابوالکلام آزاد اس صوبہ میں دھرنا مار کر بیٹھے رہے اور اس وقت یہاں سے روانہ ہوئے جب ان کی کوششوں سے مسلمانان پنجاب میں انتشار پیدا ہو گیا۔"

(نامہ نگار نوائے وقت ۱۳ مارچ ۱۹۴۶ء)

دیوبند کے علماء و طلبا ہندو دھرم سالہ میں

مولانا عبدالماجد دریابادی مُدیر "صدق" کا حقیقت افروز بیان:۔

دریاباد ۲۳ فروری۔ آج چار دن سے اس قصبہ پر کانگریسی خیال کے مسلمانوں کا دھاوا ہے۔ دیوبند کے طلبا کا ایک دستہ آیا ہوا ہے۔ اور اپنے مسلک کی تبلیغ یا کوشش تبلیغ میں مصروف ہے۔ اس میں مضائقہ نہیں ظاہر ہے کہ ہر فریق یہی کرتا ہے یا کرنا چاہتا ہے لیکن ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ کام مسلمانوں کے اندر کرتا ہے۔ لیکن تعلقات یہ تمام مسلمانوں سے توڑے ہوئے ہے اور قصبہ کی غیر مسلم آبادی سے جوڑے ہوئے ہیں۔ قیام اُن کا دھرم شالہ میں حالانکہ قصبہ میں ایک نہیں دو دو سرائیں مسلمانوں کی موجود ہیں۔ اُن کا رہنا سہنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا تمامتر ہندوؤں کے ساتھ انھیں کے درمیان اور انھیں کا سا۔ حد یہ ہے کہ ان سطور کے راقم کو جب بھی انھوں نے سرفراز کیا تو ہمیشہ ہندوؤں ہی کے

حلقہ میں! یہاں تک کہ ایک دن مسلمان صاحب تو ایک تھے اور ان کے ہندو رفقا تین کی تعداد میں! گویا توحید تثلیث کے نرغہ میں۔ اس سے قبل سنٹرل اسمبلی کے الیکشن کے وقت یہ منظر دیکھنے میں آیا تھا کہ نیشنلسٹ مسلمان امیدوار کے کارکن اور باقاعدہ پولنگ ایجنٹ تک ہندو! مسلک یا سیاسی نظریہ کے غلط یا صحیح ہونے کا یہاں ذکر نہیں۔ ذکر یہاں صرف اس ناقابل حل معمہ کا ہے! اچھوت بنائے جاتے ہوئے سنا تھا۔ پڑھا تھا۔

اچھوت بنتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا!

نوائے وقت ۱۰ مارچ ۱۹۴۶ء   صدق لکھنؤ ۲ فروری ۱۹۴۶ء

ضلع انبالہ میں مسلم لیگ کی فتح

انبالہ (ڈاک سے) جمعیت العلماء اسلام کا ایک وفد مولانا شریف الرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالمتین صاحب نائب جمعیت العلماء اسلام وغیرہ پر مشتمل احراری لیڈروں کے تعاقب میں ضلع انبالہ کا دورہ کر رہا ہے۔ مسلمانوں کے عظیم الشان جلسہ میں مولانا شریف الرحمٰن صاحب نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی فحش اور گمراہ تقریر کا جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ احراری مقررین کا مقصد مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور مسلمان زعما کو گالیاں دے کر اپنے ہندو آقاؤں کو خوش کرنا ہے۔ آج سے پولنگ شروع ہو گیا ہے دیہاتی اور شہری حلقوں میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو نوے فیصدی ووٹ مل رہے ہیں۔ سارا ضلع نوکر شاہی کی رکاوٹو

کے باوجود مسلم لیگ زندہ باد کے نعروں سے گونج رہا ہے۔"
(آنس سیکرٹری سٹی مسلم لیگ) نوائے وقت ۱۳؍ فروری ۱۹۴۶ء)

تردید کا غیر ضروری تکلّف

"آخر احرار یونینسٹ گٹھ جوڑ میں کونسی بات اس قدر معیوب ہے کہ یونینسٹ اور احرار دونوں اس کا اعتراف کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ ماسٹر تاج دین کے معاملہ میں بروہ فروشی کے واقعہ سے نہ ملک خضر حیات نے انکار کیا۔ نہ مولوی مظہر علی اظہر نے مگر یونینسٹوں کے اخبار نے اس کی تردید کی جسارت کی اور ندامت اٹھائی۔ اس کے بعد ڈاکٹر عالم کے راولپنڈی والے حمایتی کا تار میاں سلطان علی رانجھا کے نام شائع ہوا اس تار میں عطاء اللہ بخاری۔ مظہر علی اظہر اور شورش وغیرہ کی کمک مانگی گئی تھی۔ اس اخبار نے اس تار کو بھی جعلی قرار دیا۔ مگر جب ہم نے تار کا نمبر اور عہدہ مضمون شائع کر دیا تو چپ سادھ لی۔ یہ تار یونینسٹ پارٹی کے دفتر میں ہمارا نامہ نگار نے وصول کیا تھا۔ حلقہ ڈسکہ میں احراری یونینسٹ سازباز کا بھانڈا پھوٹتے دیکھ کر بھی اس اخبار نے ہماری رپورٹ کو غلط قرار دے دیا مگر یہ رپورٹ ہماری مذکورہ بالا رپورٹ کی طرح حرف بحرف سچ ہے۔ جھوٹ کا سہارا صرف وہی لوگ لیتے ہیں۔ حقائق جن کے خلاف ہوں۔ جب حقائق ہی ہماری تائید کریں تو ہمیں جھوٹ سے امداد لینے کی کیا ضرورت ہے۔"

(نوائے وقت ۵ جنوری ۱۹۴۶ء)

ہم نے موضوع سے متعلق اور بھی نظمیں قارئین کی نذر کی ہیں جناب

حضرت خلیق قریشی صاحب نے ازراہ نوازش اس دور کی یہ نظم عنایت فرمائی ہے۔ اس زمانہ میں سیاسی ہنگامے اور سرگرمیاں مسلم لیگ کی مقبولیت۔ پاکستان کی حمایت و مخالفت میں عین زوروں پر تھیں۔ یہ نظم اس وقت کے سیاسی ہیومیٹر کی حیثیت لیے ہوئے ہے۔ ملاحظہ فرمایئے!۔

پیٹ کا دھندہ

پھر الیکشن ہے پھر احرار کو حال آیا ہے
پھر اُچھلنے کا انھیں آج خیال آیا ہے
تازہ خوں کرنے لگا مُردہ رگوں میں گردش
واہ! وا باسی کڑھی میں بھی اُبال آیا ہے

اے خوشا! آئے الیکشن کے مداری آئے
ساتھ پکڑے ہوئے دھوؤں کی پٹاری آئے
واسطہ دیتے ہیں اسلاف کی عزت کا کہیں
مانگتے صدقہ ہیں اسلام کی خدمت کا کہیں
کہیں سرمائے کے دشمن ہیں کہیں زر کے غلام
وعظ کہتے ہیں سخاوت کا مروت کا کہیں

کہیں آزادی کی دیوی کے پجاری بن کر
مانگتے پھرتے ہیں یہ ووٹ کی بھکشا گھر گھر
جانتا خوب ہے احرار کو بندہ صاحب
ان کی خدمت ہے فقط پیٹ کا دھندہ صاحب!
یہ کہاں اور کہاں جذبۂ اسلام و وطن
ووٹ لینے کو بنایا ہے یہ پھندہ صاحب!

آئیے قسمت احرار کا کندہ پڑھیے
خطِ پیشانی کی ہر سطر میں چندہ پڑھیے
یہ دغاباز حمایت کے سزاوار نہیں
جنسِ ناقص ہیں کوئی ان کا خریدار نہیں
وقت اور بخت نے ہر چال میں دی مات انہیں
یہ سیاست کے پٹے مہرے ہیں احرار نہیں
ان کی ہر بات میں اسلام کی نکبت دیکھیں
ان کے ہر کام میں رسوائی کی قمت دیکھیں
یہ ہیں گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والے
ان کے ہر تارسے سو شر ہیں نکلنے والے
سوجھتی ان کو ہے ہر لحظہ نئی بات سے بات
اور ہر آن نئی چال ہیں چلنے والے
ان سے بچیئے کہ یہ دھوکا ہیں سراسر دھوکا
قوم کے ساتھ کیا کرتے ہیں اکثر دھوکا

مولوی صاحب کا اندھا تعصب

مولوی حسین احمد مدنی صاحب کا ایک بیان کہ مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ مسلمان ہار گئے تو کوئی بات نہیں صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ مسلمان سب نشستوں پر قبضہ کر لیں گے۔ آج ہی کے اخبار میں معاصر ٹریبیون کے خاص نامہ نگار کی ایک رپورٹ درج ہے جو یو۔پی کے صوبائی انتخابات کے متعلق ہے اس نامہ نگار کا خیال ہے کہ یو۔پی اسمبلی میں بھی انتخابات کے نتائج کم و بیش وہی ہوں گے جو مرکزی اسمبلی کے انتخا

گئے تھے یعنی ہندوؤں کی سو فی صدی نشستیں کانگریس نے جیت لی اور مسلمانوں کی سو فی صدی نشستیں ''لیگ'' ٹریبیون لیگ کا حامی اخبار نہیں وہ کانگریس یا مہاسبھا کا حامی ہے اور لیگ یونانیسٹ جھگڑے میں یونینسٹوں کا زبردست موید گو پنجاب میں لیگ کی پوزیشن اس قدر مضبوط ہے کہ اس کا خاص نامہ نگار بھی یہ لکھتے ہوئے نہیں شرماتا کہ اس صوبہ میں مسلمانوں کی سب نشستیں بلاشبہ مسلمان جیتیں گے۔ مولوی صاحب کے تقویٰ کے پیش نظر یہ بدگمانی تو درست نہ ہوگی کہ مولوی صاحب قبلہ دیدہ و دانستہ جھوٹ بول رہے ہیں اسی حسن ظن سے کام لینا پڑے گا کہ مولوی صاحب حالات سے بالکل بے خبر ہیں اور محض تعصب کی رو میں بہے جا رہے ہیں۔"

(نوائے وقت ۹ جنوری ۱۹۴۶ء)

"لدھیانہ میں ایک مسلم لیگی نوجوان کا دردناک قتل"

احراری لیڈروں کی اشتعال انگیزی رنگ لائی

۱۴ جنوری۔ لدھیانہ سے ایک نوجوان مسلمان کے دردناک قتل کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ مرحوم مسلم لیگ کا پرجوش اور مخلص ورکر تھا۔ چند احراریوں نے ایک بحث کے دوران میں چاقو مار مار کر اسے قتل کر ڈالا۔ اس دردناک قتل سے سارے شہر میں اضطراب پھیلا ہوا ہے اور مرحوم محمد صدیق کے والد میاں محمد حیات سے جو لیگ کے مخلص حامیوں میں سے ہیں۔ دلی ہمدردی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ بعض احراری کارکنوں کی یہ حرکت قابل نفریں ہے۔ کہ انھوں نے مرحوم محمد صدیق کو

احراری ظاہر کرکے قتل کی ذمہ داری سے بچنے کی راہ نکالی ہے سردار شوکت حیات خاں نے ایک بیان میں محمد صدیق مرحوم کو پاکستان کی راہ میں پہلا شہید کہا ہے اور اس کے والد اور لواحقین سے دلی ہمدردی ظاہر کی ہے۔ سردار صاحب نے لدھیانہ کے مسلمانوں کو تلقین کی ہے۔ کہ صبر و ضبط سے کام لیں اور احراری غنڈہ گردی کے باوجود تحمل کا دامن نہ چھوڑیں۔" (نامہ نگار نوائے وقت ۵ جنوری ۱۹۴۶ء)

بیان جہاں آرا شاہ نواز

"میرا بچہ مسلم لیگ اور پاکستان کی راہ میں شہید ہوا ہے"۔

احراری غنڈہ گردی کے شکار محمد صدیق شہید لدھیانوی کی ماں کے تاثرات۔

لدھیانہ سے واپسی پر بیگم شاہ نواز کے بیان کا ایک اقتباس

"میں شہید موصوف کے مکان پر بذات خود گئی اور میری آنکھوں نے جو جگر خراش نظارہ دیکھا اُسے میں مرتے دم تک فراموش نہیں کر سکتی۔ شہید کی ماں اپنی مغموم بہن کا غم بیان کرتے ہوئے میرا کلیجہ کانپتا ہے۔ جب ہم شہید کی والدہ سے بغل گیر ہوئے تو اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اور انھوں نے کہا:۔

"بہنو میں نے تو مسلم لیگ کو سب سے بڑا چندہ دے دیا ہے میرا بچہ مسلم لیگ اور پاکستان کی راہ میں شہید ہو گیا۔ بہنو ہم پاکستان لے کے رہیں گے۔ مگر دُنیا تو سُونی ہو گئی"۔

(نوائے وقت ۸ جنوری ۱۹۴۶ء)

"لاہور ہائی کورٹ نے لدھیانہ کے احراری کارکن عبدالرحمٰن کی سزا صرف تین سال کر دی"

"انھیں محمد صدیق پر قاتلانہ حملہ کے الزام میں سیشن کورٹ نے عمر قید کی سزا دی تھی"

لاہور ۔ ۲۰ جنوری ۔ آج لاہور ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ نے مسٹر عبدالرحمٰن کی جسے محمد صدیق کی موت کی پاداشں میں عمر قید کی سزا دی گئی ۔ سزا کو گھٹا کر تین سال میں بدل دیا ۔ واضح رہے کہ پچھلے سال لدھیانہ شہری حلقہ میں انتخاب کے موقعہ پر مسلم لیگی اور احراری اُمیدواروں میں مقابلہ تھا ۔ استغاثہ کی کہانی یہ تھی کہ ۳۰ جنوری کو دو احرار ورکر نیاز احمد اور عبدالرحمٰن نے بازار خراد یاں میں مائیکروفون لگا کر احرار اُمیدوار ماسٹر تاج دین کے حق میں پراپا گنڈہ شروع کر رکھا تھا ۔ اس اثنا میں سردار شوکت حیات خاں (مسلم لیگ) اُمیدوار کے حامی شہید محمد صدیق اور ان کے تین ساتھی بھی وہاں آ گئے انھوں نے ملزموں سے کہا کہ وہ مسلم لیگ کے لیڈروں کے خلاف مغلظات کا سلسلہ بند کر دیں اس پر دونوں پارٹیوں میں جھگڑا ہو گیا اور عبدالرحمٰن ملزم نے شہید محمد صدیق پر چاقو سے حملہ کر دیا اور سخت ضربات پہنچائیں جن سے وہ جانبر نہ ہو سکے ۔ سیشن جج لدھیانہ کی عدالت سے عبدالرحمٰن کو عمر قید کی سزا دی تھی اور اس کے ساتھی نیاز [illegible] کو شک کی گنجائش دیتے ہوئے بری کر دیا تھا"

نامہ نگار

(نوائے وقت ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء)

"شیخ کرامت علی نے احراری لیڈر مولوی مظہر علی کو شکست دے دی۔"

پنجاب اسمبلی کے نتائج مکمل ہوگیے

"لاہور ۲۳ فروری سیالکوٹ گوجرانوالہ کے تصباتی حلقہ سے لیگی اُمیدوار شیخ کرامت علی کی کامیابی کا اعلان ہوگیا اُن کے احراری حریف مولوی مظہر علی اظہر کو بُری طرح شکست ہوئی ہے۔ شیخ کرامت علی صاحب نے ۱۲۸۱۳ ووٹ حاصل کر لیے ہیں۔ مولوی مظہر علی اظہر ۷۰۹ ووٹ حاصل کر سکے۔ احرار نے اس انتخاب میں جتنے اُمیدوار کھڑے کیے تھے وہ سب ناکام رہے ہیں۔"

(نوائے وقت ۲۴ فروری ۱۹۴۶ء)

منافق کون ہے

لاہور سے ایک اخبار "زم زم" نکلتا ہے۔ ہم نے کبھی اس سے اُلجھنا پسند نہیں کیا اور نہ کبھی اس کے طعن و تعریض کو درخورِ اعتنا سمجھا مگر اس اخبار کی موجودہ روش نے ہمیں اسے مخاطب کرنے پر مجبور کردیا۔ یہ اخبار خیالات کے اعتبار سے ہندو کانگرس کا ہم نوا ہے۔ مگر بظاہر غیر جانبدار رہتا ہے پچھلے دنوں اس اخبار نے اپنی اشاعت بڑھانے کے لیے خبروں میں لیگ کی حمایت شروع کردی اور عنوانات میں بھی قائد اعظم مسٹر جناح کو قائد اعظم ہی کہنا شروع کردیا مگر اداریتی مقالات میں یہ روش اختیار کر رکھی ہے۔ کہ ابتدائی آٹھ دس سطروں میں تو مسلم لیگ کی گول مول حمایت کی جاتی ہے اور اس

کے بعد پورے مضمون میں لیگ کو دلخراش گالیاں دی جاتی ہیں۔ پرسوں اس اخبار نے ایک مقالہ افتتاحیہ مسلمان خواتین کے جذبۂ قربانی کی تعریف سے شروع کیا اور اسے لیگ لیڈروں کی شان میں بازاری دشنام طرازی پر ختم کر دیا۔ اس مقالہ میں لیگ لیڈروں کو منافق اور فاسق" کے خطاب دے کر مسلمان خواتین کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ ان "منافقوں" اور "فاسقوں" کی اطاعت کرتے ہوئے قربانیاں پیش کر رہی ہیں۔ ہم زم زم سے مؤدبانہ درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی اپنی پالیسی سراسر منافقانہ ہے۔ خیالات کے اعتبار سے وہ ہندو کانگریس کا حامی ہے مگر دوکانداری کی خاطر وہ مسلم لیگ کی نمائشی حمایت پر مجبور ہے اگر مدیر زم زم کا وعظ صرف دوسروں کے لیے نہیں تو انھیں اپنی روش پر بھی نظر ثانی کرنی چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ وہ ہندو کانگریس کی ہاں میں ہاں ملانا چھوڑ کر مسلمان قوم کا ساتھ دے لیکن اگر اس کی مصلحت اس کی اجازت نہیں دیتی تو پھر مسلمانوں کو فریب دینا چھوڑ دے۔"

(نوائے وقت یکم فروری ۱۹۴۶ء)

لیگی غنڈہ گردی کو جرمنی و جاپان کی طرح کچل دیا جائے گا

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا بیان

حکومت ہند بتائے کہ ایسے واقعات کیوں ہو رہے ہیں۔

لدھیانہ ۹ اگست احرار لیڈر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے سری نگر میں مولانا آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو

کے جلوس پر سنگ باری کے ضمن میں پریس کو مندرجہ ذیل بیان دیا ہے :-

"نیشنل کانفرنس کے جلوس میں جس میں ہندوستان کے ہر دل عزیز لیڈران پنڈت نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد بھی شامل تھے۔ پر اُن مسلمانوں کی سنگباری جو کہ مسلم لیگ کے افراد تھے ان کے لیے شرمناک ہے اور اس کے برخلاف زبردست احتجاج بلند ہونا چاہیے۔ مسلم لیگ کے موجودہ رویہ جس کا مظاہرہ سری نگری میں کیا گیا ہے۔ سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس پارٹی کے حمایتی ملک میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہ تحریک آزادی کے لیڈران کے راستے میں اس لیے حائل ہو رہے ہیں کیونکہ حکومت ان کی پشت پر ہے۔ وہ ان کو شاباش دے رہی ہے۔ اور اس لیے مسلم لیگ لیڈران اور پریس نے کھلے طور پر خانہ جنگی کا اعلان کر دیا ہے، قوم پرست مسلمان ان کو کچلنے کے لیے کافی مضبوط ہیں لیکن وہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ ملک کے امن میں گڑبڑ نہیں ڈالنا چاہتے، کیا صوبجاتی حکومتیں اور حکومتِ ہندیہ بتانے کی تکلیف گوارا کریں گی کہ ایسے واقعات کیوں رونما ہوتے ہیں اور ان کی رہنمائی کے لیے کون اصحاب اتنی دلچسپی لے رہے ہیں؟"

نماز جمعہ کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن نے تقریر کرتے ہوئے کہا "مسلم لیگ کا موجودہ رویہ خود مسلمانوں اور تمام ملک کے لیے نقصان دہ ہے اور اگر ان کا یہ رویہ جاری رہا۔ تو قلیل عرصہ میں اس کو جاپان جرمنی کی طرح کچل دیا جائے گا۔ مولانا صاحب نے مزید کہا۔ مولانا آزاد

اور پنڈت نہرو کی بے عزتی کا نتیجہ مسلم لیگ کو بھگتنا پڑے گا اور ضرور بھگتنا پڑے گا۔" (نامہ نگار)

(روزنامہ "ملاپ" ۴۵/۸/۵)

دل و نگاہ بدل جانے سے انسان کا نکتۂ نظر بدل جاتا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کو یہ احساس تو نہیں ہو رہا۔ کہ وہ کانگریس (ہندوؤں) کے ساتھ مل کر اسلامیان ہند کی ذلت و رسوائی کے درپے ہیں اور ان کی زبان جب بھی کھلتی ہے۔ تو مسلم لیگی قائدین کی تضحیک و استہزا اور طعن و تشنیع کے لیے اور مسلمانان ہند کی عزت و ناموس کے مخالفوں کے لیے بدزبانی، اور بدگوئی ان کا شیوۂ حیات ہے۔ اور غلامانِ محمدؐ کے تصور حیات اور ملی نظریۂ زندگی کو اسلام کی روشنی میں صحیح و نادرست اور ہلاکت انگیز ثابت کرنے کے لیے ان کے شب و روز صرف ہوتے رہے ہیں۔ ان کے ہمنوا وہم کلام حکیم الامت علامہ اقبالؒ و مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ایسے اسلام شناس بزرگوں کو مغلظ گالیوں اور دشنام طرازیوں سے نوازتے رہے ایسے مواقع پر تو انہیں بیکراں انسانیت کی زبان گنگ رہی۔ اب آزاد اور نہرو کے لیے اس کانگریسی مولانا کا کچھ اضطراب اور ذہنی اضطرار کس درجہ پر ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اور یہ ڈھینگ بھی آپ نے پڑھ لی کہ مسلم لیگ کو جاپان و جرمنی کی طرح کچل دیا جائے گا۔ ہند میں مسلمانوں کی نمازوں کو نذر برہمن کرنے والے ان مولاناؤں کے برگ و بار جو پاکستان کے مختلف علاقوں پر پھل پھول رہے ہیں۔ ارباب اقتدار و اختیار کے احساس غیرت سے کہہ رہا ہے۔ کہ ان کی سرگرمیوں سے غفلت اور بے نیازی کا ارتکاب نہیں ہونا چاہیے۔ اور یہ ہمیشہ پیش نظر رہے کہ پاکستان کا قیام د

وجود اُن کے پیشواؤں اور اُن کی ماضی کی تکذیب ہے۔ یہ جذبہ کبھی سرد اور یہ حوصلہ کبھی پست نہیں ہونا چاہیئے کہ جہاں ہم بیرونی دشمنوں سے اس مملکت کو محفوظ و مصئون رکھنے کے لیے ملّت اسلامیہ کے جرنیلوں اور سپاہیوں پر ناز و فخر سے اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ وہاں ہند کے ایجنٹوں سے بھی باخبر و ہشیار رہنا ارباب بست و کشاد کا اہم فریضہ ہے۔ تاکہ ان کی ریشہ دوانیوں سے گلستان جناحؒ کی سرسبزی و شادابی میں کوئی فرق نہ آئے۔

"مفتی محمد نعیم کے صاحبزادے اور دس دیگر احراریوں کی گرفتاری"
"مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود نمازِ عید کی امامت پر اصرار"

لدھیانہ۔ ۳۰ اگست لدھیانہ میں عید اگرچہ پُرامن طور پر گذر گئی لیکن مسلمانوں کے ایک طبقے نے نمازِ عید کی امامت کے سوال پر دو گھنٹے ستیہ گرہ کیا اور نتیجے کے طور پر دس مولویوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار شدگان کو نماز عید کے بعد رہا کر دیا گیا۔ مقامی مسلم لیگ نے اعلان کر رکھا تھا۔ کہ اس مرتبہ نمازِ عید کی امامت آل انڈیا جمعیت علمائے ہند کے سکرٹری مفتی نعیم نہیں، بلکہ مولوی عبدالحمید کریں گے۔ مفتی نعیم گذشتہ کئی سال سے عیدگاہ کے امام رہے ہیں۔ ڈسٹرکٹ افسروں نے سمجھوتے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی آخر انھوں نے پولیس لائینز کی مسجد کے امام کو نماز کی امامت کے لیے مقرر کر دیا اس کے ساتھ ہی مفتی نعیم لد

مولوی عبدالحمید کو عارضی طور پر حراست میں لے لیا گیا۔ مفتی محمد نعیم کی حراست کے بعد مفتی ضیاء الحسن نے نمازِ عید کی امامت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد دس مسلمان پیچھے بعد دیگرے امامت کے لیے آگے بڑھے۔ لیکن ان سب گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار شدہ گان کو نمازِ عید کے بعد رہا کر دیا گیا۔

بعد میں مفتی ضیاء الحسن نے مسٹر گاندھی، پنڈت نہرو اور مولوی آزاد کو تاریں دیں جن میں مذہبی امور میں مداخلت بے جا پر احتجاج کیا گیا اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ یہ لیڈر کانگریسی وزیروں سے کہہ کر تحقیقات کا مطالبہ کریں۔ مفتی ضیاء الحسن نے وزیر اعظم اور وزیر ایات کو بھی تار دے دیئے ہیں۔
(نوائے وقت ۱۰ اگست ۱۹۳۹ء)

سرِ بسجود

کئی برس ادھر کی بات ہے۔ مشہور ترک خاتون محترمہ خالدہ ادیب خانم ہندوستان تشریف لائیں اور اس ملک کے دورہ کے بعد انھوں نے "اندرونِ ہند" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں ایک باب گاندھی آشرم کے متعلق ہے۔ محترمہ نے اس باب میں مسٹر گاندھی کی عبادت یا پوجا کا نقشہ بھی کھینچا تھا اور صاف لفظوں میں بتایا تھا کہ ہندو دیولوں کی عبادت اور دیگر مشرکانہ رسوم کی ادائیگی کے وقت

بھی خان عبدالغفار خان اور بعض ہندوستانی مولوی پجاریوں میں بھی شریک دیکھے گیے۔ جب اس کتاب کے یہ اقتباسات اُردو اخباروں میں شائع ہوئے تو ان بزرگوں کے عقیدت مندوں کو بڑا صدمہ ہوا۔ مگر آج تک انھوں نے اُس کی تردید نہیں کی۔ آج ایک صاحب نے "ویر بھارت" لاہور مورخہ ۱۲ نومبر کے پہلے صفحہ کا ایک تراشہ بغرض اشاعت بھیجا ہے۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں:-

"میرٹھ۔ ۲۰ نومبر۔ خاص نامہ نگار سے کانگریس کیمپ سے معلوم ہوا ہے کہ میرٹھ سیشن میں ۲۹۳۹ ڈیلی گیٹ شریک ہو رہے ہیں۔ ۱۲۴۰۰ ورکروں کو بھی شرکت کی اجازت ملنے کی توقع ہے۔ پنجاب کے ۱۹۳ ڈیلی گیٹوں کے لیے ۱۳ خیمے مخصوص ہیں لیڈروں کے کیمپ میں ۶۰ خیمے ہیں۔ بڑا پنڈال مکمل ہو چکا ہے۔ اب اس کی زیبائش ہو رہی ہے ستونوں پر مختلف رنگوں کے جھنڈے آویزاں کیے گیے ہیں ہر ایک بلاک کا علیٰحدہ علیٰحدہ رنگ ہے۔ پنڈال کے ۶ بلاک ہیں پانچ سو سے زائد اخباری نمایندے ہوں گے۔ ان کے لیے چھٹا بلاک مخصوص ہے ۱۳ بلاک ڈیلی گیٹوں کے لیے ہیں۔ وزیروں، اسمبلیوں کے ممبروں اور سپیشل وزیٹروں کے لیے چوتھا بلاک اور ورکروں اور استقبالیہ کمیٹی کے لیے پانچواں بلاک ہے پنڈال کی زیبائش کے لیے چھ خاص مجسّمے بمبئی سے منگوا لیے گیے ہیں۔ بھارت ماتا کے ایک مجسّمے کے قدموں میں پنڈت نہرو مولانا آزاد سربجود دکھائے گیے ہیں۔"

اس تراشہ کی اشاعت سے مقصود جناب آزاد کی توہین

نہیں بلکہ صرف اس تلخ حقیقت کا اظہار اور اس پر ماتم ہے کہ ایک طرف سردار پٹیل اور آچاریہ کرپلانی ہیں جن کا ہر قول اور ہر فعل ہندو تہذیب کو زندہ کرنے کے لیے ہے۔ اور دوسری طرف "الہلال" کا مدیر اور کسی زمانے کا "امام الہند" ہے کہ بھارت ماتا کے مجسمے کے قدموں میں سربسجود دکھایا گیا

وائے بر عشقے کہ نار او فسرد
در حرم زائید و در بت خانہ مرد

(نوائے وقت ۲۸ر نومبر ۱۹۴۲ء)

کانگریس اور بت پرستی

مولانا آزاد اور مولانا مدنی توجہ فرمائیں

(از:۔ ملی بہادر خاں)

مولانا ابوالکلام آزاد کانگریس کے صدر ہیں اور اب مولانا حسین احمد مدنی صاحب بھی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہو کر کانگریس "ہائی کمانڈ" میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان دونوں حضرات پر کانگریس کمیٹیوں کے طریق کار کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ان سے ہی کانگریسی اجتماعات و دفاتر کی بت پرستی کے متعلق سوال کیے جا سکتے ہیں۔

کیا ان کو معلوم ہے کہ متعدد کانگریسی دفاتر میں گاندھی جی کی تصاویر اور بعض میں کسی نہ کسی دیوتا کے مجسمے بھی لگے ہوتے ہیں۔ جن کو ہار پہنائے جاتے ہیں اور دوسرے طریقوں سے ان کی پوجا کی جاتی ہے! کیا یہ طرز عمل کانگریس کے پروگرام کا جزو ہے۔ اور کیا اس سے مولانا آزاد اور مولانا مدنی صاحب

کو اتفاق ہے؟ اگر اتفاق نہیں ہے۔ تو کیا یہ حضرات اس بارے میں اپنے کانگریسی کارکنوں کو ضروری ہدایات دینے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ اس واقعہ کی طرف توجہ دلانے کا خیال آج مجھے اس لیے آیا کہ بمبئی میں کل تلک کی برسی تھی۔ جو سال بہ سال کانگریس کی طرف سے منائی جاتی ہے اور بمبئی میں اس کا مستقل پروگرام یہ ہے کہ کانگریسی عہدہ دار اور والنٹیر چوپاٹی پر جا کر تلک مجسمہ کے گرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ بندے ماترم گاتے ہیں اور پھر تلک کے مجسمہ کو ہار پہنا کر سندور لگاتے اور ڈنڈوت وغیرہ کرتے ہیں اس رسم میں مسلمان کانگریسیوں کو بھی شریک ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ تقریب سرکاری حیثیت میں کانگریس کی طرف سے ہوتی ہے۔ امسال بھی اگرچہ کانگریس کمیٹیاں ابھی آزاد نہیں ہیں مگر پروونشل سیکرٹری نے اعلان کیا اور آچاریہ کرپلانی نے صدارت کی اور گذشتہ سالوں کی طرح کانگریس کے تمام رکن اور والنٹیر جمع ہوئے۔

سوال یہ ہے کہ کیا کانگریس کے اس بت پرستانہ طوفان میں اسلامی تہذیب غرق نہیں ہو جائے گی؟

(ہلال بمبئی ۵ اگست ۱۹۴۵ء)

اسلامیان جالندھر اور مولوی حسین احمد صاحب

جالندھر ۲۱ اکتوبر ۱۹ اور ۲۰ کی درمیانی شب کو مسلمانوں کا ہجوم غفیر مولوی حسین احمد مدنی کے کمپارٹمنٹ کے آگے جمع ہو گیا راجہ صاحب آج بھی تشریف نہیں لائے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں نے مسلم لیگ زندہ باد۔ پاکستان زندہ باد۔ قائداعظم

ملت مُردہ باد کے علاوہ مسلم لیگ میں آؤ کے نعرے بلند کیے مسلم
لیگی رضا کار منظاہرین کو مولوی صاحب کے کمپارٹمنٹ سے
دور رکھنے میں معروف رہے کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں
ہوا۔" (نوائے وقت ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۶ء)

"امرتسر سٹیشن پر احراریوں اور مسلم لیگی کارکنوں میں تصادم"
دو اشخاص مجروح ہوئے پولیس نے فساد پر قابو پالیا

امرتسر ۱۰۔۳۱ اکتوبر۔ پرسوں رات امرتسر ریلوے
اسٹیشن پر مسلم لیگی اور احرار کارکنوں کے درمیان تصادم ہو
گیا۔ اس تصادم میں ایک مسلم لیگی کارکن چاقو سے زخمی کر
دیا گیا۔ اس گڑبڑ میں کھڑکیوں کے شیشے توڑ دیے گئے جس
کی وجہ سے ایک احراری زخمی ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مسلم لیگی
کارکن مسٹر غضنفر علی خان اور احراری مولانا حسین احمد مدنی
کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر پہنچے۔ فساد مولانا حسین احمد
کے ڈبے کے سامنے ہوا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس ڈبے کی کھڑکی کے شیشے توڑ
دیے گئے جس کی وجہ سے ایک احراری زخمی ہوا جس پر احراریوں
نے چاقوؤں سے مسلم لیگ کے کارکنوں پر حملہ کر دیا اور مسلم لیگی
کارکن چاقو سے زخمی کر دیا گیا۔ ریلوے پولیس فوراً موقع پر
پہنچ گئی اور فساد پر قابو پا لیا گیا۔
(نوائے وقت ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۶ء)

کپتان شاہ نواز اور صوبائی انتخابات

اقتباسات

"کپتان شاہ نواز اور اُن کے دوسرے دو ساتھیوں کے لیے فوجی ٹریبونل نے عمر بھر قید کی سفارش کی تھی۔ لیکن کمانڈر انچیف نے انھیں رہا کر دیا ہے۔ میں کپتان شاہ نواز خان کو ان کی رہائی پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور میری اس دلی مبارک باد میں کھوڑ مری کے مسلمان بھی شریک مسرت ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی میں کپتان شاہ نواز خان کو بعض حقائق سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ کپتان شاہ نواز خان قید و بند کے مصائب میں گرفتار رہے اور جس سیاسی ابتلا اور کشمکش میں مسلمان قوم گذر رہی ہے اس کے واقعات کما حقہٗ آپ تک اور آپ کے دوسرے ساتھیوں تک نہیں پہنچے۔ اس لیے میں بطور اتمام حجت ان واقعات کو نہایت ہی مختصر طور پر ان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔"

"تحریک خلافت کے ایام میں مسلمانوں نے کانگریس کا پورا پورا ساتھ دیا اور ہمارے صفِ اوّل کے سیاسی قائدین اور عوام کی ایک کثیر جماعت کو مالی اور جانی قربانیاں دینی پڑیں لیکن نہرو رپورٹ کی اشاعت کے وقت مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور رئیس الاحرار مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ مولانا شوکت علی۔ مولانا حسرت موہانی، چودھری خلیق الزماں وغیرہ بزرگوں کو ہندو سیاسی بازی گری کا ادراک ہوا۔ نہرو رپورٹ کی غایت یہ تھی کہ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا خاتمہ کر دیا جائے اور وہ ہندو مذہب کا ایک فرقہ اور ہندو قومیت

کو ایک تجلیہ بن کر رہ جائیں اس وقت سے لے کر آج تک ہندوؤں کی یہی کوشش رہی ہے کہ اسلامی سیاست میں فکری اور عملی پیچیدگیاں پیدا کر کے ہمارے قومی وجود کو مٹا دیا جائے۔ ہم بھی آزادی چاہتے ہیں اور ہمیں بھی استقلال اور اقتدار کی تمنا ہے۔ لیکن ہم آزادی اور استقلال محض ہندو قوم کے لیے ہی نہیں بلکہ مسلمان قوم کے لیے بھی چاہتے ہیں۔"

"مسٹر گاندھی ہمارے قومی وجود کو ختم کرنے کے لیے متعدد بار انگریزوں سے ساز باز کر چکے ہیں۔ اور اس ساز باز کی تہہ میں ہمیشہ یہ کوشش کارفرما رہی ہے کہ مسلمانوں کو نظر انداز کر کے انگریز کی وساطت سے ایک ایسی مرکزی حکومت قائم ہو جائے جس میں ہندو اکثریت ۷۵ فیصدی نیابت کے ذریعے ازلی ابدی طور پر ہندوستان پر مسلط ہو جائے ہمارے قائد نے کبھی بھی اب تک اس قسم کی کوشش نہیں کی جس سے ہندوؤں کے قومی وجود کو نقصان پہنچے۔ ان ہی حالات میں ہمارا مطالبہ تقسیم ہند معرض وجود میں آیا اور اب ہم بحیثیت ایک قوم اس پر جمع ہو چکے ہیں کہ مسلمانوں کے آبائی وطن میں بھی ایک علیحدہ فیڈریشن کا قیام ہو۔"

ذرا آگے چل کر رقمطراز ہیں:۔

"مرکزی اسمبلی میں اکتیس مسلم نشستوں میں مسلم لیگ نے اکھنڈی یا پاکھنڈی مسلمانوں کو منہ توڑ شکستیں دیں۔ مسلم عوام نے برلاؤں اور ٹاٹاؤں کی قارونی دولت سے اپنے ضمیر کو بیچنا گوارا نہ کیا۔ حالانکہ یہ دولت سنگ ریزوں کی طرح یو۔پی کے دیہات اور قصبات میں بکھیری گئی اور ہندو کے

اخباروں نے اطلاعیہ مشورے دیے کہ مسلمان تجارتی جنس ہیں۔ اس لیے دس کروڑ روپیہ دیو بند کے حسین احمدی مولویوں اور احراریوں وغیرہ کے سپرد کیا جائے تاکہ یہ مختلف بازاری نرخوں سے مسلمان عوام کو خرید لیں۔ لیکن چند سیاہ دل افراد کو چھوڑ کر مسلمان قوم کے عوام نے رشوت لینے سے انکار کر دیا اور اپنا قومی ضمیر فروخت نہ کیا ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پنجاب کے اندر اسی قارونی دولت سے موجودہ صوبائی انتخابات میں مسلمانوں کو خریدنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور ہندو کانگریس اس حد تک پستی کا مظاہرہ کر چکی ہے کہ کانگریسی راشٹرپتی آزاد نے مقامی صوبائی (پرانتھ پتی) ڈاکو کو ہدایت جاری کر دی ہے۔ کہ وہ یہاں کی خالص سرکار پرست ٹوڈی یونینسٹ پارٹی کی بھی انتخابات میں موافقت کرے۔ حالانکہ اس پارٹی کو پنڈت نہرو انگریزی امپیریلزم کا عکس قرار دے چکے ہیں اور کل کانگریس کے صدر صاحب بھی اس پارٹی سے ہاتھ ملانے کے لیے تیار نہیں تھے۔"

۱۰ جنوری ۱۹۴۶ء نوائے وقت

از قلم ظہور اختر خاں متعلّم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

نوٹ :۔ دراصل راجہ حسن اختر صاحب

"مولانا ابوالکلام تمام تر ہندوؤں کے قبضے میں ہیں اور آن کی صدارت صرف نمائشی ہے وہ مسلمانوں کو چھوڑ چکے ہیں، مسلمان بھی کلی طور پر آن سے مجتنب رہیں"۔

"میں ان کی جگہ ہوتا تو کانگریس کو چھوڑ کر جناح کے ساتھ مسلمانوں کی آواز میں آواز ملاتا"۔

حضرت مولانا ابراہیم سیالکوٹی امیر جماعت اہلحدیث کا بیان قرآن وسنت کی روشنی میں :-

کلکتہ (ڈاک سے) جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ و کلکتہ مسلم لیگ کے دعوت نامے کے جواب میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی امیر جماعت اہلحدیث سیالکوٹ نے جو مولانا ابوالکلام آزاد کے پرانے دوست ہیں۔ مندرجہ ذیل بیان ارسال فرمایا ہے اور ہدایت فرمائی ہے کہ اخبارات میں شائع کر دیا جائے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اقتباس ملاحظہ ہو:-

آزاد صاحب گاندھی پرستی کی وجہ سے چوک گئے

لیکن خدا جانے ہمارے اس قسم کے علماء پر خدا کا کیسا غضب وارد ہے کہ قرآن وحدیث کی تصریحات کو نظر انداز کر دینے سے عام عقل وفراست بھی جاتی رہی۔ میں عاجز اگرچہ ایک گوشہ نشین درویش ہوں لیکن خدا کے فضل سے چونکہ قرآن، حدیث کی تصریحات میری نظر کے سامنے ہیں۔ استنباطات سے امداد کی ضرورت تو پڑے جب نصوص موجود نہ ہوں، اس لیے

اگر میں مولانا کی پوزیشن میں ہوتا، تو جب شملہ میں کام بگڑتے دیکھا تھا اوّل تو بجلم صدارت ہندو قوم کو سمجھاتا کہ دیکھو اگر آپ مسلمانوں کا انتخاب مسلمانوں ہی کے لیے رہنے دیں تو آپ کو بھی کچھ مل جائے گا! اگر وہ مان جاتے تو بہتر ہوتا۔ ورنہ میں فوراً عہدہ صدارت سے شکریہ کے ساتھ سبکدوش ہو جاتا اور مسٹر جناح کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کی آواز میں آواز ملا دیتا۔ اس میں بھی ہندو محروم نہ رہتے کیونکہ ان کو بھی وہی کچھ ملتا جو ہم کو ملتا لیکن مولانا صاحب کانگرس پرستی کی وجہ سے چوک گئے۔ جس سے ہر دو قوموں کا نقصان ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔" (نوائے وقت ۲۳ اگست ۱۹۴۵ء)

"نئے آئین میں مذہبی اعتقادات کو اہمیت نہ دی جائے"

ترجمان القرآن آزاد کا وائسرائے کو مشورہ

شملہ ۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے آج ایک پریس کانفرنس میں ویول سکیم کے ضمن میں کانگرس کی اختیار کردہ پوزیشن کی وضاحت کی۔ انھوں نے کہا کہ جس صورت سے کانفرنس کا آج خاتمہ ہوا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ دنیا کی رائے عامہ یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے وہ اس چیز کو واضح کر چکی ہے۔ کہ کانگریس انتظام حکومت کی تمام ذمہ داریوں کو قبول کرنے پر آمادہ ہے۔ کانگریس یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ ملک کی ترقی کو روکنے کے لیے کسی پارٹی کو ویٹو اختیارات حاصل ہو جاتے۔ کانگریس ایک قومی

جماعت ہے وہ کسی ایسے نظام حکومت میں حصہ دار بننے کو تیار نہیں۔ خواہ وہ عارضی ہی کیوں نہ ہو جو اس کے نصب العین پر اثر ڈال سکے۔ مولانا آزاد نے بتایا کہ انھوں نے وائسرائے سے ان امور کی وضاحت چاہی تھی۔

۱۔ خارجی امور کے متعلق جو محکمہ قائم کیا جائے گا۔ اس کے فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہوں گی۔

۲۔ ہندوستانی فوج کو قومی رنگ دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

۳۔ اس جنگ کے بعد ہندوستانی حکومت کسی ایسی پالیسی کی ہمنوا نہیں ہوگی جس کا مقصد جنوب مشرقی ایشیا کے کسی ملک پر شاہی اقتدار کو جاری رکھنا ہو۔

۴۔ ریاستی عوام شہزادگان اور قومی حکومت کے اراکین کے درمیان جو خلیج حائل ہے۔ اُسے رفع کیا جائے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کی یکساں نمائندگی کے سوال پر مولانا آزاد نے کہا کہ انھوں نے لارڈ ویول کو یہ بتا دیا تھا کہ نئی حکومت کے آئین میں مختلف پارٹیوں کے سیاسی نظریات کو بطور معیار پیش نظر رکھا جائے اور اس ضمن میں مذہبی اعتقاد کو سامنے نہ رکھا جائے۔ آخر میں مولانا آزاد نے کہا کہ میں اب بھی مایوس نہیں۔ ہماری جدوجہد کی اساس ہی امید پر قائم ہے۔ ہماری امیدوں کا انحصار عارضی اسکیموں پر نہیں۔ آخر میں مولانا نے کہا کہ مسلم لیگ کا رویہ ہی کانفرنس کی ناکامی کا باعث بنا۔

(نوائے وقت ۱۵ جولائی ۱۹۴۵ء)

نیشنلسٹ مسلمانوں کی بے وقعتی

اداریہ ۵ رجون ۱۹۴۵ء

مسلمان نیشنلسٹوں کا اخبار "اجمل" بمبئی نیشنلسٹ مسلمانوں کی بے آبروئی اور وقار باختگی پر رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"مسلم لیگ بے عمل جماعت ہے اس نے مسلمانوں کی کوئی عملی خدمت بھی نہیں کی ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود وہ اسلامی سیاست پر چھائی ہوئی ہے اس کے برعکس قوم پرور مسلمان جن میں جذبہ عمل بھی ہے۔ اور ذوق قربانی بھی، جن کا ماضی بھی درخشاں ہے اور جن کی روایات بھی شاندار ان کا حال یہ ہے۔ کہ وہ اسلامی ہند کی زمام قیادت سنبھالنے میں ناکام ہیں اور عامۃ المسلمین میں ان کا اثر ورسوخ زائل ہوتا چلا جا رہا ہے سوال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟"

اس کے بعد معاصر نے خود ہی مسلم نیشنلسٹوں کی ناکامیاں گنوانی شروع کردی ہیں۔ چونکہ نیشنلسٹ مسلمانوں کا مرکز لے دے کر آجکل مسلم مجلس ہی رہ گئی ہے۔ اس لیئے "اجمل" نے بھی مسلم مجلس کو ہی اپنی تنقید کے لیے چنا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مسلم مجلس دو سال سے کوشش کررہی ہے کہ اسے مسلم سیاسیات میں وقار حاصل ہو جائے۔ مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی "اجمل" کے خیال میں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مسلم مجلس کو ویسے فعال اور پر جوش اور باعمل کارکنان نصیب

نہیں ہیں۔ اس کے موجودہ قائدین تھکے ہوئے اور بالکل ریٹائرڈ ہیں۔ ان کا جوشِ عمل سرد پڑ چکا ہے۔ ان کی آواز میں وہ اعتماد وہ طاقت اور وہ مردانہ ہمت نہیں جھلکتی جو ایک زندہ ادارے کے زندہ قائدین میں خصوصی طور پر موجود ہوتی ہے۔ ان کے بیانات اور اعلانات میں ایک بجھی ہوئی آگ کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔"

مگر یہی وجہ سب سے بڑی وجہ نہیں سب سے بڑی وجہ یہ ہے مجلس کے سامنے کوئی واضح اور متعین نصب العین اور اس نصب العین کے حصول کا کوئی غیر مبہم نظامِ عمل نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کے قائدین کی آواز مسلمانوں پر وہ اثر نہیں کرتی جو ہونا چاہیئے وہ نہیں جانتے کہ ان کی منزل کہاں ہے اور اس منزل تک پہنچنے کے لیے ان کو کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیئے!

وہ آزادی اور اتحاد کے نعرے تو لگاتے ہیں۔ لیکن ان کا دل ہر منزل پر لرز اٹھتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ خود نیشنلسٹ مسلمانوں کے ترجمان کو اس کا احساس ہوا۔ کہ مسلمان ان کی بات نہیں سنتے اور انھیں مسلم سیاست میں کوئی وقار حاصل نہیں لیکن اس سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ "الجمل" کو اس کا احساس ہے کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے سامنے کوئی واضح اور متعین نصب العین نہیں۔ مسلمانوں کا نصب العین تو اب مسلم اکثریت کے علاقوں میں آزاد مسلم ریاستوں کا قیام ہے اور لیگی و غیر لیگی سبھی مسلمان اس نصب العین پر قریب قریب متفق

ہیں۔ نیشنلسٹ اور کانگریسی مسلمان بھی اس نصب العین کی مخالفت کی جرأت نہیں رکھتے۔ کیونکہ انھیں اس کا احساس ہے کہ جزئیات و تفاصیل کے متعلق مسلمانوں میں بیسیوں اختلافات ہو سکتے ہیں۔ مگر جہاں تک اُصول کا تعلق ہے عام مسلمان خواہ وُہ کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں کسی نہ کسی صُورت میں پاکستان کے نصب العین کو اپنا قومی نصب العین مانتے ہیں۔

نیشنلسٹ مسلمانوں کی بڑی غلطی یہی ہے کہ وہ اپنی قوم کی آرزوؤں اور تمناؤں کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔ اور کانگریس اور مسٹر گاندھی کی خوشنودیٔ مزاج کی خاطر مسلمانوں کے اس نصب العین کی حمایت نہیں کرتے اس کے برعکس ان کے سامنے کوئی متبادل نصب العین نہیں ظاہر ہے کہ کوئی جماعت جس کے سامنے کوئی نصب العین نہ ہو۔ اور وہ یہ سمجھے کہ وہ اپنی تہی مائیگی کے باوجود محض مسلم لیگ کی مخالفت کرنے اور کانگریس کی ہاں میں ہاں ملانے سے زندہ رہ سکتی ہے تو اُس کی بڑی بھول ہے"۔

مسلم مجلس کی کس مپرسی

مسلم مجلس کے "بے پیر قائدین" نے پنجاب پر بھی دھاوا بولا تھا۔ مگر معلوم ہُوا ہے کہ انھیں اپنی اس یلغار میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور کس مپرسی کا یہ عالم ہے کہ مسلم مجلس کو عہدیدار نہیں ملتے!

کاش مسلم مجلس کے صدر خواجہ عبدالمجید صاحب اور

ان کے نوٹوں سیکرٹری خان بہادر جان محمد صاحب اسی سے عبرت پکڑیں اور مسلمانوں میں تفریق و انتشار پیدا کرنے کی کوششوں سے باز آئیں۔ مسلم مجلس کو مسلمان منہ لگاتے ہیں نہ ہندو حتیٰ کہ گاندھی جی نے بھی خواجہ صاحب کی بار بار قدم بوسی کے باوجود ان کی جماعت کو پرکاہ کے برابر وقعت نہیں دی۔ اس لیے کہ وہ مسلمان کانگریسیوں کو آجکل یہ ہدایت کر رہے ہیں۔ کہ اگر وہ قوم کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ تو کسی ایسی جماعت میں شامل نہ ہوں۔ جو فرقہ وارانہ ہو یعنی جس کے ساتھ مسلم یا مسلمان کا لیبل لگا ہوا ہو۔ مصلحت چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ خواجہ صاحب کی مجلس بھی اس گناہ کی مرتکب ہے۔ اس لیے ان کی مسلم لیگ کے خلاف بے سروپا بیان بازیاں بھی انہیں مسٹر گاندھی کی نظروں میں سربلند نہیں کر سکیں اور انہوں میں مسلم مجلس کی جو توقیر ہے اس کا اندازہ پنجاب کے اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ صدارت موجود ہے۔ لیکن صدر نہیں ملتا۔

(نوائے وقت ۹ فروری ۱۹۴۵ء)

نیشنلسٹ مسلمانوں کے باب میں ہم نے تہیہ وارادہ کیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مواد حضور ملت نذر کیا جائے۔ کانگریس کا "متحدہ قومیت" کا نعرہ بھی اکبر کے "دین الہٰی" کا بدلا ہوا لبادہ تھا اگر اُس دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کافرانہ نعرے کی قلعی کھولی تو اس دور میں اقبالؒ و جناحؒ اور ان کے جنود نے اس طلسم و فسوں کا پردہ چاک کیا۔ اگر اُس دور میں اکبر کو ابوالفضل و فیضی ملے۔ تو گاندھی کو اس دور کے "امام الہند" اور "شیخ الحدیث"

اور امیر شریعت اس دور کے متعلق "پاکستان اور عرب" کا مصنف رقمطراز ہے :-

"حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اکبر اور جہانگیر کی زندقہ آمیز سرگرمیوں کو روکنے کے لیے زبردست جدوجہد کی اور متحدہ قومیت کی تصوری کے مقابلہ میں اعلائے کلمۃ الحق کیا اور کہا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں ان کا اپنا مذہب اپنی شریعت اپنی کتاب اپنی تہذیب اور تمدن ہیں جو کفار سے قطعاً مختلف ہیں۔ چنانچہ آپ نے قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ کو پیش کیا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ۝

"اے ایمان والو اگر تم کفار کی اطاعت کرو گے تو وہ تم کو کافر بنا دیں گے اور تم بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے بلکہ اللہ تمہارا حاکم و مالک ہے اور سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے"

اور مسلمانوں کو متحدہ قومیت اختیار کرنے سے روکا اور دین الٰہی قبول کر کے مرتد ہونے سے بچنے کو کہا۔ حکومت اس مخالفت کو کب برداشت کر سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی کو گرفتار کر کے گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا لیکن آپ کے اس جہاد کا یہ فوری اثر ہوا کہ لوگ دین الٰہی کے دجل سے باخبر اور ہوشیار ہو گئے اور ہندوؤں نے جو گہری سیاسی چال چلی تھی وہ ناکام ہو کر رہ گئی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے لاہور کی سرزمین سے جو آواز ۱۵۶۳ء میں بلند کی تھی۔ پونے تین سو سال بعد وہی آواز لاہور کی سرزمین سے مسلمانانِ ہندوستان کے محبوب رہنما محمد علی جناح نے بلند کی اور اکبر کا نادمی ازم کی شکل میں "دین الٰہی" کی مُردہ تحریک نے جو جنم لیا تھا اس کے خلاف مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع ہونے کی دعوت دی اور ان لوگوں کو جو ابوالفضل کی پیروی میں کانگریس کے ساتھ مل کر متحدہ قومیت کا راگ الاپ رہے تھے انہیں پکارا کہ ظالمو قرآنِ پاک کی تعلیم پاک کو چھوڑ کر دوسروں میں جذب نہ ہو جاؤ۔ قوم سے بغاوت کر رہے ہو۔ لیکن خدا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اطہر و مقدس سے بغاوت کر کے جہنم کے ایندھن نہ بنو۔ مسلمانوں کو گمراہی اور تباہی کے راستہ پر نہ ڈالو۔ اور دیکھو کہ خداوند عالم کا پاک کلام پکار پکار کر تمہیں کدھر بُلا رہا ہے۔

ھٰاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ۔

"تعجب ہے کہ تم کافروں کے دوست بن رہے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دوست نہیں"

لیکن تعجب کا مقام ہے کہ وہ اس صریح حکم کے باوجود اپنی ذاتی اغراض اور مفادات کے ماتحت ملت فروشی کر رہے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے آپ کو مسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث سمجھتے ہیں۔ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارشادات سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ملّت اسلامیہ سے کٹ کر دوسروں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور ملّت مرحوم کے مفادِ عظیم کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل کر برابر یہ کہے چلے جا رہے ہیں کہ ہندوستان میں صرف ایک ہی قوم آباد ہے اور وہ قوم ہے ہندوستانیوں کی۔ ان میں مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام آزاد ایسے فاضل بھی موجود ہیں۔ ان میں مفسّرِ قرآن حکیم اور علمبردارِ شریعت بھی ہیں۔ شریعت اور تعلیمات قرآن حکیم سے واقف ہونے کے باوجود وہ مذہب سے بغاوت کر رہے ہیں۔ ان کی یہ بغاوت ملّت اسلامیہ کے خلاف نہیں بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت ہے۔ خدا اور رسولؐ کا باغی مسلمانوں میں سے نہیں بلکہ وہ کفار کی صفوں سے اٹھایا جائے گا۔"

صفحہ ۱۹ تا ۲۱ عرب اور پاکستان
مصنف محمد اشرف عطا
مدیر معاون "زمیندار"

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"کس قدر مقامِ حیرت ہے۔ کہ مسلمانوں کے جس طبقہ سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تنظیم ملّت کی توقع کی جا سکتی تھی ان میں سے چند کانگریسی علماء آج یا تو ہندو کی شاطرانہ چالوں میں آکر دانستہ طور پر تخریب ملّت کا کام انجام دے رہے ہیں یا محض اپنے ذاتی مفاد کے تحفظ

اور ذاتی بغض و دشمنی کی بنا پر پوری قوم کو دیدہ دانستہ قعرِ مذلت میں گرا دینے پر کمربستہ ہو گئے ہیں ورنہ کلام اللہ، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسوۂ حسنہ اور اقوال و اعمال صحابۂ کرام سے تجسس و تلاش کے باوجود کوئی ایسی نظیر یا دلیل نہیں ملتی کہ ان خطرناک حالات میں مسلمان غیر مسلم بلکہ مشرکین کی جماعت میں شامل ہو کر بلا شرط و امواثیق اشتراک و تعاون کریں۔"

آگے جا کر رقمطراز ہیں:۔

"قرآن مجید و فرقان الحمید میں اکثر مقامات پر حاکم الحاکمین نے کفار و مشرکین سے الگ رہنے اور اپنی جداگانہ تنظیم قائم کرنے کے لیے صریح احکامات صادر فرمائے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ۔ (سورۂ آل عمران)

"مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو مسلمان ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔"

عرب اور پاکستان
صفحہ ۲۲ و ۲۳

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ

مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ٭

هٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ٭

اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ٭

"اے ایمان والو! ایمان والوں کے علاوہ کسی کی پنا راز دار نہ بناؤ۔ غیر تمہارے تباہ کرنے میں کمی کرنے والے نہیں۔ تم جس قدر تکلیفوں میں پڑو ان کو اتنی ہی خوشی ہوتی ہے۔ ان کی باتوں سے عداوت ٹپکتی ہے اور جو کچھ وہ دل میں لیے ہوئے ہیں وہ بہت سخت ہے۔ ہم نے حقیقت کو تم پر ظاہر کر دیا ہے۔ اگر تم عقل سے کام لو تو سمجھ سکتے ہو۔"

"سنو! تم ایسے سیدھے سادے لوگ ہو کہ تم اُن سے دوستی رکھتے ہو اور وہ تم سے مطلق بیر رکھتے ہوں اور وہ تم سے مطلق دوستی نہیں رکھتے تم خدا کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہارے قرآن کے منکر ہیں اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو مارے غصے کے تم پر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔"

"اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ اپنے غصہ میں جل مرو جو کپٹ ہماری طرف سے تمہارے دلوں میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے۔"

"مسلمانو! اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچے۔ تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم ان کی ایذاؤں پر صبر کرو اور انتقام میں زیادتی سے بچے رہو تو اطمینان رکھو کہ ان کے فریب سے تمہارا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔ کیونکہ جو کچھ بھی یہ کر رہے ہیں اس کا وضیہ اللہ کے احاطہ (قدرت) میں ہے۔"

کیا یہ حقیقت نہیں کہ کانگریس کی درپردہ سازشوں میں شریک ہو کر مسلمانوں کی ایک نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے خلاف سردھڑ کی بازی لگا دینا ان آیات کریمہ کی صریح خلاف ورزی ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس آیت بینہ کی پیش گوئی کے مطابق کانگریسی دورِ حکومت میں حکومت کے بل بوتے پر "ہمی رقم" یہ کے پرمٹ اور طاقت و آلات جارحانہ کے مظاہرہ اور استعمال سے مسلمانوں کی طاقتوں کو کمزور اور ان کی تہذیب و تمدن اور کلچر و معاشرت کو مٹانے کی منظم اسکیم کے ماتحت مسلمانوں پر مظالم کیے گئے۔"

آگے چل کر رقمطراز ہیں:۔

"ہمارے کانگریسی مسلمان دوست قرآن مجید کے قطعی حکم کے باوجود ملت سے کٹ کر دشمنان اسلام کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی مخالف طاقتوں کے ففتھ کالم کا کام کر رہے ہیں۔ جب یہ حضرات اپنی تقریروں اور بیانوں میں خدمتِ اسلام کا نام لیتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ وہ کانگریس میں رہ کر اسلام

کی بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔ تو فوراً ان کی خدمات بہار۔ بمبئی اور گڑھ مکتیسر کے خونی واقعات کی شکل میں ہر مسلمان کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتی ہیں۔ اگر یہی خدمتِ اسلام ہے۔ تو پھر تخریب کسے کہتے ہیں۔

"اے ایمان والو اگر تم کفار کی اطاعت کروگے تو وہ تم کو پھر کافر بنادیں گے اور تم بڑے نقصان میں پڑ جاؤگے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ تمہارا حاکم و مالک ہے اور سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے"

کیا ان آیات بینات میں غیر مسلموں کی اسی ذہنیت۔ دلی خواہشات اور ارادوں کی طرف اشارہ نہیں پایا جاتا جس کا کانگریس کے پلیٹ فارم سے اکثر و بیشتر اظہار کیا جاتا رہا ہے۔ کیا یہ خطرناک مشورہ مسلمانوں کے لیے نقصان عظیم کا باعث نہیں ہیں۔ اگر نہیں تو پھر ایسی خدائے برتر و توانا کو حاکم علی الاطلاق کو مانتے ہوئے منظم ہو کر اس کی امداد کی توقع کیوں نہیں کی جاتی؟

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً۔

کافر تو یہی چاہتے ہیں۔ کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔ اسی طرح جیسے کہ وہ خود ہیں"

کیا متحدہ قومیت اور اکھنڈ ہندوستان کی تشکیل میں بڑا درپردہ وطن کا یہی جذبہ کام نہیں کر رہا۔ کہ اکثریت کی حکومت کے اقتدار سے مسلمانوں پر ہندو تہذیب تمدن

ٹھونسا جائے اور کیا اس کا مظاہرہ بارہا نہیں ہو چکا"

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"اگر راشٹریتی آزاد۔ شری یت مدنی اور سرحدی گاندھی اس وقت کے انتظار میں ہیں۔ کہ جب مسلمانانِ ہندوستان کے لیے سرزمین ہندوستان کربلا بن جائے گی اور مسلمانوں کو مجبور کر دیا جائے گا۔ کہ وہ اچھوتوں کی سی زندگی بسر کریں تو یہ بہتر ہے۔ کہ وہ دوسروں کے ہاتھوں سے ملت کی یہ تذلیل کرانے کے بجائے خود ہی ملت کو ٹھکانے لگا دیں" (حرب اور پاکستان صفحہ ۲۴ تا ۲۸)

جناب محمد اشرف خاں عطا صفحہ ۳۰ و ۳۱ پر رقمطراز ہیں:۔

"ہمارے حریف ہماری تمناؤں کے ڈھیر پر اپنے ذہنی تصورات کی دنیا بسانے کے لیے اس وقت بے دریغ دولت لٹا رہے ہیں۔ مگر جل شانہٗ کی بشارت کے مطابق انشاء اللہ العزیز ان کو منہ کی کھانا پڑے گی۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ؕ

"کفار اپنا مال و دولت خرچ کرکے لوگوں کو خدا کے راستہ سے ہٹاتے ہیں اور ہٹائیں گے۔ اور وہ ابھی اور خرچ کریں گے۔ پھر آخر ان پر مایوسی چھا جائے گی اور وہ مغلوب ہو کر رہ جائیں گے"

ذرا آگے چل کر:۔

"مگر اُن بزرگوں اور دوستوں سے جو اپنی وضع کی پابندی۔ خوش عقیدگی۔ سادہ لوحی کی بنا پر اب بھی ہندو کانگریس کے ساتھ مل کر نادانستہ طور پر انتشارِ ملّت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ان سے استدعا ہے کہ ان یا ان جیسی اور بیسیوں آیاتِ بینات اور گذشتہ تکلیف دہ واقعات و تجربات کی روشنی میں اب بھی اپنے سفر کا رُخ اکھنڈ ہندوستان سے پاکستان کی طرف پھیر لیں"۔

پھر صفحہ ۹۳ پر رقمطراز ہیں:۔

"پاکستان کی مخالفت میں کانگریس۔ ہندو مہا سبھا اکالی اور انگریز ہی صف آرا نہیں بلکہ وہ لوگ جنھیں مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور جو اپنے آپ کو آزادی کا علمبردار اور مذہب کا ٹھیکیدار تصور کرتے ہیں۔ لیکن ملّت سے کٹ کر اغیار کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور اپنی دنیوی اغراض کے ماتحت مسلمانوں کی اجتماعیت اور مرکزیت کو پراگندہ کرنے میں کانگریس کے اشارے پر ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اس گروہ میں مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی ایسی عظیم المرتبت ہستیاں بھی شامل ہیں"۔

قوم پرست مسلم لیڈروں کی لکھنؤ کانفرنس کے متعلق علامہ اقبالؒ کا وہ بیان جو ۸ / اکتوبر ۱۹۳۲ء کو شائع ہوا:۔

"جمعہ کے روز میں شملہ سے لاہور واپس آیا تو شیخ عبد المجید سندھی صدر خلافت کانفرنس کا ایک تار ملا جس میں شیخ صاحب نے ہندوؤں سے سمجھوتہ کرنے کے لیے مسلمان

لیڈروں کی ایک کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز کے متعلق میری رائے دریافت کی تھی۔

میں نے بذریعہ تار شیخ صاحب کو جواب دیا۔ کہ جب تک ہندوؤں کی طرف سے ہمارے سامنے چند ٹھوس اور واضح تجاویز نہ ہوں اس قسم کی کانفرنس منعقد کرنا نامناسب بلکہ بے معنی ہوگا۔

اسی شام مجھے شیخ صاحب کا ایک اور تار بدیں مضمون ملا کہ میرا تار دیر سے پہنچا اور مسلم لیڈروں کی ایک غیر رسمی کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ انھوں نے مجھے اس کانفرنس میں شمولیت کی دعوت دی جوابا میں نے اُن سے اپنے فیصلے پر دوبارہ غور کرنے کی درخواست کی۔ کیونکہ میرے خیال میں یہ کانفرنس بے موقع اور خلاف مصلحت تھی۔ میں نے کانفرنس میں شرکت سے اپنی مجبوری کا اظہار کر دیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اُس وقت سے اب تک میرے پاس کئی مقامات سے تار موصول ہو چکے ہیں کہ ایک خاص جلسہ کرکے آل انڈیا مسلم کانفرنس کی پوزیشن کی دوبارہ وضاحت کرنی چاہیئے اور بمبئی والی چالوں کا توڑ کیا جاوے۔ ان حالات کے پیش نظر مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ میں مجوزہ لکھنؤ کانفرنس سے مسلمانوں کے شدید اختلافات واضح کر دوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب تک ہندو لیڈروں کی طرف سے ہمارے سامنے کوئی واضح تجاویز پیش نہ کی جاویں اس کانفرنس میں بحث کس چیز پر کی جائے گی۔

مسلمانانِ ہند نے ہمیشہ دوسری قوتوں سے سمجھوتہ کرنے کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ لیکن جو طریقہ اس وقت اختیار کیا جا رہا ہے اس کا مطلب ہندوؤں سے سمجھوتہ نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ میں جس کو ہم بڑی مشکل سے منظم کر سکے ہیں۔ پھوٹ ڈالنا ہے۔"

حرفِ اقبال مؤلفہ لطیف احمد شیروانی ایم۔ اے
(صفحہ ۱۸۹ و ۱۹۰)

اسلام اور قومیت پر مولانا حسین احمد کے بیان کا جواب

جو روزنامہ "احسان" لاہور میں ۹ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا

میں نے اپنے شعر؎

سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است

میں لفظ "ملت" "قوم" کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی میں یہ لفظ اور بالخصوص قرآن مجید میں شرع اور دین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن حال کی عربی۔ فارسی اور ترکی زبان میں بکثرت سندات موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "ملت" "قوم" کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ میں نے اپنی تحریر میں بالعموم "ملت" بمعنی "قوم" ہی استعمال کیا ہے۔ لیکن چونکہ لفظ ملت کے معنی زیرِ بحث مسائل پر چنداں مؤثر نہیں ہیں اس لیے میں اس بحث میں پڑے بغیر ہی تسلیم کرتا ہوں کہ مولانا حسین احمد کا ارشاد یہی تھا۔ کہ اقوام اوطان سے بنتی ہیں۔ مجھ کو حقیقت

میں مولانا کے اس ارشاد پر بھی اعتراض نہیں۔ اعتراض کی گنجائش اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ زمانہ حال میں اقوام کی تشکیل اوطان سے ہوتی ہے اور ہندی مسلمانوں کو مشورہ دیا جائے کہ وہ اس نظریہ کو اختیار کریں ایسے مشورے سے "قومیت" کا جدید فرنگی نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے جس کا ایک اہم پہلو مذہبی ہے جس کی تنقید ایک مسلمان کے لیے از بس ضروری ہے۔ افسوس ہے کہ میرے اعتراض سے مولانا کو یہ شبہ ہوا کہ مجھے کسی سیاسی جماعت کا پراپیگنڈہ مقصود ہے۔ حاشا وکلا میں نظریۂ وطنیت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں جبکہ دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریہ کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریۂ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کی یہ تدبیر جنگ عظیم میں کامیاب بھی ہو گئی اور اس کی انتہا یہ ہے کہ ہندوستان میں اب مسلمانوں کے بعض دینی پیشوا بھی اس کے حامی نظر آتے ہیں زمانے کا الٹ پھیر بھی عجیب ہے ایک وقت تھا کہ نیم مغرب زدہ پڑھے لکھے مسلمان تفریح میں گرفتار تھے اب علماء اس لعنت میں گرفتار ہیں۔ شاید یورپ کے جدید نظریے ان کے لیے جاذب نظر ہیں مگر افسوس ؎

نو نگردد کعبہ را رخت حیات　　گر ز افرنگ آیدش لات و منات

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ مولانا کا یہ ارشاد کہ "اقوام اوطان سے بنتی ہیں"۔ قابل اعتراض نہیں اس لیے کہ قدیم الایام سے "اقوام" "اوطان" کی طرف اور "اوطان" "اقوام" کی طرف منسوب ہوتے چلے آئے ہیں۔ ہم سب ہندی ہیں اور ہندی کہلاتے ہیں۔ ہم کرۂ ارضی کے اس حصہ میں بود و باش رکھتے ہیں۔ جو ہند کے نام سے موسوم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس چینی، عربی، جاپانی، ایرانی وغیرہ وطن کا لفظ جو اس قول میں مستعمل ہوا ہے۔ محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے اور اس حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا۔ اس کے حدود آج کچھ ہیں اور کل کچھ۔ کل تک اہل برما ہندوستانی تھے اور آج برمی ہیں۔ ان معنوں میں ہر انسان فطری طور سے اپنے جنم بھوم سے محبت رکھتا ہے اور بقدر اپنی بساط کے اس کے لیے قربانی کرنے کو تیار رہتا ہے۔ بعض نادان لوگ اس کی تائید میں "حب الوطن من الایمان" کا مقولہ حدیث سمجھ کر پیش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وطن کی محبت انسان کا ایک فطری جذبہ ہے۔ جس کی پرورش کے لیے اثبات کی کچھ ضرورت نہیں مگر زمانۂ حال کے سیاسی لٹریچر میں "وطن" کا مفہوم محض جغرافیائی نہیں بلکہ وطن ایک اصول ہے۔ ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا ایک قانون ہے۔ اس لیے جب لفظ "وطن" کو ایک سیاسی تصور کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ اسلام کے متصادم ہو رہا ہے۔ مولانا حسین احمد صاحب سے بہتر اس بات کو کون جانتا ہے کہ اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر

نہیں رکھتا۔ اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں بلکہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلامی ہو۔ نامعقول و مردود ہے۔ اس کلیہ سے بعض سیاسی مباحث پیدا ہوتے ہیں جن کو ہندوستان سے خاص تعلق ہے۔ مثلاً یہ کہ کیا مسلمان اور قوموں کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے یا ہندوستان کی مختلف قومیں یا ملتیں ملکی اغراض کے لیے متحد نہیں ہو سکتیں وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ میرا مقصد اس وقت صرف مولانا حسین احمد صاحب کے قول کے ذہنی پہلو کی تنقید ہے۔ اس لیے میں ان مباحث کو نظر انداز کرنے پر مجبور رہا۔

اسلام کے مذکورہ بالا دعویٰ پر عقلی دلائل کے علاوہ تجربہ بھی شاہد ہے۔ اوّل یہ اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن۔ سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظامِ اسلامی کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے۔ جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے تاریخ ادیان اس بات کی شاہد عادل ہے کہ قدیم زمانہ میں "دین" قومی تھا جیسے مصریوں یونانیوں اور ہندیوں کا بعد میں نسلی قرار پایا جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ "دین" انفرادی

اور پرائیویٹ ہے۔ اس واسطے انسانوں کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف "سٹیٹ" ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی ہے نہ انفرادی اور پرائیویٹ بلکہ خالصۃً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد و منظم کرنا ہے۔ ایسا دستور العمل قوم اور نسل پر بنا نہیں کہا جا سکتا نہ اس کو پرائیویٹ کہہ سکتے ہیں بلکہ اس کو صرف معتقدات پر ہی مبنی کہا جا سکتا ہے صرف یہی ایک طریق ہے جس سے عالم انسانی کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے جو ایک اُمّت کی تشکیل اور اس کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ کیا خوب کہا ہے مولانا رومی نے

ہم دلی از ہم زبانی بہتر است

اس سے علیحدہ ہو کر جو اور راہ اختیار کی جائے۔ وہ راہ لادینی کی ہوگی اور شرفِ انسانی کے خلاف ہوگی۔ چنانچہ یورپ کا تجربہ دُنیا کے سامنے ہے۔ جب یورپ کی دینی وحدت پارہ پارہ ہوگئی اور یورپ کی اقوام علیحدہ علیحدہ ہوگئیں تو ان کو اس بات کی فکر پیدا ہوئی کہ قومی زندگی کی اساس کیا قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ مسیحیت ایسی اساس نہ بن سکتی تھی۔ انھوں نے یہ اساس "وطن" کے تصور میں تلاش کی۔ کیا انجام ہوا اور ہو رہا ہے اُن کے اس انتخاب کا! لوتھر کی اصلاح "غیر سلیم عقلیت" کا دَور اور "اصول دین" کا "سٹیٹ" کے اُصولوں سے افتراق بلکہ جنگ یہ تمام قوتیں

یورپ کو دھکیل کر کس طرف لے گئیں ؟ لادینی، دہریت اور اقتصادی جنگوں کی طرف۔ کیا مولانا حسین احمد یہ چاہتے ہیں کہ ایشیا میں بھی اس تجربہ کا اعادہ ہو۔ مولوی صاحب زمانہ حال میں قوم کے لیے وطن کی اساس ضروری سمجھتے ہیں بے شک زمانۂ حال نے اس اساس کو ضروری سمجھا ہے۔ مگر صاف ظاہر ہے کہ یہ کافی نہیں بلکہ بہت سی اور قوتیں بھی ہیں، جو اس قسم کی تشکیل کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً دین کی طرف سے بے پرواہی۔ سیاسی روزمرہ مسائل میں انہماک اور علی ہذالقیاس اور دیگر مؤثرات جن کو مدبرین اپنے ذہن سے پیدا کریں۔ تاکہ ان ذرائع سے اس قوم میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے مولوی صاحب اس بات کو نظرانداز کر جاتے ہیں کہ اگر ایسی قوم میں مختلف ادیان وملل ہوں تو بھی رفتہ رفتہ وہ تمام ملتیں مٹ جاتی ہیں۔ اور صرف لادینی اس قوم کے افراد میں وجہ اشتراک رہ جاتی ہے۔ کوئی دینی پیشوا تو کیا ایک عام آدمی بھی جو دین کو انسانی زندگی کے لیے ضروری جانتا ہے نہیں چاہتا کہ ہندوستان میں ایسی صورت حالات پیدا ہو۔ باقی رہے مسلمان سو افسوس ہے کہ ان سادہ لوحوں کو اس نظریۂ وطنیت کے لوازم اور عواقب کی پوری حقیقت معلوم نہیں اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں کہ دین اور وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے یکجا رہ سکتے ہیں۔ تو میں مسلمانوں کو بروقت انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا آخری مرحلہ اول تو لادینی ہو گی اور اگر لادینی نہیں تو

اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پرواہی۔

مگر جو فتنہ مولانا حسین احمد کے ارشاد میں پوشیدہ ہے وہ زیادہ دقتِ نظر کا محتاج ہے اس لیے میں اُمید کرتا ہوں کہ قارئین مندرجہ ذیل سطور کو غور سے پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ مولانا حسین احمد عالمِ دین ہیں اور جو نظریہ انھوں نے قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔ اُمّتِ محمدیہ کے لیے اس کے خطرناک عواقب سے وہ بے خبر نہیں ہو سکتے۔ انھوں نے لفظ "قوم" استعمال کیا یا لفظ "ملّت" یہ بحث غیر ضروری ہے۔ ہر لفظ سے اس جماعت کو تعبیر کرنا جو ان کے تصورات میں اُمّتِ محمدیہ ہے اور اس کی اساس وطن قرار دینا ایک نہایت دل شکن اور افسوس ناک امر ہے ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنی غلطی کا احساس تو ہوا ہے لیکن یہ احساس ان کو غلطی کے اقرار یا اس کی تلافی کی طرف نہیں لے جائے گا۔ انھوں نے لفظی اور لغوی تاویل سے کام لے کر عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ ملّت اور قوم کے لغوی فرق اور امتیاز سے کیا تسلّی ہو سکتی ہے؟ ملّت کو قوم سے ممتاز قرار دینا ان لوگوں کی تشفی کا باعث تو ہو سکے۔ جو دینِ اسلامی کے حقائق سے ناواقف ہیں۔ واقف کار لوگوں کو یہ قول دھوکہ نہیں دے سکتا۔ آپ نے سوچا نہیں کہ آپ اس توضیح سے دو غلط اور خطرناک نظریے مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں ایک یہ کہ مسلمان بحیثیت قوم اور ہو سکتے ہیں اور بحیثیت ملّت

اور دُوسرا یہ کہ از رُوئے قوم چونکہ وہ ہندوستانی ہیں اس لیے مذہب کو علیحدہ چھوڑ کر انھیں باقی اقوامِ ہند کی قومیت یا ہندوستانیت میں جذب ہو جانا چاہیے۔ یہ صرف قوم اور مِلّت کے الفاظ کا فرق ہے۔ ورنہ نظریہ وہی ہے جس کا اُوپر ذکر ہُوا اور جس کے اختیار کے لیے اس ملک کی اکثریت اور اس کے رہنما آئے دن یہاں کے مسلمانوں کو تلقین کرتے رہتے ہیں۔

یعنی یہ کہ مذہب اور سیاست جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ اس ملک میں رہنا ہے تو مذہب کو محض انفرادی اور پرائیویٹ چیز سمجھو اور اس کو افراد تک ہی محدُود رکھو۔ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کو کوئی دوسری علیحدہ قوم تصور نہ کرو اور اکثریت میں مدغم ہو جاؤ۔ مولانا نے بظاہر یہ کہہ کر کہ میں نے لفظ مِلّت اپنی تقریر میں استعمال نہیں کیا۔ میں مِلّت کو وطنی قوم سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے گویا اگر قوم زمین ہے۔ تو مِلّت بمنزلہ آسمان ہے۔ لیکن معناً اور عملاً آپ نے مِلّت کی اس ملک میں کوئی حیثیت نہیں چھوڑی اور آٹھ کروڑ مسلمانوں کو یہ وعظ فرما دیا ہے۔ کہ ملک و سیاست کے اعتبار سے اکثریت میں جذب ہو جاؤ تو وطنیت کو آسمان بناؤ۔ وہی فطرت زمین بنتا ہے تو بنتے دو۔ مولانا نے یہ فرض کر کے کہ مجھے قوم اور مِلّت کے معانی میں فرق معلوم نہیں اور شعر لکھنے سے پہلے جہاں میں نے مولانا کی تقریر کی اخباری رپورٹ کی تحقیق نہ کی وہاں قاموس کی ورق گردانی بھی نہ کر سکا۔ مجھے عربی زبان سے بے بہرہ ہونے کا طعنہ دیا ہے

پر طعنہ سر آنکھوں پر۔ لیکن کیا اچھا ہوتا۔ اگر میری خاطر نہیں تو عامۃ المسلمین کی خاطر قاموس سے گزر کر قرآن حکیم کی طرف مولانا رجوع کر لیتے اور اس خطرناک اور غیر اسلامی نظریے کو مسلمانوں کے سامنے رکھنے سے پیشتر خدائے پاک کی نازل کردہ مقدس وحی سے بھی استشہاد فرماتے۔ مجھے تسلیم ہے کہ میں عالم دین نہیں نہ عربی زبان کا ادیب ؎

قلندر جز دو حرف لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

لیکن آپ کو کونسی چیز مانع آئی۔ کہ آپ نے صرف قاموس پر اکتفا کی۔ کیا قرآن پاک میں سینکڑوں جگہ لفظ قوم استعمال نہیں ہوا۔ کیا قرآن میں ملت کا لفظ متعدد بار نہیں آیا؟ آیات قرآن میں قوم و ملت سے کیا مراد ہے؟ اور کیا جماعت محمدیہ کے لیے ان الفاظ کے علاوہ لفظ امت بھی آیا ہے یا نہیں۔ کیا ان الفاظ کے معنی میں اس قدر اختلاف ہے۔ کہ ایک ہی قوم اس اختلاف معنی کی بنا پر ایسی مختلف حیثیتیں رکھے کہ دینی یا شرعی اعتبار سے تو وہ نوامیس الٰہیہ کی پابند اور ملکی اور وطنی اعتبار سے کسی ایسے دستور العمل کی تابع ہو جو اس دستور العمل سے مختلف بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مولانا قرآن سے استشہاد کرتے تو اس مسئلہ کا حل خود بخود ان کی آنکھوں کے سامنے آجاتا آپ نے الفاظ کی جو لغت بیان فرمائی وہ بہت حد تک درست ہے قوم کے معنی جماعت الرجال فی الاصل دون النساء گویا لغوی اعتبار سے عورتیں قوم میں شامل نہیں لیکن قرآن حکیم

میں جہاں قوم موسیٰ اور قوم عاد کے الفاظ آئے ہیں وہاں ظاہر ہے کہ عورتیں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ملت کے معنی بھی دین و شریعت کے ہیں۔ لیکن سوال ان دونوں لفظوں کے لغوی معانی کے فرق کا نہیں سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان :۔

اولاً اجتماعی اعتبار سے واحد و متحد و معروف جماعت ہیں جس کی اساس توحید اور ختم نبوت پر ہے یا کوئی ایسی جماعت ہیں۔ جو نسل، ملک یا رنگ و لسان کے مقتضیات کے ماتحت اپنی ملی وحدت چھوڑ کر کسی اور نظام و قانون کے ماتحت کر لی اور بہ حیثیت اجتماعیہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

ثانیاً۔ کیا ان معنوں میں بھی قرآن حکیم نے اپنی آیات کریمہ میں لفظ قوم سے تعبیر کیا ہے یا صرف لفظ ملت یا امت ہی سے پکارا گیا ہے۔

ثالثاً۔ اس ضمن میں وحی الٰہی کی دعوت کس لفظ کے ساتھ ہے۔ کیا یہ کسی آیات قرآنی میں آیا ہے۔ کہ اے لوگو! یا اے مومنو! قوم مسلم میں شامل ہو جاؤ۔ یا اس کا اتباع کرو یا یہ دعوت صرف ملت کے اتباع اور امت میں شمولیت کی ہے؟

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں قرآن حکیم میں جہاں "اتباع" و شرکت کی دعوت ہے وہاں صرف لفظ ملت یا امت وارد ہوا ہے کسی خاص قوم کے اتباع یا اس میں شرکت کی دعوت نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ اَوِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ۔ ثُمَّ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ اور یہ اتباع و اطاعت کی دعوت اس لیے ہے کہ ملت نام ہے ایک دین کا ایک شرع و منہاج کا۔ قوم چونکہ کوئی شرع و دین نہیں اس لیے اس کی طرف دعوت اور

اس سے تمسک کی ترغیب عبث تھی۔ کوئی گروہ ہو خواہ وہ قبیلہ کا ہو، نسل کا ہو۔ ٹولیوں کا ہو، تاجروں کا ہو۔ ایک شہر والوں کا ہو۔ جغرافیائی اعتبار سے ایک ملک یا وطن والوں کا ہو وہ محض گروہ ہے، رجال کا انسانوں کا۔ وحی الٰہی یا نبی کے نقطۂ خیال سے ابھی یہ گروہ ہدایت یافتہ نہیں ہوتا اگر وحی یا نبی اس گروہ میں آئے تو وہ اس کا پہلا مخاطب ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی طرف منسوب بھی ہوتا ہے۔ مثلاً قوم نوح، قوم موسےٰ، قوم لوط لیکن اگر اسی گروہ کا مقتدا کوئی بادشاہ یا سردار ہو تو وہ اس کی طرف منسوب ہوگا۔ مثلاً قوم عاد۔ قوم فرعون۔ اگر ایک ملک میں دو گروہ اکٹھے ہو جاویں اور اگر وہ متضاد قسم کے رہنماؤں کے گروہ ہوں تو وہ دونوں سے منسوب ہو سکتے ہیں مثلاً جہاں قوم موسیٰ تھی وہاں قوم فرعون بھی تھی۔ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لیکن ہر مقام پر جہاں قوم کہا گیا وہاں گروہ عبارت تھا جو ہدایت یافتہ اور غیر ہدایت یافتہ سب افراد پر مشتمل تھا جو افراد پیغمبر کی متابعت میں آتے گئے توحید تسلیم کرتے گئے وہ اس پیغمبر کی ملت میں آ گئے اس کے دین میں آ گئے یا دانخ تر معنوں میں مسلم ہو گئے۔ یاد رہے کہ دین اور ملت کفار کی بھی ہو سکتی ہے۔ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ ایک قوم کی ایک ملت یا اس کا منہاج تو ہو سکتا ہے لیکن ملت کی قوم کہیں نہیں آیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے قرآن میں ایسے افراد کو جو مختلف اقوام و ملل سے نکل کر ملت ابراہیمی میں داخل ہو گئے۔ ان کو داخل ہونے کے بعد

لفظ قوم سے تعبیر نہیں کیا۔ بلکہ اُمّت کے لفظ سے۔ ان گزارشات سے میرا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں۔ قرآن کریم میں مسلمانوں کے لیے اُمّت کے علاوہ اور کوئی لفظ نظر نہیں آیا۔ اگر کہیں آیا ہو تو ارشاد فرمایئے۔ قوم رجال کی جماعت کا نام ہے اور یہ جماعت باعتبار قبیلہ، نسل، رنگ، زبان، وطن اور اخلاق ہزار جگہ ہزار رنگ میں پیدا ہو سکتی ہے لیکن ملّت سب جماعتوں کو تراش کر ایک نیا اور مشترک گروہ بنائے گی۔ گویا ملّت یا اُمّت جاذب ہے اقوام کی۔ خود ان میں جذب نہیں ہو سکتی۔ عہد حاضر کے ہندوستان کے علماء کو حالات زمانہ نے وہ باتیں کرنے اور دین کی ایسی تاویلیں کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جو قرآن یا نبیِ اُمّی کا منشا ہرگز نہ ہو سکتی تھیں۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت ابراہیمؑ سب سے پہلے پیغمبر تھے۔ جن کی وحی میں قوموں نسلوں اور وطنوں کو بالائے طاق رکھا گیا۔ بنی نوع آدم کی صرف ایک تقسیم کی گئی۔ موحد و مشرک۔ اس وقت سے لے کر دو ہی ملّتیں دنیا میں ہیں۔ تیسری کوئی ملّت نہیں کیجئے اللہ کے لحاظ آج دعوتِ ابراہیمی اور دعوتِ اسماعیلی سے غافل ہو گئے قوم اور قومیت کی صدا اور رٹنے والوں کو اس ملّت کے بانیوں کی وہ دعا یاد آئی۔ جو اللہ کے گھر کی بنیاد رکھتے وقت ان دونوں پیغمبروں نے کی۔ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

کیا خدا کی بارگاہ سے اُمّتِ مسلمہ کا نام رکھوانے کے بعد بھی یہ گنجائش باقی تھی۔ کہ آپ کی ہیئت اجتماعی کا کوئی حصہ کسی عربی، ایرانی، افغانی، انگریزی، مصری یا ہندی قومیت میں جذب ہو سکتا ہے۔ اُمّت مسلمہ کے مقابل میں تو صرف ایک ہی مِلّت ہے اور وہ الکفرۃ ملۃ واحدۃ کی ہے اُمّت مسلمہ جس دین کی حامل ہے۔ اس کا نام دینِ قیّم ہے۔ دینِ قیّم کے الفاظ میں ایک عجیب و غریب لطیفہ قرآنی مخفی ہے اور وہ یہ کہ حرفِ دین ہی متقوم ہے۔ اس گروہ کے اُمورِ عادی کا جو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اس کے نظام کے سپرد کردے یا الفاظ دیگر یہ کہ قرآن کی رُو سے حقیقی تمدنی یا سیاسی معنوں میں قوم دینِ اسلام ہی سے تقویم پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن صاف صاف اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ کوئی دستور العمل جو غیر اسلامی ہو نامقبول و مردود ہے۔

ایک اور لطیف نکتہ بھی مسلمانوں کے لیے قابلِ غور ہے اگر وطنیت کا جذبہ ایسا اہم اور قابلِ قدر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقارب اور ہم نسلوں اور ہم قوموں کو آپ سے پرخاش کیوں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو محض ایک ہمہ گیر مِلّت سمجھ کر بلحاظ قوم یا قومیت ابوجہل اور ابولہب کو اپنا بنائے رکھا اور ان کی دلجوئی کرتے رہے۔ بلکہ کیوں نہ عرب کے سیاسی امور میں ان کے ساتھ قومیت وطنی قائم رکھی۔ اگر اسلام سے مطلق آزادی مراد تھی تو آزادی کا نصب العین تو قریش مکہ کا بھی تھا مگر افسوس اب اس نکتہ پر غور نہیں فرماتے۔

کہ پیغمبر خدا کے نزدیک اسلام دین قیم اور اُمّتِ مسلمہ کی آزادی مقصود تھی۔ ان کو چھوڑ کر یا ان کو کسی دوسری ہیئت اجتماعیہ کے تابع رکھ کر کوئی اور آزادی چاہنا بے معنی تھا، ابوجہل اور ابولہب اُمّتِ مسلمہ کو ہی آزادی سے پھُولتا پھلتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کہ بطورِ مدافعت ہے۔ ان سے نزع در پیش آئی۔ محمدؐ (فداہ امّی و ابی) کی قوم آپ کی بعثت سے پہلے قوم تھی اور آزاد تھی لیکن جب محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت بن گئی تو اب قوم کی حیثیت ثانوی رہ گئی۔ جو لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت میں آ گئے۔ وہ خواہ ان کی قوم میں سے تھے یا دیگر اقوام سے وہ سب اُمّتِ مسلمہ یا اُمّت محمدیہ بن گئے پہلے وہ ملک و نسب کے گرفتار تھے۔ اب ملک و نسب ان کا گرفتار ہو گیا۔

کہ پنجہ زد ملک و نسب را نہ داند نکتۂ دین عرب را

اگر قوم از وطن بودے محمدؐ

نہ دادے دعوت دیں بولہب را

حضور رسالتمآب کے لیے یہ راہ بہت آسان تھی کہ آپ ابولہب یا ابوجہل یا کفارِ مکّہ سے یہ فرماتے کہ تم اپنی بُت پرستی پر قائم رہو۔ ہم اپنی خدا پرستی پر قائم رہتے ہیں۔ مگر اس نسلی اور وطنی اشتراک کی بنا پر جو ہمارے اور تمہارے درمیان موجود ہے۔ ایک وحدت عربیہ قائم کی جا سکتی ہے۔ اگر حضور نعوذ باللہ یہ راہ اختیار کرتے تو اس میں شک نہیں کہ یہ ایک وطن دوست کی راہ ہوتی۔ لیکن نبی آخر الزّماں کی راہ نہ ہوتی۔ نبوّت محمدیہ کی غایت الغایات

یہ ہے کہ ایک ہئیت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانون الہٰی کے تابع ہو۔ جو نبوت محمدیہ کو بارگاہ الہٰی سے عطا ہوا یا الفاظ دیگر یوں کہیے کہ بنی نوع انسان کی اقوام کو باوجود شعوب و قبائل اور الوان و السنہ کے اختلافات کو تسلیم کر لینے کے ان کو تمام آلودگیوں سے منزہ کیا جائے جو زمان و مکان، وطن، قوم، نسل، نسب، ملک وغیرہ کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں اور اس طرح اس پیکر خاکی کو وہ ملکوتی تخیل عطا کیا جائے۔ جو اپنے وقت کے ہر لحظہ میں ابدیت سے ہمکنار رہتا ہے۔ یہ ہے مقام محمدی، یہ ہے نصب العین ملت اسلامیہ کا اس کی بلندیوں تک پہنچنے تک معلوم نہیں حضرت انسان کو کتنی صدیاں لگیں مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اقوام عالم کی باہمی منافرت دور کرنے اور باوجود شعوبی و قبائلی، نسلی، لونی اور لسانی امتیازات کے انکو یکرنگ کرنے میں اسلام نے وہ کام تیرہ سو سال میں کیا ہے۔ جو دیگر ادیان سے تین ہزار سال میں بھی نہ ہو سکا۔ یقین جانیے کہ دین اسلام ایک پوشیدہ اور غیر محسوس حیاتی اور نفسیاتی عمل ہے جو بغیر کسی تبلیغی کوششوں کے بھی عالم انسانی کے فکر و عمل کو متأثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے عمل کو حال کے سیاسی منکرین کی جدت طرازیوں سے مسخ کرنا ظلم عظیم ہے۔ بنی نوع انسان پر اور اس نبوت کی ہمہ گیری پر جس کے قلب و ضمیر سے اس کا آغاز ہوا۔

مولانا حسین احمد کے بیان کا وہ حصہ جس میں آپ نے

مدیرِ احسان" سے اس بات کی تائید میں نص طلب کی ہے کہ ملّتِ اسلامیہ شرفِ انسانی اور اخوّتِ بشری پر کوشش ہے بہت سے مسلمانوں کے لیے تعجب خیز ہوگا۔ لیکن میرے لیے چنداں تعجب خیز نہیں اس لیے کہ مصیبت کی طرح گمراہی بھی تنہا نہیں آتی۔ جب کسی مسلمان کے دل و دماغ پر وطنیت کا وہ نظریہ غالب آ جائے جس کی دعوت مولانا دے رہے ہیں۔ تو اسلام کی اساس میں طرح طرح کے شکوک کا پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ وطنیت سے تدریجاً ذکا رحرکت کرتے ہیں۔ اس خیال کی طرف کہ بنی نوعِ انسان اقوام میں اس طرح بٹے ہوئے ہیں کہ ان کا قومی اتحاد امکان سے خارج ہے اس دوسری گمراہی سے جو وطنیت سے پیدا ہوتی ہے۔ ادیان کی اضافیت کی لعنت پیدا ہوتی ہے یعنی یہ تصوّر کہ ہر ملک کا دین اس ملک کے لیے خاص ہے اور دوسری اقوام کے طبائع کے موافق نہیں۔ اس تیسری گمراہی کا نتیجہ سوائے لادینی اور دہریت کے اور کچھ نہیں۔ یہ ہے نفسیاتی تجزیہ اس تیرہ بخت مسلمان کا جو اس رُوحانی جذام میں گرفتار ہو جائے۔ باقی رہا نص کا معاملہ، میں سمجھتا ہوں کہ تمام قرآن ہی اس کے لیے نص ہے۔ الفاظ شرفِ انسانی کے متعلق کسی کو دھوکا نہیں ہونا چاہیے۔ اسلامیات میں ان سے مُراد وہ حقیقتِ کبریٰ ہے جو حضرت انسان کے قلب و ضمیر میں ودیعت کی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ اس کی تقویم فطرۃ اللہ سے ہے اور اس شرف کا غیر ممنون یعنی غیر منقطع ہونا منحصر ہے اس تڑپ پر جو توحیدِ الٰہی کے لیے اس کے رگ و ریشے میں مرکوز ہے۔

انسان کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ ایک نا متناہی سلسلہ ہے باہم آویزیوں کا، خون ریزیوں کا اور خانہ جنگیوں کا کیا ان حالات میں عالم بشری میں ایک ایسی ملّت قائم ہو سکتی ہے جس کی اجتماعی زندگی امن و سلامتی پر موسّس ہو۔ قرآن کا جواب ہے کہ ہاں ہو سکتی ہے بشرطیکہ توحید الٰہی کو انسانی فکر و عمل میں حسب منشائے الٰہی مشہود کرنا انسان کا نصب العین قرار پائے ایسے نصب العین کی تلاش اور اس کا قیام سیاسی تدبّر کا کرشمہ نہ سمجھئے۔ بلکہ یہ رحمۃ للعالمین کی ایک شان ہے کہ اقوام بشری کو ان کے تمام خود ساختہ تفوقوں اور فضیلتوں سے پاک کر کے ایک ایسی امّت کی تخلیق کی جائے جس کو "اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ" کہہ سکیں اور اس کے فکر و عمل پر "شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" کا خدائی ارشاد صادق آ سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا حسین احمد یا ان کے دیگر ہمنواؤں کے افکار میں نظریۂ وطنیت ایک معنی میں وہی حیثیت رکھتا ہے۔ جو قادیانی افکار میں انکار ختمیت کا نظریہ۔ وطنیت کے حامی بالفاظ دیگر یہ کہتے ہیں کہ امّت مسلمہ کے لیے ضروری ہے کہ وقت کی مجبوریوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی حیثیت کے علاوہ جس کو قانون الٰہی ابد الآباد تک متعین و متشکل کر چکا ہے کوئی اور حیثیت بھی اختیار کرے۔ جس طرح قادیانی نظریہ ایک جدید نبوّت کی اختراع سے قادیانی افکار کو ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے کہ اس کی انتہا نبوّت محمدیہ کے کامل و اکمل ہونے سے انکار کی راہ کھول دیتا ہے۔ بظاہر نظریۂ وطنیت سیاسی نظریہ ہے اور قادیانی انکار ختمیت البیات

کا ایک مسئلہ ہے، لیکن ان دونوں میں ایک گہرا معنوی تعلق ہے جس کی توضیح اس وقت ہو سکے گی جب کوئی دقیق النظر مسلمان مورخ ہندی مسلمانوں اور بالخصوص ان کے بعض بظاہر مستعد فرقوں کے دینی افکار کی تاریخ مرتب کرے گا۔

اس مضمون کو میں طالب آملی کے ان دو شعروں پر ختم کرتا ہوں جن میں اس نے اپنے ان معاصر حکمائے اسلام کو مخاطب کیا ہے، جو حقائق اسلامیہ کو یونانی فلسفہ کی روشنی میں بیان کرنا فضل و کمال کی انتہا سمجھتے ہیں۔ تھوڑے سے معنوی تغیر کے ساتھ یہ اشعار آجکل کے مسلمان سیاسی مفکرین پر بھی صادق آتے ہیں ؎

مرکب دین کہ زادہ عرب است
داغ یونانش بر کفل منہید
مشتے اطفال نو تعلیم را
لوح ادبار در بغل منہید

"تعمیر پاکستان اور علماء ربانی" کے مصنف منشی عبدالرحمان خان صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۳ پر رقمطراز ہیں:۔

صالح انقلاب

اسی سال ۱۹۳۹ء میں جب کہ حضرت تھانوی قائدِ اعظم کے پاس تبلیغی وفد بھیجنے میں اور علامہ اقبال قائدِ اعظم کو ترغیبی خطوط لکھنے میں مصروف تھے۔ جناب مودودی صاحب کی مشہور کتاب "مسلمان اور سیاسی کشمکش" کے پہلے دو حصے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔

حصہ اول فروری ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا جس میں انھوں نے اسلامی ہند کی گذشتہ تاریخ، اس وقت کے حالات، آئندہ کے امکانات پر تبصرہ کیا تھا۔ حصہ دوم دسمبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا جس میں اس وقت کے سیاسی حالات کا تفصیلی تجزیہ، اسلامی جماعتوں کی سیاسی روش پر تنقید، جدید انقلابی نصب العین کی توضیح کی گئی تھی اور پوری شرح و بسط کے ساتھ کانگریس کے استعمار پرستانہ عزائم کا ردّ بلیغ کیا گیا تھا جس سے یہ ترشح پیدا ہو گئی تھی کہ مودودی صاحب بھی آگے چل کر نظریۂ پاکستان کی تائید اور مطالبۂ پاکستان کی حمایت کریں گے۔ دوسری طرف کانگریسی حلقوں میں مودودی صاحب کی تحریریں پریشانی کا باعث بن رہی تھیں۔

سال ۱۹۳۹ء میں علمائے دربار شریفیہ تبلیغی مہم میں اور ارباب مسلم لیگ اپنی تنظیمی مہم میں مشغول رہے اور جناب مودودی صاحب مذکورالصدر کتاب کا تیسرا حصہ لکھتے رہے جس کے بعض حصے وقتاً فوقتاً ترجمان القرآن میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ ان کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پس پردہ کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے مودودی صاحب نے اپنا موقف بدل لیا ہے اور ان کے خیالات و نظریات میں انقلاب آگیا ہے۔ کیونکہ اب مودودی صاحب اپنا سارا زورِ قلم ارباب مسلم لیگ کو بے دین، علماء کرام کو گمراہ ثابت کرنے اور مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کرنے میں لگا رہے ہیں اور اس طرح ایک صالح اتحاد ہی کا نگریسی

[1] مزید معلومات کے لیے ہماری کتاب جماعت اسلامی کا تاریخی کردار دیکھیے۔ (مؤلف)

مقاصد کی تائید کر رہے تھے۔ اس کے لیے خود ان کا ضمیر انہیں سرزنش کر رہا تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ اپنے مقام سے ہٹا دیئے گئے ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا کتاب کے تیسرے حصّہ کے دیباچہ کے ان الفاظ سے ظاہر ہے :-

"مسلمان اور موجودہ کشمکش" کے عنوان سے میرے مضامین کے دو مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اب اسی سلسلہ کا تیسرا مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔ بظاہر پہلے دونوں مجموعوں سے اس تیسرے مجموعہ کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ ایک شخص بادی النظر میں یوں محسوس کرے گا۔ کہ میں نے حصّہ دوم کی اشاعت کے بعد سے یکایک اپنی پوزیشن بدل دی ہے اور خود اپنی بہت سی کہی ہوئی باتوں کی تردید کرنے لگا ہوں" (صفحہ ۳)

اس وقت ان اسباب کی تلاش بے مقصود ہے۔ کہ مودودی صاحب خود اپنی بہت سی کہی ہوئی باتوں کی تردید کرنے پر کیوں مجبور ہیں، ان پر آنے والا مورخ ہی روشنی ڈالے گا دیکھنا یہ ہے کہ مودودی صاحب کے نظریات میں جو صالح انقلاب آیا، اس سے فائدہ کس کو پہنچا۔

فتوٰی مودودی :- تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کو کوئی قوم براہ راست اتنا نقصان نہیں پہنچا سکی، جتنا اس نے مسلمانوں کو واسطہ بنا کر نقصان پہنچایا ہے۔ عین اس وقت جبکہ ہندو سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کرنے اور اسلام کی حفاظت اور دشمنان اسلام کی مدافعت کرنے کے لیے علماء کرام جمہور مسلمین کو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں مصروف تھے مودودی

صاحب نے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے حسب ذیل فتوٰی دیا کہ:-

۱- "لیگ کے قائد اعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۳۷)

۲- "یہاں مسلمانوں کی قیادت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ نہ اسلام کو جانتے ہیں، نہ اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے پہچانتے ہیں۔ نہ ان کو اس منبع کی خبر ہے، یہاں اسلام کی قوت تیرہ و تار ہوئی ہے۔" (ایضاً صفحہ ۵۵)

۳- "اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں اسلام کے نام پر کام کر رہی ہیں۔ اگر فی الواقع اسلام کے معیار پر ان کے نظریات، مقاصد اور کارناموں کو پرکھا جائے تو سب کی سب جنس کاسد (کھوٹی) نکلیں گی۔ خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین۔ دونوں راہِ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ دونوں اپنے اصلی ہدف کو چھوڑ کر ہوا میں ہوائی تیر چلا رہے ہیں۔ ایک گروہ کے دماغ پر ہندو کا ہوا سوار ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ہندو امپیریلزم کے چنگل سے بچ جانے کا نام نجات ہے۔ دوسرے گروہ کے سر پر انگریز کا بھوت مسلط ہے اور وہ امپیریلزم کے جال سے بچ نکلنے کو نجات سمجھ رہا ہے۔ ان میں سے کسی کی نظر بھی مسلمان کی نظر نہیں۔" (ایضاً صفحہ ۷۰)

مودودی صاحب کی ان "اسلامی تحریروں" نے تمام رنگ میں مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس قدر نقصان پہنچایا، اتنا نقصان کانگرس، جمعیۃ العلماء ہند، خدائی خدمتگار وغیرہ بھی نہ پہنچا سکے۔ با ایں ہمہ مودودی صاحب کی خود غرضانہ آواز، علماء ربانی کی مخلصانہ آواز میں دب کر رہ گئی۔ اور مسلمانوں نے، گم کردہ راہ علماء کرام کی ترغیب پر "اسلام سے ناواقف مسلم لیگ" کے جھنڈے تلے جوق در جوق جمع ہو کر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے "تاریخی اجلاس میں پاکستان کا ریزولیشن پاس کر دیا جس سے مخالفین پاکستان کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی"۔

۱۹۴۵ء کا تاریخی الیکشن

"بعض خوش فہم لیگی حضرات کا خیال تھا کہ جماعت اسلامی اس الیکشن میں ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی امداد کرے گی اور مسلم لیگ کا ساتھ دے گی۔ چنانچہ انھوں نے مخلصانہ طور پر جماعت اسلامی کو اسی سلسلہ میں دعوت بھی دی، جو اس نے ٹھکرا دی اور صاف اعلان کر دیا کہ۔

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجیے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخاب کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو۔ بہر حال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا

کریں جن پر ایمان لائے ہیں۔" (کوثر ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

یہ جماعت اسلامی کی طرف سے پاکستان کی پہلی عملی مخالفت ہی نہ تھی، بلکہ کانگریس کی خاموش تائید بھی تھی کیونکہ اس "ایماندار" اور "با اصول" جماعت کا اس تاریخی الیکشن میں مسلم لیگ کی حمایت نہ کرنے کا فائدہ کانگریس جی اور ان کی کانگریس کو ہی پہنچتا تھا۔

آگے چل کر رقمطراز ہیں:۔

"جس زمانہ میں دارالاسلام پٹھان کوٹ سے مودودی صاحب کا یہ فتویٰ جاری ہوا کہ پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن میں جماعت اسلامی حصہ نہ لے۔ اسی زمانہ میں سہارنپور میں جمعیتہ العلماء ہند کی کانفرنس ہوئی جس میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت کرنے کی بجائے کانگریس میں شرکت کرنے کا مشورہ دیا اور کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کو بدیں وجہ جائز قرار دیا کہ:۔

"جب کونسلوں، میونسپل کمیٹیوں میں ہندوؤں سے اشتراک عمل جائز ہے۔ تو دوسرے معاملات میں کیوں نہیں؟"

(تعمیر پاکستان اور علماء ربانی صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

مولانا ظفر احمد کا بیان

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے اولین فرصت میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے اس خطبہ کی تردید میں ایک

زوردار بیان جاری کیا جس میں انھوں نے کانگریس کے ساتھ اشتراکِ عمل کو جائز قرار دیا تھا۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا کہ :۔

"مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ جہادِ آزادی میں اشتراکِ عمل اس شرط سے جائز ہے کہ حکم اہلِ شرک غالب نہ ہو۔ مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوں بلکہ مشرکین اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوں۔ چنانچہ سیر کبیر صفحہ ۲۰۱ جلد ۳ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اب فیصلہ اہلِ انصاف کے ہاتھ میں ہے کہ کانگریس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے یا حکم اسلام؟

رہا مطالبہ پاکستان، سو جب کہ تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا بحالات موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنا لینا کہ وہاں اسلامی سلطنت یا اسلامی اصول پر قائم کی جا سکے، لازم اور ضروری ہے۔" (حیاتِ قائداعظم جناح صفحہ ۴۵۳)

کونسلوں اور میونسپلٹیوں کی مثال کا جواب دیتے ہوئے مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا کہ :۔

"ان محکموں میں ہندو مسلم اشتراکِ عمل، صرف حقوقِ غلامی میں اشتراک ہے۔ حکومت نے غلاموں کے سامنے روٹیوں کے چند ٹکڑے ڈال دیئے ہیں۔ کہ ان کو حصہ رسدی تقسیم کرو۔ ہندو مسلمان ان کو حصہ رسدی تقسیم کرتے ہیں۔ اگر کوئی فریق اپنا حصہ نہ لے تو بھوکا مرے گا۔ اس کو اس اشتراکِ عمل سے، جس کا نام جہادِ آزادی رکھا گیا ہے۔ دور کی بھی نسبت نہیں۔ کانگریس کے ساتھ اشتراکِ عمل، جہادِ آزادی میں اشتراکِ عمل ہے جس پر مذہبی حیثیت سے

ہندوستانی مسلمانوں کی آئندہ موت و حیات کا مدار ہے۔"
(ایضاً صفحہ ۴۵۷)

مذکورہ بالا بیان کی تائید

مذکورہ بالا بیان کی تائید میں علامہ شبیر احمد عثمانی کا بیان:۔

"کانگریس کے دائرہ میں جہاں ہندو عناصر کے کھلے ہوئے غلبہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، مٹھی بھر مسلمان داخل ہو کر تو یہ امید کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان سب کو دو راست پڑ جائیں گے لیکن مسلم لیگ کے متعلق جو خالص مسلمانوں کی جماعت ہے۔ کیا اس امید کے دروازے بند ہو چکے ہیں؟ یہ چیز کم از کم میری سمجھ سے باہر ہے۔

مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اس میں برا یا بھلا سہی؛ تاہم غیر مسلم قوموں کی نسبت تو وہ ہم سے قریب تر اور مفید تر ہے۔ اگر مسلم لیگ ناکام ہو گئی، تو قوی اندیشہ ہے کہ ایک تنہا اصول ہی شاید ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے اور مسلمانوں کے قومی سیاسی استقلال کی آواز فضائے ہندوستان میں پھر کبھی نہ سنائی دے۔ پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے۔ یہ نام سن کر کسی کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس خطہ میں فوراً بلا تاخیر خلافتِ راشدہ یا خالص قرآنی اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا یا توقعات باندھنا کسی عاقبت اندیش، حقیقت پسند کے لیے زیبا نہیں ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے۔ کہ پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم

ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ قائم ہونے پر کسی وقت منتہی ہو سکتا ہے۔

(عصر جدید کلکتہ ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء)

جمعیۃ علماء اسلام

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا محمد طاہر قاسمی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا ابو برکات عبدالرؤف دانا پوری، مولانا آزاد سبحانی، مولانا غلام مرشد خطیب جامع عالمگیری وغیرہ نے نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمع ہو کر ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ جس کے صدر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ منتخب ہوئے۔ اس کانفرنس نے متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا اور ایک قرارداد کے ذریعہ مسلم ووٹروں سے اپیل کی کہ مسلم لیگ کے نمائندہ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ دینا۔

"اتحاد ملت، مفاد ملت، استقلال اسلام اور مستقل قوم کے تقاضہ کے خلاف ہے کیونکہ پاکستان کے سوال کا فیصلہ بڑی حد تک ان انتخابات کے نتائج پر موقوف ہے۔"

مزید براں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے مذہبی اور علمی حیثیت سے مطالبۂ پاکستان، حمایت مسلم لیگ کانگریس سے اختلاف اور متحدہ قومیت کے خلاف دو قومی نظریہ پر قرآن و حدیث اور فقہی دلائل کی روشنی میں بہت سے فتاوی اور رسائل لکھ کر شائع کیے جن میں سے رسالہ کانگریس اور

مسلم لیگ" (افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ بڑے مفید ثابت ہوئے۔" (تعمیر پاکستان اور علماء ربانی۔ صفحہ ۱۳۰ و ۱۳۱)

دیوبند کا عظیم الشان جلسہ

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو دیوبند کے عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اعلان فرمایا کہ:-

"ایک عرصے سے عافیت نشین تھا اور میری طویل علالت و نقاہت کا تقاضا بھی یہی تھا لیکن آج ملت اسلامیہ ایسی جد و جہد سے دوچار ہے کہ اس کے نتائج و عواقب اس قدر اہم ہیں کہ وہ مجھے اس بیماری کی حالت میں بھی سیاست میں کھینچ لائے۔ تحریک خلافت کے بعد سے میں سیاست سے کنارہ کش ہوں لیکن عرصہ دراز کی کاوشوں اور غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر حصول پاکستان کے لیے میرے خون کی ضرورت ہو تو میں اس راہ میں اپنا خون دینا باعث افتخار سمجھوں گا اور اس سے ہرگز دریغ نہ کروں گا۔ اس ملک میں ملت اسلامیہ کا وجود و بقاء اور مسلمانوں کی باعزت زندگی قیام پاکستان سے وابستہ ہے میں اپنی زندگی کو کامیاب سمجھوں گا۔ اگر اس مقصد کے حصول میں کام آجاؤں۔" (حیات محمد علی جناح صفحہ ۴۰۵)

جہاں علمائے کرام اور پیران عظام مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے ایسے اعلانات و بیانات کے ساتھ ساتھ عملی طور پر حضرت قائد اعظمؒ کی جدوجہد کوشش کو مزید روشن و تابناک بنانے کے لیے مصروف جہاد تھے۔ وہاں مودودی صاحب نیشنلسٹ مولویوں کی طرح اس انداز سے فرما رہے تھے تعطار ہیں:-

"مسلم لیگ فی الواقعہ مسلمانوں کو اسلام اور اس کے احکام کی اطاعت سے روز بروز دور تر لیے جارہی ہے۔"
(ترجمان القرآن جلد ۲۸ عدد ۳ صفحہ ۱۵۹)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

"جنت الحمقاء میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں، لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا جس میں غیر مسلم اسی طرح برابر کے شریک ہوں گے جس طرح مسلمان۔ اور پاکستان میں ان کی تعداد اتنی کم اور ان کی نمائندگی کی طاقت اتنی کمزور نہ ہوگی کہ شریعت اسلامی کو حکومت کا قانون اور قرآن کو اس جمہوری نظام کا دستور بنایا جاسکے۔" (ترجمان القرآن فروری ۱۹۴۶ء)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب "جماعت اسلامی کا رخ کردار" میں مودودی فریب رو جل کے تمام مقدس نقاب اُلٹ کر رکھ دیے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے مودودی صاحب کی دینی قلابازیوں کے علاوہ ان کی قیام پاکستان کی مخالفت بھی واضح و نمایاں ہو کر سامنے آجائے گی۔ اس مقصد کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

اتنی فریب کارانہ جسارتیں اور اتنا فریب آمیز پروپیگنڈہ اسلام کے مقدس نام پر مسلمانوں کی تاریخ میں شاید کسی جماعت اور گروہ نے نہ کیا ہو۔ جتنا اس جماعت کے امیر و امام مودودی صاحب اور ان کے صالحین کرام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ رنگین دینی لبادہ اوڑھ کر کس طرح بھیس بدل بدل کر عامۃ المسلمین کو دغا و فریب دینے کے

کے لیے مختلف انداز اور نئے نئے ڈھنگ اختیار کرتے ہیں چنانچہ رقمطراز ہیں:-

"اس جماعت اسلامی کا دین ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سیاست ہے۔ اور کہیں بھی سیاست سے الگ نہیں۔"

(ترجمان القرآن صفحہ ۱۷ ماہ اپریل ۱۹۴۸ء)

اب یہ سادہ لوحوں کو اپنے دام تزویر و دجل میں پھانسنے کے لیے جو جماعتی پروپیگنڈہ کی مہم شروع کیے ہوئے ہیں۔ مغربی پاکستان کے در و دیوار پر حکیم الامت علامہ اقبال کے شعر کا ایک مصرع بھی لکھ رہے ہیں۔

"جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"

یہ اس مرد بصیر و خبیر کا فرمان ہے۔ جس کے عطا کردہ نظریۂ پاکستان کی مخالفت ان نقاب پوش مصلحین نے اسلام کے نام پر کی اور یہ ایک تاریخی اٹل حقیقت ہے۔ کہ جب مسلمانان ہند حضرت قائد اعظمؒ کی قیادت میں جنگِ پاکستان لڑ رہے تھے تو ان صالحین و مقدسین و مودودیین کا دین ملی سیاست سے کنارہ کش تحریک حصول پاکستان سے بالکل جدا اور الگ۔ ہماری تحریک کا مخالف و دشمن رہا۔ جب اقبالؒ و جناحؒ کے فرمودات کی روشنی میں عامۃ المسلمین نے پاکستان حاصل کر لیا۔ تو اپریل ۱۹۴۸ء میں فریب کاروں، دغا بازوں اور ریاکاروں کا یہ گروہ اور مقتدر زمانوں کا بے ضمیر جو اس موقعہ پر عقل سے بیدل ہو کر قائد اعظمؒ کا نافرمان و سرکش رہا۔ پاکستان کی سیادت و قیادت پر قبضہ جمانے کے لیے یوں نعرہ زن ہوتا ہے کہ "اس جماعت کا دین ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاست ہے اور کہیں بھی سیاست سے الگ نہیں۔"

کیا یہ حضرات جو اسلامی حربوں سے لیس ہو کر قائداعظمؒ کی مخالفت و دشمنی سے کبھی نہیں چوکے یہ بتا سکتے ہیں۔ کہ اس کش مکش حیات میں جبکہ مسلمان زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ تمہارا دین مسلمانو! کی سیاست سے الگ کیوں رہا؟ نہ صرف الگ رہا۔ بلکہ مسلم لیگی قیادت پر جتنے بھر پور وار کر سکتا تھا۔ مخالفانہ انداز میں کرتا رہا اور کیا اب آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا مسلم دشمن دین۔ تحریک پاکستان کا مخالف دین ۱۹۵۰ء میں یا اس کے بعد فرزندان ملت اسی ملک میں قبول کر لیں گے۔ جس کے قیام کی مخالفت اس مودودی دین نے قدم قدم پر کی ہو؟ فریب دینے بھی نکلے ہیں تو اسی مرد خدا کے فرمان کا سہارا لے کر جس کے عطا کردہ نظریۂ پاکستان کی مخالفت میں نیشنلسٹ مسلمانوں سے بھی مکروہ اور بھونڈا انداز اختیار کر چکے ہو۔ یہ اللہ کا شکر ہے۔ کہ ایک حقیقت خود انہی کے ذریعے عام ہو رہی ہے کہ ان کا دین مسلمانوں کی سیاست سے جدا اور الگ رہا اور اب یہ خود ہمیں احساس و یاد دلا رہے ہیں۔ کہ مسلمانو ہمیں پہچانو ہمارا دین تمہاری سیاست سے جدا رہا تھا۔ رہا یہ سوال کہ ان کی اس نازیبا ملت کش حرکت کو مودودیت کہا جائے۔ یہ فیصلہ ہم قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں۔

منشی عبدالرحمٰن خان صاحب لکھتے ہیں:۔

مخالفین کی کوششیں

کانگریس ہائی کمان نے مسلم لیگ کی مخالفت کا شعبہ مولانا ابوالکلام آزاد کے سپرد کر رکھا تھا جنھوں نے مجلس احرار جمعیۃ العلماء ہند، جماعت اسلامی، نیشنلسٹ کانفرنس اور

غدائی خدمت گاروں غرضیکہ ہر اس جماعت سے جو مسلم لیگ کی مخالفت میں پیش پیش تھی، اپیل کی کہ وہ :-

"منظم ہو کر، ایک وجود بن کر، ڈٹ کر مسلم لیگ کا مقابلہ کریں"

د - مولانا ابوالکلام آزاد کے شاگرد رشید اور دیرینہ رفیق کار مدیر روزنامہ "ہند" کلکتہ کا ۱۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کا مقالہ اشتہاروں اور ٹریکٹوں کی صورت میں شائع کیا گیا جس میں قائداعظم کو یزید سے تشبیہ دی گئی اور مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی ودیگر اکابر جمعیۃ علماء اسلام سے سوال کیا گیا کہ :-

"لیگ والے" علماء اسلام" ارشاد فرمادیں کہ حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہؓ اور کوئی مسلمان جو یزید کے مخالف اور مسلمانوں کی واحد جماعت سے الگ تھے سچے مسلمان تھے یا اسلام سے باہر ہو چکے تھے، حق پر تھے یا معاذاللہ جہنم کی راہ پر چل رہے تھے؟ ... کیونکہ یزید کے ساتھ مسلمانوں کی جو جماعت تھی اور جس میں تقریباً سبھی مسلمان شریک تھے وہ صرف دو کے علاوہ باقی سب صحابہ کی شرکت کی وجہ سے مسلم لیگ کی جماعت سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی جماعت تھی اور یہ یزیدی جماعت مسلم لیگ کی جماعت سے کہیں اعلیٰ و افضل تھی"

ب - جماعت احرار نے قائداعظم کو کافر اعظم ثابت کرنے کے لیے اس مضمون کے اشتہار در و دیوار پر چسپاں کیے کہ :-

"لیگ کے قائد نے ۱۹۱۸ء میں سول میرج ایکٹ کے مطابق جو شادی ایک کافرہ سے کی تھی، اس میں اپنی مذہبیت

کا اعلان کر دیا تھا اور اب تک انھوں نے اپنا مسلمان ہونا ثابت نہیں کیا۔[1]

ج۔ امارت شرعیہ بہار کے مبلغوں نے کانگریس کی حمایت میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا ایک پروگرام بنایا جس کا عکس روزنامہ تنویر لکھنؤ نے اپنی ۲ر جنوری ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں شائع کیا اس میں درج تھا کہ:۔

"مخالف ووٹروں کو توڑنے کے لیے اگر ضرورت پیش آئی۔ تو قبائلی اور نسلی بنیاد والی اصلاحی تحریکوں کی بھی تبلیغ کی جائے جیسے جمعیۃ المومنین، جمعیۃ الراعین، جمعیۃ المنصورین وغیرہ۔ ہر ورکر کی تھوڑی بہت ٹریننگ ضروری ہے ان کو چند ایسی موٹی موٹی باتیں سکھلا دی جائیں۔ جس کو دیہات کے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں اور اس کے نتیجہ میں لیگ سے متنفر ہو جائیں۔ مثلاً یہ کہ لیگ آزادی کی راہ میں روڑا ہے۔

---

[1] یہ بہتان سراسر غلط تھا۔ قائداعظم نے مس رتن پیٹیٹ سے سول میرج ایکٹ کے ماتحت شادی نہیں کی تھی۔ بلکہ شادی کرنے سے پہلے:۔

"انھوں نے اپنی ہونے والی رفیقہ حیات کے سامنے اسلام پیش کیا اور صاف صاف کہہ دیا۔ شادی اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہم دونوں کا جہان اور ایک ہے مذہب بھی ایک ہو۔ اللہ کی اس نیک بندی نے بلا تامل اسلام قبول کیا۔ اور چند مخصوص دوستوں کی موجودگی میں تقریب نکاح اتمام تک پہنچی۔ مسٹر شریف دیوجی کانجی نے اثنا عشری قاضی کا انتظام کیا ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ اس شادی کی خبر سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۱۸ء نمبر ۹ صفحہ کالم ۲ میں بعنوان قبول اسلام شائع ہوئی۔"

(حیات محمد علی جناح صفحہ ۸۸،۸۹)

یہی وجہ ہے کہ ۱۹۰۶ء سے اب تک گورنمنٹ نے لیگ کو اپنا دشمن نہیں سمجھا نہ لیگ کو خلافِ قانون جماعت قرار دیا۔"

۷۔ جماعت اسلامی کی طرف سے "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش" حصہ سوئم کا تیسرا باب "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے"۔ الگ پمفلٹ کی صورت میں شائع کرکے عوام میں تقسیم کیا گیا۔ جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ پاکستان کی "جو تجویز کی جا رہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ایک قومی حکومت بھی میسر آ سکتی ہے۔ اور بدرجہ اتم وطنی حکومت میں اچھا خاصہ حصہ بھی مل سکتا ہے۔ لیکن اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کے مقصد تک پہنچنے کے لیے یہ پہلا قدم بھی نہیں بلکہ اُلٹا قدم ہے"

(صفحہ ۱۹)

طوفانی دورے:۔ یہ وہ حالات تھے، جن میں قائداعظم اور مسلم لیگ کو صوبائی انتخابات لڑنے پڑے۔ اگرچہ اس وقت ان کی پشت پر بڑے بڑے علماء کرام، مشائخ عظام، نوجوان طلبا اور عوام تھے۔ مگر کانگریسی علماء کے مقابلہ میں علماءِ اسلام کی تعداد اتنی قلیل تھی۔ کہ انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ پھر ان میں مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید اور مولانا حفظ الرحمٰن وغیرہ کا توڑ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی وغیرہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس لیے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے یہ گوشہ نشین بھی اپنی اپنی خانقاہوں سے باہر نکل آئے۔ اور جس طرح قائداعظم بہ نفسِ نفیس سندھ، سرحد، پنجاب کا دورہ کر رہے تھے، اسی طرح انھوں نے بھی ملک کے طول و عرض میں طوفانی

دورے شروع کر دیے اور اپنے ہم مشرب علماء اور مشائخ کی معیت میں اسلامی ہند کے تن مردہ میں اپنی کاٹ دار تقریروں سے قوتِ حیات پیدا کرنے لگے۔

(تعمیر پاکستان اور علماء ربانی صفحہ ۱۲۸ تا ۱۲۹)

مجددی تلوار

اسی جدوجہد کے زمانہ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ایک صالح دوست نے انھیں خط لکھا جس میں درج تھا کہ:۔

"میں نے خواب میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو دیکھا جو مجھے ایک چمکدار تلوار عطا کرتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ عزیزم تم دیوبند جا رہے ہو۔ میں تمھیں یہ تلوار دیتا ہوں وہاں پہنچ کر میرا یہ تحفہ بعد سلام و مسنون شبیر احمد عثمانی کو دے دینا۔"

اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ علامہ عثمانی نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ بھائی مسلم لیگ کی فتح یقینی ہے۔ یہی وہ مجددی تلوار ہے جس سے اکبر کی قومیت متحدہ اور دین الٰہی کو فنا کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اب انشاء اللہ العزیز ہم اسی مجددی حربہ سے کانگریس کی قومیت متحدہ اور گاندھی ازم کو ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیں گے۔"

(حیات شیخ الاسلام صفحہ ۱۴۳)

"حیات محمد علی جناح" میں جناب رئیس احمد جعفری تحریر فرماتے ہیں:۔

کانگریس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مجلس احرار کے واعظانِ آتش مقال اور علمائے شیوہ بیان دورہ پر نکل کھڑے ہوئے۔ دیوبند کے وہ طلباء اور علماء جو مولانا حسین احمد صاحب سے متاثر تھے۔ تبلیغ و تلقین کے لیے شہر شہر قریہ قریہ کا

گشت کرتے تھے جہاں دال گلتی نہ دیکھی وہاں مولانا آزاد نے پر پرواز پیدا کیے اور طیارے میں بیٹھ کر تفریق بین المسلمین اور تضعیف شوکت مومنین کا غیر فانی اور لازوال کارنامہ انجام دینے کے لیے اُڑ کر پہنچ گئے۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ ملت اسلامیہ نے جواب کیا دیا؟ قوم کا فیصلہ کیا رہا؟ واقعات کا جواب یہ ہے کہ تن تنہا مسلم لیگ کامیاب ہوئی اور دوسری مسلم جماعتیں ناکام و نامراد رہیں۔"

حیاتِ قائدِ اعظم کے مصنف چودھری سردار محمد خان عزیز صاحب رقمطراز ہیں:۔

"گاندھی جی نے اپنے انگریز فرمانرواؤں سے سب سے بڑی حکمت عملی جو سیکھی ہے وہ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کا نسخہ ہے ان کے گرو آپ خیر سے ہمارے بڑے بڑے کرم فرما علمائے کرام جمع تھے جو دن رات فوق محض ہندوؤں کی خوشنودی مزاج کے لیے کوئی نہ کوئی شغل فرماتے رہتے تھے ایک زیرک اور ہوشیار شکاری جال بچھا کر خود دور ہٹ جاتا ہے اور کبھی شکار کے نزدیک نہیں پڑتا بھولے بھالے شکار کو پھانسنے کے لیے وہ ایک موثر اور کارگر طریق عمل سے کام لیتا ہے وہ جال کے نزدیک سدھائے ہوئے پرندے چھوڑتا ہے یہی کام گاندھی جی نے کیا۔ گاندھی جی کا اشارہ پاتے ہی نیشلسٹ مسلمان ایک ہو کر بولے کہ مہاراج آپ کیوں تکلیف کر رہے ہو۔ پرماتما کا دیا سب کچھ ہے۔ آپ کا نمک کھاتے ہیں آپ کی رسوئی سے بھوجن ملتا ہے۔ آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں ہمیں ارشاد فرمائیے۔ اگر حکم ہو تو کچھ کر کے دکھائیں۔ قرآن کریم

تو ہم بدل نہیں سکتے یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہاں البتہ اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ ایک تفسیر لکھ سکتے ہیں جس میں آپ کی ساری مشکلوں کو حل کر دیں گے۔ چنانچہ بھارت ورش میں رام راجیہ کے قیام وبقا کے لیے مہاتما جی نے جو ارشاد فرمایا تھا۔ وہ فوراً پورا ہو گیا۔ اس پُرفن حربہ کی پہلی کڑی کا ترجمان القرآن کی شکل میں منصۂ شہود پہ آ گئی۔ اکبر کے دین الٰہی کی تجدید کے امکانات آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگے۔ اسلام کے باقی مذاہب پر فوقیت کے دعوے کی تنسیخ ہو گئی۔ اسلام کے تفوق کو تنگ نظری سے تعبیر کر دیا۔ قرآن کا مکمل دستور العمل اور ضابطۂ حیات ایک مذہبی تعصب نظر آنے لگا۔ گاندھی جی خوش ہو گیے۔

وہ تا دل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را

مسلمانوں کی بدقسمتی ملاحظہ فرمایئے۔ کہ اس غیر فطری اور غیر اسلامی متحدہ قومیت کا قوام ایک ایسی بزرگ ہستی کے ہاتھ سے تیار کرایا جس نے کبھی قرآنی روشنی سے مسلمانوں کے سینوں کو منور کرنے کی کوشش کی تھی جس نے کبھی ظلمت اور تاریکی کے خلاف جہاد کرنا سکھایا تھا۔ مگر جب انسان اپنی ذاتی نظر و فکر کو کھو کر محض اوروں کی خوشنودی مزاج کو قبلۂ مقصود بنا لیتا ہے۔ تو اسی طرح اپنی خودی کی موت کا اعلان کرتا ہے۔" (صفحہ ۲۴۶ و ۲۴۷)

چودھری سردار محمد خان عزیز صفحہ ۲۵۳ و ۲۵۴ پر رقمطراز ہیں:۔

"مگر اس زمانے کے مسلمان رہنماؤں نے گاندھی جی کی

سرہندی میں ایک نیا مذہب تیار کیا۔ ہندومت اور اسلام کا امتزاج سراسر ایک غیر فطری اور غیر اسلامی نظریہ تھا

چنیں دور آسمان کم دیدہ باشد

مگر جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ مسلمانوں کے ذہنی افلاس اور قلب و نظر کی محرومی کا اتنا جاں گسل نظارہ اس سے پہلے شاید آسمان نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ مدتی سے زیادہ گراوٹ نظر آرہے تھے یہ سودائی اسلامیوں کا گروہ تھا جو گاندھی جی کے ساتھ کشتیاں میں بیٹھ کر غیر کانگریسی مسلمانوں پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کر رہا تھا کبھی انھیں رجعت پسند کہتے تھے کبھی انگریز کے پٹھو بتاتے تھے، کبھی فرنگی اور ٹوڈی کے ناموں سے یاد کرتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو غیروں کی خوشنودی کی خاطر کے لیے اپنوں میں منافرت پیدا کر رہے تھے۔ ان لوگوں کے دلوں میں یہ مفروضہ اچھی طرح راسخ کر دیا گیا تھا کہ وہ ایک مستقل حیثیت ہیں۔ یہی مجذوبانہ جذبہ اپنوں سے کٹ کر غیروں سے رشتہ جوڑنے پر انھیں مجبور کر رہا تھا۔ یہ لوگ خود اعتمادی کھو بیٹھے تھے۔ اور ہرن کی طرح ایسی چوکڑی بھولے تھے کہ اصل منزل ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ ہندو ان کو مکمل طور پر فتح کر چکا تھا۔ گاندھی متحدہ قومیت کی بھنگ کا جو جام گردش میں لائے تھے۔ وہ ان کی اپنی توقعات سے بھی بڑھ کر مؤثر ثابت ہو رہا تھا اور غیر مسلموں کے درمیان قومیت کا جو خط امتیاز اسلام نے صدیوں پہلے کھینچا تھا وہ مٹتا نظر آرہا تھا کسی قوم میں جب شکست اور افتراق کا دور دورہ شروع ہوتا ہے۔ تو اس پر بڑی سے بڑی قوت بھی مسلط کرنے میں

کوئی وقت محسوس نہیں ہوتی۔ ایسی قوم تضحیک اور استہزا کی خوگر ہو جاتی ہے۔ یہی حال مسلمانوں کا ہُوا۔ ان کی قومیت کو فنا کیا جا رہا تھا۔ ان کی تہذیب اور ثقافت کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ ان کے تمدن اور معاشرت کا استہزا ہو رہا تھا مگر مسلمان اسی جھنگ کے نشہ میں کعبہ سے منہ موڑ کر دارِ دھا کی طرف قدم اُٹھا رہا تھا۔ ہندو نے جب دیکھا کہ مسلمان تو متحدہ قومیت کے "برگ حشیش" کو آبِ حیات سمجھ کر نشاط بی رہا ہے۔ تو اس نے ایک دن بلا تکلف برملا اعلان کر دیا۔ کہ مسلم قوم کا وجود ہی نہیں۔ پہلے یہ چیز تھی۔ روز کا جھگڑا ختم ہُوا، یہ محض ایک ڈھکوسلا ہے جو چند خود غرض لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ یہ خیالات ہندوؤں کے اس محترم لیڈر کے ہیں جن کو پنڈت جواہر لال نہرو کہتے ہیں۔"

مولانا کی صدارت

اب آپ مولانا آزاد کی صدارت کے متعلق ایک ہندو مسٹر ایم۔ این رائے کیا فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

"مولانا صاحب کی عہدہ صدارت کے لیے اُمیدواری کی اس بنا پر حمایت کی جا رہی ہے۔ کہ اس سے ہندو مسلم اتحاد میں آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ لیکن یہ خیال فرقہ وارانہ مسئلے کے متعلق افسوسناک ناواقفیت کی غمازی کرتا ہے۔ اب یہ ممکن نہیں کہ آپ کسی ایک فرد کی عزت بڑھانے سے ملّت اسلامیہ کو خوش کریں گے۔ بلکہ یہ خیال کہ مسلمان اس بات سے راضی ہو جائیں گے کہ کانگریس نے ایک مسلمان کو صدر منتخب کیا ہے۔ اور اس بنا پر

"وہ کانگریس سے مصالحت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کی زبان کی توہین ہے۔ یہ مسئلہ افراد کی عزت افزائی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔"
دیکھا ہندو اس حربہ کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے۔

بوس کی درگت

"مسٹر سوبھاش چندر بوس پہلی مرتبہ اس لیے ۱۹۳۶ء میں کانگریس کے صدر بن گئے، کہ گاندھی جی کی مرضی یہی تھی ۱۹۳۹ء میں کانگریس کے عام ممبروں کی متفقہ رائے کے بعد صدر منتخب ہونے کے باوجود انہیں مستعفی ہو جانا پڑا، اس لیے کہ گاندھی جی ان سے تعاون اور اشتراک عمل کے لیے تیار نہیں تھے۔ حالانکہ مسٹر بوس کانگریس کے صدر تھے۔ اور گاندھی جی کانگریس کے چار آنے کے ممبر بھی نہ تھے۔"
آزادی ہند

استدراک بتوبیب
رئیس احمد جعفری صفحہ ۱۴۱

جسے خلعت پیروا رد ھا گاندھی جی سے نہ ملے وہ کیونکر صدر رہ سکے۔ اصل بات یہ ہے کہ بوس تو ہندوؤں کی بہتری کے لیے کسی مقام پر گاندھی سے پالیسی میں اختلاف کر سکتے تھے۔ نیشنلسٹ مسلمانوں کے پیروا مام امام الہند تو گاندھی جی کی رضا و خوشنودی کے لیے قرآن عزیز کی تفسیر و تاویل بھی اپنے دور الضلال کے نظریات و عقائد کے برعکس کر گئے۔ اس مقام پر گاندھی جی نے یہ سوچا کہ صدر نام نہاد مسلمان کو بنا کر دنیا کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک ہندو بھی گاندھی جی کی اس سیاسی چال کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا اور ادھر مولانا ہیں کہ ہر رنگ میں راضی برضا ہیں۔

"اقبال کے آخری دو سال" کے مصنف ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"جولائی ۱۹۳۷ء میں جب کانگریس نے چھ صوبوں میں وزارتیں بنانے کا فیصلہ کیا تو ایک یہ سوال بھی درپیش تھا کہ ان وزارتوں میں مسلمانوں کو بھی شامل کیا جائے گا۔ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں صوبائی گورنروں کے نام جو ہدایات موجود تھیں اُن میں درج تھا کہ ہر صوبے کے گورنر کا فرض ہے کہ وہ اپنے صوبے کے کابینہ میں اقلیت کے نمائندوں کو بھی شریک کرے اس لحاظ سے ضروری تھا کہ کانگریسی صوبوں کی وزارتوں میں مسلمان بھی شامل کیے جائیں۔ یو۔پی کے اسمبلی میں مسلمانوں کی تعداد چھیاسٹھ تھی جن میں سے پینسٹھ غیر کانگریسی ممبر تھے اور صرف رفیع احمد قدوائی ایک ضمنی انتخاب میں کانگریس کے ٹکٹ پر منتخب ہو کر آئے تھے۔ تمام غیر کانگریسی مسلمان ممبر مسلم لیگ کے حلف نامے پر دستخط کر کے مسلم لیگی بن چکے تھے اور ان کے لیڈر چودھری خلیق الزماں تھے۔"

گذشتہ دو سال کے واقعات کے پیش نظر ہر شخص کی یہی توقع تھی کہ آئندہ صوبائی حکومتوں میں کانگریس اور لیگ مل جل کر کام کریں گی۔ لیکن جب وزارت سازی کا وقت آیا تو یہ ساری توقعات خاک میں مل گئیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے جن کو کانگریس نے یو۔پی۔ بنگال۔ پنجاب اور سرحد کے پارلیمنٹری بورڈ کا سربراہ بنا دیا تھا، چودھری خلیق الزماں کو خط لکھ کر چند شرائط پیش کیں اور فرمایا کہ اگر یہ شرطیں ماننے کو تیار ہو تو مسلم لیگ کے کسی ممبر کو ہم وزارت میں

جگہ دے سکتے ہیں:۔

وہ شرطیں کیا تھیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

اوّل:۔ یو۔پی اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی کو توڑ کر بالکل ختم کر دیا جائے۔

دوم:۔ مسلم لیگ پارٹی کے تمام ممبر کانگریس کے حلف نامے پر دستخط کرکے کانگریسی بن جائیں۔ اس طرح یہ لوگ کلیۃً کانگریس کے نظم و ضبط اور قواعد و ضوابط کے تحت آ جائیں گے اور آئندہ اپنے تمام اعمال و افعال کے لیے کانگریس کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ کانگریس پارٹی کے جلسوں میں ان لوگوں کو شریک ہونا ہوگا۔ جہاں دیگر کانگریسی ممبروں کی طرح یہ لوگ بھی ہر معاملہ میں ووٹ دیں گے۔

سوم:۔ کانگریس کی مجلس عاملہ نے مختلف اسمبلیوں کے کانگریسی ممبروں کے لیے جو ضابطۂ عمل تیار کیا ہے۔ مسلم لیگ کے ان ممبروں کو (جو آئندہ کانگریس کے ممبر سمجھے جائیں گے) اُس ضابطے پر باقاعدہ عمل کرنا ہوگا۔

چہارم:۔ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کو توڑ دیا جائے گا اور آئندہ کسی انتخاب میں مسلم لیگ کو اپنے ٹکٹ پر اُمیدوار کھڑے کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یہ کام کانگریس کے ذمے ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے حلقہ ہائے انتخاب میں اپنے ٹکٹ پر اُمیدوار کھڑے کرے۔

پنجم:۔ تمام ممبروں کو کانگریس کے لائحہ عمل پر کاربند ہونا پڑے گا اور کانگریس کے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں ہر ممکن کوشش کرنا ہوگی۔

ششم: اگر کانگریس نے کبھی وزارت یا اسمبلی سے مستعفی ہوجانے کا فیصلہ کیا۔ تو ان ممبروں کو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا پڑے گی۔

غور فرمایئے۔ کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے کانگریس کا نقیب بن کر جو شرائط پیش کی تھیں کیا وہ مسلم لیگ کو اشتراک و تعاون کی دعوت تھی؟ یا اس بات کی للکار تھی۔ کہ ہتھیار ڈال کر گھٹنے ٹیک دو اور کانگریس کی غلامی کا پٹہ گردن میں ڈال کر ہماری بارگاہ میں سربسجود ہوجاؤ؟ کیا کوئی خوددار سیاسی جماعت ان ذلت آمیز شرائط کو ایک لمحے کے لیے بھی قبول کرنے پر تیار ہوسکتی تھی؟ چنانچہ جب مسٹر جناح کو ان شرائط کی اطلاع ملی تو انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم ایک مساوی فریق کی حیثیت سے تعاون کرنے کو ہر وقت تیار ہیں لیکن اپنی جداگانہ قومی ہستی کو ختم کرکے، اپنے آپ کو مٹا دینے پر کبھی آمادہ نہیں ہوسکتے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

کاش مولانا ابوالکلام آزاد اس موقع پر اگر جرأت و ہمت اور اس غیرت و حمیت کا ثبوت دیتے۔ جو کسی زمانے میں ڈاکٹر انصاری کا شیوۂ خاص تھا۔ مثلاً ۱۹۳۲ء میں جب کانگریس فرقہ وارانہ فیصلے کی مخالفت کرنے پر تلی ہوئی تھی تو ڈاکٹر انصاری نے دیانت سے گاندھی جی کو بتا دیا تھا کہ فرقہ وارانہ فیصلے کا بدل صرف ایک متفقہ فیصلہ ہی ہوسکتا ہے۔ جب تک ایسا متفقہ فیصلہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں نہ ہوجائے۔ کمیونل ایوارڈ کو برقرار رکھا جائے گا۔ اور اگر کانگریس نے اس کے خلاف آواز بلند کی تو وہ کانگریس سے مستعفی ہوجانے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

(صفحہ ۲۴۶ تا ۲۴۹)

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"جب مسلم لیگ نے اپنی جداگانہ قومی ہستی کو ختم کر دینے سے انکار کیا۔ تو یو۔پی میں کانگرس نے رفیع احمد قدوائی کو وزارت کا منصب سونپ دیا اور ساتھ ہی حافظ محمد ابراہیم کو، جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے، یہ لالچ دیا کہ اگر وہ لیگ سے مستعفی ہو کر کانگرس کے حلف نامے پر دستخط کر دیں تو انہیں وزارت عطا کر دی جائے گی۔ چنانچہ حافظ صاحب اس لالچ کا شکار ہو گئے۔ یہی حربہ کانگرس نے مدارس، بمبئی، صوبجات متوسط اور بہار میں استعمال کیا۔ مدراس میں سیٹھ یعقوب حسن اور بہار میں ڈاکٹر سید محمود کو وزیر بنا دیا گیا۔ بمبئی اور صوبجات متوسط میں کوئی مسلمان کانگرس ٹکٹ پر کامیاب نہیں ہوا تھا۔ یہاں بھی وہی حافظ ابراہیم والا کھیل کھیلا گیا اور یٰسین نوری اور محمد یوسف شریف کو لیگ سے توڑ کر کانگرس میں شامل کیا اور انہیں علی الترتیب بمبئی اور صوبجات متوسط کا وزیر بنا دیا گیا۔ یہ سب کچھ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ کانگرس کے علاوہ ہندوستان میں کسی اور جماعت کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر مسلمان اس ملک میں زندگی کا سانس لینا چاہتے ہیں تو انھیں اپنی جداگانہ قومی تنظیم کو ختم کر کے کانگرس میں جذب ہو جانا پڑے گا۔" (صفحہ ۳۵)

جناب ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی رقمطراز ہیں :-

"یو۔پی میں حافظ ابراہیم اور رفیع قدوائی۔ بمبئی میں یٰسین نوری۔ مدراس میں سیٹھ یعقوب حسن۔ بہار میں سید محمود اور سی۔پی میں یوسف شریف کو محض اس لیے وزارت میں جگہ

دی گئی تھی کہ وہ مسلمان تھے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے اپنے صوبے کی کابینہ میں کس کی نمائندگی کرتے تھے؟ یقیناً یہ نمائندگی مسلمان قوم کی نہیں تھیں۔ یو۔پی کی مجلس قانون ساز کے مسلمان ممبروں کی تعداد ۶۶ تھی جن میں سے ۶۴ حافظ ابراہیم اور رفیع قدوائی کو اپنا نمائندہ تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے۔ بمبئی اسمبلی میں مسلمان کل ۳۰ تھے۔ جن میں سے ۲۱ کو شیخ نوری پر قطعاً کوئی اعتماد نہیں تھا۔ مدراس اسمبلی میں مسلمانوں کی تعداد ۲۸ تھی۔ جن میں سے ۲۳ کو سٹیھ یعقوب حسن پر کوئی اعتماد نہیں تھا۔ اسی طرح بہار اور صوبجات متوسط کی مجالس قانون ساز میں علی الترتیب مسلمان ۴۰ اور ۱۴ تھے۔ لیکن بہار کے ۳۶ اور صوبجات متوسط کے تیرہ ممبر سید محمود اور یوسف شریف کو اپنا نمائندہ تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے۔ پھر کانگریس نے ان تمام نہاد مسلمان وزیروں کو کس قوم کا نمائندہ سمجھ کر اپنے عہدے سے لگا رکھا تھا؟ (صفحہ ۴۷۲)

آگے چل کر صفحہ ۴۷۵ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعض لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے۔ کہ کانگریس تو یو۔پی میں مسلم لیگ کو وزارت میں شامل کرنے پر آمادہ تھی۔ لیکن مسلم لیگ کو صرف ایک وزارت دینے پر تیار تھی۔ یہ بات قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے اس باب میں کانگریس کی طرف سے جو اشنا چوہدری خلیق الزمان کو بھیجی تھی۔ وہ الہ آباد کے انگریزی روزنامہ لیڈر مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۳۷ء میں چھپ گئی تھی اور مولانا کا یہ خط میں نے وہیں سے نقل کرکے اوپر درج کیا ہے۔"

مسٹر جناح نے اکتوبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ کے موقع پر اپنے خطبہ صدارت میں وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ۔ وائسرائے اور گورنروں پر کھلے الفاظ میں یہی الزام عائد کیا تھا کہ

"...... ان لوگوں نے کانگرس کے ساتھ مل کر اُن مسلمانوں کو وزارت کے منصب پر بٹھا دیا ہے جن کے متعلق اُن کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اُن افراد کو مسلمان قوم کی قطعاً تائید حاصل نہیں ہے۔ جب اس کام میں گورنروں نے اپنی بے بسی کا اظہار کر کے ثابت کر دیا کہ وہ اقلیت کے ان حقوق کی حفاظت کرنے سے قطعاً معذور ہیں جس کا ذمہ برطانوی حکومت نے اٹھایا تھا تو اُن سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ آگے چل کر بیسیوں نہیں سیکڑوں ایسے مسائل پیش آئیں گے جب اقلیتوں کو اپنے حقوق کی پاسداری کے لیے اُن کی امداد و اعانت درکار ہوگی اُس وقت بھی یہ لوگ اس طرز عمل کا ثبوت دیں گے۔" (صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶)

ڈاکٹر صاحب ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"یہ سب کچھ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی آنکھوں ہی کے سامنے نہیں بلکہ اُن کی شبانہ روز کوشش اور محنت سے ہو رہا تھا یوں کہنا چاہیے کہ اب مولانا کا صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں اُن کی جداگانہ ہستی کو ختم کر کے انہیں ہندو اکثریت میں مدغم کر دیا جائے اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں سازشوں۔ ریشہ دوانیوں اور افترا پردازیوں کے ذریعے اُن کی قومی جمعیت کو پارہ پارہ کیا جائے تاکہ اغیار کو حکمرانی کے مواقع مہیا ہوتے جائیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

بدر الدین طیب جی سے لے کر تصدق احمد خان شروانی
تک ہندوستان کے بیسیوں مسلمان اکابر وقتاً فوقتاً کانگریس
میں شریک رہ چکے ہیں، جن میں محمد علی ایسے آتش نفس،
انصاری ایسے ایثار پیشہ، جناح ایسے آئین پسند، حسن
امام ایسے قانون دان اور حسرت موہانی ایسے رئیس المتغزلین
سبھی قسم کے لوگ موجود تھے لیکن مسلمانوں کے قومی مفاد کو بھی
بے جھجک بلکہ بے سنگ دلی سے قربان کرنے کا شرف حضرت
"امام الہند" کے حصے میں آیا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔"

(صفحہ ۲۶۶ و ۲۶۷)

لہ مولانا ابوالکلام آزاد کا نام غلام محی الدین اور ان کے بڑے بھائی کا نام غلام یٰسین اور تخلص آہ تھا لیکن مولانا نے اپنا نام بتدریج بدلا پہلے محی الدین احمد رکھا پھر عرب بننے کے شوق میں صرف احمد رہ گئے۔ فرماتے ہیں:

"یہ غریب الدیار عہد، ناآشنائے عصر، بیگانۂ خویش، نمک پروردۂ ریش معمورۂ تمنا و خرابۂ حسرت، کہ موسوم بہ احمد و مدعو بہ ابی الکلام ہے۔"

مولانا کا آبائی وطن قصبہ کھیم کرن، تحصیل قصور ضلع لاہور تھا لیکن مولانا فرماتے ہیں کہ

"آبائی وطن دہلی مرحوم ہے، مگر وطن مادری سرزمین مطہرہ حجاز و دارالہجرت سید الکونین و شہرستان نبوت و وحی ہے۔"

مولانا کے دادا کا نام محمد دین عرف فقرا جیکرواہی تھا۔ وہ کھیم کرن میں گائے بھینس کی کھالیں رنگنے کا کام کرتے تھے اور کھیم کرن ہی میں دفن ہیں۔ باقی صفحہ ۲۶۸

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷) لیکن مولانا فرماتے ہیں کہ

"میرے دادا مولانا محمد ہادی دہلی مرحوم کے ایک مشہور خاندان علم و فضیلت سے تعلق رکھتے تھے جس میں بیک وقت پانچ پانچ علماء درس و افتا و ارباب سلوک...

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۷ پر دیکھئے)

پردہ اُٹھنے کے بعد

کے عنوان سے مولانا ماہر القادری صاحب کا ماہنامہ فاران کراچی بابت مارچ ۱۹۶۰ء رقمطراز ہے:-

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی ذہانت اور عبقریت اپنی جگہ مسلّم

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۳۳) طریقت پیدا ہوئے ہیں!

مولانا کے والد خیر دین (جو بعد میں صوفی پیر خیر الدین کے لقب سے مشہور ہوئے) دس گیارہ سال کی عمر میں کیم کرن سے بھاگ کر بمبئی چلے گئے۔ مولانا کے حقیقی چچا یعنی خیر دین کے بھائی امام دین کا ستر سال کی عمر کے لگ بھگ لاہور میں انتقال ہوا تھا اور ان کی قبر بھی لاہور میں ہے۔ امام دین کے بیٹے یعنی مولانا کے چچا زاد بھائی فیروز دین کلف ساز ابھی چند سال ہوئے لاہور میں موری دروازے کے اندر ایک چھوٹی سی دکان کرتے تھے۔

ان حقائق کے باوجود مولانا فرماتے ہیں:-

"والد مرحوم کے نانا رکن المدرسین مولانا منور الدین اپنے عہد کے مشاہیر اساتذۂ علم و درس اور اصحاب طریقت و سلوک میں سے تھے اور ان مخصوص اصحاب کمال میں سے جن کو اللہ تعالےٰ نے علوم ظاہر و باطن عطا (باقی صفحہ ۷۶۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶۸) فرمایا ہے۔ ان کا شمار حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے اجلۂ تلامذہ میں تھا اور سلطنت مغلیہ کے آخری رکن المدرسین تھے"۔

تقسیم ہند کے بعد قصبہ کیم کرن بھارت میں رہ گیا ہے۔ تازہ ترین اطلاع یہ ہے۔ کہ کیم کرن کے باشندوں کی درخواست پر مشرقی پنجاب کی حکومت نے کیم کرن کے چھتہ دروازہ کا نام مولانا آزاد گیٹ رکھ دیا ہے۔ اور مولانا کا آبائی مکان آثار قدیمہ کے طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے"۔

ہے، کوئی شک نہیں وہ غیر معمولی ذہین آدمی تھے۔ اور وہ جو مشہور کہاوت ہے:" کہ یک من علم را دہ من عقل باید" تو یہ ضرب المثل اُن پر پوری اترتی ہے! مولانا آزاد تحریر و تقریر میں اپنا آپ جواب تھے۔ اپنے انداز تحریر کے موجد بھی اور خاتم بھی! ہندوستان کی جنگِ آزادی میں وہ صفِ اول کے قائدین میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، انگریزی عہد حکومت میں بار بار جیل گئے اور قید و بند کے شدائد ان کی عزیمت پر اثر انداز نہ ہو سکے!

"مولانا آزاد کی ان تمام خوبیوں کا ہمیں اعتراف ہے مگر اُن کی زندگی کے یہ کمزور پہلو بھی ہمارے سامنے ہیں کہ وہ اپنے بارے میں تعلیم و سفر وغیرہ اور اپنے خاندان کے حالات جب بیان کرتے ہیں، تو اس میں نہ صرف یہ کہ بے جا مبالغے سے کام لیتے ہیں بلکہ اس میں "ایجاد بندہ" کا خاصہ رنگ پیدا کر دیتے ہیں اپنی اور اپنے خاندان کی تذکرہ نگاری کے فن میں وہ اپنے وقت کے "واقدی" ہیں! کاش! مولانا آزاد احساسِ کمتری کے اس مرض میں مبتلا نہ ہوتے۔ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی اس کمزوری کی جانب غالباً سب سے پہلے علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے سرسری اشارہ فرمایا تھا اُس کے بعد "فاران" میں مولانا آزاد کے عراق و مصر کے سفر اُن کے آبائی وطن اور دوسرے متعلقات پر ناقدانہ بحث کی گئی، پھر صاحبِ موصوف کی وفات کے بعد جب آزاد کی کہانی شائع ہوئی تو ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ کے دسمبر ۱۹۵۸ء کے شمارے میں مولوی نسیم احمد فریدی کا ایک مبسوط اور مدلل تبصرہ چھپا جس میں مولانا آزاد کی بعض غلط

بیانیوں کی کھل کر تردید کی گئی۔ جس کی مدافعت کی اُن کے کسی عقیدت مند کو جرأت نہیں ہوئی !!

ذرا آگے چل کر:۔

"مولانا مرحوم کے بارے میں جو بات سب سے زیادہ کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی زندگی کا آغاز کس دینی جوش ولولہ کے ساتھ ہوا تھا۔ الہلال نے کیسے دینی جذبات کا صور پھونک دیا تھا، مگر اُن کی آخری زندگی ایک مرقع عبرت بن کر رہ گئی وہ ایک لادینی حکومت کے بے "مقدور کار پرداز اور وفاقی وزیر تھے جن کے محکمہ میں ایسی کتابیں نصاب میں شامل کی گئیں جن سے بت پرستی کا پرچار اور اسلامی توحید کی نفی ہوتی تھی۔ بھارت میں گائے کے ذبیحہ کی ممانعت سے لے کر توہین رسول تک کے اندوہناک واقعات رُونما ہوگئے مگر حزب اللہ کے سرپرست "امام الاحرار مولانا محی الدین المکنی ابی الکلام الدہلوی" دم سادھے بیٹھے رہے۔ انگریز کے دور میں وہ شور اشوری کا اور پہنداز میں یہ بے نمکی!

"نظر کی نامسلمانی سے فریاد"

مبالغہ سے بچئے:۔ "ہر شخص کو اس کا حق حاصل ہے، جسے وہ پسند کرتا ہے اس کو سراہے اور اس کے مناقب بیان کرے! لیکن اہل علم کو اس معاملہ میں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے! عقیدت کے جوش میں کسی کو احمد بن حنبلؒ اور ابن تیمیہؒ کا ہمپایہ اور حریف ٹھہرایا جا سکتا ہے، مگر اس ممدوح کے یہاں اگر بعض انتہائی غلط اور گمراہ کن نظریات ملتے ہوں تو یہ مبالغہ آرائیاں اور قصیدہ خوانیاں آئندہ نسلوں کو بڑی بھی

میں مبتلا کر دیں گی کہ وہ کیا کریں اور کدھر جائیں؟ شخصیتوں کے بارے میں غلو نے بڑا نقصان پہنچایا ہے! ——

پھر رقمطراز ہیں :-

" مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنے والد مولوی خیرالدین کا اس طمطراق کے ساتھ تذکرہ کیا ہے یا دوسروں نے ان کی زبان سے سن کر لکھا ہے کہ وہ بہت بڑی شخصیت کے حامل تھے۔ دلی میں مفتی صدرالدین آزردہ جیسی مایہ ناز ہستیوں کے وہ ہم نشین تھے، نواب یوسف علی خان ناظم والی رام پور ان کے حلقہ ارادت میں شامل تھے اور انھوں نے نہر زبیدہ کی مرمت و درستی کے لیے ممالک اسلامیہ میں چندے کے لیے اپیل کی تھی ..... مولانا عطاء اللہ ندوی نے اپنے مقالہ میں "الحسنات فی رد السیات" نام کے ایک اردو رسالہ کے اقتباسات پیش کیے ہیں جو ۱۳۰۵ھ میں حافظ عبداللہ غازی پوری کے اہتمام سے مطبع خوشیہ کلکتہ میں چھپا ہے، اس کے مصنف مولوی عبدالشکور مرحوم بہیں جوٹا ٹانڈہ ضلع فیض آباد کے رہنے والے تھے اور کلکتہ میں بود و باش اختیار کر لی تھی! یہ رسالہ مقالہ نگار کے قول کے مطابق بمبئی کی کریمی لائبریری میں موجود ہے! ان اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ مولوی خیرالدین اہل بدعت کا مسلک رکھتے تھے اور ایسے وعظ کہتے تھے کہ ——— " غرض مولوی قصوری کی بدولت ان دنوں تمام کلکتہ و سواد کلکتہ میں شرک و بدعت کا بازار کسی قدر گرم ہے، دل اہل سنت سرد ..... "

" مولوی خیرالدین قصوری کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ

بمبئی میں جب وہ مقیم تھے اور ایسی شریفانہ تقریریں کرتے تھے۔ تو پولیس نے ان کی تقریروں پر پابندی لگائی تھی وہ اپنی تقریروں میں شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ اور شاہ عبدالعزیز قدس اللہ اسرارہم پر "وہابیت" کی پھبتی چست کیا کرتے تھے۔"

"اس رسالہ میں مولوی خیرالدین قصوری نے مہاتم (مضافات بمبئی) میں لال باڑی کے آگے ایک مسجد بنائی تھی اُسی مسجد کو چھ ہزار روپیہ میں ایک بقال کے یہاں رہن رکھ دیا، اگر مولوی صاحب کے بعض معتقدین اور کرلسہ محلہ والے چندہ کرکے اس مسجد کو نہ چھڑاتے تو یہ مسجد نیلام چڑھ جاتی۔" (ماہنامہ فاران مارچ ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۳ تا ۱۵)

ہفت روزہ فاران جولائی ۱۹۶۰ء

جناب ماہرالقادری ایڈیٹر ہفت روزہ "فاران" کراچی نے ایک مضمون "پردہ اٹھ جانے کے بعد" اسی سال مارچ کے "فاران" میں شائع کیا تھا جس میں مولانا آزاد پر تنقید کی تھی۔ ماہرالقادری صاحب نے اس سے ایک سال قبل ایک مضمون "جائزہ" کے عنوان سے مولانا امین احسن اصلاحی کے بارے میں رقم کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ مولانا اصلاحی جس شخصیت کی بے حد مدح و ستائش کرتے ہیں۔ جب اس سے بگڑتے ہیں تو اس کے "محاسن" ان کی نگاہ میں "معایب" سے بدل جاتے ہیں۔" ہمارے خیال میں ماہرالقادری صاحب نے یہ مضمون مولانا اصلاحی صاحب کی جماعت اسلامی سے علیحدگی کے اقدام اور مودودی صاحب پر جرح و تنقید اور اختلافات کے تیر و نشتر جو بعد میں

اصلاحی صاحب نے چاہا کر مودودی کی شخصیت کی عظمت کو مجروح و زخمی کیا، متاثر ہو کر "جائزہ" لکھا۔ ماہر القادری صاحب "تجزیہ" میں گلہ مند ہیں کہ اصلاحی صاحب نے دراصل مجھ سے میرے مضمون "جائزہ" کا انتقام لینے کے لیے "پردہ اٹھ جانے کے بعد" کو ذریعہ بنایا ہے اور وہی جذبہ ہے۔ جو "تذکرہ وتبصرہ" میں جھلک رہا ہے۔ یہ مولانا اصلاحی کے ذاتی رسالہ "میثاق" کا مستقل عنوان ہے۔ اصلاحی صاحب نے ماہ اپریل ۱۹۶۰ء کے "میثاق" میں "فاران" کے ایک مضمون پر نقد واحتساب کے عنوان سے "پردہ اٹھ جانے کے بعد" کی آڑ لے کر بقول ماہر القادری صاحب اُن سے "جائزہ" کا انتقام لیا ہے۔ یہ تو بہرحال ان دونوں بزرگوں کے خیالات ہیں اور رائے ایک دوسرے کے بارے میں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ "تجزیہ" کافی طویل مضمون ہے۔ ہم اس سے مفید مطلب اقتباسات پیش کر رہے ہیں جن سے جناب ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی صاحب کی اس تحریر کی تائید وحمایت کا پہلو نکلتا ہے جو انھوں نے اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" میں پیش کی ہے۔ ان اقتباسات سے ہمارے قارئین یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکیں گے کہ ایک برہنہ حقیقت جو ڈاکٹر صاحب نے پیش کی ہے وہ دوسروں کی زبان وقلم پر بھی ہے اور اس میدان میں وہ اکیلے نہیں ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے۔

ماہر القادری رقمطراز ہیں:۔

"اس کے جواب میں عرض ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے مولانا آزاد کی ذات سے محبت وعقیدت اور

وضاحت کا دُنیا سے نرالا اور عجیب و غریب مظاہرہ فرمایا ہے کہ مولانا مرحوم پر جو بعض اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں یا "فاران" میں جن کا ذکر کیا گیا ہے، ان کو رفع کرنے کے بجائے ان کی تصویب کی ہے، بلکہ ایک جگہ مولانا آزاد کی پوزیشن کو بہت کمزور کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں (یعنی اصلاحی صاحب)

"مولانا آزاد مکہ میں نہیں کیمبرج میں پیدا ہوئے، ان کے باپ کوئی بڑے عالم نہیں تھے، بلکہ مسجد کے رہن رکھنے والے اور بدعتی آدمی تھے سوال یہ ہے کہ ان تحقیقات سے امامت دین کے اس نصب العین کو کیا تقویت پہنچ رہی ہے۔ ۔ ۔ ۔"

"مولانا آزاد مرحوم کی یہ روایت اور اپنا بیان ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تھے ان کے اس بیان پر "فاران" میں کوئی تنقید نہیں کی گئی، جنوری ۱۹۵۲ء کے "فاران" میں یہ لکھا گیا تھا:۔

"مولانا آزاد اپنے کو الہلال میں دہلوی لکھا کرتے تھے۔ مگر دہلی نہ ان کا مولد ہے اور نہ ان کا منشا ہے۔ مسٹر مہادیو ڈیسائی نے لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے اس کا ماخذ مولانا آزاد کا "تذکرہ" اور ان کا زبانی بیان ہے کہ مولانا ۱۸۸۸ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور دس سال تک وہیں رہے ۱۸۹۸ء میں ان کے والد مولانا خیرالدین کلکتہ میں آکر مقیم ہوگئے اور مولانا آزاد بھی ان کے ساتھ چلے آئے اور کلکتہ ہی میں درس نظامی کی تکمیل کی۔ دہلی سے مولانا آزاد کی یہ نسبت البتہ یہ ہو سکتی ہے کہ بقول مسٹر ڈیسائی ان کے والد دہلی میں رہتے تھے ۱۸۵۷ء کے آشوب غدر میں انھیں دہلی چھوڑنی

پڑی، اور اپنے مرید نواب یوسف علی خاں والئی رام پور کے پاس چلے گئے اور نواب صاحب نے مولانا خیرالدین کے بمبئی جانے کا انتظام کر دیا۔ بمبئی سے وہ مکہ چلے گئے۔

عرض کرنا یہ ہے کہ مولانا نے اپنے خاندانی حالات کے سلسلے میں بہت کچھ لکھا ہے مگر انھوں نے کھیم کرن کا نام نہیں لیا، اس مضمون کے پڑھنے والے متحیر ہوں گے کہ یہ کھیم کرن کیا بلا ہے؟ ضلع قصور (مغربی پنجاب) سے امرت سر ریل کے ذریعے جاتے ہوئے ایک قصبہ کھیم کرن پڑتا ہے۔ مولانا آزاد کے دادا جن کا نام محمد دین اور عرف چھیکڑ شاہ تھا، کھیم کرن ہی میں بود و باش رکھتے تھے، مولانا خیرالدین کے بڑے بھائی یعنی مولانا آزاد کے تایا کا نام امام دین تھا۔ محمد دین نے کھیم کرن کی سکونت ترک کر دی تھی۔ مگر اس کا پتہ نہ چل سکا۔ کہ وہاں کے لکھے پڑھے لوگ آپس میں کہا کرتے تھے کہ ہماری بستی کے محمد دین کے پوتے نے اتنا نام پیدا کیا ہے! کوئی چاہے تو کھیم کرن جا کر اس واقعہ کی آج بھی تحقیق کر سکتا ہے!"

ہم نے یہ کہیں نہیں کہا کہ مولانا آزاد مکہ معظمہ میں نہیں کھیم کرن میں پیدا ہوئے تھے افسوس ہے کہ مولانا اصلاحی نے ہم سے وہ غلط بات منسوب کر دی جو ہم نے نہیں کہی، یہ بات ارشاد فرما کر مولانا موصوف ہمارے بارے میں لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ مولانا آزاد کی کہی ہوئی ہر بات کو ہم جھٹلاتے ہیں یہاں تک کہ ان کی پیدائش کی روایت بھی ہمارے نزدیک جعلی اور گھڑی ہوئی ہے، مولانا اصلاحی کے یہ فرما دینے سے:
"مولانا آزاد مکہ میں نہیں پیدا ہوئے، کھیم کرن میں پیدا ہوئے"۔

"خود مولانا آزاد کی اپنی پیدائش کے بارے میں ان کی بیان کی ہوئی روایت بھی غلط اور مجروح و مشتبہ ٹھہرتی ہے۔ جس کو ہمارے علم و اطلاع کی حد تک کسی نے مشتبہ نہیں سمجھا اور مولانا آزاد کی اس روایت کو سب سے پہلے مولانا عملا نے مجروح کیا ہے اور یہ اشتباہ پیدا فرمایا ہے۔"

(ہفت روزہ فاران جولائی ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۱ و ۲۲)

صفحہ ۲۴ پر رقمطراز ہیں:-

حدیث کا غلط انطباق: - "اب لے دے کر ہمارا قصور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے بقول یہ رہ جاتا ہے۔ "وفات پا جانے والوں کے متعلق ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت ہے کہ اگر ان کی کچھ بھلائیاں ہمارے علم میں ہوں، تو ان کا ذکر کریں، ورنہ کم از کم ان کی لغزشوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کریں۔"

کون مسلمان ہے جو حضور کے فرمان سے سرتابی کی دیدہ دانستہ جرأت کر سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اپنی جگہ واجب الاطاعت ہے اور اس میں دین و دنیا کی بڑی بھلائیاں اور حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے ہم نے اپنے کسی مضمون اور تحریر میں مولانا آزاد کے ذاتی اعمال اور شخصی احوال کا جن کی پردہ پوشی کی ارشاد نبوی میں ہدایت کی گئی ہے، ذکر کیا اشارہ تک نہیں کیا مگر اس حدیث شریف کو مولانا نے محترم نے جو تذکرہ سوانح اور تاریخ و روایت کی غلط بیانوں کے ذکر و بیان تک پر منطبق اور چسپاں کر دیا ہے، یہ درست نہیں ہے کتاب و سنت کے منشا و مصداق اور اس کے انطباق کو مولانا ہم سے ۔۔۔ بدرجہا بہتر سمجھتے ہیں، اگر انھوں نے اس حدیث کے منشا و مصداق پر غور

فرمانے کی زحمت نہیں فرمائی، ورنہ وہ اس لیے کہ حدیث کی آڑ لے کر انہیں ہدفِ ملامت بنانا مقصود تھا!

"تذکرہ اموات کے سلسلہ میں غرض ہے کہ عبرت و موعظت اور دوسری حکمتوں اور فنِ تاریخ و سیرت کی ضرورتوں کے لیے وفات پائی ہوئی شخصیتوں کے بعض ذاتی اعمال و کردار کا ذکر کرنا بھی اس حدیث کے تحت نہیں آتا اگر آتا تو حضرت طالب ابن ابی بلتعہؓ اور حضرت ماعزؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی زندگیوں کے مشہور و شدید واقعات ان کی وفات کے بعد ہرگز بیان نہ کیے جاتے، اور ان روایتوں کا بیان کرنا بند کر دیا جاتا، ہم اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔ بلکہ سامنے کی باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گزر جائیں گے، اور اس طرح یہ بات آپ ہی آپ کھلتی اور واضح ہوتی چلی جائے گی۔

مروان کی سیاسی چالبازیاں، یزید ابن ہبیرہ اور حجاج کے مظالم، اورنگ زیب اور جہانگیر کی شراب نوشی، علاؤ الدین خلجی کا اپنے بے گناہ چچا کو قتل کر دینا، محمد شاہ رنگیلے کی عیش پرستانہ زندگی، اس قسم کے بے شمار واقعات جو تاریخ میں ملتے ہیں اور وہ تحریر و بیان اور بحث و گفتگو میں آتے اور دہرائے جاتے رہتے ہیں، تو کیا یہ تذکرے گناہ ہیں؟ اور جو علامہ اقبال نے کہا تھا:

جعفر از بنگال، صادق از دکن
ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

تو کیا اس شعر سے "ذکرِ اموات" والی حدیث کی خلاف ورزی ہوتی ہے؟

اسلامی لٹریچر میں اس کی کتنی مثالیں ملتی ہیں کہ فلاں فلاں محدث اور راوی کاذب تھا، وضاع اور مدلس تھا علمائے اسلام میں کسی کو حاطب اللیل کہا گیا ہے اور کسی کے تکلم کو ہیچ کا نمو ار بتایا گیا ہے۔ واقعات کے بیان کرنے اور کتابوں کے حوالے دینے میں جن اہل قلم نے غلطیاں کی ہیں ان کی چوریاں پکڑی گئی ہیں۔ کسی مفتی اور فقیہ نے کسی امیر اور بادشاہ کی خاطر دین و شریعت میں رخصتیں اور اباحتیں پیدا کی ہیں تو اس پر گرفت کی گئی ہے، تاریخ اور تذکروں میں افسانوں اور قصوں کے ناموں۔ تاریخی سنین اور واقعات کے اختلافات اور ان کی غلطیوں سے بحث کی گئی ہے، علماء تاریخ و سیر کی لغزشوں کو بے نقاب کیا گیا ہے، سفرناموں کے واقعات کو درایت و روایت کی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا گیا ہے کہ ان میں یہ یہ باتیں غلط، مشتبہ اور مبالغہ آمیز ہیں۔ اس پر بحثیں چھڑی ہیں کہ فلاں صاحب کی فلاں بزرگ سے ملاقات ہوئی تھی یا نہیں؟

اور آج تک

کسی نے بھی ان تحقیقی اور تنقیدی کوششوں کو "ذکر اموات" والی حدیث کا مخالف نہیں بتایا، اور نہ مولانا اصلاحی صاحب کی طرح نقد و احتساب کے اس سلسلہ پر یہ طنز کی "کہ ان تحقیقات سے اقامت دین کے نصب العین کو کیا تقویت پہنچ رہی ہے۔۔؟"

جب سے شروع ہی سے

زندہ اور وفات پائی ہوئی اہم سے اہم شخصیتوں اور محترم سے محترم ہستیوں پر نقد و احتساب کا یہ سلسلہ جاری رہا ہے اور اسلامی تاریخ کے کسی دور میں یہ کام بند نہیں ہوا تو پھر کیا

مولانا آزاد ہی کی پوری اُمّت میں ایسی نرالی، منفرد اور مقدس شخصیت گزری ہے جن کی تحریر و نگارش، تذکرہ و حالات اور روایت بیان پر تنقید و احتساب کرنا گناہ ہے وہ اپنے سفر تعلیم اور اسلاف کے حالات کے بیان میں جو جی آئے بیان کردیں، اس پر لب کشائی کی اجازت نہیں دی جا سکتی، مولانا ابوالکلام آزاد جو کچھ اپنے قلم سے خود لکھ دیں یا ان کی زبانی روایت کو دوسرے لوگ اپنی کتابوں اور تذکروں میں نقل کر دیں، اس کو اوّل تو درست ہی ماننا چاہیے اور اگر کہیں کوئی کھٹک پیدا ہو یا پانی مرتا ہوا دکھائی دے، تو اس کھٹک کا زبان و قلم سے اظہار نہ کیا جائے ـــ "سمعنا و صدقنا" یا پھر "سکوت" ـــ یہ رویّہ ہونا چاہیے مولانا آزاد کی نگارش و ملفوظات کے ساتھ!!

ع زباں سے کچھ نہ کہو دیکھتے چلے جاؤ ـــ خوب!!

خود مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اموات کا تذکرہ کس طرح کیا ہے، اس کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے:۔

"۔۔۔ بات مخدوم الملک کے حیلۂ زکوٰۃ سے چلی تھی، بدایونی لکھتے ہیں کہ اگرچہ ملا عبدالنبی صدر اور مخدوم الملک دونوں ایک ہی تنور کے سوختہ تھے اور ضلالت امت و اہل اللہ کی اذیت و مخالفت میں باہم رنگ و ہم آہنگ، لیکن دنیا کے عشق نے دونوں میں رقابت کا رشتہ قائم کر دیا تھا اس لیے خود بھی ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہے اور آپس کی ٹکریں برابر جاری رہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان آپس کی ٹکروں ہی سے دونوں پاش پاش ہو گئے۔

اذ تعارضا تساقطا۔ کسی دوسرے ہاتھ کی ضرورت ہی نہ ہوئی

۔۔۔ یعنی یوں ہیر تقدیر یا یہ ہم، کا منظر نظروں میں پھر گیا، اور یہ اس گروہ کا آئین اور لازمۂ خاص ہے۔ سانپ اور بچھو کا ایک سوراخ میں جمع ہو جائیں گے، لیکن علماء دنیا پرست کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے

کتوں کا مجمع ویسے خاموش رہتا ہے لیکن ادھر قصائی نے چھیچھڑے پھینکے اور ادھر ان کے پنجے تیز اور دانت زہر آلود ہو گئے، یہی حال ان سگانِ دُنیا کا ہے" (تذکرہ - از مولانا ابو الکلام آزاد - مطبوعہ مکتبہ جدید لاہور)

مولانا آزاد نے وفات پائے ہوئے علماء کو سگانِ دُنیا سے تشبیہ دی ہے اور انہیں سانپ بچھوؤں سے بڑھ کر خراب بتایا ہے اور یہ کوئی بے نام کی صرف عام تنقید ہی نہیں ہے، اوپر سے مخدوم الملک اور ملا عبدالنبی کی سیرت و کردار کا ذکر چلا آرہا ہے۔ سگانِ دُنیا کی اس تشبیہ میں یہ دونوں علماء بھی لازماً شامل ہیں اور سب سے اوّل شامل ہیں۔ تو مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ وفات پائے ہوئے علماء جن کی سیرت کو وہ داغ دار اور قابلِ نقد و احتساب سمجھتے ہیں، ان کی پردہ پوشی کرنے کے بجائے ان کو شدید لب و لہجہ کے ساتھ منظرِ عام پر لائیں اور ان کو سگانِ دُنیا تک کہہ دیں، لیکن خود مولانا آزاد کی تحریر و روایت کی واقعاتی کمزوریوں پر اگر نرم سے نرم اور شائستہ سے شائستہ الفاظ میں بھی نقد و احتساب کیا جائے۔ تو ماہنامہ میثاق سے لے کر ہفت روزہ چٹان تک میں ایک شور مچ جائے کہ یہ بڑا ظلم ہو رہا ہے، سخت دل آزاری اور فرمانِ رسولؐ کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔ اور لکھنے والے کا سینہ خوفِ خدا سے بالکل خالی ہو گیا ہے"۔
(ماہنامہ فاران جولائی ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۴ تا ۲۶)

صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں:-

ہم عرض کرتے ہیں کہ مولانا ابو الکلام آزاد کے سیرت نگار کو ان کے تمام فضائل و مناقب کے ساتھ یہ بھی لکھنا چاہئے کہ خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکیں جب ہندوستان میں شباب

پر تھیں، تو مولانا آزاد نے اس کی کوشش کی تھی کہ ہندوستان کے مسلمان انھیں اپنا امام اور امیر تسلیم کرلیں، مولانا مرحوم کو بعض لیڈروں اور علماء کی تائید بھی حاصل ہوگئی تھی لیکن ان کی یہ کوشش بارآور نہ ہوسکی کہ خود دیوبند کے علماء مولانا آزاد کی دینی امامت و امارت کے مؤید نہ تھے، اور وہ اس لیے کہ خطابت و انشاء وسعتِ مطالعہ اور ذہانت و فطانت کے ساتھ دین و شریعت کے اس منصبِ جلیل کے لیے شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کے کیا جیسی خوبیاں بھی درکار تھیں —— یہ بھی لکھنا چاہیے کہ انگریزی دور میں مولانا آزاد نے آزادی کے لیے بے شک جدوجہد فرمائی اور عزیمت کا ثبوت دیا، انھوں نے قید و بند کے مصائب بھی برداشت کیے مگر ہندو راج میں ان کی زندگی میں عزیمت کا باب بند نظر آتا ہے لادینی حکومت اور کافرانہ نظام میں زندگی بسر کرنا ایک "اضطرار" ہے، مگر اپنی خوشی سے لادینی حکومت کی مشین کا ایک پرزہ بن کر تعاون کرنا "اضطرار" نہیں "اختیار" ہے، مولانا آزاد کی سیاسی اور دینی زندگی کا آغاز کس ولولہ انگیز کلمۂ حق، طوفانی جوش اور مجاہدانہ اسپرٹ سے ہوا تھا، وہ اپنی خطابت و نگارش میں، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن تیمیہؒ کی عزیمت و استقامت، جذبۂ سرفروشی اور ولولہ جہاد کے ہم صفیر نظر آتے تھے۔ مگر ان کا انجام بڑا عبرت آموز ہے، سکوت، سکون اور سپردگی کی زندگی، جیسے اپنے ماحول میں کوئی خلش و اضطراب ہی محسوس نہیں کرتے، کوئی صدائے احتجاج اور نالہ و فریاد نہیں، حالات سے پورا پورا تعاون اور سازگاری —— ہائے! وہ آبلہ پائی جس کی آخری منزل پھولوں کی سیج ہو، اور آہ! وہ زندان و مقتل جو کاخ و ایوان قصر الحلان بن کر رہ جائے ——

مولانا آزاد کی زندگی کے اس آخری دورِ سپردگی سے ان کے بعض رفقاء نے اثر قبول کیا اور وہ اس حد تک پہنچ گئے کہ مسلم فدرت انٹر کالج سیوہارہ ضلع بجنور کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے، حافظ محمد ابراہیم صاحب مرکزی وزیر محکمہ آب پاشی نے ارشاد فرمایا ہے:

"... ہم سب ایک قوم ہیں، ہم میں مذہبی بنیاد پر کوئی تفرقہ نہ ہونا چاہیے ورنہ ہم ملک کی کچھ بھی کامیاب ترقی حاصل نہ کر سکیں گے۔ ہمیں ایک ایسے ہندوستان کی تعمیر کرنی ہے، جہاں پر نہ ہندو ہندو ہو اور نہ مسلمان، مسلمان، ہندو خود کو نہ ہندو کہے، اور نہ مسلمان اپنے کو مسلمان ... "

صفحہ ۳۰ پر مولانا ماہر القادری رقمطراز ہیں:۔

"وہ "فاران" کے جس مضمون (پر دو ماہ گزرنے کے بعد) پر مجلہ "میثاق" میں تنقید کی گئی ہے اس کی شانِ اشاعت یہ ہے کہ مولانا حامد اللہ ندوی نے بمبئی سے ایک مضمون ہمارے پاس "فاران" میں چھپنے کے لیے بھیجا تھا، یہ مضمون پورے کا پورا "فاران" میں نہیں چھاپا گیا کہ اس کی بعض باتوں کی اشاعت کو مناسب نہیں سمجھا گیا، اس مضمون کی تلخیص چھاپ دی گئی۔

اس مضمون میں مولانا آزاد کی کتاب انڈیا ونس فریڈم صفحہ ۲۲ کی یہ سطور پیش کی گئیں (کتاب کی انگریزی عبارت صفحہ ۲۲ سے بھی گئی ہے جسے ہم کسی اور مقام پر پیش کر چکے ہیں اس لیے یہاں صرف اردو ترجمہ جو صفحہ ۳۰ پر "فاران" میں دیا گیا ہے۔ لکھا جائے گا۔

"تاریخ نے بہرحال یہ ثابت کر دیا ہے کہ شروع کے چالیس پچاس برس یا زیادہ سے زیادہ پہلی صدی کے بعد اسلام اس قابل ہی نہ تھا کہ وہ تمام مسلمان ملکوں کو صرف اسلام کی بنیاد پر ایک حکومت میں متحد کر سکتا۔"

"مولانا آزاد کی کتاب کے اس انگریزی اقتباس کے بعد "ناوان" میں اس ان لفظوں میں تنقید کی گئی ہے:"

"یہ بات ایک غیر مسلم مستشرق کے قلم سے تو البتہ نکل سکتی تھی، مگر مولانا آزاد کے قلم سے اس "مجسند" کی تراوش دیکھ کر بڑا افسوس ہوا۔ قصور تھا مسلمان فرماں روائی کا، کہ وہ اپنے مختلف تعداد کے سبب ایک جھنڈے کے نیچے اور ایک مرکز پر متحد نہ ہو سکے لیکن مولانا آزاد نے اس قصور کو بے چارے "اسلام" کے سر ڈال دیا ہے کہ (معاذ اللہ) اسلام میں تمام ملکوں کو صرف اسلام کی بنیاد پر ایک اسٹیٹ میں متحد کرنے کی صلاحیت ہی نہ تھی۔"

"مولانا اصلاحی صاحب اور بعض دوسرے اہل قلم نے مولانا آزاد کی عقیدت و محبت اور مدافعت میں جس جوش و خروش کا اظہار فرمایا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ "ناوان" کے اسی مضمون میں مولانا آزاد کی یہ عبارت پڑھ کر ان کے اندر دینی غیرت پیدا نہیں ہوئی۔ اسلام کی مرکزیت و وحدت پر مولانا آزاد نے کھلی ہوئی چوٹ کر جائیں تو ان کے عقیدت مند اسے پی جائیں اور گوارا کر لیں مگر ——————

صفحہ ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ پر لکھتے ہیں:-

"مولانا آزاد کے بارے میں یہ لکھ دیا جائے کہ:-

"اپنی اور اپنے خاندان کی تذکرہ نگاری کے فن میں وہ اپنے وقت کے "واقدی" ہیں۔"

تو غصہ کے مارے دہن خامہ سے جھاگ نکلنے لگیں! کیا اب اللہ تعالیٰ کا دین اس قدر مظلوم و غریب ہو گیا ہے، کہ اس پر طنز کرنے والوں کی تو حمایت کی جائے اور ان کی مدافعت میں زبان و قلم حرکت میں آ جائیں مگر خود اسلام پر جو طنز کی گئی ہے اس کا مرے

سے نوٹس ہی نہ لیا جائے ______ !

ماہنامہ "الفرقان" (لکھنؤ) کے دسمبر ۱۹۵۸ء کے شمارے میں مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے :- آزاد کی کہانی ______ نقد و نظر کی کسوٹی پر اس مقالہ میں فاضل مقالہ نگار نے "مولانا آزاد کی کہانی بہ روایت مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی" پر بڑی تحقیق اور کد و کاوش کے ساتھ تنقید کی ہے، بلکہ یوں کہیے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ مولانا آزاد کی ان روایتوں کی تاریخی اور واقعاتی غلطیوں تک جہاں ہمارا تو خیال بھی نہ پہنچ سکا، وہاں مولانا فریدی کی نگاہ پہنچی ہے، ہماری نظر سے اس مضمون کی کوئی تردید نہیں گذری، اس لیے یہ بڑی وزنی اور معتبر و مستند تنقید ہے۔ اس میں انھوں نے مولانا آزاد کے ۱۹۰۵ء میں سفر حجاز کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

"اسی طرح ۱۹۰۵ء میں سفر حجاز کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا جبکہ دسمبر ۱۹۰۳ء لغایت اپریل ۱۹۰۵ء مولانا کا قیام مسلسل بمبئی اور لکھنؤ میں رہا۔"

انھوں نے لکھا ہے کہ ۱۸۹۶ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک مولانا آزاد ہندوستان سے کہیں باہر نہیں گئے اس طرح نسیم احمد صاحب فریدی نے مولانا آزاد کے سفر مصر کو بھی غلط ثابت کر دیا۔

مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ نہر زبیدہ کی مرمت ان کے والد کے اہتمام سے ہوئی تھی۔ مولانا نسیم احمد فریدی کی تحقیق یہ ہے :-

"حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں نہر زبیدہ کی مرمت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکہ صاحب اظہار الحق و بانی مدرسہ صولتیہ کا کارنامہ ہے۔"

اس کتاب (مولانا آزاد کی کہانی) کے بارے میں فاضل تنقید

نگار لکھتے ہیں:۔

"... ... میں نے جتنا جتنا اس کتاب کے قابل تنقید مقامات پر غور کیا، میرے دل نے بے ساختہ یہ کہا۔ کاش! یہ کتاب صرف کہانی "دہوتی" مولانا آزاد کی شان کے مطابق اُن کی زندگی کی آئینہ دار ہوتی ان میں حقائق ہوتے صحیح واقعات ہوتے۔ مجھے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے بڑی دشواری پیش آرہی ہے۔ ادھر مولانا آزاد کی کہانی اور بقول ملیح آبادی صاحب انھی کی زبانی، میرے سامنے ہے اور دوسری طرف تاریخی حقائق کی روشنی میں بات کرنی ہے۔"

———۱۵۱———

"مولانا ملیح آبادی پر (جن کی حیثیت محض ناشر و کاتب کی ہے) خیانت وعدم دیانت کا الزام بلا دلیل لگایا نہیں جا سکتا۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ میں نے اس میں کسی قسم کا تصرف یا تغیر و تبدل کرنا خلاف دیانت سمجھا ہے۔ بلکہ ایسا گمان کرنا بھی مشکل ہے، اس لیے کہ ملیح آبادی کا مولانا مرحوم سے جیسا تعلق معلوم ہے۔ وہ اس طرح کی کسی بات کے بالکل منافی ہے۔ ... ..."

"مولانا منور الدین، مولانا آزاد کے والد کے نانا تھے، ان کے بارے میں مولانا آزاد کی روایت سے لکھا گیا ہے کہ ——

"مولانا سدید الدین، مولوی محبوب علی، مولوی فضل امام جو مولانا فضل حق خیرآبادی کے والد تھے، مولوی فضل رسول بدایونی ادیب صاحب کشاف اصطلاحات الفنون مولانا منور الدین کے شاگرد تھے"

فاضل ناقد نگار نے مولانا منور الدین کے ان شاگردوں کے بارے میں تاریخی تحقیق اور دلائل کے ساتھ بتایا ہے کہ ان میں سے کوئی شخص بھی مولانا منور الدین کا شاگرد نہ تھا۔ ... بلکہ وہ تو یہاں

تک لکھتے ہیں :-

"سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ مولانا منور الدین نام کی دہلی میں کوئی ایسی شخصیت بھی ہوئی ہے جس کی یہ امتیازی خصوصیات ہوں! مگر باوجود تلاشِ بسیار کے اس نام کا کوئی ایسا شخص نہ ملا جو شاہ صاحب کی شاگردی کا شرف بھی رکھتا ہو اور اطرافِ ہند سے طلبہ جوق در جوق اس کے حلقہ درس میں آتے ہوں۔ حیات عزیزی، حالات عزیزی، تذکرہ علمائے ہند نیز اس زمانے کے فتاویٰ اور ان کی مہروں کو دیکھا کہیں اس عظیم الشان شخصیت (مولانا آزاد کے والد کے نانا) کا نام و نشان نہیں ملا۔ ۔ ۔"

مولانا نسیم فریدی نے ان روایتوں کو ہوائی باتوں جو کہا ہے تو بالکل ٹھیک کہا ہے۔

ماہر القادری لکھتے ہیں :-

ہم اوپر تنقید کر چکے ہیں کہ رکن المدرسین عہدِ مغلیہ میں کوئی عہدہ ہی نہیں تھا، جسے مولانا آزاد ایک طرح کی وزارتِ تعلیم بتاتے ہیں، اور اس پر بقول ان کے مولانا منور الدین فائز تھے، اس عہدہ کا وجود ثابت کرنے کے لیے دو تین دوسرے عہدوں ملک العلماء، نقیب الاولیا اور ملک الاطباء کے نام تراشے ہیں اب ان عہدوں کے بارے میں مولانا نسیم فریدی کی تحقیق ملاحظہ فرمایئے :-

"کم از کم میری نظر سے تو عہدِ مغلیہ کے آئین و دستور میں اس (رکن المدرسین) نام کا یا ملک العلماء، نقیب الاولیاء، یا ملک الاطباء، کا کوئی عہدہ نہیں گزرا اور نہ وہ فرائض و اختیارات جو اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں نظر سے گزرے۔ آئین اکبری میں ان چاروں عہدوں میں سے کسی کا وجود نہیں، اور اگر اس کے بعد یہ عہدے قائم ہوئے تھے تو جہانگیر سے لے کر اکبر شاہ

شانی تک کی تاریخوں میں اس کا تذکرہ ہوتا؟ فراالامرا اور ماثر عالمگیری میں چھوٹے چھوٹے عہدہ داراور امراؤ تک کا ذکر ہے مگر ان ہزاروں انقاب میں سے کسی ایک لقب کے ساتھ بھی کسی عہدیدار کا ذکر نہیں۔"

فاضل ناقد نے بڑے پتے کی بات کہی ہے :-

"آثار الصنادید ہی کو دیکھ لیجئے، مفتی صدر الدین صاحب کا جیسا والہانہ ذکر ہے وہ تو ہے ہی، ان حضرات کا تذکرہ بھی ملتا ہے جن کو مولانا منور الدین کا شاگرد بتایا گیا ہے مگر نہیں ملتا تو مولانا منور الدین کا تذکرہ آخران تذکرہ نگاروں کو مولانا موصوف ہی سے ایسی کیا کد ہو گئی تھی۔"

"آزاد کی کہانی، خود ان کی زبانی" مولانا منور الدین کے بھوپال جانے کا واقعہ درج ہے - کہ نواب سکندر بیگم نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی، اپنے عیش محل کو مسجد بنایا، اور جہانگیر محمد خان نے مولانا منور الدین کو حسد ورقابت کی بنا پر شراب میں زہر دے دیا۔ - - - مولانا نسیم احمد فریدی نے اس روایت پر بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور اس کے ایک ایک جزو کو غلط اور موضوع ثابت کیا ہے۔

لکھتے ہیں :-

حقیقت یہ ہے کہ بھوپال میں کوئی ایسا واقعہ ہی پیش نہیں آیا اور پیش کیسے آتا جب مولانا مذکور (یعنی آزاد کے نانا) کے بھوپال آنے کے وقت نواب جہانگیر محمد خان کا دنیا میں وجود ہی نہ تھا۔"

اور سنیئے، مولانا آزاد روایت کرتے ہیں :-

"میرے خاندانی سلسلہ میں سب سے پہلے شیخ جمال الدین معروف بہلول دہلوی کا نام بہت ممتاز نظر آتا ہے، ان کا وطن دہلی مرحوم تھا وہ عہد اکبری کے مشاہیر علماء اور اصحاب سلوک طریقت میں تھے۔ - -"

فاضل ناقد نے اس کی تحقیق کی تو پتہ چلا کہ مولانا آزاد نے اپنے جدِ امجد شیخ جمال الدین کا جن کتابوں میں تذکرہ بتایا ہے ان میں سے اخبار الاخیار (مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی) میں جو روایت درج ہے اور جسے "آزاد کی کہانی" میں کہیں کہیں ایک دو لفظوں کا فرق کرکے بعینہٖ شیخ جمال الدین پر منطبق کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق شیخ عبدالرزاق المشہور بہ شیخ بہلول سے ہے!

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مولانا آزاد یہ تو بتاتے ہیں کہ بغداد کے نقیب الاشراف نے ان کے والد سے طریقہ نقشبندیہ میں اجازت لی، مگر اس کی تصریح نہیں فرماتے کہ خود ان کے والد کس سے بیعت تھے، اسی طرح وہ اپنے والد کی عربی زبان میں تصنیف کا جو دس جلدوں میں تھی، نام اور سن نہیں لکھتے۔ اسی طرح مولانا نسیم احمد فریدی کو یہ بات کھٹکی۔

"یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ شیخ جمال الدین دہلوی کا خاندان دہلی کے کس محلہ میں بود و باش رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ خود مولانا کے دادا اور والد کے متعلق اس کتاب سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ دہلی کے کس محلہ میں رہتے تھے"۔

صفحہ ۳۴ و ۳۵ پر مولانا ماہر القادری تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا ابوالکلام آزاد کی تعلیم، سفر اور خاندانی حالات کے بارے میں اب سے چند سال پہلے ہمارے کانوں میں بھنک پڑی کہ ان میں مبالغہ اور اشتباہ پایا جاتا ہے، اس اطلاع نے ہمیں چونکا دیا، سب سے پہلے ماہنامہ "برہان" (دہلی) میں مولوی صدر محمد خان شہاب مالیر کوٹلوی کا مضمون ہماری نظر سے گزرا تو خیال آیا یہ باتیں محض افواہ نہیں ہیں۔ بات خامہ و قرطاس تک آن پہنچی ہے اس کے بعد مشہور انشاء پرداز جناب رئیس احمد جعفری کا مضمون مولانا

آزاد کے سفر ایران و عراق کے بارے میں چھپنے کے لیے ہمارے یہاں آیا، جس میں لکھا تھا کہ مولانا کا یہ سفر ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، اس مضمون کو ہم نے "فاران" میں نہیں چھاپا، بلکہ تحقیق حال کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں ایک عریضہ ۱۵ اگست ۱۹۵۱ء کو بھیجا۔ اصل خط کی عبارت یہ تھی :-

صاحب المجد و الکرم دامت معالیکم

السلام علیکم و علیٰ من لدیکم! جناب والا سے چند ضروری باتیں دریافت طلب ہیں :-

۱۔ مکہ مکرمہ آپ کا مولد بتایا جاتا ہے، مگر آپ کا منشاء کونسا مقام ہے؟

۲۔ "الہلال" کے سرورق پر "المکنّی بابی الکلام الدہلوی" چھپتا رہا ہے "دہلی" کی سرزمین سے آپ کو کیا نسبت اور تعلق ہے؟

۳۔ کیا قصور (پنجاب) سے آپ کا کوئی خاندانی تعلق ہے؟

۴۔ "غبار خاطر" میں آپ نے مصر، ایران، شام اور عراق کے سفر کا ذکر فرمایا ہے، یہ سفر آپ نے کس سنہ اور کس ماہ یا مہینوں میں فرمایا تھا؟

۵۔ (الف) مسٹر مہادیو ڈیسائی (گاندھی جی کے پرائیویٹ سیکرٹری) نے آپ کے حالاتِ زندگی لکھے ہیں جن کا اردو ترجمہ مسٹر آصف علی نے کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ آپ نے جامعہ ازہر میں تعلیم پائی تھی، براہ کرم مطلع فرمایا جائے کہ آپ کس سنہ میں جامعہ ازہر کے طالب علم رہے ہیں؟

(ب) آپ کے زبانی حوالہ کی بنیاد پر یہ بھی لکھا گیا ہے کہ آپ

ے یہ خط جب ہم نے لکھا ہے تو واقعات پوری طرح سے متحقق نہیں ہوئے تھے۔

کی شیوخ جامعہ ازہر سے علمی صحبتیں رہی ہیں، اس سلسلہ میں بھی سند کی ضرورت ہے۔ جناب والا کی گوناگوں مصروفیات دیکھتے ہوئے مختصر سے مختصر عریضہ لکھا گیا ہے۔ تاکہ جناب کم سے کم وقت میں جواب عنایت فرماسکیں، ان پانچ سوالات کے لیے زیادہ سے زیادہ پانچ سطروں کے لیے (بلکہ اس سے بھی کم) جناب کو زحمت کرنا ہوگی! یقین ہے جواب سے ضرور مفتخر فرمایا جائے گا۔

(نیاز کیش ماہرالقادری)

اس خط کا مولانا آزاد مرحوم نے کوئی جواب نہیں دیا، اٹھارہ دن کے انتظار کے بعد ۸ر ستمبر ۱۹۵۱ء کو دوسرا عریضہ بھی رجسٹرڈ ہی کروایا گیا اور پہلے خط کے جواب دینے کے لیے یاددہانی کی گئی مگر مولانا نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ مولانا آزاد مرحوم کے جواب نہ دینے سے اس کے سوا اور کوئی نتیجہ اخذ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے دانستہ پہلوتہی کی، اور واقعات کی سطح میں کہیں نہ کہیں ایسا نشیب ضرور تھا۔ جہاں پانی مرتا تھا۔ مولانا کو تو یہ چاہیے تھا کہ ان غلط فہمیوں کے رفع کرنے کے لیے مفصل مضمون لکھتے تاکہ بات صاف ہوجاتی۔"

صفحہ ۳۹ تا ۴۳ تحریر فرماتے ہیں:۔

مولانا آزاد کے حالات وسوانح اور روایتوں میں جو تضاد پایا جاتا ہے اس کے چند نمونے یہاں درج کیے جاتے ہیں:۔

مسٹر مہادیو ڈیسائی جو گاندھی جی کے نہایت معتمد علیہ رفیق اور پرائیویٹ سیکرٹری تھے، انھوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کی "لائف" انگریزی میں لکھی تھی جس پر چھ سطروں کا مختصر دیباچہ گاندھی جی نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کتاب میں مولانا آزاد کے سوانح

حیات درج ہیں ان کا ماخذ مولانا کی خود نوشت سوانح عمری "تذکرہ" ہے یا خود ان کی زبان سے سُنے ہوئے حالات ہیں۔ مسٹر ڈیسائی مولانا آزاد کی زبانی روایت کو یوں درج کرتے ہیں۔

ترجمہ:۔ "وہ مولانا آزاد کے والد مولوی خیرالدین، یہ چاہتے تھے کہ میں کسی نہ کسی طرح فاضل ترین علماء کی جماعت میں اپنا نام پیدا کروں، لہٰذا انھوں نے مجھے سنہ ۱۹۰۵ء میں اپنے ذاتی مصارف سے مصر بھیجا، تاکہ قاہرہ کی مشہور یونیورسٹی الازہر میں عربی کی تعلیم حاصل کر سکوں، میں وہاں دو سال تک مقیم رہا، اور سنہ ۱۹۰۷ء میں ہندوستان واپس آیا۔"

مگر ہماری تحقیق یہ ہے سنہ ۱۹۰۵ء اور سنہ ۱۹۰۶ء میں مولانا آزاد "الندوہ" کے ایڈیٹر رہے اور سنہ ۱۹۰۶ء کے بعد سنہ ۱۹۰۸ء تک اخبار "الوکیل" (امرتسر) کی ادارت ان سے متعلق رہی، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دو سال تک الازہر میں بھی تعلیم پاتے رہے ہوں اور ہندوستان میں "الوکیل" کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہوں؟

• خود مولانا ابوالکلام آزاد نے اس قسم کی غلط فہمیوں کے رفع کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ "تذکرہ" میں لکھتے ہیں:۔

"دکھلانا یہ ہے کہ ہندوستان میں ابتداء سے مطالعہ و نظر کا میدان بہت محدود رہا ہے، اسی لیے عجیب و غریب لغزشیں ہوتی رہی ہیں، صاحب اتحاف الحق، عسقلانی کی بلوغ المرام کو شاہ ولی اللہؒ کی تصنیف بتلاتے ہیں، ایک رسالہ "دافع الفساد" نظر سے گزرا، اس میں مجمع البحار کا مصنف سیوطی کو بتلایا ہے، صاحب ابلاغ، عبدالحق حقی کی "روح البیان" کو "روح المعانی آلوسی زادہ" کی طرف نسبت دیتے ہیں حالانکہ روح المعانی آلوسی زادہ کی نہیں خود "آلوسی" کی ہے۔ ۔ ۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کہ صاحب

صیانت الانسان، خیرات الحسان کو حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف سمجھ کر جا بجا اس پر زور دیتے ہیں، حالانکہ وہ ابن حجر مکی کی تصنیف ہے۔"

(صفحہ ۲۲۶ و ۲۲۸)

"وہ کتابیں ہوں، مقالات ہوں، سنین ہوں، خاندانی شجرے ہوں، سیر و سیاحت کے حالات اور سوانح حیات ہوں۔ ان میں جو غلط نسبتیں ہیں، ان کی تحقیق ہر دور میں کی گئی ہے اور دھتا کر لکھا گیا ہے، آخر مولانا ابوالکلام آزاد ہی کے سوانح و حالات کی تحقیق کو کیوں "عجوبہ" قرار دیا جاتا ہے اور لوگ اس پر اس طرح بدکتے ہیں جس طرح اونٹ، بچھیرا بدکتا ہے۔ بڑے بڑے ثقہ اور نامور مرتاض محدثین کی بیان کی ہوئی روایتوں کی جب تحقیق کی جاتی ہے۔ تو مولانا آزاد کی لکھی ہوئی یا لکھوائی ہوئی یا ان سے سنی ہوئی روایات و واقعات کی تحقیق پر یہ ہنگامہ کیوں بپا ہے؟ تحقیق کا جواب تحقیق سے اور دلیلوں کا جواب دلیلوں سے ہی دینا چاہیے، یہ غصہ، غیظ و غضب اور طنز و ملامت تو خود اپنے موقف کی کمزوری کی دلیل ہے۔"

مولانا "تذکرہ" میں لکھتے ہیں:۔

"میری والدہ حضرت شیخ محمد بن طاہر وتری مفتی مدینہ منورہ کی بھانجی تھیں۔" "تذکرہ" اور "انڈیا ونس فریڈم" میں یہ روایت ملتی ہے:۔

مترجمہ:۔ میرے والد نے جب مکہ کی طرف رحلت کی ہے تو ان کی عمر تقریباً ۲۵ برس کی تھی انھوں نے وہیں اقامت اختیار کر لی، اپنے لیے مکان تعمیر کیا اور شیخ محمد طاہر وتری کی لڑکی سے شادی کر لی۔"

مولانا آزاد کے والد مولوی خیر الدین کے سفر عراق کا "تذکرہ آزاد کی کہانی" میں اس طرح کیا گیا ہے۔

"(اُنھوں نے) عراق کا سفر کیا، اور چھ سات ماہ ٹھہرے، اس زمانہ میں شیخ عبدالرحمٰن نقیب الاشراف تھے، ان کے یہاں مہمان ہوئے، ان سے طریقۂ قادریہ کی اجازت لی، اور اُنھوں نے ان سے طریقۂ نقشبندیہ لی۔"

مگر نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی مرحوم کے نام جو مولانا آزاد کا مکتوب "کاروانِ خیال" کے صفحہ ۵۰ پر درج ہے، اس میں لکھا ہے:۔

"والد مرحوم جب سنہ ۱۲۹۱ھ میں عراق گیے تھے، تو سید عبدالرحمٰن نقیب مرحوم کے والد سید علیؒ سجادہ نشین تھے، انہی کے ہاں ٹھہرے۔"

ان دونوں باتوں میں آخر کس بات کو دُرست مانا جائے، یہ کہ مولانا آزاد مرحوم کے والد جب عراق گیے تھے تو اس وقت نقیب الاشراف شیخ عبدالرحمٰن تھے، یا ان کے والد سید علیؒ تھے؟

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنے اسلاف کے بارے میں جو روایتیں بیان کی ہیں، اور ان کو جس قدر عظیم و شہیر بنا کر پیش فرمایا ہے، ان روایتوں کی درایت و روایت کے اعتبار سے جتنی بھی تنقید اور تحقیق کیجیے، حیرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے، یعنی "جتنا چھانو اتنا کرکرا" یہ ضرب المثل مولانا آزاد کی روایات و بیانات پر پوری اُترتی ہے۔

"انڈیا ونس فریڈم" میں مولانا آزاد اپنے والد مولانا خیرالدین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں (یا یوں کہیے لکھواتے ہیں)

"میرے والد نے عربی زبان میں دس جلدوں میں ایک کتاب لکھی تھی جو مصر میں چھپی تھی، اس وجہ سے وہ تمام عالمِ اسلام میں خوب متعارف ہو گیے۔"

عربی میں کتاب اور وہ بھی دس جلدوں میں، جو مولانا آزاد کے والد کو تمام عالمِ اسلام میں مشہور کر دیتی ہے، مگر نہ اس کتاب کا نام بتایا جاتا

ہے اور نہ موضوع! اس قسم کے مغالطوں کو آخر کیا کہا جائے اور کیا سمجھا جائے؟ اپنے خاندان اور اسلاف کے حالات میں مولانا آزاد ایران و توران کا ذکر کرتے ہیں مگر کلیم کرن جہاں ان کے دادا پھر دادا رہتے تھے اس بیچارے گمنام قصبہ کا ذکر نہیں فرماتے:

"مولانا آزاد کے والد مولانا خیرالدین کے یہ حالات پڑھ کر عقل کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایک طرف مادی کی نظر کا سوال دوسری طرف ان واقعات کی طرفگی واچھوتگی ——— گوریم مشکل وگرنہ گوریم مشکل! اس قدر گوناگوں فضائل و کمالات کی حامل شخصیت کو جمال الدین افغانی کے برابر نہیں تو کم سے کم مفتی محمد عبدہ کے برابر تو مشہور ہونا تھا، حالانکہ ان کی شخصیت تو ایک طرف رہی خود ان کے وطن ہندوستان میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری جیسے خاموش اور شیوخ سلسلہ کے برابر بھی ان کی شہرت نہیں ہے، اگر مولانا آزاد ان کا تعارف نہ کرتے تو لوگ ان کا نام بھی نہ جانتے تھے غدر کے بعد کے ممتاز علماء اور مشائخ کی فہرست میں مولانا خیرالدین کا نام قطعاً نہیں آتا۔

بلکہ اس کے برخلاف

مولانا حامداللہ ندوی کے بقول "الحسنات فی رد السیات" نام کے ایک اردو رسالہ میں، جو موصوف کے کہنے کے مطابق اب بھی بمبئی کی کریمی لائبریری میں موجود ہے، یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ مولوی خیرالدین قصوری نے مہاتم (مضافات بمبئی) میں لال باڑی کے آگے ایک مسجد بنائی تھی، پھر اسی مسجد کو چھ ہزار میں ایک بقال کے ہاں رہن رکھ دیا تھا۔ دوسری طرف انہی مولانا خیرالدین صاحب کی عالی ساکھ اور بین الاسلامی رسوخ و اثر کا یہ عالم ہے کہ اب سے تقریباً نوے سال قبل

بیس لاکھ روپیہ ان کی ایک آواز پر جمع ہو جاتے ہیں جو اس ہمارے زمانہ کے وشش کروڑ کے برابر ہیں اور اس رقم سے نہر زبیدہ کی مرمت ہوتی ہے۔ ایسی بلندی، ایسی پستی!"

"یہ بات ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتے ہیں کہ درجنوں اکیڈیمیاں اور سینکڑوں دانشور مل کر بھی مولانا آزاد کے بیانات کی تحریفیں ٹھیک طور پر نہیں بٹھا سکتے اور ان کی قابلِ قبول توجیہیں نہیں کر سکتے ... ..."

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تحریروں کا تحریک پاکستان سے گہرا تعلق نہیں ہے۔ جو آپ نے ماہنامہ "فاران" سے اقتباسات کی صورت میں پیش کی ہیں۔ اس مقام پر ہم ایک جملے میں یہی عرض کریں گے، کہ پیش کردہ تحریریں مولانا کے کیریکٹر کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان سے یہ اندازہ کر لینا کچھ مشکل نہیں رہ جاتا کہ انھوں نے مہاتما گاندھی کے منشاء و مقصد کو پورا کرنے کے لیے قرآن عزیز کی گاندھوی تفسیر کیوں کی۔ ابوالکلام آزاد پاکستان کے متعلق کیا کیا فرماتے ہیں۔ پڑھتے جائیے اور اندازہ فرمائیے۔

اب آپ ایک ہندو لالہ ہردیال کا بیان ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد پاکستان کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں ہم نذرِ قارئین کریں گے۔

بیان لالہ ہردیال

"پس اگر ہندوستان کو کبھی آزادی ملی، تو یہاں ہندو راج قائم ہوگا نہ صرف ہندو راج قائم ہوگا، بلکہ مسلمانوں کی شدھی، افغانستان کی فتح وغیرہ باقی آدرش بھی پورے ہو جائیں گے!"

(روزنامہ ملاپ ۱۳ر جنوری ۱۹۲۵ء)

لفظ پاکستان سے اختلاف

"میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ پاکستان کا لفظ ہی میری طبیعت قبول نہیں کرتی اس کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا کا ایک حصّہ تو پاک ہے اور باقی ناپاک، پاک اور ناپاک کی بنیاد پر کسی قطعہ ارض کی تقسیم غیر اسلامی اور روحِ اسلام کے بالکل منافی ہے۔ اسلام اس طرح کی کوئی تقسیم قبول نہیں کرتا۔ آنحضرتؐ کا قول ہے کہ خدا نے ساری دُنیا کو میرے لیے مسجد بنایا ہے۔ علاوہ ازیں میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کی اسکیم شکست خوردگی کی ایک واضح علامت ہے۔ اس کی تعمیر جس بنیاد پر رکھی گئی ہے، وہ ہے یہودیوں کے قومی وطن کی مثال!

یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان کو بحیثیت مجموعی اپنا وطن نہیں بنا سکتے، وہ صرف اس ٹکڑے پر قناعت کریں گے۔ جو ان کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہو۔"

کانگریسیؒ امام الہندؒ اس انداز سے اور صالح مولوی مودودی کہ "مجھے ایک مربعہ زمین ہی مل جائے تو میں اسے ایسے پاکستان پر ترجیح دوں گا۔ یہ نیشنلسٹ اور صالح اسلام بہر حال دونوں ہمارے تو دشمن جان و آبرو ہی رہے۔ باقی آزاد کے اس اعتراض کا جواب کہیں آپ کو مل جائے گا۔ جہاں یہ تحریر کیا جاچکا ہے کہ حضور اقدسؐ نے بھی ابتدا میں اسلام کو بطور نظامِ حیات برپا کرنے کے لیے اپنے وطن سے ہجرت کی تھی۔

قارئین کرام جیسا کہ بارہا عرض کیا جاچکا ہے۔ یہ باب نیشنلسٹ مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ لہٰذا ہم کوششیں کر رہے ہیں کہ ہم اپنے ناظرین کو جتنی زیادہ سے زیادہ معلومات ان لوگوں کے متعلق بہم پہنچا

سکیں اتنی پہنچا ئیں یہی وجہ ہے کہ یہ باب طویل سا ہوتا جا رہا ہے ایک زمانہ میں مولوی مظہر علی اظہر احراری نے شعر کہا تھا ؎

اِک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائد اعظم ہے کہ ہے کافر اعظم

کافرہ سے احراری مولوی صاحب کی مراد حضرت قائد اعظمؒ کی مرحوم بیوی تھی جو گو ایک پارسی کروڑپتی کی لڑکی تھی لیکن شیعۂ مجتہد کے ہاتھ پر باقاعدہ مشرف بہ اسلام ہو چکی تھی اور بمبئی کے قبرستان میں ابدی نیند سو رہی تھیں اور ان کے قبول اسلام کی خبر کوئی راز نہ تھی اس وقت بمبئی کے اخبارات کے علاوہ لاہور کے سول اینڈ ملٹری گزٹ تک میں شائع ہو چکی تھی لیکن اظہر صاحب اور مولانا حسین احمد صاحب کو اصرار تھا کہ وہ "کافرہ" تھی اور خود کانگریس کے اندر جن زعمانے سول میرج کر کے غیر مسلم بیویوں کو زینت پہلو بنا رکھا تھا مثلاً ڈاکٹر خاں صاحب، مسٹر آصف علی اور مسٹر ہمایوں کبیر وغیرہ ان کے خلاف یہ زعمائے کرام اور علمائے دین بالکل خاموش تھے، بلکہ الیکشن میں انھیں کامیاب بنانے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔

ان ہیشلٹ مولویوں کو اگر کدتھی تو مسلمانوں کی ہندوستان میں الگ حیثیت اور علیحدہ وجود رکھنے والوں سے تھی اس لیے مندرجہ بالا کانگریسیوں کے خلاف کیوں لب کشائی کرتے!

اکھنڈ ہندوستان کانفرنس

لدھیانہ (پنجاب) میں "اکھنڈ ہندوستان" کانفرنس میں مسٹر منشی نے اپنے خطبۂ صدارت میں نہایت واضح الفاظ میں بتایا کہ ہندوؤں کو پاکستان کی مخالفت کیوں کرنی چاہیے:۔

۱۔ "تمام ہندوستان کے مسلمان ایک ملّتِ واحدہ اور (ہندوؤں) سے الگ قوم ہیں۔

۲۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ گوشوں میں اپنے لیے ایسے اماکن و مساکن (HOMELANDS) بنائیں جہاں زندگی اور طرزِ حکومت قرآنی اصولوں کے سانچے میں ڈھل سکے اور جہاں اُردو زبان ان کی قومی زبان بن سکے۔

مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایسا خطۂ ارض ہوگا جس میں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ چنانچہ ابھی پچھلے دنوں مسٹر سہروردی نے کہا ہے کہ ہم ملّتِ اسلامیہ کے لیے ہندوستان میں ایسے خطے چاہتے ہیں جہاں ہم دنیا کا نقشہ اپنے مذہب کے خطوط پر تشکیل کر سکیں۔"

اس کے بعد مسٹر منشی جی نے اس "قرآنی حکومت" میں غیر مسلموں کا کیا حشر ہوگا اس کا مہیب اور بھیانک نقشہ کھینچنے کے بعد اپنے مخاطبین سے کہا کہ:۔

"ایک قوم (یعنی ہندو) خواہ کتنی ہی بزدل اور غیر منظم کیوں نہ ہو وہ کبھی اسے برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کے افراد (شمشیر و سناں) کا نشانہ بنائے جائیں۔ ان کی عورتوں کی عصمت دری کی جائے اور ان کے مقدس مقامات کی بے حرمتی ہو۔"

یہ تو تھا پاکستان کے متعلق۔ اس کے بعد فرمایا کہ:۔

"تم جانتے ہو کہ "اکھنڈ ہندوستان" کے سامنے کیا مقصد ہے! اس کا مقصد وہ عظیم الشان کلچر ہے جسے ہندی کلچر کہا جاتا ہے۔ وہ کلچر جو زمانہ قبل از تاریخ میں پیدا ہوا۔ چھ ہزار برس کی مدت مدید میں بڑھتا، پھولتا، پھلتا، زمانہ کی سطح کو یوں روندتا۔ مسلسل آگے بڑھتا گیا جس طرح

اور گنگا طوفان کے وقت آ مشتی چلی جا رہی ہو۔ ہاں اس کا مقصد؟ نوع انسانی کو نجات کا پیغام دینا ہے۔ کیسا پیغام! موت کے مقابلہ میں زندگی کا پیغام۔ سفلی خواہشات پر نصب العین کے غلبہ کا پیغام۔ "جنگل کے قانون پر (جس کی دنیا پرستش کرتی ہے) اخلاقی نظام کی فتح کا پیغام۔ انسان کو مظہر الوہیت بنانے کا پیغام۔ میں جانتا ہوں کہ یہ پیغام ناقابل فنا ہے اور میں یہ جانتا ہوں کہ "اکھنڈ ہندوستان" جو اس پیغام کا ایک زندہ پیکر ہے نہ فنا ہو سکتا ہے نہ فنا ہوگا۔"

(ٹریبیون $\frac{11}{44}$ ۲)

ان کے تصریحات کے بعد

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ قومیت پرست مسلمانوں نے عوام تک پہنچ کر اس نظریۂ افتراق (پاکستان) کے خطرات سے آگاہ کیوں نہیں کیا۔ ایضاً

"آپ کو معلوم ہے کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ قومیت پرست مسلمانوں کے ایک مقتدر روحانی پیشوا (بقول مسٹر منشی) جمعیت العلماء کے رکن حضرت مفتی محمد نعیم صاحب جلسہ میں تشریف فرما تھے۔ یہ دعوت حق سن کر بے قرار ہو گئے اور بے تابانہ پکارا تھے لبیک یا منشی لبیک! گھبرائیے نہیں! پاکستان کی ہم مخالفت کریں گے۔ یہ نظریہ اسلام کے خلاف ہے۔"

(ہندوستان ٹائمز $\frac{9}{44}$ ۸)

آپ نے غور فرمایا کہ جناب مفتی صاحب اور دیگر قومیت پرست مسلمان اور جمعیۃ العلماء کس چیز کی مخالفت پر سربکف میدانِ جہاد میں اتر رہے ہیں۔ ہندوستان میں مسلم اکثریت کے علاقوں میں قرآنی حکومت کے قیام کے خلاف

اے محمدؐ اگر قیامت را برآری سر زخاک ... سر برآر و این قیامت درمیان خلق بیں

یہ تو خیر سے مفتی صاحبؒ جمعیت العلمائے ہند کے رکن تھے باہمہ ادعائے زُہد وتقدس و ادعائے علم وفضل، اور دُوسری طرف سیدھا سادھا مسلمان جب اس کے کان میں یہ طوطوتا نہ الفاظ پڑے تو جذبۂ حمیت اسلام سے تلملا اُٹھا اور ملی گڑھ سے للکارا کہ اُ اسلام کو بربریت وسبعیت کا نظام کہنے والے سن رکھ کہ

"پاکستان کا نظریہ اس اُصول پر مبنی ہے جو ہمیں اسلام نے سکھایا ہے وہ اسلام جو نہ صرف عدل وانصاف کی بلکہ غیر مسلموں سے کشادہ ظرفی کی تعلیم دیتا ہے اس لیے کہ وہ نوع انسانی ہونے کی جہت سے ہمارے بھائی کی مانند ہیں۔" (ہندوستان ٹائمز ۲۶/۴)

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

ایک دلچسپ دلیل

سندھ کے وزیر پیر الٰہی بخش صاحب نے "پاکستان" پر اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے کہا:۔

"میرے خیال میں پاکستان ناقابل عمل ہے اور ہندوستانیوں کے لیے تقسیم ہونا اور اتحاد کو توڑ دینا خودکشی کے مترادف ہوگا میں اقبال کے ان اشعار کا معتقد ہوں جن میں انھوں نے کہا ہے کہ

ہندی ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اور

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

جب ہم مسلمان ساری دنیا کو اپنا وطن قرار دیتے ہیں تو ہم ہندوستان

کے ایک حصّہ کو یہ کہہ کر کیوں چھوڑ دیں کہ یہ ہمارا وطن نہیں ہے"۔
(مسلم وائس کراچی ۲۱/۱۱/۴۶ ۱۵)

پاکستان کی مخالفت میں علامہؒ کے ان اشعار کو بطور دلیل پیش کرنا کس قدر دلچسپ ہے یعنی پیر صاحب ۱۹۰۵ء کے اشعار کو تو سند مانتے ہیں لیکن اسی اقبال نے ۱۹۳۰ء میں جو کچھ کہا اور جس کی آخری وقت تک تلقین کرتے رہے اسے سند نہیں مانتے۔

مسٹر جناح کا تدبر۔ خلوص اور کیریکٹر

اور

مولانا آزاد کلکتہ کے میدان میں نماز عید نہیں پڑھا سکتے

"مسٹر جناح کا تدبر، خلوص اور کیریکٹر کی بلندی تو ایسے مسلمات ہیں جن کا دشمن تک کو اعتراف ہے۔ ... ...

... ... یہ اعتراف ہم اس سے پیشتر کئی مرتبہ کٹر کانگریسی لیڈروں کی زبان سے سن چکے ہیں۔ حال میں مسٹر آرتھر مور مدیر اسٹیٹسمین نے اپنے مشہور مقالہ "ہماری جنگ" کے سلسلہ میں مسٹر جناح کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ہر صاحب بصیرت کے لیے حقیقت کشا شہادت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آخر اس کا راز کیا ہے کہ کل تک مسٹر جناح محض مسٹر جناح تھے لیکن آج وہ مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا ہیں؟ اس سوال کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"اس کا جواب ہم سب کے لیے اور کانگریس کے لیے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے بشرطیکہ ہم اس کا صحیح جواب معلوم کر سکیں" (اسٹیٹسمین ۲۳/۱۱/۴۶)

اس جواب کی جستجو میں وہ مختلف چیزوں کو سامنے لاتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ جہاں تک میری بصیرت میری راہنمائی کرتی ہے میں

سمجھتا ہوں کہ مسٹر جناح کی عظمت کا سب سے پہلا سبب اُن کی وہ خُداداد بصیرت ہے جو قیادت کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ جب کانگریسیوں نے وُزارتوں سے استعفٰی دیا ہے۔ مسٹر جناح کا یہ برق آسا فیصلہ کہ اس پر مسلمان "یومِ نجات" منائیں اُن کی خُداداد بصیرت اور حُسنِ تدبّر کا زندہ ثبوت ہے۔ ایسا ثبوت جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں:۔

"ایسے نازک وقت میں ایسا محکم اور اتنا جلد فیصلہ مسٹر جناح کے جوہرِ قیادت کی ایسی دلیل ہے کہ جس کا مقابلہ اگر کہیں کیا جا سکتا ہے تو مسٹر چرچل کی اس تقریر سے جو انھوں نے ۲۲ جون کو جرمنی کے روس پر حملہ کرنے کے وقت کی تھی:"

غور فرمایا آپ نے! آج ایک انگریز کے نزدیک دُنیا بھر کا سب سے بڑا سیاست دان چرچل ہے وہی انگریز مسٹر جناح کے جوہرِ قیادت کا مقابلہ کرتا ہے تو اس کی مثال میں چرچل کا وہ معرکۃ الآرا فیصلہ پیش کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ ساری دُنیا کے مدبّرین کے نزدیک درخورِ تحسین و آفرین قرار دیے گیے تھے۔ یومِ نجات کا فیصلہ ہم نے آپ نے سب نے دیکھا لیکن اس کی اصلی اہمیت و اندازہ کے لیے ایک بڑے سیاست دان کی ہی ضرورت تھی! یہ تو مسٹر جناح کے ایک فیصلے کا تعلق ہے کیا معلوم باقی باتیں جو ہماری نگاہوں میں یُونہی عام حیثیت سے آگے نہیں بڑھتیں۔ اہلِ الرائے حضرات کے نزدیک کتنی بڑی اہمیت کی آئینہ دار ہوں گی۔ یہ تو رہا تدبّر کے متعلق اب کیریکٹر کے متعلق دیکھیے۔

مسٹر منور رقمطراز ہیں:۔

"مسلمانوں میں مسٹر جناح کی بڑھتی ہوئی رفعت صرف اُن کی سیاستدانی

اور شاطرانہ انداز حرب کی وجہ سے نہیں مسلمانوں نے خود مجھ سے کہا ہے کہ اس کا اصل راز یہ ہے کہ مسٹر جناح نے اپنی تمام پبلک زندگی میں ثابت کر دیا ہے کہ وہ جاہ طلب نہیں ہیں اگر مسٹر گاندھی اس لیے دیانت دار ہیں کہ انھیں مال و متاع سے کچھ دلچسپی نہیں رہی تو مسٹر جناح اس لیے (INCORRUPTIBLE) ہیں کہ ان کے پاس (خدا کا دیا) بہت کچھ ہے اور وہ اپنے قانونی پیشہ سے معاش کی طرف سے ایک ذی وقار فارغ البالی حاصل کر چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بہت بڑی بات ہے۔"

یہ ہے مسٹر جناح کی قیادت اور عظمت کا حقیقی راز ان کا کریکٹر اتنا بلند ہے کہ وہ کسی قیمت پر بھی خریدے نہیں جا سکتے اور دنیا کی بڑی سے بڑی جاذبیت بھی انھیں اصول پرستی سے ڈگا نہیں سکی جنھیں ان کے اس مقام بلند سے حسد ہو وہ آئیں اور اپنے اندر ان سے بڑھ کر جوہر پیدا کر کے ان سے اس مقام کو چھین لیں۔ چھین لینے کی ضرورت ہی پیدا نہ ہوگی۔ جن مسلمانوں نے آج جناح کو یہ منصب دے رکھا ہے جب کوئی اور مسلمان ان سے بڑھ کر تدبر، اخلاص اور قربانی کا ثبوت دے گا، یہی مقام اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اس میں آزرد‌ہ خاطر ہونے کی کونسی بات ہے۔ ضمناً یہ بھی دیکھیے کہ مسٹر جناح نے اتنے موانع اور اسباب و ذرائع کے فقدان کے باوجود قوم کی آواز کو کس حد تک مؤثر بنا دیا ہے۔ ذرا ۱۹۳۶ء کی حالت پر مڑ کر نظر ڈالیے اور اندازہ کیجیے کہ ہماری کیفیت کیا تھی۔ من حیث القوم ہمیں کوئی پوچھتا تک نہ تھا۔ پوچھنا تو ایک طرف ہمارے الگ قومی تشخص کو کوئی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ کانگریس اور گورنمنٹ ملک میں دو ہی جماعتیں تسلیم کی جاتی تھیں اور اکثریت کی حکومت ایک مسلّمہ کی حیثیت اختیار کر چکی تھی جس میں مسلمان اقلیت کو کچھ تحفظات دیے جانے کے سوال پر غور و خوض ہوا

کرتا تھا بیکسی اور بے بسی، تشتت و انتشار کے ان مایوس کن حالات میں یہ اللہ کا بندہ اُٹھا اور اس نے اپنی ان تھک کوششوں سے اپنوں کی طرف سے ہر وقت کھٹک کے باوجود بفضل ایزدی آج حالت یہاں تک پہنچا دی کہ اکثریت کی حکومت کا تصور آج مخالفین کے نزدیک محض ایک ناقابل عمل حقیقت بن کے رہ گیا ہے چنانچہ مسٹر آرتھر مور لکھتے ہیں:۔

"ہندوستان کو بھی چاہیئے کہ جس طرح یورپ نے کیا ہے اکثریت کی حکومت کے فرسودہ خیال کو نہایت سادگی اور سکون سے خیرباد کہہ دے۔"

(اسٹیٹسمین ۱۱/۴ ۴۲)

اور دیکھئے کہ مسٹر آرتھر مور اگرچہ پاکستان کی اسکیم کے پورے طور پر حامی نہیں ہیں (وہ صوبوں کی تقسیم جدید اور تبادلہ آبادی تک کے حامی ہیں) الگ مرکز کے حامی نہیں، لیکن بایں ہمہ انہیں اعتراف ہے کہ:۔

تحریک پاکستان ہماری آنکھوں کے سامنے ماہ بماہ بڑھتی چلی جا رہی ہے یہ اس صورت میں کم ہوگی جب اس بات کو تسلیم کر لیا جائے گا کہ اقلیتوں کو ثقافتی اعتبار سے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ اتنا ہی کافی نہیں کہ مسٹر جناح سے یہ کہہ دیا جائے کہ کانگریس ایک قومی جماعت ہے فرقہ وارانہ نہیں اس لیے اس پر اعتماد کر لینا چاہیئے۔ (اسٹیٹسمین ۱۱/۴ ۴۲)

اس مقالہ میں مسٹر مور نے جناب ابو الکلام آزاد کے متعلق ایک دلچسپ بات کہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آج بھی جناب آزاد کا بہت سے مسلمانوں پر روحانی اثر ہے۔

"اگرچہ انہیں افسوس ہے کہ سیاسی وجوہات کی بنا پر انہیں اب اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ کلکتہ کے میدان میں عید کی نماز کی امامت کریں"

(اسٹیٹسمین ۱۱/۴ ۴۲)

معلوم نہیں اسے جناب آزاد کی تعریف سمجھا جائے یا مذمت مسلمانوں کی امامت کا مسئلہ مسلمانوں کی اکثریت حل کرتی ہے اور جب حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت جناب آزاد صاحب کو اپنا نمائندہ تسلیم نہیں کرتی تو ظاہر ہے کہ مسلمان اکثریت پر ان کا کوئی اثر نہیں ۔"

جامعہ ملیہ دہلی کے پرنسپل

ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب

یہ کراچی تشریف لائے تھے تو ان سے کچھ سوالات کیے گئے کہ جن میں سے ایک سوال اور اس کا جواب درج ذیل ہے:-

سوال :- پاکستان کے متعلق ایک قوم پرست کی حیثیت سے آپ کے نظریے کیا ہیں؟

جواب :- اس سوال کا جواب میں ایک قوم پرست کی حیثیت سے نہیں دینا چاہتا۔ میں ایک مسلمان ہوں اور اسلام میرے لیے شمع ہدایت ہے۔ اس وقت ایسے صوبے موجود ہیں جن میں مسلمانوں کی آبادی ۵۰ فیصدی ہے اور جن میں کم یا زیادہ مکمل سیاسی اقتدار حاصل ہے لیکن وہاں بھی وہ کیفیت نہیں پائی جاتی جو ایک تمثیلی مسلم اسٹیٹ میں ہونی چاہیے۔ اگر مطلوبہ پاکستان کو مسلم وطن بنا بھی لیا جائے تب بھی اس سے کیا فرق ہو سکتا ہے جبکہ وہاں مسلم آبادی ۶۵ فیصدی ہی رہے گی؟ اسلام ایک عالمگیر شے ہے اور اسے پاکستان جیسے تنگ رقبے میں مقید و محبوس کرنا مناسب نہیں ہے۔ سوسائٹی ایک تنظیم ہے جس کے تمام افراد کو ایک دوسرے پر اثر انداز ہونا چاہیے۔"

(انصاری ۲۰ $\frac{1}{44}$)

خط کشیدہ سطور میں ڈاکٹر صاحب نے وہی دلیل بے جواتی نیشنلسٹ مسلمان دیتے ہیں اس کا جواب کتاب میں کسی مقام پر آپ کو مل جائے گا۔

لیگ کونسل کا اجلاس

اب واردھا کی تعلیمی اسکیم جو مسلمانوں کے لیے نہایت مہلک اور نقصان دہ تھی اور جسے نیشنلسٹ مسلمان گاندھی کی خوشنودی ورضاجوئی کے لیے مسلمانوں میں پھیلا رہے تھے اس کے متعلق لیگ کونسل کا ایک ریزولیشن ملاحظہ فرمائیں۔

لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ ۲۲، فروری میں ایک ریزولیشن پیش ہوا جس کی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی نیشنلسٹ مسلمانوں کی طرف سے ملت اسلامیہ کو جس قدر نقصان پہنچا ہے اس کا کچھ حصہ تو ہنگامی تھا۔ وقتی طور پر کچھ نقصان ہوا جس کا بعد میں ازالہ ہو گیا۔ لیکن ایک نقصان ایسا بھی ہے جس کا اثر نسلوں تک مسلسل چلا جائے گا اور وہ ہے واردھا کی تعلیمی اسکیم۔ قارئین طلوع اسلام اس اسکیم سے ناواقف نہیں۔ ہر چند اس جدوجہد کی وجہ سے جس کی تحریک (بجا رہ) طلوع اسلام کی طرف سے ہوئی تھی اس مذموم اسکیم کا سیلاب بڑی حد تک رک گیا لیکن پھر بھی ان صوبوں میں جہاں ہندوؤں کا زور ہے یہ اسکیم عملی شکل اختیار کر گئی۔ اس اسکیم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مسلمان بچوں کے لیے ایسا نصاب متعین کیا جائے جس سے وہ آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر اسلام کی امتیازی خصوصیات کو بھلا کر اسے بھی اسی قسم کا مذہب سمجھنے لگیں۔ جیسا کہ گاندھی جی چاہتے ہیں اور جسے عملاً نیشنلسٹ مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے۔

جناب ابوالحسن صاحب قادری بدایونی نے اپنا ریزولیشن پیش کرتے وقت بنیادی تعلیم کی ایک اردو پرائمر سے جو یو۔پی میں بچوں کا نصاب مقرر ہے ایسے اقتباسات پڑھ کر سنائے۔ جنہیں سن کر حیرت چھا گئی۔ کہ اسلام کے خلاف کتنی بڑی سازش ہے جو اس طرح سے پھیلائی جا رہی ہے۔ بدایونی صاحب کا ریزولیشن تو صرف اتنا ہی تھا کہ اسکولوں کی درسی کتابوں میں نبی اکرم اور اکابر اسلام کا ذکر اس طور پر نہ کیا جائے لیکن مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اسے اور وسعت دی گئی اور قرار یہ پایا کہ اسے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں پیش کیا جائے۔ اس اثنا میں مختلف صوبوں کے نمائندہ حضرات اپنے اپنے ہاں کے کتب نصاب کی دیکھ بھال کریں اور اس کے بعد ایک جامع ریزولیشن مرتب کیا جائے۔ جس سے اس قسم کی سازشوں کا سدباب ہو سکے۔

ہم ارباب لیگ کی خدمت میں گذارش کرنا چاہتے ہیں۔ کہ یہ سازش ایسی ہے جس کا ازالہ ایک جامع ریزولیشن سے نہ ہو سکے گا۔ تعلیم کا مسئلہ قوم کا بنیادی مسئلہ ہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے اس وقت تک اس کی اہمیت کا احساس نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ کہ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ہمارے بچوں کے قلب و دماغ کو کس سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے اور کل کی آنے والی ملت اسلامیہ کیا بن کر ابھرے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ لیگ کے اندر ایک مستقل شعبۂ تعلیم قائم کیا جائے۔ جس کی شاخیں تمام پراونشل لیگوں میں موجود ہوں۔ اور کانگریسی اور غیر کانگریسی تمام صوبوں میں اس امر کا فیصلہ کر دیا جائے کہ کوئی ایسی کتاب مسلمان بچوں کے نصاب میں نہیں رکھی جائے گی۔ جسے لیگ کی تعلیمی کمیٹی نے منظور نہ کر دیا ہو۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہے

اور اس کا نتیجہ تمام ہنگاموں سے کہیں زیادہ محکم اور دور رس ہے۔ جن میں ہم اپنا جوش و جذبہ فضا میں منتشر کر دینے کے عادی ہو چکے ہیں۔ قوم زندہ باد کے نعروں سے زندہ نہیں رہے گی بلکہ قوم کے بچوں کو زندہ رکھنے سے زندہ رہے گی۔

(دط - ۱۱ مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۳ و ۴)

ڈاکٹر ذاکر حسین جامعی

ایک ماہر تعلیمات کو سیاسی دلدل میں پھنسانے کی کوشش

(از جناب احمد سعید یوسفی)

"ایک پرانی مثل ہے۔ کہ کتے کی دم کو بارہ برس نلکی میں رکھا جب کھولا تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی نکلی۔ یہ مثل بعینہٖ کانگرسی سیاست پر راست آتی ہے مسلمانان ہند برسوں سے چلا رہے ہیں کہ کانگرس خالص ہندو جماعت ہے انتخابات میں انھوں نے اپنی اس بات کو جامۂ عمل بھی پہنا دیا لیکن مرغے کی وہی ایک ٹانگ کانگریسی برابر یہ رٹ لگائے جاتے ہیں کہ مسلمان بھی کانگرس میں شامل ہیں اور ان کی دلداری ان کا فرض ہے۔ سیاسیات عالم میں شاید ہی اس سے بڑھ کر ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کسی قوم نے کیا ہو کہ ایک طرف تو چند مسلمانوں کا اتنا خیال دوسری طرف کروڑوں مسلمانوں کی دل شکنی اور مخالفت۔ بہرکیف کانگرس نے وائسرائے سے یہ مطالبہ کر کے اپنے سیاہ اعمالنامے میں ایک اور سیاہ ترین داغ کا اضافہ کیا ہے۔ کہ ہندو کوٹے میں سے ڈاکٹر ذاکر حسین کو بطور نششت ایک سیٹ دی جائے اس نام کی پیشکش نے یقیناً اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ کانگرس کا

صورت میں بھی اپنی نیش زنی کی عادت ترک نہیں کر سکتی۔ ڈاکٹر صاحب جیسے ایک غیر سیاسی سکول ماسٹر پر کانگرس کی نگاہیں کیوں اٹھیں! یہ معلوم ہو جانے کے بعد قارئین کرام کو بھی اسی رائے سے اتفاق کرنا پڑے گا۔ ابو الکلام آزاد۔ حسین احمد۔ عبد الغفار۔ آصف علی وغیرہ کو ڈ نیشنلسٹ جنھوں نے مسلم قوم کو تباہ کرنے میں کانگرس کی کیا کچھ امداد نہیں کی۔ آزاد نے ہندو کو خوش کرنے کے لیے قرآن مجید کے پیش کردہ دین کی شکل کو بدلا۔ اقرار رسالت محمدیہ کے بغیر گاندھی جیسے بت پرستی پر فخر کرنے والے ہندو اور منکرِ خدا کے لیے نجات کا دروازہ کھولا۔ ترجمان القرآن کو کانگرسی مفاد کے اس درجہ قریب کر دیا۔ کہ گاندھی جی نے اس تفسیر کا ہندی میں ترجمہ کرانا ضروری سمجھا۔ حسین احمد صاحب نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے جال میں پھنسانے کے لیے خطبۂ صدارت کو کتنا ؤامیں قرآن مجید کی آیات کی تاویل بالرائے کی۔ ۔ ۔ ۔ بانی نو علمائے ہند کے متفقہ فتوے کو لات مار کر گاندھی اور نہرو کی امامت کا اقرار کیا اور دار العلوم قاسمیہ میں نہرو کو بلا کر طلبائے دیوبند سے پنڈت جی کی جے اور زندہ باد کے نعرے لگوا کر حضرت قاسم نانوتوی اور حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کی ارواح کو تڑپایا۔ وہ شیخ کہ جب وہ مالٹا سے کراچی اُترے۔ تو گاندھی کی جے کا نعرہ سن کر ناراض ہوئے تھے۔

عبد الغفار نے سرحیو شوں کو کانگرس کے حوالے کر کے اسلامی عزت و شرف کو داغدار کیا۔ مسند روں پر جھنڈے لہرا کے ان کا افتتاح کیا۔ آصف علی جس کی بیوی آج تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئی۔ کیا ایسی روسیاہیوں کے بعد بھی ان کا حق نہ تھا۔ کہ

کہ کانگرس ان کا نام پیش کرتی !

رسوائے ہندوار دھا سکیم

۲۰ر جون کے زمیندار میں قارئین کرام نے یہ سُرخی ملاحظہ کی ہو گی۔ مسلمان جیلوں کو بھر دیں گے۔ لیکن واردھا سکیم نافذ نہیں ہونے دیں گے۔

کانگرس نے اپنی سکھا شاہی حکومت کے دوران میں مسلمانوں کو ہندو بنانے یا ملک بدر کرنے یا غلام اور اچھوت بنانے کے لیے جو جو چالیں وضع کیں ان میں ایک واردھا سکیم بھی تھی جسے گاندھی جی نے اپنی لائبریری اور بیت الخلا میں بیٹھ کر سوچا تھا اسکیم ہندوستان میں ابتدائی تعلیم کا ایک حل تھی۔ جس کے نتیجے کا کچھ اندازہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے اس بیان سے ہو سکتا ہے۔

"میری انجمن کا نمائندہ قصبہ پانڈھرنا (سی۔پی) کے ایک سکول میں پہنچا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ سکول کے شروع ہونے سے پیشتر ہندو اور مسلمان لڑکے سرسوتی دیوی کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کر رہے ہیں۔ مسلمان لڑکے ان مدرسوں میں بیٹھ کر سلام تک بھول گئے ہیں اور اب وہ سلام کی جگہ "نمستے" اور "رام چندر کی جے" کہتے ہیں۔" اس سکیم میں سکول کا نام ودیا مندر۔ تعلیم مخلوط۔ ناچنا گانا۔ بجانا۔ تصویریں اور بت بنانا داخل نصاب اور سب سے بڑھ کر ستم یہ کہ مذہب اسلام اور تاریخ اسلام کی تعلیم اس درجہ مسخ کہ مسلمان بچے جب فارغ ہوں تو رام رام اور بجے مہادیو کے نعرے لگاتے نکلیں۔

گاندھی کی چالاکی

گاندھی جی نے مسلمانوں کا تشخص ختم کرنے کی غرض سے اس اسکیم کی ترتیب و تدوین کے لیے مسلمانوں ہی کو منتخب کیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے پرنسپل ڈاکٹر ذاکر حسین کے سپرد یہ کام کیا گیا۔ ایک خواجہ غلام السیدین تھے جنھوں نے کشمیر میں ہندی کے رواج کے لئے ٹیکہ اپنے ماتھے پر بعد میں لگایا۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر صاحب نے واردھا میں گاندھی جی کے سامنے اس اسکیم کو پیش کر دیا اور گاندھی جی نے اس کے متعلق بڑے ناز سے فرمایا۔

"ہم نے واردھا اسکیم سے مذہبی تعلیم کو خارج کر دیا ہے کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ مذہب اختلافات پیدا کرتے ہیں۔"

انشاءاللہ۔ مذہب کو خارج کر دینے والی اسکیم کے بنانے والے شیخ الجامعہ ملیہ اسلامیہ!

اس اسکیم پر عمل درآمد کے لیے اگرچہ کانگریس اور اس کے حواری خان بہادر مولوی بشیر الدین۔ مولوی نظام الدین نظامی۔ حافظ محمد ابراہیم و ڈاکٹر سید محمود وغیرہ نے بے حد سعی کی تاہم مسلم لیگ کے راہنماؤں نے اس کے خلاف کافی پروٹسٹ کیا اور شور مچایا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ جامعہ ملیہ دہلی کی طرف سے پانچ کتابیں "نئی کتاب" کے نام سے مدرسوں میں داخل نصاب کرنے کے لیے شائع کی گئیں۔ یہ بھی واردھا اسکیم اور ودیا مندر سکیم ہی کا ایک حصہ تھا۔ ان کتابوں میں مروجہ زبان کو بدل کر ہندی الفاظ داخل کیے گئے اور مضامین میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ بچوں کے دل میں اسلام اور اسلامی معاشرت کی جگہ ہندو تہذیب۔ ہندو تمدن۔ ہندو

تاریخ و روایات کی عظمت اور خوبی نقش ہو جائے۔ سیاست میں متحدہ قومیت اور وطن پرستی پر زور دیا گیا۔ جہاں مذہبی پیشواؤں کا ذکر کیا وہاں مہاتما گوتم بدھ کا حال نہایت تفصیل سے دیا گیا زرتشت کی تعلیم میں آگ اور سورج کی پرستش کا ذکر کیا گیا حضرت مسیح کی تعلیم سے فلسفۂ عدم تشدد ذہن نشین کرایا گیا۔ رامچندر جی کے رام راجیہ کی خوبیاں بیان کیں اور کرشن مہاراج کے فلسفے کو دل کھول کر بیان کیا۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ مظلوموں کی حمایت کرنے والا ان سے بڑھ کر کوئی تھا ہی نہیں لیکن حضرت محمد صلعم کے تمام ذکر میں لفظ نبی۔ رسول اور اسلام سے پوری طرح پرہیز برتا گیا۔ حضور کی تعلیمات اور آپ کے نبی عالم اور ہادی کل ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اسلام کے پھیلنے کا واقعہ اس طرح مسخ کر کے بیان کیا گیا۔

مکے والوں پر اس مہربانی کا بہت اثر ہوا۔ انھوں نے پرانی برائیوں سے توبہ کر لی سب نیک ہو گئے۔ اور ہوتے ہوتے عرب کے سب شہروں میں نیکی پھیل گئی۔ آپ کے کارہائے نمایاں کو مختصراً یوں لکھا گیا۔

"آپ نے چالیس برس کی عمر میں اپنا کام شروع کیا اور ۶۳ برس کی عمر میں اس دنیا سے سدھار گئے۔"

کیا کام کیا اور کس کام کے لیے آئے تھے؟ اس کا کوئی ذکر نہیں۔

بمبئی کی کانگرسی حکومت نے ان کتابوں کو نصاب میں داخل کر کے جامعہ ملیہ کی مالی امداد شروع کر دی۔ یو۔ پی کی کانگرسی حکومت نے پچاس ہزار روپیہ کی کتابیں خریدیں اور ان کتابوں کو یو۔ پی کے

ابتدائی مدارس میں بچوں کو بطور تحفہ جات وانعامات تقسیم کیا گیا آج بھی دہلی میں جا کر جامعہ ملیہ کے طلباء کو دیکھئے اور خود ڈاکٹر صاحب کے سر پر تو ہی کھدر کی ٹوپیاں آپ کو نظر آئیں گی یہ ہیں وہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جنہیں کانگرس کے صاتا؛ در کانگرس کے دانشرتی وائسرائے کی مجلس عاملہ میں بھیجے جانے کے لیے زور لگا رہے ہیں کاوش کر رہی کانگرس اب بھی عقل سے کام لے۔ مسلمان بفضل خدا و نمر تعالیٰ تا ئ۔! انکم مدظلہٗ کی خدا داد فراست سے ہوشیار ہو چکا ہے وہ دیوبند کے مولانا اور جامعہ ملیہ کے شیخ دونوں سے خوب واقف ہے۔" (روزنامہ زمیندار لاہور ۲۳)

نوٹ:۔ جناب یوسفی صاحب سٹی مسلم لیگ ارصیانہ کے سیکرٹری تھے اور آجکل چیلز کالونی لائلپور میں رہائش رکھتے ہیں۔ (مرتب)

واردھا تعلیمی سکیم

واردھا تعلیمی سکیم کیا تھی ہمارے قارئین کرام ان سطور سے اس کی روح کو بخوبی سمجھ سکیں گے۔

صدر کمیٹی ـــــ ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ (حال نائب صدر ہندوستان)

اس تعلیمی سکیم کی جو رپورٹ ڈاکٹر ذاکر حسین نے گاندھی جی کی خدمت میں پیش کی اس میں لکھا گیا:۔

ہم یہ رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے سچے دل سے امید کرتے ہیں کہ آپ کی رہنمائی میں یہ اسکیم ہمارے ملک میں تعلیم کے ایک اچھے نظام کی بنیاد ہوگی۔ (صفحہ ۱۰۸)

مذہب کے متعلق درج ہے:۔

"دنیا کے مذہبوں کے اُصول بتا کر یہ ثابت کیا جائے کہ خاص خاص باتوں میں سب مذہب ایک ہیں۔" (صفحہ ۱۱۹)

اس سکیم کے بارے میں گاندھی جی کا اخباری بیان راشٹریہ کال بابت ۰ جون ۱۹۳۶ء

"ہم نے واردھا سکیم میں سے مذہبی تعلیم کو خارج کر دیا ہے۔ کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ مذہب کی تعلیم جس طرح آجکل دی جاتی ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے وہ بجائے اتحاد کے اختلاف پیدا کرتی ہے لیکن اس کے برعکس میرا یہ خیال ہے کہ سچائیاں جو ہر ایک مذہب میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں بچوں کو پڑھائی جا سکتی ہیں اور ضرور پڑھائی جانی چاہئیں۔"

رپورٹ صفحہ ۱۱۹۔

جن لوگوں نے قوموں کو آزاد کرایا ہے اور امن کے ذریعے فتح حاصل کی ہے ان کی کہانیاں اس میں خاص طور پر ہونی چاہئیں۔ انسانوں کی زندگی کے ایسے سبق سکھانے چاہئیں۔ جن سے اہنسا اور اس کے ساتھ غریبوں کا اہنسا دھیرے اور دغا سے اچھا ہونا ثابت ہو۔

اس کے جواب میں مسلمان کا مقام بزبان علامہ اقبال یہ ہے کہ

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت	یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم	دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

باب چہارم (معاشرت)

گانا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ بچوں کو اچھے گیت یاد ہو جائیں اور انہیں اچھے گانے کی پہچان اور شوق ہو جائے۔ بچوں میں تال کا جو قدرتی احساس ہوتا ہے۔ اُسے ترقی دینے کے لیے دونوں ہاتھوں سے تالی دینا سکھایا جائے۔

(صفحہ ۱۲۳)

گاندھی جی کا بیان

۱۹۳۸ء

اسٹیٹسمین، ۱۷ جولائی ۱۹۳۸ء نیز ہندوستان ٹائمز ۱۷ جولائی

"مختلف طبقات و مذاہب کے بچوں میں رواداری اور دوستی کی جو شمع پیدا ہو رہی ہے اس کے پیش نظر میں اس بات کو سخت مہلک سمجھتا ہوں کہ ان کو یہ سکھایا جائے کہ ان کا مذہب دیگر مذاہب پر برتری رکھتا ہے یا جس مذہب کے وہ قائل ہیں۔ ان کے نزدیک بس وہی سچا مذہب ہے۔"

واردھا تعلیمی اسکیم کے نتائج

گاندھی جی کے نام بابائے اُردو مولانا عبدالحق (مرحوم) کا خط

"انڈین نیشنل کانگرس کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ وہ اقلیتوں کی زبان و تہذیب کی محافظ ہے۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا۔ کہ میری انجمن کا نمائندہ قصبہ پانڈھرنا (ضلع چھندواڑہ) کے مدرسے میں پہنچا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُس نے یہ دیکھا کہ اسکول کے شروع ہونے سے پیشتر ہندو اور مسلمان لڑکے سرسوتی کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کر رہے ہیں۔ مسلمان لڑکے ان مدرسوں میں پڑھ کر سلام تک بھول گئے ہیں وہ سلام کی جگہ "نمستے" اور "رام جی کی جے" کہتے ہیں۔ کیا زبان اور تہذیب کی حفاظت کے یہی معنی ہیں۔

مہاتما جی! ہم نے ہر جائز اور آئینی کوشش کر کے دیکھ لیا۔ آپ سے یہ آخری گزارش ہے۔ اور اس کے بعد بھی اگر کوئی شافی جواب نہ ملا تو میں آپ کو بصد عاجزی متنبہ کرتا ہوں کہ پھر مسلمانوں کے لیے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہ رہے گا۔ کہ وہ آپ ہی کے ہتھیار آپ کے مقابلے میں استعمال کریں۔"

(بحوالہ ماہنامہ ہمایوں بابت اکتوبر ۱۹۳۶ء)

ذرا آگے چل کر رقمطراز ہے۔

"کاپیاں لکھی جا چکی تھیں کہ جریدہ اسٹیٹسمین کی ۱۴ فروری کی اشاعت مقالہ افتتاحیہ سامنے آیا۔ ان ابتدائی صفحات میں اس تحریک کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ جو نان پارٹی (یعنی سپرو) کانفرنس کی طرف سے معرض وجود میں آرہی ہے اور جس میں ایک نئے بھیس میں ڈھونگ کیا جا رہا ہے۔ جو کانگریس اور مہاسبھا کے متشدد ہندو کرنا چاہتے ہیں یعنی ہندوستان میں اکثریت کی حکومت اس کانفرنس کی اس روش کے خلاف مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے اپنے ۲۰ فروری کے اجلاس میں ایک نہایت موزوں اور برمحل قرارداد پاس کی ہے۔ جو اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ اس قرارداد کے خلاف جریدہ اسٹیٹسمین نے محولہ صدر مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ اگرچہ اس مقالہ میں صاف صاف الفاظ میں یہ نہیں کہا گیا لیکن قرائن سے صاف نظر آرہا ہے۔ کہ ہندوستان میں عنقریب آئینی تغیرات ہونے والے ہیں اور ان تغیرات کی اساس اغلباً سپرو کانفرنس کی تجاویز ہیں۔ وقت نہیں کہ ہم اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کر سکیں لیکن اس عجلت میں جریدہ اسٹیٹسمین پر اتنا واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلم لیگ نے اپنے ریزولیشن میں جو کچھ فیصلہ کیا ہے وہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے نمائندے وہ چند خودغرض افراد نہیں جنہیں سامنے رکھ کر یہ کہا جا رہا ہے۔ کہ ملت اسلامیہ ایک منتشر قوم ہے جس کے اندر یک رنگی اور ہم آہنگی نہیں خودغرض افراد کس قوم میں نہیں پائے جاتے۔ یاد رکھیئے کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان کامل یک جہتی اور ہم آہنگی سے جناب جناح کے

ساتھ ہیں اور ان کے ایک ادنیٰ سے اشارے پر بڑی سے بڑی قربانی کر دینے پر آمادہ ہیں۔ جریدہ اسٹیٹسمین نے طعن دیا ہے کہ لوگوں کو جلوسوں، پھولوں کے ہاروں اور تقریروں سے فریب نہیں کھانا چاہیے۔ ہم اس فریب خوردہ معاصر کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس بھول میں نہ رہے کہ یہ جلوس۔ پھولوں کے ہار اور تقریریں محض رسمی ہیں۔ مسٹر جناح کی عظمت اور توقیر مسلمانوں کے دل کے عمیق ترین گوشوں میں گھر کر چکی ہے اور یہ مظاہرے اس گہری عقیدت کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اگر معاصر مذکور یا اس کے ہم خیال حضرات امتحان لینا چاہتے ہیں۔ مسٹر جناح کے مقابلہ میں کسی اور کو کھڑا کر کے دیکھ لیں۔ نتیجہ ظاہر کرے گا کہ نمائندہ کسے کہتے ہیں۔ ہم اس حقیقت کو پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ مسلم لیگ کے مطالبات مسلم انڈیا کے مطالبات ہیں اور ان کو ٹھکرانا دس کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو ٹھکرانا ہے۔ مسلمان کسی ایسے سیاسی آئین کو قبول نہیں کر سکتے جس میں ان کی حیثیت ایک قوم کی بجائے ایک فرقہ کی ہے۔ یہاں دو بڑی قومیں بستی ہیں۔ اقلیت اور اکثریت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ جب تک اس حقیقت کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہندوستان کی آئینی گتھی کے سلجھاؤ کی کوئی صورت نہیں پیدا ہو سکتی۔

ہم اس موقعہ پر مسلمانوں کے ان نمائندوں کی توجہ بھی اس طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں جن کی آواز ایوانِ حکومت میں مسلمانوں کی آواز سمجھی جاتی ہے کہ وہ اس نازک وقت میں اپنی کامل ذمہ داری کے احساس کو فراموش نہ فرماویں اور ارباب حکومت کو قوم کے صحیح جذبات و احساسات سے آگاہ فرمائیں۔ یہ قوم کی بھلائی کی

تمائندگی ہوگی اور ان کی ذمہ داری کی صحیح سرانجام دہی بھی۔"
(ط-۱ مارچ ۱۹۴۲ء صفحہ ۸ و ۹)

روزنامہ انقلاب ۱۵ فروری

"جب مسلمان اور ہندو ایک قوم نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں تو پھر کیوں مسلمانوں کی حفاظت کا مستقل بندوبست نہ کیا جائے؟ اس حفاظت کا صحیح ترین مرقع لیگ کی قرارداد لاہور ہے۔ جس کا مدعا یہ ہے کہ ہندو اپنی اکثریت کے صوبوں میں اپنا جائز حق حاصل کر لیں۔ اقلیتوں کی حفاظت کے لیے دونوں قومیں ایک سمجھوتہ کریں اور اس پر عمل پیرا رہیں۔ مرکز کو بالکل اڑا دیا جائے اس لیے کہ مرکز محض ہندوؤں کے اقتدار عامہ کی ایک دستاویز ہے۔ جسے مسلمان کسی حالت میں بھی قبول نہیں کر سکتے۔"

قائداعظم

اگرچہ سر نہ تراشد قلندری داند

"ایسی آنکھ مشکل مل سکے گی جو تاریکی کے جانے اور روشنی کے آنے کے درمیانی لمحہ کو بھانپ سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ہر دو مراحل کے درمیان حد فاصل ہوتی ہی نہیں۔ ایک چمک ہے جونہی وہ پیدا ہوئی اندھیرا غائب ہوگیا۔ خواہ وہ اندھیرا سالہا سال کا بھی پرانا کیوں نہ ہو۔ قلب و دماغ کی دنیا میں اس کا نام انشراح صدر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ علم ہی وہ نور ہے جس کے آنے سے جہالت کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے۔ لیکن علم کے لیے ضروری نہیں کہ وہ انسانوں کے متعین کردہ نصاب کے چکروں سے گذر کر ہی حاصل ہو۔

اگر اللہ تعالےٰ کسی کو قلبِ سلیم اور ذہن رسا عطا فرمائے۔ تو ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی مادی نور سے ایک بار گذرنے سے ہی اس کی نگاہوں میں وہ بصیرت پیدا ہو جائے۔ جو حقیقت اشیاء کو بے نقاب اور رموزِ دین کو اس طرح بے پردہ دیکھ لے جو دوسرے کو عمر بھر کی ورق گردانی کے بعد میسّر نہ آ سکے۔ اس قسم کے انشراحِ صدر اور کشف غطاء کی بہت سی مثالیں سامنے آ سکتی ہیں لیکن ان میں نزدیک ترین مثال وہ ہے۔ جو ناخدائے کشتی ملت جناب محمد علی جناح کی نگہِ حقیقت بین میں بصیرت قرآنی بن کر چمکی ہے۔ جناب جناح کے خلاف کتاب خواں طبقہ کی طرف سے جو اپنے آپ کو حقائق دینی کا واحد اجارہ دار سمجھتا ہے ہمیشہ یہ اعتراض عائد کیا جاتا ہے کہ مسٹر کیا جانے دین کسے کہتے ہیں؟ اس میں شبہ نہیں کہ اگر دین کو جاننے سے مفہوم یہ ہے کہ وہ کافیہ قطبی پڑھا ہوا ہے یا نہیں تو بے شک مسٹر جناح "دین" سے ناواقف ہے لیکن اگر سوال یہ ہے کہ وہ دین کی حقیقت سے واقف ہے یا نہیں تو بلا تأمل کہا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اس باب میں اپنے اس مخلص بندے کو وہ بصیرت فرمائی ہے۔ جس کے لیے ہمارے بڑے بڑے وہیان علم شریعت کو دعائیں مانگنی چاہئیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ آج ہمارا "علماء کرام" کا طبقہ اپنے اس "علم دین" پر ناز کرتا ہے جو انھیں یہ سکھا رہا ہے کہ ہندوستان میں مغربی اصول جمہوری کی بنا پر ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ حکومت "قائم" کی جائے جس میں اکثریت کے فیصلے قانون کی حیثیت اختیار کریں۔ باقی رہا اسلام سو اگر مسلمانوں کو نماز روزہ کی اجازت حاصل ہو جائے تو بس مقصد حاصل ہو گیا!! اس کے برعکس یہ دیکھئے کہ مذہب اور اس کے لوازم

کے متعلق یہ مسٹر کیا کہتا ہے اور اس کے بعد فیصلہ کیجیے کہ رموز دین سے یہ طبقہ علماء کرامؒ واقف ہے یا مسٹر محمد علی جناح۔

۱۹ اگست ۱۹۴۱ء کو جناب جناح حیدرآباد تشریف لے گئے وہاں بعض نوجوان طلبا نے ان سے کچھ سوالات کیے۔ اس مکالمہ کو مسٹر محمود علی صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) نے محفوظ کر لیا اور اب اورینٹ پریس کی وساطت سے شائع ہوا ہے یہ مکالمہ انگریزی زبان میں ہوگا۔ لیکن اخبارات میں اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔ ہمارے سامنے انقلاب ۸ر فروری ۱۹۴۲ء کا پرچہ ہے۔ ترجمہ کی زبان میں کہیں کہیں الجھاؤ نظر آتا ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ ان مقامات میں سلاست پیدا کر دی جائے ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے کہ دین کے متعلق مسٹر جناح کے کیا خیالات ہیں۔

سوال:۔ مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب:۔ جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور قوم کے محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں ہے۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی سیاسی ہو یا معاشی غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں، جو قرآنی تعلیمات کے احاطے

باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لیے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے۔ اس سے بہتر تصور نا ممکن ہے۔

سوال:۔ اس سلسلہ میں اشتراکی حکومت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:۔ اشتراکیت۔ بالشویت یا دیگر اسی قسم کے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط اور تناسب و توازن نہیں پایا جاتا۔

سوال:۔ ترکی حکومت تو ایک لادینی اسٹیٹ ہے۔ کیا اس سے اسلامی حکومت مختلف ہے؟ آپ کا اس باب میں کیا خیال ہے؟

جواب:۔ ترکی حکومت پر میرے خیال میں لادینی حکومت کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی اب رہا اسلامی حکومت کے تصور کا امتیاز سو یہ بالکل واضح ہے۔ اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کے لیے تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ اور حکمرانی کے لیے (آپ جس نوعیت کی بھی چاہتے ہوں) بہرحال آپ کو طاقت اور سلطنت کی ضرورت ہے۔

سوال :۔ وُہ سلطنت ہمیں ہند میں کس طرح نصیب ہو سکتی ہے ؟

جواب :۔ مسلم لیگ۔ اس کی تنظیم۔ اس کی جد و جہد۔ اس کا رُخ اس کی راہ سب اس سوال کے جواب ہیں۔

سوال :۔ جب آپ اسلامی اُصول کے نصب العین اور طریقِ کار دونوں میں بہترین اور برترین کا یقین رکھتے ہیں اور آج یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے خود مختار رہتے اس لیے مطلوب ہیں کہ وہ اپنے مذہبی میلانات اور تصورات زندگی کو بلا روک ٹوک بڑھنے کا اور رو بہ ترقی لا سکیں۔ تو پھر اس میں کونسا امر مانع ہے کہ مسلم لیگ زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ اپنی جد و جہد کی مذہبی تعبیر و تشریح کرے۔

جواب :۔ سر دقت یہ ہے کہ جب اس جد و جہد کو مذہب سے تعبیر کیجئے تو ہمارے علماء کی ایک جماعت بغیر اس بات کے سمجھنے کے کہ کام کی نوعیت تقسیم عمل اور اس کا اصل مقصد کیا ہیں۔ ان اُمور کو صرف مولویوں کا اجارہ خیال کرتی ہے اور اپنے حلقہ سے باہر اہلیت و استعداد کے باوجود میں یا آپ میں (یعنی کسی اور میں) اس خدمت کے سرانجام دینے کی کوئی صُورت نہیں دیکھتی۔ حالانکہ اس منصب کی بجا آوری کے لیے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے انھیں میں ان مولوی صاحبان میں (الا ماشاء اللہ) نہیں پاتا (اور پھر مشکل (امر در مشکل یہ کہ) وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔"

"ان تصریحات پر غور فرمائیے اور پھر سوچئے کہ کیا دین یہ ہے جسے مسٹر جناح پیش کر رہے ہیں یا وہ جو غیر سے علماء کرام کی جمعیت کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے وہ دین جس میں امتزاج بولہبی و مصطفوی

سے ایک ایسی متحدہ قومیت کی تشکیل کی جا رہی ہے۔ جس کی آزادی میں طاغوتی اکثریت کا نظام حکومت کارفرما ہوگا۔ اس کے برعکس مسٹر جناح کا دین یہ ہے کہ اطاعت و وفاکیشی میں مرجع صرف خدا کی ذات ہے اور اس کی تعمیل کا مرکز قرآن کریم کے احکام ہیں۔ مسلمان نہ کسی بادشاہ کا محکوم ہو سکتا ہے نہ پارلیمان کا۔ نہ کسی شخص کا نہ ادارہ کا بلکہ وہ صرف اپنے خدا کا محکوم ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی احکام و اصول کی حکومت ہے۔ اور یہی وہ حکومت ہے جس کے لیے مسلم لیگ برسرپیکار ہے۔ تو یہ ہیں علماء کرام یہ ہے مسٹر جناح۔ اگر یہ خدا کی دین نہیں تو اور کیا ہے۔ سچ کہا تھا کسی نے کہ

زسومنات جناح دز کاشمیر اقبال
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

ان تصریحات کے بعد غور فرمائیے کہ مسلم لیگ کی مخالفت دین خدا وندی کے تمکن و ترویج کی مخالفت ہے یا کوئی نیک کام اور یہ بھی کہ ایک ایسی جماعت کی موجودگی میں جس کا نصب العین یہ ہو۔ کسی اور جماعت کی تشکیل ملت میں تشتت و افتراق ہے یا اصلاح وغیرہ (ط۔ ا صفحہ ۲۵ تا ۲۸ ۱۹۴۲ء)

جمعیت العلماء

"انسان کی نفسیاتی کیفیت بھی عجیب ہے۔ اصولاً کسی سے پوچھیے تو بلا تامل کہہ دے گا۔ کہ ہر شخص سے غلطی کا امکان ہے لیکن بہت کم ایسے ملیں گے۔ جو اپنی غلطی کا اعتراف کھلی پیشانی سے کریں بالعموم ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی غلط بات کسی وقت کسی جذبہ یا خیال کے ماتحت منہ سے نکل جاتی ہے۔ تو اس کے بعد وہ پردہ کی کوشش کرتا ہے

کہ کسی نہ کسی طرح اسے صحیح تسلیم کرا دے۔ اس سعی لاحاصل میں اس فریب خوردگی اور فریب دہی کے ایسے ایسے مظاہرے ہوتے ہیں کہ جس پر ساری دُنیا ہنستی ہے لیکن اس سے اور چڑ سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ساری دُنیا کے خلاف اس کے دل میں انتقام کی آگ شعلہ زن ہو جاتی ہے۔ کچھ وقت کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ یا تو قلب میں سکون پیدا ہو جانے کی وجہ سے یا خارجی احوال و ظروف کی بنا پر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں آزمائش کی یہ گھڑی بڑی نازک اور کٹھن ہوتی ہے غلطی کے اعتراف میں اپنی خودی کے (غلط تصور) کو ٹھیس لگتی ہے جس شد و مد سے اپنے غلط خیال کو صحیح ثابت کرنے میں تگ و دو کی تھی وہ تمام مراحل ایک ایک کر کے سامنے آ جاتے ہیں۔ پھر نام کی شہرت۔ معتقدین کا خیال۔ گرد و پیش کے لکھیوں کے اشارے۔ یہ تمام تصورات جمع ہو کر اعتراف حقیقت میں گلوگیر ہو جاتے ہیں۔ ایسے واقعات میں اگر اللہ کی توفیق شامل حال ہو جائے تو انسان ان تمام ذہنی موانع کو جھٹک کر الگ کر دیتا ہے اور نہایت کشادہ دلی اور وسیع النظری سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا ہے اور اس کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ جھوٹی عزت کا زعم باطل جو اعتراف حقیقت میں یوں عناں گیر ہو رہا تھا اس کی اصل اس کے دماغ کے ثبت کردہ سے باہر کہیں کچھ بھی نہ تھی لیکن اگر اسی کشمکش کے عالم میں یہی باطل تصورات انسان کے قلب و دماغ پر چھا جائیں تو وہ کبھی اعتراف حقیقت نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی غلط روش پر پہلے سے بھی زیادہ شدت سے کاربند رہتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ راہ اسے ہلاکت و بربادی کے مہیب غار میں دھکیل دیتی ہے۔

ارباب نظر دیکھ رہے ہیں۔ کہ ہمارے علمائے کرام کی جماعت

آجکل ایسی ہی نفسیاتی کشمکش میں گرفتار ہے اور اس کی کھلی ہوئی دلیل جناب حسین احمد صاحب مدنی کا وہ خطبہ صدارت ہے جو انھوں نے جمعیت کے گذشتہ اجلاس (لاہور) میں ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں علاوہ اس پریشانی تحریر کے جو صاحب تحریر کی قلبی کیفیت کا غماز ہے۔ خیالات کا تضاد اس ورطہ کی طرف صاف صاف اشارہ کر رہا ہے۔ جہاں پہنچ کر انسان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ

ایمان مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

ہندوستان کا وہ کون سا مسلمان ہے جسے ۱۹۳۸ء کا وہ تأسف انگیز واقعہ نہ یاد ہوگا۔ جب مدنی نے یہ ارشاد فرمایا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں"۔ اسلام کے پیش تر عہد جاہلیت کے بولہبی افسانہ کہن کی پھر سے یاد تازہ کردی تھی اور یہ بھی کسے نہ یاد ہوگا کہ حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ نے انھیں کس طرح اپنے مخصوص انداز میں اس پر متنبہ فرمایا تھا لیکن قوم کی بدبختی کہ بجائے اس کے جناب مدنی اس تنبیہ سے اپنی غلطی کا اعتراف فرمالیتے۔ انھوں نے ضد اور کد کی راہ اختیار فرمائی اور اس تین چار سال کے عرصہ میں مسلمانوں کی بہت سی کوششیں جو اپنی تعمیر میں صرف ہونی تھیں ان کی اس غلط روش سے پھیلنے والے زہر کے ازالہ میں ضائع ہوگئیں۔ لیکن ہمیں خوشی ہوئی کہ واقعات نے جناب مدنی کو ان کی غلطی کے احساس پر مجبور کردیا اور انھوں نے بالآخر محسوس کرلیا کہ نی الواقعہ قومیں اوطان سے نہیں بنتیں بلکہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان اپنے جداگانہ تصور حیات (یعنی دینی اساس) کی بناء پر ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے خطبہ صدارت میں ارشاد فرمایا ہے۔

"ہندوستان کے داخلی مسائل میں مسلمانوں کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ گذشتہ ایک صدی سے ہندوستان میں برطانیہ کی حکمت عملی نے مسلمانوں کو بھی ہندوستان کی اقلیتوں میں داخل کرکے اُن کے متعلقہ مسائل سے وابستہ کر دیا۔ برطانوی سیاسیین و مدبرین ہمیشہ مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت کی صف میں شمار کرنے اور ان کے معاملے کو اقلیتوں کے معاملات میں شامل کرنے کے عادی ہو گئے ہیں اور اسی برتاؤ پر ہندوستان کی غیر مسلم قومیں بھی ہندوستان کے سیاسی مستقبل میں مسلمانوں کے ایک طبقے کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہو گیا کہ وہ ہندوستان میں ایک سیاسی اقلیت ہیں اور اسی وجہ سے وہ تمام اندیشے اور وسوسے اور خطرات ان کے دلوں پر چھا گئے جو ایک اقلیت کو اپنی زندگی اور انفرادیت کے متعلق اکثریت کی طرف سے پیش آتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان کی مجموعی مردم شماری میں تعداد کے لحاظ سے مسلمان بھی عددی اقلیت میں ہیں لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ خالص خود ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد یورپ کے کسی بڑے سے بڑے خطے کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے۔ نیز ہندوستان کی تعمیر میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ ہندوستان میں ان کی تعداد نو اور دس کروڑ کے درمیان ہے تہذیب اور ثقافت کے لحاظ سے وہ اہم خصوصیات کے مالک ہیں۔ جغرافیائی حیثیت سے انہیں قدرتی استحکام حاصل ہے۔ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چار میں وہ اکثریت رکھتے ہیں۔ اور اگر صوبوں کی از سرِ نو تحدید اور توسیع کی جائے تو وہ تیرہ مجوزہ صوبوں میں سے چھ صوبوں میں اکثریت حاصل کر لیں گے۔ ان تمام حالات میں بھی اگر مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت قرار دے کر دیگر اقلیتوں میں انہیں شامل کر دیا جائے تو اس سے زیادہ سیاسی غلطی

اور کیا ہو سکتی ہے اور اس سے بڑا اور کیا فریب دُنیا کو دیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۳۸ء میں یونہی جناب مدنی کے مُنہ سے ایک بات نکل گئی جس کی زد میں وہ آ گئے ورنہ وہ تو اس سے پہلے ۱۹۲۸ء میں بھی اس حقیقت کے قائل تھے کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر متحدہ قومیت نہیں بنائی جا سکتی۔ چنانچہ جناب مدنی نے ۱۹۲۸ء میں جناب شوکت علی صاحب (مرحوم) کے نام اپنی ایک چٹھی میں تحریر فرمایا تھا:

"چونکہ مسلمان ہندوستان میں اقلیت ہیں اور ہندو اکثریت میں اور ان کی اکثریت بھی غیر معمولی ہے اور تین اور ایک کی نسبت ہے اور ان کی یہ حالت ہے کہ آج تک ڈاکٹر مونجے صاحب بھی فرما رہے ہیں کہ "یہ سرزمین کسی مسلمان یا کسی فرقہ کی زمین نہیں ہے یہاں جو راج قائم ہوگا وہ ہندو راج ہوگا۔ مجھے کروڑوں ہندو رضاکاروں کی ضرورت ہے" جو مظالم آئے دن دفتروں میں، شہروں میں اور ریاستوں میں کیے جا رہے ہیں اور جس تعصب اور عدم رواداری کا ثبوت حسب تصریح جناب "ہندو ورتا" گاندھی جی اور نہرو صاحب نے دیا ہے ان کی بنا پر ہم کسی طرح بھی اپنے اہنائے وطن کے ساتھ متحدہ قومیت کی توقع نہیں کر سکتے۔"

یہ الگ بات ہے کہ جناب مدنی ہندوؤں کی تنگ نظری اور شقاوت قلبی کی بنا پر اسی نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ان سے متحدہ قومیت کی توقع نہیں رکھی جا سکتی اور حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنی بصیرتِ قرآنی سے اس حقیقت کو بے نقاب دیکھ لیا تھا کہ کفر اور اسلام (یعنی مسلم اور غیر مسلم) کے امتزاج سے کبھی ایک قوم بن ہی نہیں سکتی۔ ایسا تصور کسر غیر اسلامی (یعنی کفر) ہے۔ بہرحال ہمیں خوشی ہوئی کہ جناب مدنی نے اب

حقیقت کا احساس فرمایا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت ایک قوم کی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اب دوسرا مسئلہ لیجئے ۱۹۳۸ء میں جناب مدنی نے ارشاد فرمایا تھا:۔

"ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی پارسی سب شامل ہوں حاصل کرنے کے لیے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہیئے ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے اور اسلام ایسی آزادی کی اجازت دیتا ہے؟"

(زمزم ۲ جولائی ۱۹۳۸ء)

یعنی پہلے جناب مدنی صاحب کے نزدیک ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی۔ (مسلم و غیر مسلم) کی مشترکہ حکومت کسی صورت میں بھی اسلام میں جائز قرار نہیں دی جا سکتی۔ باقی رہی مغربی جمہوریت سو وہ بھی انسانیت کے لیے لعنت اور درحقیقت نعاب پلوشی استبداد ہے۔ جناب مدنی نے اس کی بھی بڑی شدت سے مخالفت کی اور ارباب ذوق سے پوشیدہ نہیں کہ اس مخالفت میں انھوں نے کیا کیا۔ کیونکہ وہ دور ۱۹۳۶ء کا تھا۔ اب دیکھیے کہ ۱۹۴۲ء میں آپ کا کیا خیال ہے جمہوریت کے متعلق ارشاد ہے:۔

"شخصی حکومتوں اور ملوکانہ جبر و استبداد اور حاکمانہ خود غرضیوں اور شہوت پرستیوں وغیرہ کی وجہ سے عالم انسانی پر جو بربادیاں اور ہلاکت کے پہاڑ ٹوٹا کرتے تھے۔ اس سے تنگ آکر انسانی دنیا نے انقلابات کے دروازے کھولے اور جگہ جگہ جمہوری نظام جاری کیا گیا اگرچہ بعض ممالک میں شاہی خاندانوں کو بھی باقی رکھا گیا مگر ان کو اس قدر بے دست و پا کر دیا گیا تھا کہ نظم و نسق اور عام رعایا کے متعلق کسی قسم کے تصرت کا اختیار باقی نہیں رکھا گیا تھا۔ یہ جمہوری

نظام اگرچہ ظاہری نظر میں عام انسانوں کے لیے خوش کن تھا اور ممکن تھا کہ ابتدائی مراحل میں اس میں پوری طرح ہر عام و خاص غریب و امیر کا لحاظ بھی رکھا گیا ہو۔ مگر اقتدار کے قائم ہوتے ہی پرالوہی اور سرمایہ پرستی کا غلبہ ہو گیا۔ غربا اور مزدوروں کے خون و پسینہ سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ نظام میں اس قدر سرمایہ پرستی۔ خود غرضی اور یورپین قومیت کی لعنت گھس گئی کہ عام انسانی دنیا شخصی حکومتوں سے اس قدر ہلاکت اور بربادی کا شکار نہیں ہوئی جتنی کہ اس فرعونانہ جمہوریت اور نام نہاد خدمتِ خلق سے ہونے لگی۔ بالآخر عالم انسانی میں دوبارہ انقلاب کا نشو و نما ہوا اس غلط اور برباد کن جمہوریت کے نظام کو توڑنے اور اس کو مٹا دینے کے ولولے ظہور پذیر ہوئے؟!

یعنی وہی جو ۱۹۳۶ء میں حضرت علامہؒ نے ارشاد فرمایا تھا لیکن جناب مدنی کا سینہ احساس غلط روی اور اعترافِ حقیقت کی جس کش مکش کی آماجگاہ بن رہا ہے۔ اس کا مظاہرہ اس تضاد سے ہوتا ہے۔ جو چند ہی صفحات کے بعد ہماری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ اپنے خطبے کے صفحہ ۲۰ پر "اٹلانٹک کے نوشتہ" کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

"جب مسٹر چرچل نے اعلان کیا تھا کہ جنگ کے بعد کمزور قوموں کو آزادی دی جائے گی۔ تو ہندوستان کی مردہ امیدوں میں پھر زندگی کی ایک لہر پیدا ہوئی اور یہ خیال کیا گیا کہ جنگ کے بعد دنیا میں زندگی۔ آزادی اور جمہوریت کا جو نیا نظام قائم کیا جائے گا۔ ہندوستان بھی اس نظام میں اپنا باعزت مقام حاصل کرے گا۔"

یعنی ابھی ابھی مغربی جمہوریت کو انسانیت کی لعنت بتایا جا رہا تھا اور ایک ہی سانس کے بعد ارشاد ہے کہ اس احساس سے کہ

"جنگ کے بعد ہندوستان جمہوریت کے نئے نظام میں باعزت مقام حاصل کرے گا۔ ہندوستان کی مُردہ امیدوں میں زندگی کی ایک لہر پیدا ہو گئی"۔

اب دوسری شق لیجئے یعنی کیا مسلم و غیر مسلم کی مشترکہ حکومت کا تصور اسلامی ہو سکتا ہے۔ جناب مدنی کا ۱۹۴۲ء کا خیال ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہے:۔

"اس لیے اُس خالق اکمل رب العٰلمین کا بنایا ہُوا انسانی نظام ہر خاص و عام اور ہر فرد و جماعت کے لیے مفید اور کارآمد اور انسانی منفعت کا کفیل ہو سکتا ہے نہ کہ انسانوں کا خود ساختہ نظام"۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

"اس اصول نے صاف طور پر یہ بھی روشن کر دیا کہ کوئی امیر یا سلطان نہ مطلق العنان ہے اور نہ صرف اپنے خاندان یا کسی پارٹی کا نمائندہ ہے اور نہ کسی استبدادی آمریت کا مالک ہے بلکہ وہ خداوند کریم کا نائب اور خدائی قانون کو نافذ کرنے والا حاکم ہے اور اسی قانون کے ماتحت جوابدہ اور مسئول ہے"۔

پھر ارشاد ہے:۔

"بہرحال آج ہم تمام دُنیائے انسانی کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر وہ امن عام اور کارآمد ترقی اور حقیقی رفاہیت اور خوشحالی چاہتے ہیں تو صرف اسلامی نظام میں ہی پا سکتے ہیں۔ اشتراکیت یا نازی ازم یا یورپ کا نیشنلزم و ڈیموکریسی یا اور کوئی نظام جو کہ انسانی عقل و دماغ کا اختراع کیا ہوا ہے۔ ہرگز اس کی کفالت نہیں کر سکتا نہ اس میں رب العٰلمین کے حقوق کی کفالت ہے نہ مخلوقات اور اقوام و افراد انسانی کے حقوق کی"۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب اسلامی نظام حکومت وہ

ہے جس کی تصریح ارشادات بالا میں کی گئی ہے۔ تو پھر حضرات علمائے کرام نے اپنا موجودہ مسلک جس میں کفر و اسلام کے امتزاج سے خالص انسانی حکومت اور وہ بھی مغربی انداز جمہوریت کی قائم کرنا مطمح نگاہ ہے کیوں اختیار فرمایا؟ اس کے متعلق ارشاد ہے :-

" آپ کو تاریخ کے صفحات دیکھنے بالخصوص علمائے ہند کی شاندار ماضی کے دیکھنے سے پتہ چل جائے گا کہ علمائے ہند نے ہمیشہ سے اسی مقصد کی تکمیل کے لیے کوششیں کی ہیں، حالانکہ شاندار ماضی میں ان کی جدوجہد کے سمندر میں چند قطرے ہی دکھائے گئے ہیں مگر وائے بدقسمتی کہ باوجود انتہائی جدوجہد اور بے شمار قربانیوں کے اصل مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ تب موجودہ احوال اور گرد و پیش کی انتہائی مشکلات جو کہ داخلی اور خارجی بے حد و بے شمار ہیں ضروری معلوم ہوا کہ اہون البلیتین کو اختیار کیا جائے اور ہندوستان کی آزادی کے لیے مشترکہ جدوجہد میں حصہ لیا جائے۔ اہون البلیتین کو اختیار کرنا شرعی اصول ہے اور ہر زمانہ میں معمول بہ رہا ہے۔ اور اگرچہ مشترکہ جدوجہد سے حاصل ہونے والی آزادی نظام اسلامی نہ کہلا سکے گی۔ تاہم بہت سی مشکلات اور سخت موانع کے رفع ہو جانے سے حقیقی نصب العین کے لیے راستہ کھل جائے گا۔"

یعنی علماء کرام کو ہندوؤں کی آزادی کی تحریک میں حصہ لینا۔ "دو مصیبتوں میں سے کمتر درجہ کی مصیبت اختیار کر لینے" کے شرعی اصول کے مطابق ہے۔ بہت اچھا! لیکن ذرا یہ بھی سنیئے کہ ۱۹۲۳ء میں جناب مدنی کا اس قسم کی آزادی کے متعلق کیا خیال تھا۔ آپ نے جناب شوکت علی صاحب (مرحوم) کے حوالہ بالا چٹھی کے دوران تحریر فرمایا تھا۔

"میں آنجناب کی توجہ ایک خاص طریقہ پر اور ایک حقیقت نفس الامری کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ آزادی کامل ہمارا مذہبی

سیاسی اور وطنی نصب العین ہے۔ اور بہ حیثیت سے ہم کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مگر اس کے ساتھ ہم اپنے مذہب اور قوم کو عزیز سمجھتے ہیں بلکہ آزادی کو بھی مذہب اور قوم کی وجہ سے ڈھونڈتے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ مذہب برباد ہو جائے اور مسلمان فنا ہو جائیں تو ایسی آزادی سے کیا فائدہ ہے۔"

یعنی خود جناب مدنی صاحب کے نزدیک وہ آزادی جس میں مسلمانوں کا مذہب اور قوم باقی نہ رہے، مسلمانوں کے نزدیک قطعاً قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ایسی تحریک میں شمولیت اور تعاون یکسر غیر اسلامی ہوگا۔

یہ چیز کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد ملک کی متحدہ قومیت کے جمہوری نظام حکومت میں مسلمانوں کے مذہب اور قوم کی حالت کیا ہوگی! اب کسی تشریح کی محتاج نہیں رہی اس آنے والی آزاد حکومت کے ارباب اہل وعقد کھلے کھلے الفاظ میں بتا چکے ہیں کہ:۔

"اب یہ ناممکن ہوگا کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جائے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ اب وقت آ چکا ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کریں اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ضمیر، مذہب اور خدا کو ان کے مناسب مقام یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے اور انھیں خواہ مخواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔ اس بات کا تصور بھی ناممکن ہے کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ نہ کیا جائے تو کوئی نظام حکومت قائم ہو سکتا ہے۔ ۔ ۔ ۔

عہد حاضر میں بہترین نظام حکومت کی بنا اس نظریے پر قائم ہو سکتی ہے کہ جغرافیائی حدود کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو اور اس ملک کے اندر رہنے والے تمام افراد معاشی اور سیاسی مفاد کے رشتہ میں

منسلک ہوکر ایک متحدہ قومیت بن جائیں۔"[1] (ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲۸/۹/ ۱۹۴۵ء)
مسلم قومیت کے متعلق بھی سن لیجئے :۔

"ہندوستان میں مسلم قومیت پر زور دینے کا مطلب کیا ہوتا ہے بس یہی کہ ایک قوم کے اندر ایک دوسری قوم موجود ہے جو یک جا نہیں منتشر ہے۔ مبہم ہے اور غیر متعین ہے۔ اب سیاسی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہ تخیل بالکل لغو معلوم ہوتا ہے اور معاشی نقطۂ نظر سے یہ بہت دُور از کار ہے۔۔۔۔

مسلم قومیت کا ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم ہی نہیں بس مذہبی اخوت کا رشتہ ہی ایک چیز ہے۔"
(میری کہانی جلد دوم صفحہ ۲۳-۱۰۲ از پنڈت نہرو)

پھر فرماتے ہیں :۔
"مسلم قوم کا تخیل تو صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پرواز خیال ہے۔ اگر اخبارات اس کی اس قدر اشاعت نہ کرتے تو بہت تھوڑے لوگ اس سے واقف ہوتے اور اگر زیادہ لوگوں کو اس پر اعتقاد ہوتا بھی تو حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد اس کا خاتمہ ہو جاتا۔"

کس قدر تاسف سے لکھتے ہیں :۔
"ایسے لوگ ابھی زندہ ہیں جو ہندی مسلمانوں کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں گویا وہ ملتوں اور قوموں کے بارے میں گفتگو ہے۔ جدید دنیا میں اس دقیانوسی خیال کی گنجائش نہیں۔"

اب اس کے بعد خود ہی اندازہ فرمائیے کہ یہ دلیل کہ علماء کرام نے "متحدہ قومیت" اور "مشترکہ حکومت" کا مسلک انہوں انبلیتین کے شرعی اصول کے ماتحت اختیار فرمایا تھا کس قدر کمزور اور سست بنیاد ہے۔

---

[1] یہ اسمبلی کی کانگریس پارٹی کے لیڈر مسٹر ڈیسائی کے ارشادات ہیں۔

اب اس مقام پر پہنچے جہاں "اس دور اسے" کی کش مکش اور بھی نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ہندوستان کی موجودہ جد و جہد کے مطمح نگاہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"آئندہ آزاد ہندوستان میں برطانیہ نے اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے لیے کونسا سیاسی مقام تجویز کیا ہے؟ میں اس وقت اس بحث کو چھیڑ کر تلخیوں میں اضافہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ خود ہندوستان کے سیاسی مفکرین کے سیاسی تصورات کا جہاں تک تعلق ہے انھیں تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے آئندہ آئین حکومت کی تشکیل اس طریق پر کرنا چاہتا ہے۔ کہ فرقہ وارانہ اکثریت کی ایسی مستحکم مرکزی حکومت قائم ہو کہ مسلمانوں کو تمام ہندوستان میں ایک اقلیت کی جگہ ملے اور ان کی زندگی اور بقا تمام تر ایک طاقتور اور ناقابل تسخیر اکثریت کی مرضی سے وابستہ ہو لیکن یہ تصور محض ایک پریشانی خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ یہ تصور مذہبی سیاست ہونے کے علاوہ صائب الرائے مفکرین کے نزدیک ناقابل عمل بھی ہے۔ اس تصور کو جس قدر دماغوں سے محو کر دیا جائے اسی قدر ہندوستان کے مجموعی مفاد کے لیے بہتر اور ہندوستانیوں کے لیے مفید ہوگا۔ دوسرا گروہ ہے جو پہلے گروہ کے تصور اور اس کے عواقب و نتائج سے گھبرا کر مسلمانوں کی نجات اور خوش عیشی کے لیے صرف یہ راستہ تجویز کرتا ہے۔ کہ ہندوستان کی وحدت کو پارہ پارہ کرکے اپنا جداگانہ سیاسی منطقہ بنا کر براہ راست تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کر دے۔ اس گروہ نے اپنے تقسیم ہند کے مطالبہ کو تو نہایت بلند آہنگی اور شدت کے ساتھ منظر پر لانا شروع کر دیا ہے لیکن اس کے کسی پہلو پر ابھی تک روشنی بھی نہیں ڈالی ظاہر ہے کہ ہندوستان

کے ہر صوبہ میں مسلمانوں کی آبادی ان کے مذہبی متقدس شعائر، مساجد، مزارات علمی ادارے، اوقاف وغیرہ اس قدر کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ مسلمان کسی حالت میں ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور تقسیم ہند کی صورت میں ان کا حشر کیا ہوگا۔ اس پر مجوزین تقسیم بالکل خاموش ہیں اس لیے جب تک یہ نظریہ پوری تفصیل کے ساتھ روشنی میں نہ آئے اس وقت تک اس پر کوئی بحث بے سود اور بے نتیجہ ہے۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مجوزین تقسیم کے نزدیک بھی اسلامی منطقہ میں قائم ہونے والی حکومت کا دستور اساسی اسلامی اور الٰہی حکومت کا دستور نہ ہوگا۔ اس کی بنیاد بھی یورپین طرز حکومت پر ہوگی اور اپنے تحفظ کے اطمینان ہو جانے پر اسے قبول کرنے میں بھی مذہبی امور میں اقلیتین اختیار کرنے کا اصول برتنا ہوگا۔ نیز اس نظریہ کے ماتحت ہندو منطقے قائم ہو جانے کی صورت میں ہندو منطقوں میں مسلمان جن کی پوزیشن زیادہ سے زیادہ ۱۴ فیصدی اور اکثری طور سات یا پانچ فیصدی ہوگی بالکل بے دست و پا اور زندہ درگور ہو جائیں گے اور مسلم منطقوں میں غیر مسلم جن کی تعداد ۴۵ فی صدی تک ہوگی مسلم حکومت کے لیے وبال جان ہوں گے۔ "پس مسلم منطقے ہندو منطقوں کے تقریباً ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کی تباہی اور ہلاکت کی دستاویز پر خود دستخط کرے اور اپنی جگہ ایسی حکومت جس میں غیر مسلم متعصب مؤثر اقلیتیں ان کے وبال جان ہوں حاصل کر کے کون سی فلاح و بہبود اور اطمینان و مسرت حاصل کر سکیں گے۔

کیا یہ غضب کچھ کم ہے کہ مسلم اقلیتوں کے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے جو کام کیا گیا ہو، وہ ایسے طرز پر کیا جائے کہ انھیں غریب بیکس مسلمانوں کی ساڑھے تین کروڑ کی تعداد ہلاک و برباد کر دی جائے اور اپنی اکثریت بھی شدید خطرات میں مبتلا ہو جائے۔ تیسرا گروہ جو ہندوستان کے آئندہ آئین کو وفاقی، لامرکزی اصول پر مرتب کرنا ہندوستان کے لیے اور اس کے تمام صوبوں اور قوموں کے لیے مفید اور قابل عمل سمجھتا ہے۔ وفاق میں شامل ہونے والی حکومتیں اپنی اپنی جگہ کلیتاً آزاد

اور خود مختار رہوں گی، مرکزی حکومت ان کی آزادی میں کوئی مداخلت نہیں کر سکے گی۔ مرکز کو صرف وہ اختیارات ملیں گے جو وفاق کے اجزاء اس کو اتفاق رائے سے سپرد کریں گے اور غیر مصرحہ اختیارات صوبائی حکومتوں کو حاصل رہیں گے۔ ہر حکومت میں اقلیتوں کے تہذیبی، سیاسی، مذہبی حقوق کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی صوابدید کے موافق تحفظات دئے جائیں گے۔ اکثریت اپنے حقوق اکثریت سے مستفید ہوگی اور اقلیتیں امن و اطمینان کی زندگی بسر کریں گی۔ غیر مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمان اقلیت کو کسی تکلیف اور بے انصافی کا خوف نہ ہوگا۔ ان کے تمام سیاسی اور مذہبی حقوق اور مقدس شعائر بجائے خود محفوظ ہو جائیں گے اور مسلم اکثریت کے صوبوں میں غیر مسلم اقلیتیں امن و اطمینان سے زندگی بسر کریں گی۔ اور ان کے ساتھ کوئی بے انصافی نہ کی جائے اور ان کے تمام سیاسی اور مذہبی حقوق اور شعائر محفوظ ہو جائیں گے۔ ہندوستان کے ذی بصیرت اصحاب رائے اس تجویز کو موجودہ ماحول میں قابل عمل اور ہندوستان کے پیچیدہ مسائل کے حل کرنے کا واحد راستہ سمجھتے ہیں۔"

آپ نے غور فرمایا کہ جناب مدنی کس طرح دو راہے کے بیچوں کے بیچ کھڑے ہیں۔ ایک طرف ہندوؤں کا مطالبہ کہ تمام ہندوستان کا مرکز ایک ہو اور مستحکم ہو۔ دوسری طرف مسلمانوں کا مطالبہ کہ وحدتِ مرکز مسلمانوں کی غلامی کا استمراری پٹہ ہے۔ اس لیے مرکز کو بالکل اُڑا دیا جائے اور ان دونوں کے درمیان ہمارے "علماء کرام" کا یہ مطالبہ کہ مرکز رہے لیکن کمزور سا رہے۔

دنیا وہ اس کا سافر ہے یاد ہے نظام
منہ موڑ کر اُدھر کو ادھر کو بڑھائے ہاتھ

بہرحال ہمیں خوشی ہوئی کہ یہ حضرات کچھ تو روبہ کعبہ ہوئے

اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

آپ ہنوز ترشرو ہوں گے۔ کہ یہ حضرات مسلمانوں کے مطالبہ کی کامل حمایت کیوں نہیں کرتے جو یکسر مسلمانوں کی آزادی کے مرادف ہے لیکن ہم خوش ہیں کہ یہ حضرات غیروں سے کٹ کر ایک قدم اپنوں کی طرف تو بڑھے۔ بھلا ایک ہی جست میں کس طرح کاشی سے مکہ جا پہنچیں۔ ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ غلطی کے کھلے کھلے اعتراف کے لیے کس قدر ہمت اور حوصلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جلدی نہ کیجیے کسی کو مطعون کرنے سے پیشتر اس کی مجبوری پر ضرور نگاہ ڈال لیجیے۔

اک عمر کا رشتہ ٹوٹا ہے   مدت کا سہارا چھوٹا ہے
دل سنبھلتے سنبھلتے سنبھلے گا   صبر آتے آتے آئے گا

گھبرائیے نہیں ان حضرات کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے اب انشاء اللہ آہستہ آہستہ

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک

ہم اس لیے پُر امید ہیں کہ ان حضرات نے اپنے دعوے کے ثبوت میں جو دلیل پیش کی ہے وہ اس قدر بودی ہے کہ اسے محض منہ رکھنے کی خاطر دلیل کہا جا سکتا ہے۔ جب یہ حضرات ذرا اور ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں گے۔ تو ان پر اس کی کمزوری خود بخود واضح ہو جائے گی جھگڑا تو سارا مرکز کا ہے۔ اب دیکھیے کہ مرکز کے مفید اور مضر ہونے کے متعلق ان حضرات نے کیا فرمایا

ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

۱۔ ایک مستحکم مرکز کے ماتحت نظام حکومت مسلمانوں کے غلامی کے مرادف ہوگا۔

۲۔ اس مرکز کو کمزور کر دیا جائے (جیسا کہ جمعیت العلماء کا خیال ہے) تو مسلمانوں کے مذہبی حقوق مقدس شعائر خواہ وہ ان صوبوں میں ہوں یا اکثریت کے سب محفوظ ہو جائیں گے۔

۳۔ اور اگر اس مرکز کو بالکل اڑا دیا جائے (جیسا کہ مسلمانوں کا مطالبہ ہے) تو اس سے جمعیت العلماء کے خیال میں، مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ ان کے مذہبی حقوق پامال ہو جائیں گے۔ ان کے مقدس شعائر منہدم ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

آپ نے منطق پر غور فرمایا کہ :۔

۱۔ مرکز کو مستحکم رکھنے میں مسلمانوں کی غلامی اور بربادی۔

۲۔ اسے کمزور کرنے میں آزادی اور

۳۔ اسے بالکل فنا کر دینے میں غلامی اور بربادی یعنی

۱۔ سانپ کو کھلا چھوڑنے میں ہلاکت

۲۔ اسے زخمی کرکے چھوڑ دینے میں عافیت۔

۳۔ اسے مار ڈالنے میں پھر ہلاکت۔

ہمارا خیال ہے کہ جناب مدنی صاحب نے جان بوجھ کر ایسا کمزور مسلک پیش کیا ہے تاکہ اگلا قدم اٹھانے میں آسانی رہے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور ان بزرگوں کا خیال غلط ثابت ہو جو ان حضرات کو ختم اللہ علیٰ قلوبہم کی شق سمجھے ہوئے ہیں۔

اب ذرا پاکستانی اسکیم کے خلاف اعتراض ملاحظہ فرمائیے ارشاد ہے :۔

"یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مجوزین تقسیم ہند کے نزدیک بھی اسلامی منطقہ میں قائم ہونے والی حکومت کا دستور اساسی بھی اسلامی و دینی حکومت کا دستور نہ ہوگا اس کی بنیاد بھی یورپین طرز پر ہوگی۔"

ہم اس اعتراض کی تردید میں زیادہ کچھ عرض کرنا نہیں چاہتے اس نظریہ کو حضرت علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء میں ان الفاظ کے ساتھ پیش فرمایا تھا۔

"ہندوستان دنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اس ملک میں اسلام بہ حیثیت ایک تمدنی قوت اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کر دیا جائے۔"

اور آج اس اسکیم کے علمبردار جناح کا اسلامی حکومت کے متعلق کیا خیال ہے اس کے لیے طلوع اسلام کے اسی اشاعت کے آخری اوراق بہ عنوان قائد اعظمؒ ملاحظہ فرمایئے۔ بات خود بخود واضح ہو جائے گی۔

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ پاکستان سے کیا مفہوم ہے ایک سچے مسلمان کی کیا روش ہونی چاہیئے۔ یہ ہم سے نہیں خود مدنی صاحب سے سنیئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

"اگر کسی جدوجہد کے نتیجہ میں خدا کی ایک فرمانبردار قوت کو دنیا کے کسی حصہ میں خدائی احکام کے مطابق یا اس سے قریب تر کوئی اجتماعی نظام قائم کرنے کے مواقع حاصل ہوتے ہوں تو اس کو اسلام کی تائید حاصل ہو سکتی ہے اور صرف اسی جدوجہد کو اسلام نے جہاد فی سبیل اللہ و قتال فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔"

ہم اسی جدوجہد کی طرف آپ کو دعوت دیتے ہیں مسلم لیگ اسی جدوجہد کی حامل ہے۔

لہ یہ ہم کتاب میں درج کر چکے ہیں۔ (مؤلف)

اس کے بعد جناب مدنی فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات محض انگریز کے پیدا کردہ ہیں (یعنی وہی دلیل جو سائے وار دھاے نازل ہوا کرتی ہے) ان سے پہلے یہ اختلافات دکھائی نہیں دیتے تھے، اس کے بعد کئی صفحات میں ایسے تاریخی شواہد پیش کیے ہیں جن سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ انگریزوں سے پیشتر مسلمانوں اور ہندوؤں کے دور میں مسلمانوں اور ہندو سب شیر و شکر ہو کر رہتے تھے کہیں اختلافات و تنازعات نہ تھے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے عہد حکومت میں اگر باہمی تنازعات نہ تھے۔ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جہاں مسلمان حاکم تھے ہندو محکوم کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے محکوم کا حاکم سے جھگڑا کیسا۔ اسی طرح جہاں ہندو حاکم تھے مسلمان ان کی رعایا تھے راجہ اور پرجا میں لڑائی کیسی! جھگڑے اور تنازعے تو اس وقت پیدا ہوتے ہیں۔ جب قوت کی تقسیم کا سوال پیدا ہو۔ آپ تو ہندوؤں اور مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں۔ ذرا پچاس برس ادھر خود انگریز کے عہد حکومت میں دیکھیے کہیں ہندو مسلم سوال نظر نہ آئے گا۔ اس لیے جھگڑا اس وقت شروع ہوا جب قوت انگریز کے ہاتھ سے منتقل ہو کر ہندوستانیوں کے ہاتھ میں آنے لگی۔ اس وقت ہندو نے تہیہ کر لیا کہ مسلمان سے اس کی آٹھ سو سالہ حکومت کا انتقام لے گا۔ جب تک مسلمان سویا رہا اور قومیت پرست حضرات نے اسے تھپکیاں دے دے کر اور بھی گہری نیند میں سلائے رکھا ہندو اپنی من مانی کرتا رہا کہیں لڑائی جھگڑا نہ تھا لیکن جونہی مسلمان بیدار ہوا اور اس نے ہندو ہمسایہ سے کہا کہ مہاراج! خدا کی زمین میں دوسروں کو بھی زندہ رہنے کا حق دیجیے تو وہیں جھگڑا شروع ہو گیا۔ یہ ہے ہندو مسلم تنازعات

کا پس منظر، چونکہ ہندوؤں نے ایک مدت سے شور مچا رکھا ہے کہ سب جھگڑے انگریز کے پیدا کردہ ہیں اسے یہاں سے نکال دو سب جھگڑے طے ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ حضرات بھی ان کے دام فریب میں آگئے اور یہ نہ سوچا کہ ہندو ایسا کیوں کہہ رہا ہے؟ اختلافات و تنازعات کی داستان دہرانے کے بعد جناب مدنی بس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ وہی ساز کہن ہے کہ جداگانہ انتخاب بھی انگریز ہی کا کرشمہ ہے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کے ایک بڑے ذی بصیرت اور ماہر سیاست طبقہ کی رائے میں جداگانہ انتخاب مسلمانوں کے لیے زیادہ مضر ہے اور یہ تو یقینی ہے کہ اس کی موجودگی میں مختلف فرقوں کے درمیان آشتی اور سیاسی اور معاشرتی یگانگت اور اتفاق پیدا ہونا ناممکن ہے جو ہندوستان جیسے ملک کے لیے ناگزیر ہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے اس پر متعدد مجالس میں غور و بحث کر کے یہ سمجھا ہے۔ کہ جمہوری اور نیابتی طرز حکومت کی صورت میں مخلوط انتخاب ہی پبلک کے درمیان رابطہ مودت و اتحاد قائم رکھ سکتا ہے اور جداگانہ انتخاب ہمیشہ ہمیشہ باہمی اختلافات و کشمکش بلکہ فتنہ و فساد پیدا کرنے کے سوا کسی مفید نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتا۔ جمعیۃ العلماء نے اپنے سہارن پور والے فارمولا میں مسلم حقوق کی حفاظت کے تمام ذرائع اور شرائط محفوظ کرتے ہوئے مخلوط انتخاب قبول کرنے کی تجویز اسی نظریے کے ماتحت رکھی تھی۔"

ذرا اس ٹکڑے پر دوبارہ غور فرمائیے:۔

"جمعیۃ العلماء ہند نے اس پر متعدد مجالس میں غور و بحث کر کے یہ سمجھا ہے کہ جمہوری اور نیابتی طرز حکومت کی صورت میں مخلوط انتخاب ہی پبلک کے درمیان رابطہ مودت و اتحاد قائم رکھ سکتا ہے۔"

یعنی :-

۱- وہی جمہوری حکومت جسے ابتدائی صفحات میں لعنت قرار دیا گیا ہے۔ اس کے استحکام کے لیے مخلوط انتخاب ضروری قرار دیا جا رہا ہے۔

۲- مخلوط انتخاب کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مودّت کا رشتہ محکم ہوگا! کیا ہم جناب مدنی سے دریافت کرسکتے ہیں کہ کافر و مومن میں سلسلۂ مودّت و مواخات قرآن کریم کی کونسی آیت اور اسوۂ نبی اکرمؐ کی کون سی شق کے مطابق جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد نفس مضمون پر آئیے یعنی مخلوط انتخاب میں مسلمانوں کے لیے کیا کیا خطرات ہیں۔ سو اس کی تفصیل ہم سے نہیں جناب مدنی سے سنیئے! آپ نے ۱۹۲۶ء میں جناب شوکت علی مرحوم کے خط میں لکھا تھا

"خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے مخلوط انتخاب قبول کرنے سے حالانکہ وہ مشروط فائدہ اٹھایا گیا اور قبل از تحقق اعلان کر دیا گیا کہ مسلمانوں نے مخلوط انتخاب قبول کر لیا ہے۔ اب نشستوں کے تعین کو بھی اٹھا دو اور اس حیلہ سے اٹھا دو کہ اکثریت کے لیے کسی جگہ نشستیں متعین نہ ہیں۔ مسلمانوں کے لیے اپنی کمزوریوں کی وجہ سے مخلوط انتخاب ہی میں خطرہ تھا یعنی ہندو اکثریت کی بناء پر ایسے جیسے بھرے مسلمان منتخب ہوں جو بے دین، ایمان فروش اور ہندو پرست ہوں۔ صورت ظاہر میں مسلمان ہوں اور باطن میں ہندو ہوں۔ ان سے جن کی تعلیم یافتہ طبقوں میں کثرت ہے کسی اسلامی مفاد کی امید کی جا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اب جبکہ نشستیں بھی اٹھ گئیں۔ تب تو مسلمان کا کسی بھی صوبہ میں اپنی شمار کے موافق ان نشستوں کا حاصل کرنا مستحیل ہوگا۔"

یہ دلیل کسی اضافے کی محتاج نہیں یہ حقیقت اور واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ ہندو کو اعتماد صرف اس مسلمان پر ہوتا ہے جو "بے دین" ایمان فروش اور مفاد پرست ہو اور ہمیشہ بھیس بھر کر ان کے ایجنٹ کی حیثیت سے ملت اسلامیہ سے غداری کرتا رہے!

ہم یہ سطور لکھ رہے ہیں اور ہماری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں اس لیے کہ ایک سچے عالم کی جتنی قدر ہمارے دل میں ہے۔ شاید ہی کسی اور قلب میں ہو گی۔ ہم ایسے عالم کی خاک رہگذر کو اپنی چشم بصیرت کا سرمہ سمجھتے ہیں لیکن ہمارا دل خون ہو کر رہ جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان حضرات نے اپنی غلط روی اور بے بصیرتی کی بنا پر عالم کے صحیح مرتبہ کو خاک میں ملا دیا۔ اور آج مولوی کا لفظ انتہائی جہالت اور تنگ نظری کا مظہر قرار پا گیا۔

ملت اسلامیہ کی اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے! آج وقت تھا کہ یہ گروہ علماء کرام ہندوستان کی تحریک آزادی اسلام میں سب سے پیش پیش ہوتا۔ ان کی ہر مجلس اور ہر محفل ہر منبر اور ہر مسند سے یہ صدائے حق بلند ہوتی کہ ہم انسانوں کی حکومتوں کا خاتمہ کر کے ہندوستان کے (کم از کم) ایک گوشہ میں خالص خدائی حکومت کو قائم کریں گے اور یہاں اپنی قوتوں کو مستحکم کر کے پھر سارے ہندوستان اور ساری دنیا میں لوائے محمد الرسول اللہ کو سربلند و سرفراز کریں گے یہ کہتے اور مسلمانوں کو دعوت سرفروشی اور جاں سپاری دیتے پھر دیکھتے کہ ان کی عزت اور قوم کی عظمت کا کیا رنگ ہوتا۔

لیکن اللہ کی شان کہ آج یہ سعادت اسے نصیب ہے جس نے عمر بھر کبھی کسی مکتب کی شکل نہیں دیکھی۔ آج وہ اعلان کر رہا ہے۔ کہ اسلامی حکومت کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اطاعت کا مرجع

خداکی ذات اور اس کی عملی شکل قرآنی احکام کا عملی نفاذ ہے اس کی طرف سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے اور علماء کرام سے اس کی مخالفت ہو رہی ہے توبہ توبہ۔

چنیں دور آسمان کم دیدہ باشد

ہم ان حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش کریں گے کہ ضد اور حسد کو چھوڑ کر اب حقیقت ثابتہ کا کھلے کھلے الفاظ میں اقرار کرلیں اس میں کسی قسم کی تحقیر نہیں۔ غلطی کس سے نہیں ہو جاتی آئیں اور نہایت خندہ پیشانی سے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت میں بصدق دل شامل ہو جائیں جس کا نصب العین ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام رہتا ہے۔ اس میں شامل ہوں اور پھر اللہ کی حکومت کے قیام کے لیے مسلمانوں کی قیادت کریں۔ دنیا میں بھی سرفرازی ہو اور عاقبت میں بھی سرخروئی ہمیں یقین ہے کہ آپ حضرات جب مسلمانوں کے مطالبے کے اس قدر قریب ہو چکے ہیں تو اس کے بعد ایک کر بچھڑے ہوئے بھائیوں سے گلے مل جانے میں کچھ، حجاب ہوگا؟ خدا آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

جمعیۃ العلماء نے اپنے اجلاس لاہور میں چند تجاویز ایسی بھی پاس کی ہیں جنھیں دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی۔ کہ اب ان حضرات کا قدم صحیح راستہ کی طرف اٹھتا دکھائی دے رہا ہے۔

تجویز | ۱۔ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی کہ فقہ اسلامی عبادات و معاملات۔ تمدن اور معاشرت سیاست اور اقتصادیات کے تمام اصول پر حاوی ہے دیکھ رہا ہے کہ عصری ایجادات اور غیر اسلامی اصول اقتصادیات کے رواج سے ایسی صورتیں پیش آرہی ہیں کہ ان کے جواز و عدم جواز کے بارے میں علماء مختلف الرائے

ہو جاتے ہیں اور ان کا باہمی اختلاف مسلمانوں کے لیے موجب تشویش و پریشانی ہوتا ہے اس لیے یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ جمعیۃ العلماء ایسے جدید پیش آنے والے مسائل میں علماء و تبحرین کی معتمد جماعت سے تبادلۂ خیالات اور بحث و مباحثہ غور و فکر کے بعد ایسے فیصلے مرتب کرائے جن پر علماء و تبحرین کی زیادہ سے زیادہ جماعت متفق ہو پھر ان فیصلوں پر عمل کرنے کے لیے مسلمانوں میں شائع کر دیا جائے۔"

یہ وہ مسلک ہے جس کی طرف ہم چار برس سے مسلسل دعوت دے رہے ہیں اور جس کی بناء پر ہمیں ہدف طعن و ملامت بنایا جا رہا ہے۔ الحمد للہ کہ ان حضرات کو اس ضرورت کا احساس ہو گیا لیکن ہم ان کی خدمت میں ایک اہم گزارش ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ آپ لاکھ جتن کر لیجئے کوئی متفقہ علیہ مسلک اختیار نہ کر سکیں گے تاوقتیکہ آپ اپنے اختلافی معاملات کا حل قرآن کریم سے طلب نہیں فرمائیں گے اختلافات صرف قرآن کریم سے مٹ سکیں گے کہ قرآن کریم کا مقصد ہی اختلافات کا مٹانا ہے۔ ایک دوسری تجویز میں کہا گیا۔

۲۔ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ وقت کی نزاکت اور باہمی افتراق و انشقاق کی ہلاکت خیزی اور اس کے عواقب و نتائج شئومہ کا پورا پورا احساس کریں اور ان مختلف فیہ مسائل میں جو دورِ اوّل یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور تابعین و ائمہ مجتہدین کے زمانہ سے مختلف فیہ چلے آتے ہیں باہم دست و گریبان نہ ہوں۔ اپنی اپنی جگہ اپنے عقیدہ کے موافق لمذہب راجح پر عمل کرتے ہوئے دوسرے خیال کے مسلمانوں پر زبان طعن دراز نہ کریں اور سب و شتم سے محترز رہیں۔ انما المومنون اخوۃ کے ماتحت بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں اور باہمی تعاون و تعاضد

کر کے لبنیان یشد بعضہ بعضًا ایک مستحکم اور مضبوط دیوار بن جائیں جس کو کسی مخالف کی دشمنی کسی قسم کا گزند نہ پہنچا سکے۔

اسی طرح یہ جلسہ موت و حیات کی کشمکش کے اس دور میں تمام مسلم جماعتوں سے دردمندانہ اپیل کرتا ہے کہ اسلام اور قوم کی فلاح و نجات کی خاطر اس کے اختلافات کو دلائل و براہین کی روشنی میں تحقیق حق کے اصول پر رفع کرنے کی سعی کریں اور اختلاف رائے کے باوجود باہمی منافرت اور توہین و تذلیل کا مذموم طریقہ اختیار نہ کریں کہ یہ اسلامی وقار اور قومی زندگی کے لیے تباہ کن اور اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔"

یہ تجویز بھی موجب اطمینان ہے اور مقام مسرت ہے کہ وہ حضرات جو اپنی ہستی کا راز فرقوں کے قیام میں دیکھتے تھے آج زمانہ کے ہاتھوں اتنے مجبور ہو چکے ہیں کہ فرقہ بندی کی لعنت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی ضرورت محسوس فرما رہے ہیں۔ خدا کا احسان ہے کہ اس نے ان حضرات کے دل میں یہ نیک خیال پیدا کر دیا۔ اس تجویز کے بارے میں ہم اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ بحالات موجودہ اس مسلک پر کاربند ہو جئیے کہ اصول دین میں اتفاق کر کے فروعات کے اختلافات کو اہمیت نہ دی جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دین کے حقیقی نظام کی فکر کیجئے اور وہ نظام اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی اپنی حکومت ہو جس میں قرآن کریم کا قانون عملاً نافذ ہو اور اختلافات کی صورت میں مرکز ملت کی طرف رجوع کیا جائے جب تک یہ نظام قائم نہ ہوگا۔ دین اپنے صحیح اور حقیقی خطوط پر متشکل نہ ہوگا۔ حضور نبی اکرمؐ کے اسوۂ مقدسہ نے دین کے تمکن کی یہی شکل بتائی ہے۔

تجویز بابت مدارس عربیہ کا نصاب

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مدارس عربیہ دینیہ کے مروجہ نصاب میں دورِ حاضرہ کی ضرورتوں کے موافق تبدیلی کی ضرورت شدت سے محسوس کرتا ہے اور مدارس عربیہ کے ذمہ دار حضرات اور تعلیمی جماعتوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ماہرین تعلیم کی ایک کمیٹی اس پر غور کرنے کے لیے باہمی مشورے اور تعاون سے مقرر کرکے ایک ایسا نصاب مرتب کرائیں جو دینی علوم کی تکمیل کے ساتھ ضروریات عصریہ میں بھی مہارت پیدا کرنے کا کفیل ہو

اللہ کا شکر ہے۔ کہ ان حضرات نے اس ضرورت کو بھی محسوس کر لیا ورنہ ہم نے جب کبھی ان کے نصاب پر تنقید کی ہمیشہ پیشانی کے تیوروں سے اس کا جواب ملا۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ ایک شہر میں بلا ضرورت دس دس بیس بیس مساجد میں نماز جمعہ قائم کرنے سے احتراز کریں کیونکہ اس تعداد و انتشار سے نماز جمعہ قائم کرنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور شوکتِ اسلامیہ کے اظہار میں خلل پڑتا ہے۔ حتی الامکان ایک مسجد میں تمام مسلمان نماز جمعہ پڑھا جائے تو مضائقہ نہ ہوگا۔ غیر ضروری تعدد کو جس نے جمعہ کی نماز کو بھی پنجگانہ نمازوں کی حیثیت دے دی ہے جہاں تک جلد ممکن ہو موقوف کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا ہوتا کہ جمعہ کا خطبہ اس زبان میں دیا جائے جسے سامعین سمجھتے ہوں ورنہ اس کے بغیر خطبہ اور اس طرح جمعہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے مساجد اس صورت میں آباد ہوں کہ ان میں یکجہتی کشش پیدا کی جائے۔ اور مسلمانوں میں وحدت اسی شکل میں پیدا ہوگی کہ اختلافی مسائل کو چھوڑ کر جمعہ میں دین کے اصول کے متعلق خطبات دئے جائیں۔

ہم ان تجاویز کو دیکھ رہے ہیں اور ہماری جبین نیاز اس درگاہ

صمدیت کے عتبۂ عالیہ پر بہ ہزار خشوع و خضوع جھک رہی ہے کہ اس نے ان ناتوان و ضعیف بندوں کی آواز میں یہ اثر پیدا کر دیا کہ چار سال کے قلیل ترین عرصہ میں مولوی صاحبان کے گروہ میں یہ انقلاب نظر آ رہا ہے۔ حالانکہ ان حضرات کے سب و شتم سے بظاہر یہ نظر آتا تھا کہ یہ کبھی اس راہ کی طرف نہیں آئیں گے لیکن صداقت کی آواز ضرور اثر کرتی ہے یہ اللہ کا احسان ہے۔ جس کے لیے ہم اس کے حضور ہمہ تن سجدہ ہیں۔

ایک تجویز میں کہا گیا:۔

"جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اسلامی ممالک خصوصاً عراق، ایران، شام و فلسطین وغیرہ کے موجودہ نازک ترین حالات کو نہایت خطرہ کی نظر سے دیکھتا ہے کہ ان اسلامی ممالک کی استعمار پسند طاقتیں کس طرح اپنے اغراض فاسدہ میں استعمال کرنے کے لیے مقہور و مجبور کر رہی ہیں۔ ان کی تسلیم شدہ آزادی کو پامال کیا جا رہا ہے یا ان کے فطری حق آزادی سے انھیں محروم کرنے یا رکھنے کے لیے کیسے کیسے حیلے تراشے جا رہے ہیں۔ جمعیۃ العلماء بار بار اس امر کا اعلان کر چکی ہے۔ اور آج بھی اس اعلان کا اعادہ کرتی ہے کہ اسلامی ممالک پر کسی اجنبی طاقت کا تسلط اور قہر و غلبہ مسلمانانِ عالم کسی طرح برداشت نہیں کریں گے اور جب تک اسلامی ممالک پر سے استعمار پسند طاقتیں اپنا تسلط بالکلیہ نہ اٹھا لیں گی اور ان کو آزادی کامل کی فضا میں سانس لینے کا موقعہ نہ دیں گی۔ اس وقت تک مسلمان چین سے نہیں بیٹھیں گے اور مطمئن نہ ہوں گے۔ اس تجویز کی تائید میں جناب احمد سعید صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہم سے اگر کہا جائے کہ تمھیں دوسری سلطنتوں کے رہنے یا جانے کا کیا فائدہ یا غم۔ تو ہم کہیں گے کہ تمام دنیا کے مسلمان اسلامی اخوت کے رشتہ میں منسلک ہیں وہ غیر نہیں ہیں اور

جس طرح اگر کسی غریب آدمی کا کوئی رشتہ دار امیر ہو تو وہ اس کی دولت میں حصہ دار نہیں ہوتا لیکن پھر بھی اسے ہمیشہ یہ خوشی اور حوصلہ ہوتا ہے۔ کہ میرا ایک رشتہ دار امیر ہے اور یہی اس کی عزت کا باعث ہے دوسرے لوگ بھی اس کو کچھ کہنے یا نقصان پہنچانے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ امیر رشتہ دار اس کی مدد کو آجائے۔ اسی طرح غلام مسلمان بھی ہمیشہ اس احساس سے سرشار رہتا ہے کہ میرے دوسرے بھائی برسر حکومت ہیں۔ اور مجھے کسی دشمن سے گزند پہنچنے کا احتمال نہیں۔ اگر کوئی اس قسم کا ارادہ بھی کرے گا۔ تو میرا آزاد مسلم بھائی میری مدد کرے گا۔

اس تقریر کو سامنے رکھئے اور اس کے بعد جناب حسین احمد صاحب مدنی کے خطبۂ صدارت کے اس حصہ پر غور کیجئے۔ جو پچھلے صفحات میں نقل کیا جا چکا ہے اور جس میں انھوں نے پاکستان کی اسکیم کے خلاف یہ اعتراض عائد فرمایا کہ "اس سے پیش شدہ منطقوں میں مسلمان جن کی پوزیشن زیادہ سے زیادہ ۲۳ فیصدی اور اکثری طور پر سات یا آٹھ فی صدی ہوگی بالکل بے دست و پا اور زندہ درگور ہو جائیں گے"۔

ہم جناب مدنی سے دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ جب احمد سعید صاحب کے خیال کے مطابق پنجاب کے غلام مسلمان کے لیے یہ امر باعث ہزار اطمینان ہے کہ افغانستان میں اس کا بھائی خوشحال آزاد اور طاقتور ہے اور اس کی وجہ سے یہاں کا کوئی دشمن اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ تو کیا پنجاب کے آزاد اور طاقتور ہونے کی صورت میں یو۔پی کے مسلمان کو یہی اطمینان نصیب نہ ہو جائے گا۔ کہ اس کا بھائی پنجاب میں طاقت اور حکومت کا مالک ہے اس لیے اس کی طرف کوئی دشمن آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ مسلم اکثریت کے صوبوں کی کامل آزادی اور اپنی جداگانہ حکومت جس میں

وفاع۔ امورِ خارجہ مالیات وغیرہ کا نظم ونسق سب اپنے ہاتھ میں ہوگا۔ اقلیت کے صوبوں کے مسلمانوں کے لیے ہزار تقویت کا باعث ہوگا۔ اگر بفرضِ محال اس کے مسلمان کے پاؤں میں کانٹا چبھے گا تو پنجاب کے مسلمان کی آنکھ میں نیند حرام ہو جائے گی اور جب کسی دست دراز کو یہ معلوم ہو کہ مظلوم بے کس و بے یار نہیں بلکہ اس کی تکلیف اس کے کروڑوں طاقتور اور آزاد بھائیوں کے لیے وجہ اضطراب ہوگی تو وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے سے پیشتر سو مرتبہ سوچے گا۔

بہرحال جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا ہے۔ یہ امر موجب اطمینان ہے کہ ہمارے ان غلطی خوردہ بھائیوں کا قدم اب صحیح راستے کی طرف اٹھ رہا ہے خدا کرے کہ اب ان میں یہ توفیق پیدا ہو جائے کہ کشادہ ظرفی سے اپنی غلطی کا کھلے بندوں اعتراف کر کے بچھڑی ہوئی ملت سے پھر آملیں۔ اس میں یقیناً ملتِ اسلامیہ کی بھی بہبود ہے لیکن ملت سے زیادہ خود ان حضرات کے وقار کا راز بھی اس میں مضمر ہے۔ اب وہ زمانہ گذر گیا کہ غیروں کو ان حضرات کی ضرورت تھی اب ہندو اور انگریز دونوں جانتے ہیں کہ ملت کا ساتھ چھوڑنے والوں کی مسلمانوں کی نگاہ میں کیا وقعت ہوتی ہے۔ اس لیے نہ تو اس اعتبار سے ہی انہیں ان کی ضرورت ہے اور نہ ہی ان کی سیاسی بصیرت کی بنا پر جس کے افلاس کی مثال خود جناب مدنی کا خطبۂ صدارت ہے۔ خدا کرے کہ ان حضرات کی سمجھ میں یہ بات آجائے۔ ورنہ ملتِ اسلامیہ کا کارواں اب بفضلہٖ تعالیٰ خراماں خراماں جانبِ منزل جادہ پیما ہے اللہ کی رحمتیں اس کارواں کے ساتھ ہوں!"

(طلوعِ اسلام بابت ۱۹۴۶ء صفحہ ۵ تا ۶)

جُداگانہ انتخاب

قومیت پرست مسلمان مخلوط انتخاب کے ذریعہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت بنانا چاہتے تھے لیکن ایک حقیقت پسند غیر مسلم اس بارے میں اپنی رائے کا یوں اظہار کرتا ہے یہ صاحب آندھرا یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سی، آر، ریڈی ہیں اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں :-

" . . . جُداگانہ انتخاب کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہندو اکثریت کی حکومت پر اعتماد نہیں ہے لیکن یاد رکھیے کہ تنہا جداگانہ انتخاب مسلمانوں کے جملہ خدشات کو رفع کرنے کے لیے کافی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ صرف اُن مسلمانوں کو وزارت میں شامل کیا جائے جو جداگانہ انتخاب کے تحت اپنی قوم کا اعتماد حاصل کرکے اسمبلی میں آئے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ ایوان کی سب سے بڑی پارٹی کے رکن ہیں یا نہیں۔ . . . فرض کیجیے کہ مسلمانوں کے لیے بیس نشستیں محفوظ ہیں انتخاب کے وقت کانگرس ان بیس نشستوں سے اپنے اُمیدوار کھڑے کرتی ہے لیکن صرف پانچ نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔ اگر کانگرس ان پانچ اُمیدواروں سے ایک کو وزارت کا منصب بخش کر یہ خیال کرتی ہے کہ اُس کا نامزد کیا ہوا مسلمان وزیر، مسلمانوں کے حقوق کا محافظ تصوّر کیا جانا چاہیے تو یہ طرزِ عمل جمہوری اُصولوں کے قطعاً منافی ہے۔"

" ایک صُوبے میں جہاں کانگرس ٹکٹ پر کوئی مسلمان بھی کامیاب نہیں ہوا تھا۔ ایک انڈی پنڈنٹ مسلمان کو پھسلا کر اُس سے کانگرس کے حلف نامے پر دستخط کرا لیے اور اُسے فوراً وزارت کی کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ میں پوچھتا ہوں کیا اسی کا نام جمہوریت ہے؟ کیا جُداگانہ انتخاب کے اُصول پر عمل

کرنے کا یہی طریقہ ہے؟"

"اب یہ امر بالکل واضح ہو چکا ہے کہ آقلیتوں کے تحفظات اور جداگانہ انتخاب کو کانگریس کے اس طرزِ عمل نے تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے مسلمانوں نے آئین اور دستور میں اپنے لیے جو مقام حاصل کیا تھا اُسے بالکل "زدہ" کر دیا گیا ہے۔ ان حالات کیا آپ یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ مسلمان آپ کی اس کارگزاری سے مطمئن ہوں گے؟ یہی وجہ ہے کہ ان کے جذبات میں اضطراب اور ہیجان پیدا ہو رہا ہے اور وہ آئندہ کسی بہتر اور زیادہ مؤثر دستور کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔"

"میں خود ایک زمانے میں اس بات کا حامی تھا کہ نشستوں کے تحفظ کے ساتھ ملک میں مخلوط انتخاب رائج ہونا چاہیئے لیکن کانگریس کا موجودہ رویہ اور اس کا ردِ عمل دیکھنے کے بعد مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی تأمل نہیں کہ آئندہ ہندوستان میں مخلوط انتخاب جاری ہونے کا قطعاً کوئی امکان باقی نہیں رہا۔"[۱]

(اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۴۵۸ تا ۴۶۰)

سر پرسیول گرفتھس

"سر پرسیول گرفتھس، جو ایک زمانے میں ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں یورپین گروپ کے لیڈر تھے۔ اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:—

"۔۔۔ کانگریس ہائی کمان نے ہندو اکثریت کے صوبوں میں کانگریس اور لیگ کی مشترکہ وزارتیں بنانے سے انکار کر دیا اور اپنی وزارتیں

---

۱ CONGRESS IN OFFICE (1940) BPC. R. REDDY, PAGE 22

کو صرف کانگریس پارٹی کے ممبروں تک محدود رکھا۔ مثلاً یو۔پی میں وزارت سازی کا وقت آیا تو مسلمانوں سے کہا گیا کہ اگر وہ مسلم لیگ کو توڑ کر انفرادی اور مجموعی طور پر کانگریس میں جذب ہو جائیں تو انھیں وزارت میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ باقی صوبوں میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ؔ

"بلا شبہ کانگریس کی یہ بہت بڑی غلطی تھی۔ لیگ اور کانگریس کے معاشرتی اور سیاسی پروگرام میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس لیے اگر کانگریس لیگ سے مل کر مشترکہ وزارتیں بنا لیتی تو ایسی وزارتیں نہایت آسانی سے کام کر سکتی تھیں۔ بجا سی یا بے جا مسلمان یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے۔ کہ انھیں اقتدار سے صرف اس لیے محروم رکھا گیا ہے کہ کانگریس سراسر ہندوانہ ایک جماعت ہے۔ؔ

سید طفیل احمد منگلوری مرحوم

جو مسلم لیگ کے سخت مخالف اور کانگریس کے بہت بڑے معاون تھے اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-

"۔۔۔ مسلم لیگ کے مینی فسٹو میں مسلمانوں کی مخصوص ضروریات میں سے صرف مذہب، زبان اور رسم الخط کی حفاظت درج تھی۔ اس کے بعد ملکی ترقی کے کاموں اور عوام الناس کے فوائد کے بارے میں مسلم لیگ نے کانگریس کا پروگرام اختیار کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ہر جگہ کانگریس نے انتخابات اسمبلی میں مدد دی۔ اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ بیس سال بعد قرآن السعدین واقع ہوگا اور مسلم لیگ اور کانگریس یک جان و دو قالب ہو کر ملکی کام کریں گی۔ مگر فلک کج رفتار

ؔ THE BRITISH IMPACT ON INDIA BY SIR PERCIVAL GRIFFITHS, PAGE 340

کو کب توڑا تھا کہ یہ دونوں جماعتیں بھر دوش بدوش کام کریں۔ چنانچہ انتخابات میں کانگریس کی غیر معمولی کامیابی کے ساتھ ہی مسلم لیگ سے اُس کی بدمزگی ہو گئی۔ بدمزگی کی وجہ یہ ہوئی کہ کانگریس نے اپنی اکثریت دیکھ کر اپنے وزراء میں مسلم لیگ کے لوگوں کو شامل کرنے سے انکار کر دیا۔[1]

ایڈورڈ ٹامسن

جو گاندھی، جواہر لال، راج گوپال آچاری اور رابندر ناتھ ٹیگور کے ذاتی دوست تھے۔ اور انگلستان میں سالہا سال تک کانگریس کا پراپیگنڈہ کرتے رہے تھے اسی مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اگر آپ مجلس قانون ساز میں کسی جماعت کے لیے جداگانہ نشستیں محفوظ کرنے کا قاعدہ اختیار کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس قاعدے کا طبعی نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ جماعت کابینہ میں بھی اسی نسبت سے اپنے لیے جداگانہ نمائندگی کا مطالبہ کرے گی اور اگر آپ یہ مطالبہ پورا کرنے سے انکار کریں گے تو وہ جماعت یہ کہنے پر مجبور ہو گی کہ اس قسم کی جداگانہ نیابت جو اُسے طاقت اور اقتدار سے محروم رکھتی ہے۔ محض ایک فریب ہے۔"

"کانگریس نے اپنے مختصر سے کابینہ میں، جو صرف چھ آدمیوں پر مشتمل تھا کسی مسلم لیگی کو شامل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس طرح مسلم لیگ میں غم و غصّہ کی ایک شدید لہر پھیل گئی۔ موجودہ ہندو مسلم کشیدگی کی سب سے بڑی وجہ یہی ایک واقعہ ہے۔ مسلم لیگ نے جب دیکھا کہ اُسے سیاسی طاقت سے محروم کر دیا گیا ہے تو وہ صرف مخالفت ہی نہیں۔ بلکہ سخت مخالفت پر اُتر آئی۔"

---

[1] "مسلمانوں کا روشن مستقبل" از سید طفیل احمد منگلوری صفحہ ۹۵ء

"بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کانگرس کی غلطی تھی جب تک جداگانہ انتخاب کا طریقہ قائم ہے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ فرقہ وارانہ اصولوں پر پارٹیاں بنائی جائیں۔ بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ جب تک جداگانہ انتخاب ختم نہیں ہو جاتا ہندوستان میں مشترکہ وزارتیں (کولیشن) ہی قائم ہونی چاہئیں۔ کانگرسی لیڈر اب اپنی غلطی محسوس کر رہے ہیں۔"[1]

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلم لیگ نے صرف چھ وزارتوں کے لیے ہندوستان بھر میں طوفان کھڑا کر دیا۔ یہ اندازِ فکر غلط، گمراہ کن اور سیاسی حقائق سے بے خبری کا ثبوت ہے۔ سوال چھ وزارتوں کا نہیں تھا بلکہ سوال یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ قومی ہستی کے مالک ہیں یا نہیں؟ انگریز نے ۱۹۰۹ء میں جداگانہ انتخاب کا اصول منظور کر کے مسلمانوں کی جداگانہ قومی ہستی کو تسلیم کر لیا تھا اور کانگرس نے ۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ پر دستخط کر کے اس جداگانہ قومی ہستی کی توثیق کر دی تھی۔ میثاق لکھنؤ بدستور قائم تھا جس کے بوجھ سے لیگ اور کانگرس کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔ پھر کانگرس کس منہ سے مسلمانوں کی جداگانہ قومی ہستی سے انکار کر سکتی تھی؟

کانگرس نے جب کھلے میدان میں شکست کھائی تو چور دروازہ سے داخل ہو کر مسلمانوں کے قومی شیرازہ کو منتشر کرنا شروع کیا۔ گاندھی جی ہمیشہ صداقت، اخلاق اور اصول کا پرچار کرتے تھے لیکن اُن کے حواریوں نے، اُن کی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کو وزارت کی رشوت دے دے کر اپنی قوم سے غداری کرنے کا سبق سکھانا شروع کیا۔ کسی مسلمان کو پارلیمنٹری سیکرٹری بنانے کا چکمہ دیا گیا

---

[1] ENLIST INDIA FOR FREEDOM (1940) BY EDWARD THOMPSON, PAGE 56

کسی سے نوکری کا وعدہ کیا گیا اور کسی کو ممبری کا لالچ دیا گیا لیکن ہر جگہ شرط یہ رکھی گئی کہ پہلے مسلم لیگ کو چھوڑ کر کانگرس کے حلف نامے پر دستخط کرو۔ پھر سب کچھ مل جائے گا۔ یہ وہی پرانے ہتھکنڈے تھے جو انگریز برتا کرتا تھا اور اب چونکہ انگریز کے "امپیریلزم" کی جگہ کانگرس کا "امپیریلزم" قائم ہو گیا تھا اس لیے "پرانی شراب نئے گلاسوں میں تقسیم ہونے لگی تھی"۔ (اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۴۶۰ تا ۴۶۶)

پروفیسر کوپ لینڈ

رقمطراز ہیں:-

"مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں کانگرس کا طریق کار یہ تھا کہ وہاں غیر کانگرسی وزارتوں کے مخالفوں کی ہر ممکن طریقہ سے حوصلہ افزائی کی جائے اور حامیانِ وزارت میں پھوٹ ڈالی جائے۔ مسلم لیگ کا زیادہ زور اقلیت کے صوبوں میں تھا۔ کانگرس محسوس کر رہی تھی کہ اگر اقلیت کے صوبوں میں مسلم لیگ کو کچل دیا گیا تو باقی صوبوں میں اس کا زور خود بخود ختم ہو جائے گا۔ چونکہ مسلم لیگ کے علاوہ اور کوئی جماعت ایسی نہیں تھی جو ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکے اس لیے لیگ کے ختم ہوتے ہی مسلمانوں کا بے والی وارث ہو جانا یقینی تھا۔ صوبۂ سرحد میں کانگرسی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ پنجاب اور بنگال میں اگرچہ کانگرس کا برسرِ اقتدار ہونا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا تھا لیکن اگر ان صوبوں کے مسلمانوں کو مجتمع کرنے والی کوئی طاقت باقی نہ رہی تو پھر کانگرس ان میں ہر صوبے کے لیڈروں سے الگ الگ مفاہمت کر کے اور انہیں چند تحفظات عطا کر کے اپنی بالادستی قائم کرے گی"۔[۱]

[۱] INION POLITICS (1936 TO 1940) PAGE 181

کانگریس بھی انگریز کے امپیریلزم کو اپنے لیے نمونۂ عمل قرار دے کر اسی راستے پر گامزن ہو چکی تھی۔ چنانچہ آس کی انتہائی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانانِ ہند کے مرکزی نظام کو جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ تھا پاش پاش کیا جائے۔ ڈاکٹر سی آر۔ ریڈی وائس چانسلر آندھرا یونیورسٹی فرماتے ہیں :۔

"کانگریس نے مسلم لیگ کا زور توڑنے کے لیے جو طریقے اور حربے اختیار کیے تھے آن میں سب سے پہلا حربہ یہ تھا کہ تمام فرقہ وارانہ جماعتوں کو ختم کر دیا جائے تاکہ کانگریس کا یہ دعوےٰ صحیح ثابت ہو سکے کہ وہی ہندستان کی واحد سیاسی جماعت ہے جو برطانوی امپیریلزم کے ساتھ گفت و شنید کا استحقاق رکھتی ہے۔"

"جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے کانگریس نے اپنی مذکورہ بالا پالیسی کے پیشِ نظر مندرجہ ذیل طریق کار اختیار کیا۔

۱۔ مسلم رابطۂ عوام کی تحریک جاری کر کے مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے لیڈروں کو اپنا رہنما تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔

۲۔ الیکشن میں مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگریسی امیدوار کھڑے کیے گیے۔

۳۔ کانگریسی وزارتوں میں آن مسلمانوں کو شامل کرنے سے انکار کیا گیا جنھیں جداگانہ انتخاب کی رو سے اپنی قوم کا اعتماد حاصل تھا اور جو اپنی قوم کے حقوق کی حفاظت کرنے کے سب سے زیادہ اہل تھے۔

۴۔ اسمبلی کے آن ممبروں کو جو مسلم لیگ کے ٹکٹ یا انڈی پنڈنٹ منتخب ہو کر آئے تھے، وزارتوں اور عہدوں کا لالچ دے کر

کانگرس کے حلف نامے پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کیا گیا اور جب انھیں اس قسم کے ہتھکنڈوں سے خرید لیا گیا تو شرافت کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر انھیں دوبارہ الیکشن لڑنے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا۔

۵۔ ہر چند کہ کانگرس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ کسی غیر کانگرسی فریق کے ساتھ مل کر مخلوط وزارت نہیں بنائے گی۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں کانگرس نے اس اصول کو آسانی سے ترک کر دیا۔ اس نے پہلے تو مسلمانوں کے اندر پھوٹ ڈالی اور پھر ان کے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر ان کی وزارتوں کو توڑا اور اپنی مخلوط وزارتیں قائم کیں۔

۶۔ کانگرس نے اقلیتوں کے آئینی تحفظات کا قلع قمع کر دیا اور صوبوں میں وحدانی وزارتیں قائم کر کے نیز دوسرے قابل اعتراض ذرائع اختیار کر کے ایسی جمہوری حکومتوں کے قیام کے تمام امکانات کو ختم کر دیا جن میں باہمی مشاورت اور یگانگت سے نظام سلطنت چلایا جاتا ہے۔ بقول مسٹر جناح کے کانگرس نے اس طرح اپنی فسطائیت کا ثبوت دیا[لے]

(اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۴۹۹ تا ۵۰۲)

سردار سردول سنگھ کویشر

انھی دنوں سردار سردول سنگھ کویشر نے مہاتما گاندھی کو خط لکھ کر بڑی دردمندی سے التجا کی تھی کہ خدا کے لیے صوبائی وزارتوں میں مسلم لیگ کو شامل کر کے متحدہ محاذ قائم کیجیے۔ سردار سردول سنگھ

[لے] CONGRESS IN OFFICE PAGE 135

کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کے بڑے پُرانے رکن تھے لیکن چونکہ وہ ان تجاویز کو قبول کرنے کے حامی نہیں تھے اس لیے جب اس مسئلہ پر اُن کا کانگرس سے اختلاف ہُوا تو انھوں نے ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا تھا تاہم کانگرس کے بالائی حلقوں میں اُن کا وقار بدستور قائم تھا۔ سردار کوِیشر نے گاندھی جی کو لکھا تھا کہ :-

۱۔ جب کانگرس مسلمانوں کے حلقہ ہائے انتخاب میں قطعاً کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکی۔ تو کہاں کا اخلاق اور انصاف ہے کہ آپ اِکّے دُکّے مسلمان ممبر کو وزارت کا جگہ دے کر کانگرس میں شامل کر لیتے ہیں اور پھر اس کو مسلمان قوم کا نمائندہ قرار دے کر بڑے فخر سے اُس کی نمائش کرتے پھرتے ہیں۔

۲۔ جب کانگرس نے جُداگانہ انتخاب کے اُصول کو منظور کرتے ہُوئے یہ الیکشن لڑی ہے تو جداگانہ انتخاب کا تقاضا ہے کہ اسی مسلمان کو وزارت میں جگہ دی جائے جس پر اُس کی قوم کو اعتماد ہے۔

۳۔ جہاں تک تعمیری اور سیاسی پروگرام کا تعلق ہے مسلم لیگ اور کانگرس کے مینی فسٹو میں کوئی فرق نہیں اس لیے مسلم لیگ کے ممبروں کو لیگ سے منحرف کرکے کانگرس میں شامل کرنے کی جدوجہد بیکار ہی نہیں بلکہ شر انگیز ہے۔ اس طرح مسلمان ہمارے دشمن بن جائیں گے۔

۴۔ جب مسلم لیگی ممبر کانگرس کے پروگرام پر عمل کرنے کو بخوشی تیار ہیں تو انھیں کیوں ورغلا کر کانگرس کے حلف نامے پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔

گاندھی جی نے اس خط کا جواب دیا تھا کہ :-

"آپ کا خط آپ ہی کی طرح مدلل اور دوسروں کو قائل کر دینے والا ہے۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ میں نے آپ کا خط اِلا کی حلقوں میں بھیج دیا ہے۔"

(اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۵۶۴ تا ۵۰۴)

قومیں فکر سے محروم ہو کر کس طرح تباہ ہو جاتی ہیں اور ایسے افراد جن کا فہم و فراست اور عقل و بصیرت گروغیر ہو جاتی ہے وہ کس طرح انہی کی ہاں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں جن کے لیے وہ اپنی صلاحیتیں نذر کر دیتے ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ بعض غیر مسلم کس طرح ایک حقیقت کو الم نشرح دیکھ کر اس کا خود ہی اعتراف و اقرار نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی حقیقت پسندی کی تلقین و درخواست کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف ہمارے "نیشلسٹ علماءؒ" ہیں جن کی نمازیں بھی ہندو ہیں نذر برہمن ہو چکی تھیں۔ کس طرح وارد ھا کے سامری کے سحر کا شکار ہو کر مسلمانوں کی ملی تحریک کے خلاف سینہ سپر اور مخالفت و دشمنی کے سمندر میں غرق ہیں۔ محولہ بالا سطور میں قارئین کرام اندازہ فرما چکے ہوں گے کہ وہ ہندو کانگریس جس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ تمام ہندوستانیوں کی واحد جماعت ہے۔ کس طرح تنقص کے حامل مسلمان کو وزارت میں لینے سے گریز و پرہیز کر رہی ہے۔ اور جداگانہ انتخاب کو تسلیم کر لینے کے بعد ایسے کردار کا مظاہرہ یہ واضح و ثابت کرتا ہے کہ کانگرس کے نیتاؤں کے مذموم ارادے کیا تھے۔

نوائے وقت بحوالہ سول ملٹری گزٹ

۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء

"موتمرس جناح دشمن محاذ قائم کرنے لگی۔"
مسلم لیگ کو شکست دینے کے لیے قوم پرست مسلمانوں کے منصوبے۔

پشاور ۲۵ اپریل سرحد پولٹیکل کانفرنس تین دن کی نشست کے بعد ختم ہو گئی۔ کانفرنس کے متعلق جیسا کہ بیشتر مقررین نے بھی کہا یہ کہنا غلط ہو گا۔ کہ یہ صرف سرخپوشوں کی ہنگامہ آرائی کا نتیجہ تھی اس کے برعکس یہ کانفرنس تمام ہندوستان کے کانگریسیوں کے جذبات کا آئینہ دار تھی اور اس کی کارروائی پورے غور و خوض کا نتیجہ تھی۔

اس کانفرنس کے دو مقاصد تھے اوّل یہ کہ کانگرس کے نقطہ نظر کا سرکاری طور پر اعلان کیا جائے اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں میں خلافِ جناح محاذ کو تقویت دی جائے۔ خلافِ جناح محاذ کی تجویز شیخ محمد عبداللہ کاشمیری نے پیش کی۔ انھوں نے ایک تقریر میں واضح طور پر کہا کہ کیا یہ وقت نہیں آ گیا کہ مسلمانوں کو مسٹر جناح سے برگشتہ کیا جائے تاکہ وہ راہ نمائی کے لیے ان کی طرف نہ دیکھیں۔ شیخ عبداللہ نے کہا کہ مسٹر جناح کی شخصیت صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد کے مقابلے میں کمتر ہے لیکن مسلم لیگ کا صدر ہمیشہ عوام کی تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ شیخ عبداللہ نے قوم پرست مسلمانوں سے اپیل کی کہ حقیقت حال کا مقابلہ کریں اور مسٹر جناح کی قیادت کو ختم کرکے رکھ دیں۔

کانفرنس کے صدر سید محمود نے اگرچہ خلافِ جناح محاذ کے قیام کی تفصیلات بتانے سے انکار کیا لیکن انھوں نے اتنا ضرور کہا کہ لیگ کے صدر کو منانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اب ان کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا ہے۔ اور وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ مسٹر جناح کی قیادت میں مسلمانوں کو ہندو اقتدار کا خوف دلا کر ہندوستان کی آزادی کا

مخالف بنایا جاتا رہے۔"

نیشنلسٹ مسلمانوں کی تصویر دیکھئے

پنڈت جواہر لال نہرو کے موقلم سے

"کانگرس میں بہت سے مسلمان شریک تھے ان کی تعداد کافی تھی اور ان میں بہت سے قابل آدمی بھی تھے۔ بلکہ یوں کہئے کہ ہندوستان کے سب سے زیادہ مشہور اور ہردلعزیز لیڈر کانگرس کے ساتھ تھے۔ ان کانگرسی مسلمانوں نے اپنی ایک جماعت "قوم پرست مسلم پارٹی" کے نام سے ترتیب دی۔ اور فرقہ پرست مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ شروع شروع میں تو انہیں کچھ کامیابی ہوئی۔ اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ اُن کے ساتھ ہو گیا۔ لیکن وہ سب اونچے اوسط طبقے کے لوگ تھے اور ان میں کوئی مؤثر شخصیت نہ تھی۔ وہ اپنے پیشے اور کاروبار میں لگ گئے اور انہیں عام لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ بلکہ یوں کہئے۔ تو کبھی تعلق پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر مشورے اور مباحثے کرتے تھے۔ مگر اس کام میں اُن کے حریف یعنی فرقہ پرست لیڈر زیادہ ماہر تھے۔ چنانچہ ان حریفوں نے قوم پرست مسلمانوں کی قوم پر مورچہ پیچھے ہٹانا شروع کیا اور انہیں ایک ایک کرکے اپنے سارے اُصول ترک کرنے پڑے۔ بار بار قوم پرست مسلمانوں نے مزید پسپائی سے بچنے کے لیے یہ کوشش کی کہ اپنے مطالبات کو کم کرکے ان پر اڑ جائیں لیکن اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ انھیں پیچھے ہٹنا پڑا اور اپنے مطالبات کو اور کم کرنا پڑا یہاں تک کہ ان کے پاس کوئی چیز باقی نہ رہی جسے وہ اپنی کہہ سکتے۔ کوئی بنیادی اُصول نہ رہا۔ جس پر وہ قدم جما کر کھڑے ہو سکتے

سوائے ایک اُصول کے جوان کی کشتی کا لنگر تھا یعنی مخلوط انتخاب مگر اس کے بعد ایک اور نازک موقعہ آیا جب انھیں اپنے مطالبات کم کرنے پڑے اور ان کا یہ لنگر بھی ٹوٹ گیا۔ چنانچہ آج وہ ہر اصول اور عمل کو جس پر انھوں نے اپنی جماعت کی بنیاد رکھی تھی جسے وہ بڑے زور شور سے لے کر اٹھے تھے کھو چکے ہیں اور ان کے پاس نام کے سوا کچھ بھی باقی نہیں۔

انفرادی حیثیت سے قوم پرست مسلمان اب بھی کانگریس میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں لیکن جماعت کی حیثیت سے ان کی تباہی کی داستان بڑی دردناک ہے۔ یہ تباہی برسوں میں تکمیل کو پہنچی لیکن اس پر آخری مُہر اسی سال ۱۹۳۳ء میں ثبت ہوئی ۱۹۲۳ء میں اور اس کے بعد بھی کئی برس تک ان کی جماعت بہت طاقتور رہی اور انھوں نے مسلم فرقہ پرستوں کے خلاف جارحانہ رویہ اختیار کیا بارہا ایسا ہوا کہ کانگریس بھی ان فرقہ پرستوں کے مطالبات اپنی مرضی کے خلاف منظور کرنے کو تیار ہو گئی لیکن ان کے رفقائے کار یعنی قوم پرست مسلم لیڈروں نے خود انھیں روکا اور بڑی سختی سے مخالفت کی۔"

(میری کہانی صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۷)

پھر وُہی مسلم ماس کانٹیکٹ

نیشنلسٹ مسلمانوں کی جو قدر و منزلت اور عزت و قیمت عامۃ المسلمین کے دلوں میں تھی۔ پنڈت نہرو محولہ بالا سطور میں اپنی خود نوشت "میری کہانی" میں تحریر کر چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ ہندو لیڈر مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرکے مسلمانوں کو مسلم لیگی قیادت سے متنفر و مایوس اور بدظن کرنے کے لیے مُہرے بدل بدل کر نیشنلسٹ مسلمانوں کو سادہ لوح مسلمان کو

جناح سے بدگمان کرنے کے لیے مسلمانوں میں بھیجتے تھے۔ اگر کہیں سجادہ و عمامہ رہزن ایمان و دین تھا تو کہیں جنرل شاہ نواز صاحب مسلم لیگ کے خلاف پراپیگنڈہ کے لیے نکلتے ہیں۔

یکم جون ۱۹۴۶ء کا زمانے وقت لکھتا ہے:۔

"آج ہی کسی دوسری جگہ یہ خبر درج ہے کہ ہندو کانگرس پنجاب میں مسلم رابطہ عوام کی تحریک شروع کرنے والی ہے اس نئی مہم کا آغاز راولپنڈی ڈویژن سے ہوگا اور اس کے انچارج مسٹر شاہ نواز ہوں گے۔ یہ مسٹر شاہ نواز مشہور ضلع راولپنڈی کے وہی نوجوان ہیں جو انگریزی فوج میں کیپٹن تھے۔ بوس کی فوج میں میجر جنرل بنے اور شاید اگلے سال تک پورے جرنیل بن جائیں گے۔ یہ میجر صاحب جب سے رہا ہوئے ہیں۔ ہندو کانگرس کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ گذشتہ جنرل انتخابات میں انھوں نے سارے ہندوستان کی خاک چھانی اور مسلم حلقوں میں مسلم لیگ کے خلاف پروپیگنڈہ کیا اس کے باوجود انھیں یہ جرأت ہوئی کہ آپ نے قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے یہ شکایت کی کہ پنجاب کے مسلمان اخبار مجھے ہندو کانگرس کا پٹھو سمجھتے ہیں۔

ہمیں حیرت ہے کہ ایک مسلمان کو ہندو کانگرس کا پٹھو بنتے ہوئے شرم نہیں آتی مگر جب اسے یہ کہا جاتا ہے کہ تم کانگرس کے پٹھو ہو تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے گالی دی گئی ہے۔ شاہ نواز صاحب نے اب جس مہم کا بیڑہ اٹھایا ہے یہ پہلے ان کے آقا و مولا پنڈت نہرو کے ہاتھ میں تھی اور پنڈت جی کو اس مہم میں عبرت ناک ناکامی ہوئی۔ اب شاہ نواز آزمائے ہوئے کو آزمانے نکلے ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں یہ عرض کرنی چاہتے ہیں کہ جلوس نکلوانا اور نوجوانوں کو

سے ملک لٹوانا اور کام ہے اور مسلمانوں کو ہندو کانگرس کے جھنڈے تلے منظم کرنا اور کام۔ اگر مقصد بعض مسلمان "پرانت پتیوں" اور "ضلع پتیوں" کی طرح کانگرسی سیٹھوں کے بلیک مارکیٹ سے کمائے ہوئے روپے سے گلچھرے اڑانا اور عیش کرنا ہی ہے تو میجر جنرل شاہ نواز شوق سے یہ مہم چلائیں لیکن اگر وہ واقعی کوئی کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو جو کام نہرو اور آزاد سے نہیں ہو سکا اُسے راولپنڈی کے ایک کوردہ گورنر کا یہ نوجوان جو سوچتا بہت کم اور بولتا بہت زیادہ ہے کیونکر سرانجام دے سکے گا۔ بہرحال راولپنڈی کے مسلمان خبردار رہیں۔"

ترنتارن میں احراری فتنہ انگیزی

"ترنتارن کے مسلمان ایک پسماندہ اقلیت ہیں اس لیے مقامی مسلم لیگ کی ایک سب کمیٹی میں یہ طے پایا کہ مقامی ہندو مہا سبھا اور کانگرس کی ریشہ دوانیوں کے مقابلہ میں اسلامیان ترنتارن کی یکجہتی اور اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے۔ مقامی مجلس احرار سے یہ سمجھوتہ کر لیا جائے کہ آئندہ پبلک جلسوں میں ہر دو جماعتوں کے راہنماؤں پر ذاتی اور شخصی حملوں سے پرہیز کر کے صرف اپنی جماعتی پالیسی خدمات اور پروگرام کو پیش کیا جائے۔ چنانچہ مسٹر حمید انور (مسلم لیگ) اور مسٹر عبدالواحد صدر مجلس احرار کے درمیان ہر دو جماعتوں کی طرف سے اس اصول پر سمجھوتہ طے پا گیا مگر مورخہ ۲۰ دسمبر کی شب کو ایک احراری پبلک جلسہ میں احراری دوستوں نے اس سمجھوتہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قائداعظم کی ذات گرامی پر نہایت رکیک حملے کیے جس سے جلسہ میں بدامنی پھیل گئی اور پولیس کو امن

بحال کرنے میں مشکلات پیش آئیں۔ ایک احراری مولوی نے چیلنج دیا کہ ان کے اعتراضات کا جواب دیا جائے۔ اس پر مسٹر حمید انور نے اعلان کیا کہ وہ اس چیلنج کو منظور کرتے ہیں۔ مگر احراری دوستوں نے وقت دینے سے انکار کر دیا جس پر جلسہ میں دوبارہ بدامنی پھیل گئی جو پولیس کی کوششوں کے باوجود دور نہ ہو سکی اور جلسہ بغیر کسی انجام کے منتشر ہو گیا۔ اختتام پر عبدالواحد صدر مجلس احرار نے یہ اعلان کیا کہ ان کی جماعت کی طرف سے سمجھوتہ کی جو خلاف ورزی کی گئی ہے اس سے انھیں سخت صدمہ ہوا ہے۔ لہٰذا وہ مجلس احرار کی صدارت سے بطور پروٹسٹ مستعفی ہوتے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بدنظمی کے دوران میں سکھ اور ہندوؤں کی طرف سے بھی مجلس احرار کی تائید و پشت پناہی میں نعرہ تکبیر بلند کیا جاتا رہا جس سے مقامی مسلمانوں کو سخت حیرت اور اچنبھہ ہوا۔ شہر کے مسلمان اس واقعہ کی ہر جگہ مذمت کر رہے ہیں۔" (نوائے وقت یکم جنوری ۱۹۴۶ء)

مسلم طلبا احرار کے گڑھ میں

"راہوں (ڈاک سے) آج اسلامیہ کالج لاہور کا وفد مشتمل محمد یٰسین قائمہ وفد، ظہور الدین، محمد امین، نیاض الحسن، معراج الدین اور دیگر ممبران وفد نے "راہوں"[1] اور اس کے اردگرد کے علاقہ جیٹ جو کہ احرار کا مرکز ہے۔ کا دورہ کیا اور تبلیغ کرنے کے بعد کئی احراریوں کو مسلم لیگی بنایا۔

---

[1] قصبہ راہوں میں چودھری عبدالرحمٰن خان (مرحوم) ایک بڑے زمیندار تھے، جو زندگی بھر احرار کی حمایت و تائید کرتے اور الیکشن لڑتے اور کامیاب ہوتے رہے لیکن ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگی امیدوار نے انھیں شکست دی۔ (مؤلف)

پندرہ میل پیدل سفر کیا اور تقریباً دس دیہات کا دورہ کیا اب تک یہ وفد نو ہزار اشخاص کو لیگ کا پیغام پہنچا چکا ہے۔ راہوں میں محمد یٰسین نے تقریر کی راہوں کا جلسہ کامیاب تھا۔"

فقط قائد وفد

(نوائے وقت ۵ جنوری ۱۹۴۶ء)

ایک ورق گم گشتہ

جناب خلیق قریشی پاکستان کے نامور صحافی اور نظریۂ پاکستان پر اعتقاد و ایمان رکھنے والے مخلص و نڈر اور اسلام کے بے باک ترجمان ہیں۔ آپ نے میری درخواست پر یہ واقعہ "ایک ورق گم گشتہ" تحریر فرمایا ہے جس کی میں نے اپنی کتاب کے لیے فرمائش کی تھی۔

ملاحظہ فرمائیے:۔

"قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے مثال فراست۔ بے نظیر قابلیت اور بے عدیل قوتِ فیصلہ کے باعث بڑوں کے لیے خوف اور نوجوانوں کے لیے محبت کا مرکز بن چکے تھے۔"

ذرا آگے چل کر رقمطراز ہیں:۔

"قائدِاعظمؒ نے بالکل صحیح طور پر نوجوانوں کو اپنا مخاطب قرار دیا تھا وہ افسردہ اور پژمردہ رگوں کی بجائے اُن شہ رگوں کو دیکھ رہے تھے جن میں اُبلتا ہوا گرم خون دوڑ سکتا تھا وہ برق و شرار سے کام لینا جانتے تھے اور کام لینا چاہتے تھے وہ دیکھتے تھے کہ مختلف اوقات میں بکھری ہوئی اور منتشر تحریکوں سے قوم کو وہ حاصل نہیں ہو سکا۔ جس کی یہ تحریکیں اور قوم مستحق تھی۔

پھر فرماتے ہیں:۔

"چنانچہ نوجوان گروہ در گروہ قائداعظمؒ کے گرد پروانہ وار جمع ہو رہے تھے۔ برصغیر کے ایک سرے سے دوسرے کونے تک نوجوان پاکستان زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند کر رہے تھے انھیں حالات میں قائداعظمؒ لاہور تشریف لائے۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ یہ کانفرنس فی الحقیقت پاکستان کے لیے خشتِ بنیاد اور اس منزل پر صحیح قدم اوّل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کانفرنس نے طلبا کی راہوں کو معین اور ارادوں کو مضبوط کیا تھا۔ اس کانفرنس نے ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کی بے مثال فتح کی بشارت دی تھی۔ اس کانفرنس کے متعلق بے شمار مضامین اخباروں میں آ چکے ہیں۔ اس لیے ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔"

لکھتے ہیں:-

"میں بھی اپنے بے شمار ساتھیوں کی طرح اس کانفرنس میں شرکت کے لیے بطور خاص گیا ہوا تھا۔ اس ضمن میں کام کرنے کا شرف بھی مجھے حاصل تھا اس کانفرنس میں جس کی صدارت آنریبل سید حسن امام کر رہے تھے جہاں تمام اکابر قوم جمع تھے۔ یہ اعزاز بھی مجھے حاصل ہوا کہ مرتبہ پروگرام میں نظم کا وقت گذر جانے کے بعد قائداعظمؒ کے خاص ارشاد کے تحت مَیں نے وہ نظم پڑھی ؎

پھر پرچم اسلام اُڑاتے ہوئے اُٹھو
توحید کا نقارہ بجاتے ہوئے اُٹھو

لیکن مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ قائداعظمؒ نے اس کانفرنس کے موقع پر میری گذارشات خصوصی توجّہ کے ساتھ سنیں جو مَیں نے سابق پنجاب کے ان بدنصیب انسانوں کے متعلق

کمیں جنہیں دیہات میں "کمین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ میں نے حضرت قائداعظمؒ سے عرض کیا کہ دیہات میں مسلمان طبقوں میں نہایت ہی بری غیر اسلامی تقسیم ہے۔ انگریز نے اپنے وسیع تر مقاصد کے تحت یہ تقسیم پیدا کی ہے۔ مگر اس سے مسلمانوں کو من حیث القوم بڑا نقصان پہنچ رہا ہے۔ خصوصیت سے اس لیے کہ ہندوؤں کے تینوں طبقوں یعنی شہری ہندو جاٹ۔ ہندو اور اچھوت ہندو کو مراعات مل رہی ہیں۔ شہری سکھ جاٹ سکھ اور مذہبی سادہ بھی تمام مفادات حاصل کر رہے ہیں۔ مگر مسلمان انگریز کی پیدا کردہ تقسیم سے مختلف گروہی مفادات میں الجھ گئے ہیں اور برادریوں کے تعصب کا بہت بری طرح شکار ہو گئے ہیں۔ مجھے خوشی ہے۔ کہ قائداعظمؒ نے میری ان گذارشات کو بے حد توجہ کے ساتھ سنا اور اکثر لمحات میں حیرت کے ساتھ فرمایا۔ "واقعی دیہات میں ایسی صورت ہے، یہ تو بری بات ہے۔"

قائداعظمؒ نے پاکستان کی جنگ فتح و کامرانی کے ساتھ جیتی انھوں نے پاکستان کو پاکستان کے عوام کا سرمایہ قرار دیا۔ آج قائداعظمؒ ہم میں نہیں مگر یہ موضوع آج بھی موجود ہے کیا صدر ایوب اس نہایت درجہ، اسلامی اور انسانی موضوع کی طرف توجہ کریں گے؟"

(روزنامہ "عوام" ۷ جون فروری ۱۹۶۲ء)

ترانۂ پاکستان

اب آپ ترانۂ پاکستان جو جناب انور کرمانی صاحب لدھیانوی نے ۷ر فروری ۱۹۴۶ء کو "نوائے وقت" میں شائع کرایا عہد رفتہ کی یاد اور جوش و ایمان تازہ کرنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔ ہمارے نوجوانانِ قمت

اس ترانہ سے بخوبی اندازہ فرما سکیں گے کہ اقبالؒ کے دیوانوں اور قائد اعظمؒ کے فرزانوں نے کس جوش و خروش سے جنگ پاکستان لڑی تھی۔ توجہ فرمائیے:۔

ایک ہی دھن میں ایک ہی لے میں — بڑھتے جائیں گاتے جائیں
جادۂ پاکستان کے راہی — ملت کے بے باک سپاہی
ہم کو ڈرائے گی کیا شاہی
"لے کے رہیں گے پاکستان"

مسلم لیگ کا پرچم لے کر — ہر بستی ہر شہر میں جا کر
پاکستان کا نعرہ لگا کر — غفلت کے ماتوں کو جگا کر
ملت کا پیغام سنا دو
"لے کے رہیں گے پاکستان"

طاغوتی یلغار سے ڈرنا! — دبدبۂ اغیار سے ڈرنا!
ملت کے غدار سے ڈرنا! — نازی اور ریکار سے ڈرنا!
کوئی خریدے گا کیا ہم کو
"لے کے رہیں گے پاکستان"

کون ہے اب جو آگے بڑھ کر — بپھرے ہوئے طوفان کو روکے
شمع حرم کے پروانوں کو — قوم و وطن کے نام پہ مرٹے
غیرت ملت بیچنے والے!
"لے کے رہیں گے پاکستان"

ہند کے مسلم جاگ اٹھے ہیں — حق اپنا اب مانگ رہے ہیں
ملت کا فرمان یہی ہے — مسلم کا ایمان یہی ہے
جنگ پاکستان یہی ہے
"لے کے رہیں گے پاکستان"

مذہب کے نام پر منافقت

"پچھلے دنوں دہلی میں مسٹر گاندھی کی پرارتھنا کے دوران گڑبڑ سی ہوئی۔ کئی سال سے مسٹر گاندھی نے معمول بنا رکھا ہے کہ جہاں اُن کی پرارتھنا میں ہندو دیوی دیوتاؤں کی حمد و ثنا میں بُت پرستانہ بھجن گائے جاتے ہیں وہاں کوئی مولوی صاحب قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں بعض ہندو نوجوانوں نے اس پر شور مچایا اور یہ کہا کہ ہم مسٹر گاندھی کو بالیکی مندر میں قرآن نہیں پڑھنے دیں گے اس پر کانگرسی رضا کاروں نے ان نوجوانوں کو مار پیٹ کر باہر نکال دیا دوسرے دن پھر بھی گڑبڑ ہوئی اور پولیس کو مداخلت کرنی پڑی چنانچہ تین ہندو نوجوانوں پر اس سلسلہ میں مقدمہ چل رہا ہے۔

"کل مسٹر گاندھی نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ میں ایک سناتنی ہندو ہوں اس لیے میں عیسائی، بُدھ اور مسلمان ہونے کا بھی دعویٰ کرتا ہوں۔ کچھ مسلمان دوست بھی پوچھتے ہیں کہ میں پرارتھنا میں قرآن کی آیات کیوں پڑھتا ہوں لیکن وہ نہیں جانتے کہ اصلی مذہب زبان اور کتاب کی بندشوں سے آزاد ہے مجھے کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی کہ میں کلمہ کیوں نہ پڑھوں۔ اللہ کی حمد و ثنا کیوں نہ کروں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنا پیغمبر کیوں نہ سمجھوں۔"

ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ مسٹر گاندھی اسلام کی مبادیات اور کلمہ کی اساس تک سے ناواقف ہیں اس لیے ہمیں بڑے افسوس اور دلی رنج کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ ریاکاری اور منافقت سے کام لیتے ہوئے عوام کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ سناتنی ہندو بُدھ کیسے ہو سکتا ہے؟ بُدھ مت

کی تحریک سناتن دھرم کے خلاف بغاوت کی تحریک تھی۔ کسی شخص کا یہ کہنا کہ وہ بیک وقت ہندو بھی ہے اور بدھ بھی بالکل اسی طرح سے ہے جس طرح کوئی شخص یہ دعوے کرے کہ وہ نازی بھی ہے اور کمیونسٹ بھی۔ اسلام اور ہندو دھرم کا فرق اس سے بھی زیادہ ہے۔ سناتن دھرم دیوی دیوتاؤں اور بتوں کی پوجا پر زور دیتا ہے مگر اسلام کی اساس ہی توحید پر ہے اور مسٹر گاندھی کو معلوم ہونا چاہیے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد ایک سے زیادہ خداؤں کو کیوں کر مان سکتے ہیں؟ اگر وہ کلمہ پڑھنا چاہتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر سمجھتے ہیں تو انھیں ہندو دھرم چھوڑ کر اسلام قبول کرنا ہوگا۔ اسلام دین کامل ہے اور وہ کسی معاملہ میں کسی دوسرے مذہب سے سمجھوتہ کا روادار نہیں کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد ہندو دھرم یا عیسائیت کا حلقہ بگوش نہیں رہ سکتا۔

بات دراصل یہ ہے کہ مسٹر گاندھی نے یہ ڈھونگ بھی ایک مذموم غرض کے ماتحت رچایا ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور اسلام باقی سب دینوں سے مکمل اور افضل ہی نہیں بلکہ اب ہدایت و نجات کا رستہ صرف دین اسلام ہی ہے۔ مسٹر گاندھی مسلمانوں کو اس عقیدہ سے منحرف کرنا چاہتے ہیں اگر وہ مسلمانوں کے اس عقیدہ پر کھلم کھلا حملہ کریں تو انھیں اس میں کامیابی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس سے مسلمان مشتعل ہوں گے لہٰذا انھوں نے ایک اور طریقہ ڈھونڈ نکالا ہے جو زیادہ موثر ہے وہ طریقہ یہ ہے۔ کہ یہ پروپیگنڈہ کیا جائے کہ سب مذہب سچے ہیں اور سب مذہب برابر ہیں۔ سب مذہبوں میں خیالو

سچائی ایک ہی ہے اس لیے اسلام ہندو دھرم اور بدھ مت میں کوئی فرق نہیں۔ مسٹر گاندھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کا یہ پروپیگنڈا فریب پر مبنی ہے ورنہ وہ اسلام اور ہندو دھرم میں فرق کے قائل نہ ہوتے تو اپنے سب سے بڑے بیٹے ہیرا لال کے قبول اسلام پر جامے سے باہر نہ ہوتے اور نہ یہ اعلان کرتے کہ میرے احباب کو میرے نومسلم بیٹے سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے میں نے اسے عاق کر دیا ہے۔

قرآن کریم کی پرارتھنا میں تلاوت کی تہ میں بھی یہی مذموم جذبہ کام کر رہا ہے مسٹر گاندھی قرآن حکیم کو بھی رامائن اور گیتا کی سطح پر لے آنا چاہتے ہیں۔ بت پرستانہ بھجنوں کے گائے جانے کے پہلے یا بعد قرآن کی تلاوت کر کے مسٹر گاندھی مسلمانوں کی کوئی خدمت نہیں کر رہے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کی دلآزاری کرتے ہیں اگر وہ اپنی مشرکانہ پرارتھنا میں قرآن کریم کی تلاوت بند کر دیں تو مسلمان ان کے شکر گزار رہیں گے۔"

(نوائے وقت۔ ۱۱ اپریل ۱۹۴۷ء)

مولانا ابوالکلام مرحوم نے قرآن عزیز کی جو تفسیر اپنے دور متحدہ قومیت میں کی ہے۔ وہ مہاتما گاندھی کے اسی نظریے کو پیش نظر رکھ کر لکھی ہے کہ تمام مذاہب یکساں ہیں اور عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں ہیں۔ قرآن عزیز کی اسی گاندھوی تفسیر و تشریح اور تاویل نے مہاتما گاندھی میں یہ حوصلہ پیدا کیا کہ وہ مسلمانوں کو ورغلانے اور دھوکہ دینے کے لیے ایسے فریب آمیز ہتھکنڈے استعمال کرے جب کسی شخص کی دل و نگاہ غلامانہ ہو تو اس سے ایسی حرکات کا سرزد ہو جانا تعجب انگیز نہیں ہوتا۔ ابوالکلام مرحوم کی کانگریسانہ تفسیر ہی نے

گاندھی میں یہ جرأت پیدا کی کہ وہ اسلام کو بدھ مت اور ہندوازم کے ساتھ لا کھڑا کرے چونکہ اس موضوع پر اس کتاب میں جگہ بجگہ مواد دیا گیا ہے اس لیے اس مقام پر ہم چنداں ضروری نہیں سمجھتے کہ مزید کچھ لکھا جائے صرف اتنا عرض کریں گے کہ نیشنلسٹ علماء کے سرخیل اور ابوالا یا ابوالکلام مرحوم نے گاندھی و کانگرس کے لیے جتنا مؤثر و مفید کام کیا ہے اور اسلام کے بنیادی اصولوں کی حقیقت و روح کو مسخ کرنے کے لیے وہ قابل نافراموش کردار ادا کیا ہے جسے رہتی دنیا تک تاریخ اپنے دامن میں محفوظ رکھے گی اور آئندہ آنے والی نسلوں کو عبرت و موعظت کے ہزاروں سبق ملیں گے اور ان تاریخی حقائق کو دیکھ کر نوجوانان ملت مضطربانہ کیفیت و حالت میں بے تابانہ پکار اٹھیں گے کہ

ہماری منزل کا تھا وہ دشمن ہماری راہیں بگاڑتا تھا۔

جب راشٹرپتی ابوالکلام مرحوم واردھا کے سامری کے سحر کے زیر اثر قرآن عزیز کی اس قسم کی تفسیر کر رہے تھے تو فطرت ان کی اس حرکت مذموم پر مسکرا رہی تھی اور نوجوانانِ ملت کو یہ مژدہ جانفزا سنا رہی تھی۔

کھلیں گے کچھ قدرتی شگوفے جب اپنے کانٹے یہ بو چکے گا۔

دنیا نے دیکھا کہ اقبالؒ کے مدرسے میں جو اس وقت زیر تربیت تھے۔ انھوں نے کس طرح اس دجل و فریب کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا اور مسلمانانِ ہندوستان کو اس مکر و ریا سے آگاہ و خبردار کر دیا جو گاندھی کی آرزوؤں اور مطلب براریوں کی شکل میں اس تفسیر میں جھلکتا نظر آتا تھا۔ اس مرد خبیر و بصیر کے شاگردوں اور فیض یافتہ نوجوانوں نے جو رسم شاہبازی کے طور طریقے اور انداز و اسلوب حکیم الامتؒ کی زیر تربیت رہ کر سیکھ چکے تھے۔ کس طرح واردھا کے اس گیدڑ کی تکا بوٹی کر دی۔

راجہ مہندر پرتاپ

• "کانگرس کو مسلمانوں کا اعتماد حاصل نہیں اس پر ہندو ذہنیت غالب ہے"

مشہور انقلاب پسند راجہ مہندر پرتاپ کا اعلان حق

ڈیرہ دون ۱۶ ارجنوری۔ ہندوستان کے مشہور انقلاب پسند لیڈر راجہ مہندر پرتاپ نے جو ۳۱ سال کی جلاوطنی کے بعد ہندوستان واپس آئے ہیں، اپنے اخبار میں کانگرس کی ہندو ذہنیت کی شدید مذمت کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ کانگرس کو مسلمانوں کا اعتماد حاصل نہیں۔ راجہ صاحب نے اپنے بیان میں فرمایا ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسلمانان ہند کی نوّے فیصدی آبادی مسلم لیگ کے رہنماؤں کو دن رات مغلظات نہیں سناتے؟ ایک ایسی سیاسی جماعت کو "واحد نمائندگی" کا دعوٰے زیب نہیں دیتا جس پر ملک کی اتنی کثیر تعداد عدم اعتماد ظاہر کرتی ہو مجھے کانگریس کی تحقیر و تذلیل مقصود نہیں صرف اپنی جماعت کی خامیوں کے دُور کرنے کے لیے حقیقت حال بیان کر رہا ہوں میں ببانگ دُہل کہتا ہوں کہ اگر کانگریس کو اس نیم بر اعظم ہندوستان کی "واحد نمائندہ" جماعت بننا مقصود ہے تو ان تمام نظریات کو خیر باد کہہ دینا چاہیئے جو ملک میں اختلاف کا باعث بنیں۔

مجھے اعلان کرنے میں ذرا باک نہیں کہ کانگرس میں ہندو ذہنیت کام کر رہی ہے۔ غیر ملکی حکومت کے مشترکہ نظام حکومت میں تو کسی فرقہ وارانہ عصبیت اور تنگ نظری کو کی واضح نقصان

نہیں پہنچاتی لیکن آزاد ہندوستان میں ایسے جذبات کی پرورش تباہی و بربادی پر منتج ہوگی۔ کیا ہمارے ہندو بھائی نہیں جانتے کہ افغانستان سے مراکو تک ہزارہا اور لکھوکھا میلوں کے وسیع عریض رقبہ میں پیروان اسلام آباد ہیں۔ روسی وسطی ایشیا میں تین آزاد اسلامی ریاستیں قائم ہیں۔ چین میں تیس کروڑ بلکہ اس سے زائد مسلمان آباد ہیں۔ جاوا، سماٹرا سب خالص مسلمانوں کی آبادیاں ہیں۔" (نوائے وقت ۱۰ر جنوری ۱۹۴۶ء)

غازی جمال الحسینی

اب آپ بیرون ہندوستان کے مسلم زعما و قائدین کے مسلم لیگ قائداعظم اور پاکستان کے متعلق خیالات و احساسات دیکھیے۔ ہم نے حقیقت پسند غیر مسلموں کی حق بیانیاں بھی اپنے قارئین کی نذر کی ہیں۔ احمد اسیر دا رودھا، ابوالکلام و مدنی (مرحومین) کی اسلام و دشمنی اور مسلمانوں سے ہمدردیوں کے بارے میں کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ نیشنلسٹ علماء اسلام کے مقدس نام پر کس طرح مہاتما گاندھی کے مذموم عزائم اور ناپاک آرزوؤں کی تائید و حمایت کرتے چلے آرہے ہیں اور مسلمانان ہند کے مفادات کو کس طرح زک پہنچانے کی تراکیب و تجاویز سامنے لا رہے ہیں۔ اب آپ غازی جمال الحسینی صاحب کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

"لندن کی فلسطین کانفرنس میں فلسطینی عربوں کے قائد غازی جمال الحسینی نے بھی شرکت کی۔ کانفرنس کے اختتام پر لندن مسلم لیگ کی طرف سے عرب ڈیلی گیشن کے اعزاز میں ایک شاندار ڈنر دیا گیا۔ اس تقریب میں عرب رہنماؤں کے علاوہ انڈیا آفس

کے ارکان اور برطانی وزارت کے اکثر وزیروں نے شرکت کی اس موقع پر مسٹر عبدالرحمان صدیقی رکن اول انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے جو فلسطین کانفرنس میں ہندوستان کی طرف سے غیر سرکاری شاہد تھے عرب راہنماؤں کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک پرجوش تقریر کی۔ آپ نے فرمایا:۔

"دُنیائے اسلام نے یہودیوں کے جارحانہ اقدامات کے مقابلہ میں جو متحدہ محاذ قائم کیا ہے۔ اسلامیان ہند اس جدوجہد میں ساری اسلامی دُنیا کے ساتھ مل کر ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہیں۔ میں ہندوستان کے دس کروڑ فرزندان اسلام کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کی طرف سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ارض مقدس کو یہودی دست برد سے محفوظ رکھنے کی جنگ میں مسلم لیگ تن من دھن سے عربوں کی مدد کرنے کے لیے تیار ہے اور اگر ارض مقدس کی حفاظت کے لیے عرب ممالک نے برطانی ملوکیت اور یہودی سرمایہ داری کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تو مسلم لیگ ہزاروں کی تعداد میں رضا کاروں کے دستے اس مقدس جنگ میں حصہ لینے کے لیے بھیجے گی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دس کروڑ فرزندان توحید فلسطینی عربوں کے مطالبات کی پشت پر ہیں۔"

آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"مسلم لیگ کی مخالف جماعت کی طرف سے اسلامی دُنیا یورپ اور امریکہ میں نہایت شدومد سے یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمان ہندوستان میں برطانوی ملوکیت کو قائم رکھنے کے حامی ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ ہندوستان بھی آزاد ممالک کی صف

میں کھڑا ہو۔

ہمارے مخالفین کا یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جس پر خود اُن کے سر ندامت سے جھک جانے چاہئیں۔"

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"آج پاکستان محض ایک نظریہ اور تخیل ہی نہیں رہ گیا بلکہ دس کروڑ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال بن چکا ہے اور ایک قومی نصب العین کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ مسلمانوں کا بچہ بچہ یہ عزم کر چکا ہے کہ وہ ہندوستان میں ایک خود دار، باوقار اور آزاد قوم کی حیثیت سے رہے گا۔ خواہ اس کے لیے اُسے ہندو اور انگریز کی اجتماعی قوتوں کے خلاف ہی کیوں نہ لڑنا پڑے۔"

ولی عہد شہزادہ امیر سیف الاسلام

مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی کی تقریر کے بعد یمن کے ولی عہد شہزادہ امیر سیف الاسلام نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"فلسطین کے معاملہ میں ہندوستانی مسلمان جس ہمدردی اور سرگرمی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ عرب دُنیا اس کے لیے اسلامی ہند کی شکر گزار ہیں۔ عرب دُنیا کی ہمیشہ یہ تمنا رہی ہے کہ ہندوستان جلد سے جلد عروسِ آزادی سے ہمکنار ہو۔ ہم عرب مسلمانوں اور اُن کے قائد محمد علی جناح کے سپاس گزار ہیں۔ کہ انھوں نے فلسطین کی تحریک آزادی سے ہمدردی ظاہر کر کے بین الملی اور اسلامی تعلقات کے قصر رفیع کی بنیاد رکھ دی ہے۔"

آگے چل کر آپ نے فرمایا:۔

"میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہندی مسلمان اپنے مطالبہ پر یقین محکم کے ساتھ ڈٹے رہے تو وہ یقیناً اس کو منوالیں گے۔"

فلسطین کی مجلس کبیر کے صدر جمال الحسینی نے جنوری ۱۹۴۶ء میں مجاہد حریت فلسطین کی قیادت کی تھی ایک مختصر تقریر میں فرمایا:۔

"میں نے مسلمانان ہندوستان کے مطالبہ آزادی کا عمیق نظروں سے مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں ان بیانات واعلانات کو جو مختلف مواقع اور مراحل پر برطانوی حکومت اور کانگریس کی طرف سے شائع کیے گئے ہیں پڑھا ہے۔ ایک غیر جانبدار مبصر کی حیثیت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے مطالبہ میں معقولیت اور وزن ہے اور خود اس مطالبہ کے مخالف بھی اسے تسلیم کرتے ہیں لیکن جماعتی رقابت۔ سیاسی ہٹ دھرمی اور ضد نے ان مخالفین کو اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ وہ مطالبہ کی معقولیت کو تسلیم کرنے کے باوجود نہیں چاہتے کہ ایشیا میں ایک نئی مستحکم اور مضبوط جمہوریت قائم ہو جائے جو اپنے وسیع فوجی، زرعی اور معدنی وسائل کی بدولت مستقبل میں اسلامی دنیا کی قیادت سنبھالنے کے قابل ہو سکے۔"

(عرب اور خلافت پاکستان صفحہ ۲، تا ۸)

ڈاکٹر حسین البنا پاشا

"جمعیت اخوۃ اسلامیہ مصر کے قائد ڈاکٹر حسین البنا پاشا ثانی المصری" میں پاکستان کے متعلق ذیل کے تأثرات کا اظہار کیا:۔

"جن دنوں ہندوستانی مسلمانوں کے لیڈر مصر آئے ہوئے تھے مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ عام طور پر مسلمانوں کے لیڈر سیدی محمد علی جناح کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ متکبر اور خود پرست لیڈر ہیں

اس کے ساتھ ہی ان کے مخالفین یہ بھی تسلیم کرتے تھے وہ گہرے سیاست دان اور اعلیٰ درجہ کے خطیب ہیں۔

میں نے پہلی نظر میں جناح کے متعلق اندازہ لگا لیا کہ وہ مضبوط عزم کا انسان ہے اور سیاست کے میدان میں ایک قابل کھلاڑی ہے۔ گو مجھے اس ملاقات میں اُن سے زیادہ بات چیت کا موقع نہ مل سکا لیکن جب میں اُن سے دوبارہ ملا تو وہ مسکراتے چہرے اور متبسم آنکھوں سے پیش آئے۔ بڑھاپے نے چہرے پر جھریاں ڈال دی ہیں بال برف کی مانند سفید ہو چکے ہیں لیکن عزم کی یہ حالت ہے کہ اس بڑھاپے میں بھی دس کروڑ مسلمانانِ ہند کا یہ باوقار لیڈر بکمال تمکنت سے مجھے یہ کہنے لگا :۔

"برطانوی استعمار نے تو سارے اسلامی دُنیا کو اپنی مضبوط گرفت میں لے رکھا ہے اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں لیکن میری نظر میں اس غلامی کے دُھندلکے میں آزادی کی شعاعوں کو تیزی سے بڑھتے ہوئے دیکھ رہی ہیں۔ دُنیائے اسلام میں بیداری اور آزادی کا احساس روز بروز ترقی کرتا جا رہا ہے۔ دوری منزل کم ہوتی جا رہی ہے۔ میں مسلمانوں سے کبھی مایوس نہیں ہوا اور میرا ایمان ہے کہ کوئی چیز دُنیا میں ناممکن نہیں، اگر ناممکن ہو بھی تو انسانی عزم اور یقینِ محکم ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتا ہے۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں :۔

"مسلمانوں کو ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کے بعد سر سید احمد خاں کے سوا مدت تک کوئی قابل سیاسی لیڈر نہ مل سکا۔ لیکن ۱۹۰۶ء کے بعد کچھ قابل مسلمان سیاست دان میدان میں آگئے۔ جنھوں نے قوم کی گری ہوتی حالت کو سدھارنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس کوشش

کا نتیجہ تحریک خلافت اور تحریک ہجرت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مسلمانوں نے ان تحریکات کے بعد متواتر آگے بڑھنا شروع کیا لیکن برطانیہ اور ہندو دونوں نے مسلمانوں کو تنظیم سے غافل رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا۔ ہندوؤں کی یہ تگ و دو ۱۹۳۶ء تک جاری رہی لیکن ۱۹۳۶ء میں جب پنڈت جواہر لال نہرو نے پہلی بار یہ نعرہ بلند کیا کہ اس ملک میں صرف دو جماعتیں موجود ہیں ایک کانگرس اور دوسری برسر اقتدار حکمران جماعت۔ اگر کوئی سمجھوتہ ہوا تو ان دونوں جماعتوں میں ہوگا اور ہونا چاہیے۔

میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ کانگرس مسلمانوں کو غلام بنانے کا عزم کیے ہوئے ہے۔ اس کے سامنے ہندوستان کی آزادی نہیں بلکہ ہندو حکومت کا قیام ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی قوم کے منتشر اجزا کو ایک مرکز پر لانے کا عزم کر لیا۔ میں نے عہد کیا کہ قوم کو آنے والے خطرات سے آگاہ کروں چنانچہ لکھنؤ میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ہم نے اپنی آزادی اور تنظیم کا سنگ بنیاد رکھا۔

خدا کا شکر ہے جس عظیم کام کے بوجھ کو میں نے اپنے نحیف، کمزور اور بوڑھے شانوں پر اٹھایا تھا، دس سال کے عرصہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمان ایک مضبوط قوم ہے۔ ان کی تنظیم ہے۔ ان کا ایک نصب العین ہے اور انھوں نے اپنے لیے ایک منزل تجویز کرلی ہے۔ وہ منزل پاکستان ہے۔" (عرب اور خلافت پاکستان صفحہ ۹ تا ۱۴)

الاہرام

ایک عربی اخبار رقمطراز ہے:-

"اس میں شک نہیں کہ پاکستان کے قیام سے ہندوستان

کی متحدہ قومیت پر زد پڑے گی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اگر پاکستان قائم نہ ہو تو اس صورت میں ہندوستان دائمی امن سے دوچار ہو سکے گا! ہندوستان میں حال ہی میں جو فسادات ہوئے ہیں ان کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندو اور مسلمان لیڈر اپنی اپنی قوم کو اب اس مرحلہ پر لے آئے ہیں کہ ان کے رگ و ریشہ میں دشمنی کا زہر سرایت کر چکا ہے اور دونوں قومیں ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھنے لگی ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں دونوں قوموں کے لیڈروں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ اکثریت کی دراز دستیوں سے اقلیت کے وسوسات یقین کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ کانگرسی حکومتوں کے لیے یہ زرین موقع تھا کہ وہ مسلمانوں کے قلوب مسخر کرنے کے لیے فراخ دلی اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیتی لیکن ہمیں یہ معلوم کر کے دکھ ہوا ہے کہ کانگریسی صوبوں میں اکثریت نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑے۔ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ بہار، یو۔پی اور بمبئی میں مسلم اقلیت پر ہندوؤں نے کانگرسی جھنڈے کے تحت منظم حملے کیے اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ان بیانات کو ہم کبھی درست تسلیم نہ کرتے بشرطیکہ مسئلہ ہند پر برطانوی پارلیمان کی حالیہ بحث اس کی تصدیق نہ کر دیتی۔ ان فسادات کو ہر جگہ پر ایک دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور یہ وہ دلیل ہے جسے ہندوستان کی قوم پرست جماعت کانگریس بھی کسی صورت میں جھٹلا نہیں سکتی۔" (مرآۃ خلافت پاکستان صفحہ ۱۰۰-۱۰۱)

المصری

"المصری" نے ایک طویل مقالہ میں "پاکستان اور کانگریس" کے عنوان سے

تحت بحث کی اور لکھا:-

"مسلمان اور ہندو دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ برطانیہ جا رہا ہے حقیقت بھی یہ ہے اور ایشیا بیدار ہو گیا ہے۔ برطانیہ بارہا اس امر کا اعلان کر چکا ہے کہ وہ ہندوستان کو چھوڑنے کے لیے تیار ہے۔ بشرطیکہ ہندوستان کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان آپس میں مل جائیں اور متفق ہو جائیں۔ ان واضح اعلانات کے بعد بھی اگر ہندوستان پر برطانوی تسلط قائم رہتا ہے اور ہندو اور مسلمان دونوں کسی ایک خیال یا معاہدہ پر متفق نہیں ہوتے تو ایشیائی اقوام یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گی کہ مشرق میں برطانوی گرفت کو مضبوط کرنے میں ہندوستانی لیڈروں اور سیاسی جماعتوں کا ہاتھ ہے۔ ہم نے ان بیانات کو جو قاہرہ ریڈیو سے نشر کیے گیے ہیں یا دس کروڑ مسلمانوں کے لیڈر مسٹر محمد علی جناح نے عام اجتماعات میں قاہرہ دیئے خود سے پڑھا ہے۔ پاکستان سے الگ ہو کر ایک چیز تسلیم کرنی پڑے گی کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ۱/۴ حصہ میں انھیں اور ۳/۴ حصہ میں ہندوؤں کو اپنی مرضی اور منشا کے مطابق حکومت قائم کرنے کا حق ہو کافی وزنی ہے۔"

(صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۴)

قاہرہ ریڈیو

قاہرہ ریڈیو نے عربی کے پروگرام میں قائد اعظم محمد علی جناح سے اپنے خاص نمائندہ کا ایک انٹرویو نشر کیا۔ قاہرہ ریڈیو نے اپنے خاص نمائندہ احمد عبدالغفار کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ قائد اعظم محمد علی جناح سے ملاقات کر کے ہندوستانی مسلمانوں کے

معاملات پر ایک انٹرویو حاصل کریں۔ چنانچہ قاہرہ ریڈیو کے خاص نمائندہ نے قائد اعظم جناح سے ملاقات کی اور ملاقات کے بعد اس نے ذیل کے تاثرات بیان کیے۔ جو قاہرہ ریڈیو سے عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں نشر کیے گیے:۔

"ہندوستانی مسلمانوں کا قائد اعظم اعلیٰ درجہ کا نباض اور دوررس نظر رکھتا ہے وہ اپنے خیالات و افکار اور نظریات کو پیش کرنے کے لیے بہترین الفاظ کے انتخاب پر پوری طرح قادر ہے میرے ساتھ اُن کی گفت وشنید نہایت متاثر کرنے والی اور اثر ریز تھی وہ نہایت پُر متانت اور مدبرانہ انداز میں بات چیت کر رہے تھے جیسے ہی انھوں نے گفتگو شروع کی میں نے محسوس کیا کہ ایک اعلیٰ درجہ کا سیاست دان اور مدبر بول رہا ہے۔ ایک مضبوط سیاسی خیالات کی حامل و منظم شخصیت متکلم ہے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ اپنے مشن کی وضاحت کرنے پر قادر ہے۔ مجھے باآسانی یہ سمجھنے میں آیا کہ وہ ہندوستان میں اپنے ہم مذہبوں کے کاز کے لیے ناقابل تسخیر عزم کے ساتھ لڑنے کی قوت رکھتا ہے"۔

میں نے اُن سے آپ کے مشن کے متعلق سوال کیا وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئے اپنی پیشانی کو چھوا اور پھر اپنے برف سے سفید بالوں میں لانبی انگلیوں سے شانہ کرنے لگے۔ پھر سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے اثر ریز آواز میں سلسلہ کلام شروع کیا آپ نے فرمایا۔

"ہندوستان ایک بر اعظم ہے اس کی تاریخ ماضیہ پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ماضی میں ہندوستان کبھی بھی ایک مرکزی حکومت کے زیر اقتدار نہیں رہا اور نہ ہندوستان پر حکومت کرنے والے شاہی خاندان اس وسیع بر اعظم کے مختلف فرقوں اور قوموں کو ایک مرکز کے ماتحت لا سکے لیکن برطانیہ نے ہندوستان کو

یہ مشورہ دے رہا ہے کہ انھیں مرکزی حکومت قائم کرنی چاہیے جس کا صدر مقام دہلی میں ہو۔ لیکن مسلمانان ہندوستان اس مرکزی حکومت کے قیام کے خلاف ہیں، اگر متحدہ ہندوستان کی حکمت عملی کو تسلیم کر لیا جائے یا یہ کامیاب ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان ختم ہو گئے۔" (صفحہ ۱۰۵ تا ۱۰۶)

وزیر اعظم مصر

وزیر اعظم مصر محمود فہمی النقراشی پاشا نے قائد اعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا۔ اس تقریب میں مصر کی تمام پارٹیوں کے لیڈروں اسمٰعیل صدقی پاشا۔ عبید مکرم پاشا۔ نحاس پاشا۔ حسین ہیکل پاشا۔ عبدالرحمن عزام پاشا۔ عمر پاشا۔ عبدالفتاح پاشا۔ حضرت مفتی اعظم فلسطین الحاج سید امین الحسینی اور دوسرے عرب لیڈروں نے شرکت کی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے قائد اعظم جناح نے نظریہ پاکستان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

• "مصر کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مسلم لیگ کس بات کے لیے جد و جہد کر رہا ہے اور عربوں اور مصر کے لیے پاکستان کا حصول کیا اہمیت رکھتا ہے۔ صرف پاکستان کے حصول کے بعد ہی ہندوستان اور مصر صحیح معنی میں آزاد اور خود مختار ہوں گے ورنہ طول و عرض مشرق وسطیٰ میں ہندو سامراج قائم ہو جائے گا۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

• "مخالفین کی طرف سے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ مسلمان آزادی ہندوستان کے خلاف ہیں یہ ایک ایسا جھوٹ ہے جس کی تردید

کرنا بھی مسلمان اپنے لیے تو ہین خیال کرتا ہے۔ مسلمان نے ہندوستان کی آزادی کے لیے ہندوؤں سے بہت زیادہ قربانی کی ہے۔ مسلمان آج بھی ہندوستان کی آزادی کے لیے انگریز سے نبرد آزما ہے۔ مسلمان ہندوستان میں ہر فرقہ اور قوم کی آزادی کے لیے لڑ رہا ہے۔ مسلمان ہندوستانی سرمایہ دار یہودی (بنیا) کے خلاف لڑ رہا ہے وہ اس طاقت کے خلاف لڑ رہا ہے جو اعلیٰ ذات کے ہندو سرمایہ داروں کو تمام ہندوستان کی قوموں پر مسلط کر دینا چاہتی ہے۔

مسلمان یہ چیز ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ انگریز کی غلامی کی زنجیریں توڑنے کے بعد ہندو سرمایہ دار کی غلامی میں چلا جائے۔ ہندوستان کا مسلمان برطانیہ اور ہندو سرمایہ داروں سے اس وقت تک لڑے گا۔ جب تک کہ وہ اپنے لیے آزاد ہندوستان میں آزاد پاکستان قائم نہیں کرے گا۔"

"حضرات! آپ اس وقت پاکستان کی اہمیت کو نہیں سمجھ رہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک وقت آئے گا۔ کہ جب مشرق وسطیٰ کے مسلمان پاکستان کی اہمیت کو سمجھیں گے۔ پاکستان دس کروڑ مسلمانان ہندوستان کا محبوب نصب العین ہی نہیں بلکہ اس کے قیام سے مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک یہودیوں سے بھی زیادہ خطرناک اور سازشی قوم سے محفوظ ہو جائیں گے۔ جس کے پیش نظر یہ چیز ہے کہ اکھنڈ ہندوستان کی اجتماعی فوجی طاقت کے بل بوتے پر مشرق وسطیٰ کے ممالک کو تجارتی منڈیاں بنا لیا جائے۔ جس کے پیش نظر یہ ہے کہ عدن پر قبضہ کر کے اس کو ہندوستان کے دفاع کی پہلی چوکی بنا لیا جائے۔"

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:-

"ہم اپنے عرب بھائیوں سے اپنی جدوجہد میں امداد کے طالب ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اُن کی دُعائیں ہمارے شامل حال رہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانانِ ہندوستان کی مشکلات سے پورے طور پر باخبر رہیں اور ان کی آواز ہماری آواز کے ساتھ مل کر اٹھے تاکہ اس کے خروش سے دُنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہندوستان کا مسلمان تنہا نہیں بلکہ اسلامی دنیا کی حمایت اس کے ساتھ ہے۔"

مصطفےٰ نحاس پاشا

قائداعظم کی تقریر کے بعد وفد پارٹی کے لیڈر نحاس پاشا نے ایک مختصر سی تقریر میں فرمایا:-

"مجھے یہ معلوم کرکے دُکھ ہوا ہے کہ کانگرس ایسی قوم پرست جماعت کے جھنڈے تلے بلوائیوں نے بہار، بمبئی اور ہندو اکثریت کے دُوسرے صوبوں میں مسلمانوں پر وحشیانہ اور انسانیت سوز مظالم ڈھائے ہیں اگر ہندوستان کا ہندو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس قوم کو جو ہزار سال تک ہندوستان پر حکومت کرتی رہی ہو ختم کر دے گا۔ مٹا دے گا یا مجبور کر دے گا کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ دے تو یہ ایک مجنونانہ اور دیوانوں کا سا تخیل ہے۔ ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا اس کا لازمی نتیجہ ایک ایسی خون ریزی ہوگا۔ جو امن عالم کو کسی وقت بھی تباہ کر سکے گی مجھے مسلمانوں کے حق خود ارادیت سے پورا اتفاق ہے۔"

مصطفےٰ نحاس پاشا مصر کی وفد پارٹی کے لیڈر رہے ہیں اور پنڈت جواہر لعل نہرو کے گہرے اور عزیز دوستوں میں سے ہیں ان کی تقریر اس لیے اس کتاب میں درج کر دی گئی ہے تاکہ مصر کے قوم پرست طبقہ کے متعلق ہندو جرائد میں جو اکثر لکھا جاتا ہے کہ وہ مسلم لیگ

کے خلاف ہیں اور حزب قوم پرست پاکستان کے تخیل اور نظریہ کے مخالف ہیں یہ واضح ہو جائے کہ ہندو کانگرس کا یہ کتنا غلط اور گمراہ کن پراپیگنڈہ ہے۔" (حزب اور خلافت پاکستان صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۷)

حضرت مفتی اعظم الحاج سیدامین الحسینی

حضرت مفتی اعظم الحاج سیدامین الحسینی نے آجکل قاہرہ میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"میں نے محمد علی جناح سے تخلیہ میں تین گھنٹے تک بات چیت کی۔ مجھ سے زیادہ برطانی ملوکیت اور شہنشاہیت کا دشمن شاید ہی اس مختصر سے اجتماع میں کوئی ہو اس لیے محمد علی جناح کے خیالات وافکار کو اس زاویہ نگاہ سے جانچا کہ آیا وہ حقیقتاً آزادی چاہتے ہیں اور اس آزادی کے لیے وہ انگریز کا مقابلہ کرنے کا عزم رکھتے ہیں اُن سے گفت وشنید کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ محمد علی جناح بہترین ستودہ اور آئینی شخصیت کے ہی حامل نہیں بلکہ وہ انتہائی انقلاب پسندانہ خیالات اپنے دل ودماغ میں رکھتے ہیں مجھے اس امر کا یقین ہو گیا کہ ہندی مسلمان اپنی آزادی کے لیے برطانی شہنشاہیت اور ہندو سرمایہ داریت دونوں کے خلاف لڑنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔"

میرا یہ یقین ہے۔ میرا عقیدہ اور ایمان ہے کہ جب کوئی قوم اس بات کا عزم کر لیتی ہے کہ وہ اپنی آزادی کے لیے ہر بڑی سے بڑی طاغوتی طاقت سے ٹکرا جائے گی تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس قوم کی آزادی کو روک نہیں سکتی۔

ہندوستان کا مسلمان اگر آزادی کا نعرہ لگاتا ہے تو پھر ہندو پالیسی اور فرقے یا قوم کو بیچ یا ہراساں نہیں ہونا چاہیئے۔ ہر قوم کو

پیدائشی حق ہے کہ وہ آزادی حاصل کرے۔ کسی قوم کو محض طاقت اور اکثریت کے بل بوتے پر یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دس کروڑ مسلمانوں کو مجبور کرے کہ وہ اکثریت کے سامنے سرنگوں ہو جائیں۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"ہندوستانی مسلمانوں نے اسلامی ممالک کے ابتلا میں ہمیشہ مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے۔ اگر آج ہندوستان کا مسلمان اپنے ابتلاء و مصائب میں ہم سے مدد کا متمنی ہے تو میں عرب ممالک کے مسلمانوں سے کہوں گا کہ وہ اس موقع پر ہندوستانی مسلمانوں کی اس جدوجہد میں مدد کریں۔ ہندوستانی مسلمانوں کو میرا پیغام یہ ہے کہ:۔

"آزادی مانگنے سے نہیں ملا کرتی۔ بلکہ آزادی قوت بازو سے چھینی جاتی ہے۔ اور یہ قوت نظم و ضبط تنظیم اور جذبۂ ایثار و قربانی سے قوموں میں پیدا ہوتی ہے۔"

(عرب اور خلافت پاکستان صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۰)

حسن ہنگل پاشا لیڈر لبرل پارٹی

حسن ہنگل پاشا لیڈر لبرل پارٹی نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"عرب ہندوستان کی تحریک آزادی اور مسلمانوں کی بقا کی جدوجہد سے گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان اسلامی اخوت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق اگر کسی ہندی مسلمان کو تکلیف پہنچے تو اس تکلیف کا احساس دنیا بھر کے مسلمانوں کے قلوب میں ہونا چاہیے۔ ضرورت اس امر کی متقاضی ہے کہ تمام اسلامی ممالک کی ایک مؤتمر بلائی جائے۔ جس میں دنیا کے ہر خطہ اور ملک کے مسلمانوں کے نمائندے شامل ہوں تاکہ وہ ایک

دوسرے کے معاملات وخیالات سے واقف ہوسکیں۔"
(صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۱)

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام پاشا

اس موقعہ پر مصری نمائندہ ہز ایکسلنسی ڈاکٹر عبدالوہاب عزام پاشا نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میرے خیال میں دُنیا میں اسلامی برادری کی موجودگی پر چنداں روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ساری دُنیا کے مسلمان خواہ وہ کہاں بھی ہوں ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور اس کے طلبا سے ملنے کے لیے اپنی پُرخلوص خواہش کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ میں پُرزور طریقے سے اعلان کرتا ہوں کہ میں نے علی گڑھ کو اپنی توقعات سے کہیں اُونچا پایا۔" (صفحہ ۱۳۵)

حاجی رشیدی لیڈر انڈونیشین وفد

"حاجی رشیدی نے کہا آج کا دن میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا اور ہندوستان اور انڈونیشیا کے مسلمانوں کے مابین دوستانہ تعلقات برقرار رکھنے کے لیے میں انڈونیشیا سے اپنے طلبا علی گڑھ روانہ کروں گا۔ اس توقع کے ساتھ کہ آپ بھی اپنے طلبا روانہ کریں۔"

پروفیسر دانا مردم

"آپ نے فرمایا کہ علی گڑھ ہم سب کے لیے علم کا ایک عظیم الشان مرکز ہو جائے گا۔ پروفیسر دانا مردم انڈونیشیا کے اخبار ابھاو کے ایڈیٹر

ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے ملک کے مسلمان دوسرے ممالک سے عموماً اور اسلامی ہند سے خصوصاً دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے بے قرار ہیں"

آپ نے پُرزور لہجہ میں کہا:۔

"قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح صرف ہندوستان ہی کے قائد نہیں بلکہ وہ ہمارے بھی قائد ہیں"

جامعہ علی گڑھ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی یہ واحد یونیورسٹی ہے اس سے بڑی یونیورسٹی اور کہیں نہیں ہے۔ اس لیے علی گڑھ سارے عالم اسلام کا اسلامی مرکز ہونا چاہیے۔ آخر میں مسلم یونیورسٹی کے سیکرٹری نے فلپائن سیلون اور کے وفد کے لیڈر مسٹر آصف علی حکمت کے بیانات پڑھ کر سنائے۔ اس کے بعد قرارداد پاکستان پڑھ کر سنائی گئی"

(عرب اور خلافت پاکستان صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۹)

برنارڈشا

"یورپ کے بڑے بڑے فلسفی اور مفکرین میں برنارڈشا جیسے اشخاص بھی شامل ہیں مطالبہ پاکستان کے حامی ہیں" (صفحہ ۱۲۰)

ڈاکٹر حسین خالدی

"کچھ عرصہ ہوا کہ فلسطین کی عرب کمیٹی کے سیکرٹری ڈاکٹر حسین خالدی کا ایک پیغام لاہور کے ایک اخبار کے نام آیا تھا جس میں انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو اس متفقہ مطالبہ پر جمے رہنے کی پُرزور ہدایت کی تھی۔ اس سے پہلے مشہور اسلامی مفکر اور مجاہد

اعظم امیر شکیب ارسلان نے اپنے مقالات میں پاکستان کی حمایت کی تھی۔ عرب و عراق بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں ہے۔ وہاں کی پارلیمان کے نائب صدر کا قائداعظم کے پاس فلسطین کے معاملے میں بھیجنا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اب ہر اسلامی ملک میں مسلم لیگ اور پاکستان کی اہمیت کو محسوس کیا جا رہا ہے۔
شبان المسلمین کے صدر اعلیٰ ابو صالح عربی پاشا نے اپنی انجمن کے ترجمان "الفجر الصادق" میں ایک مضمون "عالم اسلام کا نیا دور" شائع کیا جس میں ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے یہ تحریر کیا گیا تھا۔

وننظر مشروع الپاکستان لی شک ان المعلق امل تسعین ملیونا من مسلمی الہند۔ یعنی ہم یہ دیکھ رہے ہیں۔ کہ تحریک پاکستان ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی امیدوں کو بار آور کرنے والی ہے۔ اس کے بعد اسی مذکورہ بالا رسالہ کے اسی پرچہ میں تجویز پاکستان پر ایک مستقل مضمون بھی شائع ہوا تھا۔ جس کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ اس مضمون کے تحریر کرنے والے محمد محفوظ ہیں اور یہ "الفجر الصادق" مصر کے ماہ جون ۱۹۴۶ء کے پرچہ میں شائع ہوا تھا!

(عرب اور خلافت پاکستان صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۳)

انور نشاشیبی

عرب وفد کے ایک رکن، انور نشاشیبی نے لندن میں ۲۹، اگست ۱۹۴۵ء کو لندن مسلم لیگ کے صدر مسٹر عباس علی کو ذیل کا مکتوب لکھا۔

• "اگر پاکستان قائم ہوجائے تو فلسطین کا مسئلہ خود بخود حل ہوجائے گا۔ دس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کی ایک عظیم الشان حکومت کا قیام ایشائی تاریخ کو بدل دے گا اور عرب حکومتوں کے مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی رحمت ثابت ہوگا۔"

فارس الخوری

شام کے سابق وزیر اعظم اور موجودہ وزیر خارجہ فارس الخوری نے ۲۴ جنوری ۱۹۴۵ء کو "ڈان" کے نامہ نگار کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا:۔

"میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آزاد حکومت کے قیام کو بے حد پسند کرتا ہوں۔ آپ نے پُرجوش لہجہ میں فرمایا ہندوستانی مسلمانوں کی یہ آزاد ریاست اسلامی ممالک کے لیے بے حد مفید اور ضروری ہوگی۔"

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"میں یہ بھی کہوں گا کہ دس کروڑ مسلمانوں کو جو نہ صرف ہندوؤں سے مذہبی تفاوت رکھتے ہیں بلکہ دونوں کے طرز بود و باش اور لباس میں بھی نمایاں ہے۔"

"میں آخر میں پھر کانگرسی لیڈروں سے اپیل کروں گا۔ کہ وہ اس بنیادی نکتہ کو سمجھیں اور مسلمانوں کی دوستی کی اہمیت کا احساس کریں کیونکہ یہ چیز ان کے لیے مفید ثابت ہوگی۔" (۲۲ جنوری ۱۹۴۵ء ڈان دہلی)

(عرب اور خلافت پاکستان صفحہ ۵۰ تا ۵۳)

سیدی طٰہٰ

عرب لیگ کی پروپیگنڈہ کمیٹی کے جنرل سیکرٹری سیدی طٰہٰ

نے اپنے، ایک طویل بیان میں جس کے اقتباسات درج ذیل ہیں، پاکستان پر بحث کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

"پاکستان کا سوال تو یہ بذات خود بہت واضح ہے کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان جو یورپ کی بڑی سے بڑی قوم سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ یہ چاہتے ہیں انھیں آزاد ہندوستان میں آزاد وطن کے قیام کا حق حاصل ہو اور اس وطن میں جسے وہ پاکستان کا نام دیتے ہیں اپنی خواہشات اور مذہبی تعلیمات کی روشنی میں حکومت قائم کر سکیں۔" (صفحہ ۴۶)

شیخ نشاشیبی

مشرق وسطےٰ کا دورہ کرنے کے بعد جب لبنان پہنچے۔ تو آپ نے سیاسیات ہند پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا :-

"پاکستان میرے نزدیک ایک خوش آئند چیز ہے۔ تمام ممالک عربیہ محمد علی جناح کی سکیم پاکستان کو دل سے پسند کرتے ہیں کیونکہ اس سکیم میں مسلم حکومت کا جو تصور قائم کیا گیا ہے۔ وہ مستقبل میں عربوں کے لیے بے حد مفید اور ممد و معاون ثابت ہوگا۔"

(۳۰ رجون ۱۹۴۶ء)

(عرب اور خلافت پاکستان صفحہ ۴۳۰)

گاندھی جی کے اعتراضات

یہ تو اسلام سے عشق و محبت اور مسلمان کو سر بلند و سرفراز صاحب شوکت و جلال اور ذی وقار اور با رومند دیکھنے کے متمنی حضرات تھے جن کے خیالات و احساسات اور جذبات آپ سطور

بالا میں پڑھ چکے ہیں اب آپ مسلمانوں کے مونس و غمخوار اور درد مند و دلفگار گاندھی جی کو دیکھئے کہ وہ کس انداز میں قائداعظم کی مخالفت اور مسلمانوں سے ہمدردی و مہربانی کا اظہار فرماتے ہیں۔

اب ہم مسلم لیگ کے معترضین کے اُستاد ازلی جناب گاندھی جی کے اعتراضات کا تجزیہ کر کے دیکھتے ہیں کہ وہ کس درجہ وقیع ہیں۔ وہ حسب معمول اس میدان میں بھی اپنی شان مہاتمائیت کے ساتھ وارد ہوئے ہیں چہرہ زرد لب پر آہ سرد۔ غم سے نڈھال دونوں ہاتھ سے کلیجہ تھامے افتاں و خیزاں تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

"میں پوری جرأت و جسارت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مسٹر جناح اور ان کے ہم خیال حضرات اپنی اس روش سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے۔ بلکہ وہ اس پیغام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں جو لفظ اسلام کے اندر پوشیدہ ہے مجھے یہ کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ آجکل مسلم لیگ کی طرف سے جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میرے دل پر سخت ٹھیس لگ رہی ہے میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کروں گا۔ اگر میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس دروغ بافی سے متنبہ نہ کروں جس کا اس نازک وقت میں ان میں پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔" (ہندوستان ٹائمز ۲۳ ؍ ۱)

اللہ اکبر! مسلمانوں کا درد مہاتما جی کے قلب حزیں کو کس درجہ ستا رہا ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس غم میں گھلے جا رہے ہیں کہ اسلام کے دامن تقدیس پر کوئی دھبہ نہ آ جائے۔ مسلمانوں کو کوئی سیدھے راستے سے نہ بھٹکا دے۔ اللہ رے انداز غمخواری!

ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسماں کیوں ہو

اس اثر میں ڈوبی ہوئی تمہید کے بعد اعتراضات ملاحظہ فرمائیے۔

گاندھی جی علیحدگی کی اسکیم کے خلاف براہِ راست اعتراض نہیں کرتے بلکہ وہ اس اُصول کے خلاف اعتراض کرتے ہیں۔ جس پر علیحدگی کی اسکیم مبنی ہے۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ نظریہ سراسر غیر اسلامی اور حقائق کے خلاف ہے کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں اور چونکہ علیحدگی کی اسکیم کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں اذفات الشرط فات المشروط۔ جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ جداگانہ قوم ہی نہیں تو پھر جداگانہ حکومت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرماتے ہیں:۔

"دو قوموں کا نظریہ بالکل باطل ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت یا خود دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر مسلمان ہوئی ہے یا ان کے آباؤ اجداد مسلمان ہوئے تھے۔ اس لیے محض مسلمان ہو جانے سے وہ ایک جداگانہ قوم نہیں بن سکتے۔ بنگال کا مسلمان وہی زبان بولتا ہے جو وہاں کا ہندو بولتا ہے۔ وہی کچھ کھاتا ہے انہی چیزوں سے دل بہلاتا ہے جن سے ان کا ہندو ہمسایہ دل بستگی کے سامان پیدا کرتا ہے ان کا لباس ایک جیسا ہوتا ہے۔ میرے لیے اکثر بیرونی علامات کی بنا پر ایک مسلمان بنگالی اور ہندو بنگالی میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ سرعلی امام (مرحوم) کو پہلی دفعہ دیکھا میں قطعاً محسوس نہ کر سکا کہ وہ ہندو نہیں ہیں۔ اُن کی گفتگو، لباس آداب و اطوار خوراک سب وہی تھے جو ان ہندوؤں کے تھے جن میں وہ رہتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب میں پہلی مرتبہ قائداعظم مسٹر محمد علی جناح سے ملا ہوں تو پہچان نہ سکا کہ وہ مسلمان ہیں۔ ان کی قومیت تو ان کے چہرے اور آداب و اطوار پر لکھی ہوئی تھی۔ قارئین یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ میں کئی دنوں تک نہیں

مہینوں تک مسٹر ڈبیل (آں جہانی) کو مسلمان ہی سمجھتا رہا کیونکہ وہ داڑھی رکھتے تھے اور ترکی ٹوپی پہنتے تھے۔ ... بس ہندو اور مسلمان دو قومیں نہیں ہیں۔ جنہیں خدا نے ایک بنا دیا ہو انسان انھیں کبھی دو نہیں بنا سکتا۔ ... میری روح اس امر کے تصور سے بغاوت کرتی ہے کہ اسلام اور ہندو مت دو مختلف اور متضاد کلچر اور نظریۂ حیات کے مذاہب ہیں۔ کسی ایسے نظریہ کا تسلیم کرنا میرے نزدیک خدا کے انکار کے مترادف ہے۔ کیونکہ میرا یہ قلبی عقیدہ ہے۔ کہ قرآن کا خدا بھی وہی ہے جو گیتا کا خدا ہے اور ہم تمام ایک ہی خدا کے عیال ہیں۔ خواہ ہم کسی نام سے کیوں نہ پکارے جائیں۔ میں اس نظریہ کے خلاف یقیناً بغاوت کروں گا کہ وہ لاکھوں مسلمان جو ابھی کل تک ہندو تھے۔ اسلام قبول کر کے اپنی قومیت بھی بدل بیٹھیں"۔

(ہندوستان ٹائمز، ۱۴/۱۳ اپریل ۱۹۴۰ء)

ملاحظہ فرمایئے آپ نے وہ دلائل جن کی بنا پر گاندھی جی کے نزدیک مسلمان ایک الگ قوم نہیں بن سکتے؟

۱- یعنی ہندوستان کے مسلمان چونکہ نو مسلم ہیں یا نو مسلموں کی اولاد ہیں اس لیے تبدیلی مذہب سے قومیت کی تبدیلی بھی نہیں ہو سکتی۔

۲- ہندو اور مسلمان چونکہ ایک زبان بولتے ہیں۔ ایک جیسا لباس پہنتے ہیں۔ ایک جیسا کھاتے پیتے ہیں۔ بظاہر دیکھیے ایک دوسرے سے پہچانے نہیں جاتے۔ اس لیے قوم کے افراد ہیں۔

۳- زبان۔ لباس۔ خوراک۔ آداب و اطوار کی یکسانیت کی بنا پر خدا نے انھیں ایک قوم بنا دیا ہے۔ اس لیے کوئی انسان

ان کو الگ الگ قوم قرار نہیں دے سکتا۔

۴۔ قرآن اور گیتا کا خدا ایک ہے۔

۵۔ ہم سب ایک ہی خدا کے عیال ہیں۔

۶۔ ہندو مت اور اسلام ایک ہی کلچر اور ایک ہی نظریۂ زندگی پیش کرتے ہیں۔

اگر آپ کو یہ نہ بتایا جاتا کہ یہ دلائل کس کی طرف سے دیے گئے ہیں تو آپ ان کے طفلانہ پن پر اپنی ہنسی نہ تھام سکیں لیکن چونکہ یہ دلائل اس کی طرف سے ہیں جسے ایک قوم دنیا کا سب سے بڑا انسان مانتی ہے اس لیے مجبوراً انھیں در خور اعتنا سمجھنا پڑتا ہے گاندھی جی نے اکثر اس دعوے کا اعادہ کیا ہے کہ انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے۔ قرآن بھی پڑھا ہے اور سیرت مقدسہ پر بھی عبور ہے۔ اگر ان کا دعویٰ صحیح ہے تو حیرت ہے کہ وہ کونسا قرآن اور کونسی سیرت کی کتاب تھی جس کے مطالعہ نے انھیں اس نتیجہ پر پہنچا دیا جس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد یہ دلائل انھوں نے اس شرح و بسط سے پیش فرمائے ہیں۔ ہم گاندھی جی کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ وہ سب باتوں سے قطع نظر صرف اسلام کے اولین دور کی تاریخ کو سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ وہ انھیں کس نتیجہ پر پہنچاتی ہے۔ اس حقیقت سے تو کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ نبی اکرم صلعم نے اسلام کے ذریعہ ایک جدید قوم تیار فرمائی جسے ملت اسلامیہ کہا جاتا تھا۔ وہ قوم جسے قرآن کریم نے کہیں خیر امۃ کہا۔ کہیں اسے امت وسطی قرار دیا۔ کہیں انھیں حزب اللہ (اللہ کے گروہ) کے لقب سے سرفراز فرمایا اور ہر مقام پر یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (جماعت مومنین) سے مخاطب کیا۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ کہ

اسلام نے آکر ایک نئی قوم کی تخلیق کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نئی قوم بنی کیسے تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام مسلمان یکسر نو مسلم (CONVERT) تھے۔ کفر کو چھوڑ کر ایمان لائے تھے۔ پھران کے بعد کے مسلمان انہی نومسلموں کی اولاد تھے سو اب غور فرمایئے کہ اس کے بعد گاندھی جی کی دلیل میں کیا وزن رہ گیا۔ کہ ہندوستان کے مسلمان چونکہ نومسلم ہیں یا نومسلموں کی اولاد ہیں اس لیے وہ تبدیلی مذہب سے قومیت تبدیل نہیں کر سکتے۔ اگر حضرت عمرؓ بن خطاب اسلام لانے کے ساتھ ہی ایک جدید قوم کے فرد بن گئے تھے۔ اگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک نومسلم (CONVERT) کی اولاد ہونے کے باوجود اُمّتِ مسلمہ کے فرد تھے اور اپنے والد کی پرانی قومیت سے انھیں کوئی علاقہ نہیں رہا تھا۔ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندوستان کا نومسلم یا اُس نومسلم کی اولاد تبدیلی مذہب کے بعد بھی قومیت کے لحاظ سے ہندو کیسے رہ گئی! آپ نے غور فرمایا کہ یہ خیال کہ یہاں کے مسلمان بھی ہندو ہوتے تھے کس طرح گاندھی جی کے سینہ پر سانپ بن کروٹ رہا ہے۔ اور وہ کس طرح تلملا رہے ہیں۔ کہ یہ نومسلم اگر مذہب کو سردست نہیں چھوڑ سکتے تو کم از کم اپنے دامن قومیت کو آباؤ اجداد سے وابستہ رکھیں۔ اس کے بعد انھیں پھر سے ہندو دھرم کے آغوش میں لے لینا مشکل نہ ہوگا۔

اب اس کے بعد ذرا زبان۔ لباس۔ خوراک و مشابہت کی یکسانیت کو لیجئے۔ جس کی بنا پر گاندھی جی ہندو مسلمانوں کو ایک قوم قرار دے رہے ہیں۔ اس کے لیے بھی آپ کو اسلام کے دورِ اولیٰ کی تاریخ پر نگاہ ڈالنی ہوگی۔ کفارِ عرب میں سے جو لوگ مسلمان

ہوئے تھے اُن کی زبان وُہی تھی۔ لباس وُہی تھا۔ کھانے پینے کے انداز وُہی تھے۔ وُہی کھجوریں اور وُہی اُونٹنی کا دُودھ۔ شکل و شباہت ایک جیسی تھی۔ میدانِ بدر میں ابوجہل اور ابوبکر صدیقؓ ایک جیسا لباس پہنے ایک جیسے ہتھیار باندھے ایک سی زبان بولتے ایک جیسی شکل و شباہت لیے ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے حتیٰ کہ مسٹر پٹیل آنجہانی کی طرح ابوجہل، ابولہب کی بھی ڈاڑھیاں موجود تھیں لیکن ان تمام ظاہری یکسانیت کے باوجود ان دونوں (یعنی حضرت ابوبکرؓ و ابوجہل) کے درمیان ایک اختلافِ عظیم تھا۔ ایک افتراق وسیع تھا اور وُہ اختلاف کفر و ایمان کا اختلاف تھا جو ان دونوں کو دو الگ الگ قوموں میں تقسیم کرکے نسل و رنگ، خون، وطن کے اشتراک کے باوجود شمشیر بکف ایک دُوسرے کے مدِ مقابل لے آیا تھا۔ اور اس انداز سے کہ باپ ایک طرف تھا اور بیٹا دُوسری طرف، چچا ایک طرف اور بھتیجا دُوسری طرف۔ داماد ایک طرف تھا اور خسر دُوسری طرف۔ یہ تھا اسلامی نقطۂ نظر قوموں کی تقسیم کے متعلق۔ ان میں کوئی ذاتی مخاصمت نہ تھی، تقسیم جائداد کے جھگڑے نہ تھے۔ خاندانی رقابتوں کی مناقشت نہ تھی۔ اختلاف تھا تو صرف ایک اور وُہ تھا فقط کفر و ایمان کا۔

ہم پوچھتے ہیں کہ ایک قوم ہونے کے جس قدر معیار گاندھی جی نے قائم کیے ان میں سے کون سا معیار تھا جو ابوجہل اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں مشترک نہ تھا لیکن اس اشتراک کے باوجود کیا آج کوئی شخص ایسا ہے جو یہ کہہ سکے کہ (نعوذ باللہ) ابوجہل اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک قوم کے فرد تھے! یہ جس قدر معیار گاندھی جی نے قائم کیے ہیں، سب انسانوں کے وضع کردہ ہیں لیکن جس معیار

کے مطابق ابوجہل اور ابوبکر صدیقؓ مختلف قوموں میں تقسیم ہوگئے تھے وہ معیار خدا کا قائم کردہ تھا۔ لہٰذا جنھیں خدا نے دو قوموں میں تقسیم کردیا کونسا انسان ہے جو انہیں ایک قوم بنا سکتا ہے! یہ خدا کی تقسیم کا ہی نتیجہ تھا کہ ایک ہی ملک۔ ایک ہی شہر کے باشندے۔ ایک نسل۔ ایک پیشے والے ایک جیسی ظاہری شکل و شباہت رکھنے کے باوجود ابوجہل کی لڑکی کی شادی ابوبکرؓ کے لڑکے کے ساتھ نہیں ہوسکتی تھی۔ ناجائز تھی۔ حرام تھی۔ اس وقت بھی حرام تھی اور آج بھی ایک مسلم اور مشرک کی شادی حرام ہے۔ لیکن اس کے برعکس اختلافِ نسل۔ اختلافِ رنگ۔ اختلافِ زبان۔ اختلافِ لباس کے باوجود بلالِ حبشی کے نکاح کے لیے بڑے بڑے سرداران قریش اپنے ہاں کے رشتے پیش کرتے تھے۔ یہ کیا تھا: وہی خدا کی تقسیم کہ جونہی ایک شخص نے کہا لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ۔ وہ اپنے سابقہ تمام تعلقات کو منقطع کرکے، ایک جدید قوم کا فرد ہوگیا کہ جس طرح دنیا کی کوئی طاقت ایک قطرے کو سمندر سے الگ نہیں کرسکتی اسے بھی کوئی اس نئی قوم سے الگ نہیں کرسکتا!

یہ ہے مہاتما صاحب! اسلام کا معیارِ قومیت۔ یہ زمانہ علم و بصیرت کا عہد ہے اس میں نری مہاتمائیت سے ہندوؤں جیسی پتھر پوجنے والی قوم میں تو کام چل سکتا ہے۔ فہم و دانش رکھنے والے ان باتوں سے نہیں بہکائے جاسکتے۔

اگر ہوسکے تو کوئی ایسی دلیل پیش کیجیے جو علم و دانش کے معیار پر بھی پوری اترے اور ظاہری یکسانیت ہی معیارِ قومیت ہے تو ذرا مہاتما جی سے پوچھیے کہ جرمنی کے یہودی اور وہاں کے ایک عیسائی میں شکل و صورت، لباس۔ وضع قطع زبان وغیرہ میں

کیا فرق ہے؟ اس کے باوجود ایک قوم کے افراد نہ بن سکے۔

دور کیوں جائیے ایک انگریز اور ایک جرمن کو لیجئے۔ کوئی شخص ان کی ظاہری ہیئت سے ان میں تمیز ہی نہیں کر سکتا۔ لیکن فرمائیے کہ کیا یہ دونوں ایک ہی قوم کے افراد ہیں اور اس پر بھی وہ نہ سمجھے تو اس تبت سے خدا سمجھے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک قوم ہونے کی یہ بھی دلیل ہے۔ کہ قرآن کا خدا وہی ہے۔ جو گیتا کا خدا ہے سبحان اللہ کیا لاجواب دلیل لائے ہیں۔

جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

ذرا ان سے تو پوچھئے کہ کیا گیتا اور انجیل کا خدا ایک نہیں! اگر ایک ہی ہے تو پھر انگریز اور ہندو مختلف قوموں کے افراد ہیں یا ایک ہی قوم ہیں۔

انگریزوں اور ہندوؤں کو کیوں الگ الگ قومیں قرار دیا جا رہا ہے اور اشتراک معبودیت کے لیے صرف قرآن اور گیتا ہی کو کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟ خدا جانے یہ مہاتما جی کس آسمان سے بولتے ہیں۔

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اس بیان کی آخری دلیل تو واقعی اس زمین کی نہیں کسی آسمان سے اتری ہوئی ہے۔ یعنی یہ کہ ہندو اور مسلمان ایک ہی خدا کے عیال (CHILDREN) ہیں، اس لیے ایک ہی قوم کے فرد ہیں یعنی ہندو اور مسلمان ایک خدا کی "اولاد" ہیں اور انگریز۔ جرمنی۔ فرانسیسی۔ اطالوی۔ حبشی۔ روسی یہ نعوذ باللہ الگ الگ خداؤں کی مخلوق ہیں، اس لیے الگ الگ قومیت رکھتے ہیں! اور

اگر یہ بھی اسی ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں تو ساری دُنیا کے انسان ایک ہی قوم ہیں۔ ہندو اور مسلمان کی اس میں تخصیص کیا ہے سچ فرمایا ہے شیخ سعدیؒ نے کہ

تا مرد سخن نگفته باشد عیب و ہنرش نهفته باشد

اور پھر یہ بھی سُنا آپ نے کہ مہاتما جی فرماتے ہیں کہ یہ تصور کہ اسلام اور ہندومت دو الگ الگ کلچر اور نظریات حیات کے مذاہب ہیں میری رُوح میں بغاوت پیدا کرتا ہے۔ یہ تصور خدا کی ہستی سے انکار کے مرادف ہے"!

ذرا جمعیت العلماء کو آواز دینا! وہ فرماتے تھے کہ آزاد ہندوستان میں ایک ایسا شعبہ قائم ہوگا جو مسلمانوں کے مخصوص کلچر اور نظریاتِ حیات کا محافظ ہوگا۔ وہ اُن سے متعلقہ احکام شرع وہی شعبہ جاری کر سکے گا"!

اُن کے رہبر کا تو یہ فیصلہ ہے کہ یہ خیال کہ اسلام کسی الگ کلچر کا حامل ہے خدا سے انکار کے مرادف ہے۔

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما!

مثل مشہور ہے کہ "یہ نقد بنوانے کو پھرے وہ ناک کاٹنے کو پھرے"۔ یہ حضرات اسلامی کلچر کے تحفظ کے خواب دیکھ رہے ہیں اور مہاتما جی اس تصور ہی کو الحاد و زندیقیت قرار دے رہے ہیں اس کے باوجود ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ مہاتما گاندھی کی رہنمائی ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچا سکتی ہے"! (راشٹر پتی مولانا ابوالکلام آزاد)

گاندھی جی اپنے ایک دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"میں ایک تنگ نظر ہندومت یا تنگ نظر اسلام کا تصور نہیں کر سکتا۔

ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے۔ اور ایک بڑی قوم ہے جو مختلف تہذیبوں پر مشتمل ہے اور یہ تہذیبیں اب ایک دوسری میں مدغم ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ ... لیکن مسلم لیگ نے مسلمانوں کو یہ سبق پڑھانا شروع کر دیا ہے کہ یہ تہذیبیں ایک دوسرے میں مدغم نہیں ہو سکتیں۔"

(ہندوستان ٹائمز۔ مورخہ ۵ مئی ۱۹۴۰ء)

ہمارا خیال ہے کہ اس مضمون میں گاندھی جی نے ہندوستان کی موجودہ کشمکش کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے نقاط نگاہ کو واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ اسلام ایک جداگانہ تشخص رکھتا ہے۔ اپنا الگ امتیازی نشان رکھتا ہے اور یہی جداگانہ تشخص اور الگ امتیازی نشان ہے۔ جسے اسلامی تہذیب کہتے ہیں اور یہی تہذیب ہے۔ جو ہر ہندو کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کا یہ امتیازی نشان مٹا دیا جائے۔

مسلمانوں سے پیشتر جتنے لوگ ہندوستان میں آئے۔ ہندوؤں نے ان کے ساتھ یہی کیا۔ ان کی تہذیب کو اپنے اندر مدغم کرنا شروع کیا اور جب وہ اپنے جداگانہ تشخص کو یوں کھو بیٹھے تو خود بخود ہندو قوم کا جزو بن گئے۔ یونانی، پارتھین، ستھین کتنی مختلف قومیں یہاں آئیں۔ لیکن آج ان کا کہیں پتہ نشان نہیں ملتا۔ اب سب کو یہ اکال الاغم نگل گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس نے یہی کچھ کرنا چاہا۔ لیکن یہ ہڈی ذرا سخت تھی آسانی سے نگلی نہ گئی۔ بایں ہمہ ہندو نے اپنی کوشش نہیں چھوڑی۔ دین الٰہی، برہم سماج، کبیر پنتھ، ست سنگ وغیرہ تحریکیں اسی کوششیں نا تمام کی مختلف شاخیں تھیں اور یہی کوشش آج "ایک قوم اور ایک ملک"

کے نئے لباس میں جلوہ پیرا ہو رہی ہے۔ واردھا کی تعلیمی اسکیم بھی اس شاخ کا شگوفہ اور مولانا ابوالکلام کی برہمو سماجی تفسیر بھی اسی زنجیر کی ایک کڑی تھی۔

یہ تو ہے ہندوؤں کا نقطۂ نگاہ۔ اس کے برعکس مسلم لیگ کا نظریہ۔ خود گاندھی جی کے الفاظ میں یہ ہے کہ مسلمان ایک الگ تہذیب رکھتے ہیں اور یہ تہذیب کسی دوسری تہذیب میں مدغم نہیں ہوسکتی اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان کسی دوسری قوم کا جزو نہیں بن سکتے چونکہ لیگ کی یہ روش ہندوؤں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا رہی ہے اس لیے یہ اس کا اتنا بڑا جرم ہے۔ جو کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔ مسلم لیگ کا نصب العین کیا ہے! ہندو اس کی مخالفت کیوں کرتا ہے! یہ سب کچھ گاندھی جی نے اپنے ان چند الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے قومیت پرست حضرات سے بالعموم اور ان میں سے حضرات علماء کرام سے بالخصوص دریافت کرتے ہیں کہ اس کے بعد ان کے پاس اپنے مسلک کے جواز میں کونسی دلیل رہ جاتی ہے! یہ حضرات ہمیشہ اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ ہم اسلامی تہذیب کے محافظ ہیں۔ ہم ہندوستان کے مستقبل کے نظامِ حکومت میں اسلامی تمدن و تہذیب کے تحفظ کا پورا پورا انتظام کریں گے ذرا غور فرمائیے کہ جو کچھ گاندھی جی فرما رہے ہیں اس کے بعد اسلام کی جداگانہ تہذیب اور اس تہذیب کے تحفظ کا کوئی سوال باقی رہ جاتا ہے! کیا یہی وہ چیزیں نہیں جس کی بنا پر مسلم لیگ گردنی اور گردن زدنی قرار دی جا رہی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ یا تو یہ حضرات اس قدر سادہ لوح ہیں کہ اتنی سی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آسکتی اور یا یہ اتنی گہری سازش ہے جس کے یہ حضرات دیدہ و دانستہ کل پرزے بنے ہوئے

ہیں۔ اس کے سوا کوئی تیسری چیز تو ہماری سمجھ میں آتی نہیں۔

اس کے بعد گاندھی جی اپنے محولۂ صدر مضمون میں فرماتے ہیں کہ "مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ خدا اور بندے اور انسان اور انسان میں رشتہ پیدا کر دے۔ کیا اسلام صرف ایک مسلمان ہی کو دوسرے مسلمان سے ملاتا ہے اور ہندو کی مخالفت سکھاتا ہے؟ کیا رسول اکرم کا پیغام مسلمانوں کو اپنے اندر ہی امن و سلامتی کی تلقین کرتا ہے اور ہندوؤں اور غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کرنا سکھاتا تھا؟ کیا ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کے قلوب کی پرورش اس چیز سے کی جائے گی۔ جسے میں زہر ہلاہل کے سوا اور کچھ قرار نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ جو اس زہر کو مسلمانوں کے دلوں میں بھر رہے ہیں وہ اسلام کے ساتھ بہت بڑی بدخواہی کر رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اسلام یہ نہیں ہے۔ میں مسلمانوں میں ایک آدھ دن نہیں مسلسل بیس برس سے رہتا چلا آ رہا ہوں۔ مجھے تو کسی ایک مسلمان نے بھی ایسا نہیں بتایا کہ اسلام ہندومت کے مخالف ہے۔" (ایضاً)

ہم گاندھی جی سے پوچھتے ہیں کہ ان کے اصول کے مطابق تمام انسان ایک جیسے ہیں۔ ان کا دھرم انھیں تمام انسانوں سے محبت، امن اور سلامتی کی تلقین کرتا ہے! جب ان کا دھرم انھیں یہ سکھاتا ہے تو ہندوستان کے رہنے والوں کو ایک الگ قوم قرار دے کر انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کیوں لڑ رہے ہیں! کیا انگریز انسان نہیں اور کیا ان کی حکومت انسانوں کی حکومت نہیں! پھر اس حکومت کو لعنت کیوں قرار دیا جا رہا ہے۔ کیا یہ ہندوستانی اور انگریز کی تفریق انگریزوں کے خلاف جذبۂ منافرت پیدا نہیں کرتی! کیا گاندھی جی جذبۂ منافرت کی زہر ہندوستانیوں کے دلوں میں نہیں بھر رہے!

کیا یہ ایک انسان کو دوسرے سے جدا کرنا نہیں! کیا انکا دھرم صرف ایک ہندوستانی کو دوسرے ہندوستانی کے ساتھ ملانے کا ہی سبق دیتا ہے۔ گاندھی جی کو یہ کہنا پڑے گا کہ ہندوستانی ایک جدا قوم ہیں اور انگریز ایک جداگانہ قوم اور اُن کی تمام جدوجہد انگریز کے خلاف نہیں بلکہ ہندوستانیوں کی تائید میں ہے۔ وہ ہندوستانیوں کو اُن کا حق دلانے کی خاطر جنگ آزادی لڑ رہے ہیں اور یہ کوئی جرم نہیں۔ جرم اس وقت صاحب انگریز کے ساتھ ظلم کیا جاتا! اسکا جواب کے بعد مسلمانوں کی پوزیشن کو سمجھئے۔ گاندھی جی کی نزدیک ایک انسان کو دوسرے انسان سے متمیز کرنے کا معیار وطن ہے۔ اسی معیار کے نظریہ کی رُو سے ہندوستان کے رہنے والے ایک الگ قوم اور انگریز ایک دوسری قوم ہیں اور ایک قوم کو کوئی حق حاصل نہیں کہ دوسری قوم پر غلبہ و تسلط حاصل کرے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کے خلاف جدوجہد کرنا کوئی جرم نہیں۔ اسی طرح اسلام نے بھی ایک انسان کو دوسرے انسان سے متمیز کرنے کا اُصول قائم کیا ہے۔ وہ اُصول وطنی حدود نہیں۔ بلکہ مذہب ہے جو شخص اسلام قبول کرتا ہے۔ وہ ایک الگ قوم کا فرد اور جو نہیں کرتا وہ دوسری قوم سے متعلق ہو جاتا ہے۔ بس اتنا فرق سمجھ لینے کے بعد باقی سب باتیں خود بخود حل ہو جاتی ہیں۔

مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے چونکہ ہندو ایک الگ قوم ہیں اسی لیے وہ ہندوؤں کے غلبہ و تسلط کو کسی حالت میں بھی برداشت نہیں کر سکتے جس طرح گاندھی جی انگریز کے غلبہ و تسلط کو "بدیشی" قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی غیر مسلموں کے غلبہ و تسلط کو (خواہ وہ انگریز کا ہو یا ہندو کا) "بدیشی" (یعنی غیر اسلامی سمجھنے پر مجبور ہیں اور اس غلبہ و تسلط کے خلاف پوری

جدوجہد کرنا ان کے نزدیک جہاد ہے۔ مقدس فریضہ بھی ہے جس طرح گاندھی جی کے نزدیک یہ جدوجہد ایک قومی اور وطنی فریضہ ہے۔ مسلمانوں کی یہ جدوجہد کسی کی مخالفت ہے نہ امن وسلامتی کے منافی۔ اس لیے کوئی جرم نہیں۔ جرم اس وقت ہوتا ہے جب یہ دوسروں کے حقوق غضب کرتے۔ ان پر ظلم کرتے۔ گاندھی جی نے انگریزوں سے اپنا حق چھیننے کے لیے یہ جدوجہد کریں۔ تو عین شرف انسانیت اور مسلمان ہندوؤں سے اپنا حق واپس لینے کے لیے جدوجہد کریں تو یہ انتہائی وحشت و بربریت۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

باقی رہا اسلام کا (ANTI HINDU) ہونا سو اگر (ANTI) کے معنی ایسی مخالفت ہے جس میں ظلم وعدوان پایا جائے تو اسلام دنیا میں قطعاً (ANTI HINDU) نہیں۔ کسی مذہب کا بھی ایسا مخالف نہیں۔ کسی انسان کا بھی ایسا دشمن نہیں اس لحاظ سے وہ سرتاپا امن و سلامتی کا پیغامبر ہے کہ وہ کسی کو اس کے حق سے محروم نہیں کرتا لیکن اگر (ANTI) سے مراد یہ ہے کہ وہ صرف اپنے آپ کو خدا کا سچا مذہب سمجھتا ہے اور کسی کو حق پر نہیں مانتا تو ہمیں اس امر کے اعلان کرنے میں قطعاً تامل نہیں۔ کہ اسلام دنیا کے ہر مذہب۔ انسانوں کے وضع کردہ ہر نظریہ اور اپنے متعین کردہ نظام کے سوا دنیا کے ہر نظام کو باطل سمجھتا ہے اس کا اعلان ہے کہ

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

اللہ کے نزدیک اگر کوئی دین ہے تو صرف اسلام ہے جو اس کے سوا کسی اور دین کو حق سمجھتا ہے تو باطل پرست ہے اس کا وہ دین قطعی قابل پذیرائی نہیں۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه

"جو اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا تو اس کا وہ دین کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس نے اپنی بعثت کا مقصد ہی یہ بیان کیا ہے کہ وہ تمام ادیان عالم پر غالب آ جائے۔ وھو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون ۔

"اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت یعنی دین حق کے ساتھ بھیجا کہ وہ دین تمام ادیان پر غالب آ جائے خواہ یہ بات مشرکین کو کتنی ہی گراں کیوں نہ گذرے اس نے آتے ہی اعلان کر دیا کہ "جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ حق آ گیا اور باطل دور ہو گیا کہ باطل کی فطرت ہی یہ ہے کہ حق آنے پر کافور ہو جائے"۔

گاندھی جی کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اگر دس برس کے عرصہ میں کسی مسلمان نے قرآن کریم کی یہ صریح آیات پڑھ کر سنائیں تو اس نے اسلام کے ساتھ غداری کی ہے اور گاندھی جی کے ساتھ فریب کاری۔ یہ یاد رہے کہ اسلام کا یہ دعویٰ کسی تنگ نظری یا تعصب پر مبنی نہیں بلکہ جیسا کہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کا قانون ہمیشہ ایک ہوتا ہے۔ دو متضاد قوانین ایک ہی فطرت کے قانون نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اگر سناتن دھرم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ہلاکت کا موجب ہے کوئی تعصب یا تنگ نظری نہیں تو کسی غیر اسلامی (یعنی غیر فطری) نظریہ زندگی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ زندگی بخش نہیں (لہٰذا باطل ہے) کوئی "برائی نہیں"۔ "مذہبی جنون" نہیں حق کو حق کہنا عین انصاف ہے۔ خواہ اس سے ساری دنیا ناراض کیوں نہ ہو جائے"

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ۔ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

(مولانا محمد علی جوہرؔ)

پھر گاندھی جی فرماتے ہیں کہ ذرا ان مسلمانوں کو دیکھئے ان کے نزدیک "ہندو حکومت کے ماتحت رہنا حرام ہے۔ حتّٰی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ حکومت بھی ان کے نزدیک ناقابلِ تصور ہے۔" (ایضاً)

لیکن مہاتما جی نے اتنا نہیں سوچا کہ خود ان کی اپنی کیا حالت ہے۔ پاکستان میں مسلمانوں کی حکومت کا تصور ان کا خون کھولا رہا ہے حتّٰی کہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ اس سکیم کی مخالفت میں اپنے اہنسا کی پوری قوتیں صرف کر دیں گے۔

حالانکہ گاندھی جی پر اس کے متعلق کوئی مذہبی پابندی عائد نہیں ہوتی جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہم باب اوّل میں لکھ چکے ہیں کہ ان کے نزدیک کسی غیر مسلم کی حکومت کے ماتحت رہنا گناہ ہی نہیں بلکہ غیر اسلامی زندگی ہے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ حکومت کا تصور بھی شریعتِ اسلامی کے منافی ہے۔ اس لئے اگر مسلمان ایسی حکومت کے ماتحت رہنا گناہ سمجھتے ہیں تو بالکل حق بجانب ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ویسی ہی غلامی ہے جیسی انگریز کی خواہ یہ خالص ہندوؤں کی حکومت ہو یا ایسی حکومت جس میں اکثریت ہندوؤں کی ہو۔ دونوں قرآن کی رُو سے ناجائز اور اس لئے مسلمانوں کے لیے ناقابلِ قبول ہیں۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

مصیبت یہ ہے کہ گاندھی جی یا ان کے ہمنوا حضرات کو اسلام کے متعلق واقفیت تو ہے نہیں اور دعویٰ ہمہ دانی کا کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر مصیبت یہ کہ مسلمانوں سے جو لوگ ان کے حاشیہ نشین ہیں وہ بھی تو روحِ اسلام سے نابلد ہیں یا اگر اس سے واقف ہیں تو اس جرأت ایمانی سے محروم ہیں جو ان میں حق گوئی کی قوت پیدا کرے۔ نتیجہ یہ کہ گاندھی جی آئے دن اس قسم کے فتاویٰ صادر فرماتے رہتے ہیں کہ فلاں چیز اسلام کے خلاف ہے اور فلاں فلاں اسلام میں مطابق ہے اور قومیت پرست علماء سر جھکائے بیٹھے ہیں اور ایک لفظ تک اپنی زبان پر لانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر شعراء ارباب سیاست کو اسلام کی صحیح تعلیم سے آگاہ کیا جائے تو اس کے بعد وہ اپنے خفیہ منصوبوں کو اسلام کے نقاب میں پیش کرنے کی جرأت تو نہ کر سکا کریں۔ لیکن آج یہ کون کرے۔ ایک کرنے والے تھے انہیں بھی کارپردازانِ قضا و قدر نے ہم سے چھین لیا۔ سچ کہا تھا اس مردِ قلندر نے کہ

از تب و تابم نصیب خود بگیر
بعد ازیں ناید چو من مردِ فقیر (اقبالؒ)

پھر گاندھی جی فرماتے ہیں:۔

"اگر پاکستان محض ایک دھمکی ہی نہیں بلکہ ایک قابل قبول (DESIRABLE) نصب العین ہے تو پھر اسکی مخالفت کیوں کی جائے لیکن اگر یہ ناقابل قبول (UNDESIRABLE) ہے اور اسکا مقصد محض یہ ہے کہ مسلمان اسکی آڑ میں زیادہ کچھ حاصل کر لیں تو پھر اس کا کوئی حل بھی ہو وہ ناانصافی پر مبنی ہوگی۔ سلسلے میں بیٹھا دیکھ رہا ہوں کہ کب یہ جنا دور ہو۔" (ایضاً)

"یہ زیادہ حاصل کرنے کا فلسفہ بھی آپ نے سنا؟ ایک کم تولنے والے بنیا سے اگر آپ دو چھٹانک پورے تول کا سودا خریدیں تو آپ کے معیار کے مطابق وہ پورا ہوگا لیکن بنیا کے نزدیک وہ زیادہ ہوگا۔ مسلمان چاہتے کیا ہیں فقط اتنا کہ جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہاں ہندوؤں کی حکومت ہو اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور گاندھی جی کے نزدیک مسلمان ڈرا دھمکا کر زیادہ کچھ حاصل کرنے کی ٹھان رہے ہیں۔ گاندھی جی کے نزدیک پورا تول تو اس وقت ہوگا۔ جب مسلمان خاموشی سے اکثریت کی حکومت قبول کر لیں اور اس کو آزادی قرار دے دیں لیکن گاندھی جی سے کہ دیکھئے کہ وہ سودا گر کیسے جو اس قسم کے سودے کیا کرتے تھے ؎

اس عہد میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور

ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور (اقبالؒ)

غیر مسلم اقلیتیں اس اسکیم کی مخالفت میں جو سب سے بڑا حربہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ وہ غیر مسلم اقلیتوں کو یہ کہہ کر مشتعل کرنا ہے۔ کہ اس اسلامی حکومت میں تمہارے حقوق پامال ہو جائیں گے۔ اس لیے تمہیں پورے زور اور قوت کے ساتھ اس کی مخالفت کرنی چاہیے چنانچہ اس باب میں پنجاب کے سکھوں کو بہت زیادہ بھڑکایا جا رہا ہے۔

قرآنی حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جا تا ہے؟ اس کا جواب ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں دینا چاہتے۔ یہ حکومت ضابطۂ قرآن کے ماتحت ہوگی اس لیے اس کے جواب کے لیے قرآن کریم کا مطالعہ کر لینا کافی ہے۔ قرآن کوئی گیت دیا "دعلم مخفی نہیں ہے۔ دُنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں اس کے تراجم موجود ہیں۔ جس کا جی چاہے اُٹھا کر دیکھ لے کہ اس کی رُو سے غیر مسلموں کو کس درجہ آزادی حاصل ہوگی۔" اسلام اور مذہبی رواداری" ایک مستقل موضوع ہے اور اس عنوان پر ادارۂ طلوعِ اسلام کی طرف سے ایک مستقل پمفلٹ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی۔ کہ قرآنی حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ کس قدر عدل و انصاف کا سلوک ہوگا۔ ایسا سلوک کہ جب حمص کی عیسائی رعایا کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمان اس شہر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا رہے ہیں۔ تو وہ روتے تھے اور منتیں کرتے تھے کہ خدا کے لیے تم جلدی واپس آ جانا کہیں ہمیں دوبارہ رومیوں کے ماتحت نہ ہو جانا پڑے اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ رومی کون تھے! عیسائی تھے عیسائی رعایا یہ کہہ رہی ہے کہ ہم مسلمانوں کی حکومت میں رہنا چاہتے ہیں۔ عیسائیوں کی حکومت میں نہیں رہنا چاہتے۔ حسن سلوک اور تحفظ حقوق کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے!

قرآن کریم تو یہاں تک حکم دیتا ہے:-

لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا۔

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے عدل نہ کرو۔ ہمیشہ عدل کرو۔

یعنی اسلام تو دشمن سے بھی عدل کرنے کا حکم دیتا ہے چہ جائیکہ

وہ لوگ جن کی حفاظت کی ذمہ داری اس نے خود لے لی۔ اس باب میں قرآن کریم، احادیث، آثار و شواہد اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان کی موجودگی میں کسی شخص کو مجال انکار نہیں ہو سکتی کہ اسلام اپنی غیر مسلم رعایا سے کس حسن سلوک کا برتاؤ کرتا ہے۔

علاوہ بریں ذرا ایک ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہا یہ جاتا ہے کہ اگر تمام ہندوستان میں جمہوری نظام حکومت قائم کیا جائے تو ہندو اکثریت اقلیتوں کے تحفظ حقوق کی ذمہ دار ہو گی۔ یعنی وہ ہندو جن کے مذہب میں کوئی غیر ہندو انسان بھی نہیں کہلا سکتا اسے "ملیچھ" کہا جاتا ہے۔ وہ غیر ہندوؤں کے حقوق کی نگہداشت کریں گے وہ ہندو جس کی حالت یہ ہے۔ کہ انھوں نے ہزارہا سال سے کروڑہا اچھوتوں کو انسانیت کے حقوق سے محروم کر رکھا ہے اور ان کا یہ سلوک ان کے ذاتی رجحانات کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کا مذہب انھیں مجبور کرتا ہے۔ کہ وہ ایسا ہی کریں ان ہندوؤں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان پر پورا پورا اعتماد کرو۔ یہ اقلیتوں کے ساتھ مساوات کا سلوک کریں گے ان سے پوچھئے کہ آپ نے آج تک خود "اپنوں" کے ساتھ کیا کیا ہے جو دوسرے آپ پر بھروسہ کریں!

تو بہ خورشتن کردی کہ بما کنی نظیری
بخدا کہ لازم آید ز تو احتراز کردن

ان ہندوؤں پر بھروسہ کرو لیکن مسلمانوں پر بھروسہ نہ کرو جن کا مذہب انھیں حکم دیتا ہے کہ وہ کبھی کسی حال میں بھی جادۂ عدل و انصاف سے ادھر اُدھر نہ ہونے پائیں۔ وہ مسلمان جن کی تاریخ کے اوراق آج بھی دُنیا کو بتا رہے ہیں کہ انھوں نے اپنی حکومت میں غیروں کے ساتھ کیا سلوک کیا! وہ مسلمان جن کی عطا کردہ جاگیریں

آج بھی ہندوؤں کے سینکڑوں مندروں کی کفالت کا موجب ہیں وہ مسلمان جن کا قرآن انھیں حکم دیتا ہے کہ غیر مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی اسی طرح کرو جس طرح تم اپنی مساجد کی حفاظت کرتے ہو (القرآن) وہ جن کا مذہب انھیں تلقین کرتا ہے کہ غیر مذہب کے معبودوں (بتوں تک) کو بھی گالی نہ دو۔ وہ مذہب جو انسانیت کا اس درجہ احترام سکھاتا ہے۔ کہ اس کے نزدیک کسی ایک جان کا ناحق ضائع کرنا گویا تمام نوع انسان کو ہلاک کر دینا اور کسی ایک نفس کا بچا لینا تمام انسانیت کو زندگی عطا کر دینا ہے (القرآن)

کہا جا سکتا ہے کہ جب مسلمان یہ کہتے ہیں کہ انھیں غیر مسلم اکثریت کی حکومت میں مذہب کی آزادی نہیں مل سکتی تو غیر مسلم "اقلیتیں" یہ کیسے باور کر لیں کہ انھیں مسلم اکثریت کی حکومت میں مذہب کی آزادی مل جائے گی۔ اعتراض بظاہر معقول نظر آتا ہے لیکن اس کے جواب کے لیے ذرا باب اوّل پر ایک نگاہ پھر ڈالیے اور دیکھیے کہ ایک مسلمان کے نزدیک "مذہب کی آزادی" کا مفہوم کیا ہے۔ اور غیر مسلم کے نزدیک مذہبی آزادی کسے کہتے ہیں۔ مسلمان کا مذہب اس کی حکومت ہے۔ اور مذہبی آزادی سے مفہوم ایک آزاد حکومت کا قیام ہے۔ برعکس اس کے دیگر اہل مذاہب میں مذہب سے مفہوم چند عبادات و رسومات کی ادائیگی ہے۔ اس سے آگے امور دنیاوی کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ آپ نے آج تک کسی ہندو، سکھ، پارسی وغیرہ کو یہ کہتے نہیں سنا ہوگا۔ کہ انگریز کے عہد حکومت میں انھیں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے، بلکہ وکٹوریہ کے منشور (MASNACARTA) میں جس قسم کی مذہبی آزادی کا اعلان کیا گیا ہے۔ وہ آزادی تمام غیر مسلم اہل مذاہب کے معیار پر پوری اترتی

ہے۔ اس قسم کی مذہبی آزادی اسلام بھی دیتا ہے اور صرف آزادی ہی نہیں دیتا بلکہ ان کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لیتا ہے۔

برعکس اس کے مسلمان کو دنیا میں کوئی حکومت مذہبی آزادی نہیں دے سکتی کہ ان کا مذہب آزاد نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ حکومت بھی ان کے اپنے ہاتھ میں نہ ہو۔

یہ ہے بنیادی فرق اسلام کی آزادی اور دیگر مذاہب کی آزادی میں اس لیے تمام غیر مسلم اقلیتوں کو بالکل مطمئن رہنا چاہیے کہ مسلمان از روئے مذہب مجبور ہے کہ وہ انھیں مذہبی آزادی اور اس کی آزادی کی ضمانت کے لیے وہ جس قسم کی شرائط چاہیں۔ ان سے لکھوا لیں انھیں کسی قسم کا اعتراض ہی نہ ہوگا بلکہ ان شرائط کی پابندی تو ان پر بطور فریضۂ مذہبی لازم ہوگی۔ مسلمان حاکم نہیں ہوتا محافظ حقوق انسانیت کے لیے چوکیدار ہوتا ہے اور خوف چور سے ہوتا ہے چوکیدار سے نہیں۔"

(طلوع اسلام اوجون ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ تا ۶)

WWW.NAFSEISLAM.COM

جمعیۃ العلماء اور اسلامی ہند

"ہندوؤں کے جاہل آلۂ کار"

"مسٹر جناح نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ چند لوگ جو جمعیۃ العلماء کا نام استعمال کر رہے ہیں۔ ملت اور ملک دونوں کو سب سے بڑھ کر نقصان پہنچا رہے ہیں ہندوؤں اور مسلمانوں میں آج جو کھچی اور کشیدگی پائی جاتی ہے اس کا ایک سبب یہ لوگ ہی ہیں اور دونوں قوموں (ہندوؤں اور مسلمانوں) کے درمیان باعزت مفاہمت کے راستے میں جو مشکلات حائل ہیں ان کے لیے کافی حد تک یہ ذمہ دار

ہیں۔ یہ بالکل درست ہے یہی لوگ ہیں جنہیں کانگرس مسلم لیگ کے خلاف انتخابات میں استعمال کرتی رہی۔ یہی لوگ ہیں جن کی وجہ سے ہندو مسلمانوں کے مطالبات کو ٹھکراتے رہے۔"

مولانا حسین احمد

"ہماری معلومات کے مطابق ان لوگوں میں بھی مدارج ہیں ان سب کے پیش رو مولانا حسین احمد ہیں جن سے بڑھ کر مسلمانوں کے مقاصد و تحفظ کے ساتھ دشمنی اور عداوت کا اظہار غالباً کسی نے نہیں کیا۔ ان کی حالت بڑی ہی عجیب ہے۔ انھیں زیر بحث سیاسیات کے مبادی سے بھی آشنائی حاصل نہیں اور نہ وہ اتنی صلاحیت رکھتے ہیں کہ دستوری اساسی کی پیچیدگیوں یا ان کے ضمن میں کسی تجویز کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ کر سکیں اس لیے کہ وہ اس کوچہ سے بالکل نابلد ہیں۔"

ذرا آگے چل کر۔

ہندوؤں کے آلہ ہائے کار

"مسٹر جناح نے جمعیت کی حقیقی پوزیشن واضح کرنے کے علاوہ بزرگان جمعیت سے اپیل کی کہ انھیں اب بھی لیگ کے جھنڈے تلے آ جانا چاہیے اس لیے کہ لیگ ہی واحد نمائندہ اسلامی جماعت ہے۔ علماء کی موجودہ روش سے اس کے سوا کیا نتیجہ نکلا ہے کہ ہندو اور کانگرسی ان کے ذریعہ سے اپنی فرقہ پرستانہ اغراض پوری کرتے رہے ہیں۔ جب کبھی ہندوؤں یا کانگرسیوں کو یہ محسوس ہوا کہ لیگ کے مطالبات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تو انھوں نے جھٹ جمعیت، احرار اور خدائی خدمتگاروں کا نام لے دیا اور کہہ دیا کہ یہ

رگ رگ کے ساتھ نہیں ہی اتنا لیگ نمایندہ جماعت نہیں ہے"

روزنامہ انقلاب ۵ مارچ ۱۹۳۹ء کا اداریہ ہے جس میں سے مندرجہ بالا اقتباسات پیش کیے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے:۔

"کانگریس جمعیۃ العلماء کے اجلاس دہلی میں مولوی حبیب الرحمٰن اور مولوی عطاء اللہ بخاری نے مسلم لیگ کو جو گالیاں سنائیں ان کا ذکر اخباروں میں آ چکا ہے۔ ان لوگوں نے مسٹر محمد علی جناح کو یزید اور مسلم لیگ کے کارکنوں کو یزیدیوں سے تشبیہ دی خدا کا شکر ہے کہ کہیں گاندھی کو امام حسینؓ سے مشابہ قرار نہیں دے دیا۔"

(انقلاب ۱۵ مارچ ۱۹۳۹ء۔ صفحہ ۳)

نیشلسٹ علماء اور ان کے ہمنوا پاکستان اور مسلم لیگی قائدین کے خلاف کس طرح زہر اگلتے اور کیا کیا فرماتے رہے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے:۔

مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب صدر احرار لکھتے ہیں:۔

"دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جواہر لعل نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جا سکتے ہیں"

(چمنستان از مولانا ظفر علی خان۔ صفحہ ۱۶۵)

عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم نے پسرور کانفرنس ۱۹۴۶ء میں کہا:۔

"پاکستان کا بننا تو بڑی بات ہے۔ کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے"

(روزنامہ جدید نظام استقلال نمبر ۱۹۵۰ء)

"ان لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ وہ اب بھی پاکستان کا نام جپتے ہیں۔ ۔ ۔ کہ ہے پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے ۔ جو

سنہ ۱۹۴۲ء سے مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ ہائی کمانڈ ایک جیلہ ہے۔ (آزاد ۹ نومبر ۱۹۴۶ء)

چوہدری افضل حق رئیس الاحرار لکھتے ہیں:-

"کتّوں کو بھونکتا چھوڑ دو۔ کاروان احرار کو اپنی منزل کی طرف چلنے دو۔ احرار کا وطن بجز سرمایہ دار کا پاکستان نہیں۔ احرار اس کو پلیدستان سمجھتے ہیں۔" (خطبات احرار صفحہ ۹۹)

"مسٹر جناح، آج تک کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان نہیں ہوا لیکن پھر بھی مسلمانوں کا قائد اعظم ہے۔"

(وائیٹ پیپر مسٹر جناح کا اسلام)

"مجوزہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے۔ وہ سوّر ہیں اور سوّر کھانے والے ہیں۔" (چمنستان صفحہ ۱۶۵ از مولانا ظفر علی خان)

"برادرانِ اسلام! آنے والا الیکشن ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی آزادی کا بنیادی پتھر ہے۔ اس پتھر کو سیدھا اور صحیح رکھنے کی کوشش کیجئے۔ خوشنما نعروں، غلط وعدوں، جھوٹی خبروں اور وقت مندوں کے بچھائے ہوئے دوسرے خطرناک جالوں میں گرفتار ہونے سے اپنے آپ کو بچائیے اور نوابوں، راجاؤں اور خان بہادروں کو جو انگریزی حکومت کے بلاشبہ ایجنٹ ہیں، غلط بازوں کر دیجئے۔ کرنل لارنس نے ملک عرب کو تقسیم کرا کر عرب قوم کو انگریزوں اور فرانسیسیوں کا غلام بنا کر خوفناک مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ مسلم لیگ پاکستان کے نام سے ہندوستان کو تقسیم کرا کر اس کے مختلف حصوں کو ہمیشہ کے لیے انگریز کے پنجۂ آہنی میں پھنسا دینا چاہتی ہے۔ اس کے نعرۂ اسلام اور مسلم لیگ کے فریب سے بچو۔ ہمارا نعرۂ پاکستان انگریزی ایجنٹوں کا فریب ہے۔"

آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام۔ انشاء آپ کی مدد کرے۔
سچائی کو فتح نصیب ہو۔ آپ کے مخلص خادم
(ارکین مرکزی مسلم پارلیمنٹری بورڈ)۔

آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام

پاکستان انگریزی ایجنٹوں کا فریب ہے

نامی پریس میں اخبار شرٹ لاہور

"مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے کہا: ملک آزاد ہونے پر مسٹر جناح اور اس کے لیگی لیڈروں پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ انھوں نے ہند کے مفاد کو اس قدر نقصان پہنچایا ہے۔ کبھی بھی یہ پاکستان کے حقدار نہیں۔" (آزاد و روزنامہ جنگ استقلال ۱۹۴۶ء)

"دشمن کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ طاقت سے پاکستان پر کامیاب نہیں ہو سکتا اس لیے پاکستان کے اندرونی انتشار سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور اتحاد کو توڑنا چاہتا ہے اس کام میں احرار اس کے ہاتھ بٹا رہے ہیں۔" (دور جدید $\frac{۵}{۴۵}$ ۸)

"یہ ہیں مسلمانوں کے قائد اعظم جو ایک پارسی عورت سے کورٹ شپ کر کے اپنے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا حتمی اعلان کر چکے ہیں۔" (رسالہ مسٹر جناح کا اسلام)

اہم ملکی حالات

مسٹر جناح کی براڈ کاسٹ کی تقریر

"مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے ۱۳ نومبر کو بمبئی ریڈیو اسٹیشن سے ایک طویل تقریر براڈ کاسٹ کی جس میں

کہا کہ مسلمانوں کو ضبط و نظم۔ رواداری اُخوت اور آزادی کی بنیادوں پر ہندوستان میں ایک ایسی عظیم الشان عمارت تعمیر کرنی چاہیئے جس میں اس ملک میں رہنے والی تمام اقوام صلح و امن اور پیار و محبت کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ رمضان المبارک مسلمانوں کو یہی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کا سبق دیتا ہے۔ ہم متحدہ ہندوستان کے شاندار مستقبل کو روشن تر کرنے کے لیے ہر ممکن رواداری کا ثبوت دیں گے اور اپنے حقوق کو تسلیم کرانے کے لیے کوئی ضد نہیں کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی یہی تعلیم ہے۔ کہ ہم انسانیت کے معیار کو بلند کرنے کے لیے کام کریں اور اسلام نام ہی عمل۔ حرکت۔ رواداری۔ اُخوت۔ نظم و ضبط اور آزادی کا ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا میں انسانیت کے معیار کو معراج کمال تک پہنچا دیا ہے ہمیں اسلامی تعلیم کا مطالعہ نظر عمیق سے کرنا چاہیئے۔ آپ نے فلسفۂ نماز بیان کرتے ہوئے کہا اس میں ہمیں اتحاد کا درس دیا گیا ہے اور جمعہ و عیدین وغیرہ تقاریب کا مقصد بھی یہی ہے اگر ہم اسلام کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی رہنمائی منظور نہ کریں تو یقیناً زوال میں سب مصائب کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ مسلمان طبعاً روادار ہے اور اپنے مطالبات اور حقوق منوانے کے لیے ضد کرنا نہیں جانتا اور نہ ہی کسی اور کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے وطن کا مستقبل شاندار دیکھنے کا صمیم قلب سے متمنّی ہے اور اس کے لیے ہر ممکن قربانی کے واسطے آمادہ و تیار رہتا ہے۔"

(الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۳۹ء)

"قارئین کرام! یہ ہیں میر قافلہ قائداعظم جنہیں مسٹر جناح کا اسلام" میں احراری حضرات نے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ یہ وہ محروم تمنا لوگ ہیں جن کے ذہنوں میں ویرانیاں اور دماغوں میں خرابے بس چکے تھے اور یہ ہندوؤں کے دام فریب میں پھنس کر مسلمانوں کی آئی تحریک کی مخالفت اور سالار کارواں کو بدنام و رسوا کرتے رہے ہمارے نزدیک اب بھی ان کے تخیل اور اعمال نہیں بدلے۔ ان کے احساسات اور نصب العین اب بھی نہیں بدلا۔ ان کے ذہن اور دماغ میں اب بھی نیشنلزم کے آہنی شیطانوں کا ڈیرا ہے۔ جو ابلہ فریب اور عیار دشمن اور مسلمانوں کے چالاک و ہشیار مخالف اور جانی روگ لگا دینے والے عدو نے ان کے صنم کدۂ قلب و نظر میں بسا دئے تھے۔ اسی کیفیت سے مضطرب و پریشان ہو کر مولانا ظفر علی خانؒ نے فرمایا تھا

رسول اللہؐ کے گھر میں یہ کیسا انقلاب آیا
کہ گاندھی جی کی کٹیا عالمان دین کا ڈیرا ہے
خدا ہی جانتا ہے حشر اس ٹولی کا کیسا ہوگا
حرم سے جس کی بدبختی نے رخ ملت کا پھیرا ہے
یہ کہہ دو شب پرستوں سے کہ بستر تہ کریں اپنا
پھٹی ہے پو ہوا جاتا کوئی دم میں سویرا ہے

گاندھی جی کی فتوی بازی

جس نا واقفیت پر سرخیل علماء و جناب ڈاکٹر ڈپٹی ابو اسلام صاحب آزاد کبھی لب کشائی نہیں کرتے اور باقی "علمائے عظام"۔

گاندھی جی کا ارشاد:۔

"اگر مذہب کو حقی حالہ پر رہنے دیا جائے یعنی ایک حج کا معاملہ اور خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق تو پھر ہندوؤں اور مسلمانوں میں کئی ایک اہم مشترک عناصر نکل آئیں گے جو مجبور کریں گے کہ یہ دونوں ایک مشترکہ زندگی بسر کریں اور ان کی زندگی بھی مشترکہ ہو۔ مذاہب انسانوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے لیے نہیں ہیں وہ انھیں ایک رشتہ میں پرونے کے لیے ہیں"

(ہندوستان ٹائمز ۶ جون ۹)

یہ ہے وہ دجل و فریب کے دھاگوں کا بنا ہوا متحدہ قومیت کا جال جس کے ذریعے مسلمانوں کے ملی تشخص و انفرادیت کو یہ مار دھاڑی شکاری شکار کرنا چاہتا تھا اور اس غرض کے لیے اپنے سدھائے ہوئے پرندوں کو ملک بھر میں پھیلا رکھا تھا کہ سادہ لوح مسلمان ہم جنسی کے خیال میں سحر سامری کے جادو کا شکار ہو کر ملت سے کٹ جائے۔ یہ تھے وہ یاس آمیز اور روح فرسا حالات جن میں حکیم الامت کے انتخاب کردہ سالار کارواں قائد اعظمؒ نے خود فراموشی و غفلت سے نجات دلا کر ہندو کانگرس کے فریب آمیز اور سحر طلسم انگیز سے آگاہ و خبردار کرکے مسلمانانِ ہند کو پہلے ایک مرکز پھر ایک مقصد سے روشناس کرایا اور پھر حصول پاکستان کا جذبہ و شوق پیدا کرکے دلوں میں ایک تڑپ اور سینوں میں ایک آگ سی لگا کر اس نا آشنائے منزل کے اندر وہ عزم و صلاحیت پیدا کر دی کہ پاکستان ایک حقیقت بن کر دنیا کے نقشے پر ابھر کر رہا۔ قیامت بالائے قیامت کہ کانگرس کے ایسے خیالات فاسدہ کی تائید و حمایت کرنے والا علماء کرام کا طبقہ پیش پیش تھا۔ یہی وہ طبقہ تھا جس کے متعلق علامہ اقبالؒ کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں باصد حسرت و یاس کہنا پڑا تھا کہ

چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است

اسلامی کلچر کے محافظ

جونپور کا اجلاس ۷ جون ۱۹۴۰ء

جلسہ کا اشتہار حسب ذیل ہے

"آپ کو جان کر بڑی خوشی ہوگی کہ ہمارے شہر میں جمعیت العلماء کا بارہواں سالانہ جلسہ آمر پرکھت تاریخوں میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی صدارت میں ہوگا۔ جس میں دیش کے سب ہی بڑے بڑے مسلم نیتا آویں گے۔ یہ آپ کو بھلی جانتی گیات ہے۔ کہ جمعیت العلماء ہند ایک ایسی سنستھا ہے جس نے سرو دوار (۹) کانگریس کی آزادی کی لڑائی میں ساتھ دیا ہے اور اب بھی دیش کی آزادی کے لیے مسلم جاتی کو نیتر تو کر رہی ہے۔ اتہ آپ سے سن رودھ پرارتھنا ہے کہ اس سمیلن کو سپھل کیجیے۔

پروگرام نیم لکھت ہے:-

۷ر جون کو چار بجے جونپور اسٹیشن سے سبھاپتی کا جلوس نکلے گا۔

۷ر جون سایانکال آٹھ بجے اٹالہ مسجد میں کھلا ادھویشن ہوگا۔

۸ر جون صبح آٹھ بجے احرار سوایم سیوک سمیلن ہوگا۔

۸ر جون چار بجے کھلا ادھویشن ہوگا۔

۸ر جون رات آٹھ بجے جمعیت العلماء کا کھلا ادھویشن ہوگا۔

۹ر جون ۲ بجے کھلا ادھویشن ہوگا۔

۹ر جون رات آٹھ بجے جمعیت العلماء کا کھلا ادھویشن ہوگا"

غور فرمایا آپ نے! یہ ہے وہ اسلامی کلچر کے تحفظ کے ذمہ دار

ہمارے نیشنلسٹ علمائے عظام:

یہ بہتاتی زبان تو آپ نے پڑھ لی۔ آپ حیران ہوں گے کہ احرار اور جمعیت العلماء کے اشتہار میں ایسی زبان کیوں استعمال کی گئی سطور ذیل سے آپ کو پتہ چل جائے گا۔ کہ جو بھی ہندو اُردو کو پسند نہیں کرتا تو آخر یہ علمائے دین متین جن کے ابو الآباؤں نے گاندھی کے ایماء و اشارہ پر قرآن عزیز تک کی تفسیر کر ڈالی علاوہ ہندوؤں کی خوشنودی اور گاندھی جی کی اشیرباد حاصل کرنے کے لیے ایسا کیوں نہ کریں۔

ہندوؤں کے خیالات

"اُردو زبان تو کبھی ہندوستان کی قومی زبان نہیں ہو سکتی اس لیے ہندوؤں کے شاستر میں ان کو مسلمانوں کی زبان بولنے سے روکا گیا ہے۔"

(ہماری زبان یکم جولائی ۱۹۴۰ء)

عصمت بی بی از بیچارگی

ایک خط

گاندھی جی نے ہریجن میں کسی صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جس میں وہ رقمطراز ہیں:۔

"کانگرس والے اس لیے عدم تشدد پر کاربند رہتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انھوں نے ظالم کے خلاف تشدد برتا تو اس سے وہ مشتعل ہو گا اور ایسی سختی کرے گا جسے یہ برداشت نہ کر سکیں گے کانگرس والوں کے مسلک عدم تشدد کا محرک جذبہ یہ نظر آتا ہے جو یقیناً بزدلی

اور دوں ہی کا آئینہ دار ہے نہ کہ محبت کا کیونکہ جذبۂ محرکہ یہ ہے کہ کسی طرح اپنی جان بچانے کی فکر ہو جائے نہ یہ کہ اعلیٰ مقصد کی خاطر جان دے دی جائے ۔"

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے گاندھی جی لکھتے ہیں :-

"اس خط میں عام کانگریسیوں کی ذہنیت کا صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے ۔"

(آئی۔ آئی جلد ۱۴)

یہ ہے وہ عدم تشدد جسے برسوں سے ہمارے مسلمان قوم پرست اور علماء حضرات اپنا عقیدہ (CREAD) بنائے ہوئے تھے ۔

بنگال کے سید حبیب الرحمٰن

"ہندوستان میں کسی اکثریت یا اقلیت کی حکومت نہیں ہوگی بلکہ اس کی زمام حکومت ایسے ہندو اور مسلمان محبانِ وطن کے ہاتھوں میں ہوگی جو نہ صرف مسلمانوں کا ہی اعتماد رکھتے ہوں گے ، بلکہ انھیں ہندوؤں اور دوسری جماعتوں کا بھی اعتماد حاصل ہوگا بالفاظ دیگر یہ جمہوری حکومت ہوگی ، جو جمہور کے ہاتھوں سے وجود میں آئے گی ۔ مسٹر جناح سخت مغالطہ میں ہوں گے ۔ اگر وہ یہ سمجھیں کہ کانگریس ۔ مجلس احرار ۔ بنگال کی کرشک پرجا پارٹی ۔ جمعیت العلماء ۔ جمعیت المؤمنین وغیرہ کے قومیت پرست ان سے (مسٹر جناح سے) کسی طرح بھی مسلمانوں کے کم خیر خواہ یا کم محب وطن ہیں ۔

نزاکتِ وقت کا تقاضا ہے کہ تمام قومیت پرست مسلم لیڈر جنھیں ہندوستانی مسلمانوں کی راہ نمائی کا فطری حق حاصل ہے آگے بڑھیں اور ہندوؤں کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ کریں جس سے مسٹر جناح اور ان کے ہمنوا مسلمانوں کی یا تو اصلاح ہو

جائے یا ان کا خاتمہ ہو جائے۔" (ہندوستان ٹائمز ۱۲ / ۳)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

لیکن ہمارا خیال ہے کہ ستاروں کی آنکھوں نے دنیا کی اسٹیج پر ایسا تماشا شاید ہی کہیں دیکھا ہو کہ مسلمان علماء کا گروہ اپنے جبوں اور قبوں، عماموں اور قباؤں، تسبیحوں اور مصلّوں سے آراستہ پیراستہ غیر مسلموں سے عہد و پیمان قائم کرکے ایک متحدہ محاذ اس غرض سے قائم کر رہا ہو کہ ملک کے کسی کونے میں کہیں ایسی حکومت نہ قائم ہو جائے جس میں شریعت الٰہی کا قانون نافذ ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

اے محمدؐ گر قیامت را برآری سر ز خاک
سر برآر و ایں قیامت درمیان خلق بیں

سر تیج بہادر سپرو کا بیان بسلسلۂ مفاہمت

۱۴ر جنوری ۱۹۴۱ء

گاندھی جی کی وکالت

"کیا مسلمان اس بنیادی حقیقت کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہ ہندوستان ان کا وطن ہے اور صدیوں سے ان کا وطن رہا ہے وہ اپنے آپ کو علیحدہ قوم تسلیم کریں یا نہ کریں آخر انہیں رہنا تو اسی ملک میں ہے۔ کیا خوش معاملگی، انصاف اور خرد کا یہ تقاضا نہیں کہ اگر بعض اقلیتیں اپنے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی تحفظات کی ضرورت محسوس کریں تو انہیں اس قسم کے تحفظات دے جائیں۔

--- میری ناچیز رائے میں دن رات اس بات پر عالمانہ بحث

کرنا کہ آیا ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں یا الگ الگ، دو اقوام محض تضیع اوقات ہے۔ آج سے پچاس سال قبل لڑکپن کے زمانہ میں جب اسکول یا اسکول سے باہر میں اپنے اقران و اماثل سے ملتا تھا تو میں نے اور نہ انھوں نے کبھی یہ خیال تک بھی کیا کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں ہیں۔۔۔ ہندوؤں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہوگی کہ وہ گذشتہ سات سو سال کی تاریخ کو مٹا ڈالیں اور خیال کرنے لگیں کہ ہندوستان صرف انہی کا وطن ہے اور اسی طرح سے مسلمانوں کا یہ خیال بھی فضول ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ہندوؤں سے علیحدہ کرنے کے بعد ہی اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس ملک میں امن چاہتے ہیں اور نہایت ہی ہموار طریقہ پر ملکی ترقی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں جان لینا چاہیے کہ اکثریت اور اقلیت کے تمام فرقے ملک کے استحکام کے لیے اجزاء ترکیبی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تمام کا مشترکہ فرض ہے کہ وہ نہ صرف آزادی حاصل کریں بلکہ اس کے برقرار رکھنے کی بھی کوششیں کریں۔"

وہی راگ الاپا جا رہا ہے جو سابرمتی آشرم کے "سامری" کی دیرینہ منطق کا آئینہ دار ہے۔"

مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن

کے پاکستان سیشن منعقدہ یکم مارچ ۱۹۴۱ء لاہور کے خطبہ صدارت میں قائداعظم نے کیا فرمایا۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"ہمارے سامنے کوئی معمولی کام نہیں۔ مغل سلطنت کے زوال کے بعد ہم نے سب سے بڑا عزم کیا ہے۔ اور ایک بہت بڑے کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں سب کچھ

قربان کرنا پڑے گا!"   (انقلاب ۴ مارچ ۱۹۴۱ء)

"لاہور کے پلیٹ فارم سے ہی مسلم لیگ نے پاکستان کا اعلان کیا تھا اور آج اس پلیٹ فارم سے یہ اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان ایک ایسی منزل ہے۔ جہاں تک پہنچنے کے لیے مسلمانوں کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ پاکستان کا تخیل آج ہندوستان کے ایک ایک مسلمان کے دماغ پر چھا چکا ہے۔ بلکہ میں یہاں تک کہوں گا۔ کہ پاکستان ہندوستان کی اسلامی سیاست کا جزو بن چکا ہے اور ملک کے ہر حصے کے مسلمانوں میں اس کے متعلق جوش و خروش پایا جاتا ہے اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان بن کر رہے گا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے اس نصب العین کو ہندوستان ہی نہیں بلکہ اسلامی دنیا کے مسلمانوں کی حمایت حاصل ہے ...... ہندوستان کے برِ اعظم میں پاکستان کے سوا اور کوئی دستور کامیاب نہیں ہو سکتا!"

(انقلاب ۴ مارچ ۱۹۴۱ء)

"مخالفت کے ہجوم" کا تذکرہ آ گیا تو اس کی کچھ اجمالی تفصیل بھی ضروری نظر آتی ہے۔ پاکستان ایک ایسا عزم ہے۔ جس کی ہر طرف سے مخالفت ہونی ضروری تھی۔ باطل کی کونسی قوت ہے جسے حق کی سربلندی خوش آ سکتی ہے۔ وہ کون سا شرار بولہبی ہے جو چراغ مصطفوی سے ستیزہ کار نہیں رہنا چاہتا۔ وہ کون سا "فرعون" ہے جو موسیٰ کی بڑھتی ہوئی قوت سے متوحش نہیں ہوا! وہ کونسی چمگادڑ ہے جو طلوعِ آفتاب سے "تلملا نہیں اٹھتی"۔ وہ کونسا چور ہے جو اہل خانہ کی بیداری پر سر نہیں پیٹ لیتا۔

لہٰذا اس تحریک کی مخالفت غیر متوقع نہ تھی۔ موجودہ سیاسی کشمکش میں ہندوؤں نے مسلمانوں کی مخالفت خود مسلمانوں کے ہاتھوں

سے بڑی کرائی ہے اور یہ حقیقت خواہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو اور اس کا تذکرہ کیسا ہی جانگداز لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی تباہی وبربادی کی پُرالم داستان کے بکھرے ہوئے ورق جہاں کہیں بھی ملیں گے بین السطور میں کسی نہ کسی جعفر (بنگال) اور کسی نہ کسی صادق (دکن) کا نام "واٹر مارک" کی طرح پنہاں نظر آئے گا۔ جو حقیقت کی روشنی کے سامنے آتے پورا ابھر کر سطح پر آجائے گا۔ ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کی مخالفت اور کمن کی طرف سے جمعیت العلماء مجلس احرار۔ آزاد کانفرنس۔

ننگِ آدم۔ ننگِ دین۔ ننگِ وطن

مخالفت کا سیلاب اُمڈا تو اس زور و شور سے لیکن ہندو کی "بنیا بدھیّ" نے جلدی بھانپ لیا کہ سودا خسارے کا ہے۔ ہندو تو پختہ کار بنیا ہے وہ یونہی روپیہ ضائع نہیں کرتا ہے جس وقت معلوم ہو جائے کہ تجارت نفع کی نہیں جھٹ ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ آزاد کانفرنس دہلی کا اجتماع تزئین و آرائش کے اعتبار سے بڑا بھڑکیلا تھا لیکن اس کے بعد کانوں کان خبر ہی نہ ہوئی کہ اس حسین آغاز کا انجام کیا ہوا۔

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

مجلس احرار کا یہ عالم ہے:۔

کہ ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی۔ کچھ ہماری خبر نہیں آتی

اور جمعیت العلماء

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے

ڈر ہے کہ خبر بدمرے مُنہ سے نہ نکل جائے (اقبالؒ)

حال بدمیں یہ کیفیت ہو گئی کہ ان کے نام تک ذہنوں سے اُتر گئے

سوچئے! کہ حق کی مخالفت، اسلامی حکومت کے قیام کی مخالفت، قوانینِ شریعت کے نفاذ کی مخالفت، مسلمانوں کی سرفرازی و سربلندی کی مخالفت! بھلا یہ لوگ دنیا میں پنپ سکتے تھے! یریدون لیطفؤا نور اللہ

چراغ را کہ نورِ حق فروزد — کسے کو پف زند ریشش بسوزد

اُف کیا عبرت خیز انجام ہے اور کس قدر افسوسناک منظر

دیکھو انھیں جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — ان کی سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

اب آپ چلتے چلتے سر سکندر حیات خان صاحب مرحوم اور تحریکِ پاکستان کے بارے میں دیکھتے جائیے کہ وہ کیا کردار ادا کر رہے تھے۔

سر چھوٹو رام

سر چھوٹو رام نے سونی پت کی جاٹ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ سکندر تحریکِ پاکستان کے مخالف ہیں اور

"وہ کسی خالص اسلامی حکومت میں وزیرِ اعظم بننا تو درکنار کوئی ذمہ داری کا عہدہ تک لینے کو تیار نہ ہوں گے۔"

۱۱ مارچ ۱۹۴۱ء

پنجاب اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے سر سکندر حیات خاں نے ارشاد فرمایا:-

"اگر پاکستان سے مفہوم یہ ہے کہ پنجاب میں خالص اسلامی راج ہوگا، تو مجھے اس سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔" (ہندوستان ٹائمز ۱۲ ۳/۴۱)

ستمبر ۱۹۴۰ء

سر سکندر حیات خاں صاحب بمبئی مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کے

اجلاس میں تشریف لے گئے۔ وہاں پاکستان اسکیم کی تائید میں ریزولیشن پاس ہوا۔ واپسی پر ٹربیون کے نامہ نگار کو بیان دیتے ہوئے فرمایا:۔

"میں آج بھی ہندوستان کی تقسیم کا مخالف ہوں اور میرا ابھی تک عقیدہ ہے۔ کہ پنجاب میں نہ کسی ایک فرقہ کی حکومت ہو سکتی ہے۔ نہ ہونی چاہیئے۔ یہاں صرف پنجابیوں کی حکومت ہونی چاہیئے۔"

(ہندوستان ٹائمز ۹/۳ ۱۲)

میلہ بسنت کی تقریب

"پاکستان۔ خالصتان اور اسی قسم کی دوسری تحریکات قابل مذمت ہیں اور پنجاب میں صرف پنجابیوں کی حکومت ہو سکتی ہے۔"

(زمزم بحوالہ نقیب۔ تقریر سر سکندر حیات خاں ۴۴ء)

انقلاب مورخہ ۵ ۳/۴۱

"مسٹر جناح نے ان مسلمانوں کو جو ابھی تک پاکستان کے متعلق مذبذب ہیں زبردست تنبیہ کی۔ اور کہا کہ وہ مسلمان جو ابھی تک مذبذب ہیں۔ اور جن کی روش متزلزل ہے۔ انہیں فوراً دو ٹوک فیصلہ کرنا چاہیئے۔ کہ انہیں کیا طرز عمل اختیار کرنا ہے۔ انہیں فوراً کسی نہ کسی طرف ہو جانا چاہیئے۔"

مجلسِ عاملہ کا اجلاس

جس میں مسٹر جناح نے فرمایا:۔

"پاکستان کا مطلب ہر عقل مند خوب جانتا ہے کوئی شخص شیطنت

یا شرارت کا مظاہرہ کرے تو اُسے غدار ہی سمجھے گا۔ میرے بس کا روگ نہیں لیکن جب ہم پاکستان کہتے ہیں۔ تو ہماری مراد قرارداد لاہور ہوتی ہے۔ (انقلاب ۳/۴۴ ۴)

نوٹ:۔ سر سکندر حیات لفظ "پاکستان" کی آڑ لے کر اپنی روش کی مدافعت کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

اینٹی پاکستان کانفرنس

"پاکستان کانفرنس" کے اجلاس ہو رہے تھے تو مقابلہ میں ہندوؤں نے "اینٹی پاکستان کانفرنس" بھی منعقد کی اس کے صدر ڈاکٹر کرجی نے اپنی تقریر میں کہا:۔

"مسلمانوں کے ایک حلقہ کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے۔ کہ ہندوستان کی قسمتی کبھی تسلیم نہیں سکتی۔ جب تک کہ مسٹر جناح کی پاکستان کی اسکیم کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ پنجاب کے وزیراعظم ان مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔"

WWW.NAFSEISLAM.COM

(ہندوستان ٹائمز ۳/۴۴ ۲)

۷ مارچ پنجاب اسمبلی

۷ مارچ پنجاب اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے سر سکندر حیات خان نے ارشاد فرمایا:۔

"میں پنجابیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ پاکستان ہندوستان یا خالصتان کی باتیں نہ کریں۔ بلکہ اپنے تمام اختلافات مٹا کر ساری دنیا پر واضح کر دیں کہ پنجاب نہ صرف پنجاب کا ہی نجات دہندہ ہے بلکہ باقی ہندوستان کا بھی۔"

(ہندوستان ٹائمز ۳/۴۴ ۹)

پاکستان سے مفہوم

"اگر پاکستان سے یہ مفہوم ہے۔ کہ پنجاب میں خالص اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ تو میرا ایسی حکومت سے کوئی تعلق نہ ہوگا جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے۔ میں باہر والوں کے مشورہ کو سننے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اس مشورہ کو ماننا یا مسترد کر دینا یہ میری مرضی پر موقوف ہے۔ جس طرح مہاتما گاندھی چاہتے ہیں۔ کہ وہ خود مختار ہوں کانگرس اور مسلم لیگ چاہتی ہے کہ وہ بھی خود مختار ہوں۔ اسی طرح ہم بھی یہی چاہتے ہیں ہمیں اس سے کیوں محروم رکھا جائے (اس میں شک نہیں کہ) ہر شخص کو آزادی کا حق حاصل ہے۔ لیکن دوسروں کو مغلوب کر لینے کی آزادی نہیں۔ میں ہر شخص کو علانیہ کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ ہاشد کے پنجاب سے ہاتھ دھو رکھو" (ہندستان ٹائمز ۱۲/۴۶ء)

بھائی پرمانند

"پاکستان کسی کو بھی اپیل نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ خود لیگ کے اندر اس مسئلہ پر پہلے ہی سے اختلافات پیدا ہو چکا ہے۔ یہ ایک خوش کن علامت تھی۔ کہ وزیر اعظم پنجاب نے نہایت واضح الفاظ میں بتا دیا تھا۔ کہ پنجاب میں کوئی فرقہ وارانہ حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔"
(اسٹیٹسمین ۲۱/۴۶ء)

بروقت و پُر لطف

راہ کی مشکلوں اور راستے کے خطرات سے محفوظ و مصئون منزلِ مقصود کی طرف لے جانے والا کس قدر زیرک و ہشیار اور

رموز حیات سے واقف تھا جس کی قیادت و رہنمائی سے منتشر و پراگندہ حال مسلمان قوم کے نوجوانوں کی نگاہوں میں چمک اور اُمیدوں میں بالیدگی پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی جس نے غیروں کے پیدا کردہ انتشار و اختلال اور فتور و فساد کو اپنے حسن تدبر سے ختم کر کے حصولِ پاکستان ہندی مسلمان کا مقصودِ حیات بنا دیا تھا۔ اس جناح کی حاضر جوابی ضرب المثل ہے اور ایک مرد دانا و زیرک کو ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے ورنہ مٹنے کے بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد قسم کے لوگ تو مارے مارے پھرتے ہیں۔

مسٹر اینے

مسٹر اینے نے اسمبلی میں کہا:-

"مجھے اُمید ہے کہ اگر مسٹر جناح اور کانگرس اور دوسرے حضرات کہیں سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور موجودہ صورتِ حالات کے لیے کوئی مشترکہ حل سوچیں تو ہو سکتا ہے کہ پاکستان کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔"

ہنوز مسٹر اینے کی زبان سے آخری لفظ ادا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مقابل سے مسٹر جناح نے اُن کے فقرہ کو یوں پورا کر دیا۔
"اور یہ بھی ممکن ہے کہ مطالبہ پاکستان کو تسلیم ہی کر لیا جائے۔"

مسلم ٹائمس ۱۹ ۴۴/۴

متحدہ قومیّت

اور مسٹر ایم - این رائے

"اگرچہ سیاسی مصالح کی خاطر ہم ہندوستان کی تحریک کو ایک

WWW.NAFSEISLAM.COM

قومی تحریک" اور ہندوستان کو ایک قوم کہہ دیتے ہیں لیکن ایک سائنس داں اور ایک مورخ کی حیثیت سے ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا بجز اس کے کہ جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے ہندوستان کو ایک وحدت کہا جا سکے اور وہ بھی اس لیے نہیں کہ اہل ہند میں یہ وحدت کا رشتہ کسی اندرونی یک جہتی کی بنا پر قائم ہے۔ بلکہ اس لیے کہ ایک خارجی قوت نے (خواہ مخواہ) اس رشتہ کو ہم پر مسلط کر رکھا ہے۔ (اس صورت کے علاوہ) ہندوستان کو کبھی ایک قوم قرار نہیں دیا جا سکتا . . . . تاریخ کو کئی مصالح کی خاطر توڑا مروڑا جاتا ہے۔ انہی مصالح میں سے ایک متحدہ قومیت بھی ہے . . . . ہندوستان میں چھوٹی بڑی کئی ایک سلطنتیں رہی ہیں۔ لیکن اس کا ثابت کرنا بہت مشکل ہوگا۔ کہ تمام کا تمام ہندوستان یا اس کا بیشتر حصہ کبھی بھی ایک قومیت بن کر رہا ہے۔ (یہاں تک کہ) قدیم ہندوستان کی سلطنتیں تو اس کی (موجودہ) حدود سے بھی باہر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اور اس کے برعکس خود ہندوستان کے بعض حصے ان سلطنتوں کی حدود سے باہر ہوا کرتے تھے۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر "قومیت پرستی" کا جذبہ کہ سارے ہندوستان کی ایک وحدت تسلیم کر لیا جائے صرف سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ کلچر کے اعتبار سے بھی۔ یا یہ کوشش کہ ہندوستان کی مختلف قوموں کو ان کی نسلی، ثقافتی اور دیگر اختلافات کے باوجود ایک قوم بنا دیا جائے۔ بڑی ہراساں کن باتیں ہیں یہ وہ مسائل نہیں جنہیں محض فرقہ پرستی کا لیبل لگا کر طعنہ زنی اور دشنام طرازی سے حل کر لیا جائے۔"

اعتراف

ڈاکٹر راجندر ناتھ ٹیگور نے گورو کل یونیورسٹی کے کانوو کیشن

ایڈریس کے دوران میں کہا:۔

ہمیں بحیثیت قوم اپنے آپ سے اچھی طرح آگاہ ہونا چاہیئے یہ بالکل درست ہوگا اگر کہا جائے کہ کسی قوم کی وحدت کے معنی یہ ہیں کہ وہ قوم اپنے کل اور اس کل کے تمام اجزا سے اچھی طرح واقف ہو لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہماری اکثریت کو ہندوستان کے متعلق کچھ علم نہیں اور نہ ہی اس علم کے اکتساب کی تمنا ہی ہے۔ ہم اپنے سیاسی پراپیگنڈہ کے لیے متحدہ قومیت کا زور و شور سے ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اس سے یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی متحدہ قومیت پیدا ہو گئی اور یوں اپنے آپ کو سیاست کی اس افسانوی دُنیا میں رکھ چھوڑتے ہیں۔ جو خود ہمارے ذہن کی پیداوار ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں خود اپنے ملک میں بھی تمام نوع انسانی کے ساتھ بہت کم دلچسپی ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق باتیں کرتے رہنا ہمارا شعار ہو گیا ہے۔ ہم نظری مسائل فضاء میں اڑاتے رہتے ہیں اور تصورات کی ہواؤں میں خاک چھانتے پھرتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں کرتے کہ اپنی معاشرتی حدود سے نکل کر اپنی ہمسایہ قوم (یعنی مسلمانوں کے) قریب جائیں اور خود معلوم کریں کہ ان کے خیالات و احساسات کیا ہیں۔ اور ان کا اسلوب زندگی کیسا ہے۔

(انڈی پنڈنٹ، ۱۰ اپریل ۱۹۳۸ء)

اہل کانگریس کے نزدیک کانگرس

"مدراس میل میں کانگرس پارٹی کے ایک بہت بڑے ممبر کی گمنام چٹھی شائع ہوئی ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں۔ بڑا افسوس ہے کہ کانگرس، گاندھی اور اس کے متبعین کی بزاحمیت کی بکھیڑ میں اس

بُری طرح سے پھنسی ہے کہ اب اس کا اس سے نکلنا مشکل ہو گیا ہے اگر یہ الجھاؤ محض سیاسی ہوتا تو اس کی اصلاح ہو سکتی تھی۔ لیکن مشکل تو یہ ہے۔ کہ اس نے مذہب کا چولہ پہن لیا ہے۔ اس جماعت کی موجودہ نازک حالت کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں کانگرس کے لیڈر (گاندھی جی) کی (گاندھی) اطاعت اور ضبط پر بے جا زور دیا جا رہا ہے۔ کانگرس دراصل بڑہمنیت کا مندر بن چکی ہے۔ جس میں اُس کے دیوتا (گاندھی جی) کا بُت رکھ دیا گیا ہے۔ یہی بُت پرستی ہے جس سے گھبرا کر معقولیت پسند ہندو اور غیر ہندو اس سے الگ ہو چکے ہیں“

(انڈی پنڈنٹ، الٰہ آباد، ۱۸ اپریل ۱۹۴۱ء)

ہندو ریفارمز کمیٹی

شری شنکر آچاریہ جی نے ایک بیان دیتے ہوئے کہا۔

”ہر نظام وراثت مقامی معاشرت کا ایک فلسفہ اپنے پیچھے رکھتا ہے۔ - - - ہندوؤں کے قانون کو جیسا ہے ویسا ہی رہنے دینا چاہیئے۔ اس میں جس قدر تغیرات آج تک ہو چکے ہیں۔ میں اُنھیں بھی اُصولاً پسند نہیں کرتا اور میں جس قدر تبدیلیوں کی اب تجویز ہو رہی ہے اُنھیں بھی نامناسب اور غیر ضروری سمجھتا ہوں۔

(ہندوستان ٹائمز ۲۸ اپریل ۱۹۴۱ء)

تغیرات و تبدلات کے متعلق مذہبی نقطۂ نگاہ سے یہ پوزیشن ہے لیکن زمانہ کی ضروریات ہندوؤں کو مجبور کر رہی ہیں کہ وہ اپنے مذہبی قانون میں تبدیلیاں پیدا کریں کہئیے کہ جو قانون زمانے کا ساتھ نہ دے سکے وہ کبھی خدائی قانون کہلا سکتا ہے

خدائی قانون اور انسان کی اصلاحات کا محتاج
تا طقہ سر بگریبان ہے کہ اسے کیا کہئے

ایک مشورہ

مسز سی پی۔ راما سوامی آئر جو ہندوؤں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ہندو مذہب۔ ان کی موسیقی کی طرح ایک انفرادی مذہب تھا اور یہ اس کا نقص تھا۔ اس زمانہ میں جبکہ قومیں ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہی ہیں انہیں چاہیئے کہ ہندو سوسائٹی کی پھر سے تخلیق کریں اور اسے اجتماعی رنگ دیں اور اپنے مذہب اور موسیقی کو عالمگیر بنائیں تاکہ وہ (دنیا میں) ایک فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک رجمنٹ بنالیں اور فوج کے دستہ کی حیثیت سے آگے بڑھیں۔"

(ایسٹرن ٹائمز ۱۶ مئی ۱۹۴۲ء)

لیجئے۔ مذہب کے بنیادی اصول کو ہی بدلنے کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ تجویز ہی کیا۔ ہندوؤں نے اپنے انفرادی مذہب کو مدت سے تیاگ کر اس کی جگہ ایک اجتماعی فلسفہ اسلام سے مستعار لے رکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ویدک دھرم ازلی و ابدی ہے۔

آنکھ نرگس کی۔ دہن غنچہ کا۔ حیرت میری
ان کی تصویر میں تم مجھے کہو آن کا کیا ہے

مہاتمائیت

جب ملک میں ہندو مسلم فساد ہو جائے۔ جونہی فساد کی خبر سے تو وہ بلا تحقیق و کاوش اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ سارا قصور مسلمانوں کا ہے۔ ہندو بیچارے معصوم و مظلوم ہیں۔ مسلمان وحشی درندے۔ ڈاکو۔ چور اور بدمعاش ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں ڈھاکہ

اور احمد آباد میں جو افسوسناک فسادات ہوئے اُن کے متعلق بھی ان کے سینۂ مہاتمامیت میں ایک قیامت خیز درد اُٹھا اور اُنھوں نے اخبارات میں ایک بیان شائع کرایا جس کے دوران میں وہ رقمطراز ہیں :-

" جو تفصیلات موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ گو ماکہ احمد آباد میں مسلمان مذہبی دیوانوں نے ہندوؤں کی جائیداد کو نقصان پہنچانے۔ لوٹنے اور آگ لگانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اور یہ سب کچھ اس انداز سے ہوا جس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے طے شدہ تھا "

(اسٹیٹسمین ہر مئی ۱۹۴۱ء)

مسٹر منشی سابق منسٹر کانگرس گورنمنٹ بمبئی

" میرا عاجلہ مقصد یہ ہے۔ کہ تمام ہندوستان کے باشندوں کی توجہات کو اس نقطہ پر مرکوز کروں۔ کہ وہ تقسیم ہند کی اسکیم کی مخالفت کریں۔ اس لیے کہ میرے نزدیک یہ اسکیم ایسی ہی بُری ہے۔ جیسی یہ تحریک کہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کو اقلیت میں بدل دیا جائے "

(ہندوستان ٹائمز ۲۲ ۱/۴)

چہ خوش متحدہ قومیت۔ متحدہ ملک۔ متحدہ کلچر کے متعلق ایک دلچسپ ثبوت ملاحظہ فرمایئے :-

" گذشتہ انڈین سول سروس کے امتحان میں ایک صاحب ڈاکٹر سچیدانند سہنا انٹرویو بورڈ (ملاقاتی مجلس) کے ممبر تھے۔ اُنھوں نے اُمیدواران (طلبا) کی ملاقات کے تاثرات کو ایک مضمون کی صورت میں قلمبند کر کے شائع فرمایا ہے۔ جس کے دوران میں آپ رقمطراز ہیں :-

" سوائے ایک پنجابی طالب علم (اُمیدوار) کے جس کا خیال تھا کہ

بڑائیں دیکھ کر یہ اندازہ آپ کو بھی ہو گیا ہو گا کہ کیوں علامہ اقبالؒ نے ان کے متعلق کہا تھا کہ

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی است
بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اور حضرت حکیم الامتؒ کے متبع میں جناب اسد ملتانی نے ۲۵ جولائی ۱۹۳۹ء کو ترانے وقت میں یوں لکھا۔

مولوی مدنی

ہوا ہے مولویوں کو یہ کیا میرے مولا
نکار ہے ہیں جو وہ مالوی کو سینے سے
یہ مولوی مدنی سے کوئی ذرا پوچھے
مدن سے آپ کو نسبت ہے یا مدینے سے؟

نیشنلسٹ علماء

قومیں فکر سے محروم ہو کر تباہ ہو جاتی ہیں اور جب کسی قوم کے طبقہ علماء میں سے ایک مؤثر تعداد غیر کی آلہ کار بن کر اپنوں کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائے۔

مرا درد لیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
اگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

[illegible] ۱۹۴۰ء میں ایک دردمند مسلمان نے لکھا

اس کی اہمیت و افادیت اور تاریخی حیثیت کے پیش نظر اس موضوع کو ابتدا میں حضور ملت پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ جوانان ملت خصوصی طور پر اندازہ کر سکیں کہ کن پُر خطر حالات اور کس آزمائشی دور میں حضرت قائدِ اعظمؒ نے ملت کی قیادت سنبھالی اور کشتیٔ ملت کو ساحلِ مراد تک لے گئے۔

ملاحظہ فرمائیے:-

"ہندوستانی مسلمان جس نازک دور سے گذر رہا ہے گذشتہ آٹھ سو سال کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایک طرف برطانوی امپیریلزم کی تہرماں قوت ہے جو رچرڈ شیروں کی صلیبی روایات میں پروان چڑھی، اور دوسری طرف برادرانِ وطن کا وہ جذبۂ وطن پرستی ہے جس کی لہر لہر اور موج موج سے ہزاروں محشر اور صد ہا قیامتیں جھانکتی ہیں، انگریز اپنے تاریخی تجربات کی بنا پر جانتا ہے کہ قلب و جگر صلیب کا اگر خوف ہے تو خنجرِ ہلال کی نوک سے۔ اگر ہندی غلاموں میں کوئی قوم اس کی شوکت و سطوت کی حریف ہو سکتی ہے تو وہ جس کی سلطنت کے گل شدہ چراغ سے ہنوز دھواں اٹھ رہا ہے۔ دوسری طرف ہندو یہ سمجھ رہا ہے کہ جب تک مسلمان مسلمان کی حیثیت سے باقی ہے، بھارت ماتا کی اپنی دیرینہ روایات کے ساتھ زندہ نہیں کی جا سکتی جب تک لا الٰہ الا اللہ کہنے والا موجود ہے صنم کدہ وطنیت آباد نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دونوں گروہ اپنے اپنے مقاصد کے پیش نظر اپنی پوری توتیں صرف کر رہے ہیں کہ ان کی منزل کو جانے والے راہ کا یہ سنگ گراں ایک طرف لڑھکا دیا جائے۔ یہ دور پرستارانِ ربّ کعبہ کے لیے بیحد نازک، بے حد شور گزار ہے۔ ابتداء سے لے کر آج تک مسلمانوں پر ایسے ہزاروں آشوب آئے گے

پاکستان اسکیم شاید فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل بن سکے۔ باقی تمام امیدواروں نے جن کی تعداد چھتیس تھی۔ بڑی شدت سے اس خیال کا اظہار کیا کہ علیحدگی کی اسکیم کو جلد از جلد ہر طرح، تعلم قرار دے دینا چاہیئے اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ اسکیم معاشی اور عسکری وجوہات کی بناء پر یکسر ناقابل عمل تھی۔ انھوں نے یہ بھی کہا۔ کہ یہ اسکیم فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل ہونے کے بجائے اس مسئلہ کو اور پیچیدہ بنا دے گی۔

ڈاکٹر سنہا صاحب

ڈاکٹر سنہا صاحب اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"کیا ان نوجوانوں نے جن میں بعض ملک کے انتظام میں اعلیٰ مناصب پر فائز ہوں گے مسلم لیگ کی قلعی ہی نہیں توڑ دی جس کا دعوٰی یہ ہے کہ وہ ملت اسلامیہ کی ترجمان ہے! کیا ان کا یہ طرز عمل قائداعظم کی طرف سے ایک فرمان شائع کرنے کا مستوجب نہیں۔ کہ یہ لوگ مسلمانوں کے صحیح نمائندے نہیں ہیں"۔

باصل یہاں مسلمانوں کے صحیح نمائندے تو صرف وہ لوگ ہیں جو پاکستان کی اسکیم کے خلاف ہیں۔

آپ ذرا آگے بڑھیئے:۔

کلچر کے متعلق بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

"سوائے سکھوں کے جن کا امتیازی نشان ان کی داڑھی اور مونچھ تھے باقی امیدواران کے لباس اور وضع قطع سے کوئی تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ کون ہندو ہے اور کون مسلمان! ان ۳۴ امیدواران میں سے ایک کے سوائے باقی سب مغربی وضع کے لباس میں ملبوس تھے اور سکھوں کے علاوہ سب کرزن فیشن"۔

اس پر ڈاکٹر صاحب کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے:-

"یہ حقیقت کہ ان تمام اُمیدواران کے ذہنی تصورات، اخلاقی معیار اور سیاسی مطالبات قریب قریب ایک جیسے تھے اس دعوے کی محکم دلیل ہے کہ ہندوستان میں دو الگ قومیں آباد نہیں ہیں۔"
ہندوستان ٹائمز ۱۱/۱ ۴۳ء ۱۴

معلوم نہیں ان ڈاکٹر صاحب کی یہ تحقیق انیق جوہر شناسان مغرب کے سامنے بھی آئی ہے یا نہیں ورنہ انھیں نوبل پرائز مل جانا چاہیئے تھا۔ یہاں کتنے بڑے بڑے محقق موجود ہیں لیکن افسوس کوئی قدر دان نہیں۔ کوٹ اور پتلون کی یکسانیت سے ذہنی، اخلاقی سیاسی تصورات و معتقدات کی یکسانیت کا پتہ چلا لینا کسی نگہ ژرف بین کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ مسلمان اُمیدواران نے اپنے انٹرویو میں پاکستان اسکیم کی مخالفت کر دی تو ظاہر ہے کہ جب انھیں اپنے سامنے ڈاکٹر سنہا جیسے ممتحن نظر آئے ہوں گے تو انھوں نے عافیت اسی میں سمجھی ہو گی ؎

تا سزائے را چو بینی بختیار
عاقلاں تسلیم کردن اختیار

ہم نہیں سمجھ سکے کہ ڈاکٹر سنہا جیسے بزرگوں کو حلقۂ ممتحنین میں شامل کرنا اور پھر طالب علموں سے اس قسم کے اختلافی مسائل پر گفتگو کرنا کہاں تک راہِ صواب قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان شعبوں کو اس قسم کی چیزوں سے بلند رکھا جائے تو بہتر ہے۔ ہم اتنا لکھ چکے تھے کہ ۲۴ اگست کو ایسٹرن ٹائمز میں ایک اُمیدوار کی چٹھی نظر سے گذری جس میں اس نے بھی یہی لکھا ہے۔ کہ سنہا صاحب کی ذہنیت کا مطالعہ کرتے ہوئے مسلم اُمیدواروں نے مصلحت کا یہی تقاضا سمجھا۔

جلتی رہو؟

آجکل اخبارات میں شادی بیاہ کے معاملات کے متعلق اشتہار بازی ایک عام روش ہوگئی ہے۔ ۱۰ اگست کے ہندوستان ٹائمز میں وزو وسیع القلب، مہذب اور جاذب نگاہ روشن خیز لڑکیوں کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا۔ ان میں ایک ہندو لڑکی ہے دوسری مسلمان۔

ہندو لڑکی نے لکھا تھا کہ وہ کسی مسلمان سے شادی کرنا چاہتی ہیں اور مسلمان لڑکی نے لکھا تھا کہ وہ کسی ہندو نوجوان سے وابستہ دامن ہونے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ اشتہار نکلا اور اس کے بعد کوئی خبر منصۂ شہود پر نہ آئی۔ فتح گڑھ (یوپی) کے ایک مسلمان نے محسوس کیا کہ دنیا ایسی کور ذوق ہو چکی ہے کہ کسی نے ان دیویوں کے اس عزم و ہمت اور متحدہ قومیت کے لیے اس جاں فروشانہ اقدام کی داد ہی نہیں دی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے جوش کے تقاضے سے ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۷۱ء میں ایک طول طویل مکتوب شائع کر دیا جس میں ان مصلحات قوم کی اس ہمت کی جی بھر کر داد دی ہے جس کے دوران میں وہ رقمطراز ہیں۔

"یہ دونوں باغی (لڑکیاں) باغی نہیں بلکہ مصلح جنھوں نے یہ اشتہار دیا ہے میں انھیں خوش بختی کی دعا دیتا ہوں۔ خدا کی برکات اُن کے ساتھ ہوں۔ میرا سرِ نیاز اُن کے حضور جھک رہا ہے۔ میں انھیں ہندوستان کی نشأۃ ثانیہ کے لیے مقدمۃ الجیش سمجھ کر ان کی بارگاہ میں ہدیۂ سلام پیش کرتا ہوں۔ خدا اُن کے ہم وطنوں کو بھی اس قسم کی بصیرت عطا فرمائے کہ وہ بھی ان کے نقشِ قدم پر چلیں۔ ۔ ۔ ۔ مجھے یقین ہے کہ

مادرِ ہندان پر فخر کرے گی اور انھیں شاباش دے گی۔ کہ انھوں نے اپنے عقیدہ اور عمل سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ وہ اس کی سچی بیٹیاں ہیں۔"

اب ان واد دینے والے مسلمان سے یہ بھی سن لیجئے۔ کہ ان کے نزدیک ان لڑکیوں کے اس اقدام کو سراہنے کی وجوہات کیا ہیں؟ فرماتے ہیں:-

"اس کے لیے ہمارے پاس صاف گو مدعی سب سے بڑی سند ہیں۔ انھوں نے ۳ اپریل ۱۹۳۰ء کے مرچین میں لکھا تھا کہ میں یقیناً اس خیال کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنا چاہتا ہوں کہ یہ لاکھوں ہندوستانی جو چند دن پیشتر ہندو تھے۔ جب مسلمان ہو گئے تو مذہب کی تبدیلی کے ساتھ ہی ان کی قومیت بھی بدل گئی؟"

یہ دلیل ہے قومیت کے نقطۂ خیال سے۔ اب دوسری دلیل ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں:-

"وہ کون سی بات ہے۔ جو اس قسم کی مخلوط شادیوں سے مانع ہو سکتی ہے!

اسی قسم کی شادیوں پر کیوں پابندیاں عائد کی جاتی ہیں اور انھیں آئے دن کے فسادات اور خونریزی کا سبب کیوں بنا دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ مذہب نے یہ حیثیت اختیار کر رکھی ہے۔ کہ جس جس تک اس کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے۔ وہ اس کے اخلاق کا محافظ ہے اور پھر اخلاق کو خدا کے قوانین کے تابع نہیں رکھتا۔ بلکہ اسے عہدِ قدیم کی قبائلی تمنا اور توہم پرستانہ عقائد پر قائم کرتا ہے۔ جنھیں کوئی سمجھدار آدمی برداشت نہیں کر سکتا؟"

یہ آخری الفاظ انھوں نے مسٹر ڈی۔ ایف۔ کراکا کی کتاب

سے اقتباسات لکھے ہیں۔

یہ عہد قدیم کے فرسودہ معتقدات ہیں۔ جو ملک کی ترقی اور آزادی کی راہ میں حائل ہیں۔

ہمیں نہ تو ان بلند حوصلہ۔ وسیع القلب۔ روشن خیال۔ بھارت ورش کی سپوت بیٹیوں سے کوئی علاقہ ہے۔ نہ ان کے ان راہ دینے والے حریت پرست مسلمان صاحب سے کچھ دلچسپی۔ دلچسپی صرف اتنی ہے کہ انھوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ مذہب نے اخلاقیات کی بنا خدا کے قوانین کی بجائے انسانوں کے رسمی معتقدات کو قرار دے رکھا ہے یعنی اگر خدا کے قوانین کے مطابق اخلاقیات کی بنیادیں قائم کر دی جائیں تو یہ روش ان کے نزدیک بالکل درست اور عقل و بصیرت کے مطابق ہے۔ اب دیکھئے کہ مسئلہ زیر نظر کے متعلق خدا کا قانون کیا کہتا ہے۔ ان صاحب کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ کہ وہ قرآن کریم کو خدا کا قانون سمجھے۔ اس خدا کے قانون میں مشرکین کے ساتھ مناکحت کے متعلق ارشاد ہے کہ

WWW.NAFSEISLA

ولا تنکحوا المشرکت ۔۔۔ ۲/۲۲۱

"اور مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو۔ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مشرک عورت تمھیں بظاہر کتنی ہی پسند کیوں نہ آئے لیکن مومن عورت اس سے کہیں بہتر ہے۔ اسی طرح مشرک مرد جب تک ایمان نہ لے آئیں۔ مومن عورتیں ان کے نکاح میں نہیں دی جائیں۔ یقیناً خدا کا مومن بندہ ایک مشرک مرد سے بہتر ہے۔ اگرچہ (بظاہر) مشرک مرد تمہیں کتنا ہی پسند کیوں نہ ہو۔ یہ (مشرکین) تمھیں آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اللہ تمھیں جنت و مغفرت کی طرف

بلا رہا ہے۔ اللہ لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنی آیتیں واضح کرتا ہے۔ تاکہ متنبہ ہوں اور نصیحت پکڑیں۔

ذرا غور کیجیے! کہ اگر کوئی نوجوان مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جائے تو یہ پیچھے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ کہ تمہارے ٹخنے ڈھکے ہوئے ہیں۔ آستینیں کھلی ہیں۔ داڑھی منڈی ہوئی ہے۔ سر کے بال انگریزی۔ کوٹ کی لمبائی چھوٹی ہے۔ لیکن ان کے سامنے آئے دن قومیت پرست نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی طرف سے اس قسم کی چیزیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ جو علانیہ مذہب کے خلاف بغاوت لیے ہوتی ہیں۔ لیکن یہ حضرات ٹس سے مس نہیں ہوتے اس لیے کہ یہ علماء حضرات خود قومیت پرست واقع ہوئے ہیں۔" (طلوع اسلام نومبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۳ تا ۴۵)

دریدہ دہن اخبار

" امریکہ کے دریدہ دہن اخبار نے حضور ختمی مرتبت سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی ذات اقدس و اعظم کے متعلق ناذیبا الفاظ استعمال کیے۔ جس کے خلاف سر عبدالحلیم صاحب غزنوی نے اسمبلی میں التوا کی تحریک پیش کی۔ ہم جناب غزنوی کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ کہ انھوں نے صدائے احتجاج سے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی لیکن افسوس ہے۔ کہ حکومت نے مسئلے کی اہمیت کا کماحقہ احساس نہیں کیا۔ دنیا کو شاید معلوم نہیں کہ ایک مسلمان کے نزدیک جس کے دل میں ایمان کی کوئی کرن بھی موجود ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کیا ہے! وہ ذاتِ گرامی (فداہ ابی و امی) جن پر ایمان

ہمارے لیے باعث نجات وسعادت اور جن کی محبت سرمایۂ زندگی و متاعِ حیات ہے۔ ہمارے نزدیک معراجِ انسانیت کا مظہرِ اتم اور دُنیا وآخرت کی بلند ترین سرفرازیوں کا پیکرِ مقدس ہے۔ اس ذاتِ فخرِ موجودات کی شان میں نازیبا الفاظ تو کجا ہم تو ان کوچوں اور گلیوں کی توہین بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ جن کے ذرّات کو اس پیکرِ رفعت وعظمت کی کفش بوسی کی سعادت نصیب ہو گئی۔ خوش بخت وہ لڑکیاں جن میں وہ شمعِ فروزاں ضیاء بار وجلوہ ریز ہوئی اور رشکِ نصیب خاک کے ان ذرّوں کے جو ان درخشندہ وتابناک نقوشِ قدم کے چومنے سے آسمان کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔ دُنیا کیا جانے کہ اس پیکرِ محبوبیت کے ساتھ ہمارے قلوب کا کیا رشتہ ہے! ایک زندگی کیا! ہزار بار زندگی نصیب ہو اور ہزار بار اس شاہنشاہ کونین کی ناموس پر نچھاور ہو جائے۔ تو بھی دل کی تمنا پر نہ آئے جس سینے میں عشقِ رسولؐ کا سوز نہیں سینہ نہیں۔ بدبختیوں اور تاریکیوں کا قبرستان ہے۔ جس دل میں ناموسِ محمدؐ پر مر مٹنے کی تمنا نہیں دل نہیں بُرم وکرگس کا وحشت انگیز کاشانہ ہے لیکن! غلام کا عشق کیا اور محکوم کی تمنا کیسی!

تحفظِ ناموسِ رسولؐ گداگری کے احتجاجات سے نہیں ہو سکتا۔ جماعت کی قوت سے ہو سکتا ہے۔ قوت جس کے ضعف کا باعث خود جناب عبدالحلیم صاحب غزنوی بنے۔ ہم اپنے بھائی سے ناموسِ رسالت کے نام پر اپیل کریں گے۔ کہ وہ اپنی انفرادی روش کو چھوڑ کر پھر سے جماعت میں آ ملیں اور یوں ریت کے بکھرے ہوئے ذرّوں کو ایک ایسی محکم چٹان بنا دیں کہ مخالفت وناسازگاری کی جو موج اس سے ٹکرائے پاش پاش ہو جائے۔ اس وقت ہم

دیکھیں گے، کہ کس میں یہ ہمت پڑتی ہے کہ وہ شاہنشاہ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام، تو کجا اُن کے کسی ادنیٰ غلام کی طرف بھی آنکھ اُٹھا کر دیکھ جائے ؎

افرنگ زخود بے خبرت کرد وگرنہ
اے بندۂ مومن تو بشیری تو نذیری

(طلوع اسلام نومبر ۱۹۴۲ء صفحات ۵۱ و ۵۲)

اس تحریر سے قارئین کو بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔ کہ طلوع اسلام میں کتنی تڑپ و آرزو ہے۔ کہ مسلمان ملّتِ واحدہ کی حیثیت میں دنیا میں زندہ و سرفراز رہے اور کس ولولہ و جوش سے نظریۂ پاکستان کی ترجمانی کر رہا ہے۔ جہاں تک حضور اقدس و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و عقیدت کا تعلق ہے۔ وہ بھی اس تحریر کے ایک ایک لفظ سے جھلک رہی ہے۔ ہمارے نزدیک نیشنلسٹ علماء اور اُن کے عقیدت کیش حضرات کی تحریکِ پاکستان کے ساتھ مخالفت و دشمنی کو عریاں و بے نقاب کرنے اور ان کے وار و حائی دلائل کا مسکت جواب دینے کے علاوہ اقبالؒ و جناحؒ کے فرمودات کو فرزندانِ ملّت کے حضور پیش کرنے میں جس جرأت و ہمت سے اس نے کام کیا ہے۔ طلوع اسلام کا یہ کارنامہ ایک منفرد حیثیت لیے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کانگرسی مُلّاؤں کی معنوی اولاد اس کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کر کے اپنی روح کو تسکین اور اپنے آبا و اجداد سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتی ہے۔ اُن کے نزدیک یہ پرویز کا بہت بڑا جرم ہے۔ جسے وہ کسی حالت میں معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جہاں کانگریسی علماء اور ان کے مریدین کا مقصدِ حیات حضرت قائدِ اعظمؒ اور حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی مخالفت تھا وہاں چوہدری غلام احمد صاحب پرویز کی زندگی کا مقصد عظیم حکیم الامتؒ کے افکار و خیالات

کی تائید و حمایت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات کو دنیائے انسانیت کے سامنے ہر دور کے تقاضوں کا مکمل حل سمجھا کر پیش کرنا ہے۔

مولانا محمد شعیب صاحب

اب آپ مولانا محمد شعیب صاحب جنرل سیکرٹری جمعیت العلماء صوبہ سرحد کا بیان دیکھیے جس سے اُن کی حقیقت پسندی جھلکتی ہے:۔

"کانگرس سے جمعیۃ العلماء ہند کی وابستگی مسلمانوں کے لیے سود مند ثابت نہیں ہو سکی۔

جمعیت کے زعما مسلم مفاد کی خاطر کانگرس سے علیحدہ ہو جائیں۔ سرحدی لیڈر مولانا محمد شعیب کا مشورہ۔

مردان (بذریعہ ڈاک) مشہور قومی کارکن مولانا محمد شعیب صاحب جنرل سیکرٹری جمعیت العلماء صوبہ سرحد آف مردان نے مندرجہ ذیل بیان برائے اشاعت بھیجا ہے۔

جمعیت العلماء ہند کے سیکرٹری مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا تھا کہ مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء کو آپس میں کوئی سمجھوتہ کر لینا چاہیے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر جمعیۃ کو یہ سمجھایا جائے کہ کانگرس کے ساتھ ان کی وابستگی مسلمانوں کے لیے مفید نہیں ہے تو جمعیۃ کانگرس سے علیحدہ ہو جائے گی۔

مولانا صاحب کے ان ارشادات کے متعلق ہم جمعیت العلماء ہند کے ارباب حل و عقد کی توجہ اس حقیقت کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں کہ مسلم لیگ مسلمانان ہند کی صحیح طور پر نمائندگی کرتی ہے اور ان کے لیے آزادی اور حکمرانی کا اصلی شرف حاصل کرنا

چاہتی ہے۔ اس کے لیے انگریز اور ہندو دونوں سے نپٹ رہی ہے۔ ان حالات میں کیا یہ مناسب ہے کہ جمعیۃ العلماء مجموعی طور پر مسلم لیگ کی معاونت سے احتراز کرے اور کانگرس جیسی غیر مسلم جماعت کے ساتھ بغیر کسی سمجھوتہ اور رفتار معاملے کرتے کے اشتراک و تعاون کرے۔ جمعیۃ العلماء کا تو ہر وقت یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ ہر حالت میں غیر مسلموں کے مقابلہ میں اپنے مسلم بھائیوں کے قومی محاذ میں رہے۔ اس امر کے متعلق کہ کانگرس کے ساتھ جمعیۃ العلماء کی وابستگی مسلمانوں کے لیے مفید ہے کہ نہیں ہم مولانا حسین احمد صاحب سے گذارش کریں گے کہ وہ بتائیں کہ کانگرس کے ساتھ جمعیۃ العلماء کی وابستگی سے اسلامیان ہند کو اب تک کیا فائدہ پہنچا ہے اور کیا فائدہ ہو رہا ہے اور کیا فائدہ ملنے والا ہے۔ یقیناً ان تینوں سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ کانگرس سے جمعیۃ کی وابستگی مسلمانان ہند کے لیے نقصان کی حامل ہے اس لیے ضروری ہے کہ جمعیۃ بغیر کسی تاخیر کے کانگرس سے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ سے تعاون کرے۔ (نوائے وقت ۲۸ مئی ۱۹۴۷ء)

خان محمد علی خان کا بیان

اب آپ یہ ملاحظہ فرمائیں کہ اس وقت خان عبدالغفار خان کی کیا روش تھی اور سرخپوش کس طرح ہندو کانگرس کا آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔

"مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے سرخپوش کانگرس کا آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔

خان عبدالغفار خان اپنے ہندو آقاؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں

پشاور۔ خان محمد علی خان سیکرٹری فرنٹیئر صوبائی مسلم لیگ

نے ایک بیان میں اس امر کا اظہار کیا ہے۔ کہ علیحدہ پٹھانستان ریاست بنانے کا خیال ایک چال ہے۔ جو خان عبدالغفار خان نے اپنے ہندو آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے چلی۔ کانگرس نے اس بات کو تسلیم کر کے کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں تقسیم ہند کی تجویز کو قبول کر لیا۔ لیکن کانگرس اس بات کے سراسر خلاف تھی۔ کہ ہندوستان کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بلقان کی طرح تقسیم کر دیا جائے۔ میں حیران ہوں کہ مسٹر گاندھی نے کس طرح پٹھانستان بنانے کے حق میں اپنی رائے دی اور اس تجویز کی حمایت کا اعلان کیا حالانکہ اس قسم کا تصور بھی ان کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ یہ چال تو کانگریسی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے چلی گئی اور اس کا انکشاف مسٹر گاندھی نے اپنی پرارتھنا میں تقریر کرتے وقت کر دیا۔ آپ نے پٹھانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اب پٹھانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں سے رشتۂ مودّت قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہندو اب بھی یہی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالیں انھوں نے مختلف علاقوں میں اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں جو آن کے مقصد کے لیے ان کا آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ پنجاب میں انھوں نے سکھوں کو اپنا آلۂ کار بنایا ہے۔ مغربی بنگال میں ہندوؤں سے اپنا کام نکالا اور اب وہ صوبہ سرحد میں سرخپوشوں سے یہ کام لینا چاہتے ہیں۔

خان عبدالغفار خان نے ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا جو اعلان کیا ہے دراصل یہ مسلم لیگ کی مہم کو بے اثر بنانے اور جوش و خروش کو کم کرنے کے لیے ایک چال ہے۔ صوبہ سرحد کے پٹھان اب بیدار ہو چکے ہیں۔ وہ خان عبدالغفار خان یا کسی اور کے کہنے پر غلط راستہ

پر نہیں چل سکتے۔" (نوائے وقت، ۲ر جون ۱۹۴۷ء)

خان برادران

* خان برادران کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔
انھیں سر چھپانے کو جگہ تک نہیں ملے گی۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ ۲۰ر جون پیر صاحب زکوڑی شریف بنوں اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے اضلاع کا دورہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے ایک بیان میں فرمایا کہ خان برادران کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں انھیں سر چھپانے کے لیے جگہ نہ ملے گی۔ بنوں میں ۲۱ر جون کو خان برادران کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ان کے لیے سرمۂ بصر ثابت ہوگا۔ انھیں جلسہ تک منعقد نہ کرنے دیا گیا۔ (نوائے وقت، ۲۰ر جون ۱۹۴۷ء)

نیو سٹیٹسمین

خان عبدالغفار خان نے پٹھانستان کے نام پر جو فریب بازی شروع کر رکھی ہے۔ کانگرس کو اس کی مذمت کرنی چاہیے۔
مشہور سوشلسٹ اخبار نیو سٹیٹسمین کا تبصرہ
پٹھانستان کی تجویز رخنہ اندازی کے مترادف ہے۔
مسٹر گاندھی کو اس کی حمایت سے پہلو تہی کرنا چاہیے۔

لندن۔ ۲۰ر جولائی برطانوی آزاد سوشلسٹ اخبار "نیو سٹیٹسمین" نے ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ جس میں عبدالغفار خان کے پٹھانستان قائم کرنے کی کوششوں پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔ کہ خان عبدالغفار خان نے پٹھانستان کے قیام کے لیے جو کوششیں شروع کر رکھی تھیں وہ بالکل ناکام ہو گئیں اور اب ریفرنڈم

برطانوی اسکیم کے مطابق ہو رہا ہے۔ خان عبدالغفار خان نے ایک طرف تو کانگرس کے فیصلہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ جو اس نے جون والی اسکیم کو قبول کرنے کے سلسلہ میں کیا تھا دوسری طرف وہ موقع کھو بیٹھے دو سال پہلے پٹھانوں نے افغانستان کے الحاق کے حق میں اظہار خیال کیا تھا لیکن کانگرس نے انہیں ایسا کرنے سے روکے رکھا۔ اس وقت سے مسلم لیگ کے اثر و اقتدار کا زور بڑھ رہا ہے۔ اور اس کے برعکس سرخ پوش اپنا رسوخ کھو رہے ہیں۔ مقامی کانگرسیوں نے آخری ساعت پر دلیرانہ عزم کا مظاہرہ کر کے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا اور یہ کوششیں کر رہے ہیں کہ پٹھانوں پر اپنا کنٹرول قائم رکھنے کے لیے ہاتھ پاؤں ماریں جس کی حمایت بدقسمتی سے مسٹر گاندھی کر رہے ہیں۔ اس موقع پر اگر (قائد اعظم) مسٹر جناح یہ کہیں کہ اس قسم کی سیاسی سرگرمی دھوکہ اور فریب ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ کانگرس ہائی کمان عبدالغفار خان کی اس تحریک کی مذمت اور برائی کرے جو رخنہ اندازی کرنے کے مترادف ہے۔

پنجاب اور کلکتہ کے علاوہ باقی تمام علاقوں میں تقسیم کا کام پر امن طریق پر پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ پنجاب میں سب سے نمایاں اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ مسلم لیگ نے صوبہ کے تمام مسلمانوں کی حمایت حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ ملک سر خضر حیات اور اُن کے آٹھ مسلمان ساتھیوں نے بھی پاکستان میں شمول کے حق میں ووٹ دیئے۔

(نوائے وقت، ۸ جولائی ۱۹۴۷ء)

وزیراعظم سرحد

"اگر مسلم لیگ ۵۰ فیصدی سے زائد ووٹ لے گئی۔ تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔

میں پاکستان سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا۔

(ڈاکٹر خان)

پشاور ۸ر جولائی وزیراعظم سرحد ڈاکٹر خان صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں کل کہا کہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر مسلم لیگ اس ریفرنڈم میں ۵۰ فیصدی سے زائد ووٹ حاصل کر گئی تو میرا اخلاقی فرض ہوگا۔ کہ میں سرحد کی وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دوں"

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر خان صاحب نے کہا کہ پچھلے انتخابات میں کل ووٹوں میں سے صرف ۳۲ فی صدی ووٹ ڈالے گئے یعنی کل چھ ہزار میں سے ۲۸۰۰۰۰-۱ اس لیے اگر مسلم لیگ اسی حساب کے مطابق پچاس فیصدی سے زائد ووٹ حاصل کرے۔ تو میرا استعفا دینا اخلاقاً واجب ہو جاتا ہے لیکن یہ میری ذاتی رائے ہے اصل فیصلہ مقامی کانگرس جماعت کے ہاتھ میں ہے"

ڈاکٹر خان صاحب نے مزید فرمایا کہ "ہماری وزارت سے استعفےٰ کا قدرتی نتیجہ نئے انتخابات ہوگا" جب اُن سے پوچھا گیا کہ کیا استصواب رائے کے بعد سے ۱۵ر اگست تک آپ ایک مشترکہ نگران حکومت بنانے پر رضامند ہوں گے؟ تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ "ہماری ذاتی رائے ایسی نہیں۔ میں ذاتی طور پر

پاکستان سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا ہوں۔"
(نوائے وقت ۹ جولائی ۱۹۴۶ء - ا - پ)

خان عبدالقیوم خان

"ملتِ اسلامیہ کے غداروں پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

خان عبدالغفار خان سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
(عبدالقیوم)

پشاور۔ ۸ جولائی۔ آج شام پشاور سٹی مسلم لیگ کے زیر اہتمام چوک یادگار میں ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے سرحد مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر خان عبدالقیوم نے کہا کہ ملت اسلامیہ کے بعض غداروں کی مسلم کش سرگرمیوں کے باوجود صوبہ سرحد قدرتی طور پر پاکستان کا ایک اہم حصہ ہے اور رہے گا۔ خان عبدالقیوم خان نے کہا صوبہ سرحدی کانگرس نے موجودہ استصواب رائے کا جو بائیکاٹ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی متوقع شکست پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ خان عبدالغفار نے پٹھانستان کا جو فتنہ برپا کیا ہے وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ جس مسئلے پر استصواب رائے عامہ ہو رہا ہے اسے خان عبدالغفار خان اور ان کے سیاسی رہنما مسٹر گاندھی پنڈت جواہر لعل نہرو، آل انڈیا کانگرس کی مجلس عاملہ اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی منظور کر چکی ہے۔ خان عبدالقیوم خان نے کہا کہ خان عبدالغفار خان کی سرگرمیوں کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں کہ وہ بے بنیاد دلائل اور مباحثے سے سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

ہیں۔ مثال کے طور پر خان عبدالغفار خان مسلم لیگ سے یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے قیام کے بعد پاکستانی علاقوں میں برطانوی فوج مقیم نہ رہے گی۔ حالانکہ اس سلسلہ میں مسلم لیگ نے بار ہا اپنے دیانتدارانہ عزائم کا اعلان کیا ہے۔ خان عبدالقیوم خان نے مزید کہا کہ خان عبدالغفار خان اور ان کے حواری ہمارے متعلق تو بغیر ضروری طور پر شکوک و شبہات کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر وہ ہندو انڈیا اور ہندو لیڈروں کے رویہ کے متعلق کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ حالانکہ ہندو ووٹ لیڈروں نے آزاد جمہوری حکومت کے قیام کے متعلق موجودہ دستور ساز اسمبلی میں ایک واضح قرارداد پاس کرنے کے باوجود وہ جذبات منظور کر لیا ہے۔ خان عبدالقیوم خان نے کہا کہ صوبہ سرحد کے عوام میں اب خاطر خواہ سیاسی بیداری پیدا ہو گئی ہے اب کوئی انھیں گمراہ نہیں کر سکتا۔ موجودہ استصواب رائے عامہ میں اگر عوام نے پاکستان کے حق میں قطعی رائے دے دی تو غداروں پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔"

(نوائے وقت ۹ جولائی ۱۹۴۷ء)

سردار عبدالرب نشتر

"خان عبدالغفار خان کے بیانات جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

(عبدالرب نشتر کا بیان)

یہ غلط ہے کہ عبدالغفار خاں ریفرنڈم کے خلاف تھے۔

انھوں نے کانگرس کی مجلس عاملہ میں ہرگز مخالفت نہ کی۔

نئی دہلی ۱۰ جولائی سردار عبدالرب نشتر وزیر مواصلات

نے ایک بیان میں فرمایا۔"

(نوائے وقت ۱۲ر جولائی ۱۹۳۶ء)

نوائے وقت

"اگر ہمیں کچھ کہنا ہوا تو ہم مسٹر جناح سے کہیں گے۔"
محسود ملکوں کا خط پنڈت نہرو کے نام

یہ وہ خط ہے جو رزمک میں محسود جرگہ کی طرف سے پنڈت جواہر لعل نہرو کی خدمت میں پیش کیا گیا اور جس کے متعلق خان عبدالغفار کا ارشاد یہ تھا۔ کہ "مجھے اس میں کسی کا ہاتھ نظر آتا ہے۔"

مورخہ ۱۵/۴/۱۹۳۶ء کیمپ رزمک
از طرف تمام قوم محسودان وزیرستان کے
بنام جناب صاحب پنڈت جواہر لعل

۱۔ ہم کو معلوم نہیں ہے کہ جناب صاحب کس مطلب کے لیے آئے ہیں۔

۲۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ کسی بادشاہ کے لئے افغانستان مسلمان و ہندوستان کیسی میں گزر رہے ہیں۔

۳۔ ہم نے کسی کا حکومت نہیں مانا۔ اور ہم آزاد قوم ہیں آج تک۔

۴۔ ہمارا پیارہ مہربان ہمدرد خیر خواہ جناب صاحب مسٹر محمد علی جناح کو سرحدی دورے پر آنا چاہیے تھے ہم قدم بوسی کے لیے۔

۵۔ اگر ہم کو کچھ عرض کرنا ہو تو ہم اپنا خیر خواہ جناب صاحب

مسٹر جناح کو کریں گے۔

(نوائے وقت ۲۰ راکتوبر ۱۹۴۶ء)

مسلمانان سرحد کو ملّتِ اسلامیہ سے علیحدہ کرنے کے لیے

کانگرس کی ناپاک سازش۔

خان عبدالغفار خان ملّت میں ایک نیا فتنہ اُٹھائیں گے۔

نئی دہلی۔ خان عبدالغفار ایک نئی سیاسی چال چلنے والے ہیں۔ خان صاحب اور ان کے ہندو کانگرسی آقاؤں کو اس کا یقین ہو گیا ہے کہ صوبہ سرحد میں ان کا طلسم ٹوٹ چکا ہے اور اب ان کے لیے کانگرس کے نام پر پٹھانوں کو دھوکہ دینا بہت مشکل ہے۔ خان عبدالغفار خان کو اچانک دہلی میں اس لیے بلایا گیا ہے کہ کانگرسی آقاؤں کو اس کا یقین ہو گیا ہے۔ کہ کسی نہ کسی صورت میں صوبہ سرحد میں استصواب رائے عام یقینی ہے۔ اور اس میں کانگرس کی ناکامی لازمی ہے۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پنڈت نہرو۔ مسٹر ولبھ بھائی پٹیل اور خان عبدالغفار خان میں اب یہ طے پایا ہے کہ خان صاحب سرحد واپس جا کر ڈاکٹر خان صاحب اور لالہ مہر چند کھنہ سے مشورہ کریں اور حالات کے مطابق فوراً آہستہ آہستہ خدائی خدمتگار تحریک کا رُخ بدل دیا جائے۔ خان عبدالغفار خان کانگرس اور اکھنڈ ہندوستان سے وابستگی کی بجائے پٹھانستان پر زور دیں پنجابی اور پٹھان کا سوال پیدا کیا جائے۔ اور پٹھانوں میں یہ پراپیگنڈا کیا جائے کہ صوبہ سرحد الگ تھلگ رہے یا افغانستان سے مل جائے مگر پاکستان سے ملحق نہ ہو۔ خان عبدالغفار نے پنڈت نہرو اور مسٹر پٹیل کو یہ یقین دلایا ہے کہ صرف اسی طرح صوبہ سرحد کے

مسلمانوں کو مسلم لیگ سے برگشتہ کیا جا سکتا ہے۔ کانگرس نے یہ اسکیم منظور کر لی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مہم پر ایک کروڑ روپیہ صرف کیا جائے گا۔ (نامہ نگار سیاسی) (نوائے وقت ۔ مئی ۱۹۴۶ء)

"سرحدی مسلمانوں کا مستقبل نہایت درخشاں ہے"۔

(پیر مانکی شریف)

"سرحد کے لیگی زعما دہلی سے واپس پشاور پہنچ گئے"۔

"لاہور۔ ۔ جولائی صوبہ سرحد کے مسلم لیگی زعما جو قائد اعظم سے تبادلۂ خیالات کرنے کے لیے دہلی گئے ہوئے تھے آج دہلی سے بذریعہ ہوائی جہاز پشاور جاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے لاہور کے فضائی اڈہ پر اترے۔ لاہور کے بے شمار مسلمانوں نے سرحدی زعما کا استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں مولانا ابراہیم علی چشتی اور مولانا عبدالستار خان نیازی ایم۔ ایل۔ اے پنجاب بھی شامل تھے۔

نمائندہ پریس سے انٹرویو کے دوران میں پیر مانکی شریف نے کہا کہ صوبہ سرحد کے مسلمانوں کا مستقبل نہایت درخشاں ہے۔ اور وہ پاکستان کی تعمیر میں اہم پارٹ ادا کریں گے۔ پیر صاحب نے مولانا ابراہیم علی کو بتایا کہ وہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تحریک کے خاتمہ کے بعد مسلم قوم کی اخلاقی بلندی کے لیے جدوجہد کریں گے"۔

(نوائے وقت ۔ مئی ۱۹۴۶ء)

آپ سرحدی زعما مسلم لیگ کے بیانات پڑھ چکے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ خان عبدالغفار خان کی حرکات مذمومہ بھی آپ کے سامنے آ چکی ہیں جو ہندو کانگرس کی خوشنودی کے لیے انھوں نے کی۔ اب آپ جناب سہروردی صاحب کی ایک تقریر ملاحظہ فرمائیں:۔

"کانگرسی علما مسلمانوں کو دنیا کی نظر میں ذلیل کرنے کی کوشش

کر رہے ہیں۔" (سہروردی)

"پاکستان اپنی ضروریات سے زیادہ اناج پیدا کرے گا۔"

"سلہٹ ۳۰ جولائی ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجلاس میں پرسوں رات تقریر کرتے ہوئے بنگال کے وزیراعظم حسین شہید سہروردی نے سلہٹ کے عوام اور خاص طور پر اقلیتوں کو یقین دلایا کہ پاکستانی حکومت میں ان کے حقوق اور مفاد کا پورا تحفظ کیا جائے گا۔

برطانوی حکومت کے تازہ ترین اعلان کا پس منظر پیش کرتے ہوئے مسٹر سہروردی نے فرمایا کہ آسام کی کانگرسی حکومت نے کانگرس ہائی کمانڈ کی ہدایت کے باوجود وزارتی مشن کی تجاویز کو ٹھکرا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج بنگال اور پنجاب کو بانٹ دیا گیا ہے۔

سلہٹ میں جمعیت العلماء کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے سہروردی صاحب نے فرمایا کہ یہ رنگ کانگرس کے ایجنٹ ہیں جو مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے کے لیے گمراہ اور مجبور کر رہے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جب پاکستان قائم ہو چکا ہے اور مسلمان قوم کا مستقبل ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے تو یہ مسلمانوں کو دنیا کی نظروں میں ذلیل کرنے کی کوششیں کیوں کر رہے ہیں۔

یہ علماء کہتے ہیں کہ اگر سلہٹ پاکستان میں شامل ہو گیا تو وہاں خوراک کی کمی واقع ہو جائے گی اور غذائی اناج کی قیمتیں چڑھ جائیں گی اس سے زیادہ غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ مشرقی بنگال میں اناج کی گرانی کی وجہ یہ ہے کہ اناج کی تقسیم مرکزی حکومت کے اختیار میں ہے اور پاکستان کی پیداوار تمام ملک میں تقسیم ہو کر اس کا صرف ایک حصہ بنگال میں پہنچتا ہے جو یہاں کی ضروریات کے لیے کافی نہیں ہو سکتا لیکن جب ہم آزاد اور خود مختار ہو جائیں گے تو ہمارے ملک میں اس قدر وافر اناج پیدا ہو گا جو ہماری ضروریات پوری کر کے بچ رہے گا اور دنیا کے باقی حصے اپنی ضروریات کے لیے ہمارے محتاج ہوں گے۔"

(ا پے پی ۔ ۲ اگست ۱۹۴۷ء نوائے وقت)

وطن پُجتا ہے

بھارت میں بُت گنگ و جمن پُوجتا ہے
پُوجتی ہے زمین چرخِ کہن پُوجتا ہے
اللہ کی پُوجا ہے یہاں جُرمِ عظیم
اس اندھوں کی نگری میں وطن پُجتا ہے
(خلیق قریشی)

انجام کے ہندو

مسلمان نام کے تو ہیں مگر ہیں کام کے ہندو
اُنھیں ہم سے کہیں پیارے ہیں سندھ آسام کے ہندو
وُہ ہیں آغاز کے مُسلم، مگر انجام کے ہندو
غرض ایسے ہیں وُہ جیسے کہ ہوں اسلام کے ہندو
(اے۔ڈی۔اظہر سیالکوٹی)

مُسلم نیشنل گارڈز

"جالندھر میں دفتر مسلم نیشنل گارڈز کا افتتاح"
اور پرچم کشائی کی رسم

"جالندھر شہر ۵ جولائی (بذریعہ ڈاک) ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ پرسوں جامع مسجد کے بالمقابل دفتر مسلم نیشنل گارڈز کا افتتاح ہوا۔ اس موقعہ پر کم و بیش ایک ہزار باوردی مسلم نیشنل کے رضاکار موجود تھے۔ پرچم کشائی کی رسم شہر میدار محمد صالح سالار سٹی مسلم لیگ نیشنل گارڈز نے ادا کی سب سے آخر میں نیشنل گارڈز کے باوردی رضاکاروں نے بینڈ کے ساتھ پریڈ کی"۔

مرزا گل محمد آنس سیکرٹری
سٹی مسلم لیگ جالندھر شہر
(نوائے وقت ۱۲ جولائی ۱۹۴۶ء)

سرکردہ لیگی ورکر

"ایک سرکردہ لیگی ورکر کا جالندھر اور نکودر کی تحصیلوں میں داخلہ بند۔"

"جالندھر ۲۸ جون۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جالندھر نے ایک سرکردہ مسلم لیگی ورکر میاں شمس الحق کا جالندھر اور نکودر تحصیل میں داخلہ تین ماہ کے لیے بند کر دیا ہے۔ میاں شمس الحق آج کل ضمانت پر رہا ہیں۔ آپ کو قول کیمپ میں بھوک ہڑتال کرنے کے سلسلہ میں چار ماہ قید کی سزا دی گئی تھی"۔
(نوائے وقت ۲۹ جون ۱۹۴۶ء)

"قائداعظم کی کوٹھی میں سکھ نوجوان کا داخلہ"
پولیس نے اُسے موقع پر گرفتار کرلیا

دہلی ۲۸ جون۔ دہلی کے اخبار "ہندوستان ٹائمز" کی دیروزہ اشاعت میں ایک نوٹ شائع ہوا۔ جس میں پولیس ایک سکھ نوجوان سے باز پرس کر رہی ہے۔ جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ پچھلے ہفتہ قائداعظم کی کوٹھی کے عقب سے کوٹھی کی دیوار پھاند کر کوٹھی میں داخل ہو گیا تھا۔" (۲۹ جون ۱۹۴۶ء۔ نوائے وقت)

حضرت تاج جالندھری

"حضرت تاج جالندھری کے وارنٹ گرفتاری اور رہائی ضمانت!"

"جالندھر کے لیگی کارکن مولانا عبدالمجید صاحب تاج جالندھری مورخہ ۲-۸-۴۲ کو حاضر ضمانت پر رہا کر دیے گئے۔ پولیس نے آپ کے وارنٹ گرفتاری مورخہ ۱-۸-۴۲ کو جاری کیے تھے۔ واقعات یوں بیان کیے جاتے ہیں۔ کہ مسلم لیگ کی سابقہ سول نافرمانی کے سلسلہ میں تاج صاحب کو زیر دفعہ ۱۲/۸ سیفٹی آرڈیننس بتاریخ ۵-۱-۴۲ گرفتار کیا گیا۔ مورخہ ۳۰-۱-۴۲ کو عدالت ماتحت نے انھیں ایک سال سزائے قید بامشقت سے نوازا ۲۰-۲-۴۲ کو جب کہ جملہ اسیران کو حکومت رہا کیا گیا۔ رہا ہوئے انھیں بھی رہا کر دیا گیا۔ رہائی سے قبل تاج صاحب کی طرف سے عدالت ماتحت کے فیصلہ کے خلاف سیشن کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی تھی۔ اس اپیل کا فیصلہ مورخہ ۱۱-۳-۴۲ کو یعنی رہائی کے ۱۳ دن بعد سنا دیا گیا۔ فاضل جج نے پبلک سیفٹی آرڈیننس کو سرے سے خلافِ قانون قرار دیتے ہوئے تاج صاحب کو باعزت

طور پر بری کر دیا۔ پولیس سیشن کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف ہائیکورٹ میں چیلنج کر چکی ہے۔ جج صاحب ۱۲ جون کو ہائی کورٹ میں پیش ہو رہے ہیں۔" (نوائے وقت ۸ مئی ۱۹۴۶ء)

"ملایا کے تمام مسلمان مطالبہ پاکستان کے حامی ہیں"۔

"قائد اعظم سے ملاقات کے بعد پنیانگ مسلم لیگ کے صدر کا اعلان"

نئی دہلی ۹ مئی۔ آج پنیانگ (ملایا) مسلم لیگ کے صدر مسٹر ابراہیم نے قائد اعظم جناح سے ملاقات کے بعد اخباری نمائندوں کو بتایا کہ وہ مسلمانانِ ملایا کی طرف سے قائد اعظم جناح کو یہ دعوت دینے آئے تھے، کہ وہ ملایا میں ہونے والی مسلم کانفرنس کی صدارت قبول فرمائیں لیکن قائد اعظم نے ہندوستانی مسائل کے سلسلہ میں اپنی شدید مصروفیتوں کے پیش نظر دعوت منظور کرنے سے اظہار معذوری کیا ہے۔

مسٹر ابراہیم نے کہا کہ "ملایا کے تمام مسلمان ہندوستان میں اپنے بھائیوں کے مطالبہ پاکستان کے حامی ہیں اور وہ اس سلسلہ میں اسلامیان ہند کو ہر ممکن امداد دینے کو تیار ہیں"۔ مسٹر ابراہیم عارضی حکومت کے فنانس ممبر مسٹر لیاقت علی خان اور کامرس و مواصلات سردار عبدالرب نشتر سے بھی ملاقات کر چکے ہیں۔" (۱۰ مئی ۱۹۴۶ء نوائے وقت)

"پاکستان کی حمایت میں لندن کے ایک ہزار سے زائد مسلمانوں کا مظاہرہ"

"وزیر اعظم برطانیہ کی خدمت میں ایک میمورنڈم پیش کیا گیا"

تقسیم پنجاب بنگال کی مخالفت!

"لندن ۲۶ مئی۔ برطانیہ کی مسلم لیگ نے کل وزیر اعظم ایٹلی کی خدمت میں ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں مکمل پنجاب اور مکمل بنگال سمیت پاکستان کا مطالبہ کیا۔ مسٹر علی محمد خان صدر برطانیہ مسلم لیگ نے چار دیگر سرکردہ لیگی اراکین کے ساتھ میمورنڈم پیش کیا اور وزیر اعظم ایٹلی کی خدمت میں واضح کیا کہ کانگرس کی بنگال اور پنجاب کی تحریک شرارت پر مبنی ہے۔ اور محض پاکستان کو کمزور کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ اس سے قبل ایک ہزار سے زائد مسلمانوں نے سڑکوں پر جلوس نکالا اور "زندہ باد قائد اعظم" "ہم پاکستان کے لیے مر مٹیں گے" "ہم بنگال اور پنجاب کی تقسیم منظور نہیں کریں گے"۔ وغیرہ وغیرہ پرجوش نعرے لگائے۔"

(۲۷ مئی ۱۹۴۶ء نوائے وقت)

مسلم طلبا دوسوبہ کا انتخابی دورہ

"دوسوبہ (ڈاک سے) سٹوڈنٹس فیڈریشن تقریباً تین ہفتے سے ارد گرد کے گاؤں میں دورہ کر رہی ہے۔ تمام لوگوں نے وعدہ کیا ہم مسلم لیگ کے امیدوار چوہدری علی اکبر خان کو ووٹ دیں گے اور یہ بھی وعدہ کیا کہ ہم پیدل چل کر جلوس کی شکل میں ووٹ دینے جائیں گے۔"

(یکم فروری ۱۹۴۶ء۔ نوائے وقت)

داؤد خیل لیگ کی سرگرمیاں

داؤد خیل (ڈاک سے) ملک امیر محمد خان صاحب نے موجودہ الیکشن کی اہمیت واضح فرما کر تمام حاضرین کو کہا۔ کہ آپ اپنا ووٹ

مسلم لیگ کے اُمیدوار مولانا محمد عبدالستار خان صاحب نیازی کر دی۔ اس کے بعد مولانا فخرالزماں شاہ صاحب نے مسلمانوں کو شرعی پہلو سے آگاہ فرماتے ہوئے کہا کہ عبدالستار صاحب نیازی ہر پہلو سے خالق داد خان صاحب سے اوّل ترین ہیں۔ تمام مسلمانوں نے دُعا اور وعدہ کیا کہ ہم اپنا ووٹ عبدالستار خان نیازی کو دیں گے۔" (۲۶ جولائی ۱۹۴۶ء نوائے وقت)

"مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں بنگال کے ہر حلقہ میں مخالفین لیگ کی ضمانت ضبط ہو گئی!"

نیشنلسٹ مسلمانوں کو پانچ فیصدی ووٹ ملے

کلکتہ ۱۳ دسمبر مرکزی اسمبلی کی باقی دو مسلم نشستوں کا نتیجہ بھی آج سُنا دیا گیا۔ دونوں حلقوں میں نیشنلسٹ اُمیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہو گئی ہیں۔

مولوی تمیزالدین (لیگ) نے ۱۲۰۲۴ ووٹ حاصل کیے ان کے مخالف سر عبدالحلیم غزنوی کو صرف ۷۷۰ ووٹ ملے۔ واضح رہے کہ کانگرس اور ہندو مہا سبھا دونوں نے مل کر سر عبدالحلیم کی کامیابی کے لیے بڑا زور لگایا تھا اور ہندو زمینداروں نے اپنے مسلمان کارکنوں پر دباؤ ڈالا تھا کہ ووٹ سر عبدالحلیم کو دیں۔

دوسرے حلقہ سے چودھری محمد اسمٰعیل (لیگ) کو ۹۱۹۵ اور خان بہادر ہاشم علی (نیشنلسٹ) کو صرف ۱۰۴۱ ووٹ ملے۔ بنگال مسلم لیگ کو کل ووٹ تریسٹھ ہزار گیارہ اور نیشنلسٹ مسلمانوں کو صرف ۳۵۵۰ ووٹ ملے یعنی کل ووٹوں کے ۵ فیصدی سے کچھ اوپر۔

اس مرتبہ مرکزی اسمبلی کی کل مسلم نشستوں کی تعداد ۳۰ تھی وہ سب نشستیں مسلم لیگ نے جیت لی ہیں۔ ان میں سے ۹ نشستیں بلامقابلہ مسلم لیگ نے حاصل کر لیں اور تیرہ حلقوں میں مخالفین لیگ کی ضمانت ضبط ہو گئی۔ اب مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبروں میں سے صرف دو مسلم لیگ سے باہر ہیں۔ یعنی مسٹر آصف علی اور خان عبدالغنی اور یہ دونوں مخلوط حلقوں سے غیر مسلم ووٹوں کی مدد سے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ مسلم لیگ نے ان حلقوں میں اپنے امیدوار کھڑے نہیں کیے تھے۔"

(نامہ نگار)

(نوائے وقت یکم جنوری ۱۹۴۶ء)

"انتخابی جنگ کے پہلے مرحلے میں بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اب دوسرے مرحلے کی تیاریاں شروع کر دو۔"

۱۱ر جنوری کو ہندوستان بھر کے مسلمان جشن فتح منائیں۔

مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں بے مثل کامیابی پر قائداعظم کا بیان

"بمبئی ۳۱ر دسمبر۔ قائداعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ ایک بیان میں فرماتے ہیں۔ کہ مرکزی انتخابات کے پیش نظر ہمارے مخالفوں کو یہ بات معلوم ہو جانی چاہیے کہ اب پاکستان اور مسلم لیگ کی مخالفت فضول ہے۔ ان انتخابات کے نتائج نے پاکستان کے حق میں غیر مبہم فیصلہ دے دیا ہے اور مسلمانوں نے ثابت کر دیا۔ ہے کہ مسلم لیگ ہی ان کی نمائندہ سیاسی جماعت ہے۔ قائداعظم نے ہدایات جاری کی ہیں کہ اس غیر معمولی فتح کی خوشی میں ۱۱ر جنوری کو جشن فتح منایا جائے۔ اب

جبکہ بنگال کی دو باقی ماندہ نشستوں کے نتائج کا بھی اعلان کر دیا گیا ہے۔ میں ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کی غیر معمولی اور درخشاں کامیابی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے ہندوستان بھر میں سو فیصدی نشستوں پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کامیابی کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے۔ کہ لیگ کے بیشتر مخالفوں کی ضمانتیں ضبط ہو گئی ہیں۔ بنگال میں تو ہر مخالف لیگ کی خواہ وہ کانگرسی تھا یا نام نہاد قوم پرست مسلمان ضمانت ضبط ہو گئی ہے۔ اس شرمناک اور دندان شکن شکست کے پیش نظر مخالفین لیگ کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ اب کانگرس کی امداد سے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی تمام کوششیں لا حاصل ہیں۔ اب ہندوؤں کے اخباری اور مالی ذرائع بھی اس معاملے میں بے کار ہو چکے ہیں۔ مطالبہ پاکستان کے حق میں مسلمانوں کا یہ واضح فیصلہ ہے اور اس نے ثابت کر دیا ہے کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت ہے اور کانگرس کو مسلمانوں کی نمایندگی بالکل حاصل نہیں۔

کانگرس کو صرف اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی نمایندگی حاصل ہے۔ ہندو مہاسبھا جو ہندو کانگرس کی صرف ایک امدادی جماعت تھی ختم ہو چکی ہے۔ یہ چیز اب نمایاں طور پر ثابت ہو چکی ہے۔ کہ کانگرس اور ہندو مہاسبھا ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

مسلم لیگ کی درخشاں اور غیر معمولی فتح کے پیش نظر میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری کے نام ہدایات جاری کر دی ہیں کہ تمام صوبائی اور پرائمری لیگیوں کو اس مطلب کی

ہدایات دے دیں۔ کہ ۱۱ر جنوری بروز جمعہ جشن فتح منایا جائے اس روز جلسے منعقد کرکے عوام کو جنگ کے پہلے مرحلے میں کامیابی سے روشناس کرایا جائے تاکہ ہم ایک منظم قوم کی طرح جنگ کے دوسرے مرحلہ میں قدم رکھ سکیں۔ جو صوبائی انتخابات میں فتح حاصل کرنا ہے۔ مکمل کامیابی کے لیے ہمیں مسلم لیگ کے سرکاری اُمیدواروں کی امداد کرکے اور انہیں ووٹ دے کر ہر صوبے میں نمایاں اکثریت حاصل کرنی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم کانگرس اور نام نہاد قوم پرست مسلمانوں کی سازشوں کے باوجود انتخابات میں کامل فتح حاصل کریں اور اس معاملے میں ہندو کانگرس کے اخباری اور مالی ذرائع ہمارا راستہ نہ روک سکیں گے۔ میں ہر مسلمان مرد اور عورت سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ ہر صوبے میں مسلم لیگ کے سرکاری اُمیدوار کی پوری پوری امداد و اعانت کی جائے۔"

(ا۔پ) (نوائے وقت یکم جنوری ۱۹۴۶ء)

"مسٹر جناح نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ ہے"

مرکزی اسمبلی کے انتخابات پر حکومت برطانیہ کے ایک ترجمان کے تاثرات

مسلم لیگ نے کانگرس اور کانگرسی مسلمانوں کے دعوے باطل کر دیئے

لندن ۳۱ دسمبر۔ پارلیمنٹ کی تعطیلات کے دوران میں لارڈ پتھیک لارنس اور مسٹر آرتھر ہینڈرسن کو ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے انتخابات کی تفصیلات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ حکومت برطانیہ کے ایک ترجمان نے نمایندہ گروپ کو مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا۔ کہ مسلم لیگ کی فتح اہم حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ مسلم لیگ کو کانگرس

اور مسلم نیشنلسٹ دونوں پارٹیوں کا مقابلہ درپیش تھا۔ مسٹر جناح نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اور اس طرح کانگریس اور کانگریسی مسلمانوں کے دعوے باطل کر دیئے ہیں اب پاکستان کا دار و مدار صوبائی انتخابات پر ہے۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات سے پتہ چلتا ہے کہ صوبائی انتخابات میں بھی مسلم لیگ کامیاب ہوگی اور اب حکومت برطانیہ کی توجہ مسئلہ پاکستان کے لیے وقف ہو جائے گی۔" (مطبوعہ) (نوائے وقت یکم جنوری ۱۹۴۶ء)

"اسلامی ہندوستان نے واضح فیصلہ دے دیا ہے کہ مسلم لیگ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت اور پاکستان ان کا محبوب نصب العین ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں کسی جماعت کو کسی انتخاب میں آج تک ایسی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔"

مدراس

مسلم لیگ کے امیدواران	حاصل کردہ ووٹ	مخالف امیدواران	حاصل کردہ ووٹ
حاجی اسحاق سیٹھ	۶۳۰۰	مسٹر بی کرنیا نیشنلسٹ	ضمانت ضبط
کے۔ ایم رحمت اللہ	۲۳۷۲	مسٹر عبدالقدوس	ضمانت ضبط
مسٹر جمال محی الدین	بلا مقابلہ	×	

پنجاب

مسلم لیگ کے امیدواران	حاصل کردہ ووٹ	مخالف امیدواران	حاصل کردہ ووٹ
مولانا ظفر علی خان	۴۰۹۶	مسٹر گاما (خاکسار)	۶۲۳
حافظ محمد عبداللہ	۹۱۴۸	چوہدری محمد قاسم (یونینسٹ)	۲۹۳۶
مخدوم حاجی شیر شاہ	بلا مقابلہ	×	
سید عابد حسین	۲۳۲۵	سلطان شاہ	ضمانت ضبط
سر مہر شاہ	بلا مقابلہ	×	

بہار و اوڑیسہ

مسلم لیگی امیدواران	حاصل کردہ ووٹ	مخالف امیدواران	حاصل کردہ ووٹ
خان بہادر حبیب الرحمٰن خاں	۱۲۳۵	مسٹر عبدالغفور نیشنلسٹ	۲۴۶
مسٹر محمد نعمان	بلا مقابلہ	×	×
چوہدری عابد حسین	بلا مقابلہ	×	×
نواب نذیر چوہدری	بلا مقابلہ	×	×

آسام

عسل	۲۴۹۷	مسٹر ایم موزمدار	ضمانت ضبط

سی پی

نواب صدیق علی خان	بلا مقابلہ	×	×

بمبئی

قائداعظم جناح	۳۶۰۲	مسٹر حسین بھائی لالجی	۱۲۷ ضمانت ضبط
مسٹر احمد ہارون جعفر	۱۶۰۱	مسٹر حسین بھائی لالجی	ضمانت ضبط
ایم۔ایم قلعدار	بلا مقابلہ		

صوبہ جات متحدہ

نواب محمد اسمٰعیل خان	۷۳۰۰	ڈاکٹر محمد فاروقی نیشنلسٹ	۵۱۷ ضمانت ضبط
راجہ صاحب محمود آباد	۳۱۵۴	مسٹر احترام علی نیشنلسٹ	۳۳۴ ضمانت ضبط
سر محمد یامین خان	۱۷۹۶	مسٹر فخرالدین نیشنلسٹ	۴۰۰
نوابزادہ لیاقت علی خان	۴۵۲۰	محمد احمد کاظمی نیشنلسٹ	۲۷۲۳
سر ضیاءالدین احمد	۳۲۴۸	مسٹر شاکر علی نیشنلسٹ	۵۶۶
خان بہادر غضنفر اللہ	۳۴۱۰	حاجی محمد یعقوب نیشنلسٹ	۱۶۵۲

بنگال

عبدالرحمٰن صدیقی	۴۵۸۰	مسٹر واحد علی کانگرس	۲۸۰ ضمانت ضبط

مسلم لیگ کے امیدواران	حاصل کردہ ووٹ	مخالف امیدواران	حاصل کردہ ووٹ
سر حسان سہروردی	۲۰۳۵۹	مسٹر ولی الرحمٰن کانگریس	۱۲۷۰ ضمانت ضبط
سر حسان سہروردی	”	مسٹر ذکریا آزاد	۱۲۷ ضمانت ضبط
عبدالحمید شاہ	۲۳۰۶۴	معین الدین کانگریس	۱۲۹ ضمانت ضبط
حاجی چوہدری محمد اسمٰعیل خاں	۹۱۹۵	مولوی ہاشم علی کانگریس	۱۰۲۱ ضمانت ضبط
مولوی تمیز الدین خان	۱۲۰۲۴	سر عبدالحلیم نیشلسٹ	۷۰۰ ضمانت ضبط
ایس رفیع الدین احمد صدیقی	۱۹۰۲۷	اکرام الحق نیشلسٹ	ضمانت ضبط

سندھ

یوسف ہارون	بلا مقابلہ	×	×
مسٹر راشدی	بلا مقابلہ	×	×

(نوائے وقت یکم جنوری ۱۹۴۶ء)

مرکزی انتخابات میں لیگ کی تاریخی فتح

(از خان اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی)

"شرم سے کرتے ہیں جا و بے جا ہیں شہرو اور چھیل
ہے یہ پہلی فتح مسلم لیگ کی کیا شان دار
گر پڑے ہیں منہ کے بل وہ آج سب میدان میں
باد کے گھوڑے پہ جو نادان تھے کل تک سوار
نیشنل مسلم کی ہستی ہو چکی ہے کالعدم
حق نے غارت کر دیا دم بھر میں باطل کا وقار
لیگ کی قوت کا قائل ہو گیا برطانیہ
کہہ رہے ہیں سارے انگلستان کے نامہ نگار
اب تو پاکستان کی تحصیل کچھ مشکل نہیں
ہر قدم ہے منزل مقصود سے اب ہم کنار

اے مسلمانو! تم نئی سر کر لو شوبائی جہم
فتح کامل کا اسی نقطے پہ ہے دار و مدار
اپنی ہر اک چیز ہو قربان خدا کے نام پر
حرف آجائے نہ دیکھو عزتِ اسلام پر

علامہ علاؤالدین صدیقی کا دورۂ ہوشیارپور

ہوشیارپور (ڈاک سے) علامہ صدیقی مدظلہ نے ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ہوشیارپور کے زیر اہتمام ضلع ہوشیارپور کے تمام شہری اور دیہاتی انتخابی حلقوں کا دورہ فرمایا۔ نماز جمعہ جامع مسجد ہریانہ میں ادا کی جس کے بعد مسلمانان ہریانہ کے ایک عظیم الشان مجمع میں مسلم لیگ اور پاکستان کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ بعد نماز عشاء یوم فتح کی تقریب میں جو سٹی مسلم لیگ کے زیر اہتمام منائی گئی شرکت فرمائی اور ہزارہا مسلمانوں کے مجمع کو تقریباً دو گھنٹے اپنی بصیرت افروز تقریر سے مسحور کیے رکھا۔ آپ نے مسلمانوں کو مرکزی اسمبلی کی شاندار فتح پر مبارک باد دی اور فرمایا کہ یہ فتح اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کی رضا ہمارے ساتھ ہے زاں بعد قائداعظم کی درازیٔ عمر اور مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے دعا فرمائی۔ اگلے روز علامہ صدیقی دسوہہ تحصیل میں تشریف لے گئے۔

(نوائے وقت ۹ جنوری ۱۹۴۶ء)

"لیگ کے ساتھ تعاون کرنے میں بقائے ملی کا راز مضمر ہے۔"

(بجنور میں چودھری خلیق الزماں کی تقریر)

"بجنور (ڈاک سے) مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کا ایک وفد زیر

سرگرمی جناب خلیق الزماں صاحب ۲۹ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو وارد بجنور ہوئے اور ضلع کے ذمہ دار لیگیوں سے تبادلۂ خیال کیا بعد نماز عشا ایک بارونق جلسہ اعجاز علی ہال میں زیر صدارت صدر مسلم لیگ منعقد ہوا جس میں مختار دین صاحب نائب صدر اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور نسیم قریشی صاحب لکھنوی نے اپنے اثر انگیز خطاب میں پاکستان اس کی ضرورت اور فوائد کو حاضرین جلسہ کے ذہن نشین کیا۔ آخر میں چودھری خلیق الزماں صاحب نے اپنے پُر اثر پیرایۂ بیان میں مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت کرنے اور ووٹ دینے کی اپیل کی۔ انھوں نے بتایا کہ مسلم لیگ کی ہمدردی اور اس کے ساتھ تعاون کرنے میں مسلمانوں کی بقائے ترقی کا راز مضمر ہے۔ حاضرین پر جس میں کانگرس کے بہت سے ہمنوا بھی تھے بہت اثر تھا۔ ضلع مسلم لیگ کی طرف سے پانچ ہزار روپیہ کی تھیلی قائد ملت کی خدمت میں الیکشن فنڈ کے لیے پیش کی گئی۔" (نامہ نگار) (۸ر جنوری ۱۹۴۶ء زمزم وقت)

پاکستان نہ دیا گیا تو اسلامی ہند بغاوت کر دے گا

قائد اعظم محمد علی جناح کا انتباہ

"نیویارک ۴ر فروری۔ "جناح نے خانہ جنگی کی دھمکی دی" کے موضوع کے ماتحت "نیویارک ٹائمز" نے اپنے نامہ نگار متعینہ دہلی کا ایک تار شائع کیا ہے۔ اس نامہ نگار کی اطلاع کے مطابق مسٹر جناح نے اُسے بتلایا کہ اگر برطانیہ ہندوستان کے چھ شمالی صوبوں میں پاکستان قائم نہ کرے گا تو مسلمان جنگ پر آمادہ ہو جائیں گے اگر برطانیہ نے صرف ایک مجلس دستور ساز بُلانے کا ارادہ پورا کیا تو اس کا نتیجہ ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کی

بغاوت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ اب یہ برطانیہ کا فرض ہے کہ وہ صحیح اقدام اٹھائے۔ مسٹر جناح نے مرکز میں عارضی حکومت کے قیام کے لیے وائسرائے کی تجویز کی شدید مذمت کی۔ مسٹر جناح نے کہا کہ برطانیہ کو پاکستان کے حق میں غیر مبہم اعلان کر دینا ہوگا اس کے بعد ہم ہندوستان اور پاکستان کی سرحدوں کا مسئلہ خود حل کر لیں گے۔ مسئلہ فلسطین کے متعلق آپ نے فرمایا عرب فلسطین کی امداد کے لیے ہر ممکن قدم اٹھایا جائے گا۔ کیونکہ ہم کسی صورت میں یہ گوارا نہیں کریں گے کہ فلسطین مسلمانوں کے تسلط میں نہ رہے۔"

(۱۵۔ فروری ۱۹۴۶ء ۔ نوائے وقت)

"قائداعظم لاہور پہنچ گئے۔ زندہ باد پنجاب قائداعظم کا ہدیۂ تبریک"

"ہم آپ کی فوج اور اسلحہ ہیں" فضائی اڈے پر مسلمان فوجیوں کے عقیدت بھرے تاثرات۔

لاہور۔ ۲۰ مارچ آج صبح قائداعظم اپنی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح کی معیت میں ہوائی جہاز میں لاہور پہنچ گئے۔ آپ نے شلوار اور اچکن پہن رکھی تھی اور بشاش نظر آتے تھے۔ فضائی اڈے پر آپ کے استقبال کے لیے نواب ممدوٹ لیڈر مسلم لیگ اسمبلی پارٹی۔ میاں ممتاز دولتانہ جنرل سیکرٹری پراونشل مسلم لیگ۔ سر مراتب علی پریذیڈنٹ مسلم چیمبر آف کامرس۔ میاں اللہ یار خان دولتانہ۔ سید مبارک علی اور رانا نصر اللہ خان رکن اسمبلی موجود تھے یونہی قائداعظم جہاز سے باہر تشریف لائے۔ رائل ایئر فورس کے

مقامی یونٹ کے کئی ارکان نے آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور ایک تھیلی پیش کرتے وقت ایئر فورس پارٹی کے لیڈر نے کہا: "ہم آپ کی فوج ہیں اور آپ کا اسلحہ ہیں"

قائداعظم نے ان کا شکریہ ادا کرنے اور تھیلی قبول کرنے کے بعد انھیں خدا سے مسلم لیگ کی کامیابی کی دعا کے لیے کہا اس کے بعد پنجاب کے مسلم لیگی لیڈروں کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا "زندہ باد پنجاب" آپ نے صرف پنجاب کی خدمت نہیں کی۔ بلکہ دس کروڑ اسلامیان ہند کے وقار کو قائم کر دیا ہے۔ آپ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا۔"

(نوائے وقت ۱۰ مارچ ۱۹۴۶ء)

"قائداعظم کے ایک لفظ پر ہندوستان بھر کے مسلمان بغاوت کر سکتے ہیں۔"

"کانگرس مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتی ہے اور حکومت اس کی پشت پر ہے۔"

"اب انقلابی پروگرام کا وقت آگیا۔"

"بمبئی ۳۰ جولائی۔ مسلم لیگ کونسل کے پہلے اجلاس میں سر فیروز خان نون کی ایک پُرجوش تقریر" (۳۰ جولائی ۱۹۴۶ء نوائے وقت)

"اب مسلمان اس دن کے منتظر ہیں جب قائداعظم "مارچ کا بگل" بجا دیں گے۔"

"ڈائرکٹ ایکشن کے فیصلہ پر مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی"

"لاہور کے مقتدر رہنماؤں نے خطابات ترک کر دیئے"
(نوائے وقت۔ ۳ جولائی ۱۹۴۶ء)

جواہر لال نہرو

۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کو جواہر لال نہرو نے لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔
"اگر ہم نے انتخابات لڑنے کا فیصلہ کیا تو ہم اس کی پوری تیاری کریں گے
اور جو کوئی ہماری مخالفت کرے گا۔ ہم اس کو کچل دیں گے۔ ہم لڑنا جانتے ہیں
ہم نے حکومت برطانیہ سے بھی لڑائی کی ہے۔"

"قائد اعظم"

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں قائد اعظم نے کوئٹہ میں فرمایا۔
"ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ انشاء اللہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔"

"جناح نے مسلمانوں کو بیدار کر دیا ہے۔"

۱۹۴۶ء کے ایک اجتماع میں ہندوؤں کو ڈاکٹر مکرجی کا انتباہ

"نظریہ پاکستان ہر مسلمان کا جزو ایمان بن چکا ہے اور وہ قیام پاکستان کے لیے کمربستہ ہو چکا تھا۔ لیکن ان حالات میں بھی پنجاب میں یونینسٹ پارٹی اور ہندوستان بھر میں کانگرس کے ساتھ ساتھ احرار، نیشنلسٹ مسلمان اور جمعیت العلمائے ہند مسلم لیگ کے خلاف متحد تھے۔ ان سب کے علاوہ ہندو مہا سبھا بھی اکھنڈ بھارت کے نام پر مسلم لیگ کے خلاف صف آرا تھی۔ ہندو مہا سبھا اور کانگرس دونوں خالص ہندو جماعتیں تھیں صرف اتنا فرق تھا کہ ہندو مہا سبھا واضح طور پر اپنے آپ کو ہندو جماعت کہتی تھی اور کانگرس مسلمانوں اور سکھوں کی نمائندگی

بھی وجود رکھتی سکھوں کی بھی ایک جماعت تھی جو اکالی پارٹی کے نام سے مشہور تھی اور جس کی قیادت ماسٹر تارا سنگھ کے ہاتھ میں تھی اپنے غلط اندازِ فکر کی بنا پر یہ جماعت بھی مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف تھی"

"اسی سلسلے میں ایک مرتبہ ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی جو اُس زمانے میں ہندو مہا سبھا کے صدر تھے۔ لاہور میں ہندوؤں کے مختلف اجتماعات کو خطاب کیا ان میں سے اہم ترین اجتماع وہ تھا جو گورونت بھون (سرکلر روڈ نزد داتا صاحب) میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں صرف منتخب لوگوں کو شمولیت کی اجازت دی گئی۔ اِدھر مسلم لیگی حلقے بھی یہ جاننے کے خواہش مند تھے کہ اس اجتماع میں مسلمانوں کے خلاف کیا منصوبے ہو رہے ہیں چنانچہ ایسے آدمی کی تلاش ہوئی جو کسی نہ کسی صورت میں اجتماع کے متعلق خبر لائے۔ راقم الحروف کو مسلم لیگ کے دفتر میں طلب کیا گیا۔ اور میرے ذمہ یہ کام سپرد کیا گیا کہ گورونت بھون والے اجلاس میں شرکت کر کے مکمل رپورٹ مہیا کروں۔ میاں افتخار الدین مرحوم کی تجویز پر میں کھدر کی قمیض و پاجامہ اور گاندھی کیپ پہن کر ظاہری طور پر ہندو بن گیا۔ یہ لباس راتوں رات سلوایا گیا اور دھو کر سکھایا گیا۔ میں اس ہیئت کذائی کے ساتھ بے دھڑک اور پورے اعتماد کے ساتھ ہال میں داخل ہو گیا، ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، حاضرین میں مرد عورتیں سب شامل تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی سفید دھوتی اور کرتے میں ملبوس ہال میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب بہت لمبے تڑنگے اور گرانڈیل ہندو تھے ان کی آمد کے چند منٹ بعد ماسٹر تارا سنگھ بھی سکھوں کے مخصوص لباس میں پہنچ گئے اور جلسہ کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

میں ایک کونے میں چپکا بیٹھا رہا اور تمام کارروائی سنتا رہا۔
ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے اپنی تقریر میں کہا کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہے جن کے پاس ایک ایسا نظام حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کرتا ہے۔ جن کے پاس تعلیمات کا ایک ایسا خزانہ موجود ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے اور جس کی بدولت وہ ایک زندہ و پائندہ قوم کی حیثیت سے تاریخ عالم کے صفحات پر چھکے اور چشم زدن میں دُنیا کے ہر گوشے کو زیر نگیں کر لیا۔ اسلامی نظریہ حیات سے مسلمانوں کی والہانہ وابستگی نے ان میں ایک ایسا اجتماعی شعور پیدا کر دیا، جس نے فکری اور عملی اعتبار سے انھیں ایک مکمل قوم بنا دیا وہ آگے آگے بڑھتے گیے۔ تا آنکہ بھارت بھی اُن کے قدموں تلے آگیا، وہ یہاں عرصہ دراز تک حکومت کرتے رہے لیکن رفتہ رفتہ ان کے قوائے عملیہ میں اضمحلال پیدا ہوتا چلا گیا۔ تن آسانی اور عافیت کوشی نے ان کے تمام مجاہدانہ جذبات کو سرد کر دیا۔ عین اس موقع پر انگریز بھارت میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے اقتدار کی باگ ڈور چھین لی انھیں معلوم تھا کہ اصل خطرہ مسلمان ہیں ہندو نہیں۔ چنانچہ انھوں نے طرح طرح کے حربوں سے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا شروع کیا۔ ان کا اجتماعی شعور اور جذبۂ ملی منتشر ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ مسلمانوں کے مقابلہ میں انھوں نے ہندوؤں کو اُوپر اٹھانا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

انگریز نے بلا واسطہ اور بالواسطہ ہندوؤں کو (EDUCATE) کرنا شروع کر دیا اور انھیں ایک قوم کی حیثیت سے آگے بڑھنے کے لیے اُبھارا چنانچہ ہندو مذہبی و ثقافتی اور معاشرتی لحاظ سے ایک قوم

بننا شروع ہو گیے اس طرح ہندوؤں کی قومی انا نے جنم لیا اور انگریز بھارت میں ایک ایسا عنصر پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیے جنہیں وہ مسلمانوں کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ انگریز ویسے بھی مسلمانوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسلام اور عیسائیت کی جنگ میں انھوں نے منہ کی کھائی تھی وہ مسلمانوں کو نیچا دکھانے پر تُلے ہوئے تھے اور اس طرح کی دوسری وجوہ نے انگریز کو ہندو کا ہمدرد بنا دیا۔ اس اشتراک نے ہندوؤں کو بھارت میں بہت مضبوط کر دیا۔ اور خود مسلمان بھی ذہنی طور پر ان سے مرعوب ہو گیے۔

مسلم لیگ کی مقبولیت سے پیشتر تو مسلمانوں کے سامنے نہ کوئی راہ تھی اور نہ منزل لیکن اب محمد علی جناح (قائد اعظم) نے انھیں خوابِ گراں سے بیدار کر دیا ہے۔ مسلمان میں پھر وہی جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس میں خود اعتمادی بھی عود کر آئی ہے۔ اب وہ ایسی راہوں کی تلاش میں ہے۔ جن پر چل کر وہ جلد از جلد "پاکستان" کی منزل تک پہنچ سکے اور اگر اسے یہ منزل مل گئی تو یاد رکھیئے اسے ایک مرکز میسّر آ جائے گا۔ اور مسلمان کو جب مرکز میسّر ہو جائے تو وہ طوفان بن کر اٹھتا ہے اور تمام چھوٹی چھوٹی رکاوٹیں کو راستے سے اُڑا کرلے جاتا ہے۔ پہلے تو وہ عربستان سے آیا تھا لیکن اب تو وہ یہیں موجود ہے۔ وہ ایک ایسی ریاست قائم کریں گے جس میں انھیں اشاعتِ اسلام کے مواقع میسّر ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے کانگرس اور ہندو مہا سبھا میں فرق بیان کرتے ہوئے کہا: "کانگرس اور ہندو مہا سبھا میں مقصد کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا مقصد بھارت میں ہندو راج قائم کرنا ہے۔ ہم یہ بات کھل کر کہتے ہیں۔ کہ

مسلمانوں اور انگریزوں نے بھارت ہم سے چھینا ہے اور یہ ہمیں واپس ملنا چاہیئے لیکن کانگرس اس بارے میں منافقت سے کام لیتی ہے۔ اور صرف یہ کہتی ہے کہ ہندوستان ہندوستانیوں کا ہے اور مسلمانوں سے یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ حصول آزادی میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے مسلمانوں کے موجودہ سیاسی شعور کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس فریب میں کبھی مبتلا نہیں ہوں گے۔

خاص طور پر مسٹر جناح نے تو کانگرس کو بالکل ننگا کر دیا ہے اور اب تو کوئی ایسا بالغ نظر اور دیانت دار مسلمان ایسا نہیں جو مسٹر جناح کی بات پر یقین نہ رکھتا ہو۔ اب کسی قسم کی ہیرا پھیری کام نہیں دے سکتی۔ لہٰذا میں آپ لوگوں سے اپیل کروں گا۔ کہ پوری طرح منظم و مستعد ہو جائیں۔ ہندو دھرم کے فروغ کے لیے آنے والے خطرات کا احساس کریں اور پوری قوت سے پاکستان کی مخالفت کریں یہ ہمارا سیاسی فریضہ ہی نہیں۔ مذہبی تقاضا بھی ہے۔" اس کے بعد ماسٹر تارا سنگھ نے بھی تقریر کی۔ ان کی تقریر میں کوئی بات قابل ذکر نہیں تھی۔ وہ کہتے تھے اگر جناح کی سیاست کامیاب ہو گئی اور پاکستان بن گیا۔ تو پھر ہم سب تباہ ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی غلامی میں چلے جائیں گے۔ ہم پر مسلمانوں نے پہلے ہی بہت ظلم کیے ہیں۔ اب تو ہمیں ہندوؤں کی پناہ ہی ڈھونڈنی چاہیئے۔ ہمیں پاکستان کی مخالفت کرنی چاہیئے بھارت ماتا کو تقسیم نہیں ہونے دینا چاہیئے اور اگر ہم متحد رہیں تو مسلمانوں کو تباہ کر دیں گے۔"

مندرجہ بالا تحریر جناب عبدالرؤف شباب مفتی صاحب ایڈووکیٹ کے ایک مضمون سے لی گئی ہے۔ جو ۹ / ۱۰ دسمبر ۱۹۶۳ء کو "نوائے وقت" لاہور میں شائع ہوا۔ مفتی صاحب تحریک پاکستان کے ان مخلصین میں سے ہیں۔ جن کے دل میں یہ تمنا و آرزو اب بھی ہے۔ کہ یہ جادہ فراموش قافلہ اس جادۂ حق کو اختیار کرے۔ جس پر حکیم الامت اور سالارِ کاروانِ ملت قائداعظم چلتا دیکھنے کے متمنی و آرزومند تھے۔ تحریک پاکستان کے اس جانباز مجاہد اور مایہ ناز کارکن کے اس جرأت مندانہ اقدام اور فرض شناسی پر جس قدر بھی ناز کیا جائے کم ہے۔ مفتی صاحب لائق صد احترام و افتخار ہیں کہ ان کی جسارت و ہمت۔ معاملہ فہمی اور بروقت قلندرانہ جہد کے طفیل ہندو مہاسبھا کے لیڈر کا اعترافِ حق جو انھوں نے اپنے مخصوص لوگوں کے سامنے کیا من وعن تاریخ تحریک پاکستان کے لیے ریکارڈ ہو گیا۔

اس مرقومہ واقعہ سے اس حقیقتِ صادقہ پر مہر تصدیق ثبت ہو گئی جسے مسلم لیگی قیادت اپنے راہ گم کردہ بھائیوں (نیشنلسٹ علماء) کے سامنے پیش کر کے انھیں واردھا کے سامری کے سحر سے آزاد اور مسلمانانِ ہند کی ملی تحریک کی ہمنوا و ہمقدم دیکھنا چاہتی تھی لیکن واحسرتا! ایسا نہ ہوا۔

ہمارا سر عجز و نیاز و عبودیت اس خدائے لم یزل کی بارگاہِ صمدیت میں جھک جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس قادر مطلق تعالےٰ نے ایک تاریخی انمٹ حقیقت ایک ہندو لیڈر کی زبان سے کہلوا دی جس کے تسلیم و اقرار سے ہمارے متحدہ قومیت کے علمبردار عماموں۔ قباؤں اور جبّہ و دستار کے حاملین نیشنلسٹ علماء ہمیشہ انکار کرتے

رہے اور اُن کے مریدین و معتقدین تاہنوز اپنی ضد پر قائم ہیں۔ جہاں جاں نثاران تحریک پاکستان مفتی صاحب کے اس تاریخی کارنامہ پر نازاں و فرحاں ہیں وہاں ہم ڈاکٹر صاحب کی حق گوئی اور صاف بیانی کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک حقیقت کو برملا کہا اور دل و زبان سے اس کا اقرار کیا لیکن ہمارے نیشنلسٹ مسلمانوں کی فریب خوردگی و خود غرضی کا یہ عالم رہا کہ اپنوں سے بیر اور بتوں سے پیار مقصدِ حیات قرار دے لیا اور یہ حضرات پاکستانی قیادت و سیادت کی مخالفت و دشمنی میں اس قدر بڑھے کہ قیام پاکستان تک انھیں توفیق نہ ہوئی۔ کہ مسلمانوں کی ملی تحریک کا ساتھ دے سکیں۔ انھیں اگر فرنگ زدہ نظر آتے تھے تو مسلم لیگی قائدین ان کے نزدیک اگر اسلام ناشناس تھے۔ تو ملی عمائدین مسلم مہاشے کچھ کر گزریں۔ ان پر حرف زنی اور حرف گیری ان علماء کے نزدیک گناہ کبیرہ تھی اور اعترافِ حقیقت ان کے ہاں جرم مولانا ظفر علی خانؒ کی زبان میں ؎

ہے گاندھی جی سے اُن کا رشتہ اور یہ رشتہ ہے زریں
کہ ہاتھ اُن کا زر افشاں ہے تو جیب ان کی بھی زرکش تھے

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ؎

مجتوں سے جا ملے کٹ کر ہمارے مولوی ہم سے
نہ رکھی شرم انھوں نے اپنی پیشانی کے گھٹے کی

ہندو مہاسبھا کے صدر کے یہ رجحانات اس حقیقت کے غماز تھے کہ یہ حضرات دل کی گہرائیوں میں ملتِ اسلامیہ کے دعاوی و مطالبات کو حق بجانب محسوس کر لیتے لیکن ہماری شوریدہ بختی کہ اس کے باوجود بھی انھیں یہ جرأت نصیب نہ ہوئی کہ کھلے بندوں یہ اعتراف

کرلیتے کہ اب تک ہم نے قوم کی تگ و تاز کی جو مخالفت کی ہے، ہم غلطی پر تھے اب تعمیری مقصد کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں لیکن ایسا نہ ہوا اور یہ بزعم خویش اسلام کے علمبردار ہمارے ملی نصب العین کے قبول کرنے اور تائید و حمایت کے لیے آمادہ و تیار نہ ہوئے۔ حالات و واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ فکر سے محرومی تدبر و فراست سے تہی دامنی کس طرح بڑے بڑوں کو ذلت و گمراہی سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ زمانہ نے دیکھا کہ اسلام کے دعویداروں نے کس طرح مفادِ مسلم کی مخالفت میں ہندوؤں کا ساتھ دیا۔

آپ ایک ہندو لیڈر کے خیالات دیکھ چکے ہیں۔ جو اپنی قوم کو حالات حاضرہ سے باخبر کر رہا ہے۔ اجلاس عام میں نہیں بخصوص ہندوؤں کی محدود حاضری میں جو برملا اور واشگاف طور پر کہہ رہا ہے۔ کہ مسٹر جناح نے مسلمانوں کو بیدار و ہشیار کر دیا ہے۔ قیام پاکستان کی مخالفت میں اپنا سارا زور صرف کر دو۔ اگر مسٹر جناح کی سیاست کامیاب ہو گئی تو انگریز نے جنہیں برسوں مراعات دے دے کر جو زندگی میں اُبھارا اور مسلمانوں کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ انگریز اور ہمارے دونوں کے زیر اثر رہے۔ مسلمان دوبارہ حیاتِ نو حاصل کرے گا اور اس کی سب سے بڑی وجہ پاکستان کا قیام ہوگا۔ اب آپ دوسرا رُخ دیکھیے کہ اسیر وار دھا ارشٹر جی ابو الکلام انڈیا ونس فریڈم میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"مسلم لیگ نے پاکستان کی جو اسکیم تجویز کی ہے اس پر میں نے ہر پہلو سے غور کیا ہے۔ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے میں نے سوچا ہے۔ کہ پورے ہندوستان کے مستقبل پر اس کا کیا اثر ہوگا، ایک مسلمان کی حیثیت سے میں نے دیکھا ہے۔ کہ مسلمانوں کے مستقبل پر کیا اثر پڑ سکتا ہے

اسکیم کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ نہ صرف بحیثیت مجموعی پورے ہندوستان کے لیے بلکہ خاص طور پر مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہوگی، اور درحقیقت جتنے مسئلے اس کے ذریعے حل ہوں گے، اس سے زیادہ نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے کہ پاکستان کا نام ہی میرے حلق سے نہیں اُترتا۔ اس سے یہ خیال پیدا کیا جاتا ہے۔ کہ دُنیا کے کچھ حصے پاک اور کچھ ناپاک ہیں۔ پاک اور ناپاک علاقوں کی یہ تقسیم سراسر غیر اسلامی ہے، بلکہ اسلام سے انحراف ہے۔ اسلام ایسی کسی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں: "خدا نے پوری دُنیا کو میرے لیے مسجد بنایا ہے۔"

"اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی اسکیم شکست کی علامت ہے۔ اور اس کا خیال اسی طرح پیدا ہوا ہے۔ جیسے یہودیوں میں قومی وطن کا خیال۔ یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ہندوستانی مسلمان، ہندوستان میں اپنی حیثیت قائم نہیں رکھ سکتے اور اس پر راضی ہیں کہ ایک کونے میں جو ان کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہو سمٹ کر بیٹھ جائیں۔"

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"ان حالات میں پاکستان کے مطالبے میں کوئی جان نہیں۔ میں کم از کم ایک مسلمان کی حیثیت سے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے اس حق کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوں کہ پورے ہندوستان کو میدانِ عمل سمجھوں اور اس کی سیاسی اور معاشی زندگی کی تشکیل میں شرکت کروں۔ میرے نزدیک بزدلی کی بات ہے۔ کہ میں اپنی آبائی جائداد سے دست بردار ہو جاؤں اور اس کے ایک ٹکڑے پر قناعت کروں۔"

اب یُوں گویا ہوتے ہیں :۔

"مَیں اس کے لیے تیار ہوں کہ اس مسئلے کے باقی تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس پر صرف مسلمانوں کے مفاد کے نقطۂ نظر سے غور کیا جائے۔ مَیں اس سے بھی آگے جانے اور یہ کہنے کے لیے تیار ہوں کہ اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ پاکستان کی اسکیم سے مسلمانوں کو کسی طرح سے بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو مَیں خود اس کو منظور کروں گا اور دوسروں کو اسے منظور کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے کوشش کروں گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر میں اس اسکیم کا خود مسلمانوں کے جماعتی مفاد کے نقطۂ نظر سے جائزہ لوں تو مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ اس سے ان کو ذرا بھی فائدہ نہیں ہو سکتا اور ان کے جائز اندیشے دُور نہیں ہو سکتے۔"

(صفحہ ۰۰ تا ۲۹۰۔ انڈیا ونس فریڈم بترجمہ محمد مجیب)

اگر ہم یہ عرض کریں گے۔ کہ یا تو مولانا آزاد مرحوم تاریخ اسلام سے نطفاً نابلد اور کورے تھے تو ان کے معتقدین ہمیں گھورنا شروع کر دیں گے اور اگر یہ کہیں گے کہ مولانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پیش کرکے مسلمانوں کو فریب دینا چاہتے ہیں تو بھی ہمیں معاف نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ان دونوں باتوں میں سے بہرحال ایک کو ٹھیک اور درست ماننا ہی پڑے گا۔

تاریخ اسلام کا ہر واقف جانتا ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نامساعد حالات، اور ناساز گار فضا اور مخالف و دشمن ماحول سے مجبور ہو کر حکم خداوندی کے تحت ہجرت فرمائی اور اپنے آبائی وطن کو خیرباد کہہ کر تاریخ انسانیت پر ہمیشہ کے لیے یہ مہر ثبت فرما دی۔

کہ اسلام نسل۔ وطن۔ رنگ کی چار دیواری میں محدود نہیں ہو سکتا۔ توجہ فرمایئے کہ حضور اقدس سالارِ انسانیت کا یہ اقدام بزدلانہ تھا؟ کہ انھوں نے اپنے اعزہ واقربا اور یک جدّی رشتہ داروں اور وطن کو چھوڑ کر اللہ کا نام بلند و بالا کرنے کے لیے ابتدائی طور پر ایک علاقہ اپنے لیے مخصوص کر لیا تاکہ پھر ساری دُنیا کو رحمۃ للعالمینی کے دامن میں لے سکیں۔ تحریکِ قیامِ پاکستان اور نظریۂ پاکستان میں بھی یہی رُوح جاری وساری ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ مولانا کو متحدہ قومیّت کی محبت نے سبق اوّلیں بُھلا دیا ہے۔ حضورؐ نے جو فرمایا تھا کہ ساری دُنیا میرے لیے مسجد ہے اس میں رُوح یہ کارفرما ہے کہ مومن خاک کے ذرّات کے ساتھ نہیں بندھ کر رہ جاتا اگر جماعت مسلمین یہ سمجھے کہ کسی خاص جگہ پر وہ اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر نہیں کر سکتی تو وہ سنتِ نبویؐ کی تقلید و اتباع میں اپنے لیے جہانِ نو پیدا کرے۔ ہم اس موضوع پر اسی کتاب میں اس نقطۂ اعتراض کا مدلّل جواب لکھ آئے ہیں اس مقام پر تفصیل میں جانا ضروری نہیں۔

مولانا ابوالکلام مرحوم کی اس تحریر سے یہ واضح کرنا تھا کہ ہندو اپنے لیے قیامِ پاکستان کو خطرہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ وہ شیر جس نے صحرا سے نکل کر ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اب قریب ہے اُٹھ کر پھر ہم پر تاخت نہ یلغار نہ کر دے۔ اور مقامِ تأسف و افسوس ہے کہ دورِ الہلال کا بھٹکا ہوا آزاد بھی پاکستان کو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ کہہ رہا ہے۔

قائدِاعظم کس فکر و احتیاط سے کاروانِ حیات کو سُوئے منزل لیے جا رہے ہیں اور ان کے باقی مخالفین (سوائے ابوالکلام آزاد مرحوم) کے کس طرح ان کی فہم و دانش اور سیاسی تدبّر اور مومنانہ

فراست کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اور جب حضورؐ ساری زمین کو اپنے لیے مسجد فرما رہے ہیں۔ تو مولانا آزاد اپنے لیے صرف ہندوستان کو کیوں مختص کرتے ہیں۔

تاج محل ہوٹل بمبئی میں عصرانہ

"یہ میرا چشم دید واقعہ ہے تاج محل ہوٹل بمبئی میں ایک عصرانہ تھا اس زمانہ میں مسز نائیڈو اکثر بمبئی ہی رہتی تھیں اور ہوٹل کا ایک کمرہ ان کے لیے مخصوص تھا، عصرانہ میں زیادہ تر کانگرس کے سربرآوردہ مقامی اور غیر مقامی۔ جو اس وقت بمبئی میں موجود تھے۔ لیڈر شریک تھے۔ مسز نائیڈو ایک بلند آہنگ خطیبہ ایک شاعر شیریں نوا اور کانگرس کی ایک مقتدر رہنما کی حیثیت سے مشہور تھیں، سب ان کا بڑا ادب لحاظ کرتے تھے لیکن وہ جب کسی محفل میں پہنچ جاتیں تو جان محفل بن جاتی تھیں، سب کا مذاق اڑاتی تھیں، حاضر و غائب رہنماؤں کا ایسا خاکہ نجی محفلوں میں کھینچتی تھیں کہ بس۔ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔ حد یہ ہے کہ گاندھی جی تک ان کے طنز لطیف کے تیروں سے نہیں بچتے تھے۔ باتوں باتوں میں مسٹر جناح کا ذکر چل نکلا۔ مخالفانہ اور معاندانہ رنگ میں، کیونکہ حاضرین میں ان کا ہمنوا شاید ایک ہی آدمی تھا، تمام سب تھے، دفعتہً مسز نائیڈو چپ ہو گئیں، ان پر سنجیدگی طاری ہو گئی، انھوں نے کہا۔

"جناح کے بارے میں جو چاہو کہو، لیکن یاد رکھو وہ ہی ایسا شخص ہے۔ جو خریدا نہیں جا سکتا!

اصل میں امام الہند و دیر الہلال کو خیرباد کہہ کر متحدہ قومیت کی

... بجود ہونے کے بعد ایسے نظر آتے ہیں جیسے میر نے انہی کے متعلق کہا ہو سہ

میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھو ہو اب اس نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب سے ترک اسلام کیا

سچی بات ہے مولانا آزاد مرحوم کی تبدیلی و کیفیت سے ہمیں اب اس دُعا کی اہمیت کا پتہ چلا کہ بچے بوڑھے انجام بخیر۔ خاتمہ بالایمان کی دُعائیں مانگا کرتے ہیں۔

اب ہم آپ کی خدمت میں ایک واقعہ پیش کر رہے ہیں۔ جس سے حضرت قائد اعظمؒ کی عظمت و بزرگی اور سچی درد کا اندازہ ہو سکے گا۔

"جنوری ۱۹۳۶ء میں پنڈت جواہر لعل نہرو لاہور تشریف لائے اور جاوید منزل میں علامہ اقبال سے بھی ملے۔ پنڈت نہرو کی تشریف آوری کی وجہ بڑی دلچسپ تھی۔ ۸ مئی ۱۹۳۶ء کو سول ملٹری گزٹ میں میاں احمد یار خان دولتانہ کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ کانگرس ہائی کمان نے پنجاب کے مسلمانوں میں کانگرس کا پراپاگنڈا کرنے کے لیے ڈھائی لاکھ روپیہ خرچ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور عنقریب مولانا ابوالکلام آزاد لاہور تشریف لائیں گے۔ تاکہ مولانا عبدالقادر قصوری اور ڈاکٹر محمد عالم بیرسٹر ایٹ لاء کے مشورے سے اس پراپاگنڈہ کا خاکہ تیار کیا جائے یہ روپیہ ڈاکٹر محمد عالم کی تحویل میں رہے گا جس سے وہ اردو کا ایک روزنامہ اخبار جاری کریں گے اور بہت سے تنخواہ دار آدمیوں کو پراپاگنڈے کیلئے ملازم بھی رکھیں گے

ڈاکٹر عالم اپنی شہرت اور نیک نامی کے بارے میں بلاوجہ ذکی الحس واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے یہ مضمون پڑھنے کے بعد

سول ملٹری گزٹ کے انگریز ایڈیٹر اور میاں احمد یار خان دولتانہ کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ دائر کر دیا اور پنڈت جواہر لعل نہرو کو بطور گواہ طلب کیا۔ چنانچہ پنڈت نہرو اس مقدمہ میں شہادت دینے کے لیے لاہور تشریف لائے اور میاں افتخار الدین کے دولت کدے پر فروکش ہوئے۔

علامہ اقبال نے انھیں پیغام بھیجا کہ مجھ سے ملتے جائیے گا چنانچہ پنڈت نہرو اس پیغام کی تعمیل میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پنڈت نہرو نے اس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب میں بھی کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:۔

"۔ ۔ ۔ اپنے انتقال کے چند مہینے قبل جبکہ وہ بستر علالت پر دراز تھے اُنھوں نے مجھے یاد فرمایا اور میں نہایت خوشی سے اس ارشاد کی تعمیل میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ اختلافات کے باوجود ہمارے درمیان کس قدر باہمی اشتراک موجود تھا اور مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ اس شخص کے ساتھ کام کرنا کتنا آسان اور سہل ہے۔ وہ اُس وقت پرانی یادیں تازہ کر رہے تھے اور گفتگو مختلف موضوعات پر ہوتی رہی جس میں میں نے خود بہت کم حصہ لیا بلکہ زیادہ تر اُنھی کی باتیں سنتا رہا میں اُن کی شاعری کا مداح ہوں اور مجھے یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ وہ بھی مجھے پسند فرماتے اور میرے متعلق اچھی رائے رکھتے ہیں۔"[1]

---

[1] THE DISCOVERY OF INDIA BY JAWAHAR LAL NEHRU (PAGE 298)

پنڈت نہرو کے ساتھ میاں افتخار الدین بھی تھے اور باتیں واقعی مختلف موضوعات پر ہوتی رہیں۔ پنڈت نہرو اس زمانہ میں زور شور سے سوشلزم کا پراپاگنڈہ کرنے میں معروف تھے۔ انڈین نیشنل کانگرس کے دو اجلاسوں کے وہ صدر رہ چکے تھے اور دونوں مرتبہ اپنے خطبات صدارت میں انھوں نے کہا تھا کہ ہندوستان کے تمام مصائب کا علاج سوشلزم ہے لیکن کانگرس کے بڑے بڑے لیڈروں میں کوئی شخص بھی اس بارے میں پنڈت نہرو کا معاون یا ہم خیال نہیں تھا۔ بلکہ سردار پٹیل۔ راج گوپال آچاری اور ستیہ مورتی نے تو علی الاعلان پنڈت نہرو کے اس عقیدے سے اختلاف کا اظہار کیا تھا۔

دوران ملاقات میں ڈاکٹر صاحب نے پنڈت نہرو سے پوچھا، کہ سوشلزم کے بارے میں کانگرس کے کتنے آدمی آپ کے ہم خیال ہیں؟

پنڈت جی نے جواب دیا کہ نصف درجن کے قریب۔"

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا" تعجب ہے۔ خود آپ کی جماعت میں آپ کے ہم خیالوں کی تعداد صرف نصف درجن ہے اور آپ مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ میں مسلمانوں کو کانگرس میں شامل ہو جانے کا مشورہ دوں۔ تو کیا میں دس کروڑ مسلمانوں کو چھ آدمیوں کی خاطر آگ میں جھونک دوں۔"

اس پر پنڈت جی خاموش ہو گئے۔

پھر جب ہندو مسلم کشیدگی کا ذکر چھڑا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مغربی ایشیا دراصل اسلامی ایشیا ہے اور آئندہ سیاسیات عالم میں مغربی ایشیا کی اہمیت بڑھ جائے گی اگر ہندوستان

میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا اور انھیں ناراض کر لیا تو خود مغربی ایشیا کے ساتھ اُن کے تعلقات خراب ہو جائیں گے اس لیے ہندوؤں کا فائدہ اسی میں ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار رکھیں تاکہ مغربی ایشیا کے ساتھ بھی ان کے تعلقات اچھے رہیں۔

ابھی ان دو عظیم المرتبت انسانوں کے ساتھ گفتگو جاری تھی کہ یکایک میاں افتخار الدین بیچ میں بول اُٹھے کہ "ڈاکٹر صاحب! آپ مسلمانوں کے لیڈر کیوں نہیں بن جاتے۔ مسلمان مسٹر جناح سے زیادہ آپ کی عزت کرتے ہیں۔ اگر آپ مسلمانوں کی طرف سے کانگرس کے ساتھ بات چیت کریں تو نتیجہ بہتر نکلے گا۔"

ڈاکٹر صاحب لیٹے ہوئے تھے، یہ سنتے ہی غصے میں آ گئے اور اُٹھ کر بیٹھ گئے اور انگریزی میں کہنے لگے: "اچھا تو چال یہ ہے کہ آپ مجھے بہلا پھسلا کر مسٹر جناح کے مقابلے پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسٹر جناح ہی مسلمانوں کے اصل لیڈر ہیں اور میں تو اُن کا ایک معمولی سپاہی ہوں۔"

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب بالکل خاموش ہو گئے۔ اور کمرے میں تکدر آمیز سکوت طاری ہو گیا۔ پنڈت نہرو نے فوراً محسوس کر لیا کہ میاں افتخار الدین کے دخل در معقولات نے ڈاکٹر صاحب کو ناراض کر دیا اب مزید گفتگو جاری رکھنا بے سود ہے چنانچہ وہ اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔[1]

(اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۵۴ تا ۵۵)

---

[1] اس ملاقات کے وقت میرے دو دوست بھی وہاں موجود تھے ایک میاں فیروز الدین احمد مرحوم اور دوسرے راجہ حسن اختر۔ چند روز بعد دونوں نے مجھ سے ملاقات کی تو پوری روئیداد سنائی تھی۔ تاہم میں نے بہ نظر احتیاط پچھلے دنوں راجہ حسن اختر کو لاہور خط لکھ کر اس واقعہ کی تصدیق کی۔ تو راجہ صاحب نے ایک ایک لفظ کی تائید فرمائی۔ (مؤلف)

ناظرین کرام! اس آشنائے روزگار مردِ خبیر و بصیر کے فرمودہ سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ آن کے دل میں حضرت قائدِ اعظمؒ کی کتنی عزت اور احترام تھا اور وہ ان کی قابلیت و صلاحیت کے کس قدر معترف اور آن کی قیادت میں اپنے آپ کو ایک سپاہی کی حیثیت دینے پر کتنا فخر و ناز تھا۔ عزیزانِ ملت! یہ ہیں وہ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ جنہیں نیشنلسٹ علماء اور صالحین کرام جنھیں اسلام ناشناس کہتے ہیں۔ اسلامیوں کی قیادت کے لیے جن کو حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے قبول و پسند کیا لیکن آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں ہی میں سے حریف بدزبان ان کی شان میں گستاخیاں کرتے رہے اور انھیں طرح طرح کے الزامات و اتہامات سے نوازتے رہے اور بہ ایں دعوے کہ وہ علمائے اسلام ہیں۔ سچ کہا تھا اس مردِ خدا نے کہ دیدہ خفاش حقیقی نور کی جھلک دیکھنے سے قاصر و عاجز ہے۔ یہ لوگ نمازیں بھی پڑھتے تھے اور وضع قطع اور تراش خراش کے لحاظ سے بھی مقدس و برگزیدہ معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی قلبی کیفیت وہ نہ تھی جو ایک مردِ مومن کی ہونی چاہیئے تھی۔ درست فرمایا تھا دانائے راز نے ؎

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

ان کے دل کانگرسی نیتاؤں کی چوکھٹ پر جھکے ہوئے تھے اور یہ لوگ مسلمانوں کی شکل و لباس میں متحدہ قومیت کی دیوی کی پرستش کرتے تھے آن کو اقبالؒ و جناحؒ سے کد اور پاکستان کے نام سے چڑ ہے اور یہ بہ ہزار حیلہ و فریب اس لیے کوشاں ہیں کہ اس نورِ حق کو جو اقبالؒ کے اپنی اعلیٰ ذہانت اور خداداد صلاحیتوں سے اکتاف

عالم میں پھیلایا ہے۔ اُسے باطل کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ یہ بیچارے نہیں سمجھتے کہ اقبالؒ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز اور یہ تیز تر ہی ہوتی جائے گی۔ ایک وقت آئے گا کہ سارے زمانے کو اقبالؒ کا پیام یثربی یاد آ جائے گا اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی روشن کی ہوئی قرآنی قندیل دُنیائے انسانیت کو منوّر کر دے گی اور خدا کے آئین و قانون سے باغی انسان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات ہی کو انسانیت کے لیے آئین حیات تسلیم کرنے پر آمادہ و تیار ہو گا۔ نظریۂ پاکستان میں یہی راز مضمر و پنہاں ہے اور یہی ہے وہ درسِ حیات جو اقبالؒ نے ہندی بے پر و بال مسلمانوں کو دے کر انھیں ایک زندہ و باوقار قوم بننے کا راستہ دکھا دیا اور ساتھ ہی یہ اعتماد و یقین پیدا کر دیا کہ اسلام کا دیا ہوا ضابطۂ حیات۔ ہادیٔ برحق کا عطا کردہ نظام حیات ہی تمام نظام ہائے حیات پر غالب آ کر رہے گا اور ؎

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ جہاں معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

اہلِ بصیرت دیکھ رہے ہیں۔ کہ نورِ خدا کفر کی اس حرکت پہ خندہ زن ہے جو وارد ہا کے سامری سے متاثر کفر نوازوں نے عام کرنے کی سعیِ لاحاصل کی اور یہ بھی ایک مسلّمہ امر ہے کہ باطل کی پھونکوں سے نورِ حق کا یہ چراغ بجھایا نہیں جا سکے گا۔ خواہ منکرینِ حق سر پیٹ لیں۔

ترجمانِ حقیقت اور حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اپنے کوتاہ کا اعظمؒ کا ایک ادنیٰ سپاہی کہہ کر حاسدان تیرہ باطن پر ظاہر کر دیا کہ جناحؒ کی

عزت و توقیر علامہؒ کے دل میں کس قدر تھی اور حکیم الامت اس مقام و منصب کے حقدار اور اہل جسے مسلمانوں کا صحیح قائد کہا جاسکتا ہے۔ صرف جناحؒ کو سمجھتے تھے۔ یہ امر بے حد المناک اور جگر سوز ہے کہ مسلمان قوم کا ایک طبقہ اقبالؒ و جناحؒ کی خداداد صلاحیتوں سے بہرہ ور اور فیض یاب ہونے کے بجائے اُن کا مخالفت و دشمنی میں مصروف رہا اور جنگ پاکستان میں آخری دم تک ملی نصب العین قیام پاکستان کے خلاف ہندو کانگرس کا ہمقدم و ہمنوا رہا اور مسلمانوں کی وحدت ملی کو تقویت پہنچانے کے بجائے مسلمانان ہند کے ضعف و انتشار کا باعث بنا اور ان لوگوں نے اسلام شناس اقبالؒ کے نظریہ پاکستان کے خلاف جنگ و پیکار کو مقصد حیات بنا لیا اور اپنی تمام توانائیاں مسلم لیگ کے متعلق مسلمانان ہند کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے صرف کیں۔ اور فکر اقبال کو فرسودہ و پامال ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور یہ ہندو کانگرس کی خفیہ سازشوں میں شریک ہو کر ذہن و فکر کی اس جلاوت کو جو نوجوانان ملت میں فکر اقبال سے پیدا ہو گئی تھی۔ اُسے کُند کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے آزماتے رہے اور نہ سمجھے کہ اقبال مسلمانوں کو خوشگوار ماحول اور کن رُوح پرور فضاؤں میں دیکھنے کا متمنی ہے یہ حضرات اقبال کے حیات آور اور زندگی بخش پیغام کو خود تو سمجھے نہیں۔ ستم یہ ہے کہ دوسروں کو بھی اس ملی تحریک میں شرکت و ہمنوائی سے روکتے رہے

آہ اے اقبال تجھ کو بے خبر سمجھے نہیں
جو سمجھنا چاہیے تھا اس قدر سمجھے نہیں
ہائے کیا بدبخت تھے جو بے بصر سمجھے نہیں
زعم باطل تھا کہ سمجھے ہیں مگر سمجھے نہیں

تو زمانے سے نرالا تھا، انوکھے طور سے
تیرے آئینے میں وہ رمز نہاں کچھ اور تھے
سوز و ساز زندگی کا راز دار ایسا بھی ہے
بول اے دنیا کہ فخر روزگار ایسا بھی ہے

جب اقبال کی دردمند نواؤں اور پُراثر صداؤں سے ناشناسی کی شعاعیں منتشر ہونے لگیں اور مسلمان خودشناس ہوتا چلا گیا تو قائداعظم نے اقبال کے عطا کردہ نظریہ کو قبول کرکے اس مرد درویش کے فرمودات پر عمل پیرا ہو کر قائداعظم کی قیادت میں اسلام کا علم بلند کرکے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ فکر و عمل کی آمیزش سے کس طرح مسلمانان ہند نے حالات و واقعات کی رفتار و رُخ بدل کر رکھ دیا اور زمانہ نے دیکھا کہ فرزندانِ ملّت کے فہم و حواس میں کس تیزی سے بالیدگی اور جلا پیدا ہوتی چلی گئی اور آپس دیکھتا نے دنیا میں اس مسلمان کی قیمت کتنی بڑھا دی جسے اس تنظیم اور نصب العین کے اعلان سے پہلے جنس ناکارہ و کاسد قرار دیا جاتا تھا۔

محمد علی جناح

اب آپ میاں بشیر احمد صاحب کی وہ نظم جو انھوں نے ۱۹۳۰ء میں لکھی تھی اور شہرت دوام حاصل کر گئی۔ ملاحظہ فرمائیں۔ یوں تو یہ میاں صاحب کے جذبات و احساسات ہیں۔ لیکن یہ تمام فرزندانِ ملّت کی ترجمان ہے اور ملّت کا ہر فرد یہی جذبہ و عقیدت اور یہی اُمید و خیال اپنے قائد کے متعلق رکھتا تھا۔ یہ تاریخی نظم بھی تاریخ تحریک پاکستان کا ایک زریں ورق ہے۔

(نظم اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

ملّت کا پاسباں ہے محمد علی جناح
ملّت ہے جسم، جاں ہے محمد علی جناح
صد شکر پھر ہے گرمِ سفر اپنا کارواں
اور میرِ کارواں ہے محمد علی جناح
بیدار مغز، ناظمِ اسلامیانِ ہند
ہے کون؟ بیگماں ہے محمد علی جناح
تصویرِ عزم، جانِ وفا، روحِ حرّیت
ہے کون؟ بے گماں ہے محمد علی جناح
رکھتا ہے دل میں تاب و تواں نو کروڑ کی
کہنے کو ناتواں ہے محمد علی جناح
رگ رگ میں اس کی ولولہ ہے حبِّ قوم کا
پیری میں بھی جواں ہے محمد علی جناح
لگتا ہے ٹھیک جاکے نشانے پہ جس کا تیر
ایسی کڑی کماں ہے محمد علی جناح
ملّت ہوئی ہے زندہ پھر اس کی پکار سے
تقدیر کی اذاں ہے محمد علی جناح
غیروں کے دل بھی سینے کے اندر دہل گئے
مظلوم کی فغاں ہے محمد علی جناح
اے قوم! اپنے قائدِ اعظم کی قدر کر
اسلام کا نشاں ہے محمد علی جناح
عمرِ دراز پائے، مسلماں کی ہے دعا
ملّت کا ترجماں ہے محمد علی جناح

یہ حقیقت ہے کہ اگر قدرت ان حالات میں اس

سالارِ کاروانِ ملت کو رہنمائی و رہبری کے لیے میدان میں نہ لاتی اور دانائے رازِ حیات اقبالؒ کی نگہ دوررس اس کا انتخاب نہ کرتی تو ہندی مسلمان ناامیدیوں کے بگولوں میں الجھ کر رہ جاتا۔ اور نیشنلسٹ مسلمان جن مہاتمائی جذباتِ رذیلہ کو ابلہ فریب غلافوں میں لپیٹ کر سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ مسلمان وارودھا کے سامری کے سحر و طلسم کا شکار ہو کر اپنا ملی تشخص ہمیشہ کے لیے ختم کر بیٹھتا اور زمانہ حسرت زدہ نگاہوں سے اس خزاں دیدہ چمنستان کو دیکھتا جس میں فرزندانِ توحید کو ہزاروں سال کی بہاروں نے عزت و رفعت کے جھولے جھولائے تھے۔

قائداعظمؒ

غیروں کی نظر میں

مہاتما گاندھی

"میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے مسٹر جناح کے خلوص پر پورا اعتماد ہے۔ جناح صاحب کے اعلان کردہ "یوم نجات" پر مجھے مجبر کے مسلمانوں کی طرف سے مندرجہ ذیل "تار" موصول ہوا

"یوم نجات مبارک! قائداعظم زندہ باد!"

جب مجھے یہ "تار" ملا تو میں دل ہی دل میں اُن کا ہمنوا بن گیا قائداعظم زندہ باد۔ قائداعظم میرے پرانے رفیق ہیں اگر آج ہم چند سیاسی معاملات میں ایک دوسرے سے آنکھیں چار نہیں کر سکتے تو اس سے ہمارے خلوص میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ جناح

صاحب ایک زمانے میں بڑے سرگرم کانگریسی تھے۔ لارڈ ولنگڈن سے ان کی لڑائیاں فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ بمبئے کانگریس کا "جناح ہال" کانگریس کی جانب سے ان کی مخلصانہ خدمات کی زندہ یادگار ہے۔"

مسز سروجنی نائیڈو

"کون ہے جو رازہائے فردا کو منکشف کر سکے؟ کون ہے جو ان خفیہ قوتوں کو حیطۂ نگاہ میں لا سکے۔ جو سرگرم عمل ہو کر بعض اوقات خواب و خیال کو حقیقت میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ پھر بھی مجھے یقین ہے کہ کتاب مستقبل میں یہ تحریر ہو چکا ہے کہ جناح اپنی اولوالعزمی سے مسلمانوں کا گوکھلے بننا چاہتا ہے۔ ہماری قومی جدوجہد اور نازک حالات میں جناح ہندوستان کا میزینی (اطلی کا نجات دہندہ) بن کر غیر فانی شہرت حاصل کرے گا۔"

ڈاکٹر امبیدکار

"یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جناح کسی قیمت پر بھی برطانیہ کے آلۂ کار نہیں بن سکتے۔ ان کے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ وہ کسی قیمت پر بھی خریدے نہیں جا سکتے۔ یہ اور بات ہے کہ مسٹر جناح اپنے ارادوں اور اپنی رائے میں سخت ہیں لیکن اُن کے رویّہ میں کبھی بھی لوچ نہیں پایا جاتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب جناح عوام کے قائد ہیں اور عوام جناح کے سرفروش پیرو۔"

مسٹر بیوری نکلسن

"... ... میں نے مسٹر جناح کو ایشیا کی اہم ترین شخصیت قرار دیا ہے تاکہ آپ کی نگاہِ تصور میں اس کی ایک واضح اور روشن تمثیل آ جائے۔ ایک محدود اور مختصر دور میں ہندوستان دُنیا کا نازک ترین مسئلہ بننے والا ہے اور مسٹر جناح اس انقلاب آفرین دور کے ہیرو ہوں گے۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس طرف چاہیں گے جنگ کا رُخ موڑ سکتے ہیں۔ دس کروڑ مسلمان اُن کے ایک اشارہ ابرو پر سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار ہیں یہ منزلت بر صغیر میں اور کسی کو حاصل نہیں۔"

(مسٹر بیوری ایک انگریز صحافی کے تاثرات)

مسٹر مانٹیگو سابق وزیر ہند

"جناح داخل ہوا، نوجوان، شائستہ، باوقار، دلائل کے ہتھیاروں سے مسلح، اپنی اسکیم کی برتری پر مُصر اور بضد وہی ذمہ دار حکومت خود اختیاری کی اسکیم۔ اس سے کم پر راضی نہیں ہو سکتا۔ میں پہلے ہی تھکا ہوا تھا۔ اس نوجوان نے تو مجھے بالکل زچ کر کے رکھ دیا۔ چیمسفورڈ اس وقت کے (گورنر جنرل ہند) نے اس بحث میں اُلجھنے کی کوشش کی تو اس نوجوان سیاست دان نے غریب چیمسفورڈ کو اس طرح جکڑ دیا جیسے کڑی اپنے جالے میں مکھی کو جکڑ لیتی ہے۔ ذہانت و فراست جناح کی خصوصیت ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ایسا قابل و ہونہار اپنے ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا۔"

(مسٹر مانٹیگو کی ڈائری سے)

وُہ جو موت سے بھی مَر نہ سکے

ہوا گر خُود نگر و خُود گر و خُود گیر خُودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۷ء میں قائدِاعظم کو لکھا:-

"اسلامی قانون کے طویل اور گہرے مطالعے کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر اسلام کے قانون کو اچھی طرح سمجھ کر عملی جامہ پہنایا جائے تو کم سے کم ہر فرد کے معاشی حقوق کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس ملک میں شریعت کا نفاذ ایک آزاد مسلم مملکت یا چند مملکتوں کے بغیر ناممکن ہے ——— کئی سال سے میرا یہ یقین ہو گیا ہے۔ کہ مسلمانوں کے معاشی مسئلہ کا صرف یہی حل ہے ———

قائدِاعظم جنھیں کانگرس اور خلافت کی تیز مزاج قیادت کے اعمال، اُن کے نتائج، اپنی قوم کی جذباتیت اور تیزروی کا تجربہ تھا اب تیز چلنے کے حق میں نہ تھے انھوں نے علامہ کو لکھا:-

"اس بات میں کوئی فائدہ نہیں کہ لیڈرشپ تیز چلتے چلتے قوم کے کارواں سے علیحدہ ہو جائے ——— ہمیں ایسی کے واقعات سے سبق لینا چاہیئے ———"

قائدِاعظمؒ کی عظمت یہ ہے۔ کہ وُہ اپنی قوم کے نبض شناس تھے۔

ایک سو سال میں پُوری قوم میں بلند سے بلند شخصیتیں ایسی

بے مثل صلاحیتوں کے باوجود اس دُرجِ قیادت کے معیار پر پوری نہ اُتریں کہ قائد قوم کا مزاج شناس ہوتا ہے اور وہ اکیلا منزل کی طرف نہیں دوڑتا ـــــ بلکہ پوری قوم کو منزل تک لے جاتا ہے۔

قائداعظمؒ نے ایسے نازک وقت میں قوم کا ہاتھ پکڑا جبکہ سب نے اُسے مُردہ سمجھ کر گدھوں کے نوچنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

شیخ الہند اور امام الہند جیسے دینی راہنما بھی اس پُل صراط پر نہ چل سکے کہ وہ انگریز اور ہندو کی فطرت کو سمجھ کر مسلمان کے مزاج کے مطابق اُس کی علیحدہ مستقل قومیت نہیں "اسلامیت" کو قائم رکھ سکیں۔

مسلمان بحیثیت قوم ایک ایسا کارواں تھا جسے اپنی منزل کا کچھ پتہ نہ تھا اس کے اپنے بیگانے اور ناخدا راہزن بن چکے تھے۔ قائداعظمؒ نے اُن کی دستگیری کی اُن کو گم نامی اور ذلت سے نکال کر منزل کا پتہ دیا ـــــ چراغ راہ سے نوازا ـــــ یہی نہیں اپنے عزم، استقلال اور جہاد سے اس منتشر پراگندہ اور راہ گم کردہ قوم کو نہ صرف ایک قوم بنایا۔ بلکہ اس قابل بنایا کہ وہ منظم ہو کر ایک کامیاب سیاسی جدوجہد کر سکے۔ اور اپنی منزل مقصود کو پالے۔

یہ ہے وہ عظمت جو قائداعظمؒ کو رہتی دُنیا تک ایک عظیم لیڈر کی حیثیت سے تاریخ میں زندہ رکھے گی۔

یہ اُن کی عظمت کا ایسا نقش ہے جسے زمانہ کبھی مٹا نہ سکے گا اور جوں جوں پاکستان ترقی کرے گا۔ اور وقت پاکستانیہ عروج کی

منزلیں طے کرتی ہوئی آگے بڑھے گی ـــــــ ہندوستان کے مسلمانوں کے نجات دہندہ محمد علی جناح کی عظمت کا کبھی نہ غروب ہونے والا آفتاب زیادہ تابناکی سے چمکے گا ـــــ بیشک قائداعظم انتقال فرما گئے لیکن اُن کا کارنامہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

جب تک پاکستان زندہ ہے۔ قائداعظم کا نام اور اُن کا کام زندہ ہے۔ اب اگر ہمیں قائداعظم سے واقعی محبت ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم انھیں مرنے نہ دیں اور اُن کو ہمیشہ زندہ و پائندہ رکھیں۔ اس کی صرف ایک ہی صورت ہے۔ کہ ہم خود زندہ رہیں۔ پاکستان کو مضبوط کریں۔ پاکستان کے رہنے والوں کی ترقی اور خوشحالی میں کوشاں رہیں۔

قوم کے رہنما موت کے ہاتھوں کبھی نہیں مرا کرتے ان کو مارنے اور زندہ رکھنے والی دراصل ان کی قومیں ہوا کرتی ہیں اگر قوم زندہ ہو تو اس کے راہنما زندہ ہوتے ہیں۔

اگر قوم اپنے لیے موت کو پسند کرے تو بڑی سے بڑی عظمتیں بھی کسی راہنما کو زندہ نہیں رکھ سکتیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ملّت پاکستانیہ قائداعظم کی عالی مرتبت شخصیت کے لیے یا دوسرے لفظوں میں خود اپنے لیے کیا پسند کرتی ہے۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ یہ ملّت اپنے اتنے بڑے محسن کو کبھی مرنے نہیں دے گی۔ اور خود کبھی مرنا گوارا نہ کرے گی۔

اس کی ابتلائیں اور ہنگامی طوفان اس کی جڑوں کو پہلے سے زیادہ مضبوط کریں گے۔ اس کا ہر فرزند خدائے واحد سے ڈر کر غیر اللہ کے ہر خوف سے ناآشنا رہے گا وہ موت کو زندگی سمجھتے ہوئے اعلائے کلمۃ الحق کا فرض ادا کرے گا ـــــ ۵

جس دل میں خدا کا خوف رہے باطل سے ہراساں کیا ہوگا
جو موت کو خود لبیک کہے وُہ حق سے گریزاں کیا ہوگا

مندرجہ بالا مضمون ہم نے ہفت روزہ "حمایت اسلام" ۱۴ر ستمبر ۱۹۵۹ء سے نقل کیا ہے۔ جو جناب پروفیسر عبدالحمید مرزا ایم۔اے کے قلم سے ہے آپ اس وقت دی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر تھے۔ جس کے زیر اہتمام ۱۹۴۱ء میں پاکستان کانفرنس اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع میدان میں منعقد ہوئی اور حضرت قائداعظمؒ نے اپنے حیات بخش اور حرکت انگیز خطاب سے نوجوانانِ ملت کو نوازا۔

قائداعظم کا لقب

"وہ ‌ڈالالہلال" میں مولانا کی انقلابی تحریریں جب کتابی شکل میں شائع ہوئی تھیں تو ان کے ناشرین کتاب کے ابتدا میں ان کو "قائداعظم" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ مثلاً ان کے ایک بیان مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۱۳ء کے دیباچے میں جو ۱۹۲۰ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ مشتاق احمد صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ قابل غور ہیں:۔

"مولانا کی چشم حقیقت بین اس وقت وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی، جو آج پیش آیا۔ ایک حقیقی مصلح، ریفارمر یا قائداعظم ہی یہ وصف لازمی ہے کہ آئندہ کے متعلق صحیح نتائج پر پہنچ جائے۔"

لیکن زمانے کا مزاج بڑا ستم ظریف ہے یہ لفظ مولانا کے نام کے ساتھ اس وقت رواج پذیر نہ ہوسکا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نام کے ساتھ "امام الہند" چسپاں ہو چکا تھا، ورنہ اس

دور میں ابوالکلام مسلمانوں کے دماغوں پر حکمران تھے اور اس وقت انھیں اس قسم کے القاب اور خطابات کی پرواہ بھی کیا تھی؟ مگر پچیس برس بعد جب ایک ایسا شخص اس لقب سے نوازا گیا جو نہ مذہبی قیادت میں مولانا کا ہمسر تھا نہ آزادیٔ ہند کے لیے مولانا کی طرح جیل کے مصائب میں گرفتار ہوا تھا، تو ظاہر ہے مولانا کی انانیت کو صدمہ ہوا اور اس صدمہ کا اظہار یوں تو کتاب کے بہت سے مقامات میں ہے لیکن ایک جگہ تو انھوں نے صرف اس جرم میں مہاتما گاندھی کی خبر لی ہے کہ انھوں نے اپنے خط میں کیوں جناح کے ساتھ "قائدِ اعظم" کا لقب وابستہ کر دیا۔ مولانا سے زیادہ ہم جیسے عقیدت مندوں کو خود یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ابوالکلام جیسا بلند کردار انسان تاریخ کے کٹہرے میں ایک ہیرو کی طرح نہیں بلکہ ایک ملزم کی طرح کھڑا کیا جائے۔ جو شخص امام احمد بن حنبلؒ اور مجدد الف ثانیؒ کے راستے کو اپنا نصب العین بنا کر نکلا تھا اس کی اُمیدوں کا آخری سہارا مہاتما گاندھی ہوں!

عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت
رفتی و نثارِ بُت پرستی کر دی

تقسیم ہند از خان عبدالوحید خان صاحب
مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات

خُدا کی دین ہے جسے دے

ایک ایسا انسان جسے عربی زبان پر عبور کامل حاصل ہو لیکن اُس کی زندگی کے دھارے قرآن کے متعین کردہ نقوش و خطوط کے ساحلوں میں نہ بہیں۔ ہمارے نزدیک اسلام فہم نہیں کہلا سکتا

اور نہ ہی اُسے وُہ درجہ دیا جا سکتا ہے جو اسلامی اُصولوں کو دل و جان سے تسلیم کرنے والے انسان کو دیا جا سکتا ہے۔ اور خصوصی طور پر ایسے انسان سے تقابل بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو اسلام کے نام لیواؤں کی سربلندی و سرفرازی کے لیے مجسمۂ خلوص و ایثار بن کر سامنے آیا ہو۔ ہم یہاں محمد علی جناح جن کو قدرت کی عالی ظرفی نے قائدِ اعظم کے لقب کا تاج پہنایا اس مردِ خودی۔ روشن ضمیر اور دانا کے حقیقت قائد جس نے مسلمانانِ ہند کو وار دھا کے سامری کی ساحرانہ شعبدہ بازیوں سے باخبر کیا اُن کا حیدر آباد دکن کے اجتماع سے خطاب کا ایک اقتباس پیش کر چکے ہیں۔ جس سے بخوبی پتہ چل سکتا ہے۔ کہ یہ مغربی طرزِ لباس کا دلدادہ کتنا قرآن شناس تھا۔

مولانا ابو الکلام آزاد فرماتے ہیں :۔

"یہ کہنا نامناسب نہ ہو گا کہ گاندھی جی پہلے شخص تھے :
جنھوں نے مسٹر جناح کے لقب" قائدِ اعظم" کو رواج دیا۔ گاندھی جی کے آشرم میں ایک سادہ لوح گرنیک خاتون تھیں جن کا نام اَمتت السلام تھا۔ اُنھوں نے کچھ آردو اخبارات میں مسٹر جناح کے نام کے ساتھ قائدِ اعظم لکھا ہوا دیکھا تھا جب گاندھی جی مسٹر جناح کو ملاقات کے لیے خط لکھ رہے تھے تو انھوں نے گاندھی جی سے کہا۔ کہ آردو اخبارات مسٹر جناح کو قائدِ اعظم کہتے ہیں اس لیے آپ بھی اسی نام سے خطاب کیجئے۔ ایک منٹ سوچے بغیر کہ اس کے اثرات کیا ہوں گے، گاندھی جی نے مسٹر جناح کو قائدِ اعظم کہہ کر خطاب کیا۔ یہ خط جلد ہی اخبارات میں

شائع ہو گیا جب ہندوستانی مسلمانوں نے دیکھا کہ گاندھی جی بھی مسٹر جناح کو قائداعظم کہتے ہیں تو انھوں نے سوچا کہ وہ حقیقت میں یہی مرتبہ رکھتے ہوں گے۔"

انڈیا ونس فریڈم صفحہ ۱۹۳

مترجمہ محمد مجیب

یہ اُس مفاہمت ناآشنا۔ زیرک پالیٹیشن کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے جن کی عظمت کی مولانا مرحوم کی ساتھی مسز نائیڈو دل وجان سے معترف تھیں۔ جس کا ہم کسی اور جگہ حوالہ دے چکے ہیں۔

"جولائی ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کونسل نے اجلاس بمبئی میں وائسرائے کی ۱۶ جون ۱۹۴۶ء کی تجاویز کو مسترد کردیا اور اعلان کیا کہ اب دستوریت" کا دور ختم کرکے آزاد و خودمختار پاکستان کے لیے براہ راست اقدام (DIRECTACTION) کیا جائے گا۔ مسلم لیگ کے مطالبہ پر کہ برطانوی حکومت کی بددیانتی کے خلاف احتجاج کے طور پر اس کے عطا کردہ خطابات ترک کر دیئے جائیں اور بڑے بڑے ٹوڈیوں اور سرکار پرستوں نے ملت کا اشارہ پاتے ہی غلامی کے یہ تمغے انگریزی حکومت کے منہ پر دے مارے اور ایک ہی جھٹکے میں لیگ ایک بڑی لعنت سے پاک ہوگئی کئی ایک حضرات نے سرکاری جاگیریں تک واپس کردیں اور اس طرح مسلم عوام کے سامنے قربانی و ایثار کی ایک عمدہ مثال پیش کی۔

قوم نے براہ راست اقدام کے فیصلے کا احترام انتہائی گرم جوشی سے کیا۔ قوم پاکستان کے لیے اس آخری جہاد میں سب کچھ نثار کرنے کو بے تاب تھی وہ صرف اپنے محبوب قائداعظم کے "بزن" کے حکم کی منتظر تھی۔ قوم کی یک جہتی اور تیاری کا اندازہ کرنے کے

یہ قائدِ اعظم نے ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو ڈائرکٹ ایکشن ڈے (یومِ عمل) منانے کا ارشاد کیا تاکہ مسلمان اس روز ہڑتال جلسوں اور جلوسوں اور پُرامن مظاہروں سے اپنی وحدتِ عمل کا ثبوت دیں۔ اس روز اسلامیانِ ہند نے اپنے جوش و خروش اور اس کے ساتھ ضبط و نظم کا بے مثال مظاہرہ کیا۔

"سوئے ہوئے شیروں کی یہ انگڑائی دشمنانِ ملت کو کیسے بھا سکتی تھی۔ ہندوستان بھر میں ہر چھوٹے بڑے قصبے میں یومِ عمل دھوم دھام سے اور پُرامن طریق پر منایا گیا۔ لیکن کلکتہ میں جب مسلمان جلوس میں جا رہے تھے اور سب گو میدان میں جمع ہونا تھا۔ ہر جگہ نہتے مسلمانوں پر پہلے سے سوچی ہوئی سکیم کے مطابق غنڈوں نے جا بجا حملے شروع کر دیئے۔ میں خطبہ پر کھڑا تھا کہ جمال الدین کی مسجد کے سامنے ایک مسلمان کی لاش گری۔ میں نے اب جلوس کی کمان خود سنبھالی اور کو رٹوٹے میدان تک مسلمانوں کی کئی لاشیں راستے میں نظر آئیں۔ میری رہائش ان دنوں ہندو مسلم آبادی کے سنگم پر تھی۔ ڈاکٹر سین راطنی کی کوٹھی (کارپوریشن سٹریٹ) اور ادھر منشی روڈ میں طرف ہندو تھے اور وطرلی سے پارک سرکس تک مسلمان آباد تھے۔ میں نے ایک دن میں ہی اپنے محلے کو ایک نظام میں لے لیا۔ لیکن جو کچھ آنکھوں نے دیکھا وہ جاں گداز تھا۔ ایسے لرزہ خیز جگر خراش اور ہولناک مناظر تھے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں نے جوان عورتیں دیکھیں جن کی چھاتیاں کاٹ لی گئیں۔ میں نے معصوم بچے دیکھے جو خون میں لت پت موت کی آغوش میں ہمیشگی کی نیند سو رہے تھے۔ فساد کے دوران میں گشت کرتے ہوئے میں نے منڈو

سورماؤں کو دیکھا جنھوں نے مسلمان ہمسایوں کو پٹرول چھڑک کر جلا دیا تھا بعض مسلمانوں کو بھی بے گناہ ہندو راہگیروں کی گردن کند چھری سے کاٹتے دیکھا۔ میں بے خطر فسادات میں کود پڑا۔ ہندو محلوں میں جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کیا۔ ریڈ کراس کے اس ایریا کا سیکرٹری بن کر بے یار و مددگار انسانوں کی مدد کے لیے میدان میں نکلا۔ میرے اُستاد رگی ریشائل (سرکاری نوکر) ساتھی روپوش ہو گیے صرف چند مخلصین تھے جو اس جنون کے رفیق تھے۔ کورولہ میں سے شیخ محمد امین اور پارک سرکس میں سے ظلّ خان۔ فاروق اور احمد"

بزم زندگی از واصلی الی الحق
صفحہ ۲۴ تا ۲۶

"بزم ملت کی آخری شمع جس کی ضیا پاشیوں سے لاکھوں آنکھیں پُر نور تھیں ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء کی صبح کو بجھ چکی تھی۔ اس کس مپرسی اور بے کسی کے عالم میں اللہ تعالےٰ نے اس منتشر قافلہ کی شیرازہ بندی کے لیے جناح کو قائد اعظم بنا کر بھیجا۔ اس دانائے کار کی نگہ دُوررس نے اپنے قافلے کو بتایا کہ اس کے گرد و پیش کس قسم کی خطرناک گھاٹیاں موجود ہیں وہ گھاٹیاں کہ جن میں کبھی متحدہ قومیت کے دام ہمرنگ زمین کبوتر حرم کو پھانسنے کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔ کبھی کسی منبر سے یہ آواز آ رہی تھی کہ قومیں مذہب سے نہیں اوطان سے بنتی ہیں۔ اور یوں اس طائر لاہوتی کے بال و پر کو غبار آلود ارض و بوم بنا کر امت رسول کا فتنہ الناس کو جغرافیائی حدود کی آب و گل میں محبوس کیا جا رہا تھا۔ ادھر شودر ملی بینیٹ کی حامل قوم کی نگاہوں میں مخلوط انتخاب کے سراب کو آب حیواں بنا کر دکھایا جا رہا تھا کہیں

اس اولی الامر منکم کی امور جماعت کے لیے غیر مسلموں کی امامت و قیادت کو عین دین قرار دیا جا رہا تھا۔ کہیں انگریز کے خلاف متحدہ محاذ کے طلسم سے کفار و مشرکین سے تولی کے جواز کے فتاوے شائع ہو رہے تھے۔۔ ایک طرف ایک منفی آتش نفس سرود گاہ وار دھا کی ستعار تھے ہیں یہ خواب آور گیت گا رہا تھا کہ "عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں"۔ اس لیے اسلام کو کسی دوسرے مذہب پر کوئی فوقیت نہیں۔۔ دوسری طرف کچھ خداوندان مکتب شاہین بچوں کے لیے اہنسا کی باؤ شکن تعلیم کی اسکیمیں تیار کر رہے تھے۔ ہندو اپنے ذہن میں رام راج کے قیام کے منصوبے باندھ رہا تھا اور اس کے لیے انگریز سے شریفانہ معاہدے (GENTLEMENS AGREEMENT) استوار کر رہا تھا۔ ہندوؤں کے شور و غوغا سے متاثر ہو کر انگریز بھی مسلمان کو بلا تامل ہندو کے ہاتھ میں دے دینے پر آمادہ تھا کہ وہ اپنی ایک ہزار سالہ غلامی کا جذبۂ انتقام اس کے خون سے ٹھنڈا کرے جو رگ اغیار کی صفوں میں کھڑے ہو کر ملت اسلامیہ کی نمائندگی کا دعوی کر رہے تھے ان میں اتنا سمجھنے کی بھی استطاعت نہ تھی۔ کہ بساط سیاست پر یہ مہرے کس طرح چلائے جا رہے ہیں۔ ہندو خوش تھا کہ میں نے نو کروڑ فرزندان توحید کو اچھوتوں کی صف میں ملا دیا انگریز راضی تھا کہ وہ خنجر ہلال جس کے بے نیام ہونے کے خلاف سے کلیجۂ صلیب میں ہمیشہ دھڑکن رہتی تھی آسے گنگا کی لہروں میں بہا دیا گیا کہ اس کس مپرسی کے عالم اور خلفشار و تشتت کے وقت قائداعظم آگے بڑھے اور ہندوؤں اور انگریزوں کے ہر خفیہ منصوبے اور ہر پوشیدہ سازش کو ایک ایک کر کے

بے نقاب کر دیا اور یوں اُن کے تصورات کی حسین دُنیا کو ایک خواب پریشان میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور ساری دُنیا پر اس حقیقت عظمیٰ کو واضح کر دیا" کہ

آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

(جہادِ زندگی از داعی الی الحق صفحہ ۱۸ تا ۱۹)

شورش کا ابوالکلام

نوائے وقت کی نظر میں

"روزنامہ نوائے وقت" ابوالکلام آزاد کے متعلق ۱۴ مئی ۱۹۵۰ء کی اشاعت جبکہ وہ "جہاد" کے نام سے نکلتا تھا۔ رقمطراز ہے کہ:۔

"حیرت اور سخت حیرت ہے کہ جس حکومت کا ایک وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد جیسا مفسر قرآن اور فاضل اجل ہو وہاں ہندوستان کے چار پانچ کروڑ مسلمانوں ہی کے نہیں، بلکہ ساری دُنیا کے مسلمانوں کے احساسات کو علانیہ مجروح کیا جائے اور اس سے بڑھ کر یہ حیرت ہے کہ مولانا آزاد ٹس سے مس نہ ہوں ؎

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں"

اسی "نوائے وقت" میں ابوالکلام آزاد کی وفات کے موقع پر ۱۳ مارچ ۱۹۵۸ء میں مذکور ہے کہ:۔

"اس میں شک نہیں کہ ابوالکلام نے اپنی قومی زندگی کے پہلے دس بارہ سال میں قابل قدر علمی و قومی خدمات انجام دیں، اور اگر تحریک خلافت و ترکِ موالات کے زمانہ میں ان کا انتقال ہو جاتا تو ان کی موت پر جتنا بھی ماتم کیا جاتا کم ہوتا لیکن اس مختصر دور کے بعد ان کی زندگی

ہیں جو انقلاب ہوا اور چھتیس سال تک وہ جس راستہ پر گامزن رہے وہ خود رہنماؤں کے گمراہ ہو جانے کی ایک المناک مثال ہے۔ ابوالکلام کے اس طرزِ عمل کو محض سیاسی اختلاف قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ قومی نصب العین کے حصول کی خاطر موت و حیات کی جنگ میں اپنی ملت کا ساتھ چھوڑ کر دشمن کا آلہ کار بننا اگر محض سیاسی اختلاف ہے، تو پھر غداری کی کیا تعریف ہو گی؟ اور اگر سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کی طرح قائداعظم بھی اپنی جدوجہد میں ناکام ہو جاتے، تو کیا اس کے نتائج پلاسی اور سرنگاپٹم میں شکست کے نتائج سے زیادہ تباہ کن نہ ہوتے؟ ہندوؤں نے اچھوتوں سے جو سلوک کیا، ہندوستان میں بدھ مت کا جو حشر ہوا، اور نہرو کے جمہوری اور سیکولر" بھارت میں مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہے ہیں کیا سب اس حقیقت کا ثبوت نہیں کہ ہندو سامراج، برطانوی سامراج سے بھی زیادہ تباہ کار ہے اب اگر ہندو سامراج کے آلۂ کار ابوالکلام قابلِ تعریف ہو سکتے ہیں، تو پھر میر جعفر اور میر صادق کو کیوں ملعون قرار دیا جاتا ہے، اور ان کے طرزِ عمل کو بھی سیاسی اختلاف کیوں نہیں کہا جاتا؟

ابوالکلام اور ان کے دونوں پیش روؤں میں جو فرق ہے، وہ صرف زمانہ کا ہے۔ دو سو سال کے زمانی بُعد نے بنگال اور دکن کے غداروں کو تو اس طرح بے نقاب کر دیا کہ وہ ننگِ آدم، ننگِ دین، ننگِ وطن نظر آنے لگے،

لیکن زمانی قُرب، ذاتی تعلقات اور پاس و لحاظ کی بدولت مسلمانوں کی جنگِ آزادی کے غدار طرح طرح کے رنگین نقابوں میں چھپے ہوئے ہیں، مگر وہ دن دُور نہیں جب حقیقت شناس مورخ ان نقابوں کو پارہ پارہ کر دیں گے، اور جعفران آں زماں کے ساتھ "جعفران ایں زماں" کی رُوحیں بھی قلزم خوں میں مبتلائے عذاب نظر آنے لگیں گی۔ سجّاد انصاری نے جس ابوالکلام کی تعریف کی ہے وہ قرآنی دعوت دینے والے مولانا ابوالکلام تھے نہ کہ اس سے منحرف ہو جانے والے شری ابوالکلام۔ اس کے علاوہ یہ تعریف جس کو محض لفاظی کہنا چاہیے اس قدر مبالغہ آمیز ہے کہ ابوالکلام اپنی زندگی کے روشن ترین دور میں بھی اس کے مستحق نہ تھے۔ اگر ابوالکلام کو پرکھنے کا یہی معیار ہے، تو پھر انہی سجّاد انصاری کا یہ قول کیوں نہ ملحوظ رکھا جائے کہ فرشتہ اور عالم دونوں گمراہ ہو کر شیطان بن جاتے ہیں۔ اس طرح "حضرت معلم الملکوت" اور حضرت امام الہند" کی زندگی میں حیرت انگیز مماثلت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی۔ کہ ہر عالم کی موت عالَم کی موت نہیں ہوتی، اور ایک مخصوص دَور کی نیکیاں بقیہ تمام زندگی کے گناہوں کا جواز نہیں بن سکتیں۔ موت ہر شخص کی افسوسناک ہوتی ہے، اور اُس پر اظہارِ تأسف بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن ملّت کے مجرموں کے سوگ میں اتنا غلو ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ پاکستان کے بدنام ترین دشمن اس یقین اور اطمینان کے ساتھ مریں کہ ان کے غم میں پاکستانی صحافت سیاہ

پوش ہو جائے گی۔"

نوائے وقت ۱۳ مارچ ۱۹۵۶ء

(ہفت روزہ سواد اعظم لاہور صفحہ ۲)

شورش کاشمیری کے ممدوح حمید نظامی جو نظریہ پاکستان کے بارے میں مفاہمت ناآشنا اور تحریک پاکستان کے بے باک اور مخلص سپاہی تھے۔ یہ تحریر جہاں ہم نے اس مقصد کے لیے نظر قارئین کی ہے کہ وہ اندازہ فرما سکیں کہ ایڈیٹر نوائے وقت حمید نظامی کے تحریک پاکستان کے مخالفین کے متعلق کیا جذبات وخیالات تھے وہاں غرض یہ بھی ہے کہ ابوالکلام مرحوم کے مداحین ومعتقدین کو اگر کہیں ہماری تحریر میں تیزی نظر آئے۔ تو وہ تحریک پاکستان کے نوجوان کارکنوں کے اس سالار اور پاکستان کے پر خلوص صحافی کے ان رشحات قلم کو پیش نظر رکھیں اور یہ سمجھ سکیں کہ اس روشن ضمیر نظامی مرحوم کے یہ فرمودات دراصل کارکنان تحریک پاکستان کے احساسات ونظریات کے صحیح ترجمان ہیں۔ کیونکہ ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق (اقبال)

شیخ حسام الدین کی گاندھی ٹوپی

اور

چوہدری افضل حق کی پگڑی

(از کوہ پیما (اکرام قمر))

مطبوعہ روزنامہ زمیندار لاہور ۔۔۔ مورخہ ۸ جنوری والا جنوری ۱۹۴۲ء

"چوہدری افضل حق مرحوم کی وفات کو اس عظیم ٹوٹے

پانچ برس ہو جائیں گے۔ جنوری کی آمد کے ساتھ ساتھ ان کا نام ذہن پر اُبھرنے لگا اور میں یہ سوچنے لگا کہ مرحوم کے رفقاء نے ان سے کہاں تک وفاداری کا ثبوت دیا! میرے دل نے گواہی دی کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو مجلس احرار کانگرس کا ضمیمہ ہو کر رہ جاتی اور اس کی سیاسیات کا رنگ کچھ اور ہی ہوتا۔

اس فکر میں غلطاں تھا کہ آج سے دو تین ماہ پہلے کی ایک خبر دماغ میں چکر کاٹنے لگی۔ ہندو اخبارات نے بلدیۂ امرتسر کے انتخابی اجلاس کی کارروائی بڑے طمطراق سے شائع کی تھی اور بڑے فخر سے یہ لکھا تھا کہ میونسپل کانگرس پارٹی کے لیڈر شیخ حسام الدین گاندھی ٹوپی پہن کر آئے تھے۔ یہ پڑھ کر زبان سے بے ساختہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن نکل گیا۔

یہ وہی شیخ حسام الدین ہیں جو پچھلے برس مجلس احرار ہند کے صدر تھے اور اب اس کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں یہ وہی مجلس احرار ہے جس کا دماغ "پاکستان اور اچھوت" کے مصنف چوہدری افضل حق مرحوم تھے اور یہ وہی چوہدری افضل حق ہیں۔ جن کی تعریف کرتے آج بھی اکابر احرار کی زبانیں نہیں تھکتیں۔ اس سے پہلے اپنے ایک مضمون "کیا نیشلسٹ مسلمان سوچیں گے؟" میں یہ بتا چکا ہوں کہ چوہدری صاحب مرحوم کانگرس سے کس درجہ بیزار تھے اس لیے احرار کے ایک مقتدر رکن کے سر پر گاندھی ٹوپی کی خبر پڑھ کر از حد صدمہ ہوا۔

"دور کی کوڑی لانے والے یہ کہتے ہیں کہ شیخ صاحب موصوف موٹر ڈرائیور یونین کے بدستور صدر بنے رہنا چاہتے ہیں اور اس ادارے میں غالب اکثریت غیر مسلموں کی ہے اس کے علاوہ آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ غیر مسلموں کے سہارے امرتسر میونسپلٹی کے صدر بن جائیں۔ پہلے پہل تو اس خبر پر یقین کرنے کے لیے دل آمادہ نہیں ہوتا تھا کہ چوہدری افضل حق مرحوم کے رفیق اس درجہ گر سکتے ہیں کہ معمولی صدارتوں کے لیے اپنے اُصول بیچ کھائیں۔ لیکن شیخ صاحب کی گاندھی ٹوپی اب اسی جانب اشارہ کر رہی ہے کہ تم مانو یا نہ مانو۔ ۔۔۔ ابن الوقتی اور خود غرضی انسان سے بڑے بڑے اُصول تڑوا دیتی ہے اور ذلیل سے ذلیل کام کروا دیتی ہے۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ شیخ صاحب نے اس قرارداد کے صادر ہوتے ہوئے کہ مجلس احرار کا رکن کسی دوسری سیاسی جماعت کا رکن نہیں بن سکتا کانگرس پارٹی کی رکنیت کیوں اختیار کی؟ اور اگر ان کی کانگرس میں شمولیت جائز ہے۔ تو بیچارے تیمر مصطفیٰ کا ایک سرکاری میجر کے خلاف مسلم لیگ کا محض ساتھ دینا کیوں ناقابل معافی جُرم ہے؟ شیخ صاحب تو کانگرس کے رکن بھی بن سکتے ہیں اور تیمر مصطفیٰ مسلم لیگ میں شامل ہونا تو ایک طرف اس کا ساتھ بھی نہیں دے سکتے۔ ع

ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

چونکہ شیخ حسام الدین اور ان کے رفقاء آج تک چوہدری

صاحب مرحوم کا نام لے کر اپنی لیڈری کی دوکان چمکاتے رہے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس ٹولی کی نئی روش کا چوہدری صاحب مرحوم کی زندگی سے مقابلہ و موازنہ کر کے یہ بتایا جائے

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

گزشتہ پنجاب اسمبلی کے امرتسر کے ضمنی انتخابات کی داستان اتنی دہرائی جا چکی ہے کہ اب اس کا مزید اعادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن یہاں شیخ صاحب سے نہایت ادب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو میونسپل کانگرس پارٹی کا حلف نامہ بھر کر گاندھی ٹوپی ہی پہننی تھی تو کانگرسی اُمیدوار کے مقابلے میں چوہدری افضل حق مرحوم کو کیوں کھڑا کیا تھا؟ کیا محض اس لیے کہ اُس ایثار پیشہ انسان کو شکست دلا کر اُس کی توہین کرائی جائے؟ چوہدری صاحب مرحوم اگر زندہ ہوتے تو ایسی رفاقت پر یقیناً لعنت بھیج کر الگ ہو جاتے۔"

ذرا آگے چل کر رقمطراز ہیں۔

اکرام قمر نے اپنے اس مضمون میں جن واقعات کا ذکر کیا تھا۔ احراریوں سے اُس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اپنی جگہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ "کوہ پیما" کے نام سے یہ مضمون مجلس احرار کے سابق جنرل سیکرٹری مولوی مظہر علی اظہر نے لکھا ہے، کیونکہ اس مضمون میں جن حقائق پر "آزاد" کا ہور اس مضمون سے بوکھلا اُٹھا اور اس اخبار کے ایڈیٹر آغا شورش کاشمیری کے ایک نوٹ کے ساتھ "آزاد" کے شاعر خاص کا ایک قطعہ "زمیندار کا کوہ پیما" کے عنوان سے "آزاد" کے ۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء

کے شمارے میں شائع ہوا۔ جو قارئین کرام کے تفنن طبع کے لیے آغا شورش کاشمیری کے محولہ بالا نوٹ سمیت یہاں درج کیا جا رہا ہے۔ جس سے بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ اکرام قمر کے اس مضمون سے احراریوں کی ذہنی کیفیت کیا ہو گئی تھی۔

زمیندار کا کوہ پیما

روزنامہ زمیندار میں کوہ پیما نے شیخ حسام الدین کے خلاف خامہ فرسائی کی ہے اور علامہ اقبال کا مندرجہ ذیل شعر مستعار لے کر ان پر پھبتی کسی ہے ؎

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ

یہ تو خود کوہ پیما جانتا ہے کہ عاشورہ کے دنوں میں چادر زہراؓ کون بیچتا ہے! اور چوہدری افضل حقؒ کی روح سے کس نے غداری کی ہے؟ آزاد کے شاعر خاص نے ذیل کے قطعہ میں کوہ پیما کے چہرے سے ہلکی سی نقاب اٹھائی ہے۔ (شورش کاشمیری)

جو حسام الدین پہ در پردہ ہے دشنام زن
یہ تقیہ باز، یہ جان تبرا کون ہے؟
کوئی شاید خضر کا پروردہ سابق نہ ہو
پوچھتا ہوں میں یہ آخر کوہ پیما کون ہے!

روزنامہ "آزاد" لاہور ۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء

آغا شورش کاشمیری اور "آزاد" کے شاعر خاص اس

بات کو بھول گیے کہ چوہدری افضل حق مرحوم کی زندگی کے آخری دنوں میں ایک اور شخص بھی مرحوم کے قریب رہا تھا۔ وہ شخص تھا اسلامیہ کالج لاہور کا ایک طالب علم اکرام قمر جس نے مرحوم کی انگریزی تصنیف "پاکستان اور چھوت" کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ وہی اکرام "قمر اب" کوہ پیما کے قلمی نام سے سیاسی مضامین لکھ رہا تھا۔"

جس روز ہمارے قصبہ بجواڑہ شریف تحصیل و ضلع ہوشیارپور کا جلوس نکلا۔ اور جب ہم گرفتاری کے لیے پیش ہوئے ہم نوجوان یہ جھنڈا پڑھ رہے تھے۔ یہی جھنڈا ہے جو قبلہ حکیم سید عبدالحق صاحب قادری اویسی (آف بہادر پور ضلع ہوشیارپور) جو ان دنوں لائل پور میں قیام پذیر ہیں۔ مسلم لیگ کے جلسوں میں گیت آور ترنم اور ایمان پرور لَے میں پڑھا کرتے تھے۔ اسے ہم اپنے عہدِ ماضی کی ایک خوشگوار اور حیات افروز یاد سمجھ کر نذر قارئین کر رہے ہیں۔ اس سے ہماری ابھرنے والی نسلوں اور موجودہ نوجوانوں کو بھی یہ احساس و اندازہ ہو سکے گا کہ کس جوش و ولولہ اور جنون و عشق کے ساتھ جنگ پاکستان لڑی گئی تھی اور یہ ملک اسلام کو بطور قانون حیات نافذ کرنے کے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ اب آیئے اسلام کے پرچم لہرا پڑھیے اور دلوں کو ایمان و عشق سے لبریز اور سینوں کو جوش و ولولہ سے معمور دیکھیے

(نظم اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجیے)

اے اسلام کے پرچم لہرا

(۱)

نت نت لہرا جم جم لہرا　　پل پل لہرا دم دم لہرا
چھم چھم لہرا جھم جھم لہرا　　لہرا ہو کر بے غم لہرا

(۲)

مرگ جا سیل باطل مرگ جا　　مٹ جا شرک کے جھکڑ مٹ جا
جھک جا جی میں مشرک جھک جا　　جھک جا کفر کے جھنڈے جھک جا

(۳)

چہرہ کیوں ہے فق باطل کا　　سینہ کیوں ہے شق باطل کا
میل ہی کیا ہے حق باطل کا　　خوف نہ رکھ مطلق باطل کا۔

(۴)

کفر کا نکلا ہے دیوالا　　نیلے پیلے ہوئے منہ کالا
تیرا باغ سدا ہریالا　　تیرا بول ہمیشہ بالا

اے اسلام کے پرچم لہرا

یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا　　قرآنی احکام کا جھنڈا
مال سے پیارا جان سے پیارا　　دل کا ٹکڑا آنکھوں کا تارا
دو جگ میں عزت کا سہارا
یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا
دین کا اور دنیا کا اجالا　　عزت والا حرمت والا
سب سے اونچا سب سے بالا
یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا
ظالم کا دل پھٹ جاتا ہے　　ظلم کا بادل چھٹ جاتا ہے

جب میدان میں ڈٹ جاتا ہے — یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا
لہرائے گا اوج کے اوپر — دریا کی ہر موج کے اوپر
میدان کی ہر فوج کے اوپر — یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا
نارِ تعصب سرد کرے گا — کوہِ ستم کو گرد کرے گا
رنگِ حسد کو زرد کرے گا — یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا
او ظالم مغرور ستم گر — دیکھ مسلمانوں کا لشکر
لہراتا ہے جس کے سر پر — یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا
یہ جھنڈا مزدور کا حامی — مظلوم و مجبور کا حامی
نارکا دشمن نور کا حامی — یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا

تحریک پاکستان اور طلبہ

"مجھے یاد ہے کہ میں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں تین مرتبہ لائل پور آیا ہوں۔ میرا پہلا دورہ (۱۹۴۲ء) سر چھوٹو رام کی ایک انتخابی مہم کو ناکام بنانے کے سلسلہ میں تھا اس وقت صوبہ میں یونینسٹ راج تھا اور آنجہانی سر چھوٹو رام زمیندارہ لیگ جسے جاٹ لیگ بھی کہا جاتا تھا۔ کی تنظیم کے سلسلے میں یہاں اپنا سالانہ جلسہ منعقد کرنے والے تھے۔ میں طلبہ کا ایک وفد لے کر جب یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس وقت کے ڈپٹی کمشنر نے زمیندارہ لیگ کے جلسہ گاہ کے باہر کی تمام حدود میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی ہے لیکن ہم نے فی الفور لاؤڈ سپیکر کا انتظام کیا اور اسے جلسہ گاہ کی اس حد پر نصب کر دیا جہاں دفعہ ۱۴۴ نافذ نہیں تھی۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ میں کسی وقفہ کے بغیر مسلسل مائیکروفون کے ذریعے مسلمانوں کو زمیندارہ لیگ کے جلسے میں

شمولیت سے منع کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمیندارہ لیگ کا پنڈال حاضرین سے بالکل خالی رہا اور سر چھوٹو رام انتہائی سخت مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ چنانچہ صوبائی اسمبلی کے اجلاس میں سر چھوٹو رام نے "اعتراف" کیا کہ مسلم طلبہ نے ہماری سیاسی زندگی کم کر دی ہے۔ عجیب بات ہے کہ اس کے بعد جلد ہی سر چھوٹو رام سورگباش ہو گئے یہ تھا لائل پور میں میرا پہلا دورہ!

دوسری مرتبہ حاجی عبداللہ مرحوم کے الیکشن کے سلسلے میں ادھر آنے کا اتفاق ہوا۔ حاجی صاحب مرحوم کا مقابلہ ذیلدار محمد قاسم سے تھا۔ میں طالب علموں کی ایک جماعت کے ساتھ گوجرہ کے علاقہ میں گیارہ روز تک بس پر سفر کرتا رہا ہوں۔ لاؤڈ سپیکر بھی اس بس میں نصب کیا ہوا تھا۔ ہم اس میں دن بھر گھومتے پھرتے اور پھر اسی میں رات کا قیام ہوتا۔ گیارہ روز کی اس مہم میں ہمیں اکثر چنوں پر قناعت کرنا پڑی اس مہم میں میرے ہمراہ بعض دوسرے طلبہ کے علاوہ اکبر یزدانی اور مسٹر عزیز بھی تھے۔ ان میں اوّل الذکر آجکل فوج میں میجر ہیں۔ اور مؤخر الذکر پہلے فنانس ڈیپارٹمنٹ میں تھے اور آجکل مرکزی حکومت کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ہیں یہ دورہ اس لحاظ سے بہت ہی کامیاب تھا کہ عام مسلمان ہماری "تبلیغ" سے بے حد متاثر ہوئے۔ ہم اس وقت محسوس کر رہے تھے کہ عام لوگ تعصب سے بہت بلند ہیں اور اصول پرستی کا بہترین نمونہ۔ کردار کی مضبوطی ان کے چہروں سے جھلک رہی تھی اور اپنا ذاتی نقصان کر کے بھی اصول پرستی

کو ترجیح دیتے تھے افسوس کہ یہ کیفیت پھر کبھی دیکھنے میں نہ آئی تیسری مرتبہ لائل پور آنے کا اتفاق اس وقت ہوا جب فیڈریشن کی تنظیم کے سلسلے میں مختلف سکولوں کا دورہ کر رہے تھے اس موقع پر شاہ جیونہ ضلع جھنگ کے ایک جلسہ عام میں شریک ہوئے جس میں میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے پہلی مرتبہ پنجابی زبان میں تقریر کی یہ تقریر بے حد اثر انگیز تھی جلسے کا اہتمام سید عابد حسین اور میجر مبارک علی شاہ کی طرف سے کیا گیا تھا واپسی پر میاں دولتانہ نے لائل پور میں بھی تقریر کی۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے وفد میں میرے ہمراہ محمد نواز مرحوم بھی تھے ہم یہاں تمام سکولوں میں گئے اور فیڈریشن کی شاخیں قائم کرنے میں ہمیں خوب کامیابی ہوئی!

لائل پور کے دوسرے دورہ کے سلسلے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہاں سر چھوٹو رام کے جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے جلسہ گاہ سے باہر جب دفعہ ۱۴۴ نافذ کی گئی تھی تو میں ایک وفد لے کر اس وقت کے ڈپٹی کمشنر کے پاس گیا تھا مگر وہ ہماری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھے اور اپنے موقف کی حمایت میں بھی انھوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ میں ان کی کوٹھی پر بھی گیا مگر وہاں بھی یہ صورت پیش آئی کہ انھوں نے کوئی بات سنے بغیر ہمیں اپنی کوٹھی سے باہر نکال دیا۔ میں نے جب یہاں پچھلے دنوں ڈپٹی کمشنر کے عہدے کا چارج لیا تو موجودہ ڈسٹرکٹ کونسل ہال اور ڈپٹی کمشنر کی قیام گاہ کا جائزہ لیا۔ پرانی یادوں کو ذہن میں تازہ کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں کا ماحول پہلے سے کہیں مختلف ہے۔

میں ڈپٹی کمشنر کی قیامگاہ کے اس گوشے میں کھڑا ہو کر یہی سوچتا رہا کہ خدا کرے کوئی ایسا موقع نہ آئے کہ کوئی شخص کوئی جائز اور صحیح مطالبہ لے کر آئے اور میں اس کے ساتھ وہ سلوک کروں جو اس وقت کے ڈپٹی کمشنر نے میرے ساتھیوں سے روا رکھا تھا۔

اس وقت یہاں کے مقامی مسلم لیگی راہنما بھی بڑے محتاط تھے اور ہمارے طلبہ کے توجہ دلانے کے باوجود انہوں نے ہماری مہم میں ہمارا کوئی ہاتھ نہ بٹایا۔ بلکہ وہ کسی حد تک ہماری ان سرگرمیوں کے خلاف بھی تھے۔ بیتے لمحوں کی یادوں میں مجھے شہید عبدالمالک بھی یاد آ رہا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت لاہور میں نہیں تھا جب اس جانباز طالب علم نے جام شہادت نوش کیا۔ ہم انہیں طالب علم خلیق الزماں کے الیکشن کے سلسلے میں لکھنؤ گئے ہوئے تھے۔ اس مہم میں ہم نے ایک پائی تک بھی مسلم لیگ کے فنڈ سے خرچ نہیں کی بلکہ تمام خرچ اپنی جیب سے کیا۔

لاہور کا ایک اور جلسہ بھی یادگار ہے۔ یہ جلسہ مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا اور اس میں مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کو خطاب کرنا تھا۔ ہم ایکس طالب علموں نے جن میں لائل پور کے چوہدری نصر اللہ خان مرحوم اور ایک دوسرے سرگرم کارکن مسٹر محمد صادق بھی شامل تھے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر علامہ اقبالؒ کی مشہور رباعی

سرود بر سر منبر ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ لکھی ہوئی تھی۔

(ہفت روزہ "رفاقت" استقلال نمبر ۱۹۶۲ء)

یہ اقتباسات ہم نے ہفت روزہ "وفاق" استقلال نمبر ۱۹۷۱ء سے جناب سید قاسم رضوی جو اُس وقت لائل پور کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ اُن کے ایڈیٹر وفاق کے ساتھ ایک انٹرویو سے لیے ہیں۔ بلاشبہ رضوی صاحب اسلامیہ کالج لاہور کے صفِ اوّل کے ان طلبا میں سے تھے جنھیں محترم عبدالحمید مرزا ایم۔ اے (جو ان دنوں پشتو کی کالج کے پرنسپل ہیں) اور اُن دنوں اسلامیہ کالج میں اسلامیات کے پروفیسر اور پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر تھے تحریک پاکستان کے لیے کام کرنے کے لیے نکالا۔ یہ فخر و امتیاز اس کتاب کے مؤلف کو بھی حاصل ہے۔ کہ وہ بھی سالارِ کارواں کی ہدایت و حمایت کو لیے ہوئے شریکِ سفر تھا۔ جہاں آفتاب قریشی۔ احمد سعید کرمانی۔ حافظ نذر احمد صاحب کے علاوہ بہت سے رفقائے کار مجھے اسی زمانہ سے آج تک جانتے ہیں۔ وہاں سید صاحب ملازمت اختیار کر لینے کی وجہ سے مجھے لائل پور میں ڈپٹی کمشنری کے زمانہ میں نہ پہچان سکے۔ انھوں نے اس انٹرویو میں قیام پاکستان کے قبل کے ڈپٹی کمشنر کے متعلق فرمایا ہے کہ انھوں نے ہمارے ایک جائز مطالبہ کو نہ مانا اور بدسلوکی کی۔ میں اس مقام پر صرف اتنا عرض کرتا ہوا گذر جاؤں گا۔ کہ شاید یہ اُس کمرہ ہی کی خصوصیت ہو۔

دو سوداگر

تحریک پاکستان کے زمانہ میں "دو سوداگر" (ابوالکلام آزاد عرف راشٹر پتی" اور "عبدالغفار خان عرف سرحدی گاندھی" کے جلی عنوان سے احمد سعید یوسفی صاحب مشن روڈ لدھیانہ کا لکھا ہوا پوسٹر ابو اسکندر لطیف نے سیالکوٹ شہر ممتاز برقی پریس سیالکوٹ سے شائع کیا۔

ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے :-

"ساتھ ہی کانگرسی داتاؤں کی دُور بین نگاہوں نے تاڑ لیا کہ آزاد اُن کی تمنائے رام راجیہ کی تکمیل کا باعث ہو سکتا ہے بانس پر چڑھانا شروع کیا - اوّلین دور میں مسلمان انھیں ایک مفسرِ قرآن کی حیثیت سے جانتے تھے۔ آزاد نے اپنی اسی شہرت کی بنا پر متحدہ قومیت کے لیے اکبر کے دینِ الٰہی کی طرح ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی۔ ترجمان القرآن عالمِ وجود میں آیا کہ اصل دین خدا پرستی اور نیکوکاری ہے۔ انسان جس مذہب میں چاہے رہے وہ نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اس نظریہ نے کفر و شرک، اسلام و ایمان کے امتیازات کو ختم کر دیا۔ گاندھی جی نے اظہارِ مسرت کیا۔ ترجمان القرآن کی کئی ہزار جلدیں ہندی میں تیار کرائی گئیں۔ آزاد گاندھی کے منظورِ نظر بن گئے۔ آپ کے سپرد ہندو صوبوں میں ہندو مظالم کی تردید کا کام سپرد کیا گیا اور بالآخر کانگرس کے صدر بنا کر راشٹرپتی بنا دیے گئے۔ انتخابِ صدارت کے بعد ہی راشٹرپتی نے جو بیان دیا اُس میں کہا۔ "مسٹر جناح کا یہ نظریہ کہ ہندو مسلمان دو جُدا قومیں ہیں۔ غلط فہمی پر مبنی ہے"۔ یہ گویا اعلان تھا کہ مجھے راشٹرپتی بنا دیا گیا ہے تو اس کے لیے گاندھی جی کو ممنونِ احسان ہونا پڑے گا۔ کتنے فخر سے کہا جاتا ہے۔ میری کامیابی مسٹر گاندھی کی لیڈری پر اعتماد اور ان کے پروگرام کی منظوری کی علامت ہے۔ وہ پروگرام کیا ہے۔ راشٹرپتی جی کے قائد و رہنما، مرشد و ہادی گاندھی جی کی زبان سے سنیے۔ مسلمان کو ہندو بنایا جائے یا ہندوستان سے باہر نکال دیا

جائے یا ہندوستان میں غلام بنا کر رکھا جائے" (ڈیگ ٹائمز)
دوسرے پوسٹر کا ایک اقتباس :-

"کانگرس تاریخ میں تلک کے متعلق حسب ذیل تعریفی الفاظ موجود ہیں: "تلک مہاراشٹر کا بے تاج بادشاہ۔ فیض پور کانگرس ۱۹۳۶ء کے خطبہ استقبالیہ میں کہا گیا" تو کمانیہ تلک نے شیواجی کی سالگرہ کو ایک قانونی تہوار قرار دیا تھا۔ کون شیواجی مسلمانوں کا بدترین سیاسی حریف۔ گاندھی جی کہتے ہیں: "تلک مجھے ہمالیہ کی طرح نظر آیا، عظیم اور بلند۔۔۔"

جب "تلک مرا تو گاندھی جی اور نہرو نے اس کی ارتھی کو سہارا دیا۔ تمام ملک میں سوگ منایا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں کانگرس نے اپنا نمائندہ بنا کر تلک کو انگلستان روانہ کیا۔ یہ ہے وہ تلک جو سیواجی کو معصوم، قومی ہیرو، مسلمانوں کو چور، زندہ جلا دینے کے قابل اور غیر ملکی قرار دیتا ہے۔ اسی تلک نے مرنے سے قبل گاندھی جی کو ایک وصیت کی: "میری طرح ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ جس طرح بھی ہو سکے ہندوستان کی جائیدادیں ہندوؤں کے قبضہ میں آ جائیں۔ پھر صرف حکومت کا مسئلہ باقی رہ جائے گا۔ جس کا حل بالکل آسان ہوگا۔ مقدم بات یہ ہے کہ ملکیت ہندو قوم کی ہو جائے"

اب آپ کی خدمت میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے لاہور و کلکتہ کے وہ خطبات پیش کیے جا رہے ہیں جو آپ نے جمعیۃ علمائے اسلام کی کانفرنسوں میں دیے۔ ان حیات انگیز اور ایمان افروز فرمودات سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ عالم حق پرست کس جوش و تڑپ اور جرأت و ہمت سے تحریک پاکستان کی حمایت کرتا رہا ہے یہ خطبات ہم نے جناب پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب انور اسلامیہ کالج لائل پور کی کتاب تجلیات عثمانی سے لیے ہیں۔

ہمارا پاکستان

خطبۂ صدارت

خطبہ صوبہ پنجاب جمعیۃ علمائے اسلام کانفرنس لاہور

منعقدہ ۲۵، ۲۶، ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۔

"اما بعد، آپ نے اپنے حسن ظن کی بنا پر جمعیۃ علمائے اسلام کی اس پہلی صوبائی کانفرنس کا صدر تجویز فرما کر مجھے جو عزت بخشی اللہ تعالیٰ اس کی لاج رکھے۔ آپ کے نیک گمان کو میرے حق میں اپنی قدرت کاملہ سے سچا کر دکھائے اور ایک ادنیٰ خادم دین کی قدر افزائی کا صلہ دین و ملت کی کسی عظیم فلاح و کامرانی کی صورت میں سب کو مرحمت فرمائے۔ بس یہی میری متضرعانہ دعا اور یہی میری طرف سے آپ کا مخلصانہ شکریہ ہے۔ کیا میرے بھائی اس پر قناعت کریں گے؟

"میں جلسوں کے آداب و حقوق اور منصب صدارت کے فنی رسوم و فرائض سے نہ پوری طرح واقف ہوں نہ اپنی اُفتادِ طبیعت سے اُن کے انجام دینے کی صلاحیت و قدرت رکھتا ہوں۔ اس لیے اگر میں آپ کے تخمینہ یا عصری معیار کے مطابق کوئی خطبہ پیش نہ کر سکوں مجھے معذور سمجھیے۔"

"میرا مشورہ تو دوسروں کے لیے بھی یہی ہے کہ اب ہم مسلمانوں کے پاس اپنے قومی جہاز کو شدید ترین خوفناک گرداب بلا سے نکالتے ہوئے اتنا فضول وقت نہیں بچنا چاہیے جس میں اہم اور ضروری مقاصد کو چھوڑ کر ہم محض اپنی علمی قابلیت کا اظہار اور رسمی و زبانی شکریوں کی نمائش کیا کریں۔"

ذرا آگے چل کر:۔

"میں آج زندہ دلانِ پنجابؒ کے ماحول میں اپنے اندر بھی ایک قسم کی زندہ دلی محسوس کرتا ہوں۔ اور مجھے اُمید ہے کہ پاکستان کے قلب و جگر سے جو صدائے حق بلند ہوگی۔ اس کی گونج اُخوۃِ اسلامی کی عروق و شرائین کے ذریعہ بہت تیزی کے ساتھ تمام جسدِ پاکستان بلکہ ملک ہند کے تمام اعضا میں پھیل جائے گی۔ اس وقت پورا حوالہ مجھے یاد نہیں رہا۔ لیکن پورے جزم و وثوق کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ اب سے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ نے اپنی کسی تحریر میں از راہِ کشف ارشاد فرمایا تھا کہ آجکل رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ یا نظر التفات شہرِ لاہور پر مرکوز ہے۔

رسول اکرم محمد صلعم کی نظر کرم

میں سوچتا ہوں کہ لاہور کے حق میں کیا اس محبوب خدا اور آقائے دوجہاں کی وہ نظر کیمیا اثر خالی جا سکتی ہے! وہ نگاہ لطف و کرم جس کی ایک معمولی جھپک ہزار سالہ بت پرست کو ایک آن میں ولی کامل بنا دے جو مدت کے بگڑے ہوئے شیطان کو ایک لمحہ میں درست اور پاک و صاف بنا کر فرشتوں کے زمرے میں شامل کر دے۔ جو ذرا سی دیر میں قلوب و ارواح کی دنیا بدل ڈالے۔ ملکوں اور قوموں کی کایا پلٹ کر رکھ دے۔ کیا چند صدیوں کی مسافت زمانی نے لاہور کے مستقبل کو اس انقلاب آفرین نگاہ تلطف کی عظیم تاثیر و تصرف کے فیض سے بالکلیہ محروم کر دیا ہوگا ہرگز نہیں۔ ان کی شان تو یہ ہے ؎

وہ رفشانی نے ترے قطروں کو دریا کر دیا	دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر غیروں کے ہادی بن گئے	کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

غور کیجئے مردے اس نظر سے صرف زندہ نہیں ہوئے۔ بلکہ مسیحا بن گئے۔ جن کی مسیحائی سے کروڑوں مردہ دلوں کو حیات تازہ حاصل ہوئی۔

حضرت شیخ مجددؒ کا نعرہ حق

یہ بھی چیز لائق غور ہے کہ شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ (جن کو لاہور کی یہ سعادت مکشوف ہوئی) وہ ہی بزرگ ہیں۔ جنھوں نے اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی قومیت متحدہ اور نام نہاد دین الہٰی کے مقابلہ میں تاریخی جہاد کیا تھا۔ ممکن ہے ان کے مذکورہ بالا کشف سے ادھر بھی اشارہ ہو کہ آگے چل کر جب قومیت متحدہ ایک دوسرے رنگ میں اور اکبر کا دین الہٰی گاندھی ازم کی شکل میں ظہور کرے گا

اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ گرامی اور التفات خصوصی کی بدولت لاہور ہی وہ مقام ہوگا جہاں سے ان نئے بتوں کے توڑنے کی پہلی آواز بلند ہوگی، پھیلے گی، پھلے گی اور پھولے گی۔"

حضرت شیخ الہند کا آخری پیغام

بہرحال آج اس نئی مہم کا ابتدائی منظر ہمارے سامنے ہے۔ "جداگانہ قومیت" کا عقیدہ تو ہمیشہ سے مسلمانوں کے چند در قلوب میں بطور ایک مفروغ عنہ مسئلہ کے مرتسم و متمکن ہے اور کانگرس کے چند سالہ شور و غل سے پہلے کوئی اس پر نظر ثانی کی ضرورت بھی نہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے آخری پیغام صدارت میں جو جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس دہلی کے موقع پر حضرت کی وفات سے نو دن پہلے پڑھا گیا۔ ہندو مسلمان کے دو قوم ہونے کی تصریح موجود ہے۔ کسی شخص نے آج تک اس پر حرف گیری نہیں کی۔"

"ہاں ہندوستان کے مسئلہ کا پاکستانی حل ابتداءً لاہور کی آرام گاہ میں سونے والے ڈاکٹر اقبال مرحومؒ کے قلم سے ۱۹۳۰ء میں سامنے آیا لیکن یہ نام "پاکستان" علامہ اقبال کا تجویز کردہ نہیں بلکہ پیام اقبال کے ایک پُرجوش علمبردار چودھری رحمت علی صاحب نے ۱۹۳۶ء میں اس تجویز کو یہ نام دیا ہے۔ جو آگے چل کر اختصار کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہوگیا تقسیم ہند کی اس تجویز جس کا اصطلاحی نام پاکستان ہے اور جس کا اصل داعی علامہ اقبال مرحومؒ ہے۔ آخر کار تدریجی ترمیم و تغیر کے ساتھ آپ کے اس تاریخی شہر لاہور میں آل انڈیا

مسلم لیگ نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی اور آج پاکستانی جمہور مسلمانانِ ہند کے لیے محض ایک گرمی اور جوش بیدار کرنے والا نعرہ نہیں بلکہ ایک مضبوط اور اٹل سیاسی عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب پاکستان کا نام آنے پر اُن کے دلوں میں جذباتِ مسرت و ابتہاج کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہمارا درخشاں مستقبل گویا ہماری طرف کو تیزی سے بڑھا چلا آرہا ہے۔ مسلمان جب اپنے نصب العین کے متعلق یہ یقین حاصل کرے اور مطمئن ہو جائے کہ اسلامی نقطہ نظر سے وہ صاف، واضح، غیر مبہم اور بے غبار ہے تو اس کے حصول کے لیے اسے کوئی قربانی بھاری نہیں معلوم ہوتی۔ وہ آگ کے طوفان سے کھیلنے اور خون کے دریا میں کودنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کسی دھمکی کو خاطر میں نہیں لاتا اور دلیہ ڈچیل جیسے ناعاقبت اندیش مدعیوں کے چیلنج کو بہت خوشی اور اطمینان کے ساتھ منظور کرتا ہے۔“

WWW.NAFSEISLAM.COM

یوں رقمطراز ہیں:-

”کیا کوئی حساس مسلمان اپنی خوشی سے یہ منظور کر سکتا ہے۔ کہ دس کروڑ فرزندانِ اسلام، انگریز کی جگہ ہندو کے غلام بن کر رہیں یا انگریز ہندو کی ڈبل غلامی کو ہمیشہ کے لیے قبول کریں؟“

مسلم لیگ کا تاریخی فیصلہ

مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ نے ان تمام خطرات وعواقب کا اندازہ لگا کر جو زمانہ ماضی کی رولی ملی سیاست سے پیدا ہو سکتے تھے آخر کار آپ

گے اسی تاریخی شہر میں دو ٹوک فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ہندو و مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں، ان کی سیاست اور مرکز حکومت بھی اب الگ الگ رہنا چاہیے۔ انھوں نے اپنے سب سے بڑے ہادی اور دُنیا کے سب سے بڑے مصلح اور خدا و ند قدوس کے سب سے بڑے پیغمبر کی سیرت طیبہ پر ایک نظر ڈالی جو ہم مختصر اس خطبہ کے آغاز میں آپ کو سُنا چکے ہیں۔ اس کی صاف روشنی میں وہ سمجھ گئے کہ ہندوستان کے اس بر کوچک میں سے ہم کو ایک ایسا خطہ حاصل کر لینا چاہیے جو نسبتاً چھوٹا اور محدود ہی کیوں نہ ہو مگر وہاں ہم پوری آزادی کے ساتھ اپنے آسمانی قانون کے موافق اپنے مذہب، اپنے علوم و معارف، اپنی تاریخی روایات، قومی خصائص اور تہذیب و معاشرت کی حفاظت کر سکیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توفیق و دستگیری سے اس بے مثال قانون عدل و حکمت کا کوئی چھوٹا سا نمونہ قائم کر کے دُنیا کو دکھلا دیں کہ قرآن کی حکومت جبر و استبداد اور ظلم و ستم کی حکومت نہیں۔ بلکہ وہ تمام اقوام اور بزرگان خدا کے لیے انصاف، رواداری، رحمت و رافت اور امن و سلام کا پیغام ہے۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"یہ غیر پاکستانی بے شک ترکِ وطن کر کے نہیں آئے اور وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے قیام سے ہم کو براہ راست وہ نفع نہیں پہنچے گا جو پاکستانی مسلمانوں کو پہنچ سکتا ہے۔ پھر بھی وہ اپنی قوم کے دو تہائی سے زیادہ افراد کی آزادی اور خوشحالی میں حائل ہونا نہیں چاہتے بلکہ بڑے خلوص و شوق سے اُن کی آزادی

میں ساعی ہیں۔ اور اس کے لیے تدبیریں اور دُعائیں کرتے ہیں گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ جس طرح مکہ کے مہاجرین کرام آخر مکہ کے مستضعفین کو وہیں چھوڑ کر اور اللہ کے سپرد کرکے چلے آئے تھے اور اپنے معابد وغیرہ کو بھی ساتھ نہ لے جا سکے تھے۔"

آگے چل کر اپنے ایک مخلص دوست کی تحریر کا جو اُس نے بعض خدشات کے پیش نظر لکھی تھی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اقتباس ملاحظہ ہوں:۔

بہر حال میں سیاسی معاملات میں اس طرح کی خیالی آئیڈیا کو چھوڑ کر تمام غیر مسلم قوموں کا "الکفر ملۃ واحدۃ" کے مطابق ایک ہی بلاک فرض کیے لیتا ہوں۔ تب بھی ستر مسلم اور تیس غیر مسلم فیصدی کا تناسب رہے گا درآں حالیکہ آپ کے بیان کردہ جمعیتی فارمولا کے مطابق سارے ہندوستان کی مرکزی حکومت میں ۴۵ مسلم اور ۵۵ غیر مسلم رہتے ہیں۔ یہ چیز عجائب دہر میں سے ہے کہ ہم ستر فی صدی رہتے ہوئے تو خسارہ میں رہتے ہیں اور جب ۴۵ فیصدی ہو جائیں تو فلاح و کامرانی کے خزانوں کی گویا سب کنجیاں ہمارے ہاتھ میں آجاتی ہیں۔ نیز ہماری صوبجاتی قلیل اکثریت جو آپ کے نزدیک غیر مؤثر اور ناقابل اعتماد ہے متحدہ حکومت کی صورت میں کس طرح مؤثر بن جائے گی۔ جبکہ آویر مرکز میں بھی ہم اقلیت میں ہوں گے۔"

یوں گویا ہوتے ہیں:۔

"ابھی چند روز ہوئے ایک مضمون "پاکستان کی اقتصادی وسیاسی پوزیشن" کے عنوان سے جناب بابو رام شرما نے شائع کرایا ہے۔ جو معلومات سے لبریز ہے اس کا اقتباس بھی ذیل

میں درج کیا جاتا ہے۔

ہمارے صوبوں کی معدنیات

کسی ملک کی اقتصادی حالت کا جائزہ لینے کے لیے بنیادی طور پر تین چیزیں سامنے ہوتی ہیں۔ اول اس ملک کی آبادی، دوسرے معدنیات، تیسرے زرعی پیداوار۔ آبادی کے لحاظ سے شمال مغربی پاکستان کی آبادی تقریباً ۳ ½ کروڑ اور شمال مشرقی پاکستان کی آبادی ۳ ½ کروڑ کے لگ بھگ ہے جو یورپ کے سب سے بڑے ملک روس کو چھوڑ کر یورپ کے تمام ممالک سے زیادہ ہے یعنی سات کروڑ کی آبادی یورپ کے کسی ملک کی بھی نہیں ہے اور غالباً یورپی رشیا (RUSSIA) کی بھی اتنی نہیں ہے۔ اس لیے آبادی کے لحاظ سے پاکستان ایک بہت بڑا طاقتور ملک ہے اور اس کے باشندے نہایت خوب صورت، لمبے، مضبوط اور سڈول جسم کے ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ فوج میں ساٹھ فیصدی بھرتی اسی خطۂ پاکستان سے لی جاتی ہے اس کی آبادی قدرتی طور پر سپاہی ہے اور اس سات کروڑ آبادی میں سے تقریباً دو کروڑ فوج تیار ہو سکتی ہے۔ معدنیات کے لحاظ سے ہمالیہ پہاڑ کا بیشتر حصہ پاکستان میں سے گزرتا ہے۔ جو ریسرچ کرنے پر معدنیات سے بھرپور ہے۔ نمک (کھیوڑہ) اور مٹی کا تیل (اٹک) پنجاب میں کافی مقدار میں موجود ہے اور سیمنٹ کے لیے بھی یہاں بہت بڑا وسیع میدان ہے۔ کوئلہ کی کمی مشرقی بنگال سے پوری کی جا سکتی ہے جہاں ہائیڈرو الیکٹرک پاور دنیا کی بہت بڑی الیکٹرک پاور زمیں

سے ایک ہے جس سے نیشنل لائن پر بہت بڑا کام لیا جا سکتا ہے جو پاکستانی باشندوں کے لیے بہت بڑی خوشحالی کا باعث بن سکتی ہے۔ عمارتی لکڑی پنجاب میں ضرورت سے بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے اس لیے معدنیات کے اعتبار سے پاکستان کا علاقہ کچھ کم زرخیز نہیں ہے۔ زرعی اعتبار سے پاکستان دُنیا کا بہترین خطہ ہے۔ پاکستان آج بھی دُنیا کا بہت بڑا گندم پیدا کرنے والا ملک ہے حالانکہ ابھی سائنٹیفک طور پر نیشنل طریقہ پر گندم کی کاشت کا کوئی انتظام نہیں۔ اگر سائنٹیفک اور نیشنل طریقہ پر گندم کی کاشت کا انتظام کر لیا جائے اور اس کے خشک علاقوں میں آبپاشی کا انتظام ہو جائے تو یقیناً پاکستان دُنیا میں سب سے زیادہ گندم پیدا کرنے والا ملک ہو سکتا ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ پاکستانی حکومت ایسے ہاتھوں میں جانے ہی کیوں دیتے ہیں۔ یہ قصور تو آپ کا ہے۔ آج اگر تمام علماء و زعماء لیگ میں آ جائیں اور لاکھوں صحیح الخیال و صحیح العقیدہ مسلمانوں کو اس کا ممبر بنائیں۔ پھر اکثریت آپ کی ہوگی۔ آپ ہر طرح کی اصلاح جمہور کی طاقت کو ساتھ لے کر کر سکیں گے اور ناقابل اصلاح ہونے کی تقدیر پر ناسد عنصر کو نکال باہر کریں گے بہرحال اُن مشکلات کا واحد حل یہی ہے ورنہ کیا ہندو اکثریت کی حکومت سے آپ یہ اُمید کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے دین و مذہب کے تحفظ کی ضامن و کفیل ہوگی۔ اگر کلمہ پڑھنے والوں سے آپ اپنی مذہبی بات نہیں منوا سکتے تو کھلے ہوئے کافروں سے کس طرح تسلیم کرائیں گے!

کانگریسی وزارتوں کے زمانہ میں جو دردناک مظالم ہوئے

(پاکستان کے مسلمان اور ہندوستان کے ہندو) کے لیے آبرو مندانہ زندگی کا تحفظ کرے گا اور دونوں کو برطانوی شہنشاہیت کا آلۂ کار رہنے سے بچائے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہم مسلمانوں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہوجانا سیاسی موت کے مترادف ہوگا۔"

ملی خودکشی کے معنی؟

کیا تاریخ عالم میں ایسی ایک بھی مثال ملتی ہے کہ ایک قوم نے ہمسایہ قوم کے اتحاد کے لیے ملی خودکشی کی ہو۔ شکست ایک بڑی چیز ہے۔ لیکن بغیر مقابلہ کے ہتھیار ڈال دینا گناہ عظیم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انگریزی راج اور ہندو وطن پرستی اپنی مخصوص مصالح کی خاطر ہم سے متحدہ ہندوستان کے نام پر قومی خودکشی کی توقع رکھتی ہے لیکن ایسا ہونا تبدیل محالات سے ہے۔ ہندوستان کو متحدہ کرنا علیحدہ بات ہے لیکن پاکستان کو غصب کرنا اور بات۔ یہ ہم کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم کشمکش حیات میں چند در چند مصائب میں مبتلا ہیں۔ لیکن یہ درخشاں حقیقت ہم فراموش نہیں کر سکتے۔ کہ ہمارے آباؤ اجداد نے اس سرزمین میں ان سے کہیں زیادہ عظیم الشان مصائب کا نہایت جواں مردی اور کامیابی سے مقابلہ کیا تھا۔ ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے۔ اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لیے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں

(پاکستان کے مسلمان اور ہندوستان کے ہندو) کے لیے آبرومندانہ زندگی کا تحفظ کرے گا اور دونوں کو برطانوی شہنشاہیت کا آلۂ کار بننے سے بچائے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہم مسلمانوں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہو جانا سیاسی موت کے مترادف ہوگا۔"

ملی خودکشی کے معنی؟

"کیا تاریخ عالم میں ایسی ایک بھی مثال ملتی ہے کہ ایک قوم نے ہمسایہ قوم کے اتحاد کے لیے ملی خودکشی کی ہو۔ شکست ایک بری چیز ہے۔ لیکن بغیر مقابلہ کے ہتھیار ڈال دینا گناہ عظیم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کانگریس راج اور ہندو وطن پرستی اپنی مخصوص مصالح کی خاطر ہم سے متحدہ ہندوستان کے نام پر قومی خودکشی کی توقع رکھتی ہے لیکن ایسا ہونا تخیل محالات سے ہے۔ ہندوستان کو متحدہ کرنا علیحدہ بات ہے لیکن پاکستان کو غصب کرنا اور بات۔ یہ ہم کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم کشمکش حیات میں چند در چند مصائب میں مبتلا ہیں۔ لیکن یہ درخشاں حقیقت ہم فراموش نہیں کر سکتے۔ کہ ہمارے آباؤ اجداد نے اس سرزمین میں ان سے کہیں زیادہ عظیم الشان مصائب کا نہایت جواں مردی اور کامیابی سے مقابلہ کیا تھا۔ ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے۔ اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لیے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح

نصب العین ممکن ہے بتدریج حاصل ہوتا ہم ہر دوسرا قدم جو اٹھایا جائے گا۔ انشاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین کے قریب تر کرے گا۔ ہاں اس موقع پر میں یہ کہنے کی جرأت ضرور کروں گا۔ کہ پاکستان بنانے والوں کے لیے بہت ضروری ہے۔ کہ وہ پہلے خود پاک بنیں"

مسلم لیگ کی درخشاں کامیابی

الحمد للہ والمنۃ کہ سنٹرل اسمبلی کے انتخابات میں انھوں نے بہت ہی صاف طور پر اس کا ثبوت پیش کر دیا اب وہ دوسرا مرحلہ شروع ہے اور محض تائید ایزدی سے آثار ایسے پیدا ہیں کہ اس مرحلہ پر بھی ہمارا یہ دعویٰ جھوٹا ثابت نہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ اس ایک دو ماہ میں مسلمان چین سے نہ بیٹھیں اور ہر فرد مسلم اپنی اپنی جگہ مطالبۂ پاکستان کو حق بجانب ظاہر کرنے کے لیے ہر امکانی کوشش عمل میں لائے۔ کاش ہر مسلمان اس مطالبہ سے علیحدہ ہیں وہ بھی اس وقت متفق ہوتے یا کم از کم برسر پیکار نہ ہوتے تو بسہولت اور بلا اونیٰ مقابلہ کے ہمارا یہ قومی نصب العین انگریز اور ہندو دونوں سے تسلیم کرایا جا سکتا خصوصیت کے ساتھ ہمارے احرار بھائی پہلے مسلم لیگ کے ساتھ ہو کر ہندوستان میں کوئی مناسب زمین حاصل کر لیتے پھر وہاں حکومت الٰہیہ کی مضبوط عمارت بنوانے کی خدمت پوری قوت کے ساتھ انجام دیتے افسوس کہ ایسا نہ ہوا!!

ہمارا قومی نعرہ

اس موقع پر ہمارا قومی نعرہ وہی ہوگا۔ جو روہیلکھنڈ کے آخری ہیرو حافظ رحمت خان نے اپنے تاریخی خط میں شجاع الدولہ کو لکھا تھا کہ ــــ

نصب العین ممکن ہے بتدریج حاصل ہو تاہم ہر دو صورت قدم جو
اٹھایا جائے گا۔ انشاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس
محبوب نصب العین کے قریب تر کرے گا۔ ہاں اس موقع پر
میں یہ کہنے کی جرأت ضرور کروں گا۔ کہ پاکستان بنانے والوں کے
لیے بہت ضروری ہے۔ کہ وہ پہلے خود پاک بنیں۔"

مسلم لیگ کی درخشاں کامیابی

الحمد للہ والمنۃ کہ سنٹرل اسمبلی کے انتخابات میں انھوں نے بہت ہی صاف طور پر اس کا ثبوت پیش کر دیا اب دوسرا مرحلہ شروع ہے اور محض تائید ربانی سے آثار ایسے پیدا ہیں کہ اس مرحلہ پر بھی ہمارا یہ دعویٰ جھوٹا ثابت نہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ اس ایک دو ماہ میں مسلمان چین سے نہ بیٹھیں اور سرفرد مسلم اپنی اپنی جگہ مطالبۂ پاکستان کو حق بجانب ظاہر کرنے کے لیے ہر امکانی کوشش عمل میں لائے۔ کاش جو مسلمان اس مطالبہ سے علیحدہ ہیں وہ بھی اس وقت متفق ہوتے یا کم از کم برسرپیکار نہ ہوتے تو بسہولت اور بلا ادنیٰ مقابلہ کے ہمارا یہ قومی نصب العین انگریز اور ہندو دونوں سے تسلیم کرایا جا سکتا خصوصیت کے ساتھ ہمارے احرار بھائی پہلے مسلم لیگ کے ساتھ ہو کر ہندوستان میں کوئی مناسب زمین حاصل کر لیتے پھر وہاں حکومت الٰہیہ کی مضبوط عمارت بنوانے کی خدمت پوری قوت کے ساتھ انجام دیتے افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔"

ہمارا قومی نعرہ

اس موقع پر ہمارا قومی نعرہ وہی ہوگا۔ جو روہیلکھنڈ کے آخری ہیرو حافظ رحمت خان نے اپنے تاریخی خط میں شجاع الدولہ کو لکھا تھا کہ ؎

قسم کا معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اس نے عملاً ایک سخت ذہنیت اختیار کر لی ہے۔ کیا پنجاب میں کوئی سمجھدار دور اندیش ایسا نہیں۔ جو اختلافات کی اس گتھی کو سلجھا سکے۔ اوس خراج کی ایک سو بیس سالہ جنگ کے اثرات کو اسلام کی روحانی تاثیر نے ایک آن میں ختم کر دیا تھا کیا آج ہمارا مشترک جذبۂ اسلامیت اور ملی قومی مفاد کا تصور ایسے حقیر نزاعات کو ایسے نازک موقع پر ختم نہیں کر سکتا۔ ضرور کر سکتا ہے۔ مگر وہ ختم کرنا اسی خداوند قدوس کے نام پر ممکن ہوگا۔ جس کا واسطہ دینا انگلش کے زمانہ میں جرم قرار دے دیا گیا۔ اکبر مرحوم نے شاید اسی دن کے لیے کہا تھا ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانہ میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

اب فرمایئے کہ اگر کیبنٹ ہمارا خضر بن جائے۔ اور خضر ہی راستہ سے ہٹانے لگے۔ تو صحیح رہنمائی کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔

بحمدہٖ خدا کا شکر کہ مسلمانوں نے یہ سیاسی مہم سر کرنے کے لیے اپنا رہنما چن لیا ہے۔ جس نے عظیم ترین قومی تنظیم کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں بیش از بیش خدمت دین و ملت کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے اور اپنی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

(شبیر احمد عثمانی دیوبندی)
۱۹۴۶ء

مجلس استقبالیہ جمعیۃ علمائے اسلام کانفرنس پنجاب ۔ ۔ ۔
شائع کردہ خانصاحب چوہدری عبدالکریم جنرل سیکرٹری تعلقدار نگھہ لاہور

قسم کا معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اس نے عملاً ایک سخت نوعیت اختیار کر لی ہے۔ کیا پنجاب میں کوئی سمجھدار اور بااثر ایسا نہیں۔ جو اختلافات کی اس گتھی کو سلجھا سکے۔ افسوس خواجہ کی ایک سو بیس سالہ جنگ کے اثرات کو اسلام کی روحانی تاثیر نے ایک آن میں ختم کر دیا تھا کیا آج ہمارا مشترک جذبۂ اسلامیت اور اعلیٰ قومی مفاد کا تصور ایسے حقیر نزاعات کو ایسے نازک موقع پر ختم نہیں کر سکتا۔ ضرور کر سکتا ہے۔ مگر وہ ختم کرنا اسی خداوند قدوس کے نام پر ممکن ہوگا۔ جس کا واسطہ دینا الیکشن کے زمانہ میں جرم قرار دے دیا گیا۔ اکبر مرحوم نے شاید اسی دن کے لیے کہا تھا ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانہ میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

اب فرمایئے کہ اگر گیلپی ہمارا خضر بن جائے۔ اور خضر راہ ہی راستہ سے ہٹانے لگے۔ تو صحیح رہنمائی کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔

الحمد للہ خدا کا شکر کہ مسلمانوں نے یہ سیاسی مہم سر کرنے کے لیے اپنا رہنما چن لیا ہے۔ جس نے عظیم ترین قومی تنظیم کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں بیش از بیش خدمت دین و ملت کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے اور اپنی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

(شبیر احمد عثمانی دیوبندی)
١٩٤٦ء

مجلس استقبالیہ جمعیۃ علمائے اسلام کانفرنس پنجاب و سرحد و دہلی
شائع کردہ خانصاحب چوہدری عبد الکریم جنرل سیکرٹری تعلقہ گڑھ لاہور

اور "انہ لانبی بعدی" کی تعلیم نبوی کا۔ اور یہی مقصود ہے قرآن پاک کی آیت وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ وما جعلنا القبلۃ التی الخ کے نص قطعی کا، جو امت محمدیہ کو امۃ وسطا اور ساری انسانیت کے لیے نمونہ اور گواہ قرار دیتی ہے اور رسولؐ کو امت کے لیے نمونہ و گواہ قرار دیتی ہے اور جس کا مرکز قومیت و ملت کے لیے ایک عالمگیر قبلہ، کعبہ مکرمہ کو قرار دیتی ہے۔

"موتمر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام یہ اعلان کرتی ہے کہ دو قوموں کا نظریہ در اصل اسلام کا اعلان ہے۔ اور کسی انسان کی ایجاد نہیں ہے۔ بنا بریں یہ اجلاس دس کروڑ مسلمانان ہند کو دوسری غیر مسلم اقوام ہند کے مقابلہ میں ایک مستقل قومیت یقین کرتا ہے۔ لیکن ایسی قومیت جس کی بنیاد اسلامی ملت اور اسلامی شریعت حقہ کے اصول پر قائم ہے نہ رنگ، نسل و وطن و مرز بوم یا کسی مادی اساس پر۔"

۲۔ عالمگیر خلافت اسلامی علیٰ منہاج نبوت محمدی کا نصب العین

"موتمر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام (آل انڈیا جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس) کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ ملت اسلامیہ کا سیاسی و دینی نصب العین عالمگیر خلافت اسلامی علیٰ منہاج نبوت محمدی کی تاسیس اور شریعت اسلامیہ کے نظام کا قیام ہے۔ اور لازم و ضروری ہے کہ مسلمان انفرادی

اور "انہ لانبی بعدی" کی تعلیم نبوی کا۔ اور یہی مقصود ہے قرآن پاک کی آیت وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ وما جعلنا القبلۃ التی الخ کے نص قطعی کا، جو امّت محمّدیہ کو امۃ وسطا اور ساری انسانیت کے لیے نمونہ اور گواہ قرار دیتی ہے اور رسولؐ کو امّت کے لیے نمونہ و گواہ قرار دیتی ہے اور جس کا مرکز قومیت و ملّت کے لیے ایک عالمگیر قبلہ، کعبہ مکرمہ کو قرار دیتی ہے۔

"موتمر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام یہ اعلان کرتی ہے کہ دو قوموں کا نظریہ دراصل اسلام کا اعلان ہے۔ اور کسی انسان کی ایجاد نہیں ہے۔ بنا بریں یہ اجلاس دس کروڑ مسلمانانِ ہند کو دوسری غیر مسلم اقوام ہند کے مقابلہ میں ایک مستقل قومیت یقین کرتا ہے۔ لیکن ایسی قومیت جس کی بنیاد اسلامی ملّت اور اسلامی شریعت حقہ کے اصول پر قائم ہے نہ رنگ و نسل و وطن و مرز بوم یا کسی مادی اساس پر۔"

۲۔ عالمگیر خلافت اسلامی علیٰ منہاج نبوّت محمّدی کا نصب العین

"موتمر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام (آل انڈیا جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس) کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ ملّت اسلامیہ کا سیاسی و دینی نصب العین عالمگیر خلافت اسلامی علیٰ منہاج نبوّت محمّدی کی تاسیس اور شریعت اسلامیہ کے نظام کا قیام ہے۔ اور لازم و ضروری ہے کہ مسلمان انفرادی

اجلاس ان خدمات جلیلہ کا پُرزور اعتراف کرتا ہے جو گذشتہ سالوں میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ملت اسلامیہ ہند کے ملی انفراد و استقلال کو قائم کرنے اور مسلمانوں کو بہ حیثیت مسلمان ایک مستقل قوم کی حیثیت سے کھڑا کرنے اور استقلال اسلام کا اعلان کرنے کے لیے ساری قوم کو جمہوری اساس پر منظم کرنے اور مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں جد وجہد جاری کرنے کے لیے نہایت درجہ حوصلہ شکن حالات میں انجام دی ہیں ملت اسلامیہ کی تنظیم اور مدافعت اور اس کے استقلال کے لیے مسلم لیگ اور اس کے صدر محترم محبّ ملت جناب محمد علی جناح کی یہ خدمات تاریخی حیثیت حاصل کر چکی ہیں اور یہ اجلاس ملت اسلامیہ اور اس کے علماء و مشائخ کی طرف سے ان کی خدمت میں مخلصانہ شکریہ پیش کرتا ہے۔ ان کو اپنی محبت و ہمدردی اور عملی تائید کا یقین دلاتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ ان کی عمر، محنت، ایمان اور عزم میں برکت دے اور ان کو زیادہ سے زیادہ ملت کی خدمت کی توفیق دے۔

۴۔ مسلم لیگ مسلم ہند کی نمائندہ ہے

آل انڈیا جمعیۃ علماء اسلام کا

یہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ کو ملت اسلامیہ ہند کی واحد نمائندہ سیاسی، قومی مجلس اور سیاسی ترجمان تسلیم کرتا ہے اور تمام برادران اسلام سے عموماً اور علماء و مشائخ سے خصوصاً درخواست کرتا ہے کہ وہ مسلم لیگ اور اس کے اصول حقہ کی ہر طرح تائید فرمائیں اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اور آواز کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔

اجلاس اُن خدمات جلیلہ کا پُرزور اعتراف کرتا ہے جو گزشتہ سالوں میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ملّت اسلامیہ ہند کے ملی انفراد و استقلال کو قائم کرنے اور مسلمانوں کو بہ حیثیت مسلمان ایک مستقل قوم کی حیثیت سے کھڑا کرنے اور استقلال اسلام کا اعلان کرنے کے لیے ساری قوم کو جمہوری اساس پر منظم کرنے اور مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں جد وجہد جاری کرنے کے لیے نہایت درجہ حوصلہ شکن حالات میں انجام دی ہیں ملّت اسلامیہ کی تنظیم اور مدافعت اور اس کے استقلال کے لیے مسلم لیگ اور اس کے صدر محترم محبوب ملّت جناب محمد علی جناح کی یہ خدمات تاریخی حیثیت حاصل کر چکی ہیں اور یہ اجلاس ملّت اسلامیہ اور اس کے علماء و مشائخ کی طرف سے ان کی خدمت میں مخلصانہ شکریہ پیش کرتا ہے۔ ان کو اپنی محبت و ہمدردی اور عملی تائید کا یقین دلاتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ اللہ ان کی عمر، صحت، ایمان اور عزم میں برکت دے اور ان کو زیادہ سے زیادہ ملّت کی خدمت کی توفیق دے۔

آل انڈیا جمعیۃ علماء اسلام کا

۲۔ مسلم لیگ مسلم ہند کی نمائندہ ہے

یہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ کو ملّت اسلامیہ ہند کی واحد نمائندہ سیاسی، قومی مجلس اور سیاسی ترجمان تسلیم کرتا ہے اور تمام برادران اسلام سے عموماً اور علماء و مشائخ سے خصوصاً درخواست کرتا ہے کہ وہ مسلم لیگ اور اس کے اصول حقہ کی ہر طرح تائید فرمائیں اور مسلمانوں کی اجتماعی و ملی آواز کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔

موصوف مولانا حسین احمد صاحب کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے
لکھتے ہیں کہ وہ

"مسلم لیگ کی شرکت کو احکام شریعت کے خلاف قرار
دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ انھوں نے اس کے کیا دلائل شرعیہ
پیش کیے ہیں؟ محض کسی عالم کے اتنا لکھ دینے سے کہ فلاں چیز
ناجائز ہے دوسرے علماء کیسے کیسے ساکت ہو سکتے ہیں؟ دلائل
سامنے ہوں تو ان پر کہا جائے مجھے تو عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم
نہیں ہوتی۔ غلطیاں اور کوتاہیاں کس جماعت اور کس شخص سے
نہیں ہوتیں۔ ہمارے بڑے بڑے مقدس ادارے بھی اس
سے مستثنیٰ نہیں لیکن یہ چیز اس کا سبب نہیں بن سکتی کہ ان سے
ہی شرکت ہی حرام ہو جائے تاوقتیکہ اس کے فوائد اور منافع اس
کے مفاسد اور نقصانات سے زائد ہوں۔

مسلم قوم کی مستقل ہستی لیگ نے منوائی

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمام امور سے قطع نظر
کر کے اگر لیگ کے وجود سے اتنا کام ہو گیا کہ مسلم قوم کی مستقل ہستی
اور اس کی غیر مخلوط صاف آواز ہر انگریز اور ہندو دونوں کے
نزدیک تسلیم ہو گئی اور تھوڑی سی مدت میں ہندو بہت زیادہ [illegible]
اٹھائے دنیا نے ہندوستان کے اندر ایک تیسری طاقت کے
وجود کا اعتراف کر لیا۔ بلکہ لیگ اور کانگرس صلح یا جنگ کے ہر
معاملہ میں ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑا کیا جانے لگا تو کیا
یہ فائدہ شرعی اور سیاسی نقطۂ نظر سے کچھ کم ہے؟"

رہبر دکن حیدرآباد دکن
مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء

موصوف مولانا حسین احمد صاحب کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ

"مسلم لیگ کی شرکت کو احکام شریعت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ انھوں نے اس کے کیا دلائل شرعیہ پیش کیے ہیں! محض کسی عالم کے اتنا لکھ دینے سے کہ فلاں چیز ناجائز ہے دوسرے علماء کے پیچھے کیسے ساکت ہو سکتے ہیں! دلائل سامنے ہوں تو ان پر کہا جائے مجھے تو عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ غلطیاں اور کوتاہیاں کس جماعت اور کس شخص سے نہیں ہوتیں۔ ہمارے بڑے بڑے مقدس ادارے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں لیکن یہ چیز اس کا سبب نہیں بن سکتی کہ اداروں میں شرکت ہی حرام ہو جائے حالانکہ اس کے فوائد اور منافع اس کے مفاسد اور نقصانات سے زائد ہوں۔

مسلم قوم کی مستقل ہستی لیگ نے منوائی

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمام امور سے قطع نظر کرکے اگر لیگ کے وجود سے اتنا کام ہو گیا کہ مسلم قوم کی مستقل ہستی اور اس کی غیر مخلوط صاف آواز ہر انگریز اور ہندو دونوں کے نزدیک تسلیم ہو گئی اور تھوڑی سی مدت میں باوجود بہت زیادہ مخالفت اٹھانے کے دنیا نے ہندوستان کے اندر ایک تیسری طاقت کے وجود کا اعتراف کر لیا۔ بلکہ لیگ اور کانگرس صلح یا جنگ کے ہر معاملہ میں ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑا کیا جانے لگا تو کیا یہ فائدہ شرعی اور سیاسی نقطۂ نظر سے کچھ کم ہے؟"

رہبر دکن حیدرآباد دکن

مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء

میں نے ترتیب وار چارج لگانے شروع کیے۔ کانگریس کا روپیہ ساٹھ ہزار، دس ہزار کی ایک قسط اور پچاس ہزار کی دوسری قسط۔ آورپونیلسٹ پارٹی ——! ابھی فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ مولانا غلام غوث نے ایک ایک شق پر زور دیا کچھ دیر تو سناٹا چھایا رہا۔ پھر سکوت ٹوٹا۔ مولانا نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت اُن کے ذہن میں صحیح یاد نہیں کہ یہ رقم کتنی ہے، بات صبح پر ملتوی ہو گئی۔ مجھے صاحبزادہ فیض الحسن شاہ، مولانا مظہر علی اظہر کے مکان پر لے گئے۔ رات وہیں کاٹی۔ مولانا اس افشا کو برا خیال کرتے تھے اور مضطرب بھی تھے۔ لیکن وہ اخفا کے حق میں تھے۔ میں نے عرض کیا۔ جب تمام رُخ آپ سے روپیہ لے چکے ہیں تو پھر وہ معصوم حسن اتفاقیوں بنتے ہیں؟ رات جوں توں گزری سو گزری — صبح پھر وہی بحث، صاحبزادہ صاحب نے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں یہ کہہ دیا کہ شورش اپنے الزام واپس لیتا ہے۔ میں موجود نہ تھا — جب پہنچا تو مجھے حیرت ہوئی، خیر دوبارہ وہی قصہ چھڑ گیا۔ مولانا مظہر علی نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے۔ لیکن اس کے سزاوار وہ تنہا نہیں بلکہ باقاعدہ مشورہ سے رقم قبول کی گئی ہے۔ پہلا دس ہزار روپیہ مولانا داؤد غزنوی نے دیا تھا اور شیخ حسام الدین اُس وقت موجود تھے۔ دوسری قسط بھی انہی حضرات کے مشورے سے حاصل کی گئی۔ یعنی شیخ حسام الدین نے مولانا حبیب الرحمٰن کو لدھیانہ خط لکھا کہ وہ کلکتہ میں کانگرس ہائی کمانڈ تک پہنچیں۔ یہ خط لے کر خاقان بابر، مولانا مظہر علی کے صاحبزادے لدھیانہ پہنچے۔ مولانا حبیب الرحمٰن کلکتہ گئے۔ مولانا ابوالکلام ایک لاکھ روپے کے لگ بھگ رقم دینے کو تیار ہو گئے مگر سردار

میں نے ترتیب وار چارج لگانے شروع کیے۔ کانگریس کا روپیہ ساٹھ ہزار۔ دس ہزار کی ایک قسط اور پچاس ہزار کی دوسری قسط۔ اور یونینسٹ پارٹی ۔۔۔۔ ! ابھی فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ مولانا غلام غوث نے ایک ایک شق پر زور دیا کچھ دیر تو سناٹا چھایا رہا۔ پھر سکوت ٹوٹا۔ مولانا نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت اُن کے ذہن میں صحیح یاد نہیں کہ یہ رقم کتنی ہے۔ بات صبح پر ملتوی ہوگئی۔ مجھے صاحبزادہ فیض الحسن شاہ، مولانا مظہر علی اظہر کے مکان پر لے گئے۔ رات وہیں کاٹی۔ مولانا اس انکشاف کو برا خیال کرتے تھے اور مضطرب بھی تھے۔ لیکن وہ اِخفا کے حق میں تھے۔ میں نے عرض کیا۔ جب تمام لوگ آپ سے روپے لیتے ہیں تو پھر وہ معصوم عن الخطا کیوں بنتے ہیں؟ رات جوں توں گزری سو گزری۔ صبح پھر جب بحث، صاحبزادہ صاحب نے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس عام میں یہ کہہ دیا کہ شورش اپنے الزام واپس لیتا ہے۔ میں موجود نہ تھا۔ جب پہنچا تو مجھے حیرت ہوئی، خیر دوبارہ وہی قصہ چھڑ گیا۔ مولانا مظہر علی نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے۔ لیکن اس کے سزاوار وہ تنہا نہیں بلکہ باقاعدہ مشورے سے رقم قبول کی گئی ہے۔ پہلا دس ہزار روپیہ مولانا داؤد غزنوی نے دیا تھا اور شیخ حسام الدین اُس وقت موجود تھے۔ دوسری قسط بھی انہی حضرات کے مشورے سے حاصل کی گئی۔ یعنی شیخ حسام الدین نے مولانا حبیب الرحمٰن کو لدھیانہ خط لکھا کہ وہ کلکتہ میں کانگریس ہائی کمانڈ تک پہنچیں۔ یہ خط لے کر خان ابراہیم مولانا مظہر علی کے صاحبزادے لدھیانہ پہنچے۔ مولانا حبیب الرحمٰن کلکتہ گئے۔ مولانا ابوالکلام ایک لاکھ روپے کے لگ بھگ رقم دینے کو تیار ہو گئے مگر شرار

مُراسلاتِ سیاسیہ

یعنی

جانشین شیخ الہند حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہ العالی

کے نام

سیاسیات حاضرہ کے متعلق چودہ استفساری خطوط اور حضرت ممدوح

کے مدلل جوابات

شائع کردہ محکمہ نشر و اشاعت آل انڈیا مسلم لیگ (دہلی)

قیمت آٹھ آنے

مسلم لیگ پرنٹنگ پریس دہلی

مندرجہ بالا پمفلٹ پروفیسر مولانا انوار الحسن صاحب اسلامیہ کالج لائل پور سے اس وقت ہمیں ملا جب کتاب پریس میں جاچکی تھی اور پروف بھی دیکھا جاچکا تھا۔ اس ذخیرہ کی اہمیت نے مجبور کیا کہ اسے بھی درج کتاب کیا جائے۔ پروفیسر صاحب ان خطوط کو بہ کمال و تمام شائع کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہم اس مقام پر انھیں اقتباساً پیش کر رہے ہیں۔ قارئین کرام علامہ عثمانی کی حسن و فصاحت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے کہ انھوں نے کس فہم و فراست اور علم و تدبر سے نیشنلسٹ علما کو راہ راست پر لانے اور مسلمانوں کو ان کے غلط نظریات و تصورات سے بچانے کی سعی فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

سوالات از حکیم سعید الدین صاحب بہاری

محترم المقام حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

گذارش یہ ہے کہ کل ہند جمعیۃ علمائے اسلام کانفرنس کے اجلاس کلکتہ

مُراسلاتِ سیاسیہ

یعنی

جانشین شیخ الہند حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہ العالی

کے نام

سیاسیات حاضرہ کے متعلق چودہ استفساری خطوط اور حضرت ممدوح

کے مدلل جوابات

شائع کردہ شعبہ نشر و اشاعت آل انڈیا مسلم لیگ (دہلی)

قیمت آٹھ آنے

مسلم لیگ پرنٹنگ پریس دہلی

مندرجہ بالا پمفلٹ پروفیسر مولانا انوار الحسن صاحب اسلامیہ کالج لائل پور سے اس وقت ہمیں ملا جب کتاب پریس میں جا چکی تھی اور پروف بھی دیکھا جا چکا تھا۔ اس ذخیرہ کی اہمیت نے مجبور کیا کہ اسے بھی درج کتاب کیا جائے۔ پروفیسر صاحب ان خطوط کو بہ کمال و تمام شائع کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہم اس مقام پر انھیں اقتباساً پیش کر رہے ہیں۔ قارئین کرام علامہ عثمانی کی حسن وضاحت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکیں گے کہ انھوں نے کس فہم و فراست اور علم و تدبر سے نیشنلسٹ علما کو راہ راست پر لانے اور مسلمانوں کو ان کے غلط نظریات و تصورات سے بچانے کی سعی فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

سوالات از اکیم سعید الدین صاحب بہاری

محترم المقام حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

گذارش ہے کہ کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کے اجلاس کلکتہ

سیشن کے بعد آودھرے جوائنٹ کی دعوت دی گئی تھی۔ بیں نے لکھ دیا ہے کہ اب میں اس کا رکن بننا پسند نہیں کرتا۔"

نیز مولانا نے فرمایا:۔

"غیر قوموں کی تقسیم اس سے زیادہ صاف اور واضح کسی دوسرے ملک میں کہاں مل سکتی ہے کہ ایک قوم پر دوسری قوم کا اگر سایہ پڑ جائے تو وہ شودروں اور کتوں سے زیادہ ۔۔۔۔۔ اسے نجس سمجھتی ہے اور لطف یہ ہے کہ مسٹر گاندھی نے اچھوت سدھار کی اتنی جان توڑ کوشش کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ اس چھوت چھات کو دور کرنے کا کبھی ہلکا سا اشارہ بھی اپنی قوم کو نہیں کیا۔" (صفحہ ۱ تا ۸)

سوالات از مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی امرتسری

حضرت مخدومنا مولانا المکرم مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی

"آج روزنامہ نوائے وقت لاہور میں آپ کا ایک اعلان نظر سے گزرا جس میں آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ اس اعلان میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"مسلم لیگ مسلمانوں کے لئے سفینۂ نجات ہے"

یقین نہیں آتا کہ یہ اعلان آپ ہی کی طرف سے ہو گر فی الواقع یہ آپ ہی کا اعلان ہے تو میں اس کے متعلق چند گزارشات پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں امید ہے جواب باصواب سے مجھے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

"آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلم لیگ کے ممبر کمیونسٹ بھی ہیں اور کمیونزم کی بنیاد دہریت اور عداوتِ مذہب پر قائم ہے۔ مرزائی بھی لیگ

"میشن کے بعد آدھرسے جو زکینیٹ کی دعوت دی گئی تھی۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اب میں اس کا رکن بننا پسند نہیں کرتا۔"

نیز مولانا نے فرمایا:۔

"نیز قوموں کی تقسیم اس سے زیادہ صاف اور واضح کسی دوسرے ملک میں کہاں مل سکتی ہے کہ ایک قوم پر دوسری قوم کا اگر سایہ پڑ جائے تو وہ شودروں اور کتوں سے زیادہ ۔۔ ۔ ۔ ۔ اسے نجس سمجھتی ہے اور لطف یہ ہے کہ مسٹر گاندھی نے اچھوت سدھار کی انتہائی جان توڑ کوشش کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ اس چھوت چھات کو دور کرنے کا کبھی ہلکا سا اشارہ بھی اپنی قوم کو نہیں کیا۔" (صفحہ ۷ تا ۸)

سوالات از مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی امرتسری

حضرت مخدومنا و مولانا الکرم مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج گرامی

"آج روزنامہ نوائے وقت لاہور میں آپ کا ایک اعلان نظر سے گزرا جس میں آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ اس اعلان میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"مسلم لیگ مسلمانوں کے لئے سفینۂ نجات ہے"

یقین نہیں آتا کہ یہ اعلان آپ ہی کی طرف سے ہو اگر فی الواقع یہ آپ ہی کا اعلان ہے تو میں اس کے متعلق چند گزارشات پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں امید ہے جواب باصواب سے مجھے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

"آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلم لیگ کے ممبر کمیونسٹ بھی ہیں اور کمیونزم کی بنیاد ہی دہریت اور عداوت مذہب پر قائم ہے۔ مرزائی بھی لیگ

تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ جنگ دفع شر کفر اور اظہار اسلام کے لیے ہوگی اور اس میں اعلائے کلمۃ الشاور اثبات اصل طریق ہے۔ دیکھو شرح السیر الکبیر للسرخسی صفحہ ۲۳۱ ج۳۔"

"ایک چیز اور بھی ملحوظ خاطر رہے۔ کہ یہ مرتدین و ملحدین اس طرح کے نہیں جو نفس کلمۂ اسلام ہی سے اعلانیہ بیزار ہوں۔ وہ بھی برعم خود مشرکین سے اسی نام پر لڑتے ہیں کہ مشرکین کے غلبہ و تسلط سے مسلم قوم کو بچایا جائے اور کلمۂ اسلام کو ان کے مقابلہ میں پست نہ ہونے دیا جائے اور مسلمانوں کے قومی و ملی استقلال کی حفاظت ہو۔"

"نیز کانگریس میں ہر قسم کے لوگ بے شمار ہندو، عیسائی، سکھ، مرتد، دہریے اور اگر چاہیں تو قادیانی بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ (یعنی کسی کے لیے ممانعت نہیں) کیا محض سیاست کے حیلے ایسی جماعت کی شرکت جناب کے خیال میں درست ہے۔ کیا جناب بھی توجہ فرمائیں گے۔" (صفحہ نمبر ۱۰۲)

(شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۹ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ ۔ ۱۵ نومبر ۱۹۴۵ء)

مکتوب (۴)

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا خط

۷۸۶

حبیب روڈ لدھیانہ
۱۷ نومبر ۱۹۴۵ء

"حضرت استاذ المکرم علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ جو فتوےٰ قتل کے جواز میں کلکتہ میں تیار کیا گیا ہے اس پر آپ کے دستخط دیکھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس دنیا

تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ جنگ دفع فتنۂ کفر اور اظہار اسلام کے لیے ہوگی اور اس میں اعلاء کلمۃ اللہ اور اثبات اصل طریق ہے۔ دیکھو شرح السیر الکبیر للسرخسی صفحہ ۲۲۱/۳"

"ایک چیز اور بھی ملحوظ خاطر رہے۔ کہ یہ مرتدین و ملحدین اس طرح کے نہیں جو نفس کلمۂ اسلام ہی سے اعلانیہ بیزار ہوں وہ بھی بزعم خود مشرکین سے اسی نام پر لڑتے ہیں کہ مشرکین کے غلبہ و تسلط سے مسلم قوم کو بچایا جائے اور کلمۂ اسلام کو ان کے مقابلہ میں پست نہ ہونے دیا جائے اور مسلمانوں کے قومی و ملی استقلال کی حفاظت ہو۔"

"نیز کانگریس میں ہر قسم کے لوگ بے شمار ہندو، عیسائی، سکھ، مرتد، دہریئے اور اگر چاہیں تو قادیانی بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ (یعنی کسی کے لئے ممانعت نہیں) کیا محض سیاست کے حیلے سے ایسی جماعت کی شرکت جناب کے خیال میں درست ہے۔ کیا جناب بھی توجہ فرمائیں گے۔" (صفحہ نمبر ۱۲ تا ۱۹)

(شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۹ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ - ۱۵ نومبر ۱۹۴۵ء)

مکتوب (۴)

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا خط

۷۸۶

حبیب روڈ لدھیانہ
۱۷ نومبر ۱۹۴۵ء

"حضرت استاذ المکرم علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ جو فتوے قتل کے جواز میں کلکتہ میں تیار کیا گیا ہے اس پر آپ کے دستخط دیکھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس دنیا

دل میں ہے۔ اس کا اندازہ آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ نے مجھ ہی کو نہیں بلکہ اپنے سینکڑوں بے غرض، مخلص محبت کرنے والوں کو بے گناہ قتل کر دیا ہے۔ جناح کی قیادت کا اعلان اور پاکستان کی حمایت کو سوائے قتل کے فتوئی سے اور کن الفاظ سے تعبیر کروں؟"

"آپ کے بزرگواروں کا فتوئی تو یہ تھا کہ سرسید احمد خان کے ساتھ اشتراک عمل بھی جائز نہیں اور ہندوؤں سے مل کر زیادہ کام چلانے میں کوئی حرج نہیں۔ تقریباً تیس برس کا عرصہ ہوا آپ نے دیوبند میں مجھ سے نصرت الابرار کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ تمہارے بزرگوں نے سرسید احمد وغیرہ قادیانیوں کے بارے میں جس رائے کا اظہار فرمایا۔۔۔ وہ ان کا کشف صریح تھا اور انھوں نے مسلمانوں کو گمراہی سے بچا لیا۔" رسالہ نصرت الابرار بھیج رہا ہوں اس پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دستخط ہیں۔ اللہ کی شان ہے سرسید احمد کو کافر کہنے والوں کی روحانی اولاد اسی سرسید احمد کی روحانی اولاد کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے اور اسی کو اسلام اور مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتی ہے۔ میں اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سہارنپور میں آپ کے اس بیان کا ذکر کر رہے تھے۔ کہ مولانا حفظ الرحمٰن کے آنسو آ گئے۔ اور انھوں نے کہا کہ آگے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ہمارے اور اسلام کے دشمن ہم کو ذبح کرتے تھے۔ اب آپ نے ان کی جگہ لے لی۔"

مولانا حبیب الرحمٰن فرماتے ہیں:-

"میں نے اعلان کیا تھا کہ اگر مسلم لیگ میں صداقت ہے تو پچاس فی صدی نشستیں علما کے لیے مخصوص کر دے۔ ہم پنجاب سے احرار اور کانگریس کے ٹکٹ پر جمعیت علما کو کھڑا کر رہے ہیں

دل میں ہے۔ اس کا اندازہ آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ نے مجھ ہی کو نہیں بلکہ اپنے سیکڑوں بے غرض، مخلص محبت کرنے والوں کو بے گناہ قتل کر دیا ہے۔ جناح کی قیادت کا اعلان اور پاکستان کی حمایت کو سوائے قتل کے فتوئی سے اور کن الفاظ سے تعبیر کروں۔"

"آپ کے بزرگواروں کا فتویٰ تو یہ تھا کہ سرسید احمد خان کے ساتھ اشتراکِ عمل بھی جائز نہیں اور ہندوؤں سے مل کر دنیا کا کام چلانے میں کوئی حرج نہیں۔ تقریباً تیس برس کا عرصہ ہوا آپ نے دیوبند میں مجھ سے نصرت الابرار کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ تمہارے بزرگوں نے سرسید احمد اور قادیانیوں کے بارے میں جس رائے کا اظہار فرمایا۔ وہ ان کا کشف صریح تھا اور انھوں نے مسلمانوں کو گمراہی سے بچا لیا۔" رسالہ نصرت الابرار بھیج رہا ہوں اس پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دستخط ہیں۔ اللہ کی شان ہے سرسید احمد کو کافر کہنے والوں کی روحانی اولاد اسی سرسید احمد کی روحانی اولاد کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے اور اسی کو اسلام اور مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتی ہے۔ میں اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سہارنپور میں آپ کے اس بیان کا ذکر کر رہے تھے۔ کہ مولانا حفظ الرحمٰن کے آنسو آ گئے۔ اور انھوں نے کہا کہ آگے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ہمارے اور اسلام کے دشمن ہم کو ذبح کرتے تھے۔ اب آپ نے ان کی جگہ لے لی۔"

مولانا حبیب الرحمٰن فرماتے ہیں:۔

"میں نے اعلان کیا تھا کہ اگر مسلم لیگ میں صداقت ہے تو پچاس فی صدی نشستیں علماء کے لیے مخصوص کر دے۔ ہم پنجاب سے احرار اور کانگریس کے ٹکٹ پر چند مستند علماء کو کھڑا کر رہے ہیں

آپ آج بجائے جیناح کے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ ہوتے تاکہ دنیا پکار اٹھتی کہ قرآن جاننے والے ملّا ہی ہندوستان کو آزاد کرائیں گے۔"

لکھتے ہیں:-

"مجھ کو آپ کے اس لکھنے سے کہ جیناح کو ہندوستان کا سیاسی لیڈر تسلیم کیا جائے بڑا دکھ ہوا۔ گویا کہ ہندوستان کے قرآن کے مفسر نے انگریزی داں طبقے کے سامنے اقرار کر لیا کہ مولوی سیاست نہیں جانتا اور یہ بھی اقرار کر لیا کہ وقت کی سیاست کو قرآن کا سب سے بڑا مفسر نہیں چلا سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ یہ علما کے قتل کا فتویٰ نہیں تو اور کیا ہے؟"

میرے محترم و مکرم پاکستان الیکشن کے لیے ایک نعرہ ہے۔ الیکشن ختم ہو جائے گا تو مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ مل کر وزارتیں بنانے کی کوشش کرے گی۔ واحد نمایندگی کا مقصد یہ ہے کہ تمام اقتدار رجعت پسند طبقے کے ہاتھ میں رہے اور سیاسی اقتدار کسی ایسی جماعت کے ہاتھ میں نہ آ جائے جو مذہب کی سربلندی اور ہندوستان کی آزادی کی خواہش مند ہو۔ اور یہ کیا میری بات آپ کے خیال شریف میں رکھنی چاہیے کہ یہ انگریزی طبقہ کانگریس سے صلح کے بعد علما کو کچلنے کے لیے علما ہی کے فتوے پیش کرے گا کہ ان علما نے ہمیں کانگریس میں شامل ہونے اور وطن کی آزادی سے روکا تھا۔ کیونکہ اس طبقے کے سامنے مذہب نہیں ہے۔ چند نوکریاں اور نشستیں ہیں اور بس۔"

جواب از حضرت العلامہ مولانا عثمانی دامت برکاتہم

برادرم محترم دامت برکاتہم۔ بعد سلام مسنون

"میں خود غرضانہ جواب و تنقید پر آپ متنبہ فرما رہے ہیں، میں بحمد اللہ ان کے امکان سے نا قائل نہیں لیکن اگر خدا کرے وہ وقوع میں آ گئے تو

آپ آج بجائے جیناح کے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ ہوتے تاکہ دنیا پکار اٹھتی کہ قرآن جاننے والے ملّاں ہی ہندوستان کو آزاد کرا سکے" لکھتے ہیں:۔

"مجھ کو آپ کے اس لکھنے سے کہ جیناح کو ہندوستان کا سیاسی لیڈر تسلیم کیا جائے بڑا دکھ ہوا۔ گویا کہ ہندوستان کے قرآن کے مفسر نے انگریزی داں طبقے کے سامنے اقرار کر لیا کہ مولوی سیاست نہیں جانتا اور یہ بھی اقرار کر لیا کہ وقت کی سیاست کو قرآن کا سب سے بڑا مفسر دیکھ سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ یہ علماء کے قتل کا فتویٰ نہیں تو اور کیا ہے۔

میرے محترم و مکرم پاکستان الیکشن کے لیے ایک نعرہ ہے۔ الیکشن ختم ہو جائے گا تو مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ مل کر وزارتیں بنانے کی کوشش کرے گی۔ واحد نمائندگی کا مقصد یہ ہے کہ تمام اقتدار بجائے طبقے کے ہاتھ میں رہے اور سیاسی اقتدار کسی ایسی جماعت کے ہاتھ میں نہ آ جائے جو مذہب کی سربلندی اور ہندوستان کی آزادی کی خواہش مند ہو۔ اور یہ بھی میری بات آپ کو خیال شریف میں رکھنی چاہیے کہ یہ انگریزی طبقہ کانگریس سے صلح کے بعد علماء کو کچلنے کے لیے علماء ہی کے فتوے پیش کرے گا کہ ان علماء نے ہمیں کانگریس میں شامل ہونے اور وطن کی آزادی سے روکا تھا۔ کیونکہ اس طبقے کے سامنے مذہب نہیں ہے۔ چند نوکریاں اور نشستیں ہیں اور بس۔"

جواب از حضرت العلامہ مولانا عثمانی دامت برکاتہم

برادرم محترم دامت برکاتہم۔ بعد سلام مسنون

"جن خوفناک عواقب و نتائج پر آپ متنبہ فرما رہے ہیں، میں بحمداللہ ان کے امکان سے غافل نہیں لیکن اگر خدا کردہ وہ وقوع میں آ گئے تو

چکی ہے اور اب بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ پھر وہاں وہ پیچھے بھی ہیں۔ بلکہ ایک وہ بری آجکل اس پر مشترکانہ جی کے بہت اقتدار رکھتا ہے اور قادیانی، شیعہ، مشرقی، مغربی، کسی کے لئے اس کا دروازہ بند نہیں۔ یہ بھی کمیونسٹ ہیں کا ذکر مسلم لیگ کے ساتھ بار بار کیا جاتا ہے کل تک اس میں سب شریک تھے۔ مسٹر جناح کی قیادت کا مسئلہ تو آپ کو معلوم ہے۔ کہ ہم نے ان کو ابتدا قائد نہیں بنایا وہ اپنی ذاتی قابلیت یا وہ سرشکوری اسباب کی بنا پر مسلم اکثریت کے قائد بن گئے اب ان کا مقابلہ کر کے جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا، درآں حالیکہ وہ اس وقت ایک مضبوط اصول اور صحیح نظریہ کے حامل بھی ہیں۔ کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس قیادت کو خود اکابر جمعیۃ العلماء ۱۹۳۶ء میں مستقل اور کلی اختیارات سپرد کر کے خوب مستحکم اور مضبوط کر چکے ہیں۔ (دیکھو خطبہ مطبوعہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی ۱/ جنرل الیکشن ۱۹۳۶ء)

مولانا ابوالکلام کے بارے میں ہیں:۔

"مولانا ابوالکلام آزاد کے علم اور ذاتی عقائد و خیالات پر میں کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ نہ میں ان کو خود غرض سمجھتا ہوں۔ لیکن فی الحال جس لائن پر چل رہے ہیں۔ میرے نزدیک وہ اس منزل مقصود پر پہنچانے والی نہیں۔ جس کا نشان انھوں نے "الہلال" وغیرہ میں دیا تھا۔"

آخر میں فرماتے ہیں:۔

میرے بھائی اپنے کو حد سے زیادہ ذہین و فہیم اور دور رس کو عقل کل نہ سمجھئے۔ کبھی ایک چیز کو غائب حاضر سے بہتر سمجھ لیتا ہے میں جس چیز کو پورے غور و فکر کے بعد بحمد اللہ شریعت کی روشنی میں

چکی ہے۔ اور اب بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ پھر وہاں وہ پرچے بھی ہیں۔ بلکہ ایک دہریہ آجکل اس پر مسٹر کا ندھی کے بعد اقتدار رکھتا ہے اور قادیانی، شیعہ، مشرقی، مغربی، کسی کے لئے اس کا دروازہ بند نہیں۔ یہ بھی کمیونسٹ جن کا ذکر مسلم لیگ کے ساتھ بار بار کیا جاتا ہے کل تک اس میں سب شریک تھے۔ "مسٹر جناح کی قیادت کا مسئلہ تو آپ کو معلوم ہے۔ کہ ہم نے ان کو ابتداً قائد نہیں بنایا وہ اپنی وہانی قابلیت یا دوسرے تکوینی اسباب کی بنا پر مسلم اکثریت کے قائد بن گئے۔ اب ان کا مقابلہ کر کے جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا، درآں حالیکہ وہ اس وقت ایک مضبوط اصول اور صحیح نظریہ کے حامل بھی ہیں، کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس قیادت کو خود کانگریس جمعیۃ العلماء ۱۹۳۶ء میں مستقل اور کلی اختیارات سپرد کر کے خوب مستحکم اور مضبوط کر چکے ہیں۔" (دیکھو خط مطبوعہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی بابتہ الیکشن ۱۹۳۶ء)

مولانا ابوالکلام کے بارے میں ہیں:۔

"مولانا ابوالکلام آزاد کے علم اور ذاتی عقائد و خیالات پر میں کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ نہ میں ان کو خود غرض سمجھتا ہوں۔ لیکن فی الحال جس لائن پر چل رہے ہیں۔ میرے نزدیک وہ اس منزل مقصود پر پہنچانے والی نہیں۔ جس کا نشان انھوں نے "الہلال" وغیرہ میں دیا تھا۔"

آخر میں فرماتے ہیں:۔

"میرے بھائی اپنے کو حد سے زیادہ ذہین و فہیم اور دوسروں کو بالکل احمق نہ سمجھئے۔ کبھی ایک چیز کو غائب حاضر سے بہتر سمجھ لیتا ہے میں جس چیز کو پورے غور و فکر کے بعد بحمداللہ شریعت کی روشنی میں

مکتوب ۷

نقل خط مولوی عبدالاحد صاحب قاسمی عے پورب لین چوک بازار ڈھاکہ

حضرت سنا المطاع، زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
(۱) کیا مولانا حسین احمد صاحب نے گاندھی کی پالیسی کو جمعیۃ العلما کا نصب العین بنالیا؟

جواب از حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم

نصب العین تو نہیں لیکن عملاً اس وقت جو کچھ ہورہا ہے اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ جمعیۃ بالکل کانگریس کے تابع ہے اور کانگریس کا گاندھی جی کی پالیسی پر چلنا کسی عاقل سے مخفی نہیں؟

شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

مکتوب ۸

نقل خط جناب بشیر الدین احمد صاحب امیر تحصیل شہر

محترمی و معظمی قبلہ جناب حضرت مولانا صاحب دام فیوضکم
"میں خود ۱۹۳۲ء سے مسلم لیگ میں کام کررہا ہوں اور مجھ کو ان سر اور خان بہادروں اور سرمایہ داروں کی حالت کا بہت اچھی طرح پتہ ہے اور ان کا مقصد بھی خوب جانتا ہوں۔ میں اکثر لاہور جاتا ہوں اور حالات دیکھتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں کانگریسی نہیں ہوں۔ میں مسلم لیگ کے بعد سے مجلس احرار اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہوں جو کسی بھی غیر مسلم کو اپنے میں ملانا نہیں چاہتی

مکتوب ۷

نقل خط مولوی عبدالاحد صاحب قاسمی عے پورب لین چوک بازار ڈھاکہ

حضرتنا المطاع، زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔
(۱) کیا مولانا حسین احمد صاحب نے گاندھی کی پالیسی کو جمعیۃ العلماء کا نصب العین بنالیا؟

جواب از حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم

نصب العین تو نہیں لیکن عملاً اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس سے سمجھا یہی جاتا ہے کہ جمعیۃ بالکل کانگریس کے تابع ہے اور کانگریس کا گاندھی جی کی پالیسی پر چلنا کسی عاقل سے مخفی نہیں۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۳ھ

مکتوب ۸

نقل خط جناب بشیر الدین احمد صاحب میرٹھ شہر

مخدومی و معظمی قبلہ جناب حضرت مولانا صاحب دام فیوضکم

"میں خود ۱۹۳۶ء سے مسلم لیگ میں کام کر رہا ہوں اور مجھ کو ان سرداروں، خان بہادروں اور سرمایہ داروں کی حالت کا بہت اچھی طرح پتہ ہے اور ان کا مقصد بھی خوب جانتا ہوں۔ میں اکثر لاہور رہتا ہوں اور حالات دیکھتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں کانگریسی نہیں ہوں۔ میں مسلم لیگ کے بعد سے مجلس احرار اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہوں جو کسی بھی غیر مسلم کا نہ میں ملانا اپنا پروگرام

بار اعلان کر رہے ہیں کہ پاکستان میں حکومت قرآنی اُصول کے مطابق شریعت مطہرہ کی قائم ہوگی۔ ابھی حال میں بمقام پشاور مسٹر جناح کے اعلان کا اعادہ کیا ہے"

شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۸ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ صفحہ ۵۳ تا ۵۷

از مراسلات سیاسیہ

مکتوب ۹

نقل خط مولانا عبدالحنان صاحب مظاہری محلہ قاضی پور شہر گورکھپور

محترم المقام جناب مولانا صاحب زاد مجدہٗ

السلام علیکم۔ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا مسلم لیگ کی حمایت کر رہے ہیں۔ اور لیگ میں مسلمانوں کی تحریک کو سفینۂ نجات اور پاکستان کو اقرب الی الشریعہ تصور فرماتے ہیں۔ مجھے کسی طرح یقین نہیں آتا کہ جناب والا جیسا متبحر عالم ایسا بیان شائع کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ لیگ والے اپنے پروپیگنڈے کے لیے فرضی بیانات جناب کی طرف منسوب کر کے اخبارات میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ جناب کو معلوم ہوگا کہ یہ مسلم لیگ وہی ہے جس کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے کلکتہ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں فخریہ طور پر فرمایا تھا کہ میں نے اس ناپاک جماعت کے وقار کو ختم کر دیا جو اپنے آپ کو علما کہتی ہے۔

عبدالحنان مظاہری
محلہ قاضی پور شہر گورکھپور

بار اعلان کر رہے ہیں کہ پاکستان میں حکومت قرآنی اصول کے مطابق شریعت مطہرہ کی قائم ہوگی۔ ابھی حال میں بمقام پشاور مسٹر جناح کے اعلان کا اعادہ کیا ہے"۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۸ ذالحجہ ۱۳۶۳ھ صفحہ ۵۳ تا ۵۷

از مراسلات سیاسیہ

مکتوب ۹

نقل خط مولانا عبدالحنان صاحب مظاہری محلہ قاضی پور شہر گورکھپور

محترم المقام جناب مولانا صاحب زاد مجدہ

السلام علیکم۔ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا مسلم لیگ کی حمایت کر رہے ہیں۔ اور لیگ میں مسلمانوں کی خیر کو سفینۂ نجات اور پاکستان کو اقرب الی الشریعہ متصور فرماتے ہیں۔ مجھے کسی طرح یقین نہیں آتا کہ جناب والا جیسا متبحر عالم ایسا بیان شائع کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ لیگ والے اپنے پروپیگنڈے کے لیے فرضی بیانات جناب کی طرف منسوب کرکے اخبارات میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ جناب کو معلوم ہوگا کہ یہ مسلم لیگ وہی ہے جس کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے کلکتہ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں فخریہ طور پر فرمایا تھا کہ میں نے اس ناپاک جماعت کے وقار کو ختم کر دیا جو اپنے آپ کو علما کہتی ہے۔

عبدالحنان مظاہری
محلہ قاضی پور شہر گورکھپور

طالب ہوں۔ آمین ثم آمین۔

عرض نیاز یہ ہے کہ آجکل دنیا میں جو جو جماعتیں اپنی صدر کی ماتحت کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک مسلم لیگ جو مسٹر جناح کے تحت میں ہے۔ دیگر جمعیت العلماء ہند جن کی صدر مولانا مدنی صاحب ہیں۔ لیکن آج دو چار روز گذر چکے کہ جناب مخدوم اعلیٰ جمعیت العلماء اسلام کی ہمیشہ کے لیے صدارت منظور فرما چکے ہیں۔ احقر نے جس وقت سنا اسی وقت سے نہایت ہموم و غموم میں مبتلا ہے۔ صرف احقر نہیں بلکہ جملہ وہ علمائے کرام جو حضرت والا سے تعلق رکھتے ہیں۔ حیران ہیں۔

جواب از حضرت العلامہ مولانا عثمانی دامت برکاتہم

۷۸۶

برادرم عزیز سلمک اللہ تعالیٰ

"یہ خبر سن کر کہ جمعیت علماء اسلام نے مجھے مستقل صدر منتخب کیا۔ خدا جانے آپ کیوں ہموم و غموم میں پڑ گئے۔ اور دوسرے لوگ کیوں حیران ہیں۔ اس کے مقاصد کیا برے ہیں اور حالات موجودہ طرز عمل پر کیا اعتراض ہے۔ مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء ہند کا مقابلہ وہ سرے سے بے موقع ہے۔ اصل مقابلہ لیگ کا کانگریس سے ہے۔ کانگریس یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کو آزادی ملے یا نہ ملے۔ مگر اکثریت کی غلامی کا طوق کبھی اور کسی جگہ مسلمانوں کے گلے سے نکلنے نہ پائے۔ مسلم لیگ کہتی ہے کہ یہاں دو مستقل قومیں آباد ہیں۔ جس صوبہ میں جس قوم کی اکثریت ہے وہاں وہ آزاد ہو۔ اور دونوں قومیں آپس میں باعزت اور

طالب ہوں آمین ثم آمین۔

" عرض نیاز یہ ہے کہ آجکل دنیا میں جو جو جماعتیں اپنی صدر کی ماتحت کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک مسلم لیگ جو مسٹر جینا کے تحت میں ہیں۔ دیگر جمعیۃ العلماء ہند جن کی صدر مولانا مدنی صاحب ہیں۔ لیکن آج دو چار روز گزر چکے کہ میرے مخدوم اعلیٰ جمعیۃ العلماء اسلام کی ہمیشہ کے لیے صدارت منظور فرما چکے ہیں۔ احقر یہ چیز جس وقت سنا اسی وقت سے نہایت ہموم و غموم میں مبتلا ہے۔ صرف احقر نہیں بلکہ بنگال وہ علمائے کرام جو حضرت والا سے تعلق رکھتے ہیں۔ حیران ہیں۔

جواب از حضرت العلامہ مولانا عثمانی دامت برکاتہم

۷۸۶

برادرم عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ

" یہ خبر سن کر کہ جمعیۃ علماء اسلام نے مجھے مستقل صدر منتخب کیا خدا جانے آپ کیوں ہموم و غموم میں پڑ گیے۔ اور دوسرے لوگ کیوں حیران ہیں۔ اس کے مقاصد کیا برے ہیں اور اس کی موجودہ طرز عمل پر کیا اعتراض ہے۔ رہا مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء ہند کا مقابلہ وہ سرے سے بے موقع ہے۔ اصل مقابلہ لیگ کا کانگریس سے ہے۔ کانگریس یہ چاہتی ہے کہ ہندستان کو آزادی ملے یا نہ ملے۔ مگر اکثریت کی غلامی کا طوق کبھی اور کسی جگہ مسلمانوں کے گلے سے نکلنے نہ پائے۔ مسلم لیگ کہتی ہے کہ یہاں دو مستقل قومیں آباد ہیں۔ جس صوبہ میں جس قوم کی اکثریت ہے وہاں وہ آزاد ہو۔ اور دونوں قومیں آپس میں باعزت اور

جناح، نواب اسماعیل خان صاحب، راجہ محمود آباد، چودھری
خلیق الزماں اور سر ظفر اللہ خان قادیانی سب اس میں شریک
تھے، انھیں سے اکثر آج اس کے قائد ہیں۔ بلکہ بہت سے بڑے
بڑے کانگریسی زعما بھی ادھر سے ٹوٹ کر لیگ میں آچکے ہیں۔
اور عامۂ مسلمین کی جو تعداد آج اس میں شریک ہے ۱۹۳۶ء
میں اس کا عشر عشیر بھی شریک نہ تھے۔ پھر جب مولانا حسین احمد
صاحب اور مفتی صاحب وغیرہ اکابر علماء اس میں شریک ہوگئے
اور اسی کی کمانڈ میں الیکشن لڑایا اس کے ایک ماہ بعد ہی
وہ سب جو حکومت کے مخالف تھے۔ حکومت پرست بن گئے
۔ ۔ ۔ تمام ذمہ داران لیگ کے بہت سے اعلانات اس بارہ
میں ہو چکے ہیں کہ ہمارا پروگرام قرآن کریم ہے"۔

از دیوبند ۱۹ رذی الحجہ ۶۴ھ

صفحہ ۷۴ تا ۸۰

از مراسلات سیاسیہ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ یہ پمفلٹ ہمیں مناسب وقت پر
نہیں ملا۔ ہم ان خطوط پر تنقید و تبصرہ اس لیے ضروری نہیں سمجھتے۔
کہ یہ خیالات و نظریات وہی ہیں۔ جن کے متعلق پوری کتاب میں
نہایت واضح طور پر لکھا جا چکا ہے۔ یہاں تو مقصود و مطلوب صرف
یہ ہے کہ ان تحریروں کو نذر قارئین کر دیا جائے۔ تاکہ نیشنلسٹ علماء
کے ان سوالات کے جوابات جو علامہ عثمانیؒ نے دیئے ہیں۔ موضوع
کے لحاظ سے یہ ذخیرہ بھی اس کتاب میں محفوظ ہو جائے۔ اور اُن
"نکتہ وروں" کو جو تحریک پاکستان کے حقائق کو مسخ کرنے کی سعی لاحاصل
کر رہے ہیں۔ انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ ذمہ داران مسلم لیگ

حرفِ آخر

مدت سے آرزو تھی کہ تحریکِ حصولِ پاکستان کے اُس گوشہ اور روشن پہلو کو فرزندانِ ملّت کے حضور پیش کیا جائے جس سے یہ واضح ہو سکے کہ معرکۂ دین و وطن میں وطن پرست علماء نے اسلام کے مقدس نام پر نظریۂ پاکستان کی مخالفت کس کس انداز و اسلوب سے کی۔ اللہ نے ہمیں توفیق دی اب ہم اُسی کی بارگاہِ صمدیت میں سرِ عجز و نیاز جھکاتے ہوئے اس فخر و ناز سے یہ پیش کش تحریکِ پاکستان اور نیشنلسٹ علماء حاضرِ خدمت کر رہے ہیں اور یہ سعادت بھی ہمارے حصہ میں آئی کہ نقاب پوش مصلحین کے خلاف پاکستان اسلام اور حکیم الامت علامہ اقبال کے پیش کردہ تصورِ دین میں خطِ امتیاز کھینچ کر جہاں جماعت اسلامی کے مذموم عزائم کو بے نقاب کیا وہاں نیشنلسٹ علماء کے علمبرداروں کی طرف سے افسوسناک طرز و طریق پر قیامِ پاکستان کی مخالفت کے زندہ حقائق بھی ہمارے ہی قلم سے نونہالانِ ملّت کے سامنے آگئے۔ نیشنلسٹ مسلمانوں کے اس کردار کے متعلق اس میں جتنا کچھ اور مستند ذخیرۂ حقائق فراہم کیا گیا ہے ابھی تک ہماری نظر سے ایسی کوئی کتاب نہیں گزری۔ بحمداللہ شاہد ہے کہ ہمیں کسی خوبی و فضیلت اور کسی بڑی حیثیت کا دعویٰ نہیں۔ ہمارا پیش کردہ مجموعہ تاریخِ تحریکِ پاکستان کی زندہ شہادتیں اور درخشندہ و تابناک حقیقتوں سے بھرپور ہے جنہیں پوری احتیاط و محنت اور دیانت و امانت کو مدِ نظر رکھ کر جمع کیا گیا ہے۔ اگر اتنی کاوش و دیانت کے باوجود بھی اس حوالہ جاتی کتاب میں کہیں حوالہ کی غلطی ہو تو ہم مخلصانِ ملّت کی رہبری و راہنمائی قبول کرنے پر مسرت محسوس کریں گے۔ لیکن اگر تلخ حقائق سے کسی کی جبین شکن آلود ہو جائے اور ہمیں التفات و عنایات سے نوازا جائے تو حضور ربّ العزت

دعا کریں گے کہ وہ انھیں حقیقت پسند بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ غلطی
شخص سے احتمال ہے۔ تاہم یہ مواد اس اعتماد و یقین سے پیش کیا
رہا ہے۔ کہ حوالوں اور اقتباسات میں زیر۔ زبر تک کی تبدیلی کو بھی خیانت
تصور کیا اور خلافِ دیانت سمجھا گیا ہے۔ چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی کی
ستیزہ کاری اور حق و باطل کی اس حریفانہ کشاکش میں غیروں کے لئے اپنوں
نے ہم سے جو سلوک کیا یہ کتاب انہی افسوسناک و الم انگیز حقیقتوں کی مسلسل
داستان ہے اور اس کی ایک ایک سطر سے نیشنلسٹ مسلمانوں کا کردار جھلک
رہا ہے۔ اسلامیانِ ہند کی تاریخ کا یہ وہ سیاہ باب ہے جسے پیش کرتے
ہوئے ہمارا قلم لرزتا ہے اور ہم دل گرفتگی سی محسوس کرتے ہیں لیکن یہ قصہ
درد سنانے کے لیے اپنے کو مجبور بھی پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان واقعات و
حوادث کو طوعاً و کرہاً نوکِ قلم پر لانا ہی پڑا ہے۔ ہمیں دعویٰ ہمہ دانی بھی نہیں
اس لیے دوستوں اور بزرگوں کے مفید و مشفقانہ مشوروں کے لیے قلب و نظر
کے دریچے وا کیے ہوئے ہیں لیکن اندھی عقیدت اور حقیقت کش جذبہ کی درگاہ
کے لیے اپنے ہاں کوئی ساماں نہیں رکھتے۔ وہ جن کی آنکھیں نورِ حقیقت سے
چندھیا جائیں اور صنم کدۂ وطن کے کسی پجاری پر دل و جاں نثار کر بیٹھے ہوں
ان کے درد کا درماں ہمارے پاس نہیں۔ ایسے اصحابِ سیاست
جنھوں نے ماضی میں اپنی سیاسی نمازیں اس امام الہند کی اقتداء میں ادا
کی ہوں جو آپ کو ثری سے پسل کر پ گنگا پہنچ گیا ہو۔ ایسے ذہنی مریضوں کا
مداوا بھی ہمارے پاس نہیں۔ وہ شیفتگانِ حرم جنھوں نے کعبہ سے رُخ
موڑ کر آنند بھون کو قبلۂ مقصود بنا لیا ہو اور تھانہ بھون سے بے نیاز
ہو بیٹھے ہوں ان کی ارادت و عقیدت کے حلقۂ زنجیر میں گرفتاروں کے
لیے بھی ان کی ذہنی و نظری تبدیلی کے لیے اپنے دامن میں صرف آرزو ہے
ایسوں کے حلقۂ اثر میں اگر حقیقت فراموشوں کے لیے خلوصِ نیت سے حضور

ب القلوب لرزتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر دُعا گو ہیں کہ انھیں وہ نورِ بصیرت
عطا کر جو تُو نے اقبالؒ کے فرزانوں کو عطا کیا اور اُس آفتابِ حقیقت کی
ضیا پاشیوں سے ان کے دلوں کی دُنیا منور کر دے جس سے تُو نے حکیم الامت
کے دیوانوں کے قلب و نگاہ کو روشن و تابناک کیا۔

چودھری حبیب احمدؒ